سیرت و شخصیت

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب

سابق مہتمم دار العلوم وقف دیوبند

مؤلف

مولانا محمد اسامہ صدیقی نانوتوی

ناشر

حجۃ الاسلام اکیڈمی
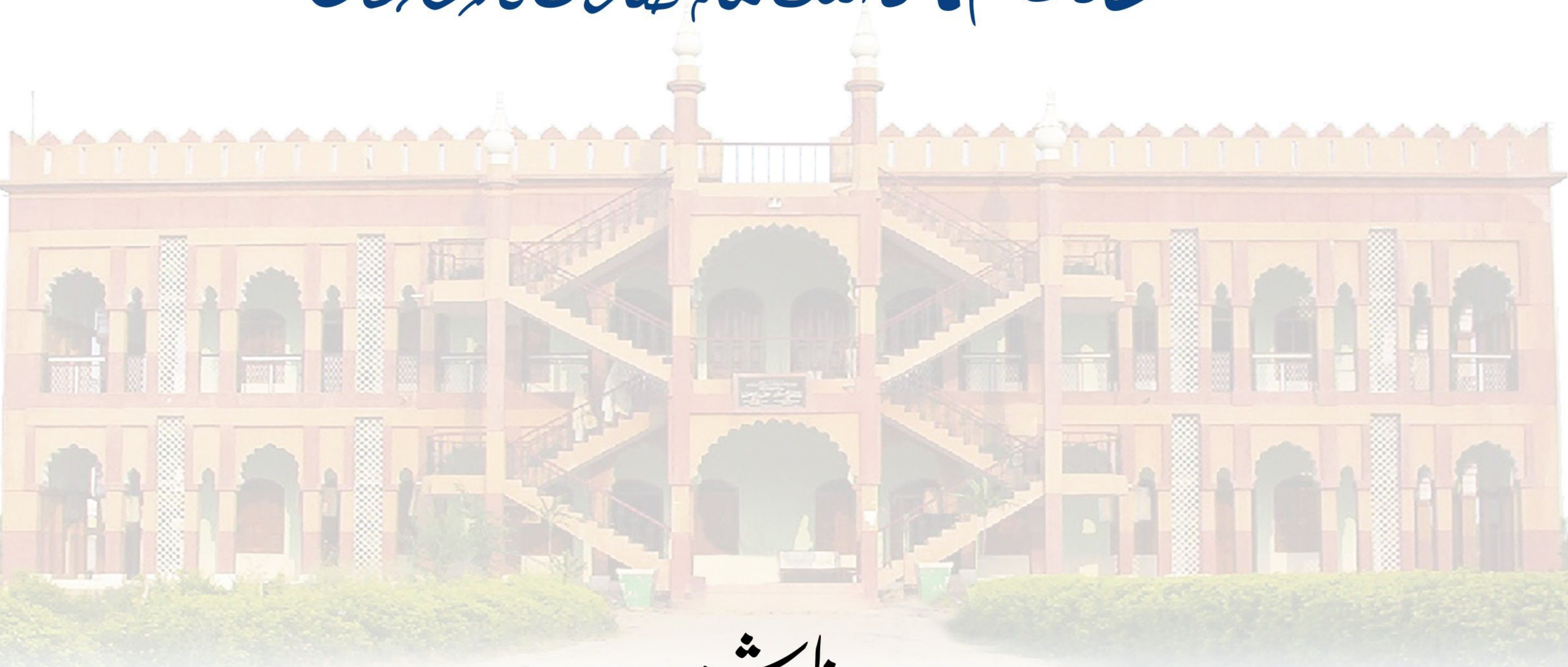
دار العلوم وقف دیوبند

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

قال اللّٰہ تعالیٰ:

﴿قل إنی لن یجیرنی من اللہ أحد ولن أجد من دونہ ملتحداً، الا بلٰغا من اللہ ورسالاتہ﴾

(سورۃ الجن: ۲۳)

سیرت و شخصیت

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب

سابق مہتمم دار العلوم وقف دیوبند

جلد اول

مؤلف

مولانا محمد اسامہ صدیقی نانوتوی

ناشر

حجۃ الاسلام اکیڈمی

دار العلوم وقف دیوبند

حضرت خطیب الاسلام کا پسندیدہ شعر

مشیت میں مجال دم زدن توبہ معاذ اللہ
جسے یوسف بناتے ہیں اسے رکھتے ہیں زنداں میں

(مجالس خطیب الاسلام)

فہرست مضامین......جلد اوّل

باب اول

باب دوم

باب سوم

باب چہارم

فہرست......جلد دوم

باب پنجم

باب ششم

باب ہفتم

از:

جانشین خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

اس عالم آب گل کی صفحۂ ہستی پر نہ جانے کتنی ہی ایسی نابغہ روزگار ہستیاں جلوہ افروز ہوئیں جن کو ذات حق جل مجدہ اپنے بیکراں خزائن رحمت اور انسان کے لئے ناقابل تصور وخیال اپنی شان کے مطابق وسعت عطا سے بے شمار محیر العقول خوبیوں اور بے حساب اوصاف حمیدہ سے مزین فرما کر بنی نوع انسانی کی اصلاح ورہنمائی کے لئے دنیا میں بھیجتے ہیں، جس کو مختصر الفاظ میں بایں طور بھی اگر تعبیر کیا جائے تو مبالغہ نہیں ہوگا کہ اللہ تعالی کی عطائے خاص سے ودیعت شدہ اوصاف وکمالات کے سبب یہ طبقہ بنی نوع انسانی کے لئے اپنے متنوع اور ہمہ جہت علوم ومصارف کے نقطۂ نظر سے وحدت میں کثرت کی مثال اور مصداق کی عملی شہادت ہے، جس کو ایک طرف اپنے عہد ومعاصرین کے درمیان درجہ عبقریت پر فائز کردیا جاتا ہے جہاں ایک طرف اس عبقریت سے پیدا ہونے والی انفرادیت ان حضرات کو عمومیت کے گرد وغبار سے ہمیشہ محفوظ ومامون رکھتی ہے تو وہیں دوسری طرف سنت اللہ کے مطابق تسلسل فیض کے نقطہ نظر سے پیش رونسل کے اخلاف صالحین کے لئے نمونہ عمل اور راہنمائے نقش حیات کا مرتبہ عطا فرمادیا جاتا ہے، اور حق تعالی کی جانب سے ان شخصیات کی معنوی تزئین کاری کے بنیادی واساسی اجزائے ترکیبی علم وعمل، ورع وتقوی، عزم وہمت، تعمق فکر، تحریک عمل، شعور وآگہی میں پختگی، بلندی اخلاق وکردار، کو ان کے بود وباش، نشست وبرخاست رفتا وگفتار اور طرز معاشرت سمیت تمام چھوٹے بڑے اہم وغیر اہم ایک ایک فعل وعمل سے مربوط کر کے اس میں ایسی مقناطیسی دل آویزی اور کشش ودل کشی عطا کردی جاتی ہے گویا کہ شخصیت کا خاکہ تصور

وخیال بھی میں ان اجزائے لاینفک کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا ہے اور یہی صفات حمیدہ ان شخصیات کو مرجع خلائق بنادیتی ہیں، اور یہی وہ حق تعالی کی منتخب وچنیدہ ہستیاں ہیں جوکہ بتوفیق حق جل مجدہ پیش رونسل کے خوش بخت وخوش قسمت صالح اخلاف کے لئے تمثیلا راہ حیات کے نہ جانے کتنے ایسے چراغوں کو روشن کرجاتی ہیں جس کی معنوی روشنی میں سلیم الفکر اخلاف نہ صرف منزل مقصود کا پتہ ہی پالیتے ہیں بلکہ اس مشعل حیات کی بہمہ رنگ روشنیوں میں اپنے اپنے عہود وقرون سے ہم آہنگ تقاضوں کے مطابق نئے رنگ بھرتے ہوئے اپنے سے اگلی نسل کو منتقل کرکے رخصت ہوجاتے ہیں، علی رؤس الاشہاد یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ ربّ کائنات کی حکمت تخلیق عالم کے عین مطابق بنی نوع انسان کی یہ منتخب وچنیدہ شخصیات علوم وفنون ومعارف اور شعور آگہی کے ان گنت مجالات میں حسب توفیق عطائے حق از زمیں تا ثریا کے مصداق عروج وکمال کی انتہائی قابل رشک اور لائق تقلید بلندیوں پر پہنچادئے جاتے ہیں اور اپنے پیچھے علوم ومعارف کے بیش بہا خزینے اور نہایت قیمتی تجربات کا ایک بحر ذخّار چھوڑ جاتے ہیں جوکہ بعد میں آنے والوں کے لئے اگلی تعمیر کی بنیاد واساس کا درجہ رکھتے ہیں اور یہی تسلسل بنی نوع انسان کے تدریجی ارتقا کا عنوان ہے، اسی کے ساتھ یہ بھی ایک تجرباتی اور مشاہداتی حقیقت ہے کہ دنیا کے کسی بھی میدان عمل کے نقطۂ عروج اور مقام کمال کا راستہ گل پوش وادیوں سے ہوکر نہیں گذرتا ہے بلکہ ہمیشہ سنگلاخ ودل خراش اور انتہائی حوصلہ شکن راہوں کا مرہون منت ہوتا ہے جس گذر کر انسان کو عزم آہنی صبر واستقامت اور فکر وعمل کو استحکام ودوام کی دولت حاصل ہوتی ہے گویا کہ اس دنیا میں بزبان قرآن کریم خلق الموت والحیٰوۃ لیبلوکم ایّکم احسن عملا کی کامیاب وکامران، عملی ومشاہداتی تفسیر کا نمونہ ہوتے ہیں، چنانچہ اس حقیقت پسندانہ تجزیہ کے تناظر میں جب کسی محقق ومدقق کی بصیرت افروز اور حقیقت کی متلاشی نگاہیں تاریخ کے دبیز پردوں میں مستور اور ورائے حجاب افراد واشخاص کی سربستہ صلاحیتوں کا منصفانہ جائزہ لیتی ہیں اور بتوفیق حق منصۂ شہود پر لائی جاتی ہیں تو وہ راز حقیقت بھی آشکارا ہوجاتا ہے جس سے کہ پیش رونسلوں میں تحریک عمل کو فروغ حاصل ہوتا ہے اور ان کے فکر وخیال میں تموج اور طبیعت ومزاج میں انقلابی کیفیت کو جلا میسر آتی ہے۔

ان تمہیدی حقائق کے علی الرغم اس حقیقت واقعہ سے بھی صرف نظر نہیں کیا جاسکتا ہے کہ قحط الرجال کے اس افسوس ناک عہد رواں میں جب کوئی ایسی شخصیت ہم سے جدا ہوتی ہے جس کا

بابرکت وجود مسعود کسی ایک گروہ یا کسی ایک جماعت یا طبقے کے لئے مختص نہیں ہوتا بلکہ آج کے درپیش چند در چند اور نت نئے مسائل وافکار سے پریشان حال اور ہدایت ورہنمائی کی متلاشی اور روز کے نت نئے مسائل سے نبرد آزما امت کے سامنے پیدا ہونے والے سوالات کے جوابات کو حاصل کرنے کے نقطۂ نظر سے متجسس وحساس افراد کے لئے مینارہ نور کی حیثیت رکھتی ہو تو ایسے میں غم والم اور فکر و ہموم کا دو چند ہو جانا کوئی تعجب خیز بات نہیں ہے، نہ جانے حادثات کی سرعت رفتار بڑھ گئی ہے یا ایک حادثے سے دوسرے حادثے کے مابین وقفے کی کمی سے اس احساس میں اضافہ ہو گیا ہے کہ کہیں ایسا تو نہیں صادق المصدوق نبی کریم علیہ الصلواۃ والسلام کی دنیا کے اخیر عہد سے تعلق رکھنے والی پیش گوئیوں کے دور کا آغاز ہو چکا ہو اور اسی حساسیت کے زیر اثر، عہد رواں کی رفتار ومزاج کو دیکھتے ہوئے گمان ہو چلا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اشارہ کہیں اسی دور کی طرف تو نہیں تھا، جیسا کہ انہی احادیث میں ایک اہم ترین حدیث پاک کے الفاظ بھی مشیر ہیں ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعہ من الناس ولکن یقبض العلم بقبض العلماحتی اذ الم یترک عالما اتخذ االناس رؤسا جہالا فسلو افأ فتوا بغیر علم فضلّو واضلّو ا۔ اللہ تعالیٰ علم کو لوگوں سے یک بارگی ختم نہیں کریں گے بلکہ اہل علم کی وفات سے رفتہ رفتہ علم کو ختم کر دیں گے، چنانچہ جب ایک بھی عالم کا وجود نہیں رہے گا تو لوگ جہلا کو اپنا امیر اور راہنما بنا لیں گے اور ان سے مسائل دریافت کریں گے، اور وہ اپنے ناقص علم اور جاہلانہ معلومات کے مطابق مسائل بتا کر خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے، اہل علم کی وفات کے پے در پے حادثات سے حدیث مذکور کے یہ الفاظ فکر ونظر اور قلب ودماغ میں ہلچل اور ارتعاش کی سی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں کہ کہیں اس حرماں نصیب دور کی شہادت ہمارے حصے میں تو نہیں آرہی ہے ؟ گرد وپیش کے حوصلہ شکن احوال وحوادث کی واقعاتی شہادتیں اس خیال کے فکری نقوش کو مزید گہرا کر دینے کے لئے کافی ہیں، تاہم ولا تیئسو امن روح اللہ گردش احوال پر حوصلہ شکنی کا کیسا ہی غلبہ کیوں نہ ہو ایک مومن کے لئے یہ یقین ہی تقویت کے لئے کافی ہے کہ ذات حق جلّ مجدہ نبی رحمت علیہ السلام کی امت کو کسی بھی دور میں بے سہارا نہیں چھوڑیں گے بے شک عمومی سطح پر ہماری بداعمالیوں اور ایمان وعقائد میں کمزوری کے سبب ہمارے فکر وخیال پر گرد وغبار آگیا ہے لیکن سنت اللہ کے مطابق ان شااللہ پھر کسی اولی العزم مجدد وقت کے ذریعہ باران رحمت برسے گا اور فکر وہموم کا یہ گرد وغبار ایک مرتبہ پھر صاف ہوگا، کیوں کہ ذات حق جلّ مجدہ کی سنت ثابتہ کے تسلسل کی معنوی تاثیرات

و برکات کے سبب کوئی عہد وقرن ابرار وصالحین سے خالی نہیں ہوتا ہے اور پھر کسی شخصیت کا اللہ کے احکامات کا نقیب ومنّاد کی حیثیت سے منصۂ شہود پر ظہور ہوتا ہے کومن وعن نہیں بلکہ اپنے عہد کے تقاضوں سے ہم آہنگ فکر ومزاج کے فرق سے بنیادی طور پر رخصت پذیر راہنما شخصیت کا نعم البدل قرار دیا جاسکتا ہے کیوں کہ یہ ایک نا قابل تردید تجرباتی ومشاہداتی حقیقت ہے کہ رخصت پذیر شخصیت کی اپنی فردیت وانفرادیت کی ہیئت ترکیبی کے عناصر میں من وعن خوبیاں وخامیاں مالہ وماعلیہ سمیت کسی دوسری شخصیت میں منتقل نہیں ہوتی ہیں کیوں کہ ہر دور کی شخصیات کے مابہ الامتیازات اوصاف کے تفاوت سے ہی ارتقائے انسانی مربوط ہے تاہم مشبہ بہ کے طور پر کسی شخصیت کے کسی پہلو یا جھلک کا دوسرے میں پایا جانا نہ ناممکن ہے اور نہ ہی بعید ہے، اوراس حکمت حق جلّ مجدہ کے ظاہری پہلو سے یہ حقیقت بھی منکشف وعیاں ہوتی ہے کہ افراد واشخاص کی فردیت اوراس کے مخصوص مابہ الامتیازات و خصوصیات کا تعلق اپنے ہی دور کے فکر ومزاج اور طریقۂ رد وقبول کی صلاحیتوں سے مربوط ہوتا ہے کیوں کہ گردش احوال سے زمانوں کے مزاج میں زاویۂ فکر ونظر میں انداز غور وفکر میں استدلات میں اصطلاحات میں طریقۂ فہم وتفہیم غرض کہ بہر طور بہمہ نوع صلاحیتوں کے استعمال میں تغیر واقع ہوجاتا ہے گویا کہ مرور زمانہ سے تبدیل ہونے والے اسی فکری وعملی تغیرات کو بنی نوع انسانی کے تدریج ارتقا کی کی خشت اساس بھی قرار دیا جاسکتا ہے، البتہ گردش احوال اور مرور زمانہ بنیادی واساسی اصولوں پر نہ اثر انداز ہوا ہے نہ ہوسکتا ہے۔

حق تعالیٰ نے اس دنیا کو اسباب کے تابع کیا ہے، چنانچہ اسلاف کے جانے کے بعد اخلاف پر ذمہ داریوں کے احساس میں اضافہ اسی ارتقائی تسلسل سے منسلک ہے، بلاشبہ خوش نصیب وخوش بخت ہیں وہ اخلاف صالحین جن کے دلوں میں جن کی نظروں میں بڑوں کی تعظیم بایں طور جاگزیں ہو کہ وہ مقاصد کی عظمت وجلالت کا ادراک کرتے ہوئے اپنی تمام علمی وفکری قوتوں کو مجتمع کر کے اس کی تکمیل کو مقصد حیات قرار دیتے ہیں۔

اگر چہ نظری طور پر موت کسی مومن کے لئے حادثہ نہیں ہے بلکہ ایسا ہی ہے جیسے دن کے بعد رات کا آجانا یا رات کے سیاہ پردے سے دن کے نور کا پھیل جانا لیکن بہر کیف و بہر طور موت ایک ایسی حقیقت اور ایک ایسی عالمگیر سچائی ہے کہ روئے زمین پر از آدم تا آخر دم کوئی ایسا نہ گذرا ہے اور نہ گذرے گا جو کہ اس حقیقت کی صداقت سے انحراف کی جرأت کرسکے زیر فلک بروئے آسماں کسی

بھی مخلوق کو موت سے رستگاری حاصل نہیں ہے، دوام و بقا اور ہمیشگی صرف اور صرف خدائے بزرگ و برتر کو روا ہے اس کے علاوہ تمام مخلوقات عالم میں کسی کو دوام حاصل نہیں ہے ہر چیز عدم سے عطائی وجود تک اور اس سے گذر کر پھر عدم کی طرف رواں دواں ہے، حرکت جمود کی طرف گامزن ہے، زندگی موت کے سائے تلے لمحہ بہ لمحہ لحظہ بہ لحظہ گرم سفر ہے بشمول انسان کے تمام مخلوقات عالم کوئی بزبان حال تو کوئی بزبان قال اس امر رب کا اشتہار ہے کہ ہر شے کو کسی نہ کسی دن فنا ہونا ہے، کل من علیھا فان ویبقی وجہ ربک ذوالجلال والاکرام کسی کو مہلت کم ملتی ہے تو کسی کو زیادہ، مگر اس دنیا میں کامیاب انسان وہ ہی سمجھا گیا جو موت کو بھی اپنے لئے بایں طور خوشگوار مرحلہ بنالے کہ موت بھی اس کو فنا نہ کرسکے اور اس دنیا سے جانے کے بعد بھی وہ کسی نہ کسی صورت میں ہمارے قلوب واذہان میں، افکار وخیالات میں اپنے علوم ومعارف کی شکل میں، اپنے قلم کی شکل میں، اپنی خدمات کی صورت میں یا تلامیذہ کی صورت میں زندہ وتابندہ رہے، جس سے کہ بعد میں بھی قوم اس سے مستفید ہوتی رہے، علی سبیل المثال امام غزالی پانچ صدیوں سے شہر طاؤس کی خاک تلے آسودۂ رحمت ہیں لیکن بارگاہ رب العزت میں ان کی قبولیت ومقبولیت کے منجانب حق جلّ مجدہ اس دنیا میں اعلان واشتہار کے طور پر ان کے بیش بہا علوم ومعارف کے فیض کو بقا کی دولت سے سرفراز فرمادیا گیا ہے، جس سے ثابت ہوا کہ اس دنیا میں بقا کی ظاہری صورت صرف علم ہی ہے، جس سے کہ اہل علم کی ایک ایسی جماعت ہر دور میں تیار ہوتی رہتی ہے جو اپنے استاذ کو اپنے محسن کو اپنے مربی کو لازوال بنادیتی ہے۔

عہد رواں کی ایسی ہی ایک لازوال ہستی خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب قدس اللہ سرہ سابق مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند تھے جن کی ہمہ جہت علمی، تعلیمی، انتظامی اور ملّی خدمات کا دورانیہ ستّر سال اور حیات مستعار کا دورانیہ چورانوے سالوں کو محیط ہے جو کہ مورخہ ۲۶ر رجب المرجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۴ر اپریل ۲۰۱۸ء کو وقت موعود آجانے پر ستر سالہ علمی وتعلیمی خدمات کے حاصل نتیجہ پر ہزرہا ہزار صالح تلامیذہ پر مشتمل جماعت کو امانت علم اور تربیت عمل کی دولت سونپ کر خالق حقیقی سے جاملے، انا للہ وانا الیہ راجعون. و انا ان شاء اللہ بکم لاحقون نسئل اللہ لنا ولکم العافیۃ.

حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ کی علمی، تعلیمی، انتظامی اور ملّی خدمات کا طویل ترین دورانیہ اور اس طول طویل دورانیہ کے حقائق علم وعمل کے تذکرۂ جلیل کو چند صفحات میں تو کیا چند باقاعدہ کتابوں

میں بھی سمیٹنا ممکن نظر نہیں آ رہا تھا، جب کہ کسی عظیم مقصد کی تکمیل کے لئے جرأت آغاز کو علمی و عملی دنیا میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے اور از روئے حدیث رسول علیہ الصلوۃ والسلام **من لم یشکر الناس لم یشکر الله،** جس نے بندہ خدا کا شکر نہیں ادا کیا اس نے خدا کا بھی شکر ادا نہیں کیا، لہذا اس عظیم الشان کام کے آغاز پر سب سے پہلے موجب شکر و دعا ہیں برادر مکرم و محترم جناب حضرت مولانا محمد زکریا صاحب صدیقی نانوتوی مدظلہ رکن مجلس مشاورت دارالعلوم وقف دیوبند کے صاحبزادگان عزیزم مولانا محمد اسامہ نانوتوی سلّمہٗ جنہوں نے اپنی سعادت مندانہ طبیعت و مزاج کے زیر اثر حضرت والد مکرم رحمہ اللہ کی حیات میں ہی ان کی اجازت سے ان کی سوانح حیات کی ترتیب کے کام کا آغاز کر دیا تھا اور ان کی خوش بختی و خوش نصیبی کی یہ جہت لائق ذکر ہے حضرت خطیب الاسلام کی زیر نظر سوانح میں تاریخی حقائق و واقعات کو حضرت رحمہ اللہ علیہ کی زبانی سند و تصدیق حاصل ہے، عزیزم سلّمہٗ نے بالالتزام اس کا اہتمام کیا کہ وقفے وقفے سے حضرت رحمہ اللہ کی خدمت حاضر ہوتے اور اگر طبیعت میں نشاط پاتے تو تیار کردہ نوٹس کے جوابات کو ریکارڈ کر لیتے تھے ان کے اس عمل سے سوانح حیات میں مندرج حقائق و واقعات کی تاریخی اہمیت مستند ہوگئی ہے، اسی طرح لائق شکر و سپاس ہیں ان کے برادر مکرم عزیزم مولانا محمد اویس نانوتوی سلّمہٗ، جن کو حق تعالی نے ٹھوس علمی صلاحیت کے ساتھ عربی زبان و بیان اور تحریر و تقریر کے بہترین ذوق سے سرفراز فرمایا ہے، آج جب کہ بہمہ نوع قحط الرجال کا دور ہے بقول شخصے کہ پرانے بادہ کش اٹھتے جاتے ہیں ایک چراغ بجھتا ہے تو ظلمتوں کے سائے مزید گہرے اور طویل نظر آنے لگتے ہیں بالخصوص ہندوستان میں عربی زبان و ادب کے حوالے سے افرادی تیاری رو بہ زوال ہے ایسے میں بالخاص کسی نوجوان عالم دین کی اس طرف توجہ اور دلچسپی کا پایا جانا یقیناً امید کے چراغ کو روشن رکھنے کے مترادف ہے، عزیزم موصوف سلمہٗ زیر نظر سوانح کو عربی زبان میں منتقل کئے جانے جیسے لائق تحسین ستائش کام میں مصروف عمل ہیں، کیوں کہ خاندانی قرابت کے تعلق سے عزیزان سلّمہما راقم السطور کے بھانجے بھی ہوتے ہیں، الہذا بلحاظ حق قرابت و انسیت بھی راقم السطور بہر لحہ ولحظہ دعا گو ہے کہ برادر مکرم جناب حضرت مولانا زکریا صاحب نانوتوی کے زیر سایہ عزیزان سلّمہما کی علمی و عملی صلاحیتوں کو حق تعالیٰ دن دونی اور رات چوگنی ترقی کے مصداق فروغ و مقبولیت عطا فرمائیں نیز مقام عزّت و عظمت کی سربلندیوں کو ان کے لئے مقدر فرمادیں اور ان کی ان تاریخ ساز علمی کاوشوں کو شرف قبولیت سے سرفراز فرمادیں۔

دارالعلوم وقف دیوبند کے شعبہ ریسرچ وتحقیق حجۃ الاسلام اکیڈمی کے قیام کے منجملہ دیگر بلند پایہ علمی وتعلیمی وتحقیقی مقاصد کے بطور محرک اس کا بنیادی واساسی مقصد اکابرین امّت کی بالعموم اور تحریک دارالعلوم دیوبند سے وابستہ اکابرین کی علمی، تعلیمی، ملّی، انتظامی ہمہ جہت جہودو کاوشوں، ایثارو قربانیوں کی قرارواقعی اہمیت کو عہد رواں کے ریسرچ وتحقیق کے جدید اصولوں کے تحت مستند اہل علم کی زیر نگرانی منقیٰ ومصفیٰ اور مجلّٰی کر کے دور رواں کے اسلوب تفہیم کے مطابق اعلیٰ اور معیاری انداز میں منصۂ شہود پر لانا نیز مستند و پیشہ ور مترجمین کی خدمات حاصل کر کے ان بلند پایہ علوم ومعارف پر مشتمل بے حد قیمتی سرمائے کو عربی وانگریزی کے علاوہ دنیا کی دیگر اہم ترین زبانوں میں منتقل کرنا اکیڈمی کے ہمہ جہت مقاصد کا ایک اہم ترین حصہ ہے، اور بحمداللہ وبفضلہٖ گذشتہ پانچ سالوں میں حجۃ الاسلام اکیڈمی اپنے مقاصد واہداف کے تعلق سے باوقار حسن کارکردگی کی بنیاد پر ملکی اور بین الاقوامی سطح مقام پر عظمت کی سربلندیوں میں اپنی ایک منفرد شناخت پیدا کرنے کے ساتھ بہمہ نوع علمی وتعلیمی دوائر و اجتماعیات کی طرف سے نیز ایشیا، افریقہ، یوروپ، امریکہ اور جزیرۃ العرب کے اہل علم ودانش اور باوقار علمی شخصیات کی جانب سے موصول ہونے والے تأثرات کو بلاشبہ حجۃ الاسلام اکیڈمی کی باعظمت حسن کارکردگی کی سند کا درجہ حاصل ہے، یقیناً ناسپاسی ہوگی اگر اکیڈمی کے اس پورے ترقیاتی منظرنامے کے روح رواں عزیزم مولانا ڈاکٹر محمد شکیب قاسمی سلّمہٗ ڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی واستاذ دارالعلوم وقف دیوبند کی شبانہ روز کوششوں کاوشوں اور جہودو جذبۂ ایثار کا ذکر نہ کیا جائے جو کہ اپنے بڑوں کی زیر نگرانی اپنی جواں سال مخلص ومحنت کش جماعت کو ساتھ لے کر اکیڈمی کے بلند پایہ اہداف کی تکمیل کی جانب شبانہ روز محنتوں کے ساتھ گرم سفر اور بہتر از بہتر کی بنیاد پر تعمق فکر ونظر کے ساتھ نت نئی ترقیات کی راہوں کی تلاش میں ہمہ وقت سرگرداں ومصروف عمل ہیں، دعا گو ہوں کہ ذات حق جل مجدہٗ اپنے خاص لطف وکرم سے دارالعلوم وقف دیوبند کی باعظمت وبابرکت سرپرستی کے زیر سایہ عزیزم موصوف سلّمہٗ اور ان کی جماعت کے جملہ مخلص اراکین کی تمام مخلصانہ جہود کو شرف قبولیت سے سرفراز فرماتے ہوئے ادارے کے لئے نفع بخش اور ان کے لئے دین ودنیا میں باعزت سربلندی کا ذریعہ بنائیں۔ آمین یاربّ العالمین

علم والے علم کا دریا بہا کر چل دیئے
واعظانِ قوم سوتوں کو جگا کر چل دیئے
کچھ سخن ور تھے سحر اپنا دکھا کر چل دیئے
کچھ مسیحا تھے کہ مردوں کو جگا کر چل دیئے

محمد سفیان قاسمی
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند
۲۵ر شوال المکرّم ۱۴۳۹ھ

﴿تقریظ﴾

مولانا محمد زکریا صدیقی نانوتوی
رکن مجلس مشاورت دارالعلوم وقف دیوبند

الحمد رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبيا والمرسلين، وعلىٰ آله وصحبه ومن تبعهم باحسان إلى يوم الدين. وبعد

جب سے یہ کائنات قائم ہے، اسی دن سے معرکہ حق و باطل مسلسل ہوتا چلا آرہا ہے، اہل باطل سب شیطان کے چیلے اور حزب الشیطان ہیں، جبکہ اہل حق اہل صدق وصفا سب حزب اللہ ہیں۔ تخلیق آدم سے لے کر آج تک دنیا میں باطل نے طرح طرح سے سر اٹھایا اور زمین میں نت نئے طریقوں سے فساد مچایا، اور شیطان نے اہل باطل کو وہ تدبیریں سمجھائیں جو دیکھنے میں بڑی ہی طاقتور اور خوبصورت اور ذہن و دماغ کو موہ لینے والی، اور آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی ہوتی ہیں، لیکن اندر سے نہایت کمزور اور بے جان، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں

﴿كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِيْنَ الْإِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا﴾ (سورة الانعام: ۱۱۲)

کہ شیطان بھی اپنے چیلوں کو ایسی چالیں بتلاتا ہے، جو دیکھنے میں بڑے ہی دل کو موہ لینے والی اور جاذب نظر، لیکن بالکل دھوکہ اور سب بے جان ہوتی ہیں، اسی لئے باطل شروع میں بہت طاقتور بن کر ابھرتا ہے، لیکن اندر سے اس کی بنیادیں کھوکھلی ہوتی ہیں، اسی لئے جیسے ہی اس کا مقابلہ وحی الٰہی پر چلنے والے اہل حق سے ہوتا ہے تو بکھر کر پاش پاش ہوجاتا ہے۔ فرعون، ہامان، شداد، قوم لوط، نمرود، قوم ثمود، قوم عاد اور پھر جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے خلاف ریشہ دوانیاں کرنے والے کفار ومشرکین اور منافقین سب کے سب ابتداء میں بڑے طاقتور نظر آئے، لیکن پھر جیسے ہی ان طواغیت کا مقابلہ ان

اہل حق سے ہوا جن کے پاس وحی الٰہی کی روشنی تھی، تو سب کے سب بکھر گئے، اور حق کو فتح ہوئی، یہی سلسلہ پھر جناب رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی چلتا رہا، اور آج بھی جاری ہے۔ لیکن انجام کار جیت ہمیشہ اہل حق کی ہوتی ہے، جس کے لئے وارثان انبیاء علیہم السلام سے ہر دور اور ہر زمانے میں محنتیں اور مجاہدے کرائے جاتے ہیں، اور ان کے ساتھ انتہائی صبر آزما حالات پیش آتے ہیں، لیکن نتیجہ وہ نکلتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا:

﴿بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ﴾ (سورۃ الانبیاء: ۱۸)

ہندستان میں اگر چہ اسلام اور مسلمانوں کی آمد قرن اول ہی میں ہوگئی تھی، اور یہاں کے لوگ بھی ان صاحب ایمان با کردار لوگوں سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے تھے، اور پھر صوفیائے کرام نے آ کر عمومی طور پر یہاں اسلام کی دعوت دی، جس کے نتیجے میں لاکھوں لوگوں نے اسلام قبول کرلیا، پھر تقریباً آٹھ سو سال یہاں مسلمانوں کی حکومت رہی، اور مسلمانوں کے دور حکومت کا خاتمہ مغلوں کی حکومت پر بارہویں صدی ہجری میں ہوگیا، یہی وہ صدی ہے جس میں حجۃ الاسلام، امام العلماء والمحدثین حضرت شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم صاحب دہلوی رحمہ اللہ پیدا ہوئے، جو اپنے سینے میں دعوتی تڑپ رکھنے والا دل رکھتے تھے، بلکہ فاروقی النسب ہونے کی وجہ دینی حمیت اور غیرت انکو ورثہ میں ملی تھی۔ انہوں نے بتوفیق من اللہ ہندوستان میں مسلمانوں کی حالت زار کا جائزہ لیا، جہاں مغلیہ سلطنت آپسی رنجشوں اور والیان حکومت کی رنگینوں کی وجہ سے رو بہ زوال تھی، یہی وجہ ہے ان کے زمانے میں گیارہ مغل بادشاہ تخت نشین ہوئے، جس کی وجہ سے مسلمان حکومت کمزور ہوگئی، ان تمام حالات کا جائزہ لینے کے بعد شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان میں اعلائے کلمۃ الحق کے دو میدان کار منتخب کئے، نمبر ایک یہ کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو قرآن و حدیث سے وابستہ کرنے کی کوششیں فرمائیں دوسری طرف انہوں نے مسلمانوں کے سامنے اس خلافت کے خدوخال واضح کرنے کے لئے ایک پروگرام بنایا، جو خلافت علی منہاج النبوۃ ہو، اس پروگرام کو انہوں نے ایک کتابی شکل دی، جس کا نام ''حجۃ اللہ البالغۃ'' رکھا، اگر چہ ضمناً اس مشہور زمانہ کتاب میں اسرار شریعت بھی بیان فرمائے، پھر اس پروگرام کے نفاذ کے لئے انہوں نے ایک اہم قدم اٹھایا اور احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان آنے کی دعوت دی، اور ان کے سامنے وہ جامع پروگرام پیش فرمایا، احمد شاہ ابدالی شاہ افغانستان نے اس پروگرام کو سمجھ کر ہندستان آنا منظور کرلیا، وہ ہندوستان آئے بھی اور انہوں نے ایک

مضبوط حکومت کی بنیاد بھی ڈالی، اور پانی پت میں مرہٹوں کو شکست فاش دی، اور یہ امید ہونے لگی کہ اس جامع پروگرام کا نفاذ ممکن ہو جائے گا، لیکن افغانستان میں یورشوں کے چلتے ان کو واپس جانا پڑا، اور جو فتنہ پرداز دب کر بیٹھ گئے تھے، انہوں نے سر اٹھالیا، ادھر انگریز بھی آہستہ آہستہ ملک کے مختلف حصوں پر قابض ہوتا جا رہا تھا، ان ہی حالات میں حضرت شاہ ولی اللہ الدہلوی کا انتقال ہوگیا۔ شاہ صاحب کے وصال کے بعد ان کے صاحبزادگان اور ان کے شاگردوں نے اعلائے کلمۃ الحق کے لئے اس جامع پروگرام کی تنفیذ کے لئے کوششیں تیز کر دیں، اور پھر ان ناگفتہ بہ حالات کی وجہ سے شاہ صاحب کے جانشین اور بڑے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے یہ فتویٰ دیا کہ ہندوستان اب دارالحرب ہے، جس کی پاداش میں ان کو دہلی سے شہر بدر ہونا پڑا، ان کو زہر دیا گیا جس کی وجہ سے وہ نابینا ہو گئے، لیکن انہوں نے اپنے والد کی اس فکر کو عام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ اور انہوں نے اس کے لئے ایک عظیم شخصیت کو تیار کیا جس کا نام سید احمد شہید بریلوی رحمۃ اللہ علیہ تھا، انہوں نے اور ان کے رفقاء جناب شاہ اسماعیل شہیدؒ، مولانا عبدالحئیؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ و دیگر علمائے کرام نے ایک ایمانی جماعت بنائی اور پھر اسی فکر کو عام کرنے کے لئے سید احمد شہید اور ان کے رفقائے کرام نے ملک کا دورہ کیا، اور لوگوں سے جہاد پر بیعت لی، لیکن پھر ۱۸۳۱ء میں وہ بھی اپنے رفقاء کے ساتھ بالاکوٹ میں شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد باطل اور اسلام دشمن طاقتوں خاص کر انگریزوں نے سر اٹھالیا، اور آہستہ آہستہ ہندوستان پر قابض ہو گئے، بالاکوٹ کے جہاد میں جو لوگ بچ گئے تھے، ان کو ابھی وہی اعلائے کلمۃ الحق کی دھن سوار تھی، اور وہ اپنی مقدور بھر کوششیں اس کے لئے کر رہے تھے۔ ۱۸۵۷ء میں ان سرفروشوں نے ایک مرتبہ پھر مغربی طوفان کا مقابلہ کرنے کے لئے علم جہاد بلند کیا اور تھانہ بھون میں ایک لشکر حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ کی قیادت میں جمع ہوا اور شاملی کی طرف انگریزوں سے جہاد کے لئے نکلا، لیکن ظاہر ہے کہ اس وقت انگریز ہندوستان پر قابض ہو گیا تھا، اور اپنے ساتھ مادیت و الحادیت کے ایسے طوفان لایا تھا کہ اگر اس وقت یہی ولی اللہی فکر رکھنے والی جماعت حقہ موجود نہ ہوتی تو ہندوستان میں اندلس کی تاریخ دہرائی جانا بالکل یقینی ہو چکا تھا، اگرچہ یہ جماعت حقہ جہاد شاملی سے کئی عظیم ہستیوں کی شہادت کے بعد لوٹی تھی، لیکن باقی رہنے والے افراد کے ذہنوں میں مادیت والحادیت اور کفر کے خلاف ایسے جذبات موجزن ہو چکے تھے کہ ان کو اعلائے کلمۃ الحق کی راہ سے کوئی چیز ہٹا نہیں سکتی تھی۔ میدان جہاد سے لوٹنے کے بعد حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد

قاسم النانوتوی اوران کے رفقا نے حالات کا جائزہ لینے کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ اب اس وقت میدان جہاد میں تو باطل طاقتوں سے مقابلہ فی الحال ممکن نہیں، البتہ ایک ایسا اسلامی مرکز بنادیا جائے جہاں سے ایسے افراد تیار ہوں جو دل میں اعلائے کلمۃ الحق کا جذبہ اور ولولہ رکھتے ہوں چنانچہ من جانب اللہ ان پرآشوب حالات میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ کے دل میں یہ بات القا ہوئی کہ اس کے لئے ایک مدرسہ قائم کیا جائے، ایک ایسا ادارہ بنایا جائے جہاں علمائے ربانیین تیا کئے جائیں، جس پرعلم کا پردہ ڈالا جائے، لیکن اصل مقصد وہی تھا کہ یہاں سے اسلام کی ہمہ گیر دعوتی فکر رکھنے والے افراد پیدا ہوں، اس کے لئے انہوں نے نہ صرف دارالعلوم قائم کیا بلکہ ملک کے دوسرے علاقوں میں بھی اسلامی مدارس قائم فرمائے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ احیائے فکراسلامی اور دعوت دین کا انتظام فرما کر بہت جلد دنیا سے رخصت ہوگئے، لیکن انہوں نے اپنے شاگردوں کی ایک ایسی خدا ترس جماعت تیار کردی جو اپنے دلوں میں اسی طرح سرفروشی کا جذبہ رکھتے تھے۔ جن میں سرفہرست نام حضرت شیخ الہند نوراللہ مرقدہ کا ہے۔ جن کے اخلاص وللّٰہیت، جذبہ جہاد اور اعلائے کلمۃ الحق کی شبانہ روز کوششوں سے یہ فکر قاسمی بفضل اللہ عام ہوئی، پھر اسی فکر قاسمی کی نشرواشاعت، اعلائے کلمۃ الحق کے لئے جذبوں کو زندہ رکھنے کا کام، دعوت دین، نفاذ شریعت، فکر ولی اللہی کی ترجمانی کا شرف الحمدللہ ان لاکھوں فضلائے دارالعلوم دیوبند کے حصے میں آیا جو پوری دنیا میں دعوت دین اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے کام کررہے ہیں، جن میں سب سے نمایاں نام حضرت نانوتوی علیہ الرحمہ کے حفید مکرم جناب مولانا قاری محمد طیب صاحب کا ہے، جنہوں نے اپنی گفتار وکردار اور فضل وکمال، اخلاص وللّٰہیت سے دنیا کے کونے کونے میں لوگوں کو اس عظیم الشان دعوتی واسلامی عمل کے لئے کھڑا کردیا، پھر ان کے بعد ان کی جانشینی کا شرف حضرت خطیب الاسلام نوراللہ مرقدہ کو من جانب اللہ عطا ہوا۔ انہوں نے بھی حیات مستعار کا ایک ایک لمحہ اس مخصوص منہج حق کو سیکھنے اور اس کی ترویج واشاعت میں لگادیا، اور فکراسلامی کی ایسی دلنشین وسچی ترجمانی کی جو آج کے نئے اور مغرب زدہ ذہنوں کو اپیل کرتی ہے۔

دارالعلوم دیوبند میں زمانہ طالبعلمی ہی سے میرا حضرت حکیم الاسلام اور حضرت خطیب الاسلام کی طرف ایک طرح کا خاص قلبی میلان تھا، غالباً اس میلان کی وجہ بچپن کی وہ یادیں تھیں جب حضرت حکیم الاسلام اوران کے ساتھ اکثر وبیشتر حضرت خطیب الاسلام میرے والد حضرت مولانا عبدالسلام صدیقی نانوتویؒ کے پاس حیدرآباد تشریف لاتے، والد صاحب کا قیام خیرت آباد میں تھا اور خیرت آباد کی جامع

مسجد میں امام وخطیب تھے۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب حیدرآباد تشریف لاتے تو خیرت آباد میں بھی تشریف لاتے، اس وقت میں نے اپنے والد کو دیکھا کہ آپ کی تشریف آوری پر گھر میں بڑا اہتمام ہوتا، اور میں اپنے والد اور حضرت حکیم الاسلام کے سامنے خدمت کے لئے مستعد رہتا۔ اسی وقت سے میرے قلب میں ایک خاص محبت پیدا ہوگئی تھی اور حضرت حکیم الاسلام بھی مجھ پر اسی وقت سے بڑی شفقت فرماتے تھے۔ مگر اس علاقہ ومحبت میں استحکام جب پیدا ہوا جب میں دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوا۔ ان حضرات کی دارالعلوم دیوبند میں تقریباً روزانہ زیارت ہوتی اور ہفتہ میں ایک دومرتبہ حضرت حکیم الاسلام کی خدمت میں بھی چلا جاتا، حضرت اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود میرے تمام احوال اور خاندان والوں کی خیر وعافیت دریافت فرماتے، اسی دوران حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ سے بھی ایک ربط خاص پیدا ہوگیا اور آپ سے اکثر وبیشتر ملاقات احاطہ مولسری میں اس وقت ہوجاتی جب آپ درس دینے کے لئے کسی بھی درسگاہ جارہے ہوتے، یا درس سے فارغ ہوکر گھر واپس جاتے۔ جب میں موقوف علیہ میں پہنچا تو مجھ کو باقاعدہ حضرت خطیب الاسلام سے شرف تلمذ حاصل ہوا اور حضرت سے علم کلام کی مشہور کتاب 'شرح عقائد' پڑھنے کا موقع میسر آیا، حضرت خطیب الاسلام کا شرح عقائد کا درس بہت مشہور تھا، میں نے سال بھر حضرت سے استفادہ کیا، حضرت کے درس کی خصوصیت یہ تھی کہ حضرت درس کا آغاز عموماً تمہید سے فرماتے، یعنی درس کی تمہید باندھتے، وہ تمہید اس قدر جامع ہوتی کہ اس تمہید کو سمجھنے کے بعد درس بہت آسانی کے ساتھ سمجھ میں آجاتا اور مشکل مقامات پر بھی کسی طرح کا غموض یا پیچیدگی باقی نہ رہتی۔ اسی وجہ سے طلباء میں یہ بات مشہور تھی کہ حضرت کی تمہیدات کو جس نے سمجھ لیا اس کے لئے شرح عقائد کا سمجھنا ایک معمولی بات ہے۔

زندگی بھر آپ نے میرے ساتھ بڑی شفقت ومحبت کا معاملہ فرمایا، اکثر وبیشتر جب دیوبند جانا ہوتا تو حضرت کی خدمت میں مزاج پرسی کے لئے حاضری ہوتی تو حضرت سب اہل خانہ کی خیریت دریافت فرماتے، اور نانوتہ تشریف آوری کی درخواست پر کبھی انکار نہ فرماتے اور پروگرام کی ڈائری میں تاریخ مقرر فرماکر مقررہ تاریخ درج فرمادیتے، خاص طور پر آم کے موسم میں حضرت کی تشریف آوری ہم سب گھر والوں کے لئے، اہل محلّہ، بلکہ پورے قصبہ والوں کے لئے باعث برکت ہوتی، حضرت کی تشریف آوری پر راقم کے غریب خانہ پر اہل خاندان اور دیگر اہل محلّہ جمع ہوجاتے اور حضرت سے ملاقات کرتے دعاؤں کی گزارش کرتے، اس موقع پر ہمارے یہاں ایک تقریب اور عید کا سا سماں ہوتا۔

میری یہ خواہش تھی کہ حضرت خطیب الاسلام کی سوانح عمری ان کی حیات مبارکہ ہی میں منظر عام پر آجائے، لیکن باوجود کوشش کے یہ ممکن نہ ہوسکا۔ قدر اللہ ماشاء فعل

عزیزم مولوی محمد اسامہ صدیقی سلمہ نے مواد جمع کرنے اور پھر اس کو ترتیب دینے کا کام حضرت کی اجازت کے بعد ان کی حیات ہی میں شروع کر دیا تھا، پھر حضرت کے وصال کے بعد مسلسل یہ مبارک کام میرے کرم فرما جانشین خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی دامت برکاتہم کی مسلسل سرپرستی اور مسلسل حوصلہ افزائی سے پایہ تکمیل کو پہنچا، فکر ولی اللہی اور حکمت قاسمیہ کی ترویج واشاعت، دعوت دین، تعلیم کتاب وسنت، تزکیہ نفوس اور اصلاح امت کے عظیم میدانوں میں جو کام مولانا سے اللہ تعالیٰ لے رہے ہیں اس کو دیکھ کر بلا تامل یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ اللہ نے آپ کے گھرانے کو ہندستان میں اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے قبول فرمالیا ہے۔ اللہ آپ کی عمر اور اقبال میں برکت عطا فرمائے۔ کتاب کی اشاعت کے جملہ مراحل کی تکمیل میں اور مسلسل علمی مواد فراہم کرنے میں جو مسلسل جد وجہد حجۃ الاسلام اکیڈمی کے ڈائریکٹر جواں سال عالم دین مولانا محمد شکیب قاسمی نے کی ہیں وہ ان ہی کا حصہ ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ان کی ان عظیم الشان علمی ودعوتی کوششوں میں خوب خوب برکت عطا فرمائے۔ اور جو مقاصد اکیڈمی نے روز اول سے طے کئے ہیں ان کو پورا فرمائے۔

حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ ہی کا فیض ہے کہ عزیزم مولوی محمد اسامہ سلمہ کو آپ کی سوانح عمری لکھنے کی سعادت نصیب ہوئی، جنہوں نے رات دن ایک کر کے یہ سوانح عمری تالیف کی ہے، جو نہ صرف حضرت خطیب الاسلام کا تعارف ہے بلکہ جماعت حق اہل دیوبند کا بھی تعارف ہے، اللہ تعالیٰ قبولیت عطا فرما کر حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ کے لئے بلندی درجات کا اور مجھ ناکارہ کے لئے مغفرت کا ذریعہ اور عزیزم سلمہ کے لئے دنیا وآخرت میں کامیابیوں وکامرانیوں کا ذریعہ بنائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین

وصلی اللہ تعالیٰ علی سیدنامولانا وسندنا محمد وآلہٖ وصحبہ وازواجہ وأھل بیتہ اجمعین

برحمتک یا ارحم الراحمین

بقلم محمد زکریا صدیقی

محمد زکریا صدیقی

۲۵؍شوال المکرّم ۱۴۳۹ھ

آج کے پر آشوب اور انحطاط پذیر دور پرفتن میں جبکہ حق وصداقت کے علمبردار علمائے صادقین قابل فکر وتشویش سرعت رفتار کے ساتھ عالم آخرت کے لئے رخت سفر باندھ کر رخصت ہورہے ہیں اور آسودگی باطن کی تشنگی کو غذا فراہم کرنے والی مجالس رفتہ رفتہ سونی ہوتی جارہی ہیں، اہل باطن کے ملفوظات وواقعات اوران کی پرخلوص دینی وروحانی خدمات کے تذکرے، علمی کارنامے اورشخصیات سازی میں ان کے مؤثر ترین کردار کے بیانات ایثار واخلاص اور قربانیوں ومجاہدات اور سرفروشانہ جھود وکاوشوں کو بیان کرنے والے رفتہ رفتہ ناپید ہوتے جارہے ہیں جو کہ نسلوں میں اصلاح احوال، اورتحریک عمل کے جذبے کو بیدار رکھنے کا ایک مؤثر ترین ذریعہ سمجھا جاتا تھا، عہد حاضر میں اس پہلو کی تشنہ کامی کے اثرات فکر و مزاج پر بھی مرتب ہورہے ہیں، چنانچہ اس جہت کی تشنگی کو کسی نہ کسی درجہ میں روحانی آسودگی فراہم کرنے کے لئے اہل حق کی سیرت وسوانح معاون ومدہی نہیں بلکہ کافی حدتک شخصیت وکردارسازی میں ایک مؤثر وسیلہ ثابت ہوتی ہیں، بقول حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب قدس سرہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند مذہبی مقتدر شخصیات کی سیرت وسوانح کو محفوظ کرنے کا یہ مقصد نہیں ہوتا ہے کہ شخصیات زندہ رہیں بلکہ منجانب حق جل مجدہ ان کے ذریعہ جو خدمات سرانجام دلائی جاتی ہیں وہی دراصل آنے والی نسلوں کو علم وارتقاء کی بنیادیں فراہم کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں لہٰذا اگر غور کیا جائے تو تمام عالم میں بظاہر اسباب یہی اصول ارتقاء علی حسب حال ہر میدان عمل میں کارفرما نظر آئے گا۔

جد محترم خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نوراللہ مرقدہ سابق مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند کی علمی، تعلیمی انتظامی واجتماعی اور ملی وعائلی خدمات کا دورانیہ اپنی ہمہ جہت وسعت وخدمت کے اعتبار سے یقیناً جزئی تفصیلی ذکر کا متقاضی تھا لیکن اس صورت میں یہ سوانح کئی جلدوں پر محیط ہوجاتی جبکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس وقت زیادہ اہمیت اس نقطۂ فکر کو حاصل ہے کہ عہد حاضر کے اختصار پسندانہ فکر و مزاج کو بایں طور ملحوظ رکھا جائے کہ مقصد سیرت وسوانح یعنی شخصیت کے امتیازی اوصاف وکمالات اس

طور پر منضبط ہو کر منصۂ شہود پر آ جائیں کہ آنے والی نسلوں میں تعمیر شخصیت اور کردار سازی کے تعلق سے بنیاد و اساس فراہم کرنے میں معاون ثابت ہو سکے اور تحریک فکر و عمل کو جلا بخشنے کا ذریعہ ثابت ہوں۔

بلا شبہ لائق شکر و سپاس ہیں برادر مکرم جناب مولانا محمد اسامہ صدیقی نانوتوی جن کو ذات حق جل مجدہ نے سیرت و سوانح کے مذکورہ دائرۂ اصول میں رہتے ہوئے سیرت و سوانح کی مقصدیت کو عہد حاضر کے مانوس فہم کے ساتھ بہترین اسلوب و بیان میں ضبط تحریر کرنے کی خداداد صلاحیت سے وافر حصہ عطاء فرمایا اور حضرت خطیب الاسلامؒ سے اپنی قرابت و قربت اور انس و محبت اور عقیدت مندانہ تعلق کو علمی جہت فراہم کرتے ہوئے حضرتؒ کی زیر نظر سیرت و سوانح مرتب کی ہے، حق تعالی موصوف محترم کے ایثار واخلاص پر مبنی اس خدمت کو عوامی سطح پر مقبولیت عطاء فرما کر موصوف محترم کو سرفرازی سے نوازیں۔ آمین

دارالعلوم وقف دیوبند کے شعبۂ ریسرچ و تحقیق حجۃ الاسلام اکیڈمی کے بلند پایہ مقصد قیام کی منجملۂ دیگر ایک اہم جہت یہ بھی ہے کہ جہاں طلباء میں ایک طرف ذوق تحقیق پیدا کرنے کے ساتھ تعمیر و تطہیر فکر کو مقصدی نقطۂ نظر سے شخصیت سازی کا محور بنانا ہے وہیں بدرجۂ اسباب اکابر و اسلاف کی سرفروشانہ و مجاہدانہ حیات و خدمات کو آج کے فکر و فہم سے مطابقت کے ساتھ منظر نامے پر لانا بھی دراصل اپنے اہداف سے تعلق رکھنے والا ایک اہم اور قابل ذکر حصہ ہے تا کہ اکابر و اسلاف کی بامقصد حیات و خدمات اور ان کے مجاہدانہ کارناموں اور صدیوں پر مرتب ہونے والے ان کے اثرات سے آنے والی نسلوں کو متعارف کرایا جا سکے اس تعلق سے رائج الوقت اسلوب بیان کی کلیدی حیثیت و اہمیت اہل علم و فکر حضرات سے مخفی و مستور نہیں ہے، حضرت خطیب الاسلامؒ کی زیر نظر سوانح کی نشر و اشاعت دراصل اکیڈمی کے بامقصد اہداف کی سمت ایک قدم ہے، اس بامقصد و بابرکت کام میں حصہ داری کو ہم جملہ خدام اکیڈمی جہاں ایک طرف سعادت اخروی پر محمول کرنے میں حق بجانب ہیں وہیں اسی کے ساتھ بارگاہ رب العزت میں اسباب قبولیت کے ظہور اور طلب خیر الامور کے لئے دست بہ دعاء ہیں، حق تعالیٰ اس کار خیر میں بہر طور شرکاء کی کوششوں و کاوشوں کو شرف قبولیت سے سرفراز فرماتے ہوئے دارین میں بہترین جزاء عطا فرمائیں۔ وما توفیقی الا باللّٰہ

محمد شکیب قاسمی

ڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی

دارالعلوم وقف دیوبند

مؤرخہ: یکم ذیقعدہ ۱۴۳۹ھ

حرفِ آغاز

کائنات میں سنت اللہ یہ رہی ہے کہ انسانی برے اعمال کے نتیجے میں جب کبھی ظلمات کی سیاہ چادریں پھیلی ہیں اور تاریکیوں نے نور سے خالی جگہ گھیری ہے، تو اللہ نے وقفے وقفے سے اپنی کتابوں وصحیفوں اسی طرح اپنے برگزیدہ بندوں کو پیدا فرما کر ان ظلمات کے ختم کرنے کا سامان مہیا فرمایا ہے۔ اس دعوے کی سچائی پر پوری انسانی تاریخ گواہ ہے، کیونکہ اندھیرے پھیلتے نہیں ہیں بلکہ جب نور نہیں پھیلتا تو پھر اندھیرے اس کی جگہ لیتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ایک ماچس کی تلی کا نور چہار جانب پھیلے ہوئے اندھیروں کو کافور کردیتا ہے، اسی طرح جب بھی گرمی کی شدت نقطۂ عروج کو پہنچتی ہے تو باران رحمت کا نزول ہوتا ہے، اسی سنت جاریہ کے مطابق انسانیت کے مردہ قلوب واذہان کو زندگی وتابندگی ملتی رہی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے بعد چونکہ نبوت کا دروازہ بند ہو چکا ہے اور دین مقدس اور شریعت مطہرہ کی تکمیل ہوچکی ہے اس لئے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم الانبیاء والمرسلین بنا کر یہ اعلان کردیا گیا کہ اب تک جو اصلاح وتزکیہ نفوس کا اور فتنہ و فساد ختم کرنے کا کام اللہ تعالیٰ وقفے وقفے سے انبیاء علیہم الاسلام کو مبعوث فرما کر کرتے تھے اب وہی سارے کام، جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی امت کو نوازنے کے لئے امت محمدیہ کے افراد خاص کر وارثان انبیاء یعنی علمائے کرام، صلحائے عظام، مجددین امت اپنے اپنے وقت اور زمانے اسی طرح اپنے اپنے گردوپیش کے ماحول کو سامنے رکھ کر نہ صرف انجام دیں گے، بلکہ اس کے مقابلے میں جو ایذائیں پہنچیں گی ان کو بھی خندہ پیشانی سے برداشت کریں گے اور خود بھی صبر کریں گے اور دوسروں کو بھی صبر کی تلقین کرتے رہیں گے، جیسا کہ انبیاء کرام تخلیق آدم علیہ اسلام سے لے کر جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت مبارکہ تک کرتے آئے ہیں۔ لیکن یہ کام وہی انجام دے سکیں گے جن کے بھاگ بھاگ جاگے ہوں، اور جن میں اعلیٰ درجے کی قوت برداشت ہوگی۔ ارشاد عالی ہے:

﴿**ومایلقها الا الذین صبروا، وما یلقها الا ذو حظ عظیم**﴾ (سورۃ فصلت: ۳۹)

ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس شریعت کو فتنہ پردازوں کے فتنوں سے، مبتدعین کی بدعتوں اور شکوک وشبہات اور تلبسات پیدا کرنے والوں کی تلبسات سے محفوظ رکھیں، مزید برآں افکار و خیالات کی بے اعتدالی، عقیدہ کا فساد اور رہ ورسم کی بندشوں سے اور دل دماغ میں پیدا ہونے والے گمراہ کن خیالات کو نبوی طریقہ پر اس طرح دور کریں کہ وہی دل دماغ، بصیرت افروز نگاہ اور نظر ثاقب اور رشد وھدایت کا منبع فیاض جائیں۔ ان ہی عظیم ترین حضرات اور بزرگ ہستیوں کو تاریخ اسلام میں مصلحین، مجددین اور وارثین نبوت کہا جاتا ہے جن کے متعلق حدیث میں آیا:

"إنَّ اللهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الأمة عَلَىّ رأسِ كُلِّ مأة سنةٍ مَنْ يُجدِّدُ لها دِيْنَهَا" (رواہ أبوداؤد)

کہ اللہ تعالیٰ اس امت کے لئے ہر سو سال کے سرے پر ایسے بندے پیدا کرے گا جو دین کی تجدید کرتے رہیں گے۔ ان ہی مقدس ہستیوں کے بارے میں ایک جگہ حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ فرماتے ہیں:

"تکمیل انسانیت کے لئے اللہ رب العزت کا وہ فطری نظام کہ جو تدریجی رفتار سے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام کے مقدس واسطوں سے آتا رہا اور انسان کی ترقی پذیر فطرت کے ساتھ مراحل ارتقا طے کرتا رہا ہے، یہاں تک کہ خاتم الانبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم نبوت کے ساتھ انسانیت نے بھی علمی فکری اور عملی ترقی کے جملہ مراحل طے کر لئے اور اب وہ اس قابل ہوگئی تھی کہ تکمیل انسانیت کے تمام جزوکل پر محیط اس نظام کامل کا تحمل کر سکے کہ جس کا بے نہایت سرچشمۂ علم صرف "قرآن کریم" ہے اور منبع فکر وعمل صرف سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، جس کے حتمی معنی یہ ہیں کہ قرآن کریم سے تعلق میں اضمحلال کا نتیجہ فقدان علم ہے۔ اور سنت رسول اللہ سے ارتباط میں ضعف وکمزوری کا ثمرہ فکر سلیم اور علم صالح سے محرومی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس لئے ختم نبوت کے عقلی اور فطری تقاضے کے مطابق بلا فصل ہر دور میں عاملین علوم قرآن اور عاملین سنت رسول اللہ کی معتد بہ تعداد سے ہمیشہ باقی رہنے والی یہ امت محمدیہ نہ ماضی میں کبھی محروم رہی اور نہ انشاء اللہ مستقبل میں کبھی محروم ہوگی۔ اس لئے بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ ملت اسلامیہ کا سب سے قیمتی سرمایہ "درحقیقت یہی سراپا علم وعمل شخصیات ہیں کہ جو عملاً کتاب وسنت کی علمی مرادات کی صحیح ترجمان بنتی رہی ہیں۔"[1]

حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ کے مندرجہ بالا اقتباس سے معلوم ہوا کہ امت اسلامیہ میں امت مسلمہ کا منصور من اللہ طبقہ ہمیشہ رہا اور قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا، انشاء اللہ العزیز۔

[1] خطبات خطیب الاسلام، جلد اول صفحہ ۱۴۵۔۱۴۶

حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ بھی اس طائفہ منصورہ کی ان عظیم ترین مقدس اور بزرگ ہستیوں میں سے ہیں جن کو تاریخ اسلام میں مصلحین و وارثین نبوت کہا گیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک عظیم مفکر، عظیم داعی، عظیم خطیب، عظیم انسان تھے، ان کی عظمت نسبی بھی تھی اور ذاتی بھی۔ ان میں اعتدال، توازن، توسع، کشادگی و کشادہ نظری، وزہد وتقوع و پاکبازی و نیک نیتی، سنت نبوی کا اتباع، تواضع ونرم خوئی، خوش گفتاری، سنجیدگی، خوش خلقی، وملنساری، منکر المزاجی کے ساتھ ساتھ کریمانہ اخلاق، مؤمنانہ اوصاف، دلبرانہ گفتار، ظریفانہ مزاج اور قلندرانہ شان کا ایک حسین مرقع اور وارثین انبیاء کا ایک مثالی کردار تھا۔

اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک سنت الٰہیہ اس کائنات میں جاری ہے کہ رب کریم نے موت کے بلا استثنا قانون ہی میں بقائے انسانیت کے لئے یہ سامان بھی یہاں فرما دیا ہے کہ اس عالم فانی میں ہر آنے والا ان تمام صلاحیتوں سے بھرپور بہرہ مند کر کے بھیجا جاتا ہے جو اس کے اپنے دور حیات ہی کے لئے سب سے زیادہ موزوں، نافع اور مفید ہوتی ہیں۔ اس سنت الٰہیہ کے مطابق رخصت ہونے والی شخصیت کا رنج والم اپنی تمام تر شدتوں کے باوجود زیادہ ان کی ذات وخدمات سے انس واستفادہ کی وابستگی کے ختم ہو جانے کا ہوتا ہے، مگر حق تعالیٰ شانہ وقت کی تبدیلی سے پیدا شدہ حالات کی کمی کو کسی دوسری شخصیت کو معرض وجود میں لا کر پوری فرما دیتے ہیں اور اسی اعتبار سے اللہ رب العزت انسانی قلوب میں یہ بات راسخ فرما دیتے ہیں کہ اس دور کے لئے کسی ایسے ہی جدید صلاحیتوں کی حامل شخصیت کی انسانیت ضرورت مند تھی، خود حضرت خطیب الاسلام فرماتے ہیں:

''اور اس کے نتیجے میں (یعنی پیدا شدہ نئے تقاضوں کی تکمیل، نئی شخصیت کی نجی صلاحیتوں کے ذریعہ رب کائنات پوری فرما کر انسانی قلوب میں یہ رسوخ پیدا فرما دیتے ہیں کہ اس زمانے میں ایسی ہی شخصیت کی امت کو ضرورت تھی) جانے والی شخصیت کی خدمات کی قدر دانی کے شعور کے ساتھ نئے آنے والے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد کامل، دانا اور فہیم افراد ملت کے قلوب میں راسخ ہو جاتا ہے، اور مستقبل سے ناامیدی کے اندھیرے امید کی روشنیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور پھر یہ روشنیاں خواص امت سے وابستہ عوام کے لئے یاس وناامیدی سے حفاظت کا ذریعہ بن کر ان میں حوصلوں اور امنگوں کی تخلیق کا وسیلہ بن جاتی ہیں۔ اس کے برخلاف خواص سے ناوابستہ وہ طبقات کہ جو نئے آنے والے کی جانچ کا معیار، جانے والے کے افکار و اعمال کو قرار دیتے ہیں، جن سے نئے

شخصیت کی قدرتی عدم مطابقت کو دیکھ کر خود بھی یاس و نا امیدی سے دوچار ہو جاتے ہیں، اور اپنے ہمنواؤں کو بھی اس سے دوچار کر دیتے ہیں، جس کو انسانیت پر ظلم عظیم کے علاوہ کوئی دوسرا عنوان نہیں دیا جا سکتا، اس لئے اس غیر فطری طریقہ کے برخلاف کسی برگزیدہ شخصیت کی برگزیدگی وعظمت کو ناپنے اور جانچنے کے لئے کمال علم، کمال عمل اور کمال اخلاق کے علاوہ نہ کوئی معقول ومستند مزید معیار ہے اور نہ ہو سکتا ہے''۔[1]

مذکورہ بالا اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ دین فطرت ''اسلام'' اپنے عالمگیر نظام کے تحت۔ ان معاییر کی عظمت واہمیت کو عظیم تر بنا دیتا ہے کہ کسی بھی فرد بشر کے بارے میں دعوی برگزیدگی اگر سامنے آئے تو اس کو ان مذکورہ بالا معقول ومنقول معاییر پر، ماوتو کے امتیاز کے بغیر جانچنے پرکھنے کا حق، ہر انسان کو ہے۔ پھر ان مذکوہ معیاروں پر کھرا اترنے والی شخصیات کو عزت واحترام کے ناقابل فراموش مقام پر فائز قرار دیا جاتا ہے۔

حضور سرور کائنات ﷺ کے قرن مبارک سے لے کر علم وعمل، حسن اخلاق اور دعوتی عالمگیر، ذہن اور مزاج رکھنے والی شخصیات اور عند اللہ وعند الناس مقبولیت عامہ وتامہ کے لئے منزل من اللہ معاییر پر کھرے اترنے والے افراد اس امت محمدیہ (علی صاحبہا ألف الف تحیۃ وسلام) میں ہر دور میں آتے رہے، اور زمانے ووقت کے لحاظ سے جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ مکمل کیے ہوئے دین قیم ودین برحق کے قرآنی اصولوں کو اتباع نبوی ﷺ کی مکمل رورعایت کے ساتھ واضح اور منقح کرتے رہے، اور اپنے اعلیٰ ترین کرداروں، ریاضتوں، مجاہدوں، الوالعزمی اور صبر استقامت سے دین اسلام کا ہر زمانے میں قابل عمل ہونا نمایاں کرتے رہے، اور ان کی پاکیزہ ومقدس زندگیوں، جہد مسلسل اور سخت سے سخت حالات میں ثبات علی الحق کے نمونوں کو دیکھ کر لاکھوں لاکھ بندگان خدا صراط مستقیم پر چل کر کامیابیاں حاصل کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں، اور کرتے رہیں گے۔

امت کے ان افراد کی مبارک زندگیاں حضور اکرم ﷺ کے نور نبوت سے فیض حاصل کرتی رہی ہیں اور ان پر حضور ﷺ کی زندگی کے اسرار حسب استطاعت کھلتے رہے، یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کے رنگ جداگانہ ہیں، کوئی کسی نبوی رنگ میں ظاہر ہوتا ہے اور کوئی کسی نبوی رنگ میں علامہ بوصیری اپنے مشہور زمانہ قصیدہ بردہ میں کہتے ہیں:

---

[1] خطبات خطیب الاسلام ج۱، ص۴۲۰۔

وكـلـهـم مـن رسـول الـلـه مـلـتـمـس
غـرفـا مـن الـبـحـر أو رشـفـا مـن الـديـم
وواقـفـون لـديـه عـنـد حـدهـم
مـن نـقـطة الـعـلـم أو مـن شـكـلة الـحـكـم

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو تمام کے تمام عدول ہیں، اور مینارۂ نور ہیں، کیونکہ آفتاب رسالت کی کرنیں ان کے صاف وشفاف قلوب پر پڑی ہیں، تو ان کے قلوب ایسے جگمگائے کہ انہوں نے پورے عالم کو نور ہدایت اور نور نبوت سے روشن کر دیا، پھر ان کے قلوب مطہرہ کا عکس جن پر پڑا ان کے قلوب بھی حسب استطاعت منور ہوتے چلے گئے، امام حسن بصری، امام احمد بن حنبل، امام اوزاعی، شیخ عبدالقادر جیلانی، امام غزالی، شاہ ولی اللہ دہلوی، حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا تھانوی، حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہم اللہ وہ حضرات ہیں کہ جن کا فیض پورے عالم میں پھیلا اور پھیل رہا ہے۔

الحمد للہ ایسے افراد ہر زمانے میں آتے رہے اور آتے رہیں گے، لیکن چودہ صدیوں پر محیط عظیم الشان اسلامی تاریخ مجید میں کچھ خاندان ایسے بھی آئے ہیں، کہ جن کے یہاں سلسلۂ رشد وہدایت نسلا بعد نسل چلا آرہا ہے، اور یکے بعد دیگرے عبقری شخصیات، ایک سے بڑھ کر ایک اصحاب علم و فضل کئی کئی پشتوں تک آتے رہے، اور رسول اللہ ﷺ کے عالمینی پیغام کو دنیا تک پہنچانے، علوم نبویہ کو منقح اور واضح کرنے میں کارہائے نمایاں انجام دیتے رہتے ہیں، اور ان کو اور ان کے لازوال علمی ودعوتی اور دینی کارناموں کو امت میں تلقی بالقبول حاصل ہوا، ان علمی ودینی خاندانوں میں مثال کے طور پر ابن مندہ خاندان، سبکی خاندان، ہمارے ملک ہندوستان میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا خاندان، اور پھر حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا خانوادہ جو امت مین اور اہل علم کے حلقوں میں خانوادۂ قاسمی کے مبارک نام سے متعارف ہے، خانوادۂ قاسمی کے سرخیل حجۃ الاسلام الامام الاکبر محمد قاسم النانوتویؒ، بانی دارالعلوم دیوبند نے اسلامی تاریخ کے جس نازک موڑ پر امت کی دست گیری فرمائی ہے وہ عالم اسلام میں کسی ذی ہوش سے مخفی نہیں اور برصغیر میں زبان زد خاص و عام ہے کہ ان کی حیات مبارکہ اور دعوت اسلام کے لئے کارہائے نمایاں ﴿إن ابـراهيـم كـان أمة قانتا لله حنيفا﴾ (سورۃ النحل: ۱۲۰) کا نمونہ پیش کرتے ہیں۔

دارالعلوم دیوبند کا عالمینی فیض جہاں ان کی عنداللہ وعندالناس مقبولیت پر شاہد عدل ہے، وہیں اس علمی ودعوتی ودینی سلسلے کے ان کے صلبی اولاد میں مسلسل انتقال اور تواتر کے ساتھ جاری رہنے کو بھی عنداللہ مقبولت عامہ وتامہ کی دلیل قرار دیا جاسکتا ہے، کہ الحمدللہ وہی علمی ودعوتی ودینی سلسلہ، جذبہ نافعیت چھٹی صلبی پشت میں اسی آب وتاب کے ساتھ جاری وساری ہے۔ اللہم زد فزد، کہ حضرت نانوتوی علیہ الرحمہ کے بعد ان کے صاحبزادہ گرامی جناب مولانا حافظ احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد گرامی کی عالمینی دعوتی فکر کو عام کرنے اور دارالعلوم کو شاہ ولی اللہی نہج پر ترقی دینے میں اپنی زندگی صرف فرمادی، پھر ان کے بعد ان کے عظیم الشان، صاحب علم وفضل صاحبزادے حضرت حکیم الاسلام نے فکر نانوتوی کی ایسی دلنشین ترجمانی فرمائی کہ ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے زوال کے بعد دارالعلوم دیوبند پورے برصغیر کے مسلمانوں کے لئے علمی اور دعوتی قبلہ کی حیثیت اختیار کرگیا، اور امت اسلامیہ ہندیہ نے اس کو دینی راہ نمائی کے لئے بطور مرکز تسلیم کیا۔ ان کے بعد ان کی قائم مقامی وجانشینی کا شرف حضرت خطیب الاسلام نوراللہ مرقدہ کے حصے میں آیا، جنہوں نے فکر قاسمی کے مطابق دینی، علمی اور بے شمار دعوتی کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت کی عالمی پیمانے پر مقبولیت، محض شہرت ونسبی شرافت اور خاندان قاسمی کے ایک فرد فرید ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ الحمدللہ یہ تفضیل اور امتیاز ''کمال علم''، ''کمال عمل'' اور ''کمال اخلاق'' کے اصول ثلاثہ پر مبنی ہے۔

حضرت خطیب الاسلام رحمتہ اللہ علیہ کے عالمی سطح پر ''کمال علم'' کے اولین معیار پر پورا اترنے کے بارے میں تمام اسلامی مکاتب فکر کے ارباب علم نہ صرف متفق الرائے ہی ہیں بلکہ حضرت کے علمی تبحر کے معترف بھی ہیں۔ آپ کے تبحر علمی کے قائل اور معترف ذمہ داران مدارس اور ایک مخصوص علماء ہی کا طبقہ نہیں بلکہ دانشوران قوم وملت میں بھی یہ بات زبان زد ہے کہ حضرت جس مجلس میں موجود ہوتے اس علمی مجلس کا سہرہ آپ ہی کے سر بندھتا۔ بقول شاعر:

عزت و اکرام سے اسٹیج پر آتے تھے وہ
ہوتے تھے علمی مجالس کے وہی تو سر براہ
بندۂ مؤمن تھے سچے خوبیوں سے متصف
ان کی شخصیت کے تھے اپنے پرائے معترف

حضرت کے علمی تبحر کے سلسلہ میں آپ ہی کے ہمعصر مفسر قرآن حضرت مولانا سید اخلاق حسین قاسمیؒ ''خطبات خطیب الاسلام'' کی تقریظ میں تحریر فرماتے ہیں: ''مولانا (خطیب الاسلام) موصوف نے عربی نصاب قدیم کے مسئلہ پر نئی دہلی کے ایک مشترک اجتماع میں جو نہایت معتدل اور معقول تقریر کی اور درس نظامی کے اندر ترمیم کے حامی جدید دانش ور حضرات کے شبہات کا معقول جواب دیا وہ ہم سب شرکاء قدیم علوم کے لئے باعث اطمینان ومسرت ثابت ہوا۔ یہ اجتماع جناب محمد یونس سلیم نے دہلی میں طلب کیا تھا جب وہ بہار کے گورنر تھے۔ مولانا کی تقریر کے بعد پھر ہم شرکاء (اخلاق حسین قاسمی قاضی مجاہد الاسلام مرحوم، مفتی عبدالرحمان صاحب وغیرہ) نے مولانا کے بیان کی تائید کرنے پر اکتفا کیا''۔[1]

مذکورہ بلا اقتباس سے معلوم ہوا کہ حضرت جس علمی مجلس میں تشریف فرما ہوتے اس مجلس کا سہرہ حضرت ہی کے سر بندھتا اور حضرت کی گفتگو علماء اور دانشوران قوم ملت کے لئے حرف آخر کا درجہ رکھتی۔

ایسے ہی حضرت خطیب الاسلام کے یہاں کمال علم کے ساتھ کمال عمل پر خود حضرت کی اتباع سنت پر مبنی زندگی، جذبۂ نافعیت اور حضرت کی زندگی کا لمحہ لمحہ شاہد ہے کہ اخلاص عمل للّٰہیت وتقویٰ حضرت کا مزاج جذبہ نافعیت سے سرشار، شرکی جگہوں پر سے خیر نکالنے کی عادت، اپنی زبان، اپنی آنکھ اور کان کی حفاظت اور ان کا غلط استعمال سے اجتناب یہ وہ باتیں ہیں جو آپ کے کمال عمل پر شاہد ہیں۔ اسی کے ساتھ ساتھ حضرت کے مزاج میں جو انتظام اور نظم وضبط تھا وہ شرعی اصولوں کی روشنی میں تھا جس کا مطلب ہے کہ اصل مقصود شریعت کی پیروی تھی۔

تیسرا اصول کمال علم، کمال عمل کے ساتھ کمال اخلاق ہے۔ کمال اخلاق کے معیار پر حضرت کی ذات گرامی تک ھرکس وناکس کی بے تکلف رسائی اور اپنے اپنے مقصد ومدعا میں ہر ایک کو کامیاب کرنے کی اسی جدو جہد کو ہر آنے والا یہ سمجھ کر رخصت ہوتا تھا کہ حضرت میرے لئے اپنے تمام اوقات اور تمام تر کوششوں کو صرف فرما کر مجھے کامیابی سے سرفراز کرنے کے لئے کوشاں ہیں، اسی طرح ہر ایک کے جذبات کا احترام حضرت کے کمال اخلاق کی دلیل ہے۔

حق تعالیٰ شانہ نے حضرت خطیب الاسلام کو اپنے چشمۂ فیضان سے جو محاسن عطا فرمائے تھے ان کے ہوتے ہوئے کسی شخص کا خود بین وخود پسند بن جانا ایک معمولی بات ہے، مگر ایک صاحب

[1] خطبات خطیب الاسلام تقریظ مولانا اخلاق حسین قاسمی۔ ۱۷۔۱۸

کمال (کمال علم، کمال عمل اور کمال اخلاق کا حامل) کا سب سے بڑا کمال ہی یہ ہوتا ہے کہ اسے جتنی عزت وسرفرازی نصیب ہوتی ہے اس میں اتنی ہی تواضع وفروتنی بڑھتی چلی جاتی۔ اسے جتنا علوم مرتبت و بلند مقام حاصل ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو خوف وخشیت کی وجہ سے اتنی ہی سرافگندگی پر مجبور پاتا ہے، چنانچہ حضرت خطیب الاسلام ایک جگہ تقریر کے آغاز میں تمہیداً گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: ''میرا کمال ہی یہ ہے کہ مجھ میں کوئی کمال نہیں ہے۔''

علم وعمل اور حسن خلق، ان تینوں کے مجموعے کو اگر مجسم ومشکل کر کے ایک حسین اور مزین تصویر بنائی جائے تو اس زمانے کے صاحب علم وفضل باعمل و بااخلاق انسان کے ذہن میں جو سراپا ابھر کر آئے گا وہ حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ ہی کا سراپا ابھر کر آئے گا۔

بہرحال حضرت خطیب الاسلام تمام اہل علم وفضل اور تمام ہی مکاتب فکر کے درمیان ایک مسلمہ اور معترف بہا شخصیت کے مالک تھے جن پر درگاہ حق سے نسباً ونسبۃً علوم ومعارف کے دروازے کھولے گئے تھے۔

عاجز نے حضرت ہی کی زندگی میں حضرت سے اجازت لے کر سوانح حیات اس خیال سے مرتب کرنا شروع کی تھی کہ سوانحی ادب صاحب سوانح ہی کی زندگی میں لکھا جائے تو تشفی بخش بھی ہوتا ہے اور مواد کی ضحالت سے بھی محفوظ رہتا ہے، اور کسی حد تک لکھنے والا شخصیت کے خدوخال کو واضح کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔، اور ہر بات رتبہ استناد کو پہنچ جاتی ہے۔ اس لئے حضرت کی سوانح کا آغاز زندگی ہی میں کر دیا تھا، کتاب کا خطہ تیار کر کے حضرت کے سامنے پیش کیا، حضرت نے اس خطہ کو دیکھا اور اظہار اطمینان فرما کر اظہار خوشی بھی فرمایا۔ سوانح مرتب کرنے کے لئے اور آپ کی حیات مبارکہ کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے حضرت کی خدمت میں حاضری کا شرف بار بار ملتا رہا اور حسب ضرورت حضرت کے حالات زندگی کی بابت حضرت ہی سے معلومات کرتا رہا، جس کی وجہ سے حضرت کے وصال کے بعد مواد کی اس ضحالت کا سامنا نہیں کرنا پڑا جو عموماً سوانح نگاروں کو صاحب سوانح کی وفات کے بعد کرنا پڑتا ہے۔

اس کے باوجود حضرت خطیب الاسلام کی شخصیت اس قدر جامع اور ہمہ گیر ہے کہ جس پہلو پر بھی لکھا گیا اس میں احساس تشنگی باقی رہا۔ مثال کے طور پر حضرت کے ''دعوتی اسفار''، قیام دارالعلوم وقف دیوبند وغیرہ ایسے موضوعات ہیں جن پر مستقل کتابیں درکار ہیں، اس لئے کہ ہر سفر میں حضرت

کے اس قدر متنوع دینی ودعوتی تجربات ہیں کہ اگر ان کو قلمبند کر دیا جائے تو بہت سارے علوم اور بے شمار دعوتی تجربات کا گنج ہائے گراں مایہ مل جائے اور نہ جانے کتنے لوگوں کی زندگیوں میں چراغ روشن ہو جائیں۔

حضرت خطیب الاسلام کی سوانح کا آغاز اس امید پر کیا تھا کہ یہ کتاب حضرت کی زندگی ہی میں شائع ہو جائے گی مگر یہ عالم آرزوئیں، تمنائیں اور تمام خواہشات کے پوری ہونے کی جا نہیں ہے، بقول ایک عربی شاعر:

ما كل ما يتمنى المرء يدركه

تجري الرياح بمالا تشتهي السفن

میری یہ آرزو پوری نہ ہو سکی اور اس سے قبل ہی حضرت خطیب الاسلام کا وقت موعود آ پہنچا۔

﴿إذا جاء اجلهم لايستاخرون ساعة ولايستقدمون﴾(سورۃ الاعراف: ۳۴)،

اس سوانح میں اپنی بساط بھر کوشش کے باوجود حضرت کی حیات مبارکہ کے بے شمار گوشے ابھی ایسے باقی ہیں جن کا تذکرہ نہیں ہو سکا، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت ہمہ گیر اور موسوعی تھی، بہت سی باتوں کا خود صاحب تالیف تذکرہ نہیں کر پاتا اور ایسی موسوعی شخصیت کے بہت سارے گوشے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا مؤلف اور سوانح لکھنے والوں کو ادراک نہیں ہوتا، اور ہزاروں واقعات ایسے ہوتے ہیں جو معلوم نہیں ہو پاتے کیونکہ جہاں بھی حضرت تشریف لے گئے ہر جگہ اور ہر مقام کے انفرادی واجتماعی الگ الگ تجربات ہیں، برصغیر کے جو بھی مشہور شہر اور قصبات حتی کہ گاؤں دیہات میں ان میں حضرت اصلاح معاشرہ دعوت دین اور تعلیمی مراکز کے قیام کے لئے تشریف لے گئے اس لئے ہر شہر اور قصبہ کے لوگوں کی الگ الگ یادیں حضرت کی حیات مبارکہ سے وابستہ ہیں، ہندوستان کے بڑے بڑے دینی وعصری اداروں کے سابق وموجودہ ذمہ داران کی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بابرکات سے الگ الگ یادیں اور داستانیں ہیں، ان تمام جگہوں پر آپ نے علم کے جو موتی بکھیرے ہیں جن کا اگر احاطہ کیا جائے تو اہم تجربات، بے شمار معلومات اور مختلف قسم کے علوم کا خزانہ سامنے آئے گا۔ میری گذارش ہے ان سبھی حضرات سے کہ جن کے پاس حضرت کے متعلق اہم معلومات، تجربات ہوں تو وہ حجۃ الاسلام اکیڈمی کو بطور علمی امانت ارسال فرما دیں تا کہ

کتاب کے اگلے ایڈیشنوں میں شامل کیا جاسکے۔ بہر حال، سوانحی ادب اس لئے لکھا جاتا ہے تاکہ آئندہ آنے والے لوگ اپنے اسلاف کے کارناموں سے واقف ہوں، اور ان کے کارناموں کی روشنی میں اپنے لئے اعلائے کلمۃ الحق کے کام کرنے کا لائحہ عمل تیار کرسکیں۔ اسی طرح سوانحی ادب کی غرض وغایت یہ بھی ہوتی ہے کہ کسی بھی صاحب سوانح کا تذکرہ کرنے سے اس پورے عہد کا بھی مقدور پھر تذکرہ ہوجاتا ہے، اور ضمناً بہت ساری شخصیات کا تذکرہ بھی ہوجاتا ہے۔ لیکن حضرت خطیب الاسلام کی شخصیت کے تذکرے سے نہ صرف مذکورہ بالا فائدے حاصل ہوئے ہیں، بلکہ نوجوان علمائے کرام کے لئے ولی اللہی فکر اور حکمت قاسمیہ کو سمجھنے اور ان کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے اس کامیاب تجربہ کے مطابق ہندوستان میں خصوصا اور تمام عالم میں اعلائے کلمۃ الحق، دعوت دین، تعلیم وتربیت، تدریس ومعلمیت، نفاذ شریعت مطہرہ، حفاظت دین، دفاع عن الحق، دینی وتعلیمی مراکز کے قیام اور مشکل ترین حالات میں اپنے موقف پر ثبات، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کے میدانوں میں کام کرنے کی راہیں واہوتی ہیں۔

حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ کی سوانح دوجلدوں پر مشتمل ہے، جن میں سات ابواب ہیں۔ جلد اول میں چار ابواب جبکہ جلد دوم میں تین ابواب ہیں، جن کی تفصیلات کچھ اس طرح ہیں۔

باب اول میں حضرت کے خاندان، وطن اصلی نانوتہ، وطن مالوف دیوبند، ولادت، ابتدائی حالات، ابتدائی تعلیم، اعلیٰ تعلیم کا حصول، حضرت تھانوی سے شرف تلمذ، حضرت کی عبقری وموسوعی شخصیت میں کارفرما عوامل واسباب کا تفصیلی بیان ہے۔

دوسرے باب میں تقسیم ہند کے پرآشوب حالات اور خانوادۂ قاسمی پر اس کے اثرات، دارالعلوم میں منصب تدریس پر فائز، تدریسی خصوصیات، حضرت کے ہم عصر علمائے کرام اور نامور تلامذہ کا تذکرہ ہے۔

باب سوم حضرت کی خانگی زندگی، صاحبزادگان، برادران، خواہران اور حضرت کے اعلیٰ امتیازی اوصاف کا تذکرہ ہے اسی طرح حضرت کے خدام اور رفقائے سفر کا بھی تذکرہ ہے۔

باب چہارم میں حضرت کے شیوخ، اصلاحی تعلق، اصلاحی خدمات، تزکیہ نفس اور خلفائے کرام کا تذکرہ ہے اور چند ملفوظات کا ذکر ہے۔

باب پنجم میں حسب استطاعت حضرت کے علمی، تعلیمی، تصنیفی، دعوتی، ادار جاتی اور اصلاحی کارناموں اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے مسلسل کوششوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

باب ششم میں احقر کے ساتھ حضرت کے چند یادگار لمحات، ایوارڈس اور سپاس نامے وغیرہ، علالت اور آخری ایام اور پھر وصال کا تفصیلی تذکرہ کیا گیا ہے۔

باب ہفتم میں وہ منظوم ومنثور تعزیت نامے دیے گئے ہیں جو حضرت کے انتقال پر مختلف ملی، سماجی، علمی، دینی اور سیاسی جماعتوں کی طرف سے موصول ہوئے۔

اس سوانح کی تالیف میں حضرت کے ان بہت سے تلامذہ نے میرا بڑا علمی تعاون فرمایا جن سے میری ملاقات دعوتی اسفار کے درمیان ہوئی۔ جنہوں نے حضرت کے تدریس کے انداز، حضرت کا مزاج اور آپ کی مختلف علوم سے طبعی مناسبت، آپ کے یہاں وقت کی پابندی، آپ کے حلم وتواضع کی وجہ سے تشنگان علوم نبوت کو استفادہ میں آسانی اور اپنے سے مستفیدین کے لئے غایت درجہ خیر خواہی جیسی صفات کا تذکرہ کیا ہے، یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس کتاب میں قدم بقدم مرحلہ بمرحلہ جانشین خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند نے میری نہ صرف غایت درجہ وقتاً فوقتاً حوصلہ افزائی بلکہ اپنی مخصوص دعاؤں سے نوازا۔ اس ناچیز نے آپ سے حضرت کے متعلق جو بھی معلوم کیا بڑی خندہ پیشانی سے مواد کی فراہمی کا انتظام فرمایا۔

ماہ شعبان ۱۴۳۹ھ میں راقم بھائی جان کی معیت میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سوانح خطیب الاسلام پر ''مقدمہ'' لکھنے کی درخواست کی تو میری اس درخواست کا حد درجہ خیال فرما کر بڑی خندہ پیشانی سے قبول فرمالیا اور پھر حسب وعدہ اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس سوانح پر ایک وقیع وعلمی مقدمہ تحریر فرمایا۔ فجزاه الله عنا أحسن الجزاء.

اس ''سوانح'' کی تالیف میں عزیزم ڈاکٹر مولانا محمد شکیب قاسمی صاحب استاذ دارالعلوم وقف دیوبند، روح رواں وڈائرکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی نے نہ صرف اپنے علمی وقیمتی مشوروں سے ممنون فرمایا بلکہ مواد کی فراہمی کے ساتھ ساتھ اس کی نشر واشاعت کے لئے حجۃ الاسلام اکیڈمی کو زیر بار فرما کر کتاب کو عمدہ طباعت سے آراستہ فرمایا ان کی مسلسل شبانہ روز کی کوششوں ہی کا ثمرہ ہے کہ ''حجۃ الاسلام اکیڈمی'' گذشتہ پانچ سال کے انتہائی قلیل عرصہ میں تیز رفتاری سے اپنے علمی مقاصد کی طرف گامزن ہے اور جس مستعدی اور لگن اور شوق سے وہ اور ان کے رفقائے کار دینی، تعلیمی، دعوتی

اور اصلاحی کاموں میں مصروف ہیں وہ اکیڈمی کے روشن مستقبل کی غماز ہے، ان کی دن ورات محنت شوق اور لگن کو دیکھ کر ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب سابق صدر جمہوریۂ ہند کا ایک مقولہ راقم کو یاد آتا ہے، وہ فرماتے تھے:

''ادارے وسائل کی کثرت اور سرمائے کی فراہمی سے نہیں بنتے بلکہ ادارے ارمانوں سے بنتے ہیں، اور جب ارمان ختم ہوجاتے ہیں تو عمارتیں کھنڈرات میں تبدیل ہوجایا کرتی ہیں۔''

اس طرح نا سپاسی ہوگی اگر میں خانوادہ قاسمی کے بڑے اور روایات کے امین محترم جناب ماموں اعظم قاسمی صاحب پروفیسر شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ وصاحبزادہ حضرت حکیم الاسلام کا تذکرہ نہ کروں، جنہوں نے حضرت خطیب الاسلام کے تعلق سے راقم کو وہ مواد فراہم کیا جو صرف وہی فراہم کرسکتے تھے، اب شاید ہمارے پاس ان کے علاوہ حضرت خطیب الاسلام کی ابتدائی حیات سے متعلق اتنا مستند ذریعہ نہیں جو ہم سب کو حضرت کے بچپن، زمانہ طالبعلمی اور فراغت کے بعد ایام تدریس اور ان کے گھریلو معاملات اور معمولات کے بارے میں تفصیلات بتا سکے، اللہ رب العزت ان کے سائے کو ہمارے سروں پر قائم رکھے اور زندگی میں برکت عطا فرما کر عمر مدید عطا فرمائے۔

اسی طرح خانوادۂ قاسمی کے تمام ہی افراد کا ممنون ومشکور ہوں۔ خاص طور پر محترم جناب عدنان قاسمی صاحب، محترم جناب حافظ عاصم قاسمی صاحب دامت برکاتہم کہ انہوں نے موقع بموقعہ مواد کی فراہمی میں علمی تعاون فرما کر حوصلہ افزائی فرمائی، میں نے درخواست کی حضرت کی صاحبزادی محترمہ عظمیٰ ناھید قاسمی صاحبہ سے اور حضرت خطیب الاسلام کی ہمشیر زادی محترمہ شہناز کنول صاحبہ سے کہ حضرت کے متعلق اپنے تاثرات تحریر فرمادیں اس عاجز کی درخواست پر انہوں نے بھی اپنے اپنے تأثرات قلمبند فرما کر ارسال فرمائے جن سے حضرت کی زندگی کے بڑے اہم پہلو سامنے آئے۔

میں مشکور ہوں برادر مکرم میرے بھائی جان جناب مولانا محمد اویس صدیقی نانوتوی، استاذ شعبہ تعلیم وتربیت جامعہ ملیہ اسلامیہ کا جنھوں نے حضرت کی سوانح میں اپنا بھر پور علمی تعاون فرمایا اور مفید ترین مشوروں سے نوازا۔ ان حضرات کے علاوہ میں اپنے مخدوم مکرم محترم جناب حضرت مولانا شاھد صاحب مدظلہ العالی خادم خاص حضرت خطیب الاسلام رحمتہ اللہ علیہ کا بھی بہت مشکور ہوں جنہوں

نے حضرت ہی کی زندگی سے میرا قدم بقدم موقعہ بموقعہ علمی تعاون فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات کو قبول فرما کران کے لئے دنیاوی واخروی کامیابیوں کا ذریعہ بنائے۔

میں اپنے درسی ساتھی محترم جناب مولانا صغیر صاحب، شعبۂ تعلیمات دارالعلوم دیوبند کا بھی ممنوں ہوں کہ انہوں نے حضرت کے تعلیمی ریکارڈ کے سلسلہ میں میرا علمی تعاون فرمایا۔ اسی طرح میں محترم جناب حافظ اقبال صاحب، خلیفہ ومجاز حضرت خطیب الاسلام ورکن مجلس مشاورت دارالعلوم وقف دیوبند کا بھی بیحد مشکور ہوں جنہوں نے حضرت تعلیمی ودعوتی اسفار کے متعلق بڑی اہم معلومات فراہم کیں، اور اس عاجز کی حوصلہ افزائی فرمائی، اللہ تعالیٰ ان سبھی حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ اخیر میں میں عزیزم منصر سلمہ کے حق میں بارگاہ خداوندی میں دعا گو ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی ٹائپنگ میں بڑی محنت کی اور اس کتاب کو حضرت خطیب الاسلام کی نسبت سے اپنی سعادت سمجھ کر تمام مراحل کو بحسن وخوبی پورا فرمایا جگہ جگہ مواد سے متعلق مفید مشورے بھی دئے۔ اللہ رب العزت عزیزم سلمہ کو اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے اوران کے لئے دنیوی واخروی کامیابیوں وکامرانیوں کا ذریعہ بنائے۔

اس سوانح میں حضرت کے متعلق وہ باتیں واقعاتی یا معلوماتی شکل میں پیش کی گئیں جن تک میری رسائی مستند حوالوں کے ذریعہ ہوئی، باقی بہت سی باتیں حضرت کے تعلق سے تشنۂ بیاں ہیں۔ اگر ان معلومات تک میری رسائی مستند حوالوں سے ہوئی تو انشاء اللہ ان کو پھر قلمبند کرنے کا ارادہ ہے۔

مجھے کچھ اور ابھی اذنِ خوں فشانی دے
تیرا جمال بہت تشنہ بیاں ہے ابھی

حضرت خطیب الاسلام نے میرے ساتھ جس طرح ظاہری وباطنی طور پر شفقت کا معاملہ فرمایا، اس کا بدلہ تو حق تعالیٰ شانہ نے انشاء اللہ العظیم اپنے پاس جوار رحمت میں بلا کر رحمت خاصہ کی شکل میں عطا فرمایا ہوگا۔ اللہ رب العزت سے دعا کرتا ہوں کہ حضرت نے اپنے پیچھے علم وعمل کے جو نقوش چھوڑے ہیں ہمیں بھی ان پر عمل کی توفیق ارزائی فرمادے، آمین

اخیر میں تمام احباب سے گزارش ہے کہ مجھ سے اس سوانح میں اگر کوئی غلطی ہوگئی ہو تو معاف فرما کر اصلاح فرمادیں اوراس عاجز کو اس کی اطلاع ضرور فرمادیں۔

سپردم بہ تو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمدٍ وآلهٖ و صحبهٖ وازواجهٖ واهل بیتهٖ
وعلی من تبعهم باحسانٍ الیٰ یوم الدین

خاکپائے خدام دین
محمد اسامہ صدیقی
۲/ذوالقعدہ ۱۴۳۹ھ

باب اول

قال اللہ تعالیٰ:

﴿وعلمک مالم تکن تعلم وکان فضل اللہ علیک عظیما﴾

(سورۃ النساء)

قال رسول اللہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

”إذا کان یوم القیامۃ أمر اللّٰہ منادیا ینادی الا إنی جعلت نسبا وجعلتم نسبا فجعلت اکرمکم اتقاکم فأبیتم الا أن تقولوا فلان بن فلان خیر من فلان بن فلان، فالیوم أرفع نسبی وأضع نسبکم، أین المتقون.“

(رواہ الطبرانی في الأوسط)

شعر

ان ہی کی جہد مسلسل پہ گامزن ہوں میں
رشید و قاسم و محمود کا چمن ہوں میں

باب اول کے مشمولات

☆ خاندان صدیقی نانوتہ
☆ حضرت خطیب الاسلام کی ولادت
☆ حضرت خطیب الاسلام کی شخصیت سازی میں اہم ترین عوامل
☆ حضرت کی والدہ
☆ حضرت کے والد گرامی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ
☆ آغاز تعلیم
☆ حفظ کلام اللہ
☆ اعلیٰ تعلیم کا حصول
☆ اساتذۂ کرام

خاندان صدیقی نانوتہ

برصغیر کے جن ممتاز علمی و دینی خانوادے کے تذکروں سے محفلیں گرم ہیں، اوران کے علمی، دینی، دعوتی اورعرفانی کمالات اور علمی احسانات کے چرچے زبان زد اور ہر شخص ان کا ممنون کرم، گرویدہ اور دلدادہ نظر آتا ہے، ایسے بہت سے نمایاں، ممتاز اور سرفہرست خاندانوں میں نانوتہ ضلع سہارنپور کا صدیقی خاندان ہے جس کے ذریعے شمع رسالت برصغیر کے چپے چپے میں پھیلی اور علوم نبویہ واخلاق نبوی ﷺ کی نشر واشاعت کے ذریعہ کفر وجہالت اور ضلالت وگمراہی کے اندھیرے اور تاریکیاں کافور ہوگئیں، برصغیر میں بہت کم لوگ ایسے ہوں گے جو اس خاندان سے واقف نہ ہوں، اور دنیا کا کوئی کونہ ایسا باقی نہ رہا ہوگا جہاں اس کے باکمال خداترس بزرگوں کا فیض نہ پہنچا ہو۔ نانوتہ کا یہ خاندان صدیقی اپنے ہندوستان آنے سے قبل بھی علم وعمل کی دنیا میں اپنی علمی ودینی وقیع خدمات اور دعوتی شخصیات کی وجہ سے محترم رہا ہے اور صدیق اکبر رضی اللہ کے عہد مبارک سے لے کر ہر دور اور ہر زمانے میں اس خاندان میں مسلسل علماء وصلحاء پیدا ہوتے رہے۔ ﴿ذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء، واللّٰہ ذو الفضل العظیم﴾ (سورۃ الحدید:۲۱)

بیاض یعقوبی، تذکرۂ مولانا محمد احسن نانوتوی، نسب نامہ صدیقیان نانوتہ اور دیگر مؤرخین کی تصریحات کے مطابق اس خاندان کے جو بزرگ سب سے پہلے ہندوستان تشریف لائے وہ شیخ مظہرالدین (ولادت ۸۰۵ھ) تھے، جن کے علم وفضل اور کمالات کی مقبولیت وشہرت سن کر اس وقت کے بادشاہ وقت سکندر لودھی نے ان کو ہندوستان آنے کی دعوت دی۔[۱] حکیم امیر احمد عشرتی نانوتوی کے بیان کے مطابق جناب قاضی مظہرالدین صاحب ۸۷۱ھ میں ہندوستان تشریف لائے اوران ہی کی شہادت کے مطابق آپ کا مستقر اور مدفن جہاں آباد بنا، جو اس زمانے کی حکومت کا پایۂ تخت تھا، اس خاندان کے جدامجد اور مورث اعلی جو سب سے پہلے خراسان سے ہندوستان آئے وہ یہی قاضی مظہرالدین صاحب ہیں[۲] خاندان صدیقی کے بارے میں مزید کچھ لکھنے سے قبل یہ بات ذکر کردینا قرین قیاس ہے کہ مدار نجات نسب نہیں عمل صالح ہے، اگر معیار کامرانی خاندان وقبیلہ ہوتا تو

[۱] تذکرہ مولانا محمد احسن نانوتوی، ص:۱۵، مؤلفہ: محمد ایوب صاحب قادری، نسب نامہ صدیقیان نانوتہ، ص:۲، مرتبہ مفتی محمود احمد صدیقی نانوتوی

[۲] شجرہ خاندان صدیقی نانوتہ، مرتب محمد اسامہ صدیقی نانوتوی، ص۳۱۔

دستار فضیلت اور شرف ابوجہل وابولہب کے حصے میں آتے، لیکن تاریخ کے ترازو نے بلال حبشیؓ کے سر پر عظمت و رفعت کی دستار سجا کر اور ابوجہل وابولہب کے ناموں کو باعث عار بنا کر قیامت تک آنے والے لوگوں کو یہ بتلا دیا گیا کہ معیار شرف اور عزت صرف نسب نہیں ہے بلکہ معیار فضیلت احکام خداوندی کی بجا آوری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس خاندان کے بزرگوں نے نسب فروشی کی دکان آراستہ نہیں کی، انہوں نے جو ہر ذاتی کو معیار شرف قرار دے کر اس کے لئے تن من دھن کی بازی لگا دی اور اپنے دماغوں کو غرور نسب سے خالی رکھا، تاہم قرآنی آیت ﴿وَجَعَلْنَاكُم شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا﴾ (سورۃ الحجرات: ۱۳) کو سامنے رکھ کر ریکارڈ اور تاریخ کی درستگی کے لئے تاریخی روایات کے مطابق عرض ہے کہ:

اس خاندان صدیقی کے بزرگوں کی تاریخ اور ان کے روشن کارناموں کا جائزہ لینے سے بآسانی اس نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے کہ یہ خاندان صدیقی نانوتہ اپنے جد امجد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے وقت سے لے کر آج تک گوناگوں صفات کا اور خصوصیات کا حامل رہا ہے، جن میں اخلاص وللّٰہیت، مجاہرہ بالحق، سنتوں سے شغف، بدعات سے طبعی تنفر، شجاعت و بہادری، حلال و حرام میں امتیاز، استقامت، تملق اور چاپلوسی سے دوری، دینی و ایمانی حمیت، خودداری اور سادگی، تواضع وغیرہ جیسے عظیم اوصاف ان کا ہر زمانے اور ہر دور میں امتیاز رہے ہیں۔

اگر چہ اخیر کے بیس پچیس سالوں میں دینی تعلیم سے کنارہ کشی کی وجہ سے ان عظیم الشان قدروں میں کچھ نہ کچھ انحطاط بھی آیا ہے، اور نسل نو اردو نہ جاننے کی وجہ سے اسلاف کے کارناموں اور ان کی قربانیوں سے ناواقف بھی ہو گئی ہے، اللہ تعالیٰ اس خاندان صدیقی کو اپنے اسلاف کی حقیقی میراث کا حقیقی وارث بنا دے۔

خاندان صدیقی، نانوتہ جو ہمیشہ سے اپنے خاندانی نظام، اقدار و قیم اور اپنے آباء و اجداد کی روایت کا امین رہا، اس کے بارے میں دوران سفر راقم الحروف (جو اس خاندان کا ایک فرد ہے) سے بہت سے لوگوں نے ایک سوال اکثر و بیشتر کیا، کہ آپ کے خاندان کے فیض کو اللہ نے پورے عالم میں پہنچا دیا آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ یعنی وہ کونسے ظاہری اسباب ہیں جن کی وجہ سے حق تعالیٰ شانہ نے اپنے دین کی خدمت کے لئے اس خاندان کو نسلاً بعد نسل قبول فرمایا ہے، ان سوالات کے بعد میں نے اپنے خاندان کے آباء و اجداد کی صدیوں پر محیط تاریخ مجید کا از اول تا آخر منصفانہ بلکہ ناقدانہ مطالعہ

اور مشاہدہ کیا، پھر ان کے ساتھ رہ کر عملی تجربات سے گذرا، اس تاریخی تجزیہ، مطالعہ، مشاہدہ، اور تجربات کے بعد راقم کو اس خاندان کے افراد میں جو چیز قدرے مشترک ملی وہ انسانیت کے لئے ان کا جذبۂ نافعیت، سوز دروں، اور اخلاص وللّٰہیت سے سرشار ہونا ہے، جس کے نتیجہ میں اس خاندان کے افراد کو بعض مرتبہ دھوکے بھی کھانے پڑے، اس کے باوجود ان حضرات کے جذبہ اخلاص و نافعیت میں کسی طرح کی کوئی کمی نہ آئی، خطیب الاسلام کے والد ماجد حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ نے اپنی نظم ''اسلام کی روانی'' میں گویا کہ خاندان صدیقی کے افراد کا مدینہ سے اشاعت اسلام کی خاطر نکلنے اور دنیا بھر میں تعلیمات اسلامی کو عام کرنے کا پورا نقشہ کھینچا ہے وہ اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

جہالت کی رسمیں مٹاتا ہوا
معارف کے ایواں اٹھاتا ہوا
اذانیں زمیں پر دلاتا ہوا
شیاطین کو دھکے لگاتا ہوا
معاصی کو آنکھیں دکھاتا ہوا
گناہوں کی گردن دباتا ہوا
وہ غیروں کو اپنا بناتا ہوا
لگن اک نئی سی لگاتا ہوا
چلا ارض بطحا سے اک بحر ذاخر
کہ تھا جس کی موجوں کا اول نہ آخر
وہ تو حید کی لے بجاتا ہوا
سرودِ حجازی میں گاتا ہوا
وہ جنگل میں منگل مناتا ہوا
وہ شہروں میں شادی رچاتا ہوا
پہاڑوں پہ نعرے لگاتا ہوا
سمندر میں طوفاں اٹھاتا ہوا

محیط زمیں پر وہ چھاتا ہوا
خباثت کی وسعت گھٹاتا ہوا
صداقت کے جھنڈے اڑاتا ہوا
وہ باطل کو نیچا دکھاتا ہوا
بتوں سے وہ رشتے تڑاتا ہوا
خدا سے ہر اک کو ملاتا ہوا

اس خاندان کے آباء واجداد نے مدینہ منورہ جیسی مقدس سرزمیں سے ہجرت اس عظیم کام کے لئے کی تھی جس پر ہماری ہر چیز جان، مال،عزت، آبرو اور ہمارے جذبات سب کے سب قربان،جس کو حضرت قاری محمد طیب صاحبؒ نے نظم کے آخری شعر میں بیان فرمایا، (یعنی بتوں سے وہ رشتے تڑاتا ہوا۔خدا سے ہر اک کو ملاتا ہوا) یہاں تک کہ مدینہ منورہ جیسی مقدس پاکیزہ سرزمیں کی رہائش وسکونت بھی اس کام پر قربان کردی جس عظیم کام کا ذمہ دار قرآن کریم نے ہر مسلمان مرد عورت کو بنایا ہے، ارشاد فرمایا:

﴿کُنتم خَیر أمة أُخرجت للنّاسِ تأ مرون بالمعروف وتنهو ن عن المنکرِ و تو منو ن باللّٰه﴾ (سورہ آل عمران ۱۱۰)

ایک اور جگہ ارشاد عالی ہے: ﴿قل انیِّ لن یجیرنی من الله أحد ولن أجد من دونهٖ ملتحدا الا بلاغاً من الله ورسالا ته ﴾ (سورہ الجن ۲۳)

ہر زمانہ میں بحمد اللہ اس خاندان کے افراد کو حق تعالی نے یہ دعوتی شعور بفضلہٖ عطا فرمایا ہے، اسی سنت کو سامنے رکھ کر ہمیشہ اس خاندان کے افراد نے زمان ومکان کے لحاظ سے امت مسلمہ کی آبیاری کی، بلکہ تاریخ میں اس خاندان پر ایسے سخت ترین اور بدترین حالات بھی آئے جن میں عام طور پر قومیں اپنا آپا، سراپا اور اصل تک کو بھلا بیٹھتیں ہیں، مگر اس خاندان کے افراد کے پائے استقامت میں ذرہ برابر تزلزل اور معیار نافعیت میں ذرا کمی واقع نہ ہوئی، بلکہ اس کے افراد نے ہمیشہ جذبہ نافعیت سے سرشار ہوکر، ان اجری إلا علی الله کو بنیاد اور معیار بنا کر توکلاً علی اللہ کام کیا ہے، اسی وجہ سے کہ حق تعالی شانہ نے اس خاندان کو مقبولیت تامہ وعامہ عطا فرمائی، اور اس کے افراد نے فکری، ملی اور عملی طور پر موقعہ بموقعہ قائدانہ کردار ادا کیا۔

وطن اصلی:

خاندان صدیقی نانوتہ کا اصل وطن مغربی یوپی کا نہایت مردم خیز قصبہ نانوتہ ہے۔اس بستی کو اہل علم وعمل نے اپنی تحریرات میں ''پھوٹے شہر'' کے نام سے بھی موسوم کیا ہے، مشہور عالم دین اور''اظہار الحق''، جیسی شہرہ آفاق کتاب کے مصنف مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ نے اپنی تحریر میں مغربی یوپی کی علمی بستیوں کا ذکر کرتے ہوئے نانوتہ کو''پھوٹا شہر'' لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں: بعض جگہیں بعض چیزوں سے مشہور ہیں جیسے میری بستی کیرانہ اور نانوتہ نحوست میں مشہور ہیں کہ عوام صبح کو ان کا نام بھی نہیں لیتے، کیرانہ کو بیریوں والا شہر اور نانوتہ کو پھوٹا شہر کہتے ہیں،[۱] اسی نام کو لے کر ایک نانوتوی شخص کو برہم پا کر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے فرمایا: بھائی اس میں گڑبڑ کرنے کی کیا بات ہے، بلکہ اس نام سے تو خوش ہونا چاہئے، ہندوستان میں گنتی ہی کے تو چند مقامات ایسے ہیں جن کے آخر میں لفظ شہر جز و بنا ہوا ہے، مثلا بلند شہر، مچھلی شہر، اور ان ہی میں آپ کا یہ پھوٹا شہر بھی ہے، یہی فخر کیا کم ہے کہ شہریت کو لوگوں نے اس کے قوام حقیقت میں داخل کردیا ہے۔''[۲] ایک واقعہ خود راقم الحروف کے ساتھ ایک دعوتی سفر میں پیش آیا، ایک مجلس میں چند احباب وعلمائے کرام تشریف فرما تھے، دوران گفتگو اس مبارک بستی''نانوتہ'' کا ذکر خیر نکل چلا جس کو لوگوں نے منحوس مشہور کر رکھا ہے کہ عوام صبح کو اس کا نام اگر لے لیں گے تو سارے دن کھانا تک نصیب نہیں ہوتا، ان میں ایک صاحب بر سبیل مزاح مجھ سے کہنے لگے کہ مولانا ہم نے تو یہ سنا اور پڑھا ہے کہ نانوتہ کا نام اگر کوئی بھولے سے بھی لے لے تو شام تک اس کو کھانا نصیب نہیں ہوتا، راقم الحروف نے ان سے کہا کہ بے شک آپ نے صحیح سنا ہے، مگر یہ بات ان لوگوں کے حق میں مشہور ہے جو اس مبارک بستی کا نام بغیر وضو کے لیتے ہیں، با وضو لیں گے تو دعوت بھی ملے گی اور روحانی فیض بھی ملیگا، یہ جواب دراصل میں نے اپنے مربی ومشفق حضرت خطیب الاسلام سے ایک صاحب کے اس طرح مزاحیہ سوال کرنے پر سنا تھا، جس پر حاضرین محفل کا ایک زوردار قہقہہ فضا میں گونج گیا۔

---

[۱] انقذ الوکیل مطبوعہ لاہور، تذکرہ سوانح الامام الکبیر، صفحہ ۵۰۔۵۱، مئولف عبد القیوم حقانی

[۲] سوانح قاسمی ج ۱ ص ۵۳

’’پھوٹے شہر‘‘ سے علوم ومعارف کے چشمے پھوٹ پڑے

حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے ’’پھوٹے شہر‘‘ عنوان باندھ کر عجیب وغریب علمی نکات بیان فرمائے، وہ نکتہ افرینی کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

’’قدرت کی ان کارفرمائیوں کو ملاحظہ کیجئے کہ کھجور کے بن والی اس آبادی کو آس پاس کے قصبوں اور دیہاتوں میں لوگ پھوٹا شہر کے نام سے موسوم کرتے تھے، خیال یہ پیدا ہوتا تھا کہ صبح سویرے باسی منہ ’’نانوتہ‘‘ کا لفظ جس کے منہ سے نکل جاتا ہے، دن بھر روٹی سے پھر اس کی ملاقات ناممکن ہوجاتی ہے، گویا اپنی ہمزلف آبادیوں میں وہ منحوس ٹھہرایا گیا تھا، حقارت و ذلت کی نظر سے قرب وجوار کے لوگ اس کو دیکھتے تھے، اس لئے بجائے ’’نانوتہ‘‘ کے نام کی نحوست سے بچنے کے لئے ’’پھوٹا شہر‘‘ کہتے تھے، مگر یہ کون جانتا تھا کہ ہندوستان کے ٹوٹے مسلمانوں کے جوڑنے کا کام اسی پھوٹے شہر کی مٹی سے قدرت لے گی، لوگ مغالطے میں مبتلا ہوئے اگرچہ مغالطہ بھی کوئی نیا مغالطہ نہ تھا، یہ غلط فہمی تو کھجور بن کے درمیان ایک ہندوستانی آبادی کے متعلق ہوئی مگر ’’العرش العظیم‘‘ سے بھی عرب کی جس نخلستان آبادی کی خاک کا پایہ بلند وبالا ہونے والا تھا، کون نہیں جانتا تھا کہ نہ جاننے والوں نے ملامت ونفرت کا مستحق قرار دے کر اسی طیبہ وطاہرہ آبادی کو مدت تک ’’یثرب‘‘ کے نام سے بدنام کر رکھا تھا۔ کچھ بھی ہو اس کا انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ’’نانوتہ‘‘ کو ایک زمانہ تک لوگ ’’پھوٹا شہر‘‘ کہتے رہے، وہ کیا جانتے تھے کہ یہی ٹوٹی ہوئی کشتی مسلمانان ہند کے لئے کشتیٔ خضر بننے والی ہے اور اسی ٹوٹی پھوٹی دیوار کے نیچے ان غریبوں اور بے کسوں کا خزانہ دبا ہوا ہے جن کے آباء واجداد اس ملک میں صالحین وقانتین کی شکل میں وارد ہوئے تھے، اگرچہ اب تو اس کو نکتہ بعد الوقوع ہی قرار دیا جائے گا۔‘‘[1]

یہ سرزمین نانوتہ، جس کی سرسبز شاداب زمین اپنی زرخیزی اور خاص طور پر مردم خیزی میں عالمینی اثرات رکھتی ہے، یہی قصبہ آپ کے آباء واجداد کا جائے مولد وجائے مسکن رہا ہے، جن کی عالمینی دعوتی فکر کے نتیجہ میں حق تعالیٰ شانہ نے ان کے فیوض کو بھی عالمینیت عطا فرمادی، اس پھوٹے

[1] سوانح قاسمی ج اول، ص ۵۳، ۵۴۔ مؤلف: مولانا مناظر احسن گیلانیؒ

شہر سے پھوٹنے والے چشمہ علم ومعرفت اور علوم وعرفان کی حدود اربعہ میں سب سے زیادہ اس سے مستفید ومستفیض ہونے والی بستیوں میں وہ مشہور بستی ہے جو اس سے پندرہ سولہ میل پچھّم قصبہ دیوبند کی شکل میں واقع ہے، نانوتہ گرچہ چھوٹا سا قصبہ ہے، مگر یہ کون جانتا تھا کہ یہ اگرچہ چھوٹا ٹھہرایا جا رہا ہے لیکن بڑائی اس کا مقدر ہو چکی ہے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قصبہ کی آبادی کو ''لدنی آبادی'' تک لکھا ہے، چنانچہ سوانح قاسمی کے مصنف علام حضرت مولانا مناظر احسن گیلانیؒ ''قصص الاکابر'' کے حوالے سے حضرت تھانوی کی طرف یہ بیان منسوب کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:

''مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جہاں اپنی شخصیت کو کسی مصلحت سے مخفی رکھنا چاہتے تو پوچھنے پر فرما دیتے کہ میرا وطن اللہ آباد ہے، توجیہ اس کی خود یہ فرماتے کہ ہر آبادی اللہ میاں ہی کی آباد کی ہوئی ہے، پس نانوتہ کو بھی اگر اللہ آباد کہا جائے تو واقعہ کا اقرار ہے، اسی کے ساتھ اگر یہ سمجھا جائے کہ ظاہری اسباب کی رو سے شرفائے اسلام کا اس مقام پر آباد ہونا جہاں نانوتہ واقع ہے بظاہر دشوار تھا مگر باوجود اس کے مشیت الٰہی نے وہاں آبادی قائم کر دی، اس لئے اس لدنی آبادی کو ''اللہ آباد'' اگر کہا جائے تو ایسے حالات کی رو سے اس نام کی وہ مستحق ہے۔''[۱]

حضرت خطیب الاسلام کی ولادت

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی کی ولادت، بقول خطیب الاسلام ۲۲ جمادی الثانیہ ۱۳۴۴ھ مطابق ۸ جنوری ۱۹۲۶ء بوقت فجر بروز جمعہ ایسے علمی وپاکیزہ ماحول میں ہوئی جس کا بنیادی امتیاز ہی علم ونافعیت رہا ہے، یہ گھرانہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا وہ علمی وپاکیزہ گھرانہ تھا، جو مستقل علماء وصلحاء کی آماجگاہ وتربیت گاہ بنا رہا۔ اس تربیت گاہ کو آپ کثرت سے کتابوں میں ''طیب منزل'' سے موسوم پائیں گے، یہ منزل دراصل ایسی تربیت گاہ تھی جہاں لوگوں کو انسانی معراج کا مفہوم سمجھایا جاتا رہا، جس گھر سے شیخ الہند جیسی شخصیت کی تربیت ہوئی، جس گھر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کا بچپن گذرا، جس گھر میں حضرت مولانا سید احمد حسن محدث امروہوی کے شب وروز گذرے ہوں، یہی وہ طیب منزل ہے جس میں فخر ملت حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی نے براہ راست قاسم العلوم والخیرات سے کسب فیض کیا، اسی گھرانے کی تربیت کو ان حضرات

۱؎ سوانح قاسمی ص ۵۷، مولانا سید مناظر احسن گیلانی

نے جب آگے بڑھایا تو ایک طرف حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا انور شاہ کشمیری، حضرت مولانا شبیر عثمانی، حضرت مولانا عبید اللہ سندھی اور سینکڑوں نابغہ روزگار شخصیتیں معرض وجود میں آئیں، حقیقت یہ ہے کہ تعلیم بغیر تربیت کے اپنے جوہر نہیں کھولتی، اس گھرانے کی خصوصیت ہی یہ رہی کہ اس نے ہر دور میں تعلیم وتربیت کے لئے خود کو وقف رکھا اور ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں ایسے لازوال نقوش چھوڑے جو آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں، خانوادۂ کی قاسمی خواتین وہ خواتین تھیں جن کی گود میں اسلام پلتا تھا، یہ وہ مائیں تھیں جنہوں نے اکثر و بیشتر اصول پر اپنے جذبات اور ممتا کو قربان کیا اور ایسے کردار اس دنیا کو دیئے جنہوں نے ملت اسلامیہ ہندیہ کی رہبری اور رہنمائی کے لئے اصول وضع کئے۔

حضرت کی ولادت دیوبند کی معروف بستی میں ہوئی، جو اپنے اندر ایشیاء کی عظیم اسلامی یونیورسٹی رکھتا ہے اور جہاں کا فضل وکمال دنیا بھر میں مشہور ہے۔ اس سرزمین نے نہ جانے کتنے اصحاب علم و فضل پیدا کئے ہیں۔

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا کہ خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمی دامت برکاتہم العالیہ کا خاندان اپنے شجرۂ نسب کو محمد بن ابوبکر کے صاحبزادے ''قاسم بن محمدؒ'' پر منتہی کرتا ہے، حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ کے حالات راقم الحروف کے مرتب کردہ شجرہ خاندان صدیقی، نانوتہ اور ''طبقات ابن سعد'' میں بھی پڑھے جاسکتے ہیں۔ قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے والد کی شہادت کے بعد اپنی پھوپھی ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی آغوش تربیت میں پرورش پائی، جس کی وجہ سے علم وفضل میں ان کا مرتبہ اتنا بلند ہوگیا کہ عہد تابعین میں کے فقہائے سبعہ کے ایک رکن رکین شمار ہوئے، بقول مولانا عبدالقیوم حقانی:

> ''سیرت وکردار اور دل ودماغ کی بلندی کے لئے یہی کافی ہے کہ جب بنوامیہ کے لوگوں نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کو پریشان کیا تو انہوں نے دھمکی دی تھی کہ مدینہ منورہ جا کر خلافت کو مسلمانوں کی شوریٰ کے سپرد کردوں گا اور میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت اس کے سب سے بڑے حق دار قاسم بن محمد ہیں۔''[1]

بہرحال حضرت خطیب الاسلام نے جس خاندانی شرافت میں آنکھ کھولی اس خاندانی شرافت پر

[1] تذکرہ وسوانح الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتوی، مؤلف عبدالقیوم حقانی صفحہ ۴۷

ہزاروں صفحات سیاہ کرنے کے بعد بھی یہی کیا جا سکتا ہے کہ شرافت ہر شبہ سے پاک، ہر اختلاف سے ماوراء، ہر بحث سے مستثنیٰ اور کیوں نہ ہو جس کے جد امجد نے جناب رسول اللہ ﷺ کے وصال کے بعد امت کو سنبھالا اور جب تیرہ صدی بعد پھر امت اسلامیہ پر وقت پڑا تو یہ نسبت صدیقیت نسبت قاسمیہ کی شکل میں ظاہر ہو کر امت اسلامیہ کے درد کا درماں بن گئی، اسی نسبت قاسمیہ سے ہزاروں بلکہ لاکھوں کھرا سونا بن گئے اور نہ جانے کیسے کیسے پتھروں کو اس نسبت نے تراش کر ہیرا بنا دیا، یہی وہ عظیم نسبت ہے جو براہ راست حضرت خطیب الاسلام میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی چلی آرہی ہے، شاید یہی نسبت کارفرما ہے کہ حضرت خطیب الاسلام کی شخصیت زمانی وقفے کے اعتبار سے بھی انتہائی وسیع اور جامع ہے اور معنوی اعتبار سے بھی، اگر تعلیم و تعلم کا ابتدائی زمانہ نکال دیا جائے تو وقفۂ زمانی ۸۰ سال کے قریب ہے، معنوی وقفہ اس لئے وسیع ہے کہ علم وفضیلت، بصیرت، وسعت مطالعہ، علم کی پختگی ورسوخ، خدمت دین اور اس کے ساتھ اصلاح ووعظ وارشاد، عوام سے رابطہ تربیت ودعوت، بیعت وارشاد اور ادارہ سازی ورجال سازی، ان سب پہلوؤں اور گوشوں پر آپ کی زندگی محیط ہے۔

حضرت خطیب الاسلام کا نسب:

سیرت نگاروں اور سوانحی ادب لکھنے والے عام طور پر اس بات کا اہتمام کرتے چلے آئے ہیں کہ سیرت طیبہ لکھنے میں ابتداءً نبی کریم ﷺ کے نسب مبارک کو بیان کیا جائے، بالکل اسی طرح سوانح نگاروں نے بھی عمومی طور پر صاحب سوانح کے نسب ناموں کو بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے، خاص کر ان عربی النسل خاندانوں میں اس بات کا خصوصی اہتمام پایا جاتا ہے، اگر چہ اہل عجم نے اپنے نسب ضائع کر دیے ہیں، جیسا کہ اس طرف صاحب شرح وقایہ نے یہ کہہ کر اشارہ فرمایا ہے کہ ”إن أهل العجم ضيعوا انسابهم“ کہ اہل عجم نے اپنے نسب نامے ضائع کر دیے ہیں۔ اس نہج کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت خطیب الاسلام کے نسب نامے کا تذکرہ برمحل معلوم ہوتا ہے۔ اس خاندان صدیقی نانوتہ کی اصل واساس سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ کی ذات گرامی ہے، جن تک حضرت خطیب الاسلام کا نسب کچھ اس طرح ہے:

(۱) حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صدر مہتمم دار العلوم وقف دیوبند

(۲) بن حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دار العلوم دیوبند

(۳) بن حضرت مولانا محمد احمد صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند

(۴) بن حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند

(۵) بن شیخ اسد علیؒ

(۶) بن شیخ غلام شاہ

(۷) بن شیخ محمد بخش

(۸) بن شیخ علاء الدینؒ

(۹) بن شیخ ابوالفتح

(۱۰) بن شیخ محمد مفتی

(۱۱) بن شیخ عبدالسمیع

(۱۲) بن شیخ حضرت مولوی ہاشم

(۱۳) بن شاہ محمد

(۱۴) بن شیخ قاضی محمد طہ

(۱۵) بن شیخ مفتی مبارک

(۱۶) بن شیخ امان اللہ

(۱۷) بن شیخ جمال الدین

(۱۸) بن شیخ قاضی میراں بڑے

(۱۹) بن شیخ قاضی مظہر الدین

(۲۰) بن شیخ نجم الدین الثانی

(۲۱) بن شیخ نورالدین الرابع

(۲۲) بن شیخ قیام الدینؒ

(۲۳) بن شیخ ضیاء الدین

(۲۴) بن شیخ نورالدین الثالث

(۲۵) بن شیخ نجم الدین

(۲۶) بن شیخ نورالدین الثانی

(۲۷) بن شیخ رکن الدینؒ

(۲۸) بن شیخ رفیع الدین

(۲۹) بن شیخ بہاء الدینؒ

(۳۰) بن شیخ شہاب الدین

(۳۱) بن شیخ خواجہ یوسف

(۳۲) بن شیخ خلیلؒ

(۳۳) بن شیخ صدرالدین

(۳۴) بن شیخ رکن الدین سمرقندیؒ

(۳۵) بن شیخ صدرالدین الحاج

(۳۶) بن شیخ اسماعیل الشہیدؒ

(۳۷) بن شیخ نورالدین القتالؒ

(۳۸) بن شیخ محمودؒ

(۳۹) بن شیخ شہاب الدینؒ

(۴۰) بن شیخ عبداللہ

(۴۱) بن شیخ زکریا

(۴۲) بن شیخ نورؒ

(۴۳) بن شیخ سراجؒ

(۴۴) بن شیخ شادی الصدیقیؒ

(۴۵) بن شیخ وجیہ الدینؒ

(۴۶) بن شیخ مسعودؒ

(۴۷) بن شیخ عبدالرزاقؒ

(۴۸) بن شیخ قاسم

(۴۹) بن محمدؒ

(۵۰) بن خلیفۃ رسول اللہ ﷺ سیدنا ابوبکر صدیقؓ

اس طرح حضرت خطیب الاسلام میں کمالات ظاہری ومعنوی انچس ۴۹ واسطوں سے نسلاً بعد نسل سیدنا صدیق اکبرؓ سے منتقل ہوتے چلے آرہے ہیں، یہ خانوادہ جس کا اول وآخر قاسم ہو اور جس کے خمیر کو گل قاسمیت کے عرق سے گوندھ کر طالبان علوم نبوت اور تشنگان علم وعمل میں بغیر امتیاز ما وتو کے تقسیم کیا گیا ہے، اس خانوادہ کے تعارف میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ وہ عنداللہ وعند الناس مقبولیت تامہ اور قبولیت عامہ کی شان سے مستقل متصف چلا آرہا ہے: خاندان صدیقی نانوتہ کو یہ امتیاز وشرف حاصل ہے کہ حق تعالی شانہ نے برصغیر میں خاص طور پر اور پورے عالم میں عموما اپنے دین حنیف کی خدمت کے لئے قبول فرمایا جس طرح اس کو قبول فرمایا دیگر بہت کم خاندانوں کے حصے میں یہ سعادت آئی، بہرحال حضرت صدیق اکبرؓ کا اخلاص، ان کی تڑپ وبیقراری اور اللہ اور اس کے رسول کے نام پر سب کچھ قربان کرنے کا جذبۂ ایثار اور ملت اسلامیہ پر ان کے بے شمار احسانات کا نتیجہ ہے کہ ان کی اولاد میں بھی اللہ نے مسلسل ایسے بے شمار افراد پیدا فرمائے جن کے کارناموں سے خلق خدا کو بے انتہا فائدہ ہوتا رہا۔ خواہ وہ خاندان صدیقی نانوتہ ہو یا پھر خاندان صدیقی کاندھلہ، ان خاندانوں کے افراد سے جو کام اللہ نے لیا ہے اس کا اصل سبب حضرت صدیق کا اخلاص ہی ہے۔

حضرت خطیب الاسلام کی شخصیت سازی میں اہم ترین عوامل

ماہرین تعلیم یہ بات لکھتے ہیں کہ کسی بھی انسان کی شخصیت کی مثبت تعمیر میں بہت سارے عوامل کی کارفرمائی ہوتی ہے، جن کو وہ تعلیم کی مختلف ایجنسیوں سے تعبیر کرتے ہیں، مثلاً ماں باپ کی شخصیتیں، گھرانہ کا ماحول، آس پاس کا ماحول، علاقے کا ماحول، اسی طرح ملک اور پورے خطے کا ماحول یہ سب مل کر ایک شخصیت اور ایک انسان کے بننے اور سنورنے میں اور یکساں طور پر اس کے بگڑنے اور خراب ہونے میں مؤثر کردار ادا کرتے ہیں، قرآن کریم نے بھی اس بات کی طرف یہ کہہ کر اشارہ کیا

﴿قل كل يعمل على شاكلته فربكم أعلم بمن هو أهدى سبيلا﴾ (سورۃ بنی اسرائیل: ۸۴)

آیت مبارکہ میں لفظ ''شاکلہ'' بڑی ہی اہمیت کا حامل ہے، انسان کا شاکلہ بنتا ہے اس کے گھرانے، آس پاس کے ماحول، اسکول اور مدرسے کے ماحول، علاقے اور ملک کے ماحول سے، اور یہ سب عوامل بچے پر ایک ساتھ اثر انداز ہوتے ہیں، لیکن ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ انسان کے

اوپراس کے بننے اور سنورنے، اسی طرح اس کے خراب ہونے میں دو تین عوامل بہت ہی اہمیت کے حامل ہیں، نمبر ایک بچے کے والدین، گھر کا ماحول، اساتذہ کرام اور اس کے اقران۔ ان میں بھی فطری صلاحیتیں، والدین اور اساتذہ کرام کا کردار بہت اہم ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ہمارے استاذ پروفیسر علی اختر صاحب دوران درس اکثر یہ جملہ فرماتے تھے۔

"Fortunate are those who got good teachers and good parents."

بڑے ہی خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو اچھے ماں باپ اور اچھے اساتذہ کرام میسر آجائیں۔

والدین کا باشعور ہونا ظاہری اسباب کے اعتبار سے باب تربیت میں بہت بڑا عامل ہے، اسی طرح اس کے اساتذہ کرام بھی اگر باشعور ہوں، ذی ہوش ہوں، تو ایسے انسان کی شخصیت نکھر کر رہ جاتی ہے۔ کیونکہ قوموں کی تقدیر بھی اساتذہ کرام سے بنتی ہے۔ ہندوستان کے سابق وزیر اعظم جناب جواہر لعل نہرو صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں

"The destiny of the nations is always shaped in the classroom."

قوموں کی تقدیریں درسگاہوں میں بنتی اور سنورتی اسی طرح بگڑتی اور خراب ہوتی ہیں۔

لیکن یہ تمام خارجی عوامل ہیں، داخلی مؤثر اور عامل بھی بڑی اہمیت کے حامل ہیں، جن میں سب سے بڑی چیز وہ صلاحیتیں ہیں جو اللہ ہر انسان میں الگ الگ اور تفاوت کے ساتھ رکھتا ہے، کوئی بہت ذہین ہے کوئی غبی ہے اور کوئی متوسط درجے کا ذہن وحافظہ لیے ہوئے ہوتا ہے، خارجی عوامل مثلاً گھر کا ماحول، اساتذہ کرام کی توجہات اور جانفشانی جب ہی کارگر ہوتی ہے جب اندر فطری صلاحیتیں موجود ہوں، اور اگر فطری صلاحیتیں ہی مفقود ہوں تو پھر یہ عوامل بھی بہت اثر انداز نہیں ہوتے۔

اس لمبی اور طویل تمہید کے بعد عرض ہے کہ حضرت خطیب الاسلام کی دلنواز شخصیت میں یہ سارے ہی عوامل بقدر وافر موجود ہیں۔

آپ کی فطری صلاحیت اور خداداد ذہانت کے بارے میں کچھ لکھنا ایسا ہے کہ جیسے کسی آفتاب کو چراغ دکھا دیا جائے، کہ اللہ رب العزت نے ذہانت خاندان صدیقی کو بے مثال عطا کی ہے، اسی ذہانت اور فطری صلاحیتوں کی کارفرمائی ہے کہ مستقل صدیق اکبر سے لے کر اس خاندان میں صاحب علم وفضل پیدا ہوتے رہے، سیدنا صدیق اکبرؓ بھی اس قدر ذہین تھے کہ آپ کو انسانوں کے نسب نامے تو یاد تھے ہی آپ کو اونٹوں کے بھی نسب یاد تھے، اور آپ کو ''نسابۃ العرب'' کہا جاتا تھا،

آپ کے بعد آپ کے پوتے حضرت قاسم بن محمد رحمہ اللہ کا شمار نہایت صاحب علم وفضل لوگوں میں ہوتا تھا۔ پچھلی دوصدیوں سے اس صدیقی خاندان میں ہر میدان کے نہایت صاحب علم وفضل لوگ پیدا ہوتے رہے، اوران کے علم وفضل کو اللہ نے چار دانگ عالم میں بجادیا، ہنوز یہ سلسلہ اس طرح باقی ہے، والحمد لله على ذالک۔

پہلا اہم عامل: حضرت خطیب الاسلام کی ذہانت اور فطری صلاحیتیں

یہ تو بات ہے خاندان صدیقی کی، اسی خاندان صدیقی کی نہایت ممتاز شاخ خانوادہ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ہے جو برصغیر کے تمام علمی، دینی، دعوتی حلقوں میں خاندان قاسمی کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے، اس خانوادہ کے افراد کی ذہانت اور خداداد صلاحیتیں ضرب المثل اور زبان زد خاص وعام ہیں کہ جنہوں نے ہندوستان اور برصغیر کے مسلمانوں کو خصوصا اور مسلمانان عالم کو عموما جینے کا سلیقہ اور شعور سکھایا، اور علوم اسلامیہ کی ترویج واشاعت کے لئے ایسی نہر سلسبیل جاری فرمادی کہ جن کا فیض دنیا کے سارے براعظموں میں پہنچا اور مسلسل پہنچ رہا ہے، مجھے اس وقت دیوبند کی ایک نہایت معزز شخصیت جناب قاضی انوار صاحب دامت برکاتہم العالیہ[1] کا جملہ یاد آتا ہے، جو انہوں نے مجھ سے کہا تھا، کہ خانوادہ قاسمی کے افراد کا ذہانت کے باب میں کوئی سہیم وشریک نہیں، انتہائی ذہین خاندان، حضرت خطیب الاسلام اس خانوادے کے رکن رکین تھے۔ فطری صلاحیتیں اللہ نے بدرجہ اتم عطا فرمائی تھیں۔ یہ اسی ذہانت کے آثار تھے کہ آپ نے صرف دوسال کی مدت میں کلام اللہ حفظ فرمالیا، اور آپ کے درجۂ حفظ کے دوسرے استاذ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے حفظ پر اعتماد کا اظہار بھی فرمایا، جس کا تذکرہ آگے کتاب میں تفصیلا آرہا ہے، اور پھر بیس، بائیس سال کی عمر میں دارالعلوم جیسے مؤقر ادارے کے استاذ بنادئے گئے۔

دوسرا اہم عامل: حضرت خطیب الاسلام کے باشعور والدین گرامی

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جاچکا ہے کہ کسی بھی شخصیت کی تعمیر میں چند نہایت اہم عوامل کارفرما ہوتے ہیں، ان میں فطری خداداد صلاحیتیں تو بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں، لیکن ان صلاحیتوں اور قدرت کی

[1] قاضی انوار صاحب دیوبند کی انتہائی معزز شخصیت ہیں، ہر ایک کے کام آنا ان کی خاص صفت ہے، عثمانی خاندان سے ان کا تعلق ہے۔

طرف سے ودیعت کی گئی موھبتوں کو پروان چڑھانے اور بڑھانے کا کام سب سے پہلے والدین کرتے ہیں، جیسا والدین بچے کو سکھا دیتے ہیں ایسا ہی بچہ سیکھتا چلا جاتا ہے، یا جیسا وہ اپنے والدین کو کرتا ہو دیکھتا ہے ویسے ہی اس کا مزاج ڈھلتا چلا جاتا ہے، خاص کر باب تربیت میں والدہ کا کردار بہت اہمیت کا حامل ہے، چنانچہ آقا جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے اس مضمون کو صراحتا بیان فرمایا، ارشاد نبوی ہے:

"کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھودانہ اوینصرانہ اویمجسانہ"

ہر بچہ عین فطرت (یعنی فطرت اسلام پر) پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بناتے ہیں۔

یعنی مطلب یہ ہے کہ وہ جیسا سکھاتے ہیں یا پھر جیسے ان کی زندگی کے طور طریقے ہوتے ہیں بچہ انہیں کے مطابق ڈھلتا چلا جاتا ہے، اس حدیث مبارک میں بہت سارے مضامین باب تربیت کے بیان ہوئے ہیں، ان میں ایک بات یہ بھی ہے کہ انسان کی شخصیت کی اصل تعمیر ماں باپ ہی کرتے ہیں، اور باب تربیت میں ان کا کردار سب سے بنیادی ہے، شروع کے سالوں میں انسان کا مزاج اور طبیعت ڈھل جاتی ہے، باقی دوسرے مراکز تعلیم وتربیت کا کردار ثانوی ہے، جس سے یہ بات عیاں ہوکر سامنے آتی ہے کہ تربیت اولاد، نسل نو کی تعمیر کے لئے والدین کا باشعور ہونا اور دین فطرت اسلام کے اصولوں سے ہم آہنگ ہونا کس قدر بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔

دوسرے مراکز تعلیم اور تعلیمی ایجنسیوں کا کردار بہت بعد میں آتا ہے۔ حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ کی شخصیت تعمیر کے اس پہلو میں بھی بہت مالا مال ہے کہ اللہ نے والدین گرامی بھی نہایت باشعور، خداترس، عالمینی دعوتی فکر کے حامل، دینی مزاج رکھنے والے، تعلیم وتربیت جن کے کردار اور بولوں کی زینت، علم وعمل کے پیکر، نافعیت جن کا مزاج، رہن سہن اسلامی شریعت کا عکاس، دل و دماغ قال اللہ اور قال الرسول کی صداؤں سے آشنا اور ان کی خوشبوؤں سے معطر، اعلائے کلمۃ الحق کے لئے کوشاں، دین کی صحیح شکل میں ترویج اور اشاعت جن کی زندگیوں کا مقصد، امت میں افراد سازی جن کا کام، مزاج شریعت اسلامی رافت و رحمت، حلم اور محبتوں کی عمومی تقسیم جن کا امتیاز، وراثت نبوت کو دنیا کے کونے کونے میں لے کر پھرنا جن کی زندگیوں کا حاصل اور محور، بھٹکے ہوئے لوگوں کو راہ دکھانا اور تعلیم یافتہ سمجھے جانے والے لوگوں کو باشعور بنانا جن کی شبانہ روز محنتوں کا حاصل،

برصغیر میں جگہ جگہ اسلامی، دینی، تعلیمی وتربیتی مراکز کا قیام جن کی جہد مسلسل کا ایک عظیم ترین پہلو، اکابر واسلاف دیوبند کی روایتوں کے امین تھے، اب آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جن کے والدین کے یہ امتیازات ہوں اور جن کا گھرانہ بیت نبوت کا نمونہ ہو اس گھر میں پروان چڑھنے والی شخصیت کے اندر یہ تمام باتیں گویا مزاج کا حصہ تھیں، جن کا ظہور وقتاً فوقتاً پوری زندگی ہوتا رہا، جیسا کہ کتاب میں آگے حضرت خطیب الاسلام کے کارناموں کی تفصیلات آرہی ہیں، آیئے ان تمام باتوں کی مزید وضاحت کے لئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے والدین گرامی کے بارے میں تفصیلات جاننے کی کوشش کرتے ہیں، باب تربیت میں چوں کہ سب سے زیادہ اہم کردار والدہ کا ہوتا ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے آپ کی والدہ محترمہ کا تذکرہ کیا جائے۔

حضرت خطیب الاسلام کی ننہیال اور اس کے اثرات

حضرت خطیب الاسلام کی ننیہال اور راقم الحروف کی والدہ کی ننہیال ایک ہی ہے، راقم نے اپنی والدہ کی زبانی اس انصاری رامپوری خاندان کی شرافت اور اخلاقی اقدار وقیم کے بے شمار واقعات سن رکھے ہیں، جو نسل نو کی اسلامی ذہن سازی کے باب میں نہایت اہمیت کے حامل ہیں، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ خاندان تربیت اولاد کے سلسلہ میں زمانۂ قدیم ہی سے بہت اعلیٰ قدروں کا حامل رہا ہے۔

مزید برآں اس خاندان کا تمام اکابرین دیوبند سے ہمیشہ ایک خاص ربط وضبط رہا، میزبانی رسول ﷺ کا شرف اس خاندان کے جد امجد حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کو ہوا تو ان کی اولاد کو نائبین رسول ﷺ علماء دیوبند کی میزبانی کا شرف مستقل حاصل رہا، رامپور منیہاران کی وہ مشہور حویلی جو اس خاندان کی قیامگاہ رہی اور علاقے میں محل کے نام سے مشہور ہے، اس میں سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ، حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید، حضرت مولانا محمد محدث تھانوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی وغیرہم کی مستقل آمد ورفت رہی۔

میری والدہ محترمہ اکثر یہ واقعہ سنایا کرتی ہیں کہ:

”جب میری نانی اماں (میری والدہ کی نانی جو اس محل کی بیٹی تھیں، جن کا نکاح حضرت حافظ محمد ضامن شہیدؒ کے پوتے حافظ رفیق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہوا تھا جو حافظ یوسف صاحب

ابن حافظ ضامن شہیدؒ کے چھوٹے صاحبزادے تھے) کا نکاح ہوا تو ان کے نکاح میں جن اکابرین دیوبند نے شرکت فرمائی تھی اس میں سے چند حضرات کے نام درج ذیل ہیں:
حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی (متوفی ۱۳۳۹ھ)، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری (متوفی ۱۳۴۶ھ)، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی (متوفی ۱۳۶۲ھ)، حضرت مولانا حسین احمد مدنی (متوفی ۱۳۷۷ھ)، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری (متوفی ۱۳۵۲ھ) وغیرہم، یہ وہ حضرات ہیں جو اس خاندان کی بیٹی کو رخصت کرنے کے لئے اس حویلی میں اس وقت جمع ہوئے تھے، خطیب الاسلام کی ننہیال میں علم وحکمت کے ساتھ فن طب کا بھی خاندانی طور پر سلسلہ چلا آرہا تھا، اس خاندان کی بیٹیوں کا حال بقول والدہ محترمہ: بڑے بڑے حاذق اطباء محل کی بیٹیوں سے اپنے مریضوں کے سلسلہ میں مشورہ لیتے اور ان کے بتائے ہوئے نسخوں کو تجویز فرماتے، حضرت خطیب الاسلام کی ننہیال ایسے خاندان میں ہونا ان کے لئے شرف بالائے شرف کے قبیل سے تھا[1]

عزیز مکرم جناب مولانا شکیب قاسمی نے ''حیات طیب'' جلد اول میں اس خاندان کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے۔

''قصبہ رامپور میں مولانا حکیم ضیاء الدین[2] صاحب کا خاندان ممتاز شمار ہوتا چلا آرہا ہے، اس خاندان کے اہل علم اور اہل دل کافی شہرت رکھتے تھے خود مولانا حکیم ضیاء الدین صاحبؒ حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہیدؒ کے ہاتھ پر بیعت تھے اور آپ کے ارشد خلفاء میں شمار ہوتے تھے، اس خاندان کے مورث اعلیٰ حضرت شیخ سالار بندگی تھے، جن کا مزار قصبہ رامپور

---

[1] یہ واقعہ میری نانی صاحبہ مرحومہ نے بارہا راقم کو سنایا کہ جب اس تقریب میں شرکت کے لئے حضرت تھانویؒ رامپور منہاران تشریف لے آئے تو کسی نے اطلاع دی کہ محل میں تو گانے گائے جارہے ہیں (دف وغیرہ بجا کر کچھ گیت وغیرہ گا رہی تھیں اس محل کی خواتین) یہ سن کر حضرت تھانوی نے وہیں سے واپسی کا ارادہ کرلیا، حضرت تھانوی کے اس عمل اور اظہار ناراضگی کی اطلاع حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کو ہوئی، تو مولانا خلیل احمد صاحب نے حضرت تھانوی کو کہلوایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں صرف آپ ہی جائیں گے، باقی ہم سب تو دوزخ میں جائیں گے، حضرت تھانوی نے فوراً اپنا ارادہ ملتوی فرمایا اور اس نکاح میں شرکت فرمائی۔

[2] حکیم ضیاء الدین کے تفصیلی حالات راقم الحروف کی کتاب ''سوانح حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید'' میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

ہی میں موجود ہے۔ان کا سلسلہ نسب حضرت ابوایوب انصاریؓ میزبان رسول اللہ ﷺ تک پہنچتا ہے، جو مدینہ منورہ کے قبیلہ خزرج سے تعلق رکھتے تھے اور یہی وہ بابرکت گھرانہ ہے جہاں رسول اللہ ﷺ نے مدینہ آکر اولاً قیام فرمایا تھا۔مولانا حکیم ضیاء الدین صاحبؒ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی ان کے حقیقی بھائی حاجی علاء الدین صاحب تھے، اس خاندان کی نسل انہی سے چلی، ان کے تین صاحبزادے تھے۔مولانا حافظ حکیم احمد صاحبؒ رئیس رامپور، مولوی محمد صاحب مرحوم اور مولانا حافظ محمود صاحب فاضل دیوبند و وزیر ریاست اندرگڑھ (راجپوتانہ) مولانا محمود صاحب نے دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پائی تھی اور آپ کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی رحمہما اللہ سے خصوصی شرف تلمذ حاصل تھا اور ربط وعلاقہ انتہائی قوی تھا۔مولانا محمود صاحب کی شادی مشہور بزرگ حضرت شاہ ابوالمعالی قدس سرہ قصبہ انبہیٹہ ، ضلع سہارنپور کے خاندان میں حضرت شاہ صادق احمد صاحب انبہٹوی کی صاحبزادی سے ہوئی تھی ، حضرت شاہ ابوالمعالی کا خاندان انبہٹہ میں اہل علم وفضل اور اہل دل کا ممتاز خانوادہ رہا ہے، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب محدث سہارنپوری خلیفہ حضرت گنگوہی اسی خاندان کے چشم و چراغ تھے، انہیں مولانا حافظ محمود صاحب رامپوری کی صاحبزادی حنیفہ خاتون سے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) کا رشتہ طے پایا جو ان کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں، یہ رشتہ اس وقت کے صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی قدس سرہ لے کر رامپور پہنچے، چونکہ حضرت شیخ الہند کا تعلق بھی وہاں سے گہرا تھا اس لئے مولانا محمود کے بھائی حکیم احمد[1] سے فرمایا کہ بھائی، میں اس وقت نائی کی حیثیت سے طیب کا رشتہ آپ کی بھتیجی سے لے کر آرہا ہوں، یہ رشتہ ان حضرات نے بڑی خوش دلی کے ساتھ منظور کرلیا، بلکہ دلی مسرت کا اظہار بھی کیا، بات طے پانے کے بعد یہ رشتہ تین چار سال تک ممتد رہا۔'' (حیات طیب ص ۸۵،۸۶، ج ۱)

---

[1] حکیم احمد صاحب جو مولانا محمود کے بڑے بھائی تھے یہ میری نانی اماں کے نانا تھے اور مولانا محمود صاحب یہ حضرت خطیب الاسلام کے نانا تھے، اس طرح حضرت خطیب الاسلام اور میری نانی اماں اس گھرانہ کے نواسہ نواسی تھے، ان حکیم احمد صاحب کے صاحبزادے حکیم طیب صاحب ہوئے جو انتہائی حاذق حکیم تھے جن کا تذکرہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلویؒ نے بڑی خصوصیت سے آپ بیتی میں فرمایا ہے، یہ حکیم طیب صاحب رامپوری راقم الحروف کے بہنوئی مولانا عمر انصاری مرحوم کے دادا تھے۔

۱۳۳۴ھ میں جب حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب کی عمر بیس سال ہو چکی تھی نکاح کی تاریخ طے پائی اور متعینہ تاریخ میں سو، سوا سو علماء کرام آپ کو لے کر رام پور پہنچے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ نے آپ کا نکاح پڑھا اور سبھی نے دعائیں کیں۔

حضرت حکیم الاسلام کی تحریر جو آپ نے اپنی اہلیہ کے انتقال کے بعد لکھی اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی اہلیہ محترمہ کی دیوبند رخصتی کس شان سے ہوئی اور دیوبند میں ان کا استقبال کس طرح ہوا حکیم الاسلام اس کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے ایک جگہ رقم طراز ہیں:

''بارات کی واپسی ایک شب قیام کے بعد اگلے دن عصر کے بعد ہوئی اور رات کو تقریباً گیارہ بجے دیوبند پہنچنا ہوا، سردی کا زمانہ تھا، عشاء کے بعد دیوبند میں اس غیر معمولی تاخیر سے تشویش محسوس کی گئی، بالخصوص اس وجہ سے بھی کہ مولانا محمود صاحبؒ نے کافی اور بہت قیمتی سامان اپنی صاحبزادی کو دیا تھا، جس کی شہرت تھی حتی کہ علاوہ ہمہ قسم کے سامانوں کے دلہن کے لئے نفیس پالکی اور دلہا کے لئے گھوڑا بھی دیا تھا جو سر سے پیر تک چاندی سے آراستہ تھا اور زین مخملی تھا جس پر زری کا کار چوب کا کام تھا، یہی نوعیت دوسرے قیمتی سامانوں کی بھی تھی۔ رات کا کچھ وقت کچی پکی سڑک اور درمیان میں دیہات کا سلسلہ تھا اس لئے دیوبند میں تاخیر سے تشویش محسوس کی گئی، حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی شادی کے سلسلہ میں مقامی نظم کے ذمہ دار تھے، انہوں نے اس تشویش کا طلبہ سے اظہار کیا، جس پر ڈھائی تین سو طلبہ دارالعلوم دیوبند سے رامپور کی سڑک پر روانہ ہو گئے، دیوبند سے چھ میل آگے پہنچ کر طلبہ کا مجمع بارات سے جا ملا اور بارات کے ساتھ لوٹا، طلبہ نے اپنی محبت و تعلق سے پالکی والے کہاروں کو ہٹا کر خود پالکی اپنے کندھوں پر اٹھائی اور نوبت بنوبت پالکی لے کر چلے، وہ سماں عجیب تھا کہ مختلف وطنوں کے طلبہ بنگالی، پنجابی، آسامی، سرحدی اور گجراتی وغیرہ اپنی اپنی زبانوں میں گیت گاتے جاتے تھے اور پالکی اٹھائے جا رہے تھے، یہ مرحومہ کی خوش قسمتی تھی کہ رشتہ سرتاج علماء شیخ الہند لے کر گئے اور ا کا بر وقت شریک ہوئے اور پالکی اٹھانے والے طلبہ علم دین تھے جو اپنے سروں پر موصوفہ کو لائے اور آخر جنازہ بھی جب اٹھا تو وہ بھی انہی طلبہ اور علماء کے کندھوں پر اٹھا۔''[1] (حیات طیب ص ۸۷)

[1]...... حضرت مولانا محمود صاحب رئیس رامپور و وزیر ریاست اندر گڑھ تھے، اس لئے اس شان سے اپنی بیٹی کو علماء کی سرپرستی میں رخصت فرمایا تھا۔

والدہ ماجدہ کے اوصاف

حضرت خطیب الاسلام کی والدہ کی شادی بڑے اہتمام سے ہوئی اوران علماء ربانیین کی دعاؤں کا ثمرہ ونتیجہ یہ ہوا کہ اس جوڑے کو بڑی عزت اور عظمت نصیب ہوئی اور خواص وعوام میں مقبولیت عامہ حاصل ہوئی، آپ کے والد ماجد حضرت حکیم الاسلام کی حیات پر تفصیلات کے لئے ''حیات طیب جلد اول وجلد دوم'' کا مطالعہ کریں، مگر آپ کی والدہ ماجدہ کے بارے میں مختصرا یہاں عرض کرنا خطیب الاسلام کی سوانح کا ایک اہم باب ہوگا۔

آپ کی والدہ ماجدہ بحیثیت دین وبحیثیت خاندان ایک شانِ امتیاز رکھتی تھیں، اس سلسلے میں تفصیل حضرت حکیم الاسلام کے ہی قلم سے ملاحظہ فرمائیں، وہ اپنی اہلیہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

''خود اپنی ذات سے بھی نہایت صالحہ، پابند اوقات اور اپنے معمولات پر مستقیم تھیں، میں ان کے معمولات ضبط کی نگاہوں سے دیکھا کرتا تھا اور بسا اوقات ذہن میں یہ تصور بندھ جاتا شاید یہی خاتون میرے لئے نجات کا ذریعہ بن جائے، مرحومہ کو فرائض کی ادائیگی کا حد درجہ اہتمام تھا، گھر کے کیسے ہی اہم کام میں مصروف ہوں، اذان کی آواز سنتے ہی ہر کام سے بیگانہ وار اٹھ کر اول اوقات میں نماز ادا کرتیں، نماز اداء کئے بغیر مطمئن نہ ہوتیں، ایک ہزار دانے کی تسبیح ہمیشہ ان کے سرہانے رہا کرتی تھی، نماز عشاء کے بعد ایک ہزار بار کلمہ طیبہ اور وقت خواب ادعیہ ماثورہ پڑھنے کا معمول تھا جو سفر وحضر میں جاری رہتا تھا، نماز صبح کے بعد تلاوت قرآن کریم اور حضر میں بغیر کسی شدید اور غیر اختیاری مجبوری کے ناغہ نہیں ہوتا تھا۔

حج کا بھی ایک شغف دل میں تھا۔ میری معیت میں سات بار حج وزیارت روضہ اقدس سے مشرف ہوئیں، حضرت مولانا محمد سلیم صاحب کیرانوی ثم المکی مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ سے عزیز داری تھی، مکہ میں قیام انہی کے دولت خانہ پر ہوتا تھا، مولانا کے گھرانے کے ہر بچے اور بڑے کو ان سے خاص انس اور تعلق تھا۔ ہر سال حج کے موقع پر ادھر سے برابر یاد دہانی ہوتی کہ ہم سب آپ کا انتظار کر رہے ہیں، اسی علاقہ خاص سے حضرت مولانا سلیم صاحب کا مقولہ تھا: ''جو شخص یہ ثابت کردے کہ مکہ مکرمہ میں (مولانا) محمد طیب صاحب کا گھر نہیں ہے تو میں اسے ایک ہزار روپیہ انعام دینے کے لئے تیار ہوں، بہرحال مولانا کا سارا گھرانہ ان سے حد درجہ

مانوس تھا اور وہ ان سے مانوس تھیں، بالخصوص عزیز محترم مولوی محمد شمیم سلمہ ابن حضرت مولانا محمد سلیم صاحب تو خاص طور پر ان کی خاطر داری اور مدارات میں لگے رہتے تھے اور ان سے مرحومہ کو خاص انس تھا اور کہا کرتی تھیں کہ مجھے شمیم پر ایسا ہی پیار آتا ہے جیسے سالم پر۔''[1]

والدہ کے یہاں زکوٰۃ کی ادائیگی اور انفاق فی سبیل اللہ کا اہتمام

آپ کی والدہ مرحومہ ان خوبیوں کے علاوہ بہت سی ایسی صفات سے متصف تھیں جو ان کو خاندانی طور پر ورثہ میں ملی تھیں، مثلاً داد و دہش اور سخاوت کی صفت سے وہ خاندانی طور پر متصف تھیں اور شادی سے قبل ہی حاجتمندوں اور ضرورت مند حضرات کا خصوصی خیال فرماتی تھیں اور خاص طور پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا خاص اہتمام رہتا۔ خود حکیم الاسلام لکھتے ہیں:

''حج ونماز اور اوقات کی پابندی کے ساتھ ان میں ادائے زکوٰۃ کا شغف یہ تھا کہ پائی پائی کا حساب کر کے عموماً ماہ رمضان میں زکوٰۃ ادا کیا کرتی تھیں، شہر کے عزیزوں میں سے غرباء اور بالخصوص غریب بیواؤں کی فہرست ان کے سامنے رہتی۔''[2]

حضرت خطیب الاسلام کی والدہ مرحومہ کے یہاں رمضان شریف میں تراویح کا خاص اہتمام ہوتا تھا، حضرت حکیم الاسلام آخر کے چند سال سے تراویح اپنی بیٹھک میں پڑھا کرتے تھے، دالان میں پردہ ہوتا تھا، پس پردہ اہلیہ محترمہ اور گھر ومحلّہ کی دوسری خواتین بھی ہوتی تھیں اور پردہ کے باہر جانب قبلہ بیٹھک میں مردوں کی جماعت ہوتی تھی، جب کبھی رمضان میں حضرت والا کا قیام گھر پر نہیں ہوتا تو یہ فرض آپ کے لائق فرزند حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی انجام دیتے تھے۔[2] اس طرح حکیم الاسلام کی اہلیہ محترمہ اذکار واوراد، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ اور تمام ارکان اسلام کی نہایت پابند تھیں اور اسی رنگ میں اپنے پورے خاندان اور گھرانے کو رنگنے کی سعی کرتی رہتی تھیں۔

حضرت حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کو اپنی اہلیہ کی طرف سے بڑا ذہنی سکون تھا، بچوں کی پرورش، تعلیم وتربیت اور دیکھ بھال سب اہلیہ نے اپنے ذمہ لے رکھی تھی، حضرت کو اس طرف سے بالکل آزاد کر رکھا تھا۔ چوں کہ ذہین وذکی تھیں، اس لئے آپ

---

[1] حیات طیب

[2] حیات طیب، ص ۸۷ ج اول

کی راحت رسانی کا پورا خیال اور لحاظ تھا، گجراتی اور ہندی زبان بھی لکھنا اور بولنا جانتی تھیں، دارالعلوم میں گجراتی اور ہندی خطوط آتے تھے تو ان کا ترجمہ آپ اکثر ان ہی سے کراتے تھے۔[1]

جذبہ راحت رسانی

ادب چونکہ نام ہی راحت رسانی کا ہے، جس کے اندر راحت رسانی کا جذبہ ہوگا وہ ہمیشہ باادب ہوگا، حضرت خطیب الاسلام کی والدہ محترمہ میں راحت رسانی کا ایک خاص جذبہ تھا۔ اس لئے ہر شخص کے جذبات کا احترام اس کے مقام و مرتبے کے اعتبار سے فرماتیں، حکیم الاسلام نے اپنی اہلیہ محترمہ کے بارے میں لکھا ہے:

''ان کے ساتھ میری رفاقت ساٹھ سال رہی ہے، اس پوری مدت میں اہلیہ ہونے کے رشتہ سے ان سے اتنا متاثر نہیں تھا، جتنا کہ ان کی ذاتی صلاحیت و استقامت اور جذبہ راحت رسانی و اطاعت وغیرہ سے متاثر رہا، خدمت و اطاعت میں مزاج شناسی اور نفسیات کی رعایت کا انہیں خاص ملکہ تھا۔ بات سن کر فوراً اس کی تہہ میں پہنچ جانا اور اصولی جواب ان کا خاص رنگ تھا۔ یہی ذہانت تھی کہ عمر کا ایک بڑا حصہ راجپوتانہ میں گذارنے کے سبب گجراتی زبان اور ہندی لکھنے پڑھنے کا خاص ملکہ پیدا کرلیا تھا۔ اکثر دارالعلوم کے ہندی اور گجراتی زبانوں کے خطوط انہیں سے پڑھواتا اور ترجمہ کراتا تھا۔ گجرات کے سفروں، بڑودہ، سورت، راندھیر اور بمبئی وغیرہ میں وہ گجراتی عورتوں کی باتیں بے تکلف سمجھ کر ان سے گجراتی میں بات چیت کرلیتی تھیں۔ اسی ذہانت کا اثر تھا کہ حجاز مقدس کے متعدد سفروں میں معمولی عربی سمجھنے اور ٹوٹی پھوٹی بول لینے میں انہیں تکلف نہیں ہوتا تھا۔ حجاز میں اکثر عرب اور مصری عورتوں سے ٹوٹی پھوٹی عربی میں گھنٹوں بات چیت کرتی رہتی تھیں۔''[2]

حضرت کی اہلیہ شعر بھی کہہ لیا کرتی تھیں، ان کے اشعار میں روانی ہوتی، ان کے کچھ اشعار زیور طباعت سے آراستہ ہوگئے ہیں، جیسا کہ جناب اعظم قاسمی صاحب مدظلہ العالی نے بتلایا کہ والدہ محترمہ کو شعر گوئی کا اور موزوں اشعار برمحل پڑھنے کا خاصا ملکہ تھا اور ان کا شعری ذوق صاف ستھرا تھا،

---

[1] حیات طیب، ص ۸۸، ج اول

[2] حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی، جذبات الم ص ۱۰

حضرت قاری محمد طیب صاحب کے ساتھ اکثر و بیشتر غیر ممالک کے اسفار بھی کئے اور وہ سفر خودان کے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی یادگار ثابت ہوئے۔

انہی سے حضرت حکیم الاسلام کی نسل کا سلسلہ آگے بڑھا، خود حضرت حکیم الاسلام لکھتے ہیں:

''اولاد کی طرف سے بھی حق تعالیٰ نے انہیں خوش نصیب بنایا تھا۔ انہوں نے اپنی تین پشتیں اپنی زندگی میں پروان چڑھتی دیکھیں۔ بیٹے بیٹیاں، پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں اوران کی اولادیں ملاکر مجموعی تعداد ۵۱ تک پہنچ گئی۔[1] اور بعد میں اضافہ بھی ہوا۔ انہوں نے خوشیوں اور مسرتوں کی فضائیں دیکھیں، خود اپنی ساری اولاد کی شادی بیاہ اور کافی حدتک اولاد کی تقریبات وغیرہ سے اپنی زندگی میں فراغت پالی تھی اور یہ کم خوش نصیبی نہیں کہ ان کے انتقال تک ان کی اولاد دراولاد کا عدد ماشاءاللہ ۵۱ تک پہنچا ہوا تھا۔[2]

خانوادۂ قاسمی کی معمر خواتین کے والدہ خطیب الاسلام پر اثرات

اس موقعہ پر یہ بات بھی ذکر کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح حضرت کی والدہ محترمہ اپنے گھرانے سے اپنے بزرگوں کی روایتوں کی امین بن کر آئیں تھیں، اسی طرح نکاح کے بعد ان کی شخصیت میں خانوادۂ قاسمی کی معمر خواتین کے بھی اثرات تھے، کیونکہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے زمانے سے لے کر خانوادہ قاسمی کی خواتین کا کردار یہ رہا ہے کہ انہوں نے نہ صرف اپنی اولادوں کی اسلامی تربیت کی، بلکہ قیام دارالعلوم دیوبند کے بعد باضابطہ اور باقاعدہ مقصد حیات بنا کر ساتھ ساتھ امت کے نونہالوں کی بہترین تربیت فرمائی، یہی وجہ ہے کہ ان کی نسلیں نسلا بعد نسل آفتاب اور ماہتاب بن کر پچھلی دوصدیوں سے اسلامی تاریخ کے صفحات پر اپنے لازوال اور انمٹ نقوش چھوڑتی چلی آرہی ہیں، اور الحمدللہ یہ سلسلہ اسی آب وتاب کے ساتھ جاری وساری ہے، تقوی پر مبنی اسلامی تربیت کی بنیاد بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی والدہ محترمہ نے ڈالی تھی، پھر اس روشن قندیل کو مزید روشن حضرت حجۃ الاسلام کی اہلیہ محترمہ نے فرمایا جو شیخ کرامت حسین صاحب دیوبندی کی صاحبزادی تھیں، اور نہایت سادہ اور خداترس خاتون تھیں، جنہوں نے یوم اول ہی سے

---

[1] حضرت حکیم الاسلام نے تو یہ تعداد اس سے کہیں زیادہ دیکھیں۔

[2] حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی، جذبات الم ص ۱۸، ۱۹۔ راقم الحروف نے حضرت خطیب الاسلام کی والدہ ماجدہ کے بارے میں جو تفصیلات لکھی ہیں وہ بیشتر حیات طیب جلداول سے مستفاد ہیں۔

اپنے شوہر عزیز حضرت نانوتوی کے زہد واستغناء اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے اپنا سب کچھ قربان کردینے کو اپنی زندگی کی متاع عزیز تصور کر کے اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا۔

چنانچہ یہ واقعہ ہے کہ یوم اول میں ہی سے حضرت حجۃ الاسلام کی اہلیہ نے اپنے والد گرامی کے گھر سے لایا ہوا سارا مال حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی درخواست پر سرفرازئ اسلام کے لئے قربان کردیا تھا، گھر کے اسی مومنانہ خداترس، علمی اور دعوتی ماحول کا یہ اثر سامنے آیا کہ نکاحوں کے ذریعہ اس خانوادۂ قاسمی کا حصہ بننے والی خواتین بھی آہستہ آہستہ اسی رنگ میں ڈھلتی چلی گئیں، اور ان میں یہ شعور پختہ سے پختہ تر ہوتا چلا گیا کہ نسل نو کی اصل تربیت مدرسوں، خانقاہوں اور مسجدوں میں نہیں بلکہ نسل نو میں صالحیت، مصلحیت اور نافعیت کے جذبات ماں کی گود سے پروان چڑھتے ہیں اور باپ کے سایہ عاطفت سے ان میں اعتماد پیدا ہوتا ہے، یہ وہ اہم نقطہ ہے جس کی طرف سے آج کل لوگوں کی نگاہیں اوجھل ہیں، اسی لئے نسل نو کی تربیت کے بجائے ماؤوں نے مغربیت اور الحادی نظاموں کی اندھی اور مضرت رساں تہذیب کی کورانہ تقلید میں گھروں کو چھوڑ چھوڑ کر باہر کا راستہ اختیار کرلیا ہے، اور نسل نو کو خادماؤں اور ٹیوٹروں کے حوالے کردیا ہے، بھلا نوکرانیوں نے بھی کبھی بچوں کی جذباتی تربیت کی ہے، اس کے نتائج ہمارے سامنے ہیں، یہ وہ نقطہ ہے جو اس خانوادہ کی ماؤوں کو دوسروں خاندانوں سے ممتاز کرتا ہے۔

والدۂ خطیب الاسلام جن کا نام حنیفہ خاتون تھا کو خانوادۂ قاسمی کی ان عظیم معمر خواتین کا سایہ عاطفت ملا، جن کی صحبت صالحہ سے اللہ نے ان کے اندر صالحیت کے ساتھ ساتھ مصلحیت کی بھی استعداد پیدا فرمادی۔ پھر انہوں نے قاسمی خانوادے کی روایتوں کی پاسداری کرتے ہوئے آئندہ نسل کی انہی خطوط پر تربیت فرمائی جو خانوادۂ قاسمی میں متوارث چلے آرہے تھے۔

والدگرامی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند

والدگرامی کا تذکرہ ذرا تفصیل سے اس لئے کیا جارہا ہے کہ حضرت حکیم الاسلام نہ صرف آپ کے والد تھے، بلکہ استاذ بھی تھے کہ جن سے حضرت خطیب الاسلام نے جلالین شریف اور ابن ماجہ شریف پڑھی تھیں، مزید یہ کہ حضرت خطیب الاسلام راہ سلوک میں اپنے والد گرامی کے دست گرفتہ تھے، اور آپ ہی سے مجاز بھی تھے، جس کی تفصیلات آگے آرہی ہیں۔

حضرت اقدس کی ذات گرامی اور آپ کی ہر دلعزیز بے مثال شخصیت کا مختصر اور چند سطور میں زندگی کے کسی ایک پہلو پر کما حقہ روشنی ڈالنا راقم کے لئے نہایت دشوار ہے چہ جائے کہ ان کی پوری زندگی کو ان سطور میں سمو دیا جائے، راقم کی تو بساط ہی کیا خود میں نے اپنے اساتذہ سے سنا کہ جن کمالات علمی، عملی اور عرفانی نسبتوں کی حامل اور جامع شخصیت حضرت حکیم الاسلام کی تھی ان کو بیان کرنے کے لئے ضخیم جلدیں بھی کسی انصاف پسند سوانح نگار کے لئے یقیناً ناکافی ہوں گی۔ راقم نے مشکوٰۃ شریف کے درس میں اپنے استاذ محترم حضرت مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی دامت برکاتہم العالیہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ

''ہم نے بخاری شریف کا کچھ حصہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا، میں بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ جس وقت مسند حدیث پر حضرت قاری صاحب جلوہ افراز ہوتے اور بخاری شریف کے درس میں کلام فرماتے تو ایسا معلوم ہوتا ''کأنــه هـو الامـام البخاری''

راقم کا یہ خیال مزید مؤکد ہو جاتا ہے حضرت خطیب بے مثل، امیر شریعت حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری (جو اپنی فصاحت کلام طلاقت لسانی اور جامع خطابات کی وجہ سے پہچانے جاتے ہیں) کی اس تقریر سے جو انہوں نے ''خیر المدارس جالندھر'' میں کی وہ فرماتے ہیں:

''اگر حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی جامع الصفات ذات گرامی کو دیکھنے والا قسم کھا کر یہ کہے کہ میں حقائق الاسلام کی حکمت آفرینیوں کے ساتھ حضرت اقدس شاہ ولی اللہ دہلویؒ کو، کتاب اللہ کے ظاہر و باطن کے انسانیت نواز علوم کے ساتھ حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کو، حقائق واحکام اسلام پر ناقابل شکست استدلال کے ساتھ حجۃ اللہ فی الارض شیخ الاسلام حضرت الامام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند کو، علم وعرفان کی بہم آمیز جرأت ایمانی کے ساتھ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی کو، عالم بے عدیل حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کو ان کی منفرد قوت حفظ واتقان کے ساتھ، علم حدیث پر مثالی وسعت نظر کے ساتھ محدث جلیل حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کو، بے مثال طلاقت وفصاحت کے ساتھ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کو، تفقہ فی الدین اور کمال اتباع سنت کے ساتھ شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد احمد صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کو،

فراست ایمانی پر تدبر کامل کے ساتھ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی سابق نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کو اور علم وعرفان زہد واتقاء اور فضل وکمال کے پیکر جمالی کے ساتھ حکیم الامت حضرت اقدس مولانا شاہ اشرف علی تھانوی کو دیکھا ہے، تو میرا دل اس پر یقین رکھتا ہے کہ انشاءاللہ وہ عنداللہ حانث نہیں ہوگا۔"[1]

راقم الحروف اور حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے اس یقین کی تائید حضرت حکیم الاسلام کے پیر ومرشد شیخ العالم حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے اس عرفانی قول وعمل سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت تھانوی کے مرض وفات میں وفات سے دو روز قبل حضرت حکیم الاسلام بغرض عیادت تھانہ بھون تشریف لے گئے اور حضرت حکیم الاسلام کی تشریف آوری پر شدت علالت کی اس حالت میں حضرت تھانوی نے فرمایا کہ آپ کے آنے سے مجھے علالت میں خفت، بدن میں قوت اور روح میں بشاشت بڑھتی ہوئی محسوس ہوئی۔

دوسرے روز حکیم الاسلام نے ایک روز بعد دارالعلوم دیوبند میں مجلس شوریٰ کے اجلاس کی وجہ سے واپسی کا ارادہ حضرت سے ظاہر فرمایا اور بعد فجر واپسی کی اجازت خواہی کے لئے حکیم الامت کے دولت کدہ پر تشریف لے گئے جہاں مولانا شبیر علی[2] بھی تشریف رکھتے تھے، حضرت قاری صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آپ کے پاس سے جانے کو جی تو نہیں چاہتا لیکن مجلس شوریٰ کی وجہ سے جانا بھی ضروری ہے، اس لئے میں بطیب خاطر نہیں بلکہ بضیق خاطر واپسی کے لئے اجازت لینے کے لئے حاضر ہوا ہوں، یہ سن کر حضرت نے قریب آنے کا اشارہ فرمایا اور فرمایا کہ مجلس شوریٰ کی وجہ سے جانا بھی ضروری ہے گو میرا دل بھی آپ کو واپسی کی اجازت دینے کے لئے نہیں چاہ رہا ہے اور پھر حضرت حکیم الاسلام کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر چوما، پھر آنکھوں سے لگایا، پھر سر پر رکھا جس سے حکیم الاسلام غیر معمولی طور پر مجوب ہو رہے تھے اور آبدیدہ بھی، حضرت تھانوی نے آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ یہ میرا وقت اخیر ہے اور یہ ہاتھ میں نے اس لئے چوما اور قلب ودماغ پر لگایا کہ اس ہاتھ کے لگانے سے مجھے حضرت اقدس نانوتویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد احمدؒ، حضرت شیخ الہندؒ، اور جماعت کے

---

[1] حیات طیب ج ۲ ص ۱۷

[2] مولانا شبیر علی تھانوی حضرت تھانوی کے حقیقی بھتیجے تھے، مظاہر علوم سہارنپور کے سرپرست اور دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن بھی تھے۔

تمام بزرگوں کی جامع نسبتوں کی برکات اور غیر معمولی سکینت قلب حاصل ہوئی، اللہ رب العزت نے آپ کی ذات میں ان تمام نسبتوں کو جمع فرما دیا ہے، اس وقت جو بھی حضرات وہاں موجود تھے سب پر گریہ طاری تھا۔[۱]

حضرت حکیم الاسلام اس واقعہ کو بیان فرماتے ہوئے آبدیدہ ہو کر فرمایا کرتے تھے کہ حضرت اقدس تھانوی کے اس مشفقانہ عمل کو میں اپنے لئے عظیم سعادت، عظیم شہادت اور وسیلۂ مغفرت سمجھتا ہوں۔

حضرت مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت تھانویؒ کی حضرت حکیم الاسلام کے بارے میں یہ شہادت دراصل ان کی شخصیت اور ان میں ودیعت شدہ خداداد صلاحیتوں کا بھرپور اعتراف ہے۔ حضرت حکیم الاسلام کی ہمہ جہت خدمات کو دیکھنے اور پڑھنے کے بعد بلا شبہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ نہ صرف قاسم العلوم والخیرات کے علوم کے بلکہ ولی اللہی تحریک کے شارح وتمام اکابرین کے علوم کے ترجمان اور تمام اسلاف کی نسبتوں کے جامع تھے۔ حق تعالیٰ شانہ نے ان سے بیک وقت دین کے اتنے شعبوں میں کام لیا کہ انجمنیں مل کر بھی اتنا کام نہیں کر پاتیں، آپ ایک ہی وقت میں خطیب بے مثل بھی، مدرس باکمال بھی، مہتمم لاثانی بھی، محدث جلیل بھی، مفسر بھی، مزکی بھی، معلم بھی اور داعی بھی تھے۔ جناب رسول اللہ ﷺ پر نازل شدہ آیت ﴿هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِىْ الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (سورۃ الجمعہ: ۲) میں عائد شدہ فرائض کے شارح بھی اور ان تمام خصوصیات کے ساتھ ساتھ ایک مصنف اور محقق بھی۔ بقول شخصے

طرفیں رکھے ہے ایک سخن ور چار چار
کیا کیا کہا کریں زبان و قلم سے ہم

حضرت حکیم الاسلام کی مذکورہ صفات کی تفصیلی وضاحت تو یہاں بہت مشکل ہے بلکہ راقم کا قلم ان کو بیان کرنے سے عاجز ہے، ہاں البتہ مجھ جیسے ناکارہ وادنیٰ طالب علم کو ایک سوال ہمیشہ پریشان اور ستاتا رہا خاص طور پر حضرت نانوتوی، حضرت حکیم الامت اور حضرت حکیم الاسلام کے بارے میں کہ ان حضرات نے اکیڈمیوں سے بڑھ کر تنہا اتنا کام کس طرح کیا، بہت غور وفکر اور تجزیہ کے بعد راقم

[۱] مستفاد از حیات طیب، خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب مدظلہ العالی ج دوم ص ۱۷، ۱۸۔ اس واقعہ کو مختلف کتابوں میں نقل کیا گیا ہے۔

اس نتیجہ پر پہنچا کہ حق تعالیٰ شانہ نے اپنے فضل اوران حضرات کے اخلاص اور مجاہدوں کی وجہ سے ان کے اوقات کار میں ایسی برکت فرمادی تھی کہ ہرایک سے اپنے حبیب ﷺ کے دین کی تجدید کا کام لیا، ان کو ایسا قبول فرمایا کہ دن کے اوقات میں برکت دے کر ان کو مصروف عمل کردیا اور ان کے اوقات شب میں بھی غیر معمولی برکت رکھ دی، مجھے اس وقت حضرت حکیم الاسلام کا وہ معمول یاد آرہا ہے جس کو میں نے بارہا اپنے گھر کی مختلف مجلسوں میں اپنی والدہ محترمہ سے سنا اور لکھتے وقت اس کی دوبارہ تصدیق کی، یہاں اس معمول کو نقل کردینا مناسب سمجھتا ہوں وہ فرماتی ہیں کہ ''میرا اکثر وبیشتر قیام حضرت مہتمم ابا (قاری محمد طیب صاحب) کے گھر پر اپنی امی کے ساتھ کئی کئی روز رہتا، ایک روز میں رات میں اٹھی تو میں نے دیکھا کہ عمر کے آخری ایام میں موم بتی اور لالٹین دونوں جلی ہوئی ہیں اور حضرت مہتمم ابا تحریر فرمارہے ہیں، میں کافی دیر تک دیکھتی رہتی، سر جھکا ہوا قلم ہاتھ میں جو مستقل جنبش کرتا رہتا تھا، میں نے کمرہ میں آکر گھڑی کی طرف دیکھا تو شب میں تین کا عمل تھا، اس وقت حضرت مہتمم ابا کی عمر ۸۰ سال سے کچھ متجاوز تھی۔[1]

اس واقعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہ کی توفیق ان حضرات کے شامل حال ہونے میں ان کی لگن، تڑپ اور آہ سحر گاہی اور اوقات سحر کو کام میں لانے کو بڑا دخل رہا، یہی وجہ ہے کہ ان کے چھوٹے چھوٹے کاموں میں برکت، زبان میں تاثیر، وقت میں خیر، قلم میں زور اور ان کے قائم کردہ نظام میں عالمینیت رکھ دی گئی، بقول شاعر مشرق علامہ اقبال:

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں[2]

خود حضرت خطیب الاسلام حضرت حکیم الاسلام کی سوانح ''حیات طیب'' میں رقمطراز ہیں:

''حق تعالیٰ شانہ اپنے ہدایت آفریں علوم بیکراں کو جہاں عادۃً ''علمی طبقات'' میں تقسیم فرماکر ظاہر فرماتے ہیں، وہیں کبھی کبھی خرق عادت کے طور پر کسی تکوینی مصلحت کی تکمیل اس طرح بھی فرمائی جاتی ہے کہ کسی ایک شخصیت کے قلب ودماغ کو کمال ایمان، اعمال اور مکارم اخلاق و

---

[1] یہ واقعہ ماہ جنوری ۱۹۸۱ء کا ہے، یعنی آپ کے انتقال سے تقریباً دو سال قبل کا۔ میری والدہ کی پیدائش بھی ''طیب منزل'' ہی میں ہوئی۔

[2] بانگ درا ص ۲۰۹

اخلاص کے ساتھ شرعی علوم کا خزانہ بنا کر اس کی تنہا ایک ذات سے بے حساب علمی شخصیات اور لاتعداد علمی طبقات کے برابر کام لے لیا جاتا ہے اور اس کی روحانیت ومعرفت اور اصلاح و ہدایت کے دائرۂ افادیت کو لوگوں کی افرادی تعداد اور زمین کی جغرافیائی حد بندیوں کا پابند نہ رکھ کر اس کی خدمات کو آفاقی اثر آفرینی عطا کردی جاتی ہے جس سے اس کا فیضان تمام انسانی برادری تک عام ہوجاتا ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے شیخ العرب والعجم عارف باللہ جامع علوم ومعرفت قطب ارشاد حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب قدس سرہ العزیز سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کی ذات گرامی کو لاتعداد علمی طبقات کے برابر لافانی ولاثانی دینی خدمات کے شرف سے مشرف فرمایا۔

حضرت والا نے اپنے زبان وقلم سے کتاب وسنت کی روشنی میں تعلیمات اسلام کے عالمگیر و آفاقی حقائق کی وہ صحیح اور مؤثر ترین ترجمانی فرمائی ہے کہ جس نے ایشیاء، افریقہ، یوروپ اور امریکہ کے ایک سو سے زائد ممالک کے کروڑوں سے متجاوز افراد کو دین کا صحیح فہم اور اس پر استقامت عطا کی ہے اور مسلک حق دارالعلوم دیوبند کو فکر ولی اللہی وقاسمی پر اس جامعیت کے ساتھ پیش فرمایا ہے کہ جو بقول علامہ اقبال ''ہر صحیح العقل مسلمان کا مسلک'' قرار پایا۔

حضرت والا اپنے وقیع ووسیع علم ومعرفت اور مؤثر ترین اصلاح وہدایت کے لحاظ سے گذشتہ صدی کی وہ تاریخ ساز عہد آفرین شخصیت ثابت ہوئے کہ جن کی عالمی دینی رہنمائی، بیکراں علم ومعرفت، روحانی انقلاب آفرین اصلاح وہدایت، مثالی دیانت وامانت، بین الاقوامی فکر قاسمی دارالعلوم کا نظم واہتمام، مردم ساز تعلیم وتدریس عالمی مرکزیت ومرجعیت، مدلل ترین تحریر و کتابت مؤثر ترین تقریر وخطابت، ملت اسلامیہ کی دینی نشأۃ ثانیہ اور دارالعلوم دیوبند کو عالمی دینی دانش گاہ بنادینے والی بے مثال خدمات اور کارناموں کے حوالے سے انیسویں صدی کی ایک مثالی شخصیت تھے۔ عنداللہ مقبول اس فکر قاسمی پر دارالعلوم دیوبند کی عمر کے انسٹھ سال میں پانچ مہتمین نے اپنی مخلصانہ عظیم خدمات کے ذریعے اس 'مدرسہ عربی' کو ملک گیر 'دارالعلوم' کے مقام رفیع تک پہنچایا اور اس کی عمر کے مابعد کے انسٹھ سال میں تن تنہا قطب ارشاد حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہ کی جامع الصفات عظیم المرتبت عالمی شخصیت نے بلاشرکت غیرے اس 'دارالعلوم' کو 'عالمی مرکز علوم اسلامیہ' بنایا۔''[1]

[1] حیات طیب ج اول ص ۲۰۔۲۱

مذکورہ بالا اقتباسات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت حکیم الاسلام اپنے اندر بے شمار کمالات کے علاوہ بہت سی دیگر علمی، عملی اور عرفانی نسبتیں اور خصوصیات رکھتے تھے، بلکہ اگر ماہرین نفسیات کے اعتبار سے آپ کی شخصیت کا جائزہ لیا جائے تو آپ کی شخصیت ان کے تجویز کردہ اصول وعناصر کے اعتبار سے بھی کھری اترتی ہے، چنانچہ ماہرین نفسیات کے اعتبار سے انسانی عظمت کے بنیادی طور پر تین عناصر ہوتے ہیں، پہلا عنصر فطری صفات سے متعلق، دوسرا عنصر خاندانی ونسبی اقدار واوصاف سے مربوط اور تیسرا عنصر انسان کا اپنی جدوجہد اور کاوش اور محنت سے جڑا ہوا، گویا کہ پہلے دو عنصر وہبی اور تیسرا عنصر اکتسابی، بقول شخصے:

”حضرت حکیم الاسلام اتنے خوش بخت تھے کہ انہیں عظمت کے یہ تینوں عناصر قادر مطلق نے پوری فیاضی سے عطا کردیئے تھے۔“[۱]

حضرت حکیم الاسلام کی بے مثال خطابت

ان کی حیات مبارکہ کے متنوع اور مختلف پہلوؤں میں ایک نمایاں اور اہم پہلو خطابت اور وعظ و ارشاد کا ہے، ان کا پروقار انداز، ان کا اسلوب بیان، ان کے علمی، تمثیلی اور لطیف استدلال، شریعت کے اسرار و رموز پر ان کی بصیرت افروز نگاہ، بیان میں شیرینیت، سلاست و فصاحت، وسعت معلومات ان کے اپنے انفرادی امتیازات تھے جن میں ان کا کوئی ثانی اور سہیم وشریک نہیں تھا، بقول مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی: ”حضرت حکیم الاسلام عوام کی اصلاح اور وعظ وارشاد میں شیخ وقت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے اسلوب کے متبع تھے، حسن تقریر اور دعوتی واصلاحی رنگ ان کا امتیاز تھا، جس سے ہزاروں انسانوں کو فائدہ پہنچا، ہزاروں دلوں میں دین کے احترام کا جذبہ اور علماء کے متعلق حسن ظن پیدا ہوا، آپ میں خوش بیان مقرر وواعظ وسیع المعلومات اور نورانی شکل کا مشکل دیکھنے کو ملتا ہے، جس پر پہلی نظر پڑتے ہی قلب نے شہادت دی کہ یہ فطرتاً معصوم ہیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان میں ضرر پہنچانے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔“[۲]

حضرت حکیم الاسلام کی خطابت پر تبصرہ فرماتے ہوئے شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی

۱؎ بیس مردان حق، ص ۷۷۹

۲؎ پرانے چراغ ج ۳ ص ۱۴۳

رقمطراز ہیں:

''جہاں تک وعظ وخطابت کا تعلق ہے، اس میں تو اللہ تعالیٰ نے حضرت کو ایسا عجیب وغریب ملکہ عطا فرمایا تھا کہ اس کی نظیر مشکل سے ملے گی، بظاہر ہر تقریر کی عوامی مقبولیت کے جو اسباب آج کل ہوا کرتے ہیں، حضرت حکیم الاسلام کے وعظ میں وہ سب مفقود تھے، نہ جوش وخروش، نہ فقرے چست کرنے کا انداز، نہ پر تکلف لفاظی، نہ لہجہ اور نہ خطیبانہ ادائیں لیکن اس کے باوجود وعظ اس قدر مؤثر، دلچسپ اور مسحور کن ہوتا تھا کہ اس سے عوام اور اہل علم یکساں طور پر محظوظ اور مستفید ہوتے تھے، مضامین اونچے درجے کے عالمانہ اور عارفانہ، لیکن انداز بیان اتنا سہل کہ سنگلاخ مباحث بھی پانی ہوکر رہ جاتے، جوش خروش نام کو نہ تھا، لیکن الفاظ ومعانی کی ایک نہر سلسبیل تھی جو یکساں روانی کے ساتھ بہتی اور قلب دماغ کو نہال کردیتی تھی ایسا معلوم ہوتا کہ منہ سے ایک سانچے میں ڈھلے ہوئے موتی جھڑ رہے ہیں، ان کی تقریروں میں سمندر کی طغیانی کے بجائے ایک باوقار دریا کا ٹھہراؤ تھا جو انسان کو زیروبم کرنے کے بجائے دھیرے دھیرے بہا کر لے جاتا تھا۔''[۱]

اکابرین دیوبند کے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہ کے بارے میں یہ توثیقی بلند کلمات اور خاص طور پر ان کے پیرومرشد حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی توثیق حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی شخصیت کو حدیث پاک ''**مارأہ المؤمنون حسنا فھو عند اللہ حسن**'' کی مصداقیت عطا کررہے ہیں، ہمارے اکابرین میں بیشتر حضرات سے بہت مختصر وقت میں حق تعالیٰ شانہ نے وہ کام لئے جنہیں باقاعدہ طور پر اکیڈمیاں اور انجمنیں مل کر بھی اس نہج پر نہیں کرپاتیں جس نہج پر انہوں نے تنہے تنہا انجام دیئے۔ آخر ان کا یہ انتخاب اور ان کے کام اور وقت میں برکت کہاں سے آئی، یہ سوال ذہن میں آتا ہے، اس کا جواب بھی حضرت مرشد تھانوی کے ایک ملفوظ کی روشنی میں دیا جاسکتا ہے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ:

''اگر ہمارے اکابرین دیوبند کے بارے میں ہم سے کوئی یہ کہے کہ جماعت دیوبند میں اس پائے کا کوئی محدث نہیں جیسا کہ فلاں جماعت میں ہوا تو ہم اس کی بات کو تسلیم کرلیں گے، کہ ہوسکتا ہے آپ کی بات درست ہو، اور اگر کوئی ہم سے کہے جماعت دیوبند میں کوئی ایسا مفسر

[۱] مولانا تقی عثمانی، نقوش رفتگاں ص: ۱۹۲

نہیں جیسا کہ فلاں جماعت میں ہے یہ دعویٰ بھی قابل تسلیم ہوسکتا ہے، لیکن تعلق مع اللہ اور کسر نفسی میں تو ہمارے اکابرین دیو بند کا کوئی ثانی، ہم پلہ اور ہمسر نظر نہیں آتا۔‘‘

یہ تھا حضرت تھانویؒ کا ملفوظ، حقیقت یہ ہے کہ تعلق مع اللہ ہی اس علم کی اساس ہے، جو اکابرین دیو بند کی مقبولیت کی بنیاد ہے، اس سلسلے میں عاجز کا یہ مشاہدہ وتجربہ ہے کہ ان اکابرین کی حصول علم کے وقت ہمیشہ نظر حضرت امام شافعیؒ کے استاذ حضرت امام وکیع کے اس جواب کی طرف رہی، جو انہوں نے اپنے شاگرد رشید کے سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا۔ چنانچہ امام شافعی فرماتے ہیں:

شَكَوْتُ اِلَى وَكِيْعٍ سُوْءَ حِفْظِيْ
فَاَرْشَدَنِيْ إِلَى تَرْكِ الْمَعَاصِيْ
فَاِنَّ الْعِلْمَ نَوْرٌ مِنْ إلٰهِيْ
وَنُوْرُ اللّٰهِ لاَ يُعْطَى لِعَاصِيْ[۱]

دراصل تعلق مع اللہ ہی حقیقی علم کی بنیاد ہے، کیونکہ علم حقیقی صفت ہے حق تعالیٰ شانہ کی جب تک بندے کا تعلق اپنے اللہ سے قوی نہ ہو اس وقت تک علم سے شناسائی ناممکن ہے لذت تو کجا؟ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی تعلق مع اللہ کی نسبت بہت قوی تھی، جس کی وجہ سے ان کو علم کی حقیقی لذت معلوم تھی، اور اسی وجہ سے ان کو علم کی دولت سے مالا مال کیا گیا تھا۔ حضرت حکیم الاسلام کو اللہ رب العزت نے کیسا اور کس طرح نوازا تھا، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ اس واقعہ کے چشم دید گواہ راقم کے والد محترم حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی نانوتوی بھی ہیں۔ جو اس وقت اسٹیج پر موجود تھے۔

مسلم پرسنل لاء کا رام لیلا گراؤنڈ میں ایک بڑا اہم پروگرام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیو بند کی صدارت میں منعقد ہو رہا تھا، ہندوستانی مسلم عوام اور ہندو مسلم مایہ ناز مفکرین و ماہرین تعلیم اس میں شریک تھے، ان ہی ماہرین تعلیم میں ایک بہت بڑا نام ’کرشنا مینن‘[۲] کا

---

[۱] دیوان الإمام الشافعی: ترجمہ: میں نے (اپنے استاذ محترم حضرت امام) وکیع سے اپنے ضعف حافظہ کی شکایت کی، تو انہوں نے مجھے گناہوں کو چھوڑنے کی نصیحت فرمائی، اس لئے کہ علم درحقیقت اللہ کا ایک نور ہے، اور اللہ کا نور کسی گنہگار کو نہیں دیا جاتا۔

[۲] یہ بہت زیادہ پڑھا لکھا اور بہت بڑا ایجوکیشنسٹ تھا، اور ہندوستان کے بہت اہم عہدوں پر فائز رہ چکا تھا۔ اس وقت بھی ’انڈین ڈیفینس منسٹر‘ (ہندوستانی وزیر دفاع) کے عہدہ پر فائز تھا۔

تھا، یہ اس پروگرام میں بحیثیت مہمان خصوصی شریک تھے، والد محترم فرماتے ہیں کہ جب حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کا صدارتی خطاب شروع ہوا اور حضرت مہتمم صاحب نے بیان کرنا شروع کیا، جس وقت حضرت نے مسلم پرسنل لاء کے بارے میں بتانا شروع کیا تو 'کرشنا مینن' کا حال یہ تھا کہ بار بار اپنی کرسی پر سے اٹھتا اور اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر داد دیتے ہوئے کہتا ''واہ قاری صاحب واہ، واہ قاری صاحب واہ'' بعد میں اس نے کہا تھا کہ میں نے علم کے اوپر ایسی تقریر پہلی مرتبہ سنی، مومن کی خصوصیت ہی یہ ہے کہ وہ اپنے اندر ایسا کمال پیدا کرے کہ غیر اور دوسرے لوگ بھی اعتراف واقرار کئے بغیر نہ رہ سکیں، ''**والفضل ما شهدت به الأعداء**''

کیوں پھر رہا ہے راہی منزل کی جستجو میں
اتنا عظیم بن جا کہ منزل تجھے پکارے

حضرت کو ''حکیم الاسلام'' کے لقب سے ملقب کرنا بلا سبب نہیں ہے بلکہ اس کے پیچھے بہت سے حقائق اور اسباب ہیں، اہل مکہ کی کہاوت ہے ''**لِأمرٍ ما يَسُودُ مَنْ يَسُودُ**'' یعنی کسی کو سیادت اور سرداری ویسے ہی نہیں ملتی بلکہ اس کے اندر بڑی خصوصیات ہوتی ہیں، اس کے پیچھے بہت سے حقائق اور گن ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے اس کو سرداری ملتی ہے۔ اس موقعہ پر ایک اور واقعہ کا تذکرہ مناسب معلوم ہوتا ہے، جس کو راقم نے حضرت مولانا عبدالعلیم راجستھانی مدظلہ العالی سے دوران قیام اجمیر سنا تھا، انہوں نے حکیم الاسلام کا ایک واقعہ سنایا:

حضرت حکیم الاسلام کے دور اہتمام دارالعلوم دیوبند میں کسی موقعہ پر جمعیۃ الطلباء کی طرف سے ہنگامہ آرائی ہوئی، جب حضرت حکیم الاسلام کی انتہائی قوت برداشت اور حکمت عملی کی وجہ سے یہ ہنگامہ فرو ہو گیا، ہنگامہ سرد ہونے کے بعد جب تحقیق کی گئی تو ان میں کچھ طلبہ ایسے قصوروار پائے گئے جو مستحق سزا تھے، مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے قصوروار طلبہ کا اخراج کر دیا، ان اخراج ہونے والے طلبہ میں میرا نام بھی آ گیا، حالانکہ جس روز دارالعلوم دیوبند میں ہنگامہ ہوا تھا اسی روز راجستھان میں میرا نکاح تھا، بہرحال یہ معلوم نہیں کہ کس طرح میرا نام آیا، جب گھر سے شادی کے بعد لوٹا تو میرا اخراج ہو چکا تھا، حضرت مولانا معراج الحق صاحب صدیقی سابق صدر المدرسین دارالعلوم دیوبند سے میرا خاص خادمانہ تعلق تھا، اور مولانا کے علم میں یہ بات پہلے سے تھی کہ نکاح کے سلسلے میں چھٹی لے کر گھر گیا ہوا ہوں، میں نے سارا واقعہ حضرت مولانا معراج الحق صاحب کو سنایا، وہ اسی وقت مجھے

لے کر دفتر اہتمام میں مہتمم صاحب کے پاس آئے، مولانا نے تمام تفاصیل اور ان ایام میں میری غیر حاضری اور نکاح نامہ مہتمم صاحب کی خدمت میں پیش کیا، اور فرمایا کہ یہ صاحب اس ہنگامے میں شریک نہیں تھے، لہٰذا ان کا داخلہ واپس لے لیا جائے۔ مولانا کی بات سن کر مہتمم صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں انتہائی متانت کے ساتھ ان کی شکایت سنی اور اس کے بعد حضرت حکیم الاسلام گویا ہوئے کہ مولانا! چونکہ اخراج کا واقعہ ابھی تازہ ہے، اور بہت سے طلبہ کا اخراج ہوا ہے، فی الحال میری مجبوری ہے کہ میں فوری طور پر ان کا داخلہ بحال نہیں کرسکتا، ان سے کہیں کہ اسباق میں شرکت فرماتے رہیں کچھ وقت گذرنے کے بعد میں خود ان کو بحال کردوں گا، مولانا معراج الحق صاحب نے اصرار کیا تو بڑے دلچسپ انداز میں فرمایا ''مولانا گھن کے ساتھ چنا بھی پستا ہے۔'' غرض یہ کہ مولانا مجھے لے کر کمرہ پر آئے، مولانا دو تین دن کے بعد مجھے لے کر پھر دفتر اہتمام گئے اور میرے مسئلے کو سامنے رکھا، حضرت حکیم الاسلام نے پھر وہی جواب دیا، ابھی کچھ روز کے لئے توقف فرمائیں، انشاء اللہ العزیز میں داخلہ کو خود بحال کردوں گا، مگر مولانا نے فوری داخلہ بحال کرنے پر اصرار فرمایا، جب حکیم الاسلام نے اس مطالبے پر اصرار کی شدت محسوس کی تو اپنے حکیمانہ مخصوص اسلوب میں مسکت اور منطقی جواب ارشاد فرمایا: ''مولانا حکیم نے مسہل دیا ہے اور جب حکیم مسہل دیتا ہے تو کبھی فاسد مادے کے ساتھ ساتھ صالح مادہ کا بھی اخراج ہوجایا کرتا ہے۔'' حضرت مولانا معراج الحق ہنس کر خاموش ہوگئے اور پھر دفتر اہتمام اس سلسلے میں نہیں گئے۔ بعد میں حضرت حکیم الاسلام نے میرا داخلہ بحال فرمادیا۔

بہرحال حضرت حکیم الاسلام کا اسلوب اور طرز گفتگو ایسا ہوتا کہ مشکل سے مشکل مسائل اور سخت سے سخت مراحل میں سامنے والے کو ایسا مسکت، علمی اور قانع جواب دیتے کہ سامنے والے کے لئے مزید کسی اور سوال وجواب کی گنجائش باقی نہ رہتی۔

راقم الحروف نے جہاں تک حضرت حکیم الاسلام کو پڑھا اور خاندانی طور پر ان کو سنا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ حضرت حکیم الاسلام اپنے مخاطب کو دو طرح سے مطمئن فرماتے، اور مسکت جواب دیتے، کبھی تو گفتگو فرما کر، اور کبھی اپنے طرز عمل سے، گفتگو فرماتے تو انتہائی مدلل فرماتے کہ جس کے بعد کسی سائل کے دل میں مزید کسی سوال وجواب کی گنجائش باقی نہ رہتی اور کبھی اپنا طرز اسلوب بدل دیتے اور بجائے اس سے کچھ کہنے کے طرز عمل سے جواب دیتے، یعنی قولی جواب کے بجائے طرز عمل سے جواب دیدیتے، اور ان دونوں طرزوں کا ثبوت ملتا ہے جناب رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ اور حیات طیبہ سے۔

دار العلوم کے سلسلے میں حضرت حکیم الاسلام کا استغناء

عملی جواب کے سلسلے میں مجھے ایک واقعہ حضرت حکیم الاسلام کا یاد آ گیا، میں نے اس واقعہ کو اپنے والد محترم حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی دامت برکاتہم العالیہ سے بارہا سنا، اور اس واقعہ کے والد محترم چشم دید گواہ ہیں، یہ واقعہ دار العلوم دیوبند کے دفتر اہتمام کا ہے، ایک صاحب خیر دفتر اہتمام میں تشریف لائے جن کا تعلق ممبئی سے تھا اور وہ دار العلوم دیوبند میں کافی عرصۂ دراز سے چندہ دیتے تھے، ان کے صاحبزادے یا برادرزادے کے داخلہ کا مسئلہ تھا، انہوں نے شوال میں امتحان داخلہ دیا مگر داخلہ امتحانات میں نام نہیں آ سکا تھا، وہ صاحب خیر ناظم تعلیمات دار العلوم دیوبند کے پاس گئے، اس وقت کے ناظم تعلیمات صاحب نے ان سے کہا کہ اس سلسلے میں آپ حضرت مہتمم صاحب سے ملاقات کر لیں اس کا اختیار ان ہی کو ہے، وہ صاحب خیر حضرت حکیم الاسلام کے پاس دفتر اہتمام میں آئے اور عرض کیا کہ حضرت! اس بچے کے داخلے کا مسئلہ درپیش ہے داخلہ امتحان میں اس کا نام نہیں آ سکا، حضرت حکیم الاسلام نے اپنے مخصوص لب ولہجہ کے ساتھ فرمایا کہ بھائی اس کا کلی اختیار تو مجھے بھی نہیں ہے، ہاں البتہ پرسوں کو مجلس تعلیمی منعقد ہوگی میں تمام حضرات کے سامنے اس مسئلے کو رکھوں گا، آپ اچھی امید رکھیں۔

اس پر انہوں نے حضرت حکیم الاسلام کو بڑا تلخ جواب دیا اور کہنے لگے واہ صاحب واہ یہ بھی کوئی بات ہے کہ ہم اتنے دن سے دار العلوم دیوبند کو چندہ دیتے آ رہے ہیں اگر ہمارا داخلہ نہیں ہوگا تو پھر کس کا داخلہ ہوگا؟ حضرت حکیم الاسلام نے ان کے اس تلخ جواب پر سکوت فرمایا اور مخصوص انداز میں ان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا (حضرت حکیم الاسلام کو جب انتہائی ناگواری ہوتی تھی تو اظہار ناراضگی کا یہ طریقہ تھا کہ جس سے ناراضگی ہوتی بس اس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتے اور کچھ نہ فرماتے) اور سامنے ڈیسک سے قلم اٹھایا، اور ناظم محاسبی کے نام ایک پرچہ لکھا کہ فلاں صاحب ہیں جن کا نام یہ ہے فلاں مقام سے تعلق ہے ان کا ذرا حساب بنا کر بھیج دیں کہ انہوں نے اب تک دار العلوم دیوبند کو کتنا چندہ دیا، ناظم محاسبی نے پورا ریکارڈ حضرت حکیم الاسلام کے پاس بھیج دیا، حضرت حکیم الاسلام نے دوسری پرچی لکھی ناظم محاسبی کو حامل رقعہ کے ساتھ ان صاحب کو بھیج رہا ہوں، انہوں نے اب تک جتنا چندہ دار العلوم دیوبند کو دیا ہے، حساب لگا کر پائی پائی ان کو واپس کر دی جائے، دار العلوم دیوبند کو ان جیسے حضرات کے چندہ کی ضرورت نہیں، ان کی چندہ کی مجموعی رقم اس وقت تک ایک لاکھ سے کچھ

متجاوز تھی، یہ واقعہ ۱۹۶۳ء کا ہے جس وقت ۱۰۰ روپیہ کی بڑی قدر تھی اور مدرسین حضرات کی تنخواہ ہی اس زمانے میں دوسو روپیہ اور ڈھائی سو روپیہ ہوا کرتی تھیں، بہرحال وہ پرچی دارلعلوم کے ملازم کو دیدی اور ان صاحب کو ساتھ روانہ کردیا، یہ صاحب سمجھے کہ شاید میرا یہ تلخ رویہ اور جواب کارگر ہوگیا اور مہتمم صاحب نے داخلہ کی کارروائی کے لئے لکھا ہے، یہ صاحب دفتر محاسبی میں ناظم محاسبی کے پاس پہنچے، ان ملازم صاحب نے وہ پرچہ دیدیا۔ ناظم محاسبی نے اس وقت پرچہ دیکھا اور بحکم مہتمم صاحب حساب لگایا تو دارالعلوم میں کل رقم اس وقت اتنی ہی تھی کہ اگر ان کے مجموعی چندہ کی رقم ان کو واپس کردی جاتی تو کل چار پانچ ہزار روپئے ہی دارالعلوم کے خزانے میں باقی رہ جاتے آگے فی الحال باقاعدہ آمدنی کی بھی امید نہیں تھی، ایک ہفتہ بعد ملازمین واساتذہ دارالعلوم دیوبند کی تنخواہیں بھی دینی ہیں، اور مہینہ کا اخیر ہورہا ہے، آخر یہ نظام کیسے چلے گا؟ یہ سوال ناظم محاسبی کو بار بار پریشان کررہا تھا ادھر حضرت مہتمم صاحب کا یہ حکم تھا کہ ان صاحب کی پائی پائی ادا کردی جائے، ناظم محاسبی کی پریشان خاطری اور ان کے چہرہ کے تأثرات کو دیکھ کر ان صاحب خیر نے معلوم کیا کہ جناب آپ کیوں پریشان ہیں، تو انہوں نے ان کو کوئی جواب نہیں دیا اور بات کو رفع دفع کردیا۔ ناظم محاسبی اس مسئلے کو لے کر خود دفتر اہتمام تشریف لے گئے اور ان صاحب کو دفتر محاسبی میں بیٹھا دیا، چنانچہ حضرت مہتمم صاحبؒ کو دارالعلوم کے خزانہ کی صورتحال سے آگاہ کیا کہ اگر ان کی مجموعی رقم ان کو واپس لوٹادیں تو دارالعلوم کے خزانہ میں چار پانچ ہزار روپیہ باقی رہ جاتے ہیں، تمام اساتذہ دارالعلوم و ملازمین کی تنخواہیں ایک ہفتہ بعد دینی ہیں تو حضرت کس طرح کام چلے گا۔ حضرت نے پھر یہی فرمایا کہ ان صاحب کی پائی پائی ادا کردی جائے، اس پر ناظم محاسبی نے ایک جملہ مزید فرمادیا کہ حضرت پھر دارالعلوم کا کیا ہوگا وہ کس طرح چلے گا؟ ان کی زبان سے یہ جملہ سن کر حضرت حکیم الاسلام نے جو جملہ ارشاد فرمایا وہ آج کے ذمہ داران مدارس کے لئے انتہائی سبق آموز اور قابل تقلید ہے، یہ جملہ ایسا ہے جس کو سنہرے حروف میں لکھوا کر ذمہ داران مدارس کو دیا جائے اور وہ اپنے اساتذہ کی اس جملے کی روشنی میں تربیت فرمائیں، اس جملے کی روشنی میں دارالعلوم دیوبند کے عالمی فیض کے اسباب کو بھی تلاش کیا جاسکتا ہے، اور راقم الحروف کا خیال تو یہ ہے کہ یہ جملہ حجۃ الاسلام بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور دیگر اکابرین دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم دیوبند کی فکر کا ترجمان ہے جس کو اللہ رب العزت نے حضرت حکیم الاسلام کی زبان حکمت سے ادا کرادیا۔

حضرت نے برجستہ جواب دیا کہ ناظم صاحب یہ تو مجھے نہیں معلوم کہ دارالعلوم کس طرح چلے گا، ہاں البتہ اتنا ضرور یقین کامل ہے کہ دارالعلوم دیوبند چلے گا اور ضرور چلے گا، لیکن ان صاحب کی پائی پائی ادا کر دی جائے۔'' کیونکہ دارالعلوم کو ان کے چندے کی ضرورت نہیں بلکہ ان کو دارالعلوم کی ضرورت ہے۔

چنانچہ ناظم محاسبی نے ان صاحب خیر کی وہ تمام رقم واپس کر دی جو انہوں نے اب تک دارالعلوم دیوبند کو دی تھی، ناظم محاسبی کے بیان کے مطابق ان صاحب نے اس رقم کو لینے سے انکار کر دیا تو ناظم صاحب نے ان سے کہہ دیا کہ اس سلسلے میں آپ حضرت مہتمم صاحب سے رابطہ فرمالیں، میں اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکتا، چنانچہ وہ صاحب دفتر محاسبی سے دفتر اہتمام تشریف لائے اور حضرت مہتمم صاحب سے فرمانے لگے کہ میرا مطلب یہ نہیں تھا، اس پر حضرت مہتمم صاحب نے ان سے معذرت فرمائی کہ دارالعلوم دیوبند فی الحال آپ کے چندہ یا کسی بھی طرح کا تعاون لینے سے قاصر ہے۔ یہ نظام آپ کے بھروسے نہیں چلتا، اللہ اس کو چلاتا ہے۔ پھر حضرت نے ان سے معذرت فرمالی، یہ تھا ہمارے اکابرین کا کردار اور ان کا شان استغنا، یہی وہ کردار ہے جو کسی بھی طرح دارالعلوم دیوبند کی بنیاد کو متزلزل نہیں ہونے دیتا، اور بڑے سے بڑے دشمن اور باطل طاقتیں اس کی بنیاد ہلانے میں ناکام رہتی ہیں، اور یہ عاجز وثوق سے یہ کہہ سکتا ہے کہ جب تک دارالعلوم دیوبند کو یا دیگر مدارس دینیہ کو اپنے ان اکابرین کے نقش قدم پر چلاتے رہیں گے دنیا کی بڑی سے بڑی طاقتیں اس کا بال بیکا نہیں کر سکتیں، اس کی بنیاد اگر خدانخواستہ ہلی تو وہ صرف اور صرف داخلی نظام کے خراب ہونے کی وجہ سے ہلے گی، جب ہمارے اندر مادیت آجائے گی، جاہ پرستی ہوگی، انتشار و اختلاف ہوگا، اپنے رائے کو ترجیح دی جانے لگے گی تو اس وقت خوف خدا ہمارے دلوں سے نکل جائے گا اور دشمن کا خوف ہمارے دلوں .میں ڈالدیا جائے گا، پھر وہ ہماری بنیادوں کو مل کر ہلائیں گے، حقیقت یہ ہے کہ یہ لمحہ ہم سب کے لئے لمحۂ فکریہ ہے، اگر ہم نے اپنے آپ کو سنبھال لیا اور صحیح طور پر قیادت کا حق ادا کر دیا۔

تو سب کچھ آج بھی ان کا ہے زیر چرخ مینائی
درحق کی غلامی میں ہے دنیا بھر کی آقائی

اور اگر ہم ہی داخلی اعتبار سے خراب ہو گئے تو ہم سے یہ سوال ضرور ہوگا

تو اِدھر اُدھر کی نہ بات کر یہ بتا کہ قافلہ کیوں لُٹا
مجھے رہزنوں سے گلہ نہیں تیری رہبری کا سوال ہے

حضرت کا جواب دینے کا یہ طریقہ دراصل مستنبط تھا سیرت پاک ﷺ سے، رسول اللہ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی شخص افہام وتفہیم سے نہیں مانتا تھا تو اس کو عملی جواب دے کر خاموش کر دیتے اور عملی جواب آپ کا اس قدر جامع ہوتا کہ سامنے والا بھی مطمئن ہو جاتا اور اسی جواب میں دعوت دین بھی ہو جاتی، چنانچہ ایک داعی، ایک معلم اور ایک مزکی کے لئے ضروری ہے کہ وہ سامنے والے کو قانع جواب دے کر خاموش کر سکے یہ جواب کبھی زبانی ہوگا اور کبھی اپنے کردار وعمل سے۔

حضرت حکیم الاسلام کا بنگلور میں ایک خطاب اور آپ کا حلم

مجھے اس عنوان پر ایک واقعہ یاد آ گیا جس کو میرے بھائی جان جناب ڈاکٹر مولانا محمد اویس صدیقی صاحب نے حضرت مولانا ولی اللہ رشادی صاحبؒ صاحبزادۂ جناب مولانا ابوالسعود صاحب رحمۃ اللہ علیہ سرپرست معدن العلوم وانم باڑی سے سنا۔

حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک سفر وانم باڑی، بنگلور، آمبور، وشارم وغیرہ کا تھا، حضرت حکیم الاسلام وہاں تشریف لے گئے تھے، ان ہی تاریخوں میں بنگلور میں ایک بڑا تبلیغی اجتماع تھا، جس میں بڑے بڑے اکابرین مرکز نظام الدین سے تشریف لے گئے تھے، حضرت شیخ الحدیث اور حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ بھی اس اجتماع میں موجود تھے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کو معلوم ہوا کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اس علاقہ میں تشریف لائے ہوئے ہیں، حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا کہ کیوں نہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر حضرت حکیم الاسلام سے استفادہ کیا جائے، چنانچہ ان اکابرین نے حضرت حکیم الاسلام سے رابطہ کیا اور اس موقعہ پر خطاب کی درخواست کی، حضرت حکیم الاسلام نے فرمایا: مجھے حاضر ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں، البتہ میں اپنے میزبان کے نظام کے تابع ہوں، اگر وہ اجازت دیدیں تو میں حاضر ہو جاؤں گا، چنانچہ حضرت کے میزبان سے اجازت لے لی گئی اور یہ طے ہوا کہ اس عظیم تبلیغی اجتماع میں خطاب حضرت حکیم الاسلام کا بھی ہوگا۔ چونکہ مولانا ولی اللہ رشادی مرحوم، حضرت مولانا سعود صاحب قاسمی کے صاحبزادے تھے، اس لئے حضرت حکیم الاسلام کے بحیثیت خادم ساتھ تھے۔ ان کا

بیان ہے کہ جس وقت حضرت حکیم الاسلام جلسہ گاہ میں پہنچے اور اسٹیج پر چڑھنے لگے تو ایک صاحب نے جن پر نیا نیا دین کا غلبہ تھا حضرت حکیم الاسلام سے براہ راست دریافت کیا کہ آپ نے چلہ لگایا یا نہیں، بس اس کی طرف اپنے مخصوص انداز میں آنکھ اٹھا کر دیکھا اور سیدھے اسٹیج پر پہنچ گئے، حضرت حکیم الاسلام کا اسٹیج پر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ اور امیر تبلیغ حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ نے استقبال کیا، اس کے بعد حضرت حکیم الاسلام نے دعوت وتبلیغ کے موضوع پر ساڑھے تین گھنٹے بیان فرمایا، جس بیان کو سننے کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب کاندھلوی نے فرمایا تھا کہ اب تک ہم لوگ دعوت وتبلیغ کا کام کرتے آرہے تھے لیکن حضرت حکیم الاسلام کے بیان سننے کے بعد آج پہلی مرتبہ معلوم ہوا، ہمارا یہ دعوت وتبلیغ کا کام قرآن وحدیث سے اتنا مدلل ہے۔ یہ واقعہ جہاں حضرت حکیم الاسلام کی فن خطابت پر مہارت اور قدرت علی الکلام کو بتاتا ہے وہیں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کمال حلم کے پیکر تھے۔

ایک اور اہم واقعہ

عمر مبارک کے آخری ایام میں ایک شخص نے اپنی کم ظرفی اور کم مائیگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک بے سروپا داستان نہایت متعفن لب و لہجے میں اپنے اخبار میں شائع کی، دیوبند کے دو نامور صحافی اس وقت وہ اخبار لے کر سیدھے خدمت اقدس میں آئے، اخبار ان کے ہاتھ میں تھا، عادت یہ تھی کہ جو چیز پڑھنے کو ملتی اس کو پورا پڑھ لیتے، مصروف مطالعہ ہوگئے، پورا مضمون پڑھا، مضمون پڑھنے کے بعد لب ہائے مبارک پر دلنواز مسکراہٹ کھل گئی، دریافت فرمایا کہ یہ اخبار کچھ بک بھی جاتا ہے، دونوں نے عرض کیا کہ حضرت بکتا ہے اور پڑھا جاتا ہے، اسی وجہ سے تشویش ہوئی، اور آپ کی خدمت اقدس میں تردید کے لئے حاضر ہوئے ہیں، مگر عادت شریفہ کے مطابق، دونوں کی توقع کے خلاف لبوں پر یہ دلنواز جملہ آیا، فرمایا: بھائی یہ میری کتنی بڑی سعادت ہے کہ لوگ مجھے گالیاں دے کر اپنا پیٹ پال رہے ہیں، اور مجھے مفت کا ثواب مل رہا ہے۔[1]

فارسی میں طویل خطاب اور تائید من اللہ

حضرت حکیم الاسلام کو دراصل تائید من اللہ اور معیت حق حاصل تھی، جس کا احساس گاہ بگاہ حق

[1] احیات طیب ج۱ص ۳۱۲

تعالیٰ شانہ کی طرف سے ان کو ہوتا رہتا، تائید من اللہ بلکہ ملہم من اللہ ہونے پر مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا، حضرت حکیم الاسلام کے آبائی وطن قصبہ نانوتہ کے قریب پانچ چھ کلومیٹر کے فاصلہ پر خان صاحبان کا ایک گاؤں آبہہ ہے، ابھی ایک ماہ قبل راقم الحروف کا اس گاؤں میں جانا ہوا تو مجھے بھائی عامر خان نے ایک واقعہ سنایا، حکیم الاسلام اکثر و بیشتر اپنے آبائی وطن نانوتہ میں آم کے موسم میں ضرور تشریف لاتے اور اپنے خاندان والوں کے ساتھ ایک دو روز قیام فرماتے، اسی آم کے موسم میں آبہہ والوں نے بھی حضرت کو آموں کی دعوت دی، اس موقع پر مسجد میں آبہہ والوں نے بیان کی بھی درخواست کی، تو حضرت نے غالباً ''نسبتوں کی اہمیت'' کے عنوان پر بیان فرمایا اور اسی موقع پر اپنا ایک واقعہ بیان فرمایا کہ ''میرا سفر افغانستان کا ہوا، وہاں ایک بیان رکھا گیا، بیان عشاء کے بعد تھا، میں اس بیان سے متفکر تھا کیونکہ بیان فارسی زبان میں کرنا تھا، دوپہر کھانے کے بعد جب قیلولے کے لئے لیٹا تو خواب میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کو دیکھا کہ وہ مجھ سے فرما رہے ہیں کہ میرے بیٹے تو کیوں متفکر ہوتا ہے اللہ کا نام لے کر بیان شروع کرنا اور اس کے بعد میری پیٹھ تھپتھپائی، میں خواب سے بیدار ہوا تو قدرے سکون ہوا، کیونکہ یہ میرے لئے فارسی زبان میں بیان کرنے کا پہلا موقع تھا۔

بہر حال عشاء کے فوراً بعد میں بیان کے لئے بیٹھ گیا، بس بیان کا شروع ہونا تھا کہ مضامین اور اس کے مناسب الفاظ کی ایسی آمد ہوئی کہ ساڑھے تین گھنٹے میرا بیان فارسی میں ہوا، اور ان ساڑھے تین گھنٹہ کے بیان میں تسلسل مادری زبان کی طرح رہا، اس واقعہ کو سنانے کے بعد حضرت حکیم الاسلام نے فرمایا کہ یہ حضرت نانوتویؒ کا قلبی فیضان تھا، اس واقعہ سے جہاں یہ پتا چلتا ہے کہ نسبتوں کا فیض جاری رہتا ہے، وہیں حضرت قاری صاحبؒ کی شخصیت کا ملہم من اللہ ہونا بھی ان واقعات کی رو سے ایک امر واقعہ ہے، جس میں انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

حکیم الاسلام کی خطابت کے سلسلے میں عاجز کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے اپنے زمانۂ طالبعلمی کا ایک اور واقعہ یاد آ گیا تذکرہ کرتا چلوں، تار بنگلہ پر پروفیسر ڈاکٹر نعیم صاحب اور کچھ دیگر پروفیسر صاحبان بیٹھے ہوئے تھے عاجز بھی وہیں موجود تھا، کچھ دیر بعد ڈاکٹر نعیم صاحب نے خاندانی حوالوں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب اور دیگر خاندانی بزرگوں کی نسبتوں سے میرا تعارف کرایا۔ تو پروفیسر خورشید صاحب بولے: صاحب! میں اور ہمارے ڈاکٹر صاحب (یعنی ڈاکٹر نعیم صاحب) حضرت قاری محمد طیب صاحب کے بیان میں موجود تھے جو

یونیورسٹی کیمپس کینیڈی ہال میں ہوا تھا، ہم نے آج تک ایسی تقریر یا ایسا لکچر سائنس کے موضوع پر کسی بڑے سے بڑے سائنس داں سے نہیں سنا اور طرفہ تماشا یہ کہ اس پروگرام میں کچھ کمیونسٹ لوبی کے حضرات بھی تشریف رکھتے تھے جو موقع بموقعہ دینی لوگوں کا مذاق اڑاتے تھے، ڈاکٹر خورشید فرمانے لگے میں نے اسٹاف کلب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں ان لوگوں کو اس خاندان کے علم وفضل اور خاص طور پر حضرت حکیم الاسلام کے بارے میں کہتے ہوئے سنا کہ سائنس کے موضوع پر ہم نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں کسی پروفیسر کا ایسا لیکچر نہیں سنا، واقعی (مولانا طیب صاحب) مہتمم دارالعلوم دیوبند کے علم وفضل کا ہم اقرار واعتراف کرتے ہیں۔''

حضرت کے اس تفصیلی خطاب کا مختصر عنوان میں اگر خلاصہ کیا جائے تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ سائنس کا موضوع ''مادہ اور اس کے عوارض ذاتیہ'' سے بحث کرنا ہے، اور بس جو بھی مادیات میں زیادہ سے زیادہ منہمک رہ کر ان کے خواص وآثار سے کام لینے والا ثابت ہوگا وہی سب سے بڑا سائنس دان اور بہترین ماہر سائنس کہلائے جانے کا مستحق ہوگا۔[۱]

بہر حال حضرت حکیم الاسلام کو اللہ رب العزت نے بیان کا خاص ملکہ عطا فرمایا، بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ یہ فن بھی حضرت کو بطور الہام ملا تو ان کے زیادہ مناسب حال ہوگا، بقول شاعر:

تیرے تفکر میں قرن اول کی عظمتوں کا نشان ملے گا
تیری خطابت میں عبرتوں کا تصور جاوداں ملے گا
مثلِ خورشید فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ و آزادہ معانی میں دقیق

یوں تو راقم الحروف کے پاس حضرت حکیم الاسلام کے تعلق سے بہت سا مواد خاندانی روایات اور واقعات کی شکل میں محفوظ ہے جن کا تذکرہ یہاں نہیں کروں گا، سردست جو واقعات ذہن میں آئے ان کا نہایت اختصار کے ساتھ تذکرہ کر دیا گیا۔[۲]

---

[۱] حیات طیب بحوالہ مولانا ادریس صاحب ہوشیار پوری، خطابات حکیم الاسلام ج ۳ ص ۲۴۱
[۲] ان واقعات کو سپرد قلم اگر کیا جائے تو مستقل ایک کتاب تیار ہو جائے۔

حضرت حکیم الاسلام کی تصانیف

اس کے علاوہ حضرت نے اپنی تصانیف وتالیفات کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ چھوڑا ہے، ان میں بعض کتابیں مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتی ہیں اور بعض کتابیں ایسی ہیں جو ان کی تقریر کو مرتب کر کے کتاب کی صورت میں چھاپی گئی ہیں، ذیل میں ان کی چند تصانیف کی ایک فہرست دی جا رہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی تصانیف کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ مطبوعہ کتابوں کی صورت میں موجود ہے۔

۱۔ تعلیمات اسلام اور مسیحی اقدام

۲۔ التشبہ فی الاسلام

۳۔ اسلام کا اخلاقی نظام

۴۔ اسرائیل کتاب وسنت کی روشنی میں

۵۔ اصول دعوت اور اسلام

۶۔ انسانیت کا امتیاز

۷۔ ایک قرآن

۸۔ حدیث رسول کا قرآنی معیار

۹۔ خاتم النبیین

۱۰۔ روایات الطیب

۱۱۔ سائنس اور اسلام

۱۲۔ شان رسالت

۱۳۔ شہید کربلا ویزید

۱۴۔ علم غیب

۱۵۔ علماء دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج

۱۶۔ مسلک علماء دیوبند

۱۷۔ فلسفہ نماز

۱۸۔کلمہ طیبہ

۱۹۔مقالاتِ طیبہ

۲۰۔اسلامی آزادی

۲۱۔عالمی مذہب

۲۲۔مقامات مقدسہ

۲۳۔خطبات حکیم الاسلام

۲۴۔نونیۃ الآحاد

۲۵۔فلسفہ نعمت ومصیبت

۲۶۔دارالعلوم کا فتویٰ اوراس کی حقیقت

۲۷۔اسلام اور فرقہ واریت

۲۸۔سفرنامہ افغانستان

۲۹۔عرفان عارف (شعری مجموعہ)

ان میں سے ہر ایک کتاب اسلامی علوم ومعارف کا بیش بہا خزینہ اور علم وحکمت سے لبریز ہے۔

بہرحال حضرت حکیم الاسلام کو اللہ رب العزت نے تمام تر خوبیوں سے نوازا اور مجمع کمالات بنایا تھا، اپنے اسلاف اور صالحین کی تمام خصوصیات وکمالات آپ میں موجود تھے۔

چنانچہ مولانا شیر محمد امینی کا ایک اقتباس یہاں نقل کیا جارہا ہے جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت کو کس قدر خوبیاں رب قدیر نے مرحمت فرمائی تھیں، مولانا لکھتے ہیں:

''غرض حضرت کی زندگی اپنے کمالات معنوی وظاہری کے ساتھ حد درجہ وسیع اور ہمہ گیر ہے، ان کے اخلاق و اعمال، ان کی تدریس، ان کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ تصانیف، افریقہ، امریکہ، لندن اور غیر ممالک عرب تک ان کے اصلاحی مواعظ، دارالعلوم میں ان کی ساٹھ سالہ خدمات، دارالعلوم کی علمی اور عملی زندگی کو منظم کرنے کے لئے ان کی خصوصیات، ان کی دیانت، حلم و بردباری، شرافت طبعی اور شرافت نسبی، جمعیۃ العلماء ہند کے تعمیری دورے ان کی وابستگی اوراس کے بہت سے اجتماعات میں ان کے معرکۃ الآراء خطابات، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں مذہبی شعور کے احیاء کے لئے ان کی خدمات، مسلم پرسنل لاء بورڈ کے پلیٹ فارم پر مسلمانوں کے

شخصی اور قومی حقوق کے تحفظ کے لئے ان کا قائدانہ کردار، دارالعلوم کا بے مثال صد سالہ اجتماع، جو اس کا نقطہ عروج تھا اور جسے دیکھ کر مسلمانوں کے شاندار مستقبل کا اندازہ کر کے مخالفین نے دارالعلوم کے زوال کے لئے حالات پیدا کئے، اپنے اساتذہ کرام کا احترام اور ان کی اولاد سے ان کا مشفقانہ طرز عمل، طلبہ علوم دینیہ پر ان کی لگاتار شفقت، اپنے مخالفین و معاندین سے چشم پوشی کی عادت، ان کے لاتعداد ملکی وغیر ملکی سفر، مسلم لیگ اور کانگریس کے سیاسی نزاعات کے تحریکی دور میں دارالعلوم کے مفاد کی خاطر ان کا محتاط طرز عمل، دارالعلوم کے معاملات میں ان کے بے نظیر تدبر اور مدبرانہ حکمت عملی کے صدہا واقعات، نرمی اور شفقت کے ساتھ دارالعلوم کے سینکڑوں افراد پر مشتمل عملہ سے ان کی درسی اور انتظامی خدمات کی تکمیل کرا لینے کا مخصوص طریقہ، یہ سب عنوانات حضرت والا کی سدابہار زندگی کے پھیلے ہوئے گوشے ہیں جن میں سے ہر ایک پر تفصیلی مضمون لکھا جا سکتا ہے۔''[1]

سہل ہے میر کا سمجھنا کیا
ہر سخن اس کا اک مقام سے ہے

میں نے چند وہ باتیں جو خاندانی طور پر اپنے گھر والوں سے حضرت حکیم الاسلام کی بابت سنی ہیں نہایت اختصار کے ساتھ تذکرہ کر دیا، گرچہ ان کے علاوہ بہت سی خاندانی روایات ہیں، جن کا تذکرہ کسی اور موقع پر کروں گا، حضرت حکیم الاسلام کے تفصیلی حالات پڑھنے کے لئے ''حیات طیب'' کی طرف رجوع فرمائیں۔

وفات

۱۴۰۳ھ ۶ شوال، ۱۷ر جولائی ۱۹۸۳ء کو وہ وقت بھی آ گیا کہ **کل نفس ذائقة الموت** اور **انک میت وإنهم میتون** کا خدائی قانون کا عملی نفاذ ہوا، اور اس طرح حضرت حکیم الاسلام اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے ہیں۔ فإنا للہ وانا الیہ راجعون

وقد فارق الناس والأحبة قلبنا.
وأعي دواء المـوتِ كل طبيب[2]

[1] حیات طیب، ج دوم، ص ۳۰۸، مولانا شیر محمد امینی کے مضمون کا ایک اقتباس۔
[2] دیوان المتنبی

حضرت خطیب الاسلام کی شخصیت سازی میں ان کے والد گرامی کی اس عالمانہ، مجاہدانہ، داعیانہ اور مومنانہ زندگی کا انتہائی درجہ اثر ہے، اور آپ کی ذہنی ساخت و پرداخت بھی والد گرامی کی اعلائے کلمۃ الحق کے لئے شبانہ روز کوششوں، اعلیٰ ظرفی اور اعلیٰ کردار کا بہت بڑا دخل ہے، کیونکہ زندگی کے ساٹھ سال انہی کے سایۂ عاطفت میں گذرے، مزید برآں حضرت خطیب الاسلام راہ سلوک میں بھی والد گرامی کے دست گرفتہ تھے، جس کی وجہ سے حضرت خطیب الاسلام ان کی زندگی کے پرتو تھے۔ جس کی جھلک حضرت خطیب الاسلام کی تحریر وتقریر اور طرز معاشرت میں واضح تھی۔

شخصیت کی تعمیر کا تیسرا اہم عامل: خانوادۂ قاسمی کا علمی و تعلیمی اور دعوتی ماحول

اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ انسان کی شخصیت کی تعمیر میں چند اہم عوامل کارفرما ہوتے ہیں اور جو کسی بھی انسان کو نکھار دیتے ہیں، وہ تمام عوامل حضرت خطیب الاسلام کو میسر تھے، انہی عوامل میں خداداد صلاحیتیں، والدین کا اچھا اور باشعور ہونا بھی ہے جس کا اندازہ گذشتہ صفحات سے ہو گیا ہوگا، ایسے باشعور اور خداترس والدین کی موجودگی میں ماحول کے بارے میں بہت کچھ لکھنے کی ضرورت تو باقی نہیں رہ جاتی، لیکن نسل نو کی تعمیر کے لئے اس پاکیزہ ماحول کے بارے میں چند باتیں عرض کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اور درحقیت حضرت خطیب الاسلام کی سوانح لکھنے کا مقصد بھی یہی ہے، ہماری آئندہ نسلوں کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہو جائے کہ آئندہ نسل کی اسلامی خطوط پر تربیت کے لئے والدین کو انتہائی فعال اور باشعور ہونے کی ضرورت ہے، اور ان روایات کو جاننا بھی ازحد ضروری ہے جن کو اختیار کر کے ہمارے یہ اکابر ایسے بنے کہ جن سے تعلق ہونے پر زمانہ ناز کرتا ہے، اور جن کی صحبتیں اور مجلسیں انسان کی صحیح سمت میں راہ نمائی کرتی ہیں، ورنہ حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ کی عظیم خوبیوں سے ایک زمانہ واقف ہے، جس کا ثبوت وہ تعزیتی پیغامات ہیں جو حضرت کے انتقال پر آئے، اور جنکا کچھ حصہ شامل کتاب بھی کیا گیا ہے۔

خانوادہ قاسمی کے گھریلو ماحول کے سلسلے میں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کہ حضرت حکیم الاسلام کا ایک اقتباس نقل کر دیا جائے حکیم الاسلام اپنی تعلیم وتربیت اور اساتذہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

"چودھویں صدی ہجری کے شروع اور اٹھارویں صدی عیسوی کے آخر میں میری پیدائش ایسے ماحول میں ہوئی کہ ہندوستان کی قدیم تہذیب وتمدن کے سانچے ٹوٹ رہے تھے اور ایک نئ

تہذیب وتعلیم کا غلغلہ تھا۔ میری پیدائش میرے جد امجد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند کے گھرانہ میں ہوئی ہے، جو اپنے وقت میں علم ودین کے مجدد تھے اوران کی زندگی سادہ، توکل پسندی، کم سے کم اسباب معیشت اور جفاکشی کا نمونہ تھی۔ ان کی اہلیہ محترمہ میری دادی صاحبہ حضرت نانوتوی کے فیضان صحبت اور رفاقت سے براہ راست مستفید تھیں، دادی صاحبہ اپنی عبادت وریاضت سخاوت، کشادہ دلی، شعائر دین پر پختگی، نماز، روزہ، ذکر واوراد کی پابندی میں اپنی مثال آپ تھیں'' میرے والد محترم مرحوم ومغفور حضرت مولانا احمد صاحب اوران کی والدہ صاحبہ میری دادی مرحومہ کے زیرسایہ مجھے تعلیم وتربیت نصیب ہوئی۔ ان کی ساری ضروریات زندگی میں بے حد سادگی، مزاجوں میں انکساری اور تواضع کے ساتھ ان سینکڑوں طلباء دارالعلوم کے لئے جو ملک و بیرون ملک سے لمبی لمبی مسافتیں طے کرکے آتے اور دارالعلوم میں جمع ہوتے تھے، میری دادی صاحبہ والدہ مرحومہ اور سارے گھرانہ کی طرف سے غیرمعمولی شفقت اور ہر وقت ان کی تعلیمی زندگی کو بہتر سے بہتر بنانے کی دھن تھی۔ بس یہی ماحول تھا جس میں میں نے آنکھ کھولی، والد مرحوم[۱] کا یہ ایک قصہ ضرور قابل ذکر ہے کہ دارالعلوم کے ایک طالب علم نے دھلے ہوئے گیلے کپڑے سکھانے کے لئے دارالعلوم کی مسجد میں ڈالے، والد صاحب مرحوم نے دیکھا تو خفا ہوئے اور ڈانٹ ڈپٹ کی۔ مگر بعد میں آپ نے جذبۂ ترحم سے اپنی سخت گیری پر جو صرف مسجد کی حرمت کے لئے تھی اتنے متأسف ہوئے کہ اس طالب علم کو بلاکر اس سے معذرت کی اور کئی ہفتے اپنے ساتھ کھانے میں شریک رکھا۔ یہ گویا طلبائے دارالعلوم کے حق میں ان کی پدرانہ شفقت کا ایک بے اختیارانہ جذبہ تھا۔ جو طلبہ میں معروف تھا۔[۲]

اس اقتباس سے خانوادہ قاسمی کی عمومی فضاء، پاکیزگی، فرائض کا اہتمام، عبادت وریاضت، تعلق مع اللہ وتعلق مع الخلق کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت خطیب الاسلام اسی گھرانے کے تربیت یافتہ اور پروردہ ہیں، جس نے ان میں اخلاص، للّٰہیت، توکل علی اللہ، صدق حال ومقال کی کیفیت، حلم وبردباری، استقامت فی الدین، بالغ نظری،

---

[۱] والد مرحوم سے مراد حضرت مولانا احمد نانوتوی صاحب ہیں جو حضرت حجۃ الاسلام کے فرزند تھے۔

[۲] ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

عالمبینی فکر، بصیرت کے ساتھ حکمت و تدبیر، عفو و درگذر، علم و معرفت، نکتہ آفرینی و بذلہ سنجی، جذبۂ نافعیت و جذبۂ ترحم جیسی اہم صفات پیدا کردی تھیں، یہی وجہ ہے کہ ہمیں حضرت خطیب الاسلام کی شخصیت میں چند اہم پہلو خاص طور پر نمایاں نظر آتے ہیں:

(الف) امت مسلمہ کے مختلف مسالک و مذاہب اور نظریاتی گروہوں کی تکفیر و تفسیق، تحقیر و تنقیص اور توہین و تذلیل کی روش سے اجتناب و احتیاط اور ان کے تئیں توازن و اعتدال کا رویہ، نفرت کے بجائے محبت، دوری کے بجائے قربت اور ناانصافی کے بجائے انصاف کی راہ اختیار کرنے کی حکمت۔

(۱) انسانیت کے حق میں کسی بھی علم نافع کی افادیت کا اقرار اور اس کی اہمیت کا اعتراف۔

(۲) معاشرہ کے ہر طبقہ سے ربط و تعلق اور ان کی اصلاح کی ہر ممکن کوشش۔

(۳) عالمی مسائل کا حل اور امت مسلمہ کے حالات پر مسلسل نظر۔

(۴) توکل علی اللہ صدق حال و مقال کے ساتھ متواضعانہ زندگی۔

(۵) بڑوں کا حد درجہ ادب اور چھوٹوں پر شفقت اور خورد نوازی۔

(۶) اعلاء کلمۃ الحق کے کام کرنے والوں کی ہر اداء سے حوصلہ افزائی۔

خانوادۂ قاسمی کی علمی و تعلیمی فضاء کیا تھی اس پر کچھ لکھنے سے بہتر اتنا عرض کر دینا کافی ہوگا کہ جس خانوادہ میں اساطین علم نے رہ کر اپنی علمی تشنگی دور کی ہو، جس گھر میں اہل علم کی تربیت ہوئی ہو، بلکہ ان کی شادیاں بھی اسی گھرانہ کی مرہون منت ہوں، چنانچہ خود حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند مزید لکھتے ہیں:

''میرے آباء واجداد نے طلبۂ علوم دینیہ کو اپنی اولاد کی طرح پالا ہے اور یہاں تک کہ بعضوں کی شادیوں کی تقریبات بھی خود انجام دیں، کتنے ہی علماء وفضلاء ہیں جن کی مجالس نکاح ہمارے گھر پر آراستہ ہوئیں، حضرت قبلہ علامہ محمد انور شاہ کشمیریؒ کی شادی بھی میرے والد صاحب کے زیر انتظام ہوئی، حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی[۲] مہتمم مدرسہ شاہی مراد آباد خود دیوبند

---

[۱] ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

[۲] حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ڈاکٹر رفاقت علی صاحب مدنی کے صاحبزادے اور جید عالم دین تھے، حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، (بقیہ آئندہ صفحہ پر)

کے ایک اونچے خاندان کے فرد تھے ان کی تقریب شادی بھی میرے والد صاحبؒ نے کی، غرض کہ میرا گھرانہ علماء وفضلاء عصر کا مورد تھا، دوسرے متعدد علماء وفضلاء نے سالہا سال تک میری دادی صاحبہ اور والدہ صاحبہ کے زیر سایہ راحت وآرام سے وقت گذارا۔ تعلیمی زندگی میں مجھے وقت کے یگانۂ روزگار علماء وفضلاء کرام سے استفادہ کا موقع ملا۔‘‘[۱]

حضرت حکیم الاسلام کے اس اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا گھرانہ بھی تمام جماعت علماء دیوبند کا ماویٰ وملجا اور ان کے لئے مرکزیت کا درجہ رکھتا تھا، چنانچہ حضرت شیخ الہند، حضرت مولانا احسن امروہوی، حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی، حضرت علامہ انور شاہ کشمیری، حضرت علامہ شبیر عثمانی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا حسین احمد مدنی وغیرہم اس گھرانے کی علمی وتعلیمی فضاء میں رہ کر پروان چڑھے۔

ایسی نابغۂ روزگار شخصیتوں کا اس گھرانے میں تعلیم وتربیت حاصل کرنا خانوادۂ قاسمی کی علمی و تعلیمی فضاء کے عام ہونے پر شاہد عدل ہے۔ خانوادۂ قاسمی یہی فکری انداز، مومنانہ کردار، داعیانہ شان، نرم گفتاری ونرم مزاجی، انداز تربیت اس گھرانے میں تربیت پانے والے ہزاروں اور پھر بعد میں لاکھوں طلبۂ دارالعلوم کے ذریعہ عالم اسلام کے چپہ چپہ میں عام ہوا، اور نہ جانے کتنی بنجر زمینوں کو علم ومعرفت اور حسن اخلاق کی بارش سے سیراب کر کے گل گلزار بنا دیا، جس کا ثبوت دارالعلوم کے فارغین اور جگہ جگہ ان کے قائم کردہ وہ تعلیمی ودعوتی ادارے اور دینی مدارس اسلامیہ ہیں جو مسلسل نفاذ

(بقیہ گذشتہ) قاعدے سے لے کر اخیر تک تعلیم مسجد نبوی میں حضرت مدنی ہی سے حاصل کی، حضرت مدنی کے حکم پر ہندستان تشریف لے آئے اور انتہائی گرانقدر دینی خدمات انجام دیں، مرادآباد کے علاقے میں ان کا مخصوص مقام تھا۔ یہ بات انتہائی قابل ذکر ہے کہ حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدنیؒ کا نکاح بھی دیوبند کے ایک معزز عثمانی گھرانے میں حضرت مولانا احمد صاحب صاحبزادۂ گرامی حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتویؒ کی سرپرستی میں ہوا اور ان کی اہلیہ محترمہ رخصت ہو کر اسی مکان میں گئیں تھیں جو آج طیب منزل کے نام سے معروف ہے اور دیوبند میں خانوادۂ قاسمی کے اخلاف کا مسکن ہے۔ ان کے دو صاحبزادے ایک حضرت مولانا یحییٰ صاحب مدنی اور دوسرے حضرت مولانا محمد اسماعیل صاحب مدنی رحمہم اللہ تھے۔ ان دونوں حضرات کی اکثر وبیشتر اولادیں دیوبند ہی میں مقیم ہیں جبکہ مولانا اسماعیل صاحب کے بڑے صاحبزادے محمد انس صاحب مدینہ منورہ میں اسی مکان میں مقیم ہیں جو ان کا آبائی مکان ہے اور مسجد نبوی سے نہایت قریب ہے۔

[۱] ماہنامہ دارالعلوم دیوبند

شریعت، تعلیم دین، حفاظت دین، دعوت اِلی الاِ سلام کا کام مقدور بھرانجام دے رہے ہیں، اور حسن اخلاق وعلم ومعرفت کی یہ بارش نہ صرف ہندوستان میں برسی، بلکہ مادیت زدہ اور الحاد کے طوفانوں میں غرق مغربی ممالک کے اندر بھی برسی اور پھر وہاں ایمان اور قرآن کی ہوائیں چلیں۔

اس گھرانے کے پاکیزہ ماحول کی منظر کشی کرتے ہوئے حضرت خطیب الاسلام کی خواہرزادی محترمہ شہناز کنول صاحبہ[1] رقم طراز ہیں:

''صبح جب آنکھ کھلتی تو امی جان (ہماری نانی محترمہ) نماز کے تخت پر فجر کی نماز کے بعد مناجات مقبول بڑے عمدہ لحن سے پڑھتی ہوئی ہوتی تھیں، ابا جی قبلہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم تھے، اس لئے وہ علی الصبح مدرسہ جاتے ہوئے نظر آتے، چھوٹے ماموں صاحبان طالب علم تھے، مدرسہ کا گھنٹہ ہوتا اور وہ بھی روانہ ہوجاتے، سب سے بڑے ماموں محترم مولانا سالم قاسمی صاحب مدظلہ العالی کا شمار مدرسے کے اساتذہ میں ہوتا تھا۔''

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ گھرانے کے اندر مستقل علم اور دین کی باتوں کا غلغلہ تھا، اور تمام افراد خانہ کے اوقات کار بھی دارالعلوم کے اوقات کار کے اعتبار سے منضبط تھے، گھر کی خواتین معمولات کی پابند تھیں، اور مستقل ذکر اوراذ کار کا اہتمام اور وردر ہتا تھا۔

گھر کا یہ اسلامی ماحول حضرت خطیب الاسلام کی والدہ صاحبہ کی مومنانہ کردار کی عکاسی کرتا ہے، اور اسی ماحول کی وجہ یہ گھرانہ ہر طرح کی اخلاقی آلودگی اور رطب و یابس سے پاک تھا، ان عالی مرتبت ماؤں کے سامنے حضرات خنساء بنت تماضر، حضرت سمیہ، حضرت زنیرہ اور حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہن کا عظیم کردار تھا، جن کی آغوش تربیت اور آہ سحر گاہی نے اسلام کے وہ عظیم سپوت امت کو عطا کیے کہ جنہوں نے اپنے عزم وثبات اور ہمت وحوصلوں سے بڑی بڑی باطل طاقتوں کو سرنگوں ہونے پر مجبور کر دیا، بقول شاعر اسلام حفیظ جالندھری:

وہ مائیں جن کے آغوش نے شیر نر پالے
رضا کاری سے پھر اسلام پر قربان کرڈالے

---

[1] محترمہ شہناز کنول صاحبہ حضرت کی ہمشیرہ زادی اور مشہور افسانہ نگار محترمہ ہاجرہ نازلی کی صاحبزادی ہیں اور خود بھی ایک معروف افسانہ نگار کی حیثیت سے پورے برصغیر کے علمی وادبی حلقوں میں معروف ہیں، اور اس وقت علیگڑھ میں سرسید نگر میں مقیم ہیں، ان کی نگارشات کو لوگ بڑی دلچسپی سے پڑھتے ہیں۔

یہی مائیں ہیں جن کی گود میں اسلام پلتا ہے،
اسی غیرت سے انسان نور کے سانچے میں ڈھلتا ہے

یہ اس ماحول کی دین ہے کہ خانوادہ قاسمی کا تربیت یافتہ شخص سنجیدہ، باصلاحیت اور صالح فکر ہونے کے ساتھ ساتھ خاندانی بزرگوں کی علمی صحبتوں اور خاص نہج پر علمی واخلاقی تربیت سے مالا مال، انتظام وانصرام اموراور معاملہ فہمی کے جوہر سے آراستہ ہوکر جہاں جاتا ہے دوسرے لوگوں کو بھی فکری اوراخلاقی طور پرآراستہ کرتا ہے۔

حضرت خطیب الاسلام کے ددھیالی ونیہالی خاندانی احوال کے سامنے آنے کے بعد ان کی شخصیت کو سمجھنا، اوران سے کما حقہ استفادہ ہمارے لئے ممکن ہوگا، کیونکہ خاندانی ماحول جاننے کے بعد حضرت دامت برکاتہم کے مزاج سے کافی حدتک واقفیت ہوگئی اور قاری کواس نتیجہ پر پہنچنے میں ذرہ برابر بھی تامل نہ ہوگا کہ حضرت خطیب الاسلام کی اصل میراث وہ اقدار وقیم، علوم ومعرفت، اسرار حکم مومنانہ کردار، داعیانہ طرز عمل، حسن اخلاق اور علمی رسوخ ہیں جوان کواپنے آباء واجداد سے ورثہ میں ملے ہیں، بقول اقبال:

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
پھر پسر قابل میراثِ پدر کیوں کر ہو[1]

بچپن ہی سے واضح نصب العین

بہرحال حضرت خطیب الاسلام نے ایسے ماحول اور ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی جن کا مقصد زندگی پیدائش کے وقت متعین تھا، جن کا نصب العین اور مقصد حیات ان کے جد امجد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ کی روشنی میں مقرر کر گئے تھے، بقول حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ علیہ:

''الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے نصب العین کا مرکزی نقطہ تعلیمی نہضۃ تھی، جس سے علم الٰہی کی شعاعیں ہندو بیرون ہند پر پڑیں، پھر اس کے تحت آپ کی اخلاقی قوتوں کے تصرفات کا مرکز تربیت وارشاد تھا، جن سے وجد وحال کے نقشے طالبوں کے دلوں میں جمے، آپ کے جوش عمل کا نقطہ

[1] جواب شکوہ، علامہ اقبال

اعلائے کلمۃ اللہ تھا، جس سے جوش جاں سپاری مجاہدوں میں پیدا ہوا آپ کی دینی مدافعت بیضہ الاسلام کی حفاظت اور تمام غیر اسلامی حملوں سے مذہبی سرحدوں کی نگہداشت تھی، جس سے دین کو قرار ہوا، آپ کے اندرونی طور پر عقلی آزادی اور فکری بے قیدی کے حملوں کی علمی مدافعت کا نقشہ آپ کی وہ فلسفیانہ تصانیف تھیں، جنہوں نے وقت کے فلسفہ پسند اور منطق نواز حلقوں میں ہلچل پیدا کردی۔ قوم کے عملی نقائص اور معاشرتی کمزوریاں رفع کرنے کے لئے آپ کے اصلاحی اقدامات کا خاکہ علمی مواعظ اور عملی تنظیم تھی، جس سے بگڑی ہوئی معاشرت درست ہوئی، پھر دفاع وتعمیر کے اس مرکب نصب العین کو بروئے کار لانے اور منظّم طریق پر چلانے کے لئے، آپ نے جو اہم ترین مرکزی مورچہ تیار کیا وہ دارالعلوم دیوبند تھا جس میں آپ کے نصب العین کے تمام بنیادی نقوش مرتسم تھے، جو ایک ایک کرکے ابھرے، اس یادگار زمانہ مرکز کے راستہ سے آپ نے ایک ایسا حکیمانہ نظامِ یادگار چھوڑا جس سے بیک وقت عالم درویش، مجاہد اور صالح و مصلح افراد ڈھل ڈھل کر نکلتے رہیں اور کام چند شخصیتوں تک محدود نہ رہ جائے، آپ کی اس مرکزی دعوت اور بنیادی رعایت نے نہ صرف نگاہوں اور دلوں کے رخ ہی آپ کی طرف پھیر دیئے بلکہ وقت کے نازک حالات کی ان چارہ سازیوں نے جو آپ کے وجود باجود سے نمایاں ہوئیں عرب وعجم کی توجہات کو آپ کی ذات میں مرکوز بنادیا اور آپ ایک ایسے محبوب القلوب اور مرجع الخلائق زعیم و رہنما کی صورت میں قوم میں نمودار ہوئے کہ لوگ جوق درجوق آپ کی پیش کردہ نصب العین کے دامن میں پناہ لینے لگے۔[1]

بقول علامہ اقبال:

پرے ہے چرخ نیلی فام سے منزل مسلماں کی
ستارے جس کی گرد راہ ہوں، وہ کارواں تو ہے
مکاں فانی، مکین فانی، ازل تیرا، ابد تیرا
خدا کا آخری پیغام ہے تو، جاوداں تو ہے

جس شخصیت کا نصب العین اور اس کا مقصد حیات پیدائش کے وقت ہی اس کے بڑوں نے متعین کردیا ہو اس کے لئے زندگی کا لائحہ عمل اس کے گھر والوں نے مقرر کردیا ہو اور اس کی پرورش حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب، مہتمم دارالعلوم دیوبند کے زیر تربیت ہوئی ہو تو ایسی شخصیت میں

[1] تذکرہ وسوانح الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتوی ص۴۴، عبدالقیوم حقانی، سوانح قاسمی ج ا ص ۳، ۴

فضل الٰہی کے بعد اس تربیت کے آثار نظر آنا بعید از قیاس نہیں اور نہ ہی اس کا خطیب الاسلام سے ملقب ہونا خود اس کے لئے بڑی بات، جب کہ اس کے علاوہ یہ شخصیت ایک مزید عظیم نسبت کی حامل تھی، یعنی حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد حضرت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے براہ راست زانوئے تلمذ طے کر کے استفادہ کرنا، یقیناً جس کی تربیت میں اتنے عوامل کارفرما ہوں اور وہ شخصیت اتنی عظیم نسبتوں کی حامل ہو، تو لامحالہ وہ ذات اپنی شخصیت، اپنے کردار، اپنے اخلاق، اپنے مشاہدات و تجربات، اپنی فکر اپنے انداز تربیت، اپنے علوم و معارف، اپنی حکمت عملی اور اپنی تحریر و تقریر کی پختگی میں بالکل منفرد و ممتاز ہوگی اور اس کی تحریر و تقریر میں بھی ایسی جاذبیت حق تعالیٰ شانہ نے رکھ دی ہے جو وصل کے اسباب اور بے قرار لوگوں کے لئے راحت قلوب اور پژمردہ دلوں کے لئے باعث تسکین بن گئیں، بقول شاعر مشرق:

وصل کے اسباب پیدا ہوں تیری تحریر سے
دیکھ کوئی دل نہ دکھ جائے تیری تقریر سے

یہ وہ گھریلو ماحول تھا جس میں حضرت خطیب الاسلام کی پیدائش ہوئی اور اسی ماحول میں آپ کی نشو و نما اور پرورش ہوئی۔

حضرت خطیب الاسلام کی ولادت کے وقت ملکی حالات کا اجمالی جائزہ

حضرت خطیب الاسلام کی پیدائش ۱۹۲۶ء میں ہوئی، یہ وہ وقت ہے جب ان کے اسلاف کی قربانیوں کا نتیجہ عنقریب ہندوستانی قوم کو سفید فام قوم کی غلامی سے آزادی کی شکل میں ملنے والا تھا اور ان کے جد امجد حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا قائم کردہ مرکزی ادارہ دارالعلوم دیوبند ہندوستان کی آزادی کی ملک گیر تحریک کا مرکز بنا ہوا تھا اور مجاہدین آزادئ ہند کی تربیت گاہ تھا، ادھر یہ ادارہ ہندوستان کی آزادی میں بنیادی کردار ادا کر رہا تھا تو دوسری طرف پورے ملک میں مختلف تحریکیں اس ادارہ کے فرزندان کی سرپرستی میں جنم لے رہی تھیں، جس کے نتیجے میں پورے ملک میں آزادی کی فضا ہموار ہو رہی تھی، ملکی سطح پر فضا کی ہمواری کا ماحول دراصل یہ ردعمل تھا انگریزوں کے خلاف عوام کے ان جذبات کا جو جذبات ملک گیر تحریک ''ریشمی رومال'' کے پردہ فاش ہونے کے بعد عوام الناس میں پیدا ہوئے تھے، یہی انقلابی جذبات بعد میں جا کر مختلف تحریکوں کی شکل اختیار کر گئے،

کہیں اس کا اظہار جیل بھرو آندولن کی شکل میں ہوا، کہیں پر تحریک ترک موالات، کہیں انگریزوں کے خلاف جلسے وجلوس کی شکل میں اور کہیں مجاہدین نے اپنی جان کے نذرانے اور اپنے سینوں کو انگریزوں کی گولیوں کا نشانہ بنوا کر کیا، سرزمین ہند کو ظالموں کے پنجوں سے آزاد کرانے کی پیہم کوششیں ہورہی تھیں جب حضرت خطیب الاسلام کی پیدائش ہوئی اس وقت حضرت حجۃ الاسلام کے قائم کردہ مرکزی ادارہ دارالعلوم دیوبند میں ایک معتد بہ تعداد ان اساتذہ کرام کی تھی جن کی زندگی کا مقصد اوراوڑھنا بچھونا اس وقت ملک کی آزادی اور ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کا تحفظ بنا ہوا تھا۔

بہرحال حضرت خطیب الاسلام کی ولادت کے وقت ملک میں چاروں طرف آزادی کا بگل بج رہا تھا اور اس ملک کو آزاد کرانے کی جدوجہد مسلسل جاری تھی، جس میں حضرت خطیب الاسلام کے اسلاف اور فرزندان دارالعلوم دیوبند ہر جگہ پیش پیش تھے، گویا جب آپ نے بچپن اور زمانۂ طفولیت بلکہ عالم شباب میں قدم رکھا تو آپ کا دل ودماغ ہندوستان کی آزادی اور اس کے لئے چاروں طرف سے ہونے والی کوششوں سے مکمل طور پر مانوس ہو گئے تھے۔

زمانہ طفولیت، تسمیہ خوانی اور حفظ قرآن کی تکمیل کی تفصیلات

حضرت خطیب الاسلام کی عہد طفلی اور بچپن کے وہ حسین لمحات جو ایک انسان کی زندگی کا سب سے پیارا حصہ اور عزیز ترین وقت ہوتا ہے وہ وہ وقت ہے جو ماں کی گود سے لے کر تعلیم کے آغاز تک کا ہوتا ہے یعنی کسی بھی بچے کی عمر کے ابتدائی سات سال، یہی وہ عمر ہے جس میں انسان ہر طرح کے ہموم وغموم اور دنیوی آلام ومصائب سے ذہنی طور پر بالکل بے فکر ہوتا ہے، انسان کی زندگی میں عمر کے یہ ابتدائی آٹھ سال بے شک بے فکری کے ہیں، مگر انتہائی اہمیت کے حامل ہیں، کیونکہ یہ سات سال انسان کی زندگی کی بنیاد ہیں، ان ہی کے مطابق عام طور پر انسان کی تعمیر ہوتی ہے، جیسی ساخت پرداخت اور تربیت کا نظام بن جائے گا آگے جا کر اسی اعتبار سے بچے کی نشو ونما ہوگی، بہت سے حضرات یہ سمجھتے ہیں کہ ابھی تو یہ بچہ ہے، تین چار سال کا ہی ہوا ہے، تھوڑا بڑا ہوگا تو تربیت شروع کریں گے، یہ ان کی غلط فہمی اور حقیقت سے نظریں چرانا ہے، بہرحال عرض یہ کر رہا تھا کہ حضرت خطیب الاسلام کی زندگی کے یہ ابتدائی سات سال اپنے والدین کے زیر سایہ اور خاص طور پر حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کی نگرانی میں گذرے۔

یہ بات مسلم ہے کہ مربی کے ظاہری و باطنی اثرات زیر تربیت انسان پر لامحالہ پڑتے ہیں چہ جائے کہ کسی خوش نصیب انسان کی تربیت اور گود لینے والے خانوادۂ قاسمی کے افراد ہوں، اس گھرانے کی تربیت اوراس خاندان کے افراد کے بارے میں ہمارے علاقے میں یہ بات مشہور ہے کہ جتنا لوگ بڑے ہوکر کتابوں سے سیکھتے ہیں، اتنا اس خاندان کے بچے ماؤں کی گود میں سیکھ لیتے ہیں۔

حضرت خطیب الاسلام کی ولادت ۱۳۴۴ھ میں ہوئی، اور تعلیم کا آغاز ۱۳۵۱ھ میں ہوا جس سے یہ معلوم ہوا کہ تعلیم کی ابتداء سات سال کی عمر میں ہوئی۔ یہی وہ عمر ہے جب بچے کو پڑھانے اور سکھانے کا شریعت مطہرہ نے حکم فرمایا، حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ''اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہوجاویں۔'' گویا کہ وہ اب اس قابل ہوگئے کہ ان کو سکھایا جائے، چونکہ نماز اسلام کا سب سے اہم رکن ہے اور ایسا رکن ہے جس سے اس کو روزانہ پانچ مرتبہ تاحیات سابقہ پڑنا ہے، اس لئے مکلّف ہونے سے قبل ہی اس کی مشق کرادینے کا حکم دیا گیا تاکہ بلوغ کے وقت تک نماز اس کی عادت اور مزاج بن جائے اور پھر تازندگی اس پر کاربند رہے۔

راقم آج کے حالات کے تناظر میں ایک بات اور عرض کرنا چاہتا ہے کہ جس ذات اقدس اور جس شریعت نے ہمیں اتنا مالدار بنایا ہو کہ تعلیم و تعلم اور سیکھنے سکھانے کی عمر تک مقرر کردی ہو اور پھر ہم اپنی اولاد کے سلسلے میں باقاعدہ طور پر تعلیم کا آغاز کرنے میں کہیں اور دیکھیں اور ان طریقوں کو اپنائیں جو انسانی فطرت کے بھی خلاف ہوں اور بچوں کی نفسیات کے بھی، مزید برآں اس کے منفی اثرات ہمارے بچوں کی صحت، مزاج نشو ونما اور ذہن پر بھی پڑ رہے ہوں تو اس کو سوائے بیوقوفی، حماقت اور اپنے دینی اصولوں پر عدم اعتماد کے اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ حضرت خطیب الاسلام کے بچپن کے واقعات کا بہت زیادہ علم راقم کو نہیں ہوسکا کیونکہ اس کا کوئی بہت معتبر ذریعہ میرے پاس نہیں۔ جو چند چیزیں کتابوں میں موجود ہیں ان پر اکتفا کیا گیا۔

بہرحال حضرت خطیب الاسلام کی عہد طفولیت کے یہ چھ سال وہ تھے جن میں ان کو ذہنی طور پر حصول علم کے لئے مکمل مستعد کردیا گیا، کیونکہ آنکھ کھولنے کے بعد وہ اپنے گھر میں اور ماحول میں دینی تعلیم کا دور دورہ دیکھ رہے تھے، اب تو صرف باقاعدہ حضرت کی تعلیم کا آغاز باقی تھا۔ بقول ابوالاثر حفیظ جالندھری:

ابھی لوری نہ دی تھی جنبش دامان مادر نے
کہ دل گرما دیا تھا نعرۂ اللہ اکبر نے[۱]

خاندان صدیقی کی روایات اور خانوادہ قاسمی کے طور طریقوں کے مطابق سب سے پہلے تعلیم کا آغاز حفظ قرآن کریم سے شروع کرانے کا فیصلہ لیا گیا، عام طور پر خاندان صدیقی میں یہ رواج تھا کہ ابتداء بچوں کو حفظ کلام اللہ کی تعلیم دی جاتی تھی، چنانچہ یہی فیصلہ والدگرامی نے حضرت خطیب الاسلام کی تعلیم کے لئے کیا اور عمر کے سات سال پورے ہوجانے کے بعد تعلیم کا آغاز باقاعدہ اکابر دارالعلوم دیوبند واساتذہ کی موجودگی میں کرایا گیا، جس کی تفصیلات یہ ہیں:

آغاز تعلیم اور تسمیہ خوانی

تسمیہ خوانی کا نظام بمع خصوصیات آج تک ہمارے درمیان باقی ہے بعینہ ان ہی خصوصیات کے ساتھ یہ نظام اسی ملک میں آج سے پانچ چھ سو سال پیشتر بھی جاری تھا، چنانچہ فوائد الفواد میں امیر حسن سنجری تحریر فرماتے ہیں کہ

:''شنبہ شانز دہم ماہ محرم ۷۱۶ھ سعادت دست بوسی حاصل شد، بندہ آں روز خرد کہ را از اعزہ پیش برد، عرض داشت کرد کہ ایں را بہ قرآن خواندن فرستادہ شود، اول بخدمت مخدوم آورشدہ است تا بہ برکت نظر مخدوم ونفس پاک خدائے تعالیٰ وزرکند۔''[۲]

ترجمہ: ۱۶؍محرم الحرام ۷۱۶ھ بروز ہفتہ دست بوسی کی سعادت حاصل ہوئی، بندہ اس دن ایک عزیز بچہ کو خدمت میں لے گیا، عرض کیا کہ اس کو قرآن پڑھانے کے لئے بھیجا گیا ہے، پہلے آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے کہ مخدوم کی نظر ثاقب صفت کے صدقے میں اس کو قرآن ارزانی ہو۔

یہی نظام مسلمانوں میں بحمد اللہ اب تک جاری ہے کہ شہر یا قصبہ و گاؤں میں نسبتاً جو زیادہ صاحب دین وعلم ہو بچوں کی تعلیم کا آغاز ان ہی سے کراتے ہیں۔[۳]

---

[۱] شاہنامۂ اسلام حصہ دوم ص ۷ حفیظ جالندھری

[۲] مولانا مناظر احسن گیلانی ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت ص ۳۹۷، ۳۹۶

[۳] خود راقم الحروف اور میرے بھائی جان محترم مولانا ڈاکٹر محمد اویس صدیقی نانوتوی کی تسمیہ خوانی میرے والد محترم حضرت مولانا زکریا صدیقی اور نانے ابا مرحوم حافظ عبدالجمیل صاحب نے شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا کاندھلویؒ (بقیہ)

مذکورہ بالا واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مکتب کی زندگی کا آغاز اکابر وقت کے ذریعہ ہونا کوئی بدعت یا امر محدث نہیں ہے، بلکہ تعلیم و تعلم کی دنیا میں ایک ایسا بابرکت معمول اور نظام ہے جس کی برکتوں کی شہادت قرنوں اور صدیوں نے دی ہے، اسی معمول کے مطابق حضرت خطیب الاسلام کی مکتبی زندگی کا آغاز کچھ اس طرح ہوا:

۱۳۵۱ھ میں حضرت خطیب الاسلام کی عمر ۶ یا ۷ سال رہی ہوگی کہ حضرت حکیم الاسلام نے تمام اساتذہ دارالعلوم کو دفتر اہتمام میں جمع فرمایا، اور وہاں حضرت خطیب الاسلام کی بسم اللہ عارف باللہ حضرت مولانا محمد اصغر میاں صاحب[1] سے کرائی گئی، جس کا نقشہ حضرت خطیب الاسلام نے اپنی زبان مبارک سے اس طرح کھینچا ہے:

(بقیہ حاشیہ۳) سے ۱۹۸۰ء میں ایک ساتھ کرائی تھی اس تسمیہ خوانی سے مقصد یہ تھا کہ حضرت شیخ الحدیث کے علمی و عملی فیوض و برکات ان بچوں میں منتقل ہو جائیں کیونکہ اپنے بزرگوں کی نسبتوں کا منتقل ہونا امر معروف و مشاہد ہے، اولیاء اللہ کے ساتھ رہنے اور ان کی صحبت کے خاص اثرات ہوتے ہیں، جس سے انکار نہ صرف بے ادبی ہے، بلکہ گمراہی کا باعث بھی ہے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے صحبت صالحین وصادقین میں رہنے کی تاکید فرمائی ہے، ارشاد فرمایا: ﴿یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ و کونو مع الصادقین﴾ (سورۃ التوبۃ) اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادقین کی صحبت اختیار کرو۔

[1] حضرت مولانا سید محمد اصغر میاں صاحب دیوبندیؒ جو دارالعلوم دیوبند میں حدیث کے استاذ، بڑے محدث اور بڑے صاحب نسبت وصاحب تقویٰ بزرگ تھے، حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے بھی حدیث کے استاذ تھے، حضرت حکیم الاسلام نے ابوداؤد شریف اور طحاوی شریف مولانا سید اصغر حسین ہی سے پڑھیں تھیں۔ بقول میرے والد محترم حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی نانوتوی رکن مجلس مشاورت دارالعلوم وقف دیوبند ''حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحبؒ راقم الحروف کے دادے ابا حضرت مولانا عبدالسلام صاحب اور ان کے بڑے بھائی حضرت مفتی محمود صاحبؒ نانوتوی مفتی مالوہ و سابق رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند کے بھی حدیث کے استاذ تھے اور میرے دادے ابا حضرت مولانا عبدالسلام صاحب نانوتوی کو گرچہ خلافت حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب مفتی اعظم ہند سے تھی، مگر حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب سے بھی باطنی فیض خوب حاصل کیا تھا۔ اولیاء کاملین میں سے تھے۔ راقم الحروف کے دادا حضرت مولانا عبدالسلام صاحبؒ فرمایا کرتے تھے، کہ ''حضرت میاں صاحب'' مادرزاد ولی تھے، میرے دادا ابا کے اس قول کی تائید حضرت مولانا محمد یاسین صاحب دیوبندی قدس سرہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں ''وہ مادرزاد ولی ہیں۔'' بچپن میں انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، بچے درسگاہ میں طرح طرح کی شرارتیں کرتے، لیکن میاں صاحب ان سے الگ تھلگ رہتے اور کبھی کوئی غلطی ہو جاتی تو کسی تاویل یا انکار کے بجائے صاف لفظوں میں اعتراف کر لیتے۔ حضرت خطیب الاسلام کی تعلیم کا آغاز ایسے اللہ والوں اور اولیاء کاملین کے ذریعہ ہوا جن کے باطنی فیوض حضرت کی طرف متوجہ ہوئے۔

نہ الٹا تھا ابھی مضمون طفلی کا ورق میں نے
لیا تھا بائے بسم اللہ سے پہلا سبق میں نے
ابھی ملبوس گویائی نہ تھا پوری طرح پہنا
کہ سیکھا تھا زبان سے قل ھو اللہ احد کہنا

اکابرین دارالعلوم دیوبند اور جلیل القدر اساتذہ کی موجودگی میں حضرت مولانا سید اصغر حسین رحمۃ اللہ علیہ نے ''رب یسر و لا تعسر'' پڑھا کر تعوذ اور تسمیہ پڑھائی، پھر الف، با کا سبق دیا، ان حضرات اکابرین جیسے حضرت مولانا حسین احمد مدنی، علامہ ابراہیم بلیاوی، مولانا اعزاز علی اور دیگر اکابرین اساتذہ دارالعلوم کی موجودگی میں دعاء ہوئی، تسمیہ خوانی کے بعد حضرت حکیم الاسلام نے فرمایا کہ ''میرا ارادہ یہ ہے کہ حفظ قرآن کریم کرایا جائے، بعض بزرگوں نے فرمایا کہ بچہ بہت کمزور ہے، لیکن حضرت حکیم الاسلام نے اس پر فرمایا کہ ''کمزوری اور قوت کا کوئی دخل نہیں، بلکہ یہ تو اللہ کی عنایت سے ہوتا ہے، اس میں آدمی رہ جائے تو ٹھیک ہے، نہ رہے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں، بہر حال میرا عزم یہ ہے۔''[1]

حضرت حکیم الاسلام کے اس ایمان افروز جملے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کے یہاں انتہائی رحمت ولطف وعنایت کا معاملہ ہونے کے ساتھ ایمانی صلابت کس حد تک تھی، کہ قرآن کے حفظ کے سلسلے میں اگر جان بھی چلی جائے تو کوئی غم نہیں، لیکن قرآن کا حفظ ضروری ہے دراصل اپنے جد امجد سیدنا ابوبکر صدیق کی دین کی حفاظت کے سلسلے میں صلابت اور اصابت رائے کا حصہ ہے، جنہوں نے یہ جملہ فرما کر کہ ''أینقص الدین وأنا حي'' قیامت تک آنے والے دنیا بھر کے صاحب ایمان لوگوں کو غیرت دلائی ہے، کہ دین اور نفاذ شریعت کے سلسلے میں کوئی سمجھوتہ نہیں، رحمت اور لطف اور نرمی اپنی جگہ، لیکن جب معاملہ دین کا آجائے، قرآن اور شریعت مطہرہ کا آجائے تو پھر کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی، صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر کے بعد اپنے بیٹے سے کہہ دیا تھا کہ بیٹے تو نے مجھے چھوڑ دیا باپ سمجھ کر، لیکن قسم خدا کی اگر اللہ کے دین کی حفاظت اور اعلائے کلمۃ الحق کرتے

---

[1] یہ تمام تفصیلات راقم کو حضرت خطیب الاسلام نے ایک مجلس میں اس وقت بتلائیں جب راقم نے آپ سے آپ کی ابتدائی تعلیم کے متعلق معلوم کیا۔ سوال کا جواب دیتے ہوئے حضرت کے چہرہ پر ایک خاص قسم کی بشاشت تھی کہ جیسے حضرت خود اس نورانی محفل کو سامنے دیکھ رہے ہوں۔

ہوئے بدر کے دن تو میری تیغ کے نیچے آجاتا تو میں یہ نہ دیکھتا کہ تو میرا بیٹا ہے، بلکہ تو مجھے صرف اللہ اور اس کے رسول کا دشمن نظر آتا اور میں تجھے نہ چھوڑتا۔

تو گویا حضرت خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمی دامت برکاتہم العالیہ کی تسمیہ خوانی کرانے میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی، حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب اور حضرت حکیم الاسلام وغیرہم شریک رہے اور اس طرح مشائخ اور اہل اللہ کی موجودگی میں مکتب نشینی کی مبارک تقریب عمل میں آئی۔ یہ تسمیہ خوانی ان صاحب دل اساتذہ دارالعلوم دیوبند کی موجودگی میں ہوئی جس وقت دارالعلوم کے مہتمم سے لے کر نچلے درجے کے ملازمین تک تہجد گزار ہوتے تھے یقیناً ان تمام لوگوں نے دعاؤں سے نوازا ہوگا، یہ اپنے آپ میں حضرت خطیب الاسلام کی بہت بڑی خصوصیت تھی اور آغاز بتا رہا تھا کہ انجام انتہائی شاندار ہونے والا ہے۔

درجۂ حفظ کلام اللہ میں داخلہ

والد گرامی کے حفظ کے سلسلے میں عزم بالجزم کے بعد حضرت خطیب الاسلام کو پیر جی شریف صاحب گنگوہی جو دارالعلوم دیوبند میں درجۂ حفظ کے میں استاذ تھے، ان کے یہاں داخلہ کروایا گیا، پیر جی شریف احمد صاحب انتہائی خدا ترس بزرگ تھے، اور حضرت مولانا حافظ احمد صاحب حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خدام میں سے تھے، اور مستقل طیب منزل ہی میں مقیم تھے، ان کے پاس قرآن کریم حفظ کرنا شروع کیا، شاعر اسلام حفیظ جالندھری مرحوم کے مندرجہ ذیل اشعار ان پر صادق آتے ہیں۔

مرا استاذ حق آگاہ تھا مردِ مسلماں تھا
پرستار خدائے پاک تھا پابندِ قرآں تھا
محبت نے سکھائی تھی تمیز خوب و زشت اس کو
نظر آتا تھا صحرائے عرب باغِ بہشت اس کو
عمل تھا تابع فرمانِ قرآن شریف اس کا
رہا وقفِ ریاضت عمر بھر جسم نحیف اس کا

نظر ڈالی نہ تھی اس نے کبھی اسباب زینت پر
خدا رحمت کرے اس پاکباز و پاک طینت پر[۱]

پیر جی احمد شریف صاحب کو حق تعالیٰ شانہ نے قرآن کریم کا خصوصی ذوق عطا فرمایا تھا، جید حفاظ میں آپ کا شمار ہوتا تھا، پانی پتی لہجہ میں قرآن کریم سناتے تو سماں بند جاتا، اسی کے ساتھ ساتھ خاص بات پیر جی صاحب کی یہ تھی کہ کیسا ہی بدذوق اور شرارتی طالب علم آپ کے پاس آجاتا اس کو چلا دیتے اور حافظ قرآن بنا دیتے، تحفیظ قرآن کا خاص ملکہ اللہ نے ان کو عطا فرمایا تھا، لیکن ابھی حضرت خطیب الاسلام کا قرآن کریم مکمل نہیں تھا کہ استاذ محترم کا وقت موعود آگیا اور ان کا انتقال ہوگیا، جو لوگ اپنے بچوں کو قرآن کریم حفظ کراتے ہیں وہ یہ بات خوب اچھی طرح جانتے ہیں کہ دوران حفظ استاذ کے بدل جانے سے کس قدر دشواری ہوتی ہے، اور بچے اکثر اسی بنا پر حفظ قرآن کریم کی دولت عظمیٰ سے محرومی کا شکار ہوجاتے ہیں، الا یہ کہ والدین خود حافظ ہوں، یا بہت ہی باشعور ہوں، اس بات سے معلوم ہوتا ہے کہ کہیں نہ کہیں حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ بھی حضرت خطیب الاسلام کو حفظ کرانے میں بذات خود شریک تھے، واللہ اعلم، بہرحال ان کے انتقال کے بعد حضرت خطیب الاسلام حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے درجۂ تحفیظ قرآن سے وابستہ ہوگئے اور ان کے یہاں ہی حفظ کی تکمیل فرمائی، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی صاحب کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں درجۂ حفظ میں بطور استاذ ہوا تھا لیکن بعد میں دارالعلوم دیوبند کے پہلے نائب مہتمم پھر مہتمم کے باوقار منصب پر فائز ہوئے، آپ کو حق تعالیٰ شانہ نے غیر معمولی فطری صلاحیتوں سے نوازا تھا، بقول حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کہ

''انتظامی مصروفیت کی بنا پر آپ کا علمی اور عملی مقام لوگوں پر واضح نہ ہوسکا، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ علمی اور عملی دونوں حیثیتوں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو عجیب کمالات عطا فرمائے تھے۔''[۲]

حضرت شیخ الاسلام مفتی تقی عثمانی دامت برکاتہم العالیہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن کے متعلق اپنے والد حضرت مفتی شفیع عثمانی صاحبؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی قدس سرہ کو انتظامی صلاحیت اور سیاسی سوجھ بوجھ اس قدر

---

[۱] ماہنامہ اسلام، حفیظ جالندھری ص ۷، ۸ حصہ دوم
[۲] نقوش رفتگاں، تالیف مفتی تقی عثمانی صاحب ص ۲۳۶

غیر معمولی عطا فرمائی گئی تھی کہ درحقیقت وہ وزیر بننے کے لائق انسان تھے، دارالعلوم دیو بند پر سخت سے سخت وقت آئے، بڑی بڑی شورشیں اٹھیں، لیکن میں نے اس بندہ خدا کو کبھی ہراساں یا پریشان نہیں دیکھا، سنگین سے سنگین حالات میں بھی ان کے اطمینان اور خود اعتمادی میں کبھی فرق نہیں آتا دیکھا۔[۱]

ان کا ہی ایک واقعہ حضرت مفتی شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے کہ: ایک مرتبہ دارالعلوم دیو بند کی انتظامیہ کے خلاف ایک شدید طوفان کھڑا ہوا جس میں بعض لوگ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی جان تک کے دشمن ہوگئے، ان حالات میں بھی مولانا کھلی چھت پر تن تنہا سوتے تھے، حضرت مفتی شفیع صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضرت! ایسے حالات میں آپ کا اس طرح سونا مناسب معلوم نہیں ہوتا، آپ کم از کم کمرے کے اندر ہی سوجایا کریں، لیکن مولانا نے بڑی بے نیازی کے ساتھ ہنس کر فرمایا: ''ارے میاں میں تو اس باپ (یعنی سیدنا حضرت عثمان غنیؓ) کا بیٹا ہوں جس کے جنازے کو اٹھانے والے چار آدمی بھی میسر نہ آئے اور جسے رات کے اندھیرے میں بقیع کی نذر کیا گیا۔ لہٰذا مجھے موت کی کیا پرواہ ہوسکتی ہے۔[۲]

یہ وہ مرد خود آگاہ تھا جس سے حضرت خطیب الاسلام کو حفظ قرآن کی تکمیل کا شرف حاصل ہوا اور ظاہری و باطنی استفادہ کا موقع ملا۔[۳]

حفظ کی درسگاہ کا ماحول

حضرت خطیب الاسلام اپنے حفظ اور درسگاہ کے ماحول کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہماری درسگاہ میں عجیب ماحول تھا، وہ گلشن وہ فردوس جس میں خود میں اور میرے ہم سن جھوم جھوم کر قرآن کریم یاد کرتے، شکستہ بوریے پر بیٹھ کر سامنے رحل اور قرآن کریم رکھا رہتا، اذان عصر ہوتے ہی دفعتہً خاموش ہوجاتے، استاد کی آمد سے قبل میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہنستا کھیلتا اور کبھی ان کو اپنا

[۱] تذکرے، حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب ص ۲۳۷

[۲] ماخوذ از اکابر دیو بند کیا تھے ص ۶۸

[۳] یہ تمام تفصیلات راقم الحروف نے حضرت خطیب الاسلام سے براہ راست سنی ہیں، حضرت پیر جی احمد شریف صاحب گنگوہیؒ کا خطیب الاسلام کے حفظ کے دوران ہی انتقال ہوگیا تھا، اس لئے تکمیل حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانیؒ کے پاس فرمائی۔

سبق سناتا اور کبھی آموختہ سنتا اور سناتا۔ بقول حفیظ جالندھری

تصور میں ہے اب تک صحن مسجد کا وہ نظارہ
اُدھر استاد اِدھر میں درمیاں رحل اور سی پارہ
شکستہ بوریئے پر ہم سنوں کا بیٹھنا مل کر
وہ ہر سادہ خوشی پر سب کا ہنسنا خوب کھل کھل کر
سبق سے پیشتر قرآن کو جھک کر چومتے جانا
وہ کیف انگیز قرأت کے اثر سے جھومتے جانا
وہ آواز اذاں پر دفعتہً خاموش ہوجانا
صفیں آراستہ کرنا ہمہ تن گوش ہوجانا
مقدس تھے وہ سب چرچے، مقدس تھیں وہ سب باتیں
وضو ورد و وظائف نمازیں اور مناجاتیں[۱]

بہرحال یہ وہ یادیں ہیں جو ہر اس خوش نصیب شخص سے وابستہ ہوجاتی ہیں جو اس نظام سے پڑھ کر نکلتا ہے، حضرت خطیب الاسلام کی تو بات ہی دیگر ہے ان کی تو آنکھ ہی اس نظام اور گھرانے میں کھلی جہاں ہر موقع اور ہر لمحہ یادگار ہے، ان سے اپنے اسلاف اور بزرگوں کی یادیں وابستہ ہیں، اس درسگاہ کی بھی یقیناً شان ہی نرالی ہوگی جس میں پڑھنے والا طالب علم خطیب الاسلام ہو اور پڑھانے والا استاذ مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانی ہوں، جن میں نظم ونسق اور انتظام وانصرام کی حق تعالیٰ شانہ نے غیر معمولی صلاحیت رکھی تھی، ادھر خطیب الاسلام کی حصول علم کے سلسلے میں لگن جس کی وجہ استاذ کی توجہ لابدی ویقینی طور پر ان کی طرف متوجہ ومبذول ہوئی ہوگی اس کے اثرات خود راقم الحروف نے بارہا محسوس کئے ہیں دارالعلوم دیوبند کے زمانہ طالبعلمی میں بہت سی مرتبہ حضرت خطیب الاسلام کی اقتداء میں جامع مسجد دیوبند میں جمعۃ المبارک کی نماز پڑھنے کی سعادت ملی، بے شک آواز حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے ایک عطیہ ہے، لیکن وہ سوز وگداز اور باطنی کیفیات حضرت والا کی تلاوت کلام اللہ کے وقت محسوس ہوئیں ان کو میں الفاظ کا جامہ نہیں پہنا سکتا، سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب عثمانیؒ کی وہ باطنی کیفیات اور ان کا سوز دروں تھا جو منتقل

[۱] شاہنامہ اسلام حفیظ جالندھری ص ۸

ہوا، حضرت کا قرآن سن کر بھائی جان نے مجھ سے فرمایا کہ آج قرآن کریم سن کر اپنے خاندانی بزرگوں کی یاد تازہ ہوگئی، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ قرآن کریم نازل ہورہا ہے۔ حضرت خطیب الاسلام نے ''سورۃ الاعلیٰ'' اور ''سورۃ الغاشیۃ'' کی تلاوت فرمائی تھی۔

تکمیل حفظ قرآن کریم وتقریب سعید بر حفظ قرآن کریم

حفظ قرآن کی سعادت تقریباً سوا دو سال میں حاصل کی اور دہرانے میں پورے تین سال لگ گئے۔ اس تین سال کی مدت میں خود استاذ نے یہ سند دے دی کہ بس اب تم خود نوافل میں اہتمام کرلیا کرو، حفظ کے بعد سات آٹھ ماہ میں خطیب الاسلام نے قرآن کریم میں اس قدر محنت فرمائی کہ روزانہ تسلسل کے ساتھ بغیر کسی غلطی کے تین پارے سنانے کا معمول بن گیا۔

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے حفظ قرآن کریم کی زبانی سند ملنے پر والد گرامی انتہائی مسرور ہوئے، کیونکہ حفظ قرآن کریم کی یہ عظیم دولت ہر کس وناکس کو نہیں ملتی بلکہ یہ بیش بہا عظیم دولت قرآن اس کے سینے میں محفوظ ہوتی ہے جس کے ساتھ توفیق من اللہ شامل حال ہوجاتی ہے اور توفیق خداوندی بغیر لگن اور تڑپ کے نصیب نہیں ہوتی، آج ہم لوگ اپنے بچوں اور آنے والی نسلوں میں وہ تڑپ پیدا کرنے سے قاصر ہیں جس تڑپ اور لگن کی وجہ سے ہمارے اسلاف میں بچپن ہی سے توفیق خداوندی شامل حال ہوجایا کرتی تھی، کہیں نہ کہیں ہماری اور ہماری ماؤں کی تربیت میں نقص ضرور آیا، بقول شاعر:

نہ وہ عشق میں رہی گرمیاں نہ وہ حسن میں رہیں شوخیاں
نہ وہ غزنوی میں تڑپ رہی نہ وہ خم ہے زلفِ ایاز میں

بہرحال یہ ہم سب کے لئے لمحۂ فکر یہ ہے کہ جن کے اسلاف کے یہاں بنیادی تعلیمی لیاقت حفظ قرآن کریم تھی آج ان کی اولادیں قرآن کریم سے اتنے دور ہوگئے کہ صحیح ادائیگی وتلفظ کے ساتھ قرآن کریم نہیں پڑھ سکتے، راقم الحروف کا مقصد حاشا وکلا کسی پر کوئی تعریض نہیں، اندرونی کڑھن ہے جو نوکِ قلم پر آگئی۔

ہوسکتا ہے کہ اس سوزش دروں کو محسوس کرکے ہم اور ہماری نسلیں اپنے اسلاف سے ملنے والی اصل وراثت اور کھوئی ہوئی دولت کو دوبارہ تلاش کرلیں ورنہ اگر یہی حال رہا تو آنے والی نسلیں ہمیں

ہرگز معاف نہیں کریں گے، بقول علامہ اقبال

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیارہ
گنوادی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریا سے زمیں پر آسماں نے ہم کو دے مارا

بہر حال حضرت حکیم الاسلام کے لئے حقیقی مسرت کا موقع اور مقام تھا کہ دولت حفظ قرآن صاحبزادے کو نصیب ہوئی، اسی مناسبت سے حضرت حکیم الاسلام نے ایک مبارک تقریب ''طیب منزل'' میں منعقد فرمائی، جس میں دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ اور دیگر اولیاء اللہ نے شرکت فرمائی، میں نے اپنی نانی اماں سے سنا ہے کہ اس موقع پر حضرت حکیم الاسلام نے بیان بھی فرمایا تھا اور آیت مبارکہ یعنی

﴿قل بفضل الله وبرحمته فبذلک فليفرحوا هو خير مما يجمعون﴾ (سورۃ یونس:۵۸)

کی تلاوت فرمائی اور نعمت قرآن ملنے پر جشن قرآن کی مبارک تقریب کے سلسلے میں نہایت اہم اور مفید تقریر فرمائی۔ تکمیل حفظ قرآن کریم کے مبارک موقع پر تقریب کا انعقاد ایک انتہائی مبارک عمل ہے جس کو رواج دینے کی ضرورت ہے، تاکہ لوگوں میں حفظ قرآن کریم کی ترغیب ہو، بہر حال تحفیظ القرآن کی تکمیل پر تقاریب کے انعقاد کا اہتمام کرنا بقول والد محترم خانوادۂ قاسمی کی خصوصیات میں سے ہے۔

حضرت خطیب الاسلام نے بہت چھوٹی عمر میں ہی قرآن کریم حفظ کرلیا تھا۔ جہاں تک راقم الحروف کا خیال ہے کہ تکمیل حفظ کے وقت حضرت کی عمر ساڑھے نو یا دس سال رہی ہوگی، خاندان صدیقی نانوتہ میں یہ نظام صدیوں سے چلا آرہا تھا کہ اگر کسی کے لڑکا ہوتا تو اس کی بنیادی تعلیم حفظ قرآن ہی کو سمجھا جاتا، گویا کہ یہ بات ہمارے خاندان میں معیوب سمجھی جاتی کہ کسی کے لڑکا ہو اور وہ حافظ قرآن نہ ہو۔ جیسا کہ امیر احمد[1] عشرتی نانوتویؒ نے بھی اس کی وضاحت کئی مقامات پر فرمائی۔ حضرت سے عاجز نے سوال کیا تھا کہ حضرت آپ نے کتنی محرابیں سنائیں، حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ میں نے مسلسل ۲۹ محرابیں سنائیں۔ ۲۴ محرابیں جامع مسجد دیوبند میں، پانچ محرابیں دارالعلوم دیوبند کی قدیم مسجد میں اور ایک محراب خانقاہ رائے پور میں اور ہندوستان کے مختلف علاقوں میں قرآن کریم تراویح میں سنایا، ان سب کو ملا کر ۲۹ محرابیں سننانے کی سعادت میسر آئی۔

[1] خاندان صدیقی نانوتہ کے قلمی شجرہ کے مرتب مفتی محمود نانوتوی سے قبل یہی حکیم امیر احمد عشرتی نانوتوی تھے۔

حضرت خطیب الاسلام کی بلند قامت شخصیت میں اساتذۂ دارالعلوم کا کردار

حضرت خطیب الاسلام کی بلند قامت شخصیت کے تعمیری پہلوؤں کے حوالے سے گفتگو کا آغاز اس بات سے کیا گیا تھا کہ کسی بھی انسان کی تعمیر اور تعلیم وتربیت کی مختلف تعلیمی ایجنسیاں ہوتی ہیں، مثلا والدین، گھر کا ماحول، آس پاس کا ماحول، اسی طرح مدرسہ یا اسکول کا کردار وغیرہ، جہاں گھر کا ماحول تعمیر شخصیت میں بہت مؤثر کردار ادا کرتا ہے وہیں آس پاس کا ماحول بھی شخصیتوں کی تعمیر و تخریب میں بنیادی کردار ادا کرتا ہے، حضرت خطیب الاسلام کے آس پاس کا ماحول بھی تعلیم وتربیت کے لحاظ سے بہت موزوں اس لئے تھا کہ آپ کے زمانۂ طفولیت میں طیب منزل علماء کرام کی تربیت گاہ تھی، اور دنیا بھر سے آنے والے تشنگان علوم نبوت کے لئے ماٴوی وملجا ہونے کے ساتھ ساتھ دارالعلوم جیسے مؤقر ادارے سے والد گرامی کے خادمانہ اور معمارانہ تعلق ہونے کی وجہ سے بڑے بڑے اصحاب علم کا بھی مرجع بنا ہوا تھا، جہاں طیب منزل کے باہری حصہ میں دن ورات مہمانان رسول کا قیام تھا، (جس کا سلسلہ ابھی بھی جاری ہے) وہیں ہر آن اور ہر لحظہ وہاں علماء وارثین انبیاء اور تشنگان علوم نبوت کا ورود اپنی مختلف تعلیمی، دعوتی اور انتظامی ضرورتوں کے پیش نظر ہوتا رہتا تھا، اور وہ مبارک طیب منزل مرجع خلائق تھی۔

ظاہر بات ہے کہ یہ انفرادی شان رکھنے والے گھرانے کے بچے کے ذہن ودماغ پر ایسے پاکیزہ ماحول کا اثر پڑتا ہے، اور بچے بھی آنے جانے والے لوگوں کی صحبت اور آمد ورفت سے متاثر ہوتے ہیں، حضرت خطیب الاسلام نے اپنے ابتدائی دور ہی سے جس کسی کو بھی آتا دیکھا اس کو دین کے تعلق سے، دارالعلوم کے تعلق سے، دعوت کے تعلق سے خادمانہ آتے ہوئے دیکھا، اور اپنی والد گرامی کو آنے والوں کا مرجع اور محور بنا ہوا دیکھا، اب جو حضرات بھی اس وقت آتے تھے وہ سب دین اور علم ہی کے تعلق سے آتے تھے، پھر ان کی علمی مجلسیں ہوتی تھیں، جس سے ذہن کے افق وسیع سے وسیع تر ہوتے جاتے ہیں، اور مجلس کے آداب وطور طریقے، علماء اور اہل علم کا ادب اور ان کے ساتھ تواضع طبیعت کا حصہ بن جاتا ہے۔

بہرحال، گھر کا ماحول کتنا بھی تعلیمی ہو کتنا بھی تعلیم کے لئے سازگار ہو، لیکن اس کے باوجود باقاعدہ تعلیم کی ضرورت مسلم ہے، کہ بچے کو علوم ومعارف، علمی وفنی مہارتیں پیدا کرنے کے لئے

اساتذہ اور تعلیم گاہ کی ضرورت ہوتی ہے، اس لئے با قاعدہ تعلیم کے سلسلے میں بھی خانوادہ قاسمی کے اصول کے مطابق دینی تعلیم دلوانے کا فیصلہ کیا گیا، اور حفظ کلام اللہ کے بعد با قاعدہ داخلہ دارالعلوم کے فارسی خانے میں کرادیا گیا۔

حضرت خطیب الاسلام کی بلند قامت شخصیت کی علمی، ادبی ساخت و پرداخت میں دارالعلوم دیوبند کا اور اساتذہ دارالعلوم دیوبند کا بھی بڑا کردار ہے، کیونکہ حضرت والا کی ساری تعلیم از اول تا آخر دارالعلوم ہی میں ہوئی، وہ دارالعلوم دیوبند جو اہل سنت والجماعت کا برصغیر میں سب سے بڑا علمی، دینی اور دعوتی مرکز ہے، اور جو فی الواقع ام المدارس والمراکز ہے اور بقول حضرت حکیم الاسلام ایک الہامی ادارہ ہے، جس کا قیام ایک ایسے وقت میں اللہ نے حضرت نانوتوی اور ان کے رفقاء کے دل میں ڈالا، جس وقت ہندوستان سے مسلمانوں اور اسلام کو مٹانے کے منصوبے انگریز اور دشمنان اسلام بنا کر ان کو عملی جامہ پہنانا شروع کر چکے تھے اور قریب تھا کہ سرزمین ہندوستان میں بھی مسلمانوں کے ساتھ روس اور اندلس کی تاریخ دہرائی جائے، دوسری طرف ہندوستان میں فکر اسلامی کا اہل سنت والجماعت کے طرز پر احیا کرنے والے مسند الہند شاہ ولی اللہ کے یا ان کے صاحبزادگان کے فیض یافتگان دنیا سے جا چکے تھے، یا پھر ہجرت کر کے حجاز مقدس کی طرف روانہ ہو رہے تھے، اس وقت فکر ولی اللہی جس نے دین کو معقولات کے رنگ میں پیش کرنے کا اہم ترین فریضہ انجام دیا تھا، اس کی محسوسات کی شکل میں اس امتیاز کے ساتھ پیش کرنے کا بیڑا حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، بانی دارالعلوم دیوبند اور ان کے رفقاء وتلامذہ اٹھا چکے تھے کہ ابتداءً وہ کسی بھی منکر اسلام کو دینی امور نہ محسوس ہوں بلکہ مسلمات اسلام کو اس رنگ میں پیش کیا جائے کہ وہ محسوسات کا جامہ بھی پہن لیں، اور ابتداءً کسی کو بھی یہ نہ لگے کہ یہ کوئی دین اور مذہب کی تبلیغ کر رہا ہے، لیکن جب بات منکر اسلام کی سمجھ میں آجائے تو اس کو بتلا دیا جائے کہ یہی تو اسلامی عقائد اور مسلمات ہیں جن کے تم منکر تھے، دینی مسلمات کو اس رنگ میں پیش کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کیونکہ دینی تعلیم کے مراکز ختم ہو چکے تھے، اور انگریز اپنے ساتھ انکار خدا پر مبنی تہذیب لے کر آرہا تھا۔ (ان تمام باتوں کی تفصیلات کے لئے رجوع کریں مقدمہ تاریخ دارالعلوم، از حضرت حکیم الاسلام)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ دارالعلوم کا فکری مزاج ولی اللہی ہے جو بعد کے زمانے میں حکمت قاسمیہ کی شکل میں ظاہر ہوا اور پھر قیام دارالعلوم نے جس کو لازوال بنا دیا، جس کا مطلب یہ ہوا کہ

حضرت خطیب الاسلام کا مزاج اور طبیعت بھی فکر قاسمی کے مخصوص دعوتی، تعلیمی، دینی اور قائدانہ رنگ میں رنگی ہوئی تھی، جس کا امتیاز تعلیم وتعلم اور سو فیصد نافعیت ہے، فکر ولی الٰہی کی انتہائی ترقی یافتہ شکل فکر قاسمی کو امت میں دین کی صحیح تعبیر اور تشریح کے سلسلے میں تلقی بالقبول حاصل ہوا، جس کی اصل وجہ اکابر دارالعلوم کا تعلق مع اللہ، اتباع سنت کا ذوق، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی عدالت پر مکمل اعتماد، فہم دین اور شریعت میں سلف صالحین کی تعبیرات وتشریحات کا خیال، رسوخ فی العلم انتہائی درجے کی تواضع اور کسر نفسی اور ہر حال میں اظہار عجز واظہار عبدیت ہے، جس کی دلیل تحریک دیوبند اور دارالعلوم کی عند اللہ اور عند الناس مقبولیت عامہ وتامہ ہے، جس کی وجہ سے اس ادارے کا فیض تمام براعظموں میں پہنچا، اور پوری آب وتاب کے ساتھ اسی طرح بحمد اللہ جاری وساری ہے۔ (**اللهم زد هذه الدار شرفا و تعظيما**)

ان تمام باتوں کا مطلب یہ ہے کہ حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ کی بلند قامت شخصیت فکر قاسمی میں رنگی ہوئی ہے، اور تعلیم و دعوت دین، دین کی صحیح تعبیر وتشریح، امت کی خیر خواہی اور فکر، انسانیت کے لئے نفع مندی، فکر کا توازن و اعتدال، اصابت رائے، ذکر وفکر، تعلق مع اللہ، اتباع سنت، تبلیغ دین کی مسلسل کوششیں، مدعووین کے ساتھ رحمت، راہ دعوت میں پہنچنے والی ایذاؤں پر صبر، تمام حالات میں استقامت اور جہد مسلسل ان کی شخصیت کے نمایاں پہلو ہیں، جن کا تذکرہ آگے آرہا ہے، یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جس وقت حضرت خطیب الاسلام دارالعلوم دیوبند سے بحیثیت طالب علم وابستہ ہوئے، اس وقت دارالعلوم کا حال یہ تھا کہ یہاں کا ہر ایک فرد، مہتمم سے لے کر نچلے درجے کے ملازمین تک تہجد گزار تھے۔

حفظ قرآن کریم مکمل فرما لینے کے بعد حضرت خطیب الاسلام کو دارالعلوم دیوبند کے درجہ اول[1] فارسی خانہ میں داخل کرادیا گیا، جیسا کہ اس کی وضاحت خود حضرت خطیب الاسلام نے ان الفاظ میں فرمائی: ''اس کے بعد (حفظ قرآن کے بعد) میرا داخلہ درجہ فارسی میں ہوا۔''[2]

جس میں ایک کتاب حضرت مولانا یٰسین صاحب سے بھی پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، یہ

---

[1] ۱۳۵۶ھ میں چند جدید عمارتیں تعمیر ہوئی، پہلی عمارت درجہ فارسی کی تھی، یہ وہ درسگاہ ہے جو اس درجے کی قدیم درسگاہوں کے قریب شیخ سعدی علیہ الرحمہ کی یادگار کے طور پر 'یادگار سعدیؒ' کے نام سے موسوم ہوئی۔

[2] بیاض خطیب الاسلام دامت برکاتہم العالیہ

بھی حسن اتفاق ہے کہ حضرت خطیب الاسلام کے والد ماجد حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فارسی کی تمام کتابیں حضرت مولانا یٰسین صاحبؒ سے ہی پڑھی تھیں۔ مفتی شفیع صاحب کے والد گرامی[1] جو اس وقت درجہ فارسی کے صدر المدرسین تھے، کچھ ہی عرصہ اور وقفہ گذرا ہوگا کہ حضرت مولانا یٰسین صاحب کی وفات ہوگئی۔

وہ فارسی نظم ونثر دونوں میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ اس وقت نظام برعکس تھا، پہلے داخلہ ہوتا تھا ۵ ویں کلاس میں، اس کے بعد چوتھی کلاس میں، اس طرح سب سے آخر میں پہلی کلاس تھی۔ ان

[1] اس وقت حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب (م ۱۳۵۵ھ) دارالعلوم میں درجہ فارسی کے استاذ تھے اور فارسی میں بڑی مہارت رکھتے تھے، مولانا موصوفؒ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی سابق مفتی اعظم پاکستان کے والد بزرگوار تھے۔ آپ دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۰۸ھ سے لے کر ۱۳۵۵ھ تک فارسی کے استاذ رہے، آپ کی ایک خصوصیت تو یہ ہے کہ آپ کو دارالعلوم دیوبند کا شروع کا دور بالفاظ دیگر دارالعلوم دیوبند کا قرن اول نصیب ہوا جس میں آپ کو حضرت محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ کے فیوض و برکات سے خوب استفادہ کا موقع نصیب ہوا، آپ نے ان ہی بابرکت اکابر علماء کی خدمت میں رہ کر تعلیم وتربیت پائی اور پھر ان ہی حضرات کے زیر سایہ رہ کر دارالعلوم دیوبند کی تعلیمی خدمات میں مشغول ہوگئے۔ اور دارالعلوم دیوبند میں چالیس برس سے زیادہ تدریسی خدمات انجام دیں، فارسی کی نہائی کتابوں کا درس آپ نہایت شوق اور جانفشانی اور کامل تحقیق سے پڑھاتے تھے، اس طرز پر سکندر نامہ اور قصائد عرفی اور نثر ظہوری کامل تحقیق سے پڑھاتے تھے، اس طرز پر سکندر نامہ اور قصائد عرفی وسہ نثر ظہوری وغیرہ کا درس نہایت شاندار درس ہوتا تھا، ان کے درس کی ایک نمایاں خصوصیت یہ بھی تھی کہ طلبہ میں شروع ہی سے حق تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول اللہ ﷺ کی محبت اور بزرگان دین کی عقیدت جاگزیں ہوجاتی تھی، حضرت مولانا کے یہاں پابندئ شریعت، آداب طریقت اور ادائے اعمال وعبادات پر بہت زور تھا، وعظ ونصیحت اور اصلاح وطریقت کا سلسلہ آخر وقت تک جاری رہا، دیوبند میں تعلیم یافتہ لوگوں میں ایسے بہت کم لوگ ہوں گے جو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ درس سے مستفید نہ ہوئے ہوں۔

دارالعلوم دیوبند میں تعلیمی مصروفیت کے ساتھ ساتھ آپ کو کتب بینی اور تصنیف وتالیف کا بھی کس قدر شغل ضرور رہتا تھا، اس دوران رسائل اور اخبارات میں اپنے دینی واصلاحی مضامین اکثر شائع کراتے رہتے اور بعض نظریات باطلہ پر بھی زبردست رد فرمایا کرتے تھے۔ آپ کو حضرت گنگوہی سے عشق کی حد تک محبت وعقیدت تھی ان ہی کے ارشادات اور ہدایات کے مطابق زندگی بسر کی اور سلوک وتصوف کے منازل طے کئے۔ ماہ صفر ۱۳۶۶ھ میں انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون (دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات، حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب کی کتاب سے ماخوذ)

اس وقت حضرت خطیب الاسلام کے علاوہ شاید ہی اپنے بزرگان دین میں کوئی ایسا باقی ہو جس نے حضرت مولانا یٰسین صاحب دیوبندی سے براہ راست استفادہ کیا ہو۔

چارسالہ درجات کے نصاب کو مکمل کرنے کے بعد الحمدللہ، حق تعالیٰ شانہ نے ذوق دیا تھا، جس کی وجہ سے خلیفہ محمد عاقل کے یہاں ہی ہماری فارسی اتنی اچھی اور ہمارے اندراس قدر استعداد پیدا ہوگئی تھی کہ اس زمانہ میں فارسی نظم بلاتکلف کہنے لگا تھا، اور نثر میں مضمون نگاری تو بآسانی کر لیتا۔[1]

خطیب الاسلام کے اس بیان اوراس سابقہ تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کو فارسی زبان وادب کا خصوصی ذوق اساتذہ کرام کی توجہات اور خودان کی اپنی لگن کی وجہ سے نصیب ہوا تھا، اور حضرت نے دیگراساتذہ کے علاوہ حضرت مولانا خلیفہ محمد عاقل صاحب[2] رحمۃ اللہ علیہ سے خصوصی استفادہ کیا تھا۔ اس سے اندازہ ہوا کہ علمائے دیوبند نے فارسی کو مدارس اسلامیہ میں باقی رکھ کر کس قدر اہم علوم سے محروم ہونے سے بچالیا، تصوف وشریعت اوراسلامی علوم کے اہم ترین ذخیرے ہمارے پاس بحمداللہ آج تک محفوظ ہیں ورنہ مولانا رومیؒ اور شیخ عطارؒ اور خاص طور پر گذشتہ آٹھ سوسالہ ہندوستان کا ماضی اوراس کی تہذیب سے ہمارا رشتہ بالکل منقطع ہوجاتا، راقم الحروف کو دوہی سال فارسی زبان پڑھنے کا موقع ملا جس کی وجہ سے بحمداللہ فارسی زبان بآسانی سمجھ میں آجاتی ہے، حضرت خطیب الاسلام کو تو باقاعدہ چارسالہ نصاب مکمل کرنے اورفن کے کاملین اساتذہ سے استفادہ کا موقع ملا پھراسی اعتبار سے ان حضرات کو فارسی زبان وادب کا ذوق نصیب ہوا، اللہ رب العزت ہمارے مدارس اسلامیہ کے بانیان اوران کے ذمہ داران کو جزائے خیر عطافرمائے۔

حضرت کے فارسی خانہ میں دیگراساتذہ کے اسماء گرامی

حضرت مولانا خلیفہ عاقل کے علاوہ جن حضرات اساتذہ کرام سے حضرت خطیب الاسلام نے استفادہ کیا ہے، ان میں حضرت مولانا سید حسن صاحبؒ، حضرت مولانا ظہیر صاحب اور ماسٹر کلن صاحب وغیرہم کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں جن سے آپ نے ''فارسی خانہ'' میں پڑھا۔

---

[1] حضرت مولانا شاہد صاحب خادم خاص حضرت خطیب الاسلام نے حضرت کی زندگی کا مختصر خاکہ لکھا ہے یہ مضمون اسی سے مقتبس ہے اور یہ مختصر خاکہ حضرت کی زبانی سن کر لکھا۔

[2] حضرت مولانا خلیفہ محمد عاقل صاحب شعبہ فارسی کے صدرالمدرسین تھے، دارالعلوم دیوبند میں اس شعبہ فارسی کو فارسی خانہ کہا جاتا تھا۔ مولانا کو فارسی زبان وادب کا خاص ذوق من جانب اللہ عطا ہوا تھا، انہوں نے یہ فن اپنے استاذ حضرت مولانا یٰسین صاحب سے بطور خاص سیکھا اور فارسی زبان وادب میں مکمل دستگاہ حاصل کی، پھران سے حضرت خطیب الاسلام نے یہ فن حاصل کیا۔

حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کی خدمت اقدس میں

حضرت والا خطیب الاسلام نے فارسی کا چار سالہ نصاب مکمل فرمالیا آپ کے والد ماجد حضرت حکیم الاسلام درجہ عربی کی پہلی کتاب ’میزان الصرف‘‘ کی ابتداء حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی سے کرانا چاہتے تھے، چنانچہ درجہ عربی میں علم الصرف کی پہلی کتاب ’’میزان الصرف‘‘ کی ابتداء حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی خدمت میں ۱۳۵۷ھ حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے ہمراہ تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ بھیج کر کروائی۔ حضرت خطیب الاسلام کے ساتھ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد ذکی صاحب مرحوم بھی تھے، حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے ساتھ حضرت خطیب الاسلام کو حضرت حکیم الاسلام نے اس لئے بھیجا کہ دارالعلوم دیوبند کے ایک تقاضہ کی وجہ سے مدراس (چنئی) کا ایک سفر درپیش ہوگیا، حضرت حکیم الاسلام نے ایک خط حضرت حکیم الامت کو لکھا اور اپنے خود نہ حاضر ہونے کی وجہ لکھی کہ میرا مدراس کا سفر ہوگیا اس لئے خود اس وقت خدمت اقدس میں حاضر نہ ہوسکا، اور یہ خط حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کو دے دیا کہ یہ خط حضرت تھانوی کی خدمت میں پہنچادیں۔ حضرت حکیم الامت نے خط پڑھا، اور انتہائی فرحت ومسرت کے ساتھ فرمایا ’’اللہ یہ مدآپ کو راس لائے۔‘‘[1] سبحان اللہ کیسی بات فرمائی، کہ لفظ مدراس سے بھی خیر کا پہلو نکال لیا، یہی درحقیقت اہل اللہ کی شان عالی ہے کہ وہ ہر چیز سے خیر کا پہلو نکال لیتے ہیں، جو درحقیقت اتباع ہے رسول اللہ ﷺ کی کہ مزاج مزاج رسالت بھی یہی ہے کہ ہر چیز سے بلکہ ہر شر سے خیر کا پہلو نکال لیا جائے، تاکہ شر کا دفعیہ ہوجائے اور خیر عام ہوجائے۔

اگرچہ باقاعدہ طور پر درجات عربیہ میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ ہوگیا تھا، لیکن بربنائے حصول برکات حضرت خطیب الاسلام کو معدودے چند ایام کے لئے خانقاہ امدایہ تھانہ بھون بھیجا گیا، جس کا مقصد جہاں برکت کا حصول تھا، وہیں بچپن ہی سے حضرت خطیب الاسلام کو اس مخصوص رنگ میں ڈھالنے کا انتہائی شعوری اقدام تھا، کہ خانقاہ کے مخصوص ماحول میں کچھ روز قیام رہے گا تو طبیعت میں عاجزی اور استقامت پیدا ہوگی، اور خانقاہ کے ہمہ وقت نورانی ماحول کو دیکھ کر مزاج میں وہی مخصوص رنگ ابھرے گا جو آپ کے اکابر کا امتیاز رہا ہے، کیونکہ بچپن کی دیکھی یا سیکھی ہوئی چیزیں

[1] یہ واقعہ راقم الحروف کو حضرت کے خادم خاص حضرت مولانا شاہد صاحب دامت برکاتہم نے سنایا، انہوں نے اس واقعہ کو حضرت خطیب الاسلام سے براہ راست سنا۔

ہمیشہ دل ودماغ کو متاثر کرتی ہیں۔ حضرت خطیب الاسلام جب حضرت تھانوی کی خدمت میں پہنچے تو حضرت تھانوی نے دوران قیام خانقاہ فرمایا کہ یہ میرا مہمان رہے گا، چنانچہ ۱۵ یا ۱۶ روز خانقاہ تھانہ بھون میں حضرت کے پاس قیام رہا اور بقول حضرت خطیب الاسلام ''پندرہ سولہ دن کے قیام کے دوران معمول یہ تھا کہ حضرت کے یہاں ہی کھانا ہوتا، صبح کا ناشتہ، دوپہر کا کھانا اور رات کا کھانا ایک دن بڑے گھر میں ہوتا تھا اور دوسرے دن چھوٹے گھر میں ہوتا تھا، بڑے اور چھوٹے گھر سے مراد حضرت تھانوی کی بڑی زوجہ اور چھوٹی زوجہ کا گھر ہے۔ ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۹ء میں حضرت خطیب الاسلام کی عمر ۱۴ سال کی تھی، جس وقت حضرت حکیم الامت سے شرف تلمذ حاصل کیا اور ''میزان الصرف'' پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی۔

۱۴ر سال کی عمر بس ایسی ہوتی ہے کہ اس عمر میں تعلیم وتعلم کا ہوش بچے کو ضرور آجاتا ہے، حضرت خطیب الاسلام کی تو بات ہی دیگر ہے، انہوں نے آنکھ ہی ایسے گھرانے میں کھولی تھی جہاں دن رات ہی تعلیم وتعلم کے چرچے تھے، ایسے ماحول میں تعلیم وتعلم کے تئیں شعور وآگہی کا پیدا ہوجانا ظاہری امر ہے، اس لئے یہ بات یقینی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس وقت حضرت خطیب الاسلام حضرت تھانوی کی خدمت اقدس میں پہنچے تو اپنی عمر سے زیادہ تعلیم وتعلم کا شعور رکھتے تھے۔

اس پندرہ دن کے عرصے میں حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے خود سبقا سبقا میزان الصرف پڑھائی۔ حضرت خطیب الاسلام کو اس کے علاوہ اور کچھ کام بھی نہیں تھا۔ بقول حضرت کے: ''یاد کرنے کی عادت پہلے سے تھی جتنا طلبہ عام طور پر دس دن میں پڑھتے میں اتنا روزانہ یاد کرلیتا اور حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ کو سنادیتا، چند روز تک تو حضرت سبق سنتے رہے اور گردانیں بھی سنتے رہے، مگر میری لگن کو غالبا دیکھ کر مجھ پر اعتماد کرکے گردانوں کے سننے کا سلسلہ حضرت مفتی شفیع صاحب کے سپرد فرمایا مگر سبق کی گردانیں خود ہی سنا کرتے اور بار بار سنا کرتے پھر سبق دے کر ہمیں رخصت فرمادیتے۔

حضرت حکیم الامت کا خطیب الاسلام کے سلسلے میں اظہار اطمینان واظہار خوشی

حضرت حکیم الامت کے اظہار اطمینان واظہار خوشی کو خطیب الاسلام کی زبانی سنیں وہ فرماتے ہیں: ''مجھے چونکہ حفظ کے ساتھ یاد کرنے کی عادت ہوگئی تھی اس وجہ سے بڑی پابندی کے ساتھ میں یاد کرلیتا تھا او سنادیتا تھا، اس سے حضرت بہت خوش، مسرور اور مطمئن اور دعا گو رہا کرتے تھے، الحمدللہ۔''

حضرت حکیم الامت کا کسی کی تعلیم پر اس طرح اظہار خوشی ومسرت کرنا اور دعاؤں سے نوازنا گویا کہ خود حضرت خطیب الاسلام کے حق میں ایک سند کا درجہ رکھتا ہے اور یہ سند بھی حکیم الامت نے تعلیمی کارکردگی پر عنایت فرمائی اور ساتھ ساتھ دعاؤں سے بھی نوازا۔

یہ عظیم سعادت بھی اس وقت پوری دنیا میں آپ ہی کو حاصل ہے، آپ کے علاوہ حضرت حکیم الامت کے براہ راست تلامذہ میں کوئی بھی اب موجود نہیں، حق تعالیٰ شانہ آپ کی عمر میں مزید برکت عطا فرمائے۔ فی الحال برصغیر کی ہماری جماعت دیوبند میں اتنی عظیم نسبتوں کی حامل اور اس قدر جامع الکمالات شخصیت نظر نہیں آتی، یقیناً یہ حضرت حکیم الامت کی دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے آپ کے علم وعمل، عمر اور اولاد واوقات میں خوب برکت عطا فرمائی، حق تعالیٰ شانہ اس خانوادہ کو دین اسلام کی خدمت اور امت محمدیہ کی آبیاری کے لئے نسلاً بعد نسل قبول فرمائے۔ (یہ سطور اس وقت میں نے لکھیں تھے جب حضرت خطیب الاسلام بقید حیات تھے)

دارالعلوم دیوبند میں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے داخلہ

اس طرح ان بابرکت ہاتھوں سے درجہ عربی کا آغاز ہوا اور یہ عظیم سعادت حاصل کر کے حضرت خطیب الاسلام واپس مادر علمی دارالعلوم دیوبند واپس آ گئے، اس کے بعد حضرت کا داخلہ دارالعلوم دیوبند درجہ عربی میں ہوا اور سب سے پہلی کتاب درجہ عربی کی دارالعلوم دیوبند میں جو پڑھی وہ منشعب تھی، خود اپنے بارے میں حضرت تحریر فرماتے ہیں ''وہاں سے آنے کے بعد (یعنی حضرت تھانویؒ کے یہاں سے آنے کے بعد) میں نے منشعب دارالعلوم دیوبند میں باضابطہ داخلہ لے کر پڑھی۔'' باقی درسی کتابوں میں کنز الدقائق حضرت مولانا اختر حسین صاحب سے، میبذی قاری اصغر صاحب سے، مختصر المعانی اور سلم العلوم حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب سے اور ہدایہ اولین مولانا عبدالاحد صاحب سے پڑھی، ہدایہ اولین میں حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی صاحب دامت برکاتہم صدر مسلم پرسنل لاء بورڈ حضرت خطیب الاسلام کے دارالعلوم دیوبند میں ہم جماعت تھے، اتفاقی بات کہ ان کی طبیعت کافی علیل ہوگئی جس کی وجہ سے حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی صاحب دامت برکاتہم کو دیوبند سے واپس جانا پڑا۔ اسی زمانہ میں مدرسہ صولتیہ کے ناظم حضرت مولانا محمد سلیم صاحب رحمہ اللہ اپنے پورے خاندان کے ساتھ دہلی تشریف لائے ہوئے تھے، حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب

صاحبؒ کے حضرت مولانا محمد سلیم صاحب سے قدیم روابط اور گہرے مراسم تھے، حضرت مولانا محمد سلیم صاحب نے باصرار حضرت حکیم الاسلام سے درخواست کی کہ ''سالم میاں'' کی تعلیم یہاں کے بجائے ہمارے یہاں مدرسہ صولیتہ میں ہوتو بہتر ہے، ان کے اصرار پر آپ نے ایک سال مدرسہ صولتیہ میں حضرت مولانا سلیم صاحب کے پاس قیام فرمایا، لیکن ایک سال بعد اساتذہ دارالعلوم دیوبند کے مشورہ سے دارالعلوم واپس بلایا گیا اور پھر دارالعلوم میں رہ کر اپنی تعلیم مکمل فرمائی، حضرت خطیب الاسلام اپنے بارے میں خود رقمطراز ہیں ''لیکن سب حضرات کی رائے پر مجھے دارالعلوم دیوبند واپس بلایا گیا، پھر میں نے دارالعلوم میں رہ کر تعلیم کی تکمیل کی۔ بخاری شریف، ترمذی شریف حضرت مولانا حسین احمد مدنی سے پڑھی، مسلم شریف علامہ ابراہیم بلیاوی سے، ابوداؤد شریف مولانا اعزازعلی صاحب سے، نسائی شریف مولانا فخر الدین صاحب سے اور دیگر اساتذہ کرام سے کتب حدیث پڑھنے کی سعادت حاصل کی۔ میری فراغت ۱۳۶۷ھ ۱۹۴۷ء کو دارالعلوم سے ہوئی جو تقسیم کا سال ہے، سال پورا ہوتے ہوتے ۱۹۴۸ء شروع ہو چکا تھا۔''[1]

دستار بندی

حضرت کی دستار بندی کے سلسلے میں راقم کے پاس کوئی صحیح معلومات نہیں، خود احقر نے حضرت خطیب الاسلام سے اس بارے میں دریافت کیا تھا تو حضرت نے فرمایا تھا کہ باقاعدہ کوئی دستار بندی کی تقریب میرے ذہن میں نہیں، بہرحال میرے پاس اس وقت حضرت کے علاوہ اور کوئی ایسا معتبر ذریعہ بھی نہیں۔ جس سے اس سلسلے میں مزید معلومات حاصل ہو سکے۔

علوم شریعت وعلوم اسلامیہ کی تکمیل اور اساتذہ کرام کا اعتماد وخصوصی توجہات

ہمارے اسلاف دیوبند جب کسی کے لئے اس طرح کے کلمات بولتے یا لکھتے ہیں کہ فلاں صاحب نے علوم اسلامیہ کی تکمیل یا علوم شریعت سے فراغت حاصل کر لی یا فلاں صاحب کو سند فضیلت دیدی گئی تو ان کا مقصد اس سے یہ ہوتا کہ اب ہم مدرسہ والوں نے ان صاحب کے اندر اتنی لیاقت پیدا کر دی کہ اگر یہ محنت کریں گے تو آگے چل کر فنون اسلامیہ اور علوم شریعت میں ان کو کامل دسترس حاصل ہو جائے گی، جس کے معنی بالفاظ دیگر یہ ہوتے کہ اب ان کے اندر اس راستے پر چلنے کی

---

[1] ایپاض حضرت خطیب الاسلام

استعداد پیدا ہوگئی، مگر حضرت خطیب الاسلام کی شخصیت دارالعلوم دیوبند سے فراغت اور علوم اسلامیہ کی تکمیل اور سند فضیلت لیتے وقت مذکورہ بالا اصول سے مستثنیٰ تھی، کیونکہ ان کا ماحول، ان کا مزاج ان کی فکر، ان کا گھرانہ، ان کے اساتذہ ان کے شیوخ، مجالس مشائخ میں شرکت کی برکات ان کی صحبت اور ان سب سے بڑھ کر وہ عرفانی وروحانی نسبت قاسمی جو کم لوگوں کا نصیب ہوتی ہیں، ان وجوہات کی بنا پر حضرت خطیب الاسلام دوران تعلیم ہی اس راہ کے پختہ کار اور گرم رو مسافر بن گئے تھے، چنانچہ اس سلسلے میں بہت سے واقعات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اساتذہ کی نگاہیں بچپن ہی سے حضرت خطیب الاسلام میں نسبت قاسمیہ تلاش کررہیں تھی جو حضرت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند میں ان کے اساتذہ نے تلاش کی تھیں اور ان کی ذات نے اپنے اساتذہ کے خواب کو شرمندہ تعبیر کیا، بفضلہٖ تعالیٰ جب یہ سلسلہ آگے بڑھا تو حضرت خطیب الاسلام بھی اپنے اساتذہ کی امیدوں پر کھرے اترے اور اساتذہ نے اس کی گواہی بھی دی۔ ان ہی واقعات میں سے ایک واقعہ کا تذکرہ کرتا چلوں، چند ماہ قبل راقم الحروف کا ایک دعوتی سفر ناگپور و اطراف ناگپور مہارشٹر کا ہوا، ناگپور سے تقریباً ۲۰ کلومیٹر ایک جگہ پڑتی ہے 'کامٹی' یہ انگریزوں کے زمانے سے فوجی چھاؤنی بھی ہے، وہاں پر جامع مسجد کے امام وخطیب اور دارالعلوم دیوبند کے فرزندان وابنائے قدیم میں ایک مشہور نام حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب امام وخطیب جامع مسجد کامٹی کا بھی ہے۔

میرا جب وہاں کا سفر ہوتا ہے تو حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں بھی حاضری ہوتی ہے، میری معمولاً حاضری ہوئی تو حضرت خطیب الاسلام کا ذکر خیر نکل آیا تو مفتی صاحب نے انتہائی قدر اور ادب واحترام سے حضرت کا ذکر خیر فرمایا اور یہ بتایا کہ میں نے حضرت سے شرح عقائد نسفی پڑھی، اور شرح عقائد کا درس حضرت استاذ محترم کا بہت مشہور اور بے انتہا مقبول تھا، انہوں نے مندرجہ ذیل واقعہ سنایا کہ حضرت خطیب الاسلام کا عین نوجوانی کے زمانے میں مسجد چھتہ میں انار کے درخت کے نیچے ایک پروگرام تھا جس کی صدارت حضرت مولانا سید فخر الدین احمد صاحب مرادآبادی شیخ الحدیث وصدر مدرس دارالعلوم دیوبندؒ فرما رہے تھے، حضرت خطیب الاسلام کی تقریر سننے کے بعد ان کے لئے بڑے کلمات تحسین اور بڑے عالی کلمات مولانا نے ارشاد فرمائے، وہ کلمات تو یاد نہیں ہاں البتہ مفہوم جہاں تک راقم الحروف مولانا کی بات سے سمجھا ہے کہ یہ سالم نہیں بلکہ نسبت قاسمی تھی جو مولانا

محمد سالم قاسمی کی زبان پر جاری تھی، حق تعالی شانہ نے اس خانوادہ کے افراد میں اس نسبت قاسمی بلکہ حکمت قاسمی (اگر کہیں تو زیادہ قرین قیاس ہوگا) کونسلا بعد نسل جاری کر رکھا ہے، حضرت خطیب الاسلام کے اساتذہ کی شہادتوں کے اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں، اسی طرح کی شہادت مفسر قرآن حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی نے بھی حضرت خطیب الاسلام کے بارے میں دی۔

نفوس قدسیہ کی صحبت اوران سے استفادہ

علاوہ ان عظیم نسبتوں کے حضرت خطیب الاسلام کو جن نفوس قدسیہ سے براہ راست شرف تلمذ حاصل ہوا وہ خود حضرت کے لئے مقام شرف بلکہ شرف بالائے شرف ہے، جس کی ابتداء اور بسم اللہ ایسی بابرکت ذات سے ہوئی ہو جس پر صرف ہندوستان ہی نہیں بلکہ پورا عالم اسلام فخر کرسکتا ہے۔ بقول مولانا شاہین جمالی اڈیٹر''دیوبند ٹائمز'':

''آپ کا شمار ان شخصیتوں میں ہوتا ہے جن کا سینہ علم وتصوف کا سنگم اور دین وسیاست کا مجمع البحرین تھا، یہ اس دور کی یادگار ہستی تھے جب شیخ الہند مولانا محمود الحسنؒ کے جذبوں کی حرارت سے ان کا سینہ تپ رہا تھا اور یہ دوسرے دلوں کو گرما رہے تھے۔ ایمان ویقین، صلابت رائے، عرفان حق اور شریعت وطریقت کی چنگاری بانٹ رہے تھے، اس ذات سے مراد نمونہ اسلاف حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب ہیں،

مولانا شاہین جمالی آگے لکھتے ہیں:

''کلی یوں تو ہر شاخ پر کھل سکتی ہے، لیکن رسیدہ شاخ پر مسکرانے والی کلی کے حسن وجمال، بہار و نکھار کا جو عالم ہوگا اسے سیر چمن کرنے والوں کی نگاہوں سے پوچھیے۔ پھر جب عربی درجات میں قدم رکھا، تو آغاز کرانے کے لئے ایسی شخصیت کی خدمت میں پہنچے جو اس وقت پوری جماعت دیوبند کے ایک طرف سرپرست ہیں تو دوسری طرف عالم بھر میں پوری جماعت کی نمائندگی فرمارہے ہیں۔ آپ کی ذات علوم ظاہری وباطنی کا منبع آپ کی تحریریں علوم وفنون کا مخزن اور اسرار وحکم کا معدن تھی، حق تعالی شانہ نے حضرت خطیب الاسلام کو اس چشمۂ فیاض سے استفادے اور سیرابی کا ابتدا ہی میں موقع عنایت فرمایا۔

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

خود حضرت اپنے بارے میں تحریر فرماتے ہیں کہ: (فارسی کے نصاب کو مکمل کرنے کے بعد) ''پھر درجہ عربی میں داخلے کا وقت آیا تو والد ماجد کی تمنا اور آرزو کے مطابق فارسی کی پہلی (قواعد صرف میں) کتاب میزان الصرف کی ابتداء حکیم الامت (۱۳۶۱ھ) مولانا اشرف علی تھانوی سے کرانا چاہتے تھے، مزید مولانا شاہین جمالی صاحب لکھتے ہیں: ''۱۳۵۷ء دارالعلوم میں درجہ فارسی میں داخل ہوئے اور ۶۰ھ میں اس کی تکمیل کی۔ ۱۳۶۱ھ میں عربی کی تعلیم شروع ہوئی اور اس شان سے ہوئی کہ صاحبزادگان گرامی یعنی مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے صاحبزادے مولانا محمد سالم، مفتی محمد شفیع صاحب کے صاحبزادے مولانا محمد ذکی، مولانا شبیر احمد عثمانی کے بھتیجے رشید احمد مرحوم کے ساتھ چند اور ذہین لڑکوں کی مخصوص جماعت میں شامل کرلیا گیا۔''[۱]

بہر حال حضرت خطیب الاسلام کا اس جامع الکمالات شخصیت سے شرف تلمذ ہی خود ان کے لئے ایک عظیم سند ہے۔ گویا ابتداء میں بیک واسطہ (یعنی حضرت تھانوی کے واسطہ سے) خطیب الاسلام کو حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کا فیض پہنچا اور انتہا میں بھی بیک واسطہ (یعنی دورہ حدیث میں حضرت مدنی کے واسطے سے) حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی نسبت کمالیہ کے فیض سے حضرت خطیب الاسلام مستفید ہوئے، اپنے اکابرین میں اتنی عظیم نسبتوں کا حامل راقم الحروف کی نظر میں دنیا بھر میں کوئی نہیں بچا جو اتنا صاحب نسبت ہو۔ ان دونوں بزرگوں کے علاوہ جن سے حضرت نے باقاعدہ استفادہ کیا ان میں سے ہر ایک شخصیت اپنی ذات میں انجمن تھی، میری مراد حضرت خطیب الاسلام کے ان اساتذہ سے ہے جن کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب، حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، حضرت مولانا محمد یسٰین صاحب والد ماجد حضرت مفتی شفیع صاحب، حضرت مولانا ادریس کاندھلویؒ، حضرت مولانا فخر الحسن صاحب، حضرت مولانا عبد الاحد صاحب، حضرت مولانا

[۱] مولانا شاہین جمالی اڈیٹر ''دیوبند ٹائمز'' کا مضمون حضرت مولانا سید جلیل میاں کے متعلق، بعنوان ''کچھ کتاب اور صاحب کتاب کے بارے میں'' ص ۸۔

بشیر احمد خان صاحب وغیرہ، ایسے صاحب علم وفضل اور صاحب تقوی حضرات اساتذہ کرام اگر کسی صاحب نصیب کو ملجائیں تو بشرط مراعات آداب علم وعمل اور بتوفیق وفضل خداوندی یقیناً بلند اقبالی اس کا مقدر ہوگی اور اس کا نصیب قابل رشک ہوگا، چنانچہ حضرت خطیب الاسلام اپنے بارے میں تحریر فرماتے ہیں: ''۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۷ء کو میری فراغت دارالعلوم سے ہوئی جو تقسیم کا سال ہے،''[۱]

جس سال حضرت خطیب الاسلام دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے (یعنی ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۷ء) اس سال ملک کے حالات ناساز تھے، چاروں طرف ایک افراتفری کا ماحول تھا، خاندان کے بہت سے حضرات ہندوستان کو چھوڑ کر پاکستان چلے گئے تھے، ایسے ماحول میں اپنے آپ کو سنبھالنا، گھر والوں کو آگے بڑھ کر مشورے دینا اور پھر اس پر قوت فیصلہ، مزید برآں اپنے آپ کو علمی مشاغل میں منہمک رکھنا اور کسی بھی طرح ان حالات سے متأثر نہ ہونا اپنے کام اور اپنی بات پر مستقیم رہنا، اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ صرف خداوند قدوس ہی کی دستگیری تھی، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس عمر میں انسان کو شعور تک نہیں ہوتا چہ جائیکہ وہ ان حالات کے سامنے چٹان بن کر کھڑا ہو جائے۔

بقول شاعر مشرق علامہ اقبال:

ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح
بزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن[۲]

یہ استقامت اور نوجوانی کے لاابالی پن کے زمانے میں ایسا غیر معمولی شعور یہ اپنے بزرگوں اور اساتذہ کی ان توجہات اور اعتماد اور ان کی شبانہ روز دعاؤں کا ثمرہ تھا جو بچپن ہی سے حضرت خطیب الاسلام کے سر پر رہا گویا کہ آپ کے شیوخ واساتذہ آپ کو یوں دعاء دے گئے:

فقیرانہ آئے صدا کر چلے
میاں خوش رہو ہم دعا کر چلے
جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

۱۔ حضرت کے خادم خاص مولانا شاہد صاحب کے نقل کردہ اقتباس سے (حضرت کا یہ قول اپنی فراغت کے بارے میں) نقل کیا گیا ہے۔

۲۔ کلیات علامہ اقبال

راقم الحروف کو ایک بات کا احساس ہمیشہ ہوتا رہا خاص طور پر گذشتہ دس سال کے عرصہ میں اس احساس میں مزید اضافہ ہوا کہ جب بھی میں آپ کی خدمت میں گیا تو مختلف بزرگوں، سلسلوں اور مجالس کا ایک حسین امتزاج آپ کی صحبت میں ملا، فائدہ اٹھانے والے دور و دراز سے آئے اور اپنی جھولیوں کو بھر کر لے گئے، ایک ہم بیچارے کہ کورے کے کورے ہی رہے، ''چراغ تلے اندھیرا'' کا مصداق بنے، حالانکہ ان کی مجلس تو بقول شاعر مشرق:

نرم دم گفتگو گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم، پاک دل و پاک باز
عقل کی منزل ہے وہ، عشق کا حاصل ہے وہ
حلقۂ آفاق میں گرمیٔ محفل ہے وہ

بقول حضرت خطیب الاسلام:

''علم حدیث سے مناسبت اور لگاؤ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت والد محترم مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے درس سے ہوا اور تراث کی کتابوں کے مطالعہ کا ذوق بھی حضرت والد محترم ہی کی دین ہے، منطق وفلسفہ سے مناسبت حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی کے درس سے ہوئی اور خاص ادبی وفنی ذوق حضرت شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب سے حاصل ہوا۔''

اس جملے سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت خطیب الاسلام نے اپنے اساتذہ اور ان کے علوم سے خوب خوب استفادہ کیا، اور علم کلام کا معاملہ یہ ہے کہ یہ فن حضرت کو موروثی وخاندانی طور پر ورثہ میں ملا، کیونکہ حضرت کے جد امجد حضرت نانوتوی علیہ الرحمہ مسائل کلامیہ پر کامل دستگاہ رکھتے تھے۔

اساتذہ کی توجہات اور اعتماد کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ حضرت خطیب الاسلام کو خداداد ذہانت، علمی ذوق، وسعت مطالعہ اور کتب بینی سے خاص دلچسپی تھی، ان ہی وجوہات کی بنا پر آپ پر اساتذہ کی خصوصی توجہات ہوا کرتی تھیں۔

راقم الحروف کے خیال میں اساتذہ کی توجہات کی ایک معقول وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ آپ کے اساتذہ میں نسبتوں کا غایت درجہ احترام تھا، چونکہ آپ کے تمام اساتذہ فیض یافتہ تھے اس لئے حضرت کے ساتھ بھی غیر معمولی شفقت کا معاملہ رہا۔

اسی کے ساتھ حضرت خطیب الاسلام کا طائرِ پرواز ذوق وشوق طلب میں بچپن ہی سے آفاق کی

بلندیوں پر تھا۔ ایک طرف طلب وجستجو، ذوق وشوق اور تڑپ ولگن کا شعلۂ جوالہ دل کی انگیٹھی کو سلگا رہا ہو اور دوسری طرف ان کے اساتذہ ان پر جاں نثار و مائل بکرم ہوں تو ہم اندازہ کر سکتے ہیں ایسے شخص کی علمی وعملی قوت کس قدر بلند ہوگی۔ ان کے اساتذہ کا طریقہ کار یہ رہا بقول شاعر:

دھر میں مجروح کوئی جاوداں مضموں کہاں
میں جسے چھوتا گیا وہ جاوداں بنتا گیا

دارالعلوم دیوبند میں حضرت خطیب الاسلام کے تعلیمی ریکارڈ کا ایک مختصر خاکہ

۱۳۶۳ھ سے ۱۳۶۷ھ تک

۱۳۶۳ھ حاصل شدہ نمبرات

کنز الاقائق	قطبی	اصول الشاشی	کافیہ	نور الایمان	ورزش
۵۶	۴۵	۵۰	۵۳	خارج از امتحان	غ

۱۳۶۴ھ

مقامات حریری	سلم العلوم	شرح جامی، بحث اسم	ہدایہ اولین
۴۵	۴۰	۴۵	۵۰

۱۳۶۵ھ

مختصر المعانی	ملاحسن	میبذی	ترجمہ اول	تلخیص المفتاح
۴۴	۴۵	۴۰	۴۸	۴۷

۱۳۶۶ھ

جلالین شریف	مشکوٰۃ شریف	شرح عقائد نفی	نخبۃ الفکر	الفوز الکبیر
۴۰	۵۰	۴۳	۵۰	۴۸

۱۳۶۷ھ

بخاری شریف	مسلم شریف	ترمذی شریف	ابوداؤد شریف	ابن ماجہ
۴۶	۴۰	۴۶	۵۰	۵۰
نسائی شریف	طحاوی شریف	شمائل ترمذی	مؤطاامام مالک	مؤطاامام محمد
۴۵	۵۰	۴۰	۵۱	۴۵

مذکورہ تعلیمی ریکارڈ سے معلوم ہوا کہ حضرت خطیب الاسلام دارالعلوم دیوبند کے ممتاز طلبہ میں رہے، کیونکہ سال درسال اکثر کتابوں میں امتیازی نمبرات ہیں حتی کہ بعض کتابوں میں انعامی نمبرات سے بھی نوازا گیا ہے کہ یہ دارالعلوم دیوبند کی تعلیمی ثقافت کا حصہ تھا کہ طلبہ کو ان کی نہایت عمدہ کارکردگی پر ۵۰ میں ۵۰ نمبرات دینے کے بجائے اساتذہ کرام کسی بھی کتاب میں ۵۱ یا ۵۲ نمبر دیتے تھے۔ گویا پچاس تو پچاس میں سے اور ایک یا دو نمبرات انعامی تھے، یہ انعامی نمبرات ان ہی طلبہ کو ملتے تھے جو نہایت متفوق تھے۔

سال بہ سال یہ عمدہ کارکردگی حضرت رحمۃ اللہ کے دوران طالب علمی امتیازی پوزیشن کی غماز ہے، ایسا نہیں تھا کہ حضرت خطیب الاسلام خانوادہ قاسمی کے رکن تھے اس لئے نمبرات اچھے تھے، نہیں، بلکہ اساتذہ کرام ان کو مزید نکھارنے کے لئے ان پر اور زیادہ کڑی نظر رکھتے تھے، ایسا نہیں تھا کہ جیسے دیوبند کے شرفاء کے صاحبزادے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لینے کے بعد محنت نہیں کرتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ دارالعلوم میں پڑھایا جارہا ہے وہ تو ہمارے گھر کی میراث ہے، اور بس اسی میں رہ جاتے ہیں۔

ذیل کے نقشہ میں درس نظامی کی چند مشہور کتب اور خطیب الاسلام کے نابغۂ روزگار اساتذہ کے نام

بخاری شریف، ترمذی	حضرت مولانا حسین احمد مدنی
ابوداؤد شمائل ترمذی	حضرت مولانا اعزاز علی صاحب
مسلم	علامہ ابراہیم بلیاویؒ
مؤطا امام محمد	حضرت مولانا ادریس صاحب کاندھلوی
مؤطا امام مالک	حضرت مولانا فخر الحسن صاحب
طحاوی شریف	حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی
ابن ماجہ شریف	حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب
نسائی شریف	حضرت مولانا فخر الحسن صاحب
بیضاوی شریف	مولانا ادریس صاحب کاندھلوی
مشکوٰۃ شریف	حضرت مولانا عبدالخالق صاحب، پنجاب
جلالین شریف جلداول	حضرت مولانا عبدالشکور صاحب
جلالین شریف جلد دوم	مولانا قاری محمد طیب صاحب
شرح عقائد	حضرت مولانا عبدالاحد صاحب

حضرت خطیب الاسلام کے نابغۂ روزگار اساتذہ کرام

یہ حقیقت ہرایک آدمی جانتا ہے کہ کسی بھی چیز کو سیکھنے کے لئے، کسی فن میں مہارت حاصل کرنے کے لئے انسان کو کسی نہ کسی استاذ کی ضرورت ہوتی ہے، انسان چاہے کتنی ہی خداداد صلاحیتوں کا مالک ہو، اس کے پاس تحصیل علم کے تمام ذرائع بآسانی مہیا ہوں اور کتنا ہی تعلیم کے لئے ماحول سازگار ہو، اس کو تحصیل علم کے لئے کسی نہ کسی کے سامنے زانوئے تلمذ طے کرنا پڑتا ہے، اساتذہ کرام کی جوتیاں سیدھی کرنی پڑتی ہیں، خاص کر اس وقت جب علم وہ علم مبارک ہو جو حضور ﷺ سے سینہ بہ سینہ منتقل ہو رہا ہو اور ہوتا چلا آیا ہو، اس کے لئے انسان کو ان تمام آداب، تحصیل علم کی رعایت کرنی پڑتی ہے جو صحابہ کرام نے اختیار کئے اور پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بعد امت کے علمائے کرام اور سلف صالحین کرتے آئے ہیں، بغیر استاذ کے انسان کو اپنے علم پر اعتماد نہیں ہوتا۔ کسی عربی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

من یأخذ العلم عن شیخ مشافهة
یکن من الزیغ والتصحیف في حرم،
ومن یکن آخذاً للعلم من کتب
فعلمه عند اهل العلم کالعدم

ایک اور عربی شاعر کہتا ہے،

یظن الغُمر أن الکتب تهدی
أخافهم لادراک العلوم
ولم یدرالجهول بأن فیها
غوامض حیرت فکر الفهیم
إذا رمت العلوم بغیر شیخ
ضللت عن الطریق المستقیم
وتلتبس الأمور علیک حتی
تصیر أضل من طوم الحکیم

علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے اس بات کی ترجمانی ان الفاظ میں کی ہے:

ہیچ چیزے خود بخود چیزے نہ شد
ہیچ آہن خنجرے تیغے نہ شد
ہیچ حلوائی نہ شد استاذ کار
تا غلام شکر ریزے نہ شد
مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزے نہ شد

یہ ایک حقیقت ہے کہ بغیر استاذ کے کوئی بھی ماہر فن نہیں ہوتا، استاذ کی ضرورت انسان کو ہوتی ہے، اور اگر استاذ اولیاء کاملین میں سے ہوں تو پھر انسان کے دل و دماغ پر ان کے ظاہری و باطنی کمالات کا گہرا اثر پڑتا ہے اور انسان بہت جلدی علم وفن میں کمال حاصل کر لیتا ہے۔

حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو یہ دونوں ہی باتیں حاصل تھیں کہ انتہائی شریف الخصائل والدین کی آپ اولاد تھے، اور آپ کے گھرانے کے علمی تعلیمی، دینی اور دعوتی ماحول سے دنیا واقف ہے۔ جو حسن معاشرت، لطف وکرم، حلم وبردباری میں سرور کائنات ﷺ کے گھرانے کا نمونہ پیش کرتا تھا۔ جس کا مختصر تذکرہ گذشتہ صفحات میں ہو چکا ہے، اسی طرح حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اساتذہ کے معاملے میں انتہائی خوش قسمت واقع ہوئے تھے کہ آپ کے اساتذہ کرام جن کے سایہ عاطفت میں آپ نے اپنا تعلیمی سفر مکمل فرمایا وہ بھی انتہائی نابغۂ روزگار اور خدا ترس بزرگ تھے، جو راتوں کو اٹھ اٹھ کر اپنے مالک حقیقی کو راضی کرتے تھے اور دن میں علوم نبویہ کی تعلیم وتدریس اور اسلام کی تبلیغ واشاعت اور اعلائے کلمۃ الحق میں اپنے قیمتی لمحات گزارتے تھے۔

حضرت فرماتے تھے: میرے ساتھ اللہ کا بڑا اکرم یہ بھی رہا کہ مجھے شرف تلمذ ایسے اساتذہ سے ہوا جو اخلاص اور خلوص کا مجموعہ اور کمال ادب اور کمال شفقت میں یکتا تھے اور ہم سب طلبہ کے ساتھ ان کا یہی حال تھا۔[1]

ان اساتذہ کرام رحمہم اللہ میں سے ہر ایک اپنے آپ میں انجمن اور پوری امت کی حیثیت رکھتا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

[1] حضرت رحمۃ اللہ نے ایک مجلس میں میرے سامنے یہ جملہ ارشاد فرمایا۔

﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ حَنِيفًا﴾ (سورة النحل: ۱۲۰)

اللہ تعالیٰ نے ان حضرات سے ایسا کام لیا کہ ان کے فیوض و برکات پورے عالم میں پہنچے، اور آج بھی ان کے فیوض و برکات پورے عالم میں عام ہیں، انہی حضرات کی مخلصانہ کوششوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہم ہندوستان میں پوری آب و تاب کے ساتھ توحید خالص اور رسالت و آخرت کے بنیادی اسلامی عقیدوں پر ان کی صحیح شکل میں عمل پیرا ہیں اور پوری آزادی کے ساتھ کلمہ لا إله إلا الله کی دعوت دے رہے ہیں۔

اگر یہ مخلصین اس وقت دین کی بقاء کے لئے کوششیں نہ کرتے تو ہندوستان میں اندلس کی تاریخ دہرائی جانی یقینی ہو چکی تھی، اور دین کا صحیح تصور لوگوں کے ذہنوں سے اوجھل ہوتا جا رہا تھا، حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ کے ان مجاہد، رہبان باللیل فرسان بالنہار عابد و زاہد مشفق اساتذہ کرام کے سلسلے میں چند تفصیلات درج ذیل ہیں، ان حضرات کے عالی کردار اور مثبت سوچ، داعیانہ کردار، عالمینی فکر، مجاہدانہ رنگ عالمانہ شان تواضع وخشیت، کسر نفسی، اخلاص وللّٰہیت امت محمدیہ کی مکمل خیر خواہی، انسانیت کی تڑپ، یہ تمام باتیں حضرت خطیب الاسلام کی شخصیت میں وقت پڑنے پر ابھر کر سامنے آئی، اور انہی صفات عالیہ سے حضرت خطیب الاسلام کی شخصیت کی تکوین ہوئی۔

ذیل میں ان اساتذہ کرام کا تذکرہ کیا جا رہا ہے جن سے حضرت کو طبعی و علمی مناسبت رہی، ان اساتذہ کرام میں چند نام بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

۱) حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو مجدد دین و شریعت بنایا اور آپ سے ہر علمی و دینی اور دعوتی میدان میں اس قدر کام لیا کہ انسانی عقلیں آپ کے ہمہ گیر کام کو دیکھ کر حیران ہیں کہ چند دہائیوں میں آپ سے اتنا کام اللہ نے لیا۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی یا حالات مختصر طور پر بھی اگر لکھے جائیں تو کئی جلدیں بھی ناکافی ہیں، سر دست راقم یہاں پر مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مضمون کا اقتباس نقل کر رہا ہوں، جو حضرت کے انتقال پر حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے لکھا تھا، وہ لکھتے ہیں:

”اب اس دور کا بالکلیہ خاتمہ ہو گیا جو حضرت شاہ امداد اللہ مہاجر مکی، مولانا یعقوب نانوتوی،

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، مولانا شیخ محمد تھانوی رحمہم اللہ کی یادگار تھا اور جس کی ذات میں حضرات چشت اور حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت سید احمد شہید کی نسبتیں یکجا تھیں، جس کا سینہ چشتی ذوق عشق اور مجددین سلوک ومحبت کا مجمع البحرین تھا، جس کی زبان شریعت وطریقت کی وحدت کی ترجمان تھی، جس کے قلم نے فقہ وتصوف کو ایک مدت کی ہنگامہ آرائی کے بعد باہم ہم آغوش کیا تھا اور جس کے فیض سے تقریباً نصف صدی تک اللہ تعالیٰ کے فضل وتوفیق سے دنیا والے مستفید ہو رہے تھے، اور جس نے اپنی تحریر وتقریر سے حقائق ایمانی، دقائق فقہی، اسرار احسانی اور رموز حکمت ربانی کو برملا فاش کیا تھا، اس لئے دنیا نے اس کو ''حکیم الامت'' کہہ کر پکارا اور حقیقت یہ ہے کہ اس اشرف زمانہ کے لئے یہ خطاب عین حقیقت تھا۔''[1]

حضرت حکیم الاسلام حضرت مجدد ملت حکیم الامت کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ذات والا صفات یگانہ روزگار اور ''آفتاب آمد دلیل آفتاب'' کی مصداق ہے، حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ شریعت وطریقت کے مجمع البحرین، جامع علم وعرفان اور دینی بصیرت وفقاہت، تقویٰ وطہارت کے درجہ کمال پر فائز تھے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے علم وفضل اور زہد وتقویٰ کو دیکھ کر اسلاف کرام کی یاد تازہ ہو جاتی تھی، حضرت تھانوی قدس سرہ بجا طور پر سلف صالحین کے علوم وفیوض کے امین اور وارث تھے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی کیمیا اثر صحبت اور بابرکت تعلیمات سے ہزارہا بندگان خدا کو یقین ومعرفت کی لازوال دولت میسر آئی اور بہت سے تشنگانِ معرفت کو اس چشمہ عرفان سے سیرابی وشادابی ہوئی، معاملات ومعاشرت، سیاست، عقائد وعبادات غرض یہ ہے کہ دین کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں حضرت والا قدس سرہ کی گراں قدر تجدیدی خدمات موجود نہ ہوں اور دین کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں حضرت نے تجدید واصلاح نہ کی ہو، اور اپنی تالیفات و ملفوظات ومواعظ میں ان کے بارے میں ہدایات نہ دی ہوں۔ حضرت حکیم الامت کی رفعت و بلندی کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ ہندوپاک کے بڑے بڑے صاحب علم وفضل اور اہل کمال وتقویٰ آپ کے علوم سے نصف صدی تک سیراب وشاداب ہوتے رہے، بقول حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ ''اصلاح امت کی کوشش میں علمی وعملی زندگی کے ہر گوشے

[1] یادرفتگاں مولانا سید سلیمان ندوی، کراچی جنوری ۱۹۵۵ء

پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نظر تھی، بچوں سے لے کر بوڑھوں تک، عورتوں سے لے کر مردوں تک، جاہلوں سے لے کر عالموں تک، عاصیوں سے لے کر صوفیوں تک، درویشوں اور زاہدوں تک، غریبوں سے لے کر امیروں تک ان کی نظر مصروف اصلاح و تربیت رہی۔ پیدائش، شادی، بیاہ، غمی اور خوشی اور دوسری تقریبوں اور اجتماعوں پر ان کی نظر پڑی اور شریعت کے معیار پر جانچ کر ہر ایک کھرا کھوٹا الگ کیا۔ رسوم و بدعات اور مفاسد کے ہر ہر روڑے پتھر ہٹا کر صراط مستقیم کی راہ دکھائی۔ تبلیغ، تعلیم، سیاست، معاشرت، اخلاق و عبادات اور عقائد میں دینِ خالص کے معیار سے جہاں کوتاہی نظر آئی، اس کی اصلاح کی، فقہ کے نئے نئے مسائل اور مسلمانوں کی نئی نئی ضرورتوں کے متعلق اپنے نزدیک پورا سامان مہیا کر دیا اور خصوصیت کے ساتھ احسان وسلوک کی جس کا مشہور نام تصوف ہے، تجدید فرمائی۔"

حضرت حکیم الاسلام آگے فرماتے ہیں کہ

"میری زندگی کی ساخت پرداخت میں بھی حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کا بہت بڑا حصہ ہے، ہندوستان کا کوئی گوشہ نہیں چھوڑا کہ سفر کر کے وعظ و تبلیغ نہ فرمایا ہو، تصنیف و تالیف کے ذریعہ ہر علم وفن میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ہزار سے زائد تصانیف ورثہ میں چھوڑیں اور اصلاح و تربیت کا کام اپنے خلفاء، متوسلین کے حوالے کر کے ۱۶/رجب المرجب ۱۳۶۲ھ کی شب میں تھانہ بھون میں اس جہان فانی کو خیر باد کہا اور حافظ محمد ضامن صاحب شہیدؒ کے مزار کے قریب ان ہی کے باغ میں جسے انہوں نے خانقاہ امدادیہ کے نام وقف کر دیا تھا محوآرام ہوئے، حق تعالیٰ حضرتؒ کے درجات بلند فرمائے، آمین۔[1]

حضرت خطیب الاسلام نے مرشد تھانوی نوراللہ مرقدہ سے خوب ظاہری و باطنی فیض حاصل کیا، اور علوم شریعت کا باقاعدہ آغاز حضرت تھانوی کے یہاں خانقاہ "امدادیہ اشرفیہ" میں فرمایا، اور حضرت کے علوم سے مستفید ہوئے۔

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ پر یہ چند سطور وہ بھی اقتباس کی شکل میں بطور تبرک لکھدی گئیں ورنہ تفصیلات کے لئے رجوع کریں اشراف السوانح از قلم خواجہ عزیز الحسن مجذوبؒ، حکیم الامت نقوش وتاثرات، مولانا عبدالماجد دریابادی، یادرفتگاں، مولانا سید سلیمان ندوی، کراچی جنوری ۱۹۵۵ء۔

---

[1] ماخوذ از پچاس مثالی شخصیات

۲) حضرت مولانا حسین احمد مدنی نوراللہ مرقدہ

شیخ العرب والعجم، فخر المحدثین وفخر الأماثل، محدث وقت، مجاہد جلیل بطل کبیر حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب نوراللہ مرقدہ (متوفی ۱۳۷۷ھ) دارالعلوم دیوبند کے پانچویں صدر المدرسین تھے۔ حضرت شیخ الہند کے مخصوص تلامذہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے، علم وفضل کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ نے غیر معمولی مقبولیت عطا کی تھی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے خلفاء ومجازین میں سے تھے، دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد اپنے والد محترم کے ہمراہ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے، مدینہ منورہ کے اٹھارہ سالہ قیام کے دوران مختلف علوم وفنون اور بالخصوص حدیث شریف کا درس مسجد نبوی میں دیا۔ جو آپ کا سب سے بڑا اشرف وامتیاز ہے۔

زندگی کمال زہد وقناعت کی تھی جو کمال صبر وتحمل سے اس مدت میں بسر ہوئی، مدینہ منورہ کے قیام کے دوران ۱۳۱۸ھ میں ہندوستان تشریف لائے اور ۱۳۲۰ھ میں پھر دوبارہ واپس تشریف لے گئے، بعد ازاں ۱۳۲۷ھ میں دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت مدرس آپ کا تقرر ہوا۔ اور ۱۳۲۹ھ تک درس دیا اور اسی سال مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ ۱۳۳۱ھ میں پھر ہندوستان واپس تشریف لائے، اور اسی سال مدینہ منورہ واپس تشریف لے گئے۔ ۱۳۳۵ھ میں حضرت شیخ الہند کے ہمراہ حجاز ہی میں گرفتار ہوکر مالٹا بھیج دئے گئے۔ ۱۳۳۸ھ مالٹا سے رہا ہوکر حضرت شیخ الہند کے ہمراہ ہندوستان تشریف لائے اور اسی سال اکابر کے حکم پر جامعہ اسلامیہ امروہہ میں صدارت تدریس کی خدمات انجام دیں،[۱] پھر ۱۳۳۹ھ میں مدرسہ عالیہ کلکتہ میں صدر مدرس رہے، مگر تھوڑے ہی عرصے کے بعد جامعہ اسلامیہ سلہٹ میں شیخ الحدیث کی حیثیت سے آپ کا تقرر ہوگیا۔ سلہٹ میں آپ ۱۳۴۵ھ تک قیام پذیر رہے، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ ڈابھیل تشریف لے گئے تو آپ شوال ۱۳۴۵ھ میں دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس بنائے گئے، آپ بڑے درجہ کے محدث تھے اور آپ کا درس حدیث بے انتہا مقبول تھا اور مقبول کیوں نہ ہوتا آخر روضۃ الرسول ﷺ کے پاس بیٹھ کر اس سے قبل درس حدیث دینے کی سعادت حاصل کر چکے تھے۔ آپ نے کئی تصانیف فرمائیں جو سیاست وتصوف پر

---

[۱] جامعہ اسلامیہ امروہہ جامع مسجد امروہہ میں چلتا ہے، جس کے مؤسس قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

ہیں، ۱۳۴۵ھ سے ۱۳۷۷ھ تک بتیس برس آپ دارالعلوم دیوبند میں صدر مدرس اور ناظم تعلیمات رہے، اس دوران ۴۴۸۳ طلباء نے آپ سے بخاری شریف اور ترمذی شریف پڑھ کر دورۂ حدیث سے فراغت حاصل کی آپ کے تلامذہ کا سلسلہ پوری دنیا میں پھیلا، حضرت خطیب الاسلام نے بھی آپ سے ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۴۸ء میں بخاری شریف پڑھی اور شیخ الاسلام حضرت مدنی نوراللہ مرقدۂ سے شرف تلمذ حاصل کیا اور علمی طور پر حدیث میں طبعی مناسبت آپ ہی سے پیدا ہوئی۔

حضرت مدنی ان تعلیمی خدمات کے ساتھ ساتھ سیاسی کام بھی پوری تندہی سے انجام دیتے رہے اسی دوران آپ جمعیۃ علماء ہند کے بار بار صدر بنائے گئے، آپ جمعیۃ علماء اور کانگریس کے قائدین میں سے تھے، ہندوستان کی جنگ آزادی میں آپ کا نمایاں کردار رہا اور ملک کو آزاد کرانے میں تن من دھن کی بازی لگا دی، کئی مرتبہ جیل بھیجے گئے، آخر کار سب کے ساتھ مل کر وطن کو آزاد کرایا۔ بہرحال آپ عالم باعمل، محی السنۃ، شیخ وقت، مجاہد و جفاکش، جری اور اوالعزم فضلائے دارالعلوم دیوبند میں سے تھے۔

آپ کا حدیث کا درس مضامین اور جامعیت کے لحاظ سے دنیائے اسلام میں اپنی نوعیت کا منفرد درس ہوتا تھا، راقم الحروف نے حضرت خطیب الاسلام اور اپنے ہی خاندان کے دوسرے بزرگ حضرت مولانا عبدالجلیل صاحب نانوتویؒ کو بارہا فرماتے ہوئے سنا کہ حضرت مدنی نوراللہ مرقدہ کا درس بخاری سننے کے بعد کسی اور کے درس بخاری میں بیٹھ کر عجیب سے اجنبیت محسوس ہوتی ہے۔

۱۲ جمادی الاول ۱۳۷۷ھ ۵ دسمبر ۱۹۵۷ء کو آپ واصل بحق ہوئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، جنازہ دارالحدیث میں لاکر رکھ دیا گیا اور مظاہر علوم سہارنپور کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی نے نماز جنازہ پڑھائی، قبرستان قاسمی میں اس عظیم محدث، جلیل القدر مجاہد کی تدفین عمل میں آئی، حق تعالیٰ شانہ آپ کے درجات بلند فرمائے۔[1] حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے اللہ نے دعوت وتبلیغ اور اصلاح امت وتربیت کا بہت بڑا کام لیا، چنانچہ آپ کے زمانہ میں مغربی یوپی کے اکثر شرفاء کی بستیوں میں رہنے والے لوگ اصلاح وتربیت کے باب میں حضرت مدنی علیہ الرحمہ ہی کے دست گرفتہ تھے، اور اکثر کا اصلاحی وتربیتی تعلق حضرت ہی سے تھا، جنھوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا وہ حضرت کے عاشق زار تھے، کیونکہ حضرت کے یہاں نہایت درجہ سنتوں پر عمل کرنے کا

---

[1] ماخوذ از حضرت قاری محمد طیب صاحب کی کتاب ''دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات۔''

اہتمام تھا، اور اتباع سنت آپ کا خاص الخاص رنگ تھا، اسی طرح غیر منقسم بنگال، کلکتہ واطراف میں حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا بے انتہا فیض جاری ہوا۔ فجز اہ اللہ عنا وعن الاسلام والمسلمین کل خیر۔ حضرت کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لئے دیکھیں حضرت کی خودنوشت سوانح حیات، موسوم ''نقش حیات''۔

۳) حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ دارالعلوم دیوبند کے صدرالمدرسین رہے، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے، آپ کو امام المنطق والفلسفہ اور جامع معقولات اور منقولات ہونے کے ساتھ ساتھ اکثر اساتذہ دارالعلوم دیوبند اور دیگر بہت سے ذمہ داران مدارس دینیہ کے استاذ ہونے کا شرف حاصل ہے، درس و تدریس میں حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو خاص ملکہ عطا فرمایا تھا اور درس حدیث میں آپ کو خاص طور پر امتیاز حاصل تھا، مختلف مدارس اسلامیہ میں آپ نے تدریسی خدمات انجام دیں، مدرسہ عالیہ فتح پوری دہلی، مدرسہ امدادیہ دربھنگہ، مدرسہ ہاٹ ہزاری، ڈھاکہ وغیرہ میں صدارت تدریس کے مؤقر عہدوں پر فائز رہے اور آخر میں آپ کا انتخاب دارالعلوم دیوبند کے لئے بحیثیت صدر مدرس ہوا، یعنی ۱۳۷۷ھ میں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی وفات کے بعد آپ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس و ناظم تعلیمات اور مجلس شوریٰ کے ممبر بنائے گئے، آپ کے تلامذہ کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے، راقم الحروف نے اپنے اساتذہ اور خاص طور پر اپنے والد محترم حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی صاحب دامت برکاتہم العالیہ سے بارہا یہ جملہ سنا ''آپ کا درس انتہائی باوقار اور دلچسپ ہوتا تھا۔'' طلباء آپ کے افادات عالیہ سے مستفید ہونے کے لئے آپ کے درس میں انتہائی ذوق وشوق سے شرکت کرتے کیونکہ بڑے سے بڑے مسئلے کو آپ لطائف وظرافت، دقیقہ سنجی اور بالغ نظری سے حل فرمادیتے، ان تمام علمی کمالات کے ساتھ حضرت نانوتویؒ کے علوم پر گہری نظر تھی۔ حضرت شیخ الہند سے شرف تلمذ کے علاوہ بیعت کا شرف بھی حاصل تھا، درس وتدریس کے ساتھ ساتھ آپ نے اپنے پیچھے کئی تصانیف ورسائل بھی چھوڑے، حضرت خطیب الاسلام کو حضرت علامہ اور ان کے علوم سے خاص انسیت تھی، مزاج شناسی کے ساتھ ساتھ مزاج میں ہم آہنگی کی کئی اہم وجوہات تھیں، ایک تو خود خطیب الاسلام کا مزاج علمی، دوسری وجہ علمی مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ

طبیعت میں ظرافت و بذلہ سنجی، تیسری وجہ حضرت علامہ کو حضرت نانوتوی کے علوم سے گہری مناسبت، ان تمام وجوہات کی بنا پر حضرت خطیب الاسلام کو حضرت علامہ سے خوب خوب استفادہ کا موقع ملا۔ اس کے علاوہ ایک نسبت اور بھی تھی کہ حضرت علامہ آپ کے والد ماجد حضرت حکیم الاسلام کے بھی استاذ تھے، ان تمام نسبتوں کی وجہ سے حضرت کو حضرت علامہ سے مناسبت اور خاص انیست حاصل ہوگئی تھی۔[۱] آپ نے ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۸۷ھ کو داعی اجل کو لبیک کہا اور قبرستان قاسمی میں آسودۂ خواب ہوئے۔ حق تعالیٰ شانہ درجات بلند فرمائے۔ آمین

آپ کے بارے میں حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ فرماتے ہیں:

''حضرت مولانا بلیاویؒ دارالعلوم دیوبند کے مایہ ناز محقق عالم تھے۔ درسیات کی مشکل ترین کتابوں کے اعلیٰ ترین استاذ تھے، اپنی حیات کا بہت بڑا حصہ علوم نقلیہ وعقلیہ کی تعلیم وتدریس میں صرف کیا اور پورے ساٹھ برس تک تدریس علوم دینیہ کی خدمت انجام دیں، ذکاوت وقوت حافظہ اور حسن تعبیر میں خصوصا معقول اور منقول کے مشکلات کے حل کرنے میں یکتائے روزگار تھے، ہندو پاک کے ہزاروں علماء کے استاد تھے اور اپنے علمی کمالات اور جامعیت کے اعتبار سے قدمائے سلف کی یادگار تھے۔''[۲]

میں نے علامہ بلیاوی رحمہ اللہ کے بعض شاگردوں سے یہ دلچسپ واقعہ سنا کہ ایک مرتبہ علامہ بلیاوی رحمہ اللہ نے دوران درس حدیث طلبا کے سامنے واقعہ طائف بڑے ہی مؤثر لب و لہجے میں سنایا، ایک تو واقعہ طائف اپنے اندر ایسے پہلو رکھتا ہے کہ جس انسان کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان ہو وہ کفار طائف کی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدتمیزی اور گستاخی سن کر تڑپ جاتا ہے، اس پر مستزاد ایک صاحب علم وفضل اور اخلاص وللّٰہیت کے پیکر کی زبان اور لب ولہجہ ہو تو اثر پذیری بڑھ جاتی ہے۔ حضرت علامہ کی زبان بافیض سے یہ واقعہ سن کر درس میں شریک ایک بنگالی طالب علم نے روتے ہوئے یوں کہا: حضرت، علامہ نے فرمایا، کون صاحب ہیں، ان طالب علم نے ہاتھ اٹھایا، علامہ نے کہا جی فرمائیں، بنگالی طالب علم نے اپنے مخصوص لب ولہجہ میں اردو بولتے ہوئے کہا، حضرت اگر اللہ

---

۱ حضرت خطیب الاسلام نے حضرت علامہ سے مسلم شریف اور طحاوی شریف پڑھیں۔

۲ ماہ نامہ بینات کراچی ذی قعدہ ۱۳۸۷ھ ص ۲۵۔ علامہ ابراہیم بلیاوی کے بارے میں یہ مختصر معلومات ماخوذ ہیں از: حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی کتاب ''دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات''

رب العزت حضرت محمد ﷺ کو ہمارے یہاں بھیجتا تو ہم آپ کے ساتھ یہ سلوک ہرگز نہ کرتے اور یہ کہتے ہوئے رونے لگے۔ حضرت علامہ بھی استادوں کے استاد تھے، بڑا ہی عجیب وغریب جواب ارشاد فرمایا کہ خوش طبعی بھی ہوگئی، اوران کی بات کا جواب بھی ہوگیا، ارشاد فرمایا، مولوی صاحب! تم کس علاقے کے رہنے والے ہو، انہوں نے کہا کہ حضرت میں بنگال کا ہوں، فرمایا، بنگال کی کیا چیز مشہور ہے، بتایا گیا، بنگال کی کھاڑی اور زلف بنگال مشہور ہے، پھر فرمایا کہ عرب کے علاقے کی کیا چیز مشہور ہے، طلبہ نے بتایا، پہاڑ چٹانیں اور پتھر۔ ارشاد فرمایا، کیا تم نے کبھی سنا ہے کہ کسی نے کوئی چیز پانی پر لکھی ہو، پانی پر کوئی چیز لکھی نہیں جاسکتی، اور اردو کا محاورہ ہے پتھر کی لکیر، جو چیز پتھر پر لکھ دی جائے وہ مٹتی نہیں، پانی پر ہاتھ چلا کر کچھ بھی لکھ دیں وہ فوراً مٹ جاتا ہے، لیکن جو چیز پتھر پر لکھدی جائے وہ انمنٹ ہوجاتی ہے، لیکن پتھر پر لکھنا آسان نہیں، اگر اللہ تعالیٰ سرور کائنات ﷺ کو بنگال کے علاقے میں بھیج دیتے تو تم لوگ بات تو جلدی قبول کر لیتے لیکن اپنی طبیعت اور مزاجوں کی وجہ سے اسے بھلا بھی دیتے لیکن عرب کے لوگوں نے بیشک پیغام ابدی کو دیر سے اور بڑی جد وجہد کے بعد قبول کیا، لیکن جب قبول کر لیا تو بس پتھر کی لکیر بن گیا، اور تیرہ صدیاں گزر جانے کے بعد بھی اسی آب وتاب کے ساتھ زندہ ہے، واقعہ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ علامہ ابراہیم رحمۃ اللہ کا امتیاز یہ تھا کہ نکتہ آفرینی فرماتے اور بڑے بڑے گنجلک مسائل کو بآسانی حل کر دیتے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

۴) شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی امروہوی رحمۃ اللہ علیہ

آپ بھی دارالعلوم دیوبند کے ان ممتاز اساتذہ میں سے تھے جن سے حضرت خطیب الاسلام کو خوب خوب استفادہ کا موقع ملا، آپ کو ۱۳۲۱ھ میں بھاگلپور (بہار) کے مدرسہ نعمانیہ کے لئے حضرت شیخ الہند قدس سرہ نے منتخب فرمایا، جہاں پر آپ نے سات سال تک درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا، پھر وہاں سے شاہ جہاں پور تشریف لائے اور ایک مسجد میں افضل المدارس کے نام سے مدرسہ قائم کیا، جس میں حِسبۃً للہ پڑھاتے رہے ۱۳۳۰ھ میں آپ کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں ہوا، یہاں پر عربی ادب کے اکثر اسباق آپ سے متعلق رہے، چونکہ عربی زبان وادب کا خاص ذوق رکھتے تھے اس لئے دارالعلوم دیوبند کے حلقوں میں ''شیخ الادب'' کے نام سے معروف ہوئے۔ ۱۳۴۰ھ میں حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا ریاست حیدرآباد کے مفتی اعظم کے

عہدے پر انتخاب عمل میں آیا تو اپنی ضعیف العمری کی وجہ سے آپ کو اپنی معیت میں لے گئے۔ جہاں ایک سال قیام رہا۔ حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب ہی کے ساتھ آپ دیو بند واپس تشریف لے آئے، پھر آپ کو مفتی اعظم حضرت مولانا عزیز الرحمٰن عثمانی قدس سرہ کے انتقال کے بعد صدر مفتی دارالعلوم دیو بند کے عہدے پر فائز کیا گیا اور اس کے بعد آخر عمر تک دارالعلوم دیو بند ہی میں آپکا قیام رہا۔

گرچہ فقہ وادب آپ کا خاص موضوع تھا مگر آپ نے آخری دور میں کئی سال ترمذی شریف اور تفسیر کی بلند پایہ کتابیں بھی پڑھائیں، مولانا مدنی کی عدم موجودگی میں متعدد مرتبہ بخاری شریف پڑھانے کا بھی موقع ملا، غرض یہ کہ علم فقہ، علم حدیث، علم ادب اور علم تفسیر وغیرہ ہرفن کی کتابوں پر آپ کو مکمل عبور حاصل تھا، حضرت خطیب الاسلام کے یہ نامور اور نابغۂ روزگار اساتذہ کرام کا امتیاز اگر چہ کسی خاص فن اور علم میں ظاہر ہو جاتا تھا، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام ہی حضرات علوم متداولہ پر کامل دستگاہ رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان میں اگر کوئی محدثانہ شان کے ساتھ مشہور ہوا، لیکن جب وہ دوسرے علوم وفنون کی کتابیں پڑھاتا، تو یوں محسوس ہوتا کہ یہ اسی میدان کا شہسوار ہے۔ بڑے افسوس کے ساتھ یہ بات لکھنی پڑتی ہے کہ ذوق مطالعہ میں کمی آنے کی وجہ سے اب ایسے باکمال اساتذہ اور افراد خال خال ہی نظر آتے ہیں کہ جنکا علم موسوعی اور ہمہ گیر انداز کا ہو۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب لکھتے ہیں:

> ''حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ ہمارے ان اساتذہ میں سے ہیں جن کی تعلیم وتربیت ہماری تعلیم کا اصل قوام تھی، دارالعلوم دیو بند میں درس وتدریس کی والہانہ خدمت آپ کا شب وروز کا محبوب مشغلہ تھا، اس کے ساتھ ادب اور فقہ کی بہت سی کتابوں پر حواشی لکھے جو اہل علم میں نہایت مقبول ہوئے۔[1]

آپ تواضع، اخلاق واوصاف میں اپنے اسلاف کے نمونہ تھے، انتظامی امور میں بھی آپ کی اہلیت مسلم تھی، بقول حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ''وقتاً فوقتاً ادارہ اہتمام میں بھی آپ کی انتظامی صلاحیتوں سے استفادہ کیا گیا۔[2] ۱۳۷۴ھ میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا، حق تعالیٰ شانہ درجات عالیہ نصیب فرمائے۔ (آمین)

---

[1] حیات طیب، ج اول ص ۳۷ مرتبان: مولانا غلام نبی قاسمی، مولانا محمد شکیب قاسمی

[2] دارالعلوم دیو بند کی پچاس مثالی شخصیات، مولانا قاری محمد طیب صاحب ص ۱۴۶

حضرت خطیب الاسلام کو حضرت شیخ الادب کے بارے میں کثرت سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ ''حضرت مولانا اعزاز علی صاحب کبھی کسی کو کچھ نہیں کہتے تھے، مگر رعب اس قدر تھا کہ کسی کی چوں و چرا کرنے کی ہمت نہیں تھی، دراصل یہ وہ ایمانی رعب تھا جو حق تعالیٰ اپنے مخصوص بندوں کو عطا فرماتا ہے۔[1]

بقول اقبال:

اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب اس کی نگہ دلنواز[2]

۵) حضرت مولانا سید فخر الحسن صاحبؒ سابق صدر المدرسین دار العلوم دیوبند

حضرت کا آبائی تعلق مراد آباد کے قریب مقام موضع عمری سے تھا، مگر حضرت پچاس سال قبل (نصف صدی قبل) اپنا آبائی وطن ترک فرما کر دیوبند قیام پذیر ہوگئے اور محلّہ شاہ رمزالدین کے ایک مکان میں قیام فرمایا تھا، آپ نے تقریباً نصف صدی تک دار العلوم دیوبند اور دیگر مدارس میں تدریسی خدمات انجام دیں، حقیقت یہ ہے کہ میزان الصرف سے لے کر دورہ حدیث شریف تک کی شاید ہی کوئی کتاب ہو جو حضرت کے زیر درس نہ رہی ہو، وسعت مطالعہ، قوت حفظ اور تدریسی صلاحیت کے اعتبار سے مولانا خود اپنی نظیر آپ تھے۔

مادرِ علمی دار العلوم دیوبند میں نصف صدی قبل حضرت کا تقرر ہوا، اور درجہ وسطی کی کتب آپ سے متعلق فرمائی گئیں، آپ کی تدریسی خدمات کے پیش نظر دار العلوم کی انتظامیہ نے آپ کو صدر المدرسین بنایا، اور کچھ عرصہ دار العلوم میں بخاری شریف کا بھی درس دیا، حضرت خطیب الاسلام نے آپ سے نسائی شریف اور مؤطا امام مالک پڑھی تھیں آپ کے طرز تدریس کی خصوصیت بقول حضرت خطیب الاسلام:

''جس خوبی وسہل تر اور دلکش انداز میں بیان فرماتے وہ حضرت کی اپنی خصوصیت تھی،'' دوران

[1] تدریسی وعلمی خدمات کے ساتھ تصوف وسلوک کے منازل طے کرتے رہے، قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے بیعت کا سلسلہ قائم فرمایا۔ مولانا اعزاز علی صاحب نے دیوان الحماسہ کا بڑی ہی سلیس اردو میں ترجمہ کیا، جو اکثر وبیشتر دیوان الحماسہ کے حاشیہ پر چھپا ہوا ہوتا ہے۔

[2] کلیات اقبال

درس طرز استدلال نہایت قوی اور جامع ہوتا اور گاہ بگاہ اپنے طرز استدلال کو مزید مدلل بنانے کے لئے یہ جملہ فرماتے "من ادعی غیر ذلک فعلیہ البیان الی آخر شعبان."

حضرت کو خداوند قدوس نے تصنیفی ذوق بھی خوب عطا فرمایا تھا، آپ کی مشہور تصانیف میں تقریر حاوی شرح بیضاوی ہے جو تین حصہ یکجا شائع ہوئی، جس کو مولانا شکیل احمد صاحب سیتاپوری نے مرتب فرمایا، یہ کتاب بیضاوی شریف سورہ بقرہ کی مشہور اور مقبول ترین شرح ہے، اس کے علاوہ امام طحاوی پر ایک کتاب "حیات امام طحاوی" بھی آپ کی مشہور تصنیف ہے، حضرت مولانا کے صاحبزادگان میں مولانا بہاؤ الحسن اور حضرت مولانا انور حسن صاحب دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ میں سے تھے اور آخر الذکر صاحبزادے نے تو تقریبا چالیس سال دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمت انجام دی۔ حضرت مولانا فخر الحسن صاحب کی وفات ۱۳۹۸ھ میں ہوئی اور مزار قاسمی میں تدفین ہوئی۔ حق تعالیٰ شانہ درجات عالیہ نصیب فرمائے۔[1]

٦) استاذ العلماء حضرت مولانا سید اختر حسین میاں صاحب

حضرت خطیب الاسلام نے فقہ کی مشہور کتاب "کنز الدقائق" حضرت مولانا سید اختر حسین صاحب دیوبندی سے پڑھی، آپ کو حق تعالیٰ شانہ نے غیر معمولی فطری صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ غیر معمولی حسن انتظام عطا کر رکھا تھا، جس کام کو کرتے بقول خطیب الاسلام: ایسا معلوم ہوتا کہ آپ کو اسی کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے، آپ حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب محدث دارالعلوم دیوبند کے صاحبزادے تھے، حضرت کے جد امجد حضرت مولانا عبداللہ شاہ عرف حضرت میاں جی منے شاہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جو حضرت نانوتویؒ کے قیام دارالعلوم کے سلسلے میں معاونین میں سے تھے۔

حضرت مولانا خورشید حسن اپنی کتاب "دارالعلوم دیوبند کی تاریخی شخصیات" میں لکھتے ہیں:

"حضرت مولانا سید اختر حسین صاحب نے تقریبا چالیس سال تک دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیں، آپ کو حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند نے ناظم تعلیمات مقرر فرمایا، اور تاوفات آپ اس باوقار عہدہ پر فائز رہے، انتظامی اعتبار سے حضرت طلباء کے لئے مشفق استاذ کے ساتھ منتظم کی

[1] دارالعلوم دیوبند کی تاریخی شخصیات مصنف مولانا خورشید حسن قاسمی ص ۷۹، ۸۰۔

حیثیت سے ادارہ کے قوانین وضوابط کے سخت پابند تھے، درس میں کسی قسم کی بے اصولی، سبق میں عدم حاضری، استاذ محترم کے ساتھ دیوار یا تپائی یا کتاب پر سہارا لے کر بیٹھنا یا دوران درس طالب علم کی دوسرے ساتھی کے ساتھ گفتگو وغیرہ نا قابل معافی حرکات تصور کی جاتی، جس کی مناسب اور حسب حال سزا میں تاخیر کی گنجائش نہ ہوتی۔[1]

آپ کا طرز تدریس بقول حضرت خطیب الاسلام ''اولا عبارت کتاب، مطلب خیز، ترجمہ پر توجہ رہتی، فقہ سے متعلق کتب کی تدریس میں دارالعلوم دیوبند کے فقہی ذوق کے مطابق ائمہ اربعہ کے مسلک کو مختصرا بیان فرما کر حنفی ترجیحی دلائل کو بالکل آخر میں انتہائی سہل انداز میں بیان فرماتے۔''

ہدایہ اولین اور ہدایہ آخرین کا درس بہت مشہور تھا، آپ کی وفات اجلاس صد سالہ سے قبل ہوئی۔

اللهم اغفره وارحمه واعف عنه

۷) حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

حضرت خطیب الاسلام نے دورہ کے سال میں جن باکمال حضرات سے استفادہ کیا، ان میں حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ کی ذات بابرکت خاص طور پر قابل ذکر ہے، حضرت خطیب الاسلام کو آپ سے مؤطا امام محمد اور بیضاوی شریف پڑھنے کا شرف حاصل ہے۔ ممتاز علمائے دین اور بلند پایہ ارباب تدریس میں آپ کا شمار ہوتا ہے، اسی کے ساتھ ساتھ ایک عظیم محدث، مؤرخ اور کثیر التصانیف مصنف تھے۔ آپ ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم خانقاہ اشرفیہ تھانہ بھون میں ہوئی، اس کے بعد اعلیٰ دینی تعلیم کے حصول کے لئے مظاہر علوم تشریف لے گئے، اور مظاہر علوم سے ہی دورۂ حدیث شریف تک تعلیم حاصل کی، مزید تعلیم کا شوق دارالعلوم دیوبند میں لے آیا اور دوبارہ دورہ حدیث شریف میں داخلہ لیا۔ ۱۳۳۷/۱۹۱۹ء میں دارلعلوم سے فراغت حاصل کی، صلاح وتقویٰ کے آثار شروع ہی سے نمایاں تھے اور بقول حکیم الاسلام ''آپ دارالعلوم کے ممتاز فضلاء میں سے تھے، حضرت علامہ سید انور شاہ کشمیریؒ قدس سرہ کے مخصوص اور معتمد علیہ تلامذہ میں سے آپ کا شمار ہوتا تھا۔[2]

---

[1] دارالعلوم دیوبند کی تاریخی شخصیات مصنف مولانا خورشید حسن قاسمی ص ۵۶، ۵۶

[2] دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات، ص ۱۶۸، حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ

مدرسہ امینیہ دہلی سے انہوں نے تدریسی زندگی کا آغاز کیا، پھر چند ماہ بعد ہی دارالعلوم دیوبند میں تقرر ہو گیا اور مختلف کتابیں پڑھانے کا موقع ملا، ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۱۹ء تک دارالعلوم میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، پھر حیدرآباد چلے گئے اور دس بارہ سال تک وہاں مقیم رہ کر درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا ۱۳۵۸ھ/ ۱۹۳۹ء پھر انہیں واپس دارالعلوم بلایا گیا اور تفسیر وحدیث کے اسباق ان کے سپرد کئے گئے، ان کا درس تفسیر وحدیث اہل علم میں مشہور ومقبول تھا، اس طرح اٹھارہ سال تک انہوں نے دارالعلوم میں مسند تدریس کو رونق بخشی تقسیم وطن کے وقت ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۸ء میں لاہور چلے گئے اور وہاں جامعہ عباسیہ بہاولپور میں شیخ الجامعۃ مقرر ہوئے، پھر ۱۹۵۲ء سے آخر تک جامعہ اشرفیہ لاہور میں بہ حیثیت شیخ الحدیث ۲۲ سال تک فرائض تدریس انجام دیتے رہے، لاہور میں ہر جمعہ کو ان کا وعظ ہوتا تھا جس میں بڑے ذوق وشوق سے لوگ شریک ہوا کرتے تھے۔

تفسیر وحدیث، علم کلام اور عربی ادب سے انہیں شغف تھا، عربی اور فارسی میں برجستہ اشعار کہنے کا انہیں اچھا ملکہ تھا، علم وفضل، زہد وتقویٰ اور اتباع سلف میں ان کا بڑا مقام تھا۔ تقویٰ اور خشیت الٰہی کے آثار نمایاں طور پر ان کے چہرے پر محسوس ہوتے تھے۔ نہایت سادہ زندگی بسر کرتے تھے، حق گوئی میں نہایت جری اور بے باک تھے، حق بات بلا خوف لومۃ لائم برملا کہنے میں ذرا تأمل نہیں ہوتا تھا۔ علم وعمل میں سلف صالح کا نمونہ تھے، بقول حضرت حکیم الاسلام ”علوم اور کتب کا استحضار تام تھا۔ ہر وقت درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مصروف رہتے تھے یہ ذوق یہاں تک بڑھا ہوا تھا کہ دنیوی ساز وسامان سے ہمیشہ بے نیاز رہے۔ تفسیر، حدیث اور عقائد وغیرہ میں ان کی جملہ تصانیف کی تعداد سو کے قریب ہے، دارالعلوم کے کتب خانہ میں ان کی تین درجن سے زائد تصنیفات موجود ہیں۔ جن میں سیرت المصطفی بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ اس کتاب میں بیان سیرت میں صحیحین کی مرویات کو ہی بیان کرنے اور لکھنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔ مولانا قاضی اظہار صاحب کاندھلوی[1] رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ انہوں نے اپنے ذاتی کتب خانے کی کتابوں کے گرد کو ایک جگہ جمع کیا ہوا

[1] حضرت مولانا قاضی اظہار صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے ہی جید عالم اور فقیہ النفس انسان تھے، رئیس کاندھلہ جناب قاضی نثار صاحب مرحوم کے دوسرے نمبر کے صاحبزادے تھے، میرے بھائی جان کے استاذ تھے، انتہائی متواضع اور صاحب علم انسان تھے، زندگی کے اکثر اوقات فقہی وعلمی کتب کے مطالعے میں گذرتے تھے۔ سن ۱۹۹۷ء میں مولانا کی وفات ہوئی اور کاندھلہ کے مشہور قبرستان عید گاہ میں آسودۂ خواب ہیں۔ ان کے ایک صاحبزادے ہیں جو آج کل مدینہ منورہ میں مقیم ہیں۔

تھا، انتقال کے وقت وصیت فرمائی تھی کہ اس گرد کو میری قبر میں میرے ساتھ دفن کر دینا، جس سے علمی شغف اور علوم اسلامیہ کے ساتھ انتہائی دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے، آج کل تو موبائیلوں نے لوگوں کے اندر سے یہ علمی ذوق اور شغف، کتب بینی کا ذوق ختم کر دیا ہے، جس سے امت کو بے انتہا نقصان ہوا۔

۷؍رجب المرجب ۱۳۹۴ھ ,۲۸؍جولائی ۱۹۷۴ء کو لاہور میں وفات پائی اور وہیں شادمان کالونی کے قبرستان میں آسودۂ خواب ہیں۔[۱]

۹) حضرت مولانا عبدالاحد صاحب دیوبندیؒ

حضرت خطیب الاسلام نے درس نظامی کی مشہور کتاب شرح عقائد نسفی حضرت مولانا عبدالاحد صاحب دیوبندی، صاحبزادے حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب سے پڑھی، استاذ اور شاگرد میں بڑی گہری نسبت یہ رہی کہ جس طرح حضرت مولانا عبدالاحد صاحب کا شرح عقائد کا درس مشہور تھا، اسی طرح حضرت خطیب الاسلام کو بھی اس کتاب سے بڑا خاص تعلق رہا، بقول والدمحترم[۲] (میرے والد نے شرح عقائد حضرت خطیب الاسلام سے پڑھی) ''حضرت کا شرح عقائد کا درس اس قدر مقبول تھا کہ دیگر مدارس سے طلبہ شریک درس ہونے کے لئے آجاتے اور اس قدر جامع کلام فرماتے کہ سارے کلامی مضامین ذہن نشین ہوتے چلے جاتے اور کوئی گوشہ تشنہ نہ چھوڑتے، جیسا کہ خانوادہ قاسمی کی خصوصیت ہے کہ جب یہ حضرات کسی مسئلہ پر کلام کرتے ہیں تو وہ مسئلہ کسی بھی جانب سے تشنہ نہیں رہتا۔''

بہرحال حضرت مولانا عبدالاحد صاحب حضرت خطیب الاسلام کے اساتذہ میں سے ہیں، حضرت مولانا اپنے وطن دیوبند میں ۱۱؍رمضان ۱۳۲۹ھ بوقت تراویح پیدا ہوئے، تاریخی نام اختر حسین، رکھا گیا اور عرفی نام 'عبدالاحد' آپ کے والد حضرت مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندی دارالعلوم کے استاذ تھے، اس لئے مولانا عبدالاحد صاحب کی تعلیم از اول تا آخر دارالعلوم دیوبند میں ہوئی جس طرح حضرت خطیب الاسلام کی تعلیم از اول تا آخر دارالعلوم دیوبند ہی میں ہوئی۔

[۱] تاریخ دارالعلوم دیوبند ج دوم ص ۱۳۷، ۱۳۸ مشاہیر علماء دیوبند، دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات

[۲] میرے والدمحترم نے 'مشکوٰۃ المصابیح' حضرت مولانا عبدالاحد صاحب سے پڑھی ایک مرتبہ دوران درس حضرت مولانا عبدالاحد صاحب نے ایک سوال طلبہ سے فرمایا اور جواب دینے والے کو انعام کی پیش کش کی میرے والدمحترم نے برجستہ جواب دیا تو جیب سے دس پیسے نکالے اور والدمحترم کو عنایت فرمائے اور یہ فرمایا کہ یہ خاندان صدیقی نانوتہ (یعنی حضرت نانوتوی کے خاندان) کی خصوصیت ہے۔

مولانا نے پہلے حفظ کیا، پھر فارسی پڑھی اس کے بعد دیگر علوم متداولہ، ۱۳۵۵ھ میں آپ نے دورہ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی، اور ۱۳۵۶ھ میں دیگر فنون کی تکمیل کی۔

۱۳۵۷ھ سے آپ دارالعلوم دیوبند میں عربی کے ابتدائی مدرس ہوگئے اور بتدریج ترقی کر کے بہت جلد علیا کے استاذ ہوگئے، اخیر میں کئی سال مسلم شریف کا درس دیا، آپ نے ۱۳۷۷ھ میں پہلا حج کیا، اس کے بعد وقفہ وقفہ سے پانچ حج ادا کئے، بیعت کا شرف شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل تھا۔ عام طور پر طلبہ آپ سے بہت مانوس اور خوش رہتے تھے، مہمان نوازی آپ کا خاص وصف تھا، قرآن پاک پڑھنے پڑھانے سے بہت مناسبت اور تلاوت کلام اللہ سے خاص شغف تھا۔ ہزاروں طلبہ نے آپ سے استفادہ کیا، صدسالہ اجلاس میں پیش پیش رہے، اس کے بڑے حامی تھے، رمضان ۱۳۹۹ھ میں کوئی بیماری ہوئی جس سے کافی کمزور ہوگئے، مگر چند ماہ بعد ہی اس مرض سے افاقہ ہوگیا، یکم ذیقعدہ کو اچانک طبیعت ناساز ہوئی، اور ۹ کا دن گذار کر شب کے سوا دو بجے جاں جان آفریں کے سپرد کردی، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ۳۱/ اکتوبر ۱۹۷۹ء چہارشنبہ کی شب تاریخ وفات ہے۔ آپ کی متعدد تصانیف بھی ہیں جن میں کنز الفرائد کے نام سے ''شرح عقائد'' کی شرح بھی ہے۔ جامع مسجد دیوبند میں خطیب تھے اور دارالعلوم دیوبند میں بیالیس سال تدریسی خدمات انجام دیں۔ حق تعالیٰ شانہ نے ان کو زہد وتقویٰ اور سنت نبوی کا عملی نمونہ بنایا تھا۔[۱]

۱۰) حضرت مولانا عبدالشکور دیوبندیؒ

حضرت والا سے حضرت خطیب الاسلام نے جلالین شریف (حصہ اول) پڑھی، مولانا کو حق تعالیٰ شانہ نے غیر معمولی ذہانت اور فراست ایمانی عطا فرمائی تھی، جس کا نتیجہ فکری پرواز کی بلندی اور طلبہ کے درمیان درس کی مقبولیت کی شکل میں ظاہر ہوا، آپ کا تعلق دیوبند کے شیوخ خاندان سے تھا، آپ کے والد کا نام مولانا نورالحسن نقشبندی اور جد امجد کا اسم گرامی مولانا عبدالخالق دیوبندی ہے جن کا دیوبند کی تاریخی جامع مسجد کے قیام میں بنیادی مقام رہا اور ان کے نام کا کتبہ بھی جامع مسجد کے صدر گیٹ پر تاحال نصب ہے اور مذکورہ مسجد کی امامت وخطابت کا شرف بھی اسی خاندان کو حاصل تھا۔

---

[۱] مشاہیر علماء دیوبند ص ۱۰۵ مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب، دارالعلوم دیوبند کی تاریخی شخصیات۔

دار العلوم دیوبند میں تعلیم پائی اور ۱۳۲۹ھ/۱۹۱۱ء میں سند فراغت حاصل کی۔

مدرسہ صدیقیہ دہلی اور مدرسہ حسین بخش دہلی میں مدتوں بسلسلہ تدریس خدمات انجام دیں، ۱۳۶۳ھ/۱۹۴۴ء میں دار العلوم دیوبند میں تدریس کے لئے ان کا تقرر ہوا، شوال ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء میں حجاز چلے گئے اور مدرسہ العلوم الشرعیہ مدینہ منورہ میں مدرس مقرر ہو گئے، حجاز میں اللہ رب العزت نے ان کے درس کو بڑی مقبولیت بخشی اور ہزاروں عرب وعجم کے طلبہ ان کے درس سے مستفید ہوئے۔

مولانا موصوف کی شخصیت اپنے علم وفضل کے ساتھ ساتھ اخلاص وللّٰہیت اور عاجزی وانکساری کا ایک مجموعہ تھی، ان کو قرآن کریم اور خدمت قرآن سے خاص شغف تھا، ان کی پوری زندگی قرآن کریم، تفسیر اور حدیث کے درس اور خدمت میں گذری، دیوبند کے بڑے جید حفاظ میں سے تھے، اسی کے ساتھ ساتھ آواز میں ایسی تاثیر اور گداز تھا کہ ان کی تلاوت کے وقت دل کھنچے جاتے اور سننے والوں پر ایک وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۳ھ/ستمبر ۱۹۶۳ء میں مدینہ منورہ میں انتقال فرمایا اور جنت البقیع میں حضرت عثمان غنیؓ کے مزار کے نزدیک تدفین عمل میں آئی۔[1]

حضرت خطیب الاسلام کو اپنے استاذ مولانا عبد الشکور صاحب سے ایک خاص انسیت اس لئے تھی کہ مولانا کا انداز تدریس انتہائی عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ مدلل اور جامع ہوتا یہی وجہ ہے کہ حضرت خطیب الاسلام کو ان سے بہت کم وقفہ میں خاص تعلق پیدا ہو گیا تھا، اور ان کے درس میں عبارت خوانی میں بھی پیش پیش رہتے تھے۔

حضرت کی ذات گرامی دار العلوم دیوبند کے اس بابرکت دور کی دلکش یادگار تھی جس نے حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ وغیرہ کا جلوہ جہاں آرا دیکھا تھا۔ یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جس کسی نے حضرت مولانا عبد الشکور صاحب کے چہرہ کی زیارت کی ہے، بالواسطہ یا بلا واسطہ حضرت کے فیض صحبت سے فیضیاب ہوا ان کے نقوش دل ودماغ سے نہیں مٹ سکے۔

مولانا کی علمی استعداد اور حدیث وتفسیر سے غیر معمولی شغف کی بنا پر اکابر علماء مدینہ منورہ نے آپ کو حرم مقدس کے نزدیک واقع مدرسہ علوم الشریعہ میں تدریسی خدمات کے لئے مقرر فرمایا، جہاں پر خاص طور پر درس حدیث حضرت سے متعلق رہا۔

---

[1] تاریخ دار العلوم دیوبند ج دوم ص ۱۱۲۔ دار العلوم دیوبند کی تاریخی شخصیات ص ۹۲

حضرت کی شخصیت ان سب بابرکات شخصیات کے فیوض کی جامع ہے، حق تعالیٰ شانہ حضرت خطیب الاسلام کی عمر عزیز میں مزید برکت عطا فرمائے تا کہ ہم جیسے نااہلوں کو حضرت سے مستفید ہونے کا مزید موقع مل سکے۔ بقول علامہ اقبال:

تجھ سے ہوا آشکار بندہ مؤمن کا راز
اس کے دنوں کی تپش، اس کی شبوں کا گذار
اس کا مقام بلند، اس کا خیال عظیم
اس کا سرور اس کا شوق اس کا نیاز اس کا ناز[1]

۱۱) حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب بلند شہری

حضرت مولانا بشیر احمد صاحب کا دارالعلوم دیو بند کے صف اول کے اساتذہ میں شمار ہوتا تھا، ان کا آبائی وطن ضلع بلند شہر ہے، انہوں نے کافی عرصہ قبل دیو بند ہی میں مستقل رہائش اختیار کر لی تھی، حضرت کا مکان محلّہ کوٹلہ دیو بند میں لب سڑک واقع ہے، حضرت خطیب الاسلام نے حضرت مولانا بشیر احمد خاں صاحب سے جلالین شریف پڑھی۔ بقول حضرت خطیب الاسلام: ''حضرت الاستاذ کے درس کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ آپ درسی تقریر، سلیس، عام فہم اور انداز بیان مختصر اور جامع ہوتا تھا۔'' حضرت نے مادر علمی دارالعلوم دیو بند میں تقریباً چالیس سال تک تدریسی خدمات انجام دیں اور ہر سال کوئی نہ کوئی کتاب دورۂ حدیث شریف کی آپ کے زیر درس رہی اور تکمیلات (تخصصات) کی کتب میں علم ہیئت کی مشکل ترین کتابیں شرح چغمینی، میر زاہد، ملا جلال، شمس بازغہ، صدرا وغیرہ اور علم کلام میں مسامرہ اور امور عامہ وغیرہ زیر درس رہیں، حضرت کے درس حدیث میں طرز تدریس اس طرح ہوتا کہ حضرت اولاً کتاب کی عبارت حل فرماتے، پھر حدیثی لغات پر کلام فرماتے، اس کے بعد ترجمہ ومطلب کے بعد بوقت ضرورت حدیث کے راویوں پر سیر حاصل بحث فرماتے، فقہی احکام سے متعلق احادیث شریفہ میں ائمہ اربعہ کا مسلک بیان فرمانے کے بعد جامع طرز پر آخر میں فقہ حنفی کے ترجیحی دلائل بیان فرماتے حضرت تدریسی اعلیٰ صلاحیت رکھنے کے ساتھ ساتھ انتظامی اعلی صلاحیت سے بھی بہرہ ور تھے، چنانچہ آپ کی اسی انتظامی صلاحیت کی وجہ سے حضرت حکیم الاسلام

---

[1] دیوان اقبال، بال جبرئیل، ہسپانیہ کی سرزمین قرطبہ میں لکھی گئی نظم 'مسجد قرطبہ' کے دو اشعار

قاری محمد طیب صاحب نے آپ کو اپنے دور اہتمام میں نائب مہتمم اور قائم مقام مہتمم منتخب فرمایا، چنانچہ کافی طویل عرصہ تک آپ اسی منصب پر فائز رہے اور ساتھ میں تدریسی خدمات بھی حسب سابق انجام دیتے رہے۔ ۸/ جمادی الثانیہ ۱۳۸۶ھ/ ۲۴ دسمبر ۱۹۶۶ء کو تقریبا چالیس سال تک مادر علمی دارالعلوم دیوبند سے وابستہ رہ کر انتقال فرمایا اور مزار قاسمی میں مدفون ہوئے۔

بقول حضرت خطیب الاسلام ''آپ انتہائی اصول کے پابند اور باوقار شخصیت کے مالک تھے، آپ کی بات مختصر مگر جامع ہوتی تھی، حقیقت یہ ہے کہ مولانا کی زندگی علامہ اقبال کے اس شعر کی مصداق تھی۔

پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہان پیدا کرے

۱۲) حضرت مولانا عبدالسمیع دیوبندیؒ

دارالعلوم دیوبند کے ان مایہ ناز اساتذہ میں ہیں جن پر خود ان کے اساتذہ کو بڑا ناز تھا، آپ کی پیدائش ۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء میں ہوئی، تاریخی نام چراغ محمد رکھا گیا، آپ کی تعلیم شروع سے آخر تک دارالعلوم دیوبند میں ہی ہوئی، اور ۱۳۱۸ھ/ ۱۹۰۰ء میں تکمیل علوم سے فراغت حاصل کی، آپ نے دارالعلوم میں تقرری سے قبل فتح گڑھ ضلع فرخ آباد، مدرسہ اسلامیہ روڑکی ضلع سہارنپور اور مدرسہ عالیہ مسجد فتحپوری میں تدریسی خدمات انجام دیں۔ ۱۳۲۸ھ/ ۱۹۱۰ء کے اواخر میں دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی درجات کی تعلیم کے لئے تقرر ہوا۔ حضرت مولانا عبدالسمیع صاحبؒ سے حضرت خطیب الاسلام نے درس نظامی کی دو اہم کتابیں پڑھیں (۱) سلم العلوم اور (۲) مختصر المعانی۔

آخر الذکر یعنی مختصر المعانی کا درس حضرت کا بڑا مشہور تھا، حضرت نے ۳۸ سال تک دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیں اس لمبے عرصے میں حضرت نے ابتدائی درجات سے لے کر دورۂ حدیث کی کتابوں کا درس دیا، طلبہ سے آپ غیر معمولی محبت وشفقت فرماتے اور طلبہ آپ کے درس کو بہت پسند فرماتے۔

مولانا وعظ فرماتے تو بڑا مؤثر وعظ فرماتے، فن مناظرہ میں بڑا درک تھا، اور قادیانیوں سے کئی مناظرہ کئے اور ان کو شکست دی، قادیانیت کے خلاف کام کرنے والوں میں حضرت کا نام دارالعلوم

دیوبند کی تاریخ میں سرفہرست ہے۔ چنانچہ ان کے خلاف ایک درجن کے قریب رسائل لکھے، جن سے حضرت کے تحریری ذوق کا پتا چلتا ہے۔ بستان المحدثین، مصنفہ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کا ارض الریاحین کے نام سے اردو میں سلیس اور شستہ ترجمہ کیا ہے۔ جو ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۵ء میں مطبع قاسمی دیوبند سے طبع ہوا، بعد میں ان کے فرزند حضرت مولانا عبدالاحد صاحب بھی دارالعلوم دیوبند کے بڑے اساتذہ میں رہے۔ حضرت کی وفات ۱۱صفر ۱۳۶۶ھ/۴جنوری ۱۹۴۷ء کو دیوبند میں ہوئی۔[1]

حضرت خطیب الاسلام کو حضرت مولانا سے شاگردی کے علاوہ ایک مزید نسبت اور ہے کہ جس طرح مولانا، حضرت خطیب الاسلام کے استاذ ہیں، اسی طرح حضرت حکیم الاسلام کے بھی استاذ ہیں اور یہ بھی اتفاق ہے کہ جو کتاب حضرت خطیب الاسلام نے مولانا سے پڑھی وہی کتاب آپ کے والد ماجد حضرت حکیم الاسلام نے بھی حضرت مولانا سے پڑھی تھی، وہ کتاب ''مختصر المعانی'' ہے۔

راقم الحروف نے یہاں پر آپ کے چندان اساتذہ کا تذکرہ کیا ہے جو اپنے اخلاص وللّٰہیت، ورع وتقوی، خلوص عمل اور علوم وفنون میں راسخ وکامل اور درس وتدریس، تصنیف وتالیف، ارشاد و تلقین اور جذبہ جہاد میں اپنے اسلاف کے امین اور خزینہ دار تھے، ان حضرات کے اخلاص وللّٰہیت اور فیوض و برکات سے حضرت خطیب الاسلام نے ظاہری وباطنی طور پر خوب استفادہ کیا، جس کے اثرات حضرت کی غیر معمولی مقبولیت اتباع سنت اخلاص وللّٰہیت، علمی استحضار، ذوق مطالعہ، ذوق تحریر، تحمل اور حلم، صبر واستقامت ذات حق جل مجدہ پر یقین کامل، طلبہ پر شفقت، امت کی خیر خواہی، ہمہ گیر مطالعہ کا ذوق، خوردنوازی ودلنوازی، وسیع الظرفی اور وسیع المشربی کی شکل میں ظاہر ہوئے اور حضرت کی پوری زندگی ان حضرات اساتذہ کرام کے فیوض وبرکات کا نچوڑ اور ان کے اخلاص وللّٰہیت کا خلاصہ ہے۔ اس قدر عظیم شخصیات اور بابرکت اساتذہ کرام کے فیوض وبرکات کا خلاصہ کرنا چند اوراق میں ناممکن ہے، گویا حضرت خطیب الاسلام کی شخصیت کا تعارف کرانا ہی ان حضرات کے فیوض وبرکات کا خلاصہ کر دینا ہے۔

یہ ان اساتذہ کرام کے حالات مختصراً اوپر ذکر کر دیئے گئے جن کی حضرت خطیب الاسلام) پر خصوصی توجہات تھیں اور حضرت خطیب الاسلام کو ان حضرات اساتذہ کرام سے طبعی وعلمی مناسبت رہی۔

---

[1] تاریخ دارالعلوم دیوبند، دوم، ص ۸۶۔۸۷۔

ملفوظ حضرت خطیب الاسلام:

”بانیٔ دارالعلوم دیوبند نے دارالعلوم دیوبند میں درس نظامی کے نام سے جو نصاب تعلیم رائج کیا وہ دراصل ملا نظام الدین انصاری معاصر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا مرتب کردہ ہے اور اس میں حسب موقع تغیر اور نظر ثانی کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ قدامت کو برقرار رکھتے ہوئے جدیدیت کے نظری و عملی پہلوؤں میں فرق کیا جائے اور مقصد سے ہم آہنگ جزوی تبدیلی کی جائے۔“

تغیر کی ضرورت ہے مگر ہو انقلاب ایسا
جو ماضی کے بھی کچھ آثار مستقبل میں رہنے دے

(مجالس خطیب الاسلام، ص: ۲۸۶)

باب دوم

قال اللہ تعالیٰ:

﴿ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون﴾

(سورة البقرہ: ۱۵۱)

قال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم:

”نضرا اللّٰہ امرأً سمع مقالتي فوعاها وحفظها وبلغها فرب حامل فقه إلى من هو أفقه منه .ثلاث لا يغل عليهن قلب مسلم، إخلاص العمل للّٰہ، ومناصحة أئمة المسلمين ولزوم جماعتهم، فان الدعوة تحيط من ورائهم.“

(رواہ الترمذی)

شعر

حضرت سالم رہے ہیں عالموں کے تاجدار

وہ فدائے مصطفیٰ تھے، عاشق پروردگار،

پیکر علم و عمل تھے، ماہر جملہ علوم

تھے نگہبان شریعت، دین حق کے پاسدار

باب دوم کے مشمولات

☆ سن ۱۹۴۷ء اور خانوادۂ قاسمی
☆ حضرت خطیب الاسلام کی عملی تدریسی زندگی کا آغاز
☆ دار العلوم میں مسند تدریس پر فائز
☆ تدریسی خصوصیات
☆ چند ہم عصر علمائے کرام
☆ چند نامور تلامذہ

سن ۱۹۴۷ء اور خانوادۂ قاسمی

۱۹۴۷ء کے شدید ترین حالات نے ہندوستان کو دو حصوں ہند و پاک میں تقسیم کر دیا، یہ بٹوارہ در اصل ہندوستان کی تاریخ کا وہ تاریک باب ہے جس نے نہ صرف رشتوں کے تقدس کو پامال کیا بلکہ رشتوں کو توڑ کر پارہ پارہ کر دیا اور رشتے بھی دور پرے کے نہیں برادری اور دوستی کے نہیں بلکہ بھائی کو بھائی سے، بہن کو بہن سے، ماں باپ کو اولاد سے، اولاد کو ماں باپ سے ایسا جدا کیا کہ مرتے مر گئے مگر پھر ایک دوسرے کی صورت دیکھنے کو ترس گئے، ہندوستان کے بے شمار مسلمان گھرانے، خاندان، محلے، بستیاں اس عظیم حادثہ کا شکار ہوئیں اور اجڑ گئیں، بقول شاعر:

جن کے ہنگاموں سے تھے آباد ویرانے کبھی
شہر ان کے اجڑ گئے آبادیاں بن ہوگئیں
سطوت توحید قائم جن نمازوں سے ہوئی
وہ نمازیں ہند میں نظر برہمن ہوگئیں

اسی ہنگامے میں خاندان صدیقی نانوتہ کے بے شمار لوگ نانوتہ چھوڑ کر پاکستان چلے گئے مگر حضرت حکیم الاسلام کے خانوادہ کے لوگ اسی طرح ہندوستان (جن میں اپنے دینی مراکز، مساجد خانقاہیں اور مدارس تھے) کو چھوڑ کر جانے کے بالکل حق میں نہ تھے، پھر حضرت حکیم الاسلام پاکستان میں کچھ دن کے لئے کیوں رکے، اس سلسلے میں لوگوں کے درمیان یہ غلط فہمی پھیلا دی گئی کہ حضرت حکیم الاسلام پاکستان ہجرت کر گئے اور ہندوستان کو چھوڑ دیا، اس بابت راقم الحروف نے حضرت خطیب الاسلام سے سوال کیا تھا، حضرت خطیب الاسلام نے مجھے تفصیل سے حضرت حکیم الاسلام کے پاکستان جانے کی پھر وہاں سے واپسی کی روداد سنائی اور جو غلط فہمیاں لوگوں کے درمیان پھیلی ہوئی ہیں ان کی صحیح صورتحال سے باخبر کیا، اس کی کچھ تفصیل ''حیات طیب'' سے نقل کرتا ہوں۔

''واقعہ یہ ہوا کہ اس وقت حضرت حکیم الاسلام اپنے بعض اعزاء سے ملنے کے لئے پاکستان تشریف لے گئے تو ارباب حکومت پاکستان حضرت کو پاکستان میں مستقل طور پر روکنے کے لئے نہ صرف کوشاں ہوئے بلکہ ان کی طرف سے وزارت امور مذہبی کی بھی بہ قوت و بہ اصرار بار بار پیش کش کی گئی تھی لیکن حضرت حکیم الاسلام کا جواب صرف یہ تھا کہ ''میرے بزرگ میری زندگی کا مقصد

میرے حسب تقاضائے فطرت ''دارالعلوم دیوبند'' کی خدمت قرار دے گئے ہیں، میں اپنے اس موقف حیات سے ہٹنے کے لئے قطعاً تیار نہیں ہوں''۔

دوسری طرف عوامی طور پر حضرت کے قیام پاکستان کے لئے جلسے اور جلوسوں کا راستہ اختیار کیا گیا جس کے سب سے بڑے قائد کراچی کے ایک معزز بڑے تاجر جناب یوسف سیٹھی صاحب تھے، ان کے ساتھ اہم معاونین میں بعض علماء کرام بھی تھے، حضرت حکیم الاسلام کو یقین دہانی کی کوشش کی گئی کہ حضرت آپ کے اہل خانہ پاکستان آنا چاہتے ہیں حالاں کہ یہ خلاف واقعہ تھا، خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند فرماتے ہیں کہ:

''حضرت حکیم الاسلام کے خطوط مجھ تک اور میرے خطوط حضرت تک اس لئے پہنچنے نہیں دیئے جاتے تھے تاکہ یہ حقیقت کھل کر سامنے نہ آجائے کہ نہ حضرت پاکستان میں رہنا چاہتے ہیں اور نہ حضرت کے اہل خانہ پاکستان میں جانا چاہتے ہیں۔ پاسپورٹ ختم کردینے کی وجہ سے حضرت والد صاحب کی واپسی میں زبردست پریشانی پیدا ہوگئی، جس کا اظہار حضرت نے یوسف سیٹھی صاحب سے کیا، نیز انہوں نے پہلی مرتبہ مجھ سے فون پر رابطہ قائم کیا اور حضرت کو وہاں روکنے کی جدوجہد کے تحت کہا کہ ''پاکستان کو حضرت جیسے عالم شدید کی ضرورت ہے، اس لئے آپ تمام بھی پاکستان کا ارادہ کرلیں''، میں نے کہا کہ: سیٹھی صاحب! میں حضرت والد صاحب مدظلہ کے بارے میں سو فیصد یقین رکھتا ہوں کہ وہ کسی قیمت پر پاکستان میں نہیں رہیں گے اور فوراً ہی مدینہ طیبہ ہجرت کا ارادہ فرمالیں گے، اس کا ہونا چوں کہ میرے نزدیک یقینی ہے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ دارالعلوم سے وابستگی اور خود حضرت والد کی دینی، علمی شخصیت سے جو عالمی پیمانے پر دینی فیضان دنیا بھر کے مسلمانوں کو پہنچ رہا ہے اس کو ختم کرنے کے اور اس عظیم دینی فیض سے دنیا بھر کے مسلمانوں کو محروم کرنے کے ذمہ دار آپ ہوں گے، سیٹھی صاحب براہ راست حضرت کے پاس پہنچے اور پہلا سوال احقر کے بارے میں کیا کہ محمد سالم کی عمر کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ تیس سے کم ہی ہے، اس وقت میری عمر یہی تھی، یہ سن کر سیٹھی صاحب نے کہا کہ عمر تو بہت تھوڑی ہے مگر بات انہوں نے بڑے تجربہ کاروں کی سی کہی۔

پھر اس کے بعد انہوں نے حضرت کو میری گفتگو سنائی، میرا جواب سن کر حضرت حکیم الاسلام نے فرمایا کہ:

''جو کچھ محمد سالم نے کہا ہے وہی قطعی طور پر میرے دل میں ہے، اس پر سیٹھی صاحب نے کہا کہ محمد

سالم کی بات سن کر میں تو ڈر گیا ہوں اور اب میری رائے بالکل بدل گئی ہے اب اگر آپ پاکستان میں ٹھہریں تو سرآنکھوں پر اور واپس انڈیا جانا چاہیں تو اس کے لئے ہر ممکن تعاون دینے کے لئے تیار ہوں۔''

اس کے بعد پھر حضرت حکیم الاسلامؒ نے مجھ سے فون پر بات کی اور فرمایا کہ سیٹھی صاحب نے تمہاری گفتگو مجھ سے نقل کی ہے، یہ میرے دل کی وہ آواز تھی جسے تم نے بڑے سلیقہ سے ان تک پہنچا دیا اور سیٹھی صاحب اس قدر متأثر ہوئے کہ وہ میری واپسی کے مؤید بن گئے، اس کی وجہ سے الحمد للہ صورت حال قطعاً بدل گئی لیکن ہمارے پاس پاسپورٹ نہیں ہے، میں اس کے لئے بھی کوشش کرتا ہوں، میرا دیرینہ تعلق حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی (ناظم جمعیۃ علماء ہند) سے تھا۔ اور مجھے معلوم تھا کہ وہی تن تنہا حضرت حکیم الاسلام کی ہندوستانی واپسی کے بہ خلوص تمام متمنی تھے، میں فوراً دہلی پہنچا اور مولانا مرحوم کو صورتحال سے آگاہ کیا، وہ اسی وقت مجھے ساتھ لے کر مولانا ابوالکلام آزاد سابق وزیر تعلیم، حکومت ہند کے پاس پہنچے اور صورتحال بتائی مولانا نے جواب دیا کہ: ''مولانا طیب صاحب ملک کے قیمتی افراد میں سے ہیں اور ان کا آنا ضروری ہے'' اور نیا پاسپورٹ بنوانے کے لئے مولانا آزاد نے وعدہ فرمایا۔ تین روز بعد میں خود مولانا کے پاس حاضر ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ:

''کراچی میں انڈین ہائی کمیشن کو کہہ دیا گیا ہے۔ آپ والد صاحب سے کہئے کہ وہ انڈیا ہائی کمیشن کراچی تشریف لیجا کر پاسپورٹ وصول کرلیں۔ احقر نے دہلی سے حضرت کو فون کیا، حضرت کو لے کر یوسف سیٹھی صاحب ہی انڈین ہائی کمیشن گئے مگر وہاں سے جواب ملا کہ ہمارے پاس کوئی ہدایت نہیں آئی ہے۔ غرض دو مرتبہ ایسا ہی ہوا پھر مولانا آزاد نے وزارت خارجہ سے خصوصی رابطہ قائم کر کے ہائی کمیشن کو ہدایت بھجوائی اور بحمد اللہ مولانا حفظ الرحمانؒ کے تعاون اور مسلسل ایک ماہ کی میری کوشش کے بعد حضرت کو اور حضرت کے ساتھ حضرت کے چھوٹے بھائی مولانا محمد طاہر صاحبؒ دونوں حضرات کو نئے پاسپورٹ دیدئے گئے۔ حضرت حکیم الاسلام چند روز بعد پانی کے جہاز سے کراچی سے بمبئی کے لئے روانہ ہوگئے، ہم لوگ کافی تعداد میں ایک روز قبل استقبال کے لئے بمبئی پہنچ چکے تھے، وہاں سے فوراً ہی بذریعہ ریل دیوبند کے لئے روانہ ہوئے، یہاں بھی طلبہ اور اہل شہر نے پر خلوص استقبال کیا، پھر دارالعلوم میں جلسہ ہوا، جس میں حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ نے حضرت حکیم الاسلام کی آمد پر خوش آمدید فرمایا غرض حضرت کو ہندوستان واپس لانے میں میرا اور مولانا حفظ الرحمان صاحب کے علاوہ کسی کی جدوجہد کو کوئی دخل نہیں تھا۔

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب دامت برکاتہم کی اس وضاحت کے بعد حکیم الاسلامؒ کی پاکستان سے واپسی کے بارے میں جو کہانیاں عوام وخواص میں ایک خاص مقصد اور مصلحت کے پیش نظر مشہور کی گئیں وہ قطعاً بے حقیقت اور خود ساختہ ہو جاتی ہیں۔[1]

گذشتہ اقتباس سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ خانوادۂ قاسمی کے افراد کے ساتھ یہ ایک حادثہ (ٹریجڈی) ہوئی کہ یہ حضرات پاکستان میں جاکر پھنس گئے اور پاسپورٹ وہاں پر عارضی قیام کی مجبوری بن گیا تھا ورنہ نظریہ قیام پاکستان کے یہ خانوادہ کس قدر خلاف تھا اس کا اندازہ مذکورہ بالا اقتباس سے ہوگیا، اسی طرح دوسری بات اقتباس بالا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت خطیب الاسلام اور حکیم الاسلام کے مزاج میں کس قدر مماثلت تھی اور خطیب الاسلام کو بصیرت افروز نگاہ شروع ہی سے عطا ہوئی تھی، کہ اپنی نگاہ بصیرت سے پہچان لیا کہ پاکستان میں ابا جی کا قیام مستقل طور پر ممکن نہیں اور اگر ایسی مجبوری آگئی تو پھر ہجرت مدینہ کی طرف ہوگی، پاکستان نہیں جائیں گے۔ حضرت خطیب الاسلام اور حضرت حکیم الاسلام کے مذکورہ موقف سے یہ بات واضح ہوکر سامنے آجاتی ہے کہ خانوادۂ قاسمی کے ایک ایک فرد نے دارالعلوم دیوبند اور دعوت اسلام اور دارالعلوم کے ذریعہ عام مسلمانوں میں پیدا ہونے والی عام تعلیمی بیداری اور نہضت علمی کو کس طرح اپنے خون جگر سے سینچا، اور اس کو اسلام کی عالمینی دعوت اور تعلیم کا عالمی مرکز بنادیا کہ تقسیم ملک کے بعد پاکستان میں ملنے والی تمام آسائشوں اور رعایتوں کو لات ماری، اور اپنے اسلاف دیوبند کے لگائے ہوئے شجرۂ طوبی سے ایک منٹ کے لئے بھی دستبردار ہونے کو تیار نہیں ہوئے اور دارالعلوم کو اکابرین تحریک ولی اللٰہی کے مخصوص منہج پر قائم رکھنے میں اپنی بہترین صلاحیتیں لگادیں، جس کا کچھ اندازہ آئندہ صفحات میں ہوجائیگا کہ حضرت خطیب الاسلام نے فارغ ہونے کے بعد ہی دارالعلوم دیوبند کی تعمیر وترقی کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا، اور پھر یہیں سے عملی وتدریسی زندگی کا آغاز کیا۔

---

[1] حیات طیب سے لیا گیا ج اول ۳۴۳ تا ۱۳۵ اگر چہ یہ تمام تفصیلات راقم الحروف کو بھی حضرت نے بڑی تفصیل کے ساتھ اپنے مخصوص لب ولہجہ میں بتلائی تھیں۔

خطیب الاسلام دارالعلوم دیوبند میں مسند تدریس پر فائز

اس سلسلے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ تدریس صرف حضرت خطیب الاسلام کے فرائض منصبی ہی میں داخل نہیں تھی بلکہ تدریس آپ کا شوق تھا، دارالعلوم میں اپنے تقرر کے سلسلے میں حضرت خطیب الاسلام اپنی بیاض میں لکھتے ہیں:

''۱۹۴۷ء/۱۳۶۷ھ کو میری فراغت دارالعلوم سے ہوئی جو تقسیم ہند کا سال ہے، تقسیم ملک کے پرآشوب حالات کی وجہ سے مولانا حسین احمد مدنیؒ کا سفر کم ہونے لگا، اس کی وجہ سے تعلیم زیادہ ہوئی۔ ۱۹۴۸ھ شروع ہو چکا تھا، امتحان میں کامیاب ہو کر ۵/ماہ بعد ۲۹ صفر المظفر میں میرا تقرر تدریس میں بطور اعزازی کر دیا گیا، سب سے پہلی کتاب تدریس کے لئے دارالعلوم دیوبند میں ''نورالایضاح'' دی گئی، اس کے علاوہ بھی کتابیں تھیں، سب سے پہلا درس میں نے ''نورالایضاح'' کا پڑھایا، اس وقت میرے کچھ ساتھی بھی تھے جو پڑھ رہے تھے۔''[1]

حضرت کا یہ اقتباس بڑی اہمیت کا حامل ہے، اس اقتباس سے پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ حضرت کی فراغت ۱۹۴۷ء/۱۳۶۷ھ کی ہے، گرچہ یہ سال ملک کے حالات کے اعتبار سے انتہائی پرآشوب تھا، مگر حضرت خطیب الاسلام کے درج ذیل اقتباس ''تقسیم کی وجہ سے مولانا مدنیؒ کا سفر کم ہونے لگا، اس کی وجہ سے تعلیم زیادہ ہوئی'' سے معلوم ہوا کہ اس سال دورۂ حدیث کے اسباق اور سالوں کے مقابلے کثرت سے ہوئے اور چونکہ حضرت مدنیؒ کے اسفار کا سلسلہ موقوف رہا اس لئے اسباق پابندی کے ساتھ بلا فصل ہوئے جبکہ دیگر سالوں میں حضرت مدنی کے دعوتی و دینی اسفار کی کثرت کی وجہ سے اسباق کے درمیان فصل ہوتا رہتا تھا۔ گرچہ حضرت مدنی رحمہ اللہ قیام دیوبند کے زمانے میں انتہائی پابندی سے حدیث کے اسباق پڑھاتے بلکہ اگر سبق کا وقت ہوتا اور حضرت آجاتے تو فوراً سبق پڑھانے کے لئے درس گاہ تشریف لے آتے، جس کی وجہ سے طلبہ کو اس سال حضرت سے استفادے کے مواقع زیادہ میسر آئے۔

دوسری بات اقتباس سے یہ معلوم ہوئی کہ حضرت خطیب الاسلام کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں ۱۳۶۷ھ ماہ صفر میں ہوا۔

تیسری بات یہ ہے کہ حضرت خطیب الاسلام کا دارالعلوم دیوبند میں سب سے پہلے اعزازی تقرر ہوا اور بحیثیت ''اعزازی مدرس'' آپ نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز فرمایا۔

---

[1] بیاض خطیب الاسلام۔

چوتھی بات یہ ہے کہ سب سے پہلی کتاب جس کا حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہٗ نے درس دیا وہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''نور الایضاح'' ہے۔ البتہ اس سال ''نور الایضاح'' کے علاوہ بھی دیگر درسی کتابوں کے دروس آپ سے متعلق رہے۔

اقتباس کے آخری جملے ''اس وقت میرے کچھ ساتھی بھی تھے جو پڑھ رہے تھے'' سے یہ بھی مترشح ہے کہ حضرت پر اپنے اساتذہ کرام کی نظر انتخاب پہلے ہی سے تھی اور حضرت خطیب الاسلام کی صلاحیتوں پر ان کے اساتذہ کرام کو زمانہ طالبعلمی ہی سے اعتماد تھا، یہی وجہ ہے کہ مجلس شوری نے فراغت کے فوراً بعد آپ کا تقرر دارالعلوم جیسے مؤقر ادارے کی مدرسی کے لئے کرلیا، ابھی حضرت خطیب الاسلام کے درسی ساتھی اپنے تعلیمی سلسلے کو مزید بڑھا رہے تھے کہ آپ تدریس کے میدان میں قدم رکھ چکے تھے۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جس وقت حضرت خطیب الاسلام کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں ہوا وہ وہ وقت تھا، جب دارالعلوم دیوبند کی مسند تدریس کو شیخ الادب مولانا اعزاز علی، حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی، حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب جیسی نادرۂ روزگار عالمی شخصیات رونق بخش رہی تھیں، اور دارالعلوم میں تقرر کے جو سخت شرائط ارباب حل وعقد دارالعلوم دیوبند نے طے کیں تھیں ان کا کسی بھی شخص کے تقرر میں پورا پورا خیال رکھا جاتا تھا۔ دارالعلوم سے فراغت کے فوراً بعد تقرر اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اساتذہ دارالعلوم کو آپ کی علمی صلاحیتوں اور استعداد پر اطمئنان تھا، یہ بات نہیں تھی کہ آپ حضرت حکیم الاسلام کے صاحبزادے تھے یا پھر خانوادہ قاسمی کے رکن رکین تھے، اس لئے آپ کا تقرر ہوا، جس کی دلیل یہ ہے کہ آپ کے بعد آپ کے گھرانے سے اس طرح کسی کا تقرر فوراً فراغت کے بعد نہیں ہوا۔

دارالعلوم میں حضرت سے متعلقہ دروس کی سال بہ سال تفصیلات

حضرت خطیب الاسلام کا اعزازی تقرر ۲۹ صفر ۱۳۶۹ھ میں میں ہوا اور مستقل تقرر شوال ۱۳۷۱ھ ہوا۔ حضرت نے دارالعلوم دیوبند میں کم وبیش ۳۵ سال مسند تدریس کو رونق بخشی جس کا دورانیہ ۱۳۶۹ھ سے لے کر ۱۴۰۲ھ تک ہے۔ اس دوران حضرت نے درس نظامی کی اکثر کتابیں پڑھائیں، اور وقفے وقفے سے تدریسی درجہ بندی میں ترقی ہوتی رہی۔ علم حدیث میں ابوداؤد شریف، بخاری شریف جلد ثانی اور ابن ماجہ شریف آپ سے متعلق رہیں۔ اسباق کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

۱۳۶۹ھ

نورالایضاح،طلبہ۶،قدوری،طلبہ۶،ہدایۃ النحو،طلبہ۱۴،مفیدالطالبین،طلبہ۲۱،نفحۃ الیمن،طلبہ۸۔

۱۳۷۰ھ

قدوری،طلبہ۸،نفحۃ الیمن،طلبہ۳۵،قدوری،طلبہ۳۴،مرقات،طلبہ۳۴،شرح تہذیب،طلبہ۳۲۔

۷۰-۱۲۷۱ھ

قدوری،طلبہ۳۰،اصول الشاشی،طلبہ۱۹،مرقات،طلبہ۳۱،شرح تہذیب،طلبہ۴۹۔

۷۱-۱۳۷۶ھ

شرح وقایہ،طلبہ۶۴،اصول الشاشی،طلبہ۱۱،قدوری،طلبہ۳۳،نفحۃ العرب،طلبہ۴۷۔

۷۲-۱۳۷۳ھ

شرح وقایۃ،طلبہ۸۷،نفحۃ الیمن،طلبہ۴۹،نفحۃ العرب،طلبہ۱۳،نحومیر،طلبہ۸،شرح مائۃ عامل،طلبہ۴،
مفیدالطالبین،طلبہ۶۔

۷۳-۱۳۷۴ھ

شرح وقایہ،طلبہ۱۶،مرقات،طلبہ۱۷،شرح تہذیب،طلبہ۱۶،نورالانوار،طلبہ۳۶،
شرح مائۃ عامل،طلبہ۹،ہدایۃ النحو،طلبہ۵۔

۱۳۷۵ھ

ہدایۃ اولین،طلبہ۳۲،نورالانوار،طلبہ۲۳۔

۱۳۷۶ھ

نورالانوار،طلبہ۶۸،شرح وقاہ،طلبہ۱۷،ہدایۃ اولین،طلبہ۲۵۔

۱۳۷۷ھ

نورالانوار،طلبہ۳۸،شرح وقایۃ،طلبہ۱۷،ہدایۃ اولین،طلبہ۲۵۔

۱۳۷۸ھ

قطبی، طلبہ ۳۷، ہدایہ اولین، طلبہ ۲۸، صف العربی الانشاء، طلبہ ۱۳، ترجمتین، طلبہ ۱۵۔

۱۳۷۹ھ

صف العربی، طلبہ ۱۰، ترجمہ نصف اول، طلبہ ۴۵، ہدایہ اولین، طلبہ ۸۷۔

۱۳۸۰ھ

ترجمہ ثانی، طلبہ ۷۱، قطبی تصورات، طلبہ ۶۱، ہدایہ اولین، طلبہ ۶۷۔

۱۳۸۱ھ

نورالانوار، طلبہ ۵۵، ترجمہ ثانی، طلبہ ۴۸، شرح عقائد نسفی، طلبہ ۴۶، ہدیۃ السعیدین، طلبہ ۵۔

۱۳۸۲ھ

ہدیہ سعیدین، طلبہ ۵، ترجمہ قرآن شریف، طلبہ ۶۴، شرح عقائد نسفی، طلبہ ۶۵، ہدایہ اولین، طلبہ ۹۱۔

۱۳۸۳-۸۴ھ

نورالانوار، طلبہ ۶۳، شرح عقائد نسفی، طلبہ ۱۰۵، نفحۃ العرب ۴۹۔

۱۳۸۴-۸۵ھ

شرح عقائد نسفی، طلبہ ۱۵۲۔

۱۳۸۵-۸۶ھ

جلالین شریف مع الفوز الکبیر، طلبہ ۱۶۱۔

۱۳۸۷ھ

جلالین شریف مع الفوز الکبیر، طلبہ ۴۸۔

۱۳۸۸ھ

جلالین شریف مع الفوز الکبیر، شرح عقائد نسفی، طلبہ ۹۸، طلبہ ۴۵۔

۱۳۸۹ھ

جلالین شریف، طلبہ ۸۶، الفوز الکبیر، طلبہ ۸۶، شرح عقائد نسفی، طلبہ ۱۰۴، مشکوۃ شریف، طلبہ ۵۴، نخبۃ الفکر، طلبہ ۵۔

۱۳۹۰ھ

مشکوۃ شریف مع نخبۃ الفکر، طلبہ ۷۱، شرح عقائد نسفی، طلبہ ۱۸۰، اصول الشاشی، طلبہ ۳۷، جلالین شریف مع الفوز الکبیر ۷۰ طلبہ۔

۹۱-۱۳۹۰ھ

شرح عقائد نسفی، طلبہ ۲۲۷، مشکوۃ شریف نصف اول، طلبہ ۹۴، جلالین شریف نصف اول، طلبہ ۴۸۔

۹۳-۱۳۹۱ھ

شرح عقائد نسفی ۲۲۷ طلبہ، عقیدۃ الطحاوی، ۱۰۱ طلبہ، جلالین شریف نصف ثانی مع الفوز الکبیر، ۶۶ طلبہ، مشکوۃ شریف نصف ثانی، ۶۷ طلبہ، شرح نخبۃ الفکر، ۶۷ طلبہ، مؤطا امام محمد، ۳۶۳ طلبہ۔

۹۳-۱۳۹۲ھ

حجۃ اللہ البالغہ، مشکوۃ شریف اول مع شرح نخبۃ الفکر، شرح عقائد نسفی مع عقیدۃ الطحاوی، مؤطا امام محمد (صبح یوم جمعہ)

۹۴-۱۳۹۳ھ

حجۃ البالغہ، ۴ طلبہ، شرح عقائد نسفی مع عقیدۃ الطحاوی، ۸۸ طلبہ، مشکوۃ شریف نصف ثانی مع شرح، ۱۴۱ طلبہ، ابن ماجہ شریف، ۴۹۹، (سہ ماہی بعد مغرب)

۹۵-۱۳۹۴ھ

حجۃ اللہ البالغۃ، مشکوۃ شریف جلد اول مع نخبۃ الفکر، ۱۶۵، شرح عقائد نسفی، ۱۵۳، عقیدۃ الطحاوی، ۱۵۳ طلبہ، ابن ماجہ شریف، ۳۶۰ طلبہ، شرح عقائد گھنٹہ کے بعد۔

۱۳۹۵-۹۶ھ

ابن ماجہ شریف، ۳۰۶ طلبہ، شرح عقائد نسفی، ۴۰۹ طلبہ، عقیدۃ الطحاوی، ۴۰۹ طلبہ، حجۃ اللہ البالغۃ، طلبہ ۱۰، تفسیر مظہری، ۱۱ تا ۱۵۔

۱۳۹۶-۹۷ھ

مشکوۃ جلد اول، ۱۶۱ طلبہ، مع شرح نخبۃ الفکر، ۱۶۱ طلبہ، شرح عقائد نسفی، ۱۶۱ طلبہ، ابن ماجہ شریف ۳۶۰۔

۱۳۹۷-۹۸ھ

مشکوۃ شریف جلد ثانی، تفسیر مدارک، ۱ تا ۵، ابوداؤد شریف جلد ثانی۔

۱۳۹۸-۹۹ھ

شرح عقائد نسفی، ابوداؤد شریف جلد ثانی، بخاری شریف جلد ثانی، بعد نماز عشاء۔

۱۳۹۹-۱۴۰۰ھ

ابوداؤد شریف جلد اول، ۴۰۹ طلبہ، بخاری شریف جلد ثانی، ۴۰۹۔

۱۴۰۰-۱۴۰۱ھ

شرح عقائد نسفی، ۱۰۲، ابوداؤد شریف، ۴۸۵، بخاری شریف جلد ثانی، ۴۸۵۔

۱۴۰۱-۱۴۰۲ھ

شرح عقائد نسفی، نسائی شریف، بخاری جلد ثانی۔[1]

---

[1] حضرت خطیب الاسلام کا یہ تدریسی ریکارڈ راقم الحروف نے دارالعلوم دیوبند کے شعبۂ تعلیمات سے ہمارے رفیق خاص حضرت مولانا محمد اصغر قاسمی سہارنپوری (کارکن شعبۂ تعلیمات دارالعلوم دیوبند) کی مدداوران کے توسط سے حاصل کیا، حق تعالیٰ شانہ اس علمی معاونت پران کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

حضرت خطیب الاسلام کا دارالعلوم دیوبند میں یہ تدریسی سفر رمضان المبارک ۱۴۰۲ھ تک جاری رہا، جس کے دوران حضرت خطیب الاسلام کے تمام علوم وفنون کی کتابیں زیر درس رہیں، البتہ حضرت خطیب الاسلام پر اور آپ کی ذہنی پرداخت آپ کے جد امجد حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے چونکہ غایت درجہ اثرات تھے، اس لئے درس نظامی میں پڑھائی جانے والی علم کلام اور عقائد اسلام سے متعلق مشہور کتاب شرح العقائد النسفیہ کا درس طلبۂ دارالعلوم دیوبند میں انتہائی مقبول ہوا۔ ۱۴۰۲ھ میں دارالعلوم دیوبند کا قضیہ نامرضیہ پیش آیا، جس کی وجہ سے دارالعلوم دیوبند میں تدریس کا انقطاع ہوگیا، لیکن بحمد اللہ تدریس کا سلسلہ اس کے فوراً دارالعلوم وقف دیوبند میں شروع ہوگیا اور تاحین وفات انتہائی آب وتاب کے ساتھ باوجود تمام انتظامی امور کی انجام دہی کے مسلسل جاری رہا، جس کا دورانیہ تقریباً ۳۵ سال ہے۔

خطیب الاسلام کا دوسرا مرحلہ ۱۴۰۲ھ کے بعد کا ہے، جب دارالعلوم دیوبند میں کچھ ناخوش گوار واقعات رونما ہوئے اور خطیب الاسلام کے لئے ان حالات میں تدریسی خدمات کے ساتھ ساتھ مزید ذمہ داریاں عائد ہوگئیں اور زیادہ تر وقت دارالعلوم وقف دیوبند کے استحکام کے لئے اسفار میں گزرنے لگا۔ لیکن حضرت نے اپنا تدریسی عمل برابر جاری رکھا اور بخاری شریف کے اسباق حضرت خطیب الاسلام اور فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری اور حضرت مولانا نعیم صاحب دیوبندیؒ سے متعلق رہے اور قیام دارالعلوم وقف کے بعد مستقل بخاری شریف پڑھاتے رہے ابھی دو سال سے بوجہ انتہائی ضعف وکمزوری تدریسی عمل موقوف فرمایا۔ ان تمام تفصیلات سے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضرت نے کم وبیش ۵۶ سال درس نظامی کی کتابیں مسلسل پڑھائیں اور تقریباً چالیس سال حدیث مبارک کا درس دیا۔

بہرحال اپنی گوناگوں مصروفیات ادارہ سازی کی ضروریات اور کثرت اسفار کے باوجود زندگی بھر تدریسی عمل اور نظام سے یک لمحہ غافل نہ ہوئے، بلکہ اسی کو بنیاد بنائے رکھا، بلکہ اتباع نبوی میں بھی تعلیم ودعوت کا یہ سلسلہ دوران اسفار جاری رہتا، جیسا کہ حضور ﷺ دوران سفر تعلیم ودعوت میں مشغول رہتے۔ یہی معمول ہمارے اپنے اسلاف دیوبند کا رہا کہ درس وتدریس کا سلسلہ ضرور زندگی بھر ان کے معمول میں رہا، لیکن ساتھ ساتھ تدریس کے فرائض بھی انجام دیتے رہے۔ راقم الحروف کو حضرت خطیب الاسلام کے درسی ساتھی مولانا سید محمد رابع الحسنی دامت برکاتہم ناظم دارالعلوم ندوۃ

العلماء لکھنؤ کا دہلی کا ایک واقعہ یاد آرہا ہے، حضرت مولانا کا قیام ابوالفضل اوکھلا میں بھائی حسین مرحوم کے یہاں تھا، میرے ساتھ میرے بھائی جان مولانا محمد اویس صدیقی صاحب اور میرے بہنوئی مولانا عمر انصاری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس مجلس میں تشریف فرما تھے، اس مجلس میں ایک صاحب اپنے کارنامے بتانے لگے کہ میں یوں کام کررہا ہوں ادارہ جاتی اور دعوتی وغیرہ وغیرہ، مولانا نے ان کی ساری باتیں سنی اور یہ فرمایا کہ: آپ کہیں پڑھاتے بھی ہیں کہ نہیں انہوں نے نفی میں جواب دیا تو حضرت مولانا نے فرمایا کہ پڑھانا بہت ضروری ہے۔ اور خاص طور پر ایک عالم کے لئے تدریس کا عمل از حد ضروری ہے۔

حضرت خطیب الاسلام کا طرز تدریس

حضرت خطیب الاسلام کے طرز تدریس پر لکھنے سے قبل راقم الحروف نے اس کا اہتمام کیا کہ ان کے تلامذہ سے اس سلسلے میں گفتگو کی جائے، چنانچہ میں آپ کے بہت سے تلامذہ سے ملا اور آپ کے طرز تدریس کے سلسلے میں گفتگو کی، اس لئے کہ استاذ کی تدریس کے بارے میں طلبہ سے بہتر کون بتا سکتا ہے۔

استاذ کی کامیابی کا اندازہ درسگاہ میں اس کی تدریس کے مؤثر ہونے سے لگایا جاسکتا ہے، جس کی گواہی سب سے پہلے درجے میں بیٹھے وہ تلامذہ دیتے ہیں جن سے وہ مدرس براہ راست مخاطب ہوتا ہے اور یہی طلبہ اس کی خصوصیات چہار دیواری سے نکال کر دنیا بھر میں عام کرتے ہیں، میرے استاذ محترم حضرت مفتی سعید احمد صاحب دامت برکاتہم شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند نے ۱۹۹۶ء میں ترمذی شریف کے درس میں یہ بات بارہا دہرائی اور مثال بھی دی تھی کہ امام اوزاعی، حضرت سفیان ثوری اور امام لیث بن سعد فقہاء اربعہ سے کم درجہ کے فقہاء نہیں ہیں بس فرق یہ ہے کہ ان فقہاء اربعہ کو تلامذہ اچھے مل گئے جنہوں نے ان کی باتوں کو دنیا بھر میں پھیلایا جبکہ مذکورہ ائمہ فقہ کو اس طرح کے شاگرد نہ مل سکے۔ لیکن علم اور عملی درجے میں یہ مذکورہ بالا حضرات کسی طرح بھی ان سے کم نہیں۔

حضرت خطیب الاسلام کے درس کی خصوصیات

ہر انسان کا طرز بیان اور طرز تدریس دوسرے سے مختلف ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر مدرس اور معلم، معلمیت کی چند مشترکہ خصوصیات کے ساتھ اپنی منفرد خصوصیات بھی رکھتا ہے، جن کی وجہ سے اس کی طلباء کے مابین الگ پہچان بنتی چلی جاتی ہے، کسی کو اللہ رب العزت بات کہنے کا خاص سلیقہ اور

ملکہ عطا فرماتے ہیں، کسی کو مختصر الفاظ میں جامع بات کرنے کی صلاحیت عطا کر دیتے ہیں، کسی کو غیر معمولی طور پر مربوط بات کرنے کا قرینہ عطا ہوتا ہے، کسی کو افہام و تفہیم کا خصوصی ملکہ کسی کو غیر محسوسات اور غیر مرئی شئ کو محسوسات اور مثالوں کے ذریعہ سمجھانے کا خاص فن عطا فرماتے ہیں، کسی کو اشاروں و کنایوں سے اپنی بات اور مافی الضمیر ادا کرنے کا قرینہ، کسی کو منطقی دلائل و براہین، کسی کو اتمام حجت کی صلاحیت سے نوازتے ہیں، کسی کو شعری ذوق، کسی کو طلباء کی مزاج شناسی کی خصوصیت عطا درحق سے ملتی ہے کسی کو تربیت کا ذوق خاص سے نوازا جاتا ہے۔ کسی کو کمال ذہانت، کسی کو بلا کا قوتِ حافظہ عطا ہوتا ہے، اور بعضے ایسے بھی ہیں جن کو بیک وقت یہ سب خصوصیات حق تعالیٰ شانہ مرحمت فرمادیتے ہیں، حضرت خطیب الاسلام کی شخصیت بھی ان معدودے چند حضرات میں سے ایک ہے، جن کو حق تعالیٰ شانہ نے مذکورہ بالا صفات سے متصف فرماکر فطری جوہر تدریس اور معلمیت کا فن عطا فرمایا۔

حضرت کے طرز تدریس سے متعلق حضرت کے کسی بھی ایسے صاحب علم وفضل شاگرد کی گواہی جو خود ایک لمبے عرصے تک تدریس کے شعبے سے عملی طور پر وابستہ رہا ہو بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

راقم الحروف ایک ماہ تقریباً اسی تلاش میں رہا کہ خطیب الاسلام کے افراد خانہ کے علاوہ کوئی موزوں شخصیت ایسی مل جائے جو حضرت کے طرز تدریس اور اس کی خصوصیات کا خاکہ خواہ مختصراً ہی سہی بیان کرسکے، راقم کی نظر انتخاب اس کام کی انجام دہی کے لئے ایک ایسی شخصیت پر پڑی جو خود کامیاب مدرس ہونے کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجے کے مصنف بھی ہیں۔ میری مراد استاذ محترم حضرت مولانا قاری ابو الحسن صاحب اعظمی دامت برکاتہم سابق صدر القراء دارالعلوم دیوبند سے ہے، چنانچہ میں حضرت قاری صاحب مدظلہ العالی کے دولت خانہ پر ۱۴ محرم الحرام ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۵ اکتوبر ۲۰۱۷ء بروز جمعرات حاضر خدمت ہوا، قاری صاحب، والد گرامی حضرت مولانا زکریا صاحب و دیگر تلامذہ نے جو باتیں احقر کو حضرت خطیب الاسلام کے طرز تدریس کے متعلق بتلائیں، ان کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

(۱) درسی تمہیدات بیان کرنا

حضرت خطیب الاسلام کے درس کی اہم ترین خصوصیت یہ ہے کہ حضرت درس کے آغاز میں تمہیدات باندھتے وہ تمہیدات اس قدر اہم ہوتیں کہ نفس مسئلہ اور اصل موضوع ان تمہیدات ہی سے

سمجھ میں آجاتا، قاری ابوالحسن صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں: ''آپ کے سبق میں تمہیدات ہی اصل ہوتی تھیں اور وہ تمہیدات اس قدر جامع اور مانع ہوتیں کہ نفس مسئلہ اور اصل موضوع کے تعلق سے شکوک وشبہات، کسی طرح کا اعتراض یا اشکال باقی نہیں رہتا حضرت ان تمہیدات میں ایسی قیودات کا اضافہ فرماتے کہ سامعین کے ذہن میں کسی طرح کے اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہتی، یہ بات دیگر اساتذہ کے درس میں کم ہی ملتی تھی، گرچہ وہ اپنی تدریسی خصوصیات کے حامل تھے۔

حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم کے مذکورہ بالا کلمات اور راقم الحروف کی حضرت خطیب الاسلام سے ظاہری وباطنی قربت کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ کسی بھی حل طلب مسئلے کی وضاحت کے لئے تمہیدات اور قیودات باندھنے کا یہ سلسلہ حضرت کو خاندانی طور پر ورثہ میں ملا تھا، حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فیض نسلا بعد نسل حضرت خطیب الاسلام کی طرف منتقل ہوا- حجۃ الاسلام مولانا نوتوی کا مزاج یہ تھا کہ کسی مسئلہ کو سمجھانے کے لئے قیود پر قیود اور تمہیدات پر تمہیدات باندھتے کہ ہر تمہید نفس مسئلہ کو سمجھانے کے لئے کافی ہوتی، اس مسئلے کی ہندی کی چندی فرماکر اور محسوسات سے اس کی مثالیں بیان فرماکر سامعین کے سامنے پیش فرمادیتے اور ادق ترین علمی مسائل کو خواص کے علاوہ عوام کے لئے بھی سمجھنا آسان ہوجاتا۔اسی طرح ان کے جملے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ حضرت خطیب الاسلام نوراللہ مرقدہٗ کو علوم شریعت اور زیر درس کتاب کے جملہ مضامین پر کامل دستگاہ تھی کیونکہ قیودات اور تمہیدات وہی شخص بڑھا سکتا ہے یا بیان کرسکتا ہے جس کو کتاب کی عبارتیں بالکل واضح ہوں اور کتاب میں بیان کردہ مسئلے کے ملابسات اور جزئیات کا گہرا علم ہو۔حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم العالیہ مزید فرماتے ہیں کہ:

> ''ہم لوگ ابن ماجہ شریف کے درس میں خطیب الاسلام کے یہاں مطالعہ کرکے جاتے اور مختلف ساتھی مختلف اشکالات اپنے ذہن میں لیکر درس گاہ آتے، لیکن درس کے اختتام پر وہ اشکالات سب کافور ہوجاتے۔''

چونکہ حضرت کا سلسلہ بھی حکیم الاسلام کے واسطے سے حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کا سلسلہ ہے اور حضرت حکیم الامت کے براہ راست تلمیذ رشید بھی ہیں، یہ فیض بھی (یعنی ایسی تقریر فرمانا کہ ہر سننے والے کے شکوک وشبہات بھی دور ہوجائیں اور ہر شخص کے اعتراض کا جواب بھی ہوجائے) حضرت خطیب الاسلام میں حضرت حکیم الامت کا منتقل ہوا ہے۔

طلباء کو ان تمہیدات سے فائدہ یہ پہنچتا ایک تو ان تمہیدات سے نفس مسئلہ اور اصل موضوع سمجھنا آسان ہوجاتا اور دوسری چیز بقول قاری صاحب ''با ذوق طلبہ کو تمہیدات باندھنے کا سلیقہ بھی آجاتا اور مثالوں سے کسی بھی مسئلے کی وضاحت کا طریقہ بھی طلبہ سیکھ لیتے۔''

مذکورہ بالا عبارت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اگر کسی کو تمہیدات باندھنے کا تدریس اور تقریر میں سلیقہ وقرینہ آجائے تو اس میں اپنے مافی الضمیر کو مختلف پیرائے اور مختلف انداز سے پیش کرنے کا سلیقہ آجاتا ہے۔

پھر حضرت ان تمہیدات میں مزید حدود وقیود کا اضافہ فرمادیتے، جن قیودات کے ہوتے ہوئے ممکنہ اعتراضات، یا شکوک وشبہات یا طلبہ کے ذہن میں موجود سوالات سب خود بخود درفع ہوجاتے۔

(۲) انتہائی مربوط کلام

حضرت کے درس کی جو تقریر ہوتی وہ اس قدر مربوط ہوتی کہ ہر طرح کے حشو وزوائد افراط و تفریط اور طول لاطائل سے بالکلیہ پاک ہوتی، ہر بات ان کی ایک اصول اور مسلمہ قاعدہ ہوتا، جو اس درس کو سمجھانے میں بنیادی کردار ادا کرتا، ویسے بھی انسان فطری طور پر غیر مربوط کلام سے اکتاتا ہے اور اس کی طبیعت میں ایک طرح کی الجھن پیدا ہوتی ہے اور اگر گفتگو میں ربط ہے، تسلسل ہے تو انسان کی طبیعت خود بخود اس مربوط کلام کو سننے کے لئے آمادہ ہوتی ہے اور متکلم کی شخصیت دوسرے پر اثر انداز بھی ہوتی ہے، والد گرامی حضرت مولانا محمد زکریا صاحب فرماتے ہیں کہ ''حضرت لطیفہ اور واقعہ اگر بیان کرتے تو اس میں انتہائی ربط وتسلسل ہوتا، ان کا کلام غیر معمولی طور پر مربوط ہوتا، جیسے کوئی کتاب سنا رہا ہو، حشو وزوائد سے بالکلیہ خالی، حضرت کی درسی تقریر بھی بڑی مربوط ہوتی، ذرا سی توجہ سے وہ تقریر طالبعلم کے ذہن میں نقش ہوجاتی، اگر حضرت کی درسی تقریر کو طالبعلم توجہ سے سن لیتا تو زندگی بھر کے لئے ذہن نشین ہوجاتی۔ ان کی تقریر کا ہر لفظ اپنی جگہ پر خاص مقام رکھتا، افراط وتفریط، مبالغہ آرائی، لفاظی اور تصنع وتکلف نام کی چیز کا شائبہ بھی نہیں ملتا۔ درسی تقریر کے مربوط ہونے میں حضرت کے گھریلو علمی ماحول اور والد گرامی کی طویل معیت ورفاقت کا بھی بڑا دخل تھا کہ خانوادۂ قاسمی کے افراد کو مربوط کلام کرنے اور قصہ گوئی میں کمال حاصل تھا، اور یہ سلسلہ الحمد للہ مسلسل اولادوں میں منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔

(۳) وقت اور سبق کی غایت درجہ پابندی

راقم الحروف نے حضرت کو بہت قریب سے دیکھا اور مشاہدہ بھی بار بار کیا کہ حضرت مزاجاً تنظیم الاوقات اور پابندیٔ اوقات کے سلسلے میں انتہائی غیور واقع ہوئے تھے۔ میں نے حضرت سے یہ دو شعر (جن میں ایک عربی کا ہے اور ایک اردو کا) بہت سنے، میں نے ایک مرتبہ پابندیٔ اوقات کے سلسلہ میں معلوم کیا تو اس وقت بھی حضرت نے یہ دو شعر سنائے۔

دَقَّـــات قَــلـــب الْــمَــرْءِ قَــائِـلَةٌ لَــهُ

انَّ الْــحَيَــاةَ دَقَــائِــقٌ وثــوان

ترجمہ: انسان کی دل کی دھڑکن مستقل اس سے یہ کہہ رہی ہے کہ: یہ زندگی چند منٹوں اور سیکنڈوں کا کھیل ہے۔

دوسرا شعر

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی

خالق نے گھڑی عمر کی ایک اور گھٹادی

پابندیٔ اوقات کا درس میں یہ حال تھا بقول مولانا اسعد قاسم صاحب بستوی، ''حضرت نے یہ اعلان باقاعدہ کر رکھا تھا کہ پانچ منٹ اگر میں لیٹ ہوگیا تو سمجھنا کہ آج درس نہیں ہوگا۔ اور میں دیوبند میں نہیں ہوں، ہم طلبہ حضرت کے معمولات کو دیکھ کر اپنی گھڑیاں ملاتے تھے۔

ایسا ممکن نہیں کہ حضرت دیوبند میں تشریف فرما ہوں اور سبق کا ناغہ ہو جائے، حضرت کی یہ پابندی دراصل طلبہ کے لئے ایک عملی پیغام تھا جس سے ان کی تربیت مقصود تھی کہ اسلام میں وقت کی بڑی اہمیت ہے، چنانچہ حضرت خطیب الاسلام کے اس عمل کے اثرات ان کے شاگردوں میں دیکھنے کو ملے، راقم الحروف نے حضرت کے بہت سے تلامذہ سے ملاقات کا شرف حاصل کیا، دورانِ گفتگو حضرت کے تلامذہ نے خود بتایا کہ ہمیں اللہ نے تھوڑی بہت جو پابندیٔ اوقات عطا فرمائی وہ حضرت ہی کی زندگی سے سیکھا یعنی پابندیٔ وقت کا شعور ہمیں حضرت کی عملی زندگی سے ملا۔

پابندیٔ اوقات کے سلسلے میں بھی میں نے حضرت مولانا سفیان صاحب دامت برکاتہم سے بارہا سنا کہ بھائی صاحب (تمام صاحبزادگان والد گرامی کو بھائی صاحب کہتے تھے) کو پابندیٔ وقت

کے سلسلے میں اگر کوتاہی ہوتی تو نہایت کوفت ہوتی اور اگر کبھی میں کسی کام کے سلسلے میں یہ کہہ دیتا کہ دس پندرہ منٹ میں آرہا ہوں تو فرماتے: ''تمہارے یہاں کیا پانچ منٹ کی کوئی حیثیت نہیں یا تو دس منٹ کہو یا پھر پندرہ منٹ۔ یہ اوقات کی پابندی عظمائے قوم کے یہاں ہوتی ہے، کہ وہ اپنے ایک ایک منٹ کا خیال رکھتے ہیں، اور وقت کو انتہائی بڑا سرمایہ تصور کر کے اپنے اوقات کو کسی نہ کسی مفید کام میں گذارنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں، حتیٰ کہ علمائے اسلام نے خاص کر امام سیوطی اور علامہ ابن حجر کا یہ معمول لکھا ہے کہ جتنی دیر قلم کو لکھنے کے لئے دوات میں ڈبوتے اتنی دیر میں بھی زبان سے سبحان اللہ اور الحمد للہ کا ورد کرتے، اور اپنی حیات مستعار کو اللہ کی طرف سے دیا گیا عطیہ تصور کر کے دنیاوی یا اخروی مفید کاموں میں بسر کرتے، اوقات کو خالی نہ جانے دیتے، حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عظیم ترین خصوصیت ہے کہ آپ وقت کے بہت پابند تھے کیونکہ حضرت کی علمی و عملی پرداخت بھی علمائے متقدمین کی طرح ہوئی تھی کہ حضرت کے زمانہ طالبعلمی میں دارالعلوم کی اسلوب تعامل اور طرز تعلیم پر علمائے متقدمین اسلام کا رنگ غالب تھا، اور مادیت والحادیت دور دور بھی نظر نہیں آتی تھی۔ جس کے ہوتے ہوئے حضرت نے اعلائے کلمۃ الحق اور حفاظت ونفاذ شریعت، تعلیم وتدریس، تقریر وخطابت، تحریر وکتابت، میدان دعوت وتبلیغ، تربیت اسلامی کے باب میں انمنٹ ولازوال نقوش چھوڑے ہیں جن کی تفصیلات آگے کتاب میں آرہی ہیں، پابندیٔ اوقات اور عمر عزیز کے اوقات کی حفاظت میں ہی نسل نو کے لئے بہت بڑا درس ہے کہ جو اوقات کو ضائع کرنے میں پچھلی تمام اقوام سے بازی لے گئے، اور اپنے اوقات کو ایسے جدید آلات کے اندر ضائع کر رہے ہیں جس نے نسل نو کو نکما اور استھلاکی کلچر کا عادی بنا دیا ہے۔ انسانیت کے لئے نافع وہی لوگ بنتے ہیں، جنہوں نے اپنے اوقات کی حفاظت کرتے ہوئے ان کو تعمیری کاموں میں لگایا۔ ان کی اس عظیم الشان خصوصیت کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی چھوٹی صاحبزادی محترمہ عظمیٰ ناہید صاحبہ اپنے تاثراتی مضمون میں تحریر فرماتی ہیں:

''ان کی زندگی میں وقت کی پابندی کی بڑی اہمیت تھی، اگر کسی سے کسی خاص وقت میں ملنے کا وعدہ کیا ہے، یا کہیں جانا ہے، تو اس میں ذراسی دیر بھی انہیں انتہائی ناگوار ہوتی تھی، بلکہ وہ ہر کام کو وقت سے پہلے کرنے کے عادی تھے، تاکہ دیر نہ ہو جائے اور کسی کو انتظار نہ کرنا پڑے۔

یہی اہتمام ان کی نمازوں میں بھی ملتا تھا۔ خاندان میں مشہور تھا کہ اگر گھڑی بند ہوگئی ہو اور کسی کو وقت ملانا ہو تو ان کی نمازوں کے اوقات سے گھڑی ملائی جاسکتی ہے۔“[۱]

(۴) تدریس میں حسن عمل واتقان عمل کا خاص لحاظ

خانوادہ قاسمی کا امتیاز رہا ہے کہ یہ حضرات جب کوئی کام کرتے ہیں تو اس کام کو سرسری انداز سے نہیں کرتے بلکہ اس کام کی تمام جوانب کا احاطہ کرتے ہیں، پھر اس میں بھی اتقانِ عمل وحسن عمل مطلوب و ملحوظ رہتا ہے، شریعت مطہرہ، قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کی سیرت مقدسہ نے بھی ایک مسلمان کا مزاج یہی بنایا کہ وہ جو کام بھی کرے اس کو اتقان کے ساتھ کرے اور احسن طریقہ پر کرے۔ قرآن کریم میں حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿صُنْعَ اللهِ الَّذِیْ أَتْقَنَ كُلَّ شَیْءٍ﴾ (سورۃالنمل: ۸۸)

اور ایک جگہ ارشاد عالی ہے: ﴿لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (سورۃ الملک: ۱)

حدیث میں ارشاد فرمایا گیا: ”ان الله يحب اذا عمل أحَدُكُمْ أتْقَنه“

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس بات کو نہایت پسند فرماتے ہیں کہ تم میں سے جب کوئی کام کرتے تو اس کو اچھی طرح کرے۔

ان نصوص کو سامنے رکھتے ہوئے حضرت کی زندگی پر راقم الحروف نے نظر ڈالی اور اس زاویہ سے حضرت کی زندگی کو جب دیکھا تو زندگی کے بے شمار مراحل میں آپ کو ان نصوص پر عمل پیرا پایا، چنانچہ اس سلسلے میں حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب فرماتے ہیں کہ:

”خطیب الاسلام کے یہاں یہ بات خاص طور پر قابل اعتنا ولائق ذکر ہے کہ آپ جو کام بھی کرتے ہیں اس میں حسن عمل اور اتقانِ عمل کا خاص لحاظ رہتا ہے۔“

تقریر کو اگر اختیار کیا تو خطابت کے میدان میں اس حد تک پہنچے کہ ”خطیب الاسلام“ آپ کے نام کا جزو لاینفک بن گیا، حضرت کا مزاج یہ تھا کہ جب تم کوئی کام کرو تو اس کے مالہٗ وماعلیہ کے ساتھ کرو کوئی گوشہ ایسا باقی نہ رہے جس کی بنا پر اس کی حلاوت جاتی رہے اور معنویت ختم ہوجائے، جو حکم اور شریعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ہم تک پہنچی جو نظام ہمیں ملا وہ انتہائی اکمل واتم ہے، اس میں نقص کا کوئی شائبہ تک نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بقول حضرت: شریعت مطہرہ اور اس کے تمام

---

[۱] ایک تاثراتی مضمون بعنوان 'میرے بھائی صاحب' از: عظمیٰ ناہید قاسمی صاحبہ

احکامات کو نازل فرمانے کے بعد حق تعالی شانہ نے جو آخری حکم نازل فرمایا وہ اس پورے نظام شریعت پر مہر تصدیقِ ثبت فرمائی کہ ہمارے نبی کا لایا ہوا نظام اور دی ہوئی شریعت کا ہر حکم اس قدر کامل واکمل ہے کہ کمی یا زیادتی کی اب اس میں کوئی گنجائش باقی نہیں، لہٰذا اے لوگو! تم کام کو ناقص انداز سے مت کیا کرو، ارشاد فرمایا:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً﴾(سورة المائدة:۳)

حضرت خطیب الاسلام فرماتے ہیں ''اس آیت میں پہلے اکمال دین اور اتمام نعمت کا تذکرہ فرمایا اور اکمال واتمام کے بعد اپنی رضا کا اعلان فرمایا۔ معلوم ہوا کہ جب تک کام میں اکمال واتقان نہ ہو اس کام میں رضائے الٰہی کا حصول ناممکن ہے، رضائے الٰہی موقوف رہے گی جب تک کے اس کام میں اکمال، اتمام واتقان نہیں ہوگا۔''

ان سطور سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کے یہاں اتقان عمل کا کس قدر لحاظ تھا یہی وجہ ہے کہ راقم الحروف نے بارہا مشاہدہ کیا کہ ناقص کام کرنے والوں سے حضرت کو اختلاج کی کیفیت پیدا ہوتی، مزاج بچپن ہی سے ایسا بنا تھا کہ حسن عمل اور اتقانِ عمل کی عملی تصویر والد محترم حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کو قریب سے دیکھا اور استفادہ کیا تھا، اس پر مستزاد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے براہ راست شرف تلمذ حاصل کر کے اپنے آپ کو مرتب ومنظّم بنالیا تھا۔ اس تربیت وتنظیم کا نتیجہ یہ ہوا کہ اتقان عمل زندگی میں پیدا ہوگیا۔ یہی مجموعی صفت آپ کی تدریس میں بھی واضح تھی۔ کیونکہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہر عمل میں اتقان اور نظم ونسق نظر آئے گا پھر یہی چیز حضرت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے یہاں اور ان کی زندگی میں نظر آئے گی اور وہی فیض حضرت خطیب الاسلام کو پہنچا، گویا کہ حضرت تھانویؒ کا یہ فیض حضرت علمی وعملی دونوں شکلوں میں پہنچا۔ عظمٰی ناہید صاحبہ مذکورہ بالا مضمون میں لکھتی ہیں:

''وہ ہر کام کو خوش اسلوبی سے کر لینے کے عادی تھے، کسی کام کی مشکل نے بھی انہیں حراساں نہیں کیا بلکہ وہ مسلسل کوشش کر کے اس کام کو پایاں تک پہنچانے کے عادی تھے۔''

(۵) علمی تبحر

حضرت خطیب الاسلام نے جس فن کو بھی پڑھایا اس طرح پڑھایا گویا کہ آپ اسی فن کے ماہر ہیں، چنانچہ قاری ابوالحسن صاحب اعظمی حضرت خطیب الاسلام کے علمی تبحر کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حضرت اپنے درس میں تمہیدات و قیودات ایسی لگاتے کہ ان قیودات کے ذریعہ تمام اعتراضات ختم ہوجاتے درس کی تقریر کے دوران ایسے الفاظ و قیود کا اضافہ صرف وہی شخص کرسکتا ہے جس کو موضوع پر کامل دستگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ طلبہ تک نفس مضمون کے ابلاغ کا بھی ملکہ نامہ ہو۔ اور ایک کامیاب مدرس کے لئے ان دو چیزوں کا ہونا بہت ضروری ہے۔ ایک تو اس کو موضوع اور فن پر کامل دستگاہ ہو اور دوسرے اس کے اندر ابلاغ کی صلاحیت ہو، اور یہ دونوں ہی باتیں حضرت کے درس میں موجود تھیں کہ موضوع پر کامل دستگاہ بھی اور ابلاغ کا ملکہ اللہ رب العزت نے وافر مقدار میں عطا فرمایا تھا،

حضرت قاری صاحب دامت برکاتہم کے مذکورہ بالا جملہ اس بات کا غماز ہے کہ حضرت کو علوم عقلی ونقلی پر کامل دسترس حاصل تھی۔ قاری صاحب مزید فرماتے ہیں:

''ہم میں سے بعض طلبہ کے ذہنوں میں کسی بھی علمی درسی مسئلے کے متعلق اشکالات پیدا ہوتے اور جب کبھی بھی کسی نے حضرت سے کسی اشکال کے متعلق معلوم کیا تو ہمیشہ جواب یہ ہوتا کہ درس کی تقریر کے دوران میں نے فلاں قید لگائی تھی، ہم اقرار کرتے کہ جی حضرت! آپ نے یہ قید لگائی تھی فرماتے یہ قید اسی لئے لگائی گئی تھی تا کہ مذکورہ اشکال پیدا نہ ہو، اس وقت اس جملے اور اس قید کی اہمیت اور معنویت کا اندازہ ہوتا کہ حضرت کا یہ جملہ کیف ما اتفق نہیں بلکہ پیدا ہونے والے اشکال کو رفع کرنے کے لئے تھا، بعض ذہین طلبہ ان قیودات وتمہیدات کو سمجھ جاتے کہ یہ قید حضرت نے کیوں لگائی اور اس کی معنویت کیا ہے؟''

(۶) درس کی جامعیت

حضرت کا درس اس قدر جامع ہوتا کہ موضوع سے متعلق کسی طرح کی کوئی تشنگی باقی نہیں رہتی، اسی کے ساتھ ساتھ حشو وزوائد سے بالکل خالی، مفہوم و معانی کو ادا کرنے کے لئے زبان سے وہی

الفاظ وکلمات نکلتے جن کے لئے ان الفاظ وکلمات کو واضع نے وضع کیا ہے۔ جیسے کسی نے اپنے مافی الضمیر کو ادا کرنے کے لئے پہلے سے الفاظ، کلمات اور جملے تیار (سیٹ) کرر کھے ہوں، یہی وجہ ہے کہ حضرت کا درس اس قدر جامع ہوتا کہ کتاب میں ایک سبق کے دوران جتنے بھی موضوعات کا تذکرہ آ جاتا ان موضوعات کے ضروری تمام پہلوؤں پر روشنی پڑتی، اور سبق کا موضوع ذہن نشین ہو جاتا اور ذہن میں نفس موضوع کا کامل تصور ابھرتا۔ اس بات کی گواہی حضرت کے تمام ان شاگردوں نے دی جن سے میری ملاقات ہوسکی۔ انہوں نے مزید یہ بات بھی بتلائی کہ استاذ محترم کے درس میں اکتاہٹ نہیں ہوتی تھی اور نہ ذہنی طور پر تھکن کا احساس ہوتا، بلکہ طبیعت یہ چاہتی کہ آپ درس میں تقریر فرماتے رہیں اور طلبہ بیان کردہ علمی نکات سے لطف اندوز ہوتے رہیں۔

ایک کامیاب مدرس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ خشک سے خشک علمی مضامین کو بھی ایسے پیرایہ بیان میں واضح کرے یا ایسے دلچسپ انداز میں بیان کرے، کہ طالب علم میں وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اکتاہٹ نہ ہو، بلکہ زیر درس کتاب یا موضوع کے تئیں دلچسپی بڑھتی چلی جائے اور طلبہ اس استاذ کے درس کا انتظار کریں، جیسا کہ ان حضرات کو اس بات کا اچھی طرح اندازہ ہے جو گذشتہ تیس چالیس سال کے عرصہ میں مادر علمی دارالعلوم دیوبند سے کسب فیض کرنے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں کہ طلبہ حضرت مفتی سعید صاحب پالنپوری دامت برکاتہم العالیہ کے سبق کا کس قدر شدت سے انتظار کرتے ہیں، مفتی سعید صاحب میرے استاذ ہیں کہ میں نے حضرت والا سے ترمذی شریف پڑھنے کی سعادت حاصل کی، اور حضرت والا حضرت خطیب الاسلام کے شاگرد ہیں جیسا کہ کتاب میں آگے تذکرہ آرہا ہے۔

(۷) طلبہ کے ساتھ رحمت وشفقت

سابق صدر جمہوریہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب اکثر بڑی شدومد سے یہ بات فرمایا کرتے تھے کہ استاذ کی پیشانی پر علم کے بجائے رحمت اور شفقت کا نور ہوتا ہے۔ رحمت وشفقت اور حلم و بردباری کی عظیم نبوی صفات حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو نسلاً بعد نسل حضرت صدیق اکبر سے ملی تھیں۔ جن کی پہچان ہی ''أرحم أمتی بأمتی أبو بکر'' ہے۔ دوران درس طلبہ، اساتذہ کرام سے ایسی بات کرتے ہیں کہ جس سے طبیعت میں ناگواری ہوتی ہے، لیکن حضرت خطیب الاسلام کے طلبہ اس بات

سے مامون رہتے کہ حضرت خطیب الاسلام دوران درس ان کے کسی علمی استفسار پر برانگیختہ ہوجائیں گے۔ جیسا کہ حضرت کے مایہ ناز تلمیذ جناب مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی فرماتے ہیں کہ

''مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں نے حضرت حکیم الاسلام اور ان کے گرامی قدر صاحبزادے استاذ محترم مولانا محمد سالم صاحب قاسمی رحمہما اللہ سے دار العلوم دیوبند میں پڑھا، ہم طلبہ دونوں حضرات کے سلسلے میں ہر طرح کی ڈانٹ ڈپٹ سے مامون تھے۔''

حضرت کے خلیفہ ومجاز اور رفیق سفر جناب مولانا اقبال صاحب جوگیشوری، ممبئی حضرت کے ساتھ اسفار میں کثرت سے رہے، وہ فرماتے ہیں:

''سفر میں تو ہم ساتھ رہے، کبھی کسی بھی طرح کی غلطی ہوجاتی تو ہمیشہ نظر انداز فرمادیتے، اور کبھی مجھے یاد نہیں کہ حضرت نے مجھے ڈانٹا ہو۔ اسی طرح حضرت کے خادم خاص مخدوم مکرم جناب مولانا شاہد صاحب دامت برکاتہم نے بارہا مجھ سے یہ بات بتائی کہ حضرت نے مجھے بڑی سے بڑی غلطی پر کبھی ڈانٹا نہیں۔''

کسی کو تعلیم دینے کے لئے سب سے بڑی صفت معلم کی یہی صفت رحمت اور شفقت ہے کہ معلمیت بغیر صفت رحمت کے ناقص ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت نے حضور ﷺ کو معلم بنا کر بھیجا اور یہ ارشاد فرمایا: ﴿وما أرسلناک الا رحمة للعالمین﴾ (سورۃ الانبیاء:۱۰۷) یہ اعلان اس لئے فرمایا گیا کہ امت کو تعلیم ہو کہ تمہیں بھی حضور ﷺ کی نیابت میں معلّمی کے فرائض انجام دینے ہونگے، اس کے لئے صفت رحمت بنیادی صفت ہے خاص کر قرآن وحدیث کے علوم کے لئے اس صفت کا معلمین میں ہونا سب سے اہم اور ضروری ہے۔ جیسا کہ تعلیم قرآن کے سلسلہ میں اللہ نے اپنی صفت رحمت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ ارشاد عالی ہے: ﴿الرحمن علم القرآن﴾ (سورۃ الرحمان:۱)

رحمان نے قرآن سکھایا یہ نہیں فرمایا: ''العلیم علم القرآن''، یہ بھی نہیں کہا ''العلام علم القرآن''، بلکہ ارشاد فرمایا کہ اس ذات نے قرآن سکھلایا جس کی رحمتوں کے سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔

(۸) کلیات کے ساتھ جزئیات کا استحضار

حضرت کے علمی تبحر کے بارے میں ذکر کیا جاچکا، حضرت کے درس کی یہ بھی خصوصیت تھی کہ حضرت کو شریعت کے جزوی مسائل کا غیر معمولی استحضار تھا، جس کا اظہار اس وقت ہوتا جب کوئی طالب علم کسی جزیئے کے متعلق سوال کرتا، یا کوئی حضرت کے قدیم شاگرد کسی بھی علمی مسئلے کے بارے میں دریافت کرتے اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ علمائے متقدمین کے واقعات اور ان کی علمی کتابوں کا حوالہ دیتے ہوئے مسئلے کی وضاحت فرمادیتے۔۔

(۹) قوت استدلال

دوران تقریر، چاہے درسی تقریر ہو یا عوامی تقریری ہو، آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ سے برموقعہ استدلال فرماتے اور استدلال اس قدر رنادر ہوتا کہ سامعین اور طلباء عش عش کرجاتے۔

(۱۰) طلبہ کی توجہ ادھر ادھر نہ بھٹکنے دینا

حضرت خطیب الاسلام درس میں اس بات کا بے حد خیال فرماتے کہ موضوع سے ہٹ کر کوئی بات نہ ہو، ادھر ادھر کی بات کرنے سے طلبہ کا ذہن منتشر ہوتا ہے اور اصل موضوع سے ذہن ہٹ جاتا ہے۔ سبق سے متعلق جزئیات کا بیان بھی نہایت مربوط ہوتا، البتہ درمیان میں ان مسائل کی وضاحت کے لئے مثالیں بیان فرماتے جس سے مشکل مسائل محسوس ہوکر طلبہ کے ذہن نشین ہوجاتے۔

(۱۱) ابلاغ کا مخصوص ملکہ

حضرت خطیب الاسلام اپنے انداز گفتگو اور طرز تخاطب کی وجہ سے طلباء میں بہت مقبول تھے، کسی ایک بات کو مختلف پیرائے میں بیان کرنے کا ملکہ حاصل تھا، انداز تخاطب ایسا کہ جیسے منھ سے پھول جھڑ رہے ہوں، بڑے سے بڑے پیچیدہ مسائل سہل انداز میں سمجھاتے کہ ہر طرح کا غموض ختم ہوجائے، اسی بات کو پیش کرنے اور مافی الضمیر کو ادا کرنے کا سلیقہ وقرینہ اس قدر خوبصورت ہوتا کہ بڑی سے بڑی بات کو انتہائی لطیف پیرائے میں بیان فرمادیتے۔

بقول غالب مرحوم ''مزہ کہنے کا جب ہے کہ ہم کہیں اور سارا جہاں سمجھے۔'' یہ ابلاغ کا قرینہ اور ملکہ ایک کامیاب معلم سے اول درجے میں مطلوب ہے۔

دوران درس ایسے خوبصورت الفاظ اور تعبیرات زبان سے ادا ہوتیں جیسے کسی نے پہلے سے ریکارڈ کیا ہو، دوران درس کہیں یہ احساس نہیں ہوتا کہ متکلم کے پاس ذخیرہ الفاظ کی کمی ہے، بلکہ الفاظ یکے بعد دیگرے نہایت تسلسل کے ساتھ زبان سے ادا ہوتے۔

حضرت خطیب الاسلام کی درسی خصوصیات کے بارے میں اور مزید بھی لکھا جاسکتا ہے۔ لیکن انہی پر اکتفا مناسب معلوم ہوتا ہے، ان تمام درسی خصوصیات کو جاننے کے بعد یہ کہنے میں ذرہ برابر بھی تأمل نہیں رہ جاتا کہ حضرت نے دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم وقف دیوبند جیسے ہر دو مؤقر اداروں میں معلمیت کے فرائض منصبی بڑی ہی کامیابی کے ساتھ ایک طویل عرصے تک انجام دیئے، جس کے دوران درس نظامی میں رائج اکثر علوم وفنون کی کتابیں پڑھائیں، اور درس نظامی میں پڑھائی جانے والی مشہور کتاب، شرح عقائد نسفی ایک لمبی مدت تک آپ کے زیر درس رہی، اور آپ کا شرح عقائد کا درس نہایت مقبول ہوا۔ اسی طرح آپ نے تقریبا چالیس سال حدیث شریف کی مشہور کتابیں پڑھائیں۔ جس سے آپ کی محدثانہ اور متکلمانہ شان کا پتہ چلتا ہے۔ جس کا تذکرہ کتاب میں آگے مستقلاً آرہا ہے۔

حضرت خطیب الاسلام کے چند ہم عصر علماء

حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ

استاذ الاساتذہ حضرت مولانا انظر شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت میں احسن الخالقین کی طرف سے کچھ ایسی جاذبیت اور کشش تھی کہ کوئی بھی انسان ان سے ایک ملاقات میں ان کی شخصیت کا قائل ہوجاتا، اوران کی خصوصیات کو دیکھ کر بخوبی یہ اندازہ کرلیتا کہ یہی وہ خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے ان کی شخصیت دوسروں سے بہت ممتاز ہے، اوراہل مکہ کی کہاوت 'لامر مایسود من یسود' ان پر صادق آتی، اس عاجز کو بھی حضرت کی مختلف مجالس میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی، اور دوران طالب علمی بارہا جامع مسجد دیوبند میں درس بخاری میں شرکت کی سعادت میسر آئی۔اسی طرح اپنے والد محترم حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی نانوتوی دامت برکاتہم العالیہ کی معیت میں بھی حضرت کے دولت کدہ پر حاضری کی سعادت ملی۔ میں نے حضرت کو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں زمانہ طالب علمی کے دوران بعنوان 'سیرت طیبہ' ۱۲/ربیع الاول ۱۹۹۹ء کینڈی ہال میں بھی سنا۔

ایک بات تو یہ محسوس کی کہ حضرت کی کسی بھی طرح کی مجلس ہو، درس ہو، تقریر ہو، علمی مجلس ہو یا پھر ملاقات یا مذاکرہ کی مجلس ہو، آپ سے مستفید ہونے والا کبھی اکتاہٹ اور بوریت کا شکار نہیں ہوتا، یہ بات یہ عاجز ہی نہیں بلکہ حضرت کے تمام ہی شاگردوں کا تقریبا متفقہ فیصلہ ہے کہ حضرت کے پاس بیٹھنے والا سفر میں ہو یا حضر میں وہ کسی طرح کی اکتاہٹ کا شکار نہیں ہوتا تھا، اگر پہلے سے کسی پر اکتاہٹ چھائی ہوتو بھی حضرت کی مجلس میں جاتے ہی دور ہوجاتی۔

دوسری خصوصیت حضرت کی علم حدیث پر دسترس تھی، اس طرح کا کمال اور عبور بہت کم لوگوں کے حصہ میں آیا خاص طور پر علم اسماء الرجال پر حضرت شاہ صاحب کا جو کلام ہوتا، وہ اپنی مثال آپ تھا۔

تیسری خصوصیت حضرت کا خاص اپنا طرز تقریر وتحریر ہے، حضرت کا انداز گفتگو، تسلسل، روانی کا یہ حال کہ جیسے کسی ساز پر حسین غزل گادی ہو، اور تحریر کا حال یہ کہ اگر ان کی کسی تحریر پر ان کا نام نہ بھی

لکھا ہوا ہو، تب بھی ان ان کے علوم سے تھوڑی بہت مناسبت رکھنے والا پہچان لے گا کہ یہ تحریر حضرت شاہ صاحب قدس سرہ کی ہے، ان کے قلم کی جولانیاں، ان کے مضامین کی فکر انگیزیاں مزید ان کے علوم کی سحر انگیزی اتنی جلی، اتنی پاکیزہ، اتنی صاف شفاف، اتنی رسیلی، اتنی میٹھی، اتنی شیریں کہ خواجہ حسن نظامی کا روزنامچہ اپنا لطف کھو بیٹھے، اتنی پرشکوہ، اتنی باوقار اور اتنی جاذب نظر کہ ابوالکلام آزاد کی تحریروں کی چاشنی وذائقہ کا حصہ بن جائے، تحریر میں وہ کسی کے مقلد نہیں، اپنا ہی انداز، اپنا ہی اسلوب وہ بھی اتنا جداگانہ اور متنوع کہ کوشش کے باوجود اس اسلوب تک رسائی ممکن نہ ہو، ہزاروں مقالات ومضامین ان کے گوہر بار قلم سے نکلے۔''

حضرت شاہ صاحب نے از اول تا آخر دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کی، اپنے شوق اور لگن مزید برآں خداداد ذہانت وفطانت کی وجہ سے ممتاز طلبہ میں شامل رہے اور چونکہ ذہانت وفطانت اور بلا کا حافظہ تھا، اسی کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے کی لگن جوجنون کی حد تک تھی اس لئے جس راہ کے مسافر بنے منزل مقصود تک پہنچ کر ہی دم لیا۔

حضرت نے ۱۳۷۲ھ میں دارالعلوم دیوبند سے سند فضیلت حاصل کی اور اسی سال آپ کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں ہوا۔ آپ کی تدریسی زندگی کی بابت حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب تحریر فرماتے ہیں:

> ''اول دن سے ان کی تدریسی صلاحیتوں کے چرچے شروع ہوئے، میزان سے ابتدا اور بخاری پر آکر ٹھہراؤ، مقامات ان کے زیر درس رہی، ملاحسن اور سلم کو انہوں نے پڑھایا، جلالین اور بیضاوی ان کی نکتہ آفرینیوں کا مرکز بنی، مختصر المعانی، شرح عقائد اور ہدایہ میں پختگی کا ثبوت دیا۔ ترمذی، مسلم، ابوداؤد، مشکوٰۃ جیسی کتب احادیث بھی طویل زمانے تک پڑھانے کی سعادت حاصل رہی۔''

حضرت قاری صاحب مزید لکھتے ہیں

> ''خدانے ذہن، فکر، حافظے اور افہام وتفہیم کی بے پناہ دولتوں سے نوازا اور قدرت کی ان فیاضانہ عنایات کا انہوں نے فیاضانہ استعمال کیا، دارالعلوم کے وہ چند نام جو اپنے علم وعمل، صلاحیت اور مقبولیت میں شہرت کی منزلوں تک پہنچے ان میں شاہ صاحب کا نام نمایاں ہے۔''[1]

[1] فرشتہ صفات، از قاری ابوالحسن صاحب اعظمی

حضرت کی تصانیف وتالیفات کی تعداد بقول حضرت قاری ابوالحسن صاحب دامت برکاتہم العالیہ ایک درجن سے زائد ہے (۱) تذکرۃ الاعزاز: سوانح حضرت مولانا اعزاز علی صاحب (۲) ایمان کیا ہے؟ ترجمہ تکمیل الایمان مصنفہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۳) طریقہ تعلیم ترجمہ تعلیم المتعلم، مصنفہ الامام برہان الاسلام (الزرنوجی) تلمیذ صاحب ہدایہ (۴) فروغ سحر مجموعہ مضامین (۵) گل افشاں گفتار مجموعہ تقاریر (۶) خطبات کشمیری مجموعہ خطبات (۷) نقش دوام، سوانح امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری (۸) لالۂ وگل، شخصیات پر لکھے گئے مضامین کا مجموعہ (۹) اسمائے حسنی کی برکات (۱۰) تفسیر ابن کثیر پر وقیع اور علمی کام (۱۱) بیضاوی کے ایک حصہ کی شرح، ترتیب بنام، 'تقریر شاہی' وغیرہ ان کے علاوہ چند کتابیں زیر تالیف تھیں۔ ان کے زیر ادارت ماہنامہ 'نقش' اور پندرہ روزہ 'یثرب' ایک طویل عرصہ تک شائع ہوئے۔ ماہنامہ 'محدث عصر' ان کی قلم کی جولانیوں کا ثبوت تھا، تصنیفات اور تالیفات پر ان کی تقریظات اور مقدمات کا شمار تو اب ممکن نہیں۔

حضرت شاہ صاحب حضرت خطیب الاسلام کے شانہ بشانہ ہر موقع اور ہر جگہ پر کھڑے نظر آئے، حضرت خطیب الاسلام کو اپنا سرپرست اور بڑا مان کر احسان شناسی کے جذبہ کے ساتھ دارالعلوم وقف دیوبند کی تعمیر وترقی میں وہ کردار ادا کیا جو تاریخ دارالعلوم وقف دیوبند میں ناقابل فراموش ہے، اس ادارہ کی تاریخ میں حضرت شاہ صاحب کی حیثیت ایک ایسے بنیادی معمار کی ہے جنہوں نے ادارہ کی اپنی جان و مال اور اپنے جذبات سے آبیاری کی، بے شمار مواقع ایسے آئے جہاں ایک طرف صدر جلسہ حضرت خطیب الاسلام ہیں تو مہمان خصوصی حضرت شاہ صاحب اور دونوں حضرات اخلاص وعمل کے پیکر ایک نبی کریم ﷺ کے دین کا ترجمان ہے اور نسبت قاسمی کا حامل وشارح اور دوسرا وارث نبی اور علوم علامہ انور شاہ کشمیری کا حامل جب یہ دونوں حضرات کسی اسٹیج پر جلوہ افروز ہوئے ہوں گے تو سامعین اور شرکائے جلسہ کی لطف اندوزی کا کیا حال ہوا ہوگا۔ ان دونوں حضرات کا حال یہ کہ ان جیسا دوسرا کوئی مقرر اور خطیب اپنی تقریر اور خطابت کا ایسا جوہر قائم کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا اور ان کے متعلق اگر یوں کہا جائے تو بجا ہوگا کہ

نطق کو سو ناز ہیں تیرے لب اعجاز پر
محو حیرت ہے ثریا رفعتِ پرواز پر

ان حضرات نے اپنی تقریروں سے، تحریروں سے، اپنے جذبات اور اپنے کردار سے شہر در شہر،

قصبہ در قصبہ، قریہ قریہ، گاؤں در گاؤں جا کر علم وعمل کی جوت جگائی جہاں علم کی جگہ جہالت کی ظلمات نے لے رکھی تھی، بقول شاعر:

کوئی بزم ہو کوئی انجمن یہ شعار اپنا قدیم ہے
جہاں روشنی کی کمی ملی وہیں اک چراغ جلادیا

اس کا صحیح اندازہ اس عاجز کو اس وقت ہوا جب ہندوستان کے اکناف و اطراف میں دعوتی اسفار میں محض اللہ کے فضل وکرم سے جانے کا اتفاق ہوا، وہاں جا کر مکمل طور پر ان حضرات کی عظمتوں کا قائل ہوا کہ جہاں گیا وہ معلوم ہوا کہ اس مسجد یا مدرسہ کی بنیاد رکھنے کے لئے حضرت خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب یا پھر حضرت شاہ صاحب تشریف لائے تھے، حقیقت یہ ہے کہ ان پر لکھنے لئے ان کی زندگی کے دیگر پہلوؤں کو اجاگر کرنے کے لئے ایک کتاب چاہئے۔

آپ کی پیدائش ۱۹۲۸ء کو ہوئی آپ حضرت خطیب الاسلام سے تقریبا دو سال چھوٹے تھے، ہوش سنبھالنے کے بعد آخر تک اپنے آپ کو علوم وفنون کی عظمتوں سے وابستہ رکھا اور تا زندگی اکتساب فیض کرتے رہے۔

حضرت شاہ صاحب حضرت خطیب الاسلام کے بحیثیت رفیق کار مسلسل دارالعلوم کے قضیہ نامرضیہ کے وقوع پذیر ہو جانے کے بعد دارالعلوم وقف دیوبند کی ترقی میں راہ عمل میں گامزن رہے، چنانچہ مولانا شکیب قاسمی 'حیات طیب' جلد اول میں ان حضرات کی مسلسل کوششوں کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی دامت برکاتہم، فخر المحد ثین حضرت مولانا سید انظر شاہ کشمیری، حضرت مولانا نعیم صاحب دیوبندی، حضرت مولانا خورشید عالم صاحب دیوبندی جیسے فخر روزگار اساتذہ جن کی تدریس دارالعلوم دیوبند کا طرۂ امتیاز، علمی کمالات ضرب المثل اور شہرت و نیک نامی ہندوستان ہی میں نہیں پوری دنیا میں تھی اور دیوبندی مکتبۂ فکر کے بیشتر نامور علماء مدارس اسلامیہ کے ذمہ داران اور ملی تنظیموں کے سربراہان کو ان کے شرف تلمذ پر ناز اور ان کی شخصیات پر ہمیشہ ناز رہا۔ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی دامت برکاتہم اور فخر المحد ثین حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری انتظامی وتدریسی خدمات کے ساتھ فراہمی سرمایہ اور دارالعلوم وقف دیوبند کے مالی

استحکام کے لئے سرگرم عمل بھی رہے۔ حکیم الاسلام اور ان کی جماعت کے متعلق اس وقت ملک و بیرون ملک جو غلط فہمیاں پائی جارہی تھیں اور جس انداز سے پروپیگنڈہ کیا گیا تھا اس کی وجہ سے ابتدا ان حضرات کو بڑی مشکلات کا سامنا رہا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کی مسلسل محنت، اخلاص نیت اور مسلک دیوبند کی حفاظت پر کمربستہ رہنے کی وجہ سے ان مشکلات کو سہولیات میں تبدیل فرمادیا۔

حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے حضرت حکیم الاسلام کے بعد جو مشکلات اٹھائیں، جن سختیوں کا سامنا کیا اور جو بے بنیاد تہمتیں اور الزامات اپنے سر لے کر دارالعلوم وقف کی نشوونما، استحکام اور ترقی کے لئے حوصلہ دکھایا وہ ان حضرات کی اولعزمی اور عزیمت کا ایک روشن باب ہے اور انشاء اللہ آخرت میں ان حضرات کی یہ بے لوث خدمات اجر عظیم کا باعث ہوں گی۔"[۱]

اللہ تعالیٰ حضرت شاہ صاحب کی مغفرت فرمائے اور ان کی علمی، دینی اور دعوتی کوششوں کو قبول فرمائے۔

حضرت مولانا نعیم صاحب عثمانی

ولادت: ۷؍۱۲؍۱۳۳۷ھ ۱۹۱۹ء چارشنبہ وقت صبح صادق آپ کی ولادت ہوئی 'تنویر عثمانی' آپ کی تاریخ پیدائش برآمد ہوئی ہے۔

مولانا کا بچپن کھیل کود اور تفریحی رنگینوں، شوخیوں اور دلچسپیوں سے یک سر سادہ گزرا ہے۔ تقریبا ۱۳۴۲ھ میں دارالعلوم دیوبند کے درجۂ قرآن پاک میں داخل کئے گئے۔ پھر ۲؍۱۲؍۱۳۵۰ھ درجہ فارسی وریاضی سے اور ۲؍۸؍۱۳۶۳ھ میں درجہ تجوید وقرأت سے فراغت حاصل کی، اس دوران خوش نویسی بخط نسخ ونستعلیق کی تکمیل کی اور کچھ طب کی کتابیں پڑھیں اور ۱۳۶۳ھ میں دورۂ حدیث کی تکمیل ہوئی۔

آپ کے اساتذہ میں حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب امروہوی[۲] تلمیذ حضرت نانوتوی جن

---

[۱] حیات طیب جلد اول

[۲] سن ولادت تقریبا ۱۸۶۰ء ہے، ممبئی میں پیدا ہوئے مکہ مکرمہ میں قرآن شریف حفظ کیا، ابتدائی تعلیم بھی مکہ مکرمہ میں پائی، پھر حضرت مولانا احمد حسن صاحب امرہوی سے شرف تلمذ حاصل کیا۔ (بقیہ)

سے آپ نے ترمذی شریف کا ابتدائی حصہ پڑھا اور بخاری شریف کا ابتدائی حصہ حضرت مولانا علامہ شبیر عثمانی (متوفی ۱۹۴۹ء) سے اور پھر مکمل بخاری شریف حضرت مولانا سید فخر الدین[۱] صاحب سے اور ترمذی شریف حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی صاحب، مسلم شریف کے کچھ حصے کی سماعت علامہ ابراہیم بلیاوی سے اور ابوداؤد شریف حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی وغیرہ سے پڑھیں۔ اسی طرح مسلم شریف کا باقی حصہ حضرت مولانا بشیر احمد صاحب گلاؤٹھی (متوفی ۱۹۶۶ء) سے پڑھیں مؤطا امام محمد مولانا عبدالخالق صاحب ملتانی سے اور مؤطا امام مالک مولانا عبدالشکور صاحب سے، شمائل ترمذی مولانا عبدالحق صاحب سرحدی[۲] سے طحاوی شریف اور ابن ماجہ شریف مولانا قاری حفظ الرحمٰن صاحب سے۔

دورہ حدیث شریف سے فراغت کے بعد آپ نے تدریسی زندگی کا آغاز ۱۳۶۳/۹/۳ھ کو مدرسہ فیضان القرآن بنجاران سہارنپور سے کیا۔

۱۳۶۴ھ کی ابتداء میں مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی بھاولپور میں صدر مدرس کے منصب پر تقرر ہوا، آپ نے یہاں علیا کی کتابیں بیضاوی شریف، مشکوٰۃ شریف اور ہدایہ آخرین وغیرہ کتابیں پڑھائیں، پھر تقسیم ملک کے بعد وہاں سے دیوبند شریف لے آئے۔

پھر ۱۹۴۷ء میں دارالعلوم دیوبند میں بحیثیت عربی استاذ تقرر ہوا اور پھر رفتہ رفتہ علیا اور پھر دورہ حدیث کی کتابیں زندگی بھر پڑھاتے رہے، آپ کے علمی انہماک اور یکسوئی کے لئے شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ کی شہادت کافی ہے۔ آپ ان کو تحریری سند دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”حامداً ومصلیا مسلماً! عزیز مکرم جناب مولوی قاری حافظ نعیم صاحب دیوبندی خلف الصدق

(بقیہ[۲] صفحہ گذشتہ) اخیر میں تفسیر وحدیث کے چند اسباق حضرت نانوتوی سے پڑھے، امروہہ میں نوے سال کی عمر میں مئی ۱۹۴۷ء میں انتقال ہوا، اور امروہہ میں ہی تدفین ہوئی۔ (تاریخ دارالعلوم ج۲ ص۵۰)

[۱] مولانا سید فخر الدین صاحب مرادآبادی، دارالعلوم کے صدر مدرس اور شیخ الحدیث رہے، حضرت خطیب الاسلام کے استاد بھی تھے، اور شیخ الہند کے آخری شاگردوں میں تھے، مولانا حسین احمد مدنی کے انتقال کے بعد دارالعلوم کے شیخ الحدیث بنائے گئے، آپ کا اصل وطن مأ لوف ہاپوڑ ضلع میرٹھ ہے، ۱۹۷۲ء میں آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا اور سرزمین مرادآباد میں مدفون ہیں۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے جامع ومختصر تاریخ دارالعلوم دیوبند ص۵۲۸)

[۲] مولانا عبدالحق صاحب نے دارالعلوم میں تعلیم حاصل کی اور پھر دارالعلوم ہی میں حدیث کے استاذ رہے، اور پھر تقسیم ملک کے بعد دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی بنیاد رکھی، آپ کا انتقال ۱۹۸۸ء میں ہوا۔ (مشاہیر علمائے دیوبند ص۲۵۲)

جناب مولوی حکیم محمد منعم صاحب دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل طلبہ میں سے ہیں اور ان معدودے چند طلبہ میں سے ہیں جنہوں نے از ابتدا تا انتہا تعلیم کا پورا زمانہ دارالعلوم دیوبند ہی میں صرف کیا ہے۔ ان کا زمانہ طالب علمی کامیاب زمانہ رہا۔ اپنے اقران و معاصرین کے اعتبار سے ان کی جگہ صف اول میں رہی، جہاں تک مجھے یاد ہے کسی امتحان میں ناکام نہیں ہوئے، بلکہ ممتاز درجہ کی کامیابی ہر امتحان میں حاصل کرتے رہے۔ اخلاق کے اعتبار سے خصوصی امتیاز حاصل تھا، دارالعلوم پر مختلف ادوار گذرے، مگر ان کو ان کے علمی انہاک نے کسی دوسرے شغل میں مشغول ہونے کی اجازت نہ دی۔ اس کے بعد تدریس کے فرائض انجام دے رہے ہیں، دعا گو ہوں کہ جس طرح اس سے قبل نیک نام رہے ہیں۔ خدا کرے کہ یہاں بھی علمی درجات کے ذر، وۂ علیا کے اہل ثابت ہوں۔ آمین (حضرت مولانا) محمد اعزاز علی (صاحب) ۳؍ذی الحجہ ۱۳۶۸ھ'' (تفصیلات ماخوذ از کتاب 'فرشتہ صفات' قاری ابوالحسن صاحب)

حضرت مولانا نعیم صاحب کے بارے میں یہ سنا اور دارالعلوم دیوبند میں زمانہ طالب علمی میں کے درمیان طلبہ میں مشہور تھا کہ حضرت غیر معمولی پابندی فرماتے، اور اوقات کے بڑے پابند تھے۔ پابندیٔ اوقات کے ساتھ ساتھ آپ کے درس کی تقریر انتہائی جامع ہوتی۔'' آپ کی درسی تقریر 'خیر الکلام ماقل ودل' کا حقیقی مصداق ہوتی۔''

آپ کی تالیفات میں 'تذکرۃ الحفاظ'، 'سلاسل حافظیہ'، کمالین جلالین کی شرح، نور امدادیہ ''شرح ہدایہ'' کے چھ حصے اور لطائف الانور من اقتباس کاشف الابرار کی تالیف واشاعت ہوئی۔ ان کے علاوہ حالات وضرورت کے پیش نظر مختلف جرائد ورسائل میں مسلسل مضامین کی اشاعت ہوتی رہتی ہے۔

۹؍شعبان ۱۴۲۸ھ/۲۰۰۸ء میں حضرت مولانا محمد نعیم صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند طویل علالت کے بعد امریکہ میں انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا مرحوم انتہائی باصلاحیت، تجربہ کار، امور تدریس کے ماہر، نظم وضبط کے پابند، خاموش مزاج، بزرگانہ روایات کے حامل، خالص مدرس قسم کے انسان تھے۔ قیام دارالعلوم وقف دیوبند سے لے کر آخری وقت تک بخاری شریف، ترمذی شریف کے اسباق آپ سے متعلق رہے کئی کئی گھنٹہ ایک نشست پر بے تکان درس دیتے تھے۔

علاوہ ازیں دارالعلوم وقف دیوبند میں مختلف انتظامی امور کی ذمہ داریاں بھی آپ سے متعلق رہیں۔ اللہ رب العزت حضرت کی مغفرت فرمائے اور ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

حضرت مولانا خورشید عالم صاحب نوراللہ مرقدہ

حضرت خطیب الاسلام کے رفقائے کار میں جو شخصیات بڑی اہمیت کی حامل ہیں ان میں ایک سرفہرست نام حضرت مولانا خورشید عالم صاحب دیوبندی نوراللہ مرقدہ کا بھی ہے، آپ کا نام محمد خورشید عالم بن ظہور احمد بن منظور احمد بن محمد خلیفہ تحسین علی (یہاں سے مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب عثانی، مصنف ''معارف القرآن'' کا سلسلہ نسب ان سے مل جاتا ہے۔)

آپ کی پیدائش ۱۵/ذی قعدہ ۱۳۵۳ھ دیوبند میں ہوئی، آپ کا پورا گھرانہ علمی تھا اور آپ کے والد محترم حضرت مولانا ظہور احمد صاحب دارالعلوم دیوبند کے اعلی درجہ کے اساتذہ میں سے تھے۔

آپ نے اپنی تعلیم کا آغاز ۱۳۵۸ھ میں جب آپ کی عمر پانچ سال تھی قرآن کریم سے کیا اور حضرت قاری کامل صاحب کے پاس حفظ قرآن کی تکمیل کی، اس کے بعد اردو، فارسی، ریاضی، ابتدائی عربی کی تعلیم شیخ الادب حضرت مولانا اعزازعلی صاحب اور اپنے والد محترم مولانا ظہور احمد صاحب سے حاصل کی۔ اس کے بعد عربی تعلیم کا باقاعدہ آغاز ۱۹۵۰ء میں کیا اور ۱۳۷۶ھ بائیس سال کی عمر میں دارالعلوم، دیوبند سے مختلف علوم کی تکمیل کی، بخاری شریف حضرت مولانا حسین احمد مدنی سے پڑھی۔ آپ کے دیگر اساتذہ میں:

حضرت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، مہتمم دارالعلوم دیوبند
شیخ الادب حضرت مولانا اعزازعلی صاحب امروہوی
حضرت علامہ ابراہیم بلیاویؒ
حضرت مولانا ظہور احمد صاحب[1]
حضرت مولانا میاں اختر حسین صاحب[2] (متوفی ۱۳۹۷ھ) وغیرہ انتہائی قابل ذکر ہیں۔

آپ کی تدریسی زندگی کا آغاز ۱۳۷۷ھ سے ہوا، آپ نے ۱۳۸۳ھ تک دارالعلوم کراچی (جو

[1] مولانا ظہور صاحب دیوبند دارالعلوم میں درجہ علیا کے استاذ تھے، زندگی بھر یہیں درس وتدریس میں مشغول رہے، ۱۳۸۳ھ میں دیوبند ہی میں انتقال ہوا۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے مشاہیر علمائے دارالعلوم دیوبند ص ۹۱)

[2] دارالعلوم دیوبند کے استاذ اور ناظم تعلیمات تھے، مولانا سید اصغر حسین دیوبندی کے بڑے صاحبزادے تھے۔ پوری زندگی تعلیم وتدریس میں گذاری اور اپنے والد کے حالات زندگی قلمبند کئے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے جامع ومختصر تاریخ ص ۶۵۸)

آپ کے عم محترم مفتی محمد شفیع صاحب نے قائم کیا تھا) میں تدریسی خدمات انجام دیں، پھر ۱۳۸۳ھ میں آپ کو دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمت انجام دینے کے لئے مقرر فرمایا گیا، پھر ۱۴۰۲ھ تک آپ دارالعلوم دیوبند میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ آپ کا شمار دارالعلوم دیوبند کے مقبول ترین اساتذہ میں ہوتا تھا۔ پھر ۱۹۸۳ء میں دارالعلوم وقف دیوبند سے تدریسی تعلق قائم کرلیا اور پھر وفات سے دو دن قبل تک بخاری شریف و مسلم شریف کا درس دیتے رہے۔ آپ کے اعلی اوصاف، تبحر علمی اور مؤمنانہ کردار کی بنا پر حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کی وفات کے بعد شیخ الحدیث وقف دارالعلوم دیوبند بھی بنادیئے گئے۔

آپ کے یہاں ذکر واذکار کا بڑا اہتمام تھا، روزانہ قرآن کریم کی تلاوت کا معمول تھا، چلتے پھرتے دس بارہ پڑھ لیا کرتے۔ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مدظلہ العالی، آپ کا بہت زیادہ احترام کرتے تھے اور آپ بھی حضرت مہتمم صاحب کے لئے اپنی پلکیں بچھا دیتے تھے۔

حضرت کے مزاج میں نظم وضبط اور اوقات کی پابندی اپنے اصاغر واکابر کا یکساں احترام مزاج میں تواضع وانکساری انتہائی درجے کی تھی۔ آپ ہزار ہا ہزار تشنگان علوم نبوت کی پیاس بجھا کر ۱۴؍ربیع الاول ۱۴۳۳ھ ۷؍فروری ۲۰۱۲ء بروز منگل بوقت ۱۲:۵۰ شب میں انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ کی وفات پر تمام ہی علمی حلقوں میں رنج والم تھا، مگر حضرت خطیب الاسلام کو جو صدمہ پہنچا اس کا اظہار حضرت خطیب الاسلام اپنے تعزیتی کلمات میں فرماتے ہیں، حضرت کے تعزیتی کلمات بعنوان ''خورشید علم واخلاق کا غروب'' درج ذیل ہیں:

''شیخ الحدیث مولانا خورشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات حسرت آیات تمام دینی اداروں کے لئے ایک زبردست المیہ ہے، ان کی دینی وعلمی خدمات سے مستفیدین کی بے شمار تعداد ہے اور طویل المدت خدمات جلیلہ نے ان کی جدائی کے غم کو صرف ایک گھرانے یا ایک ادارہ کا نہیں بلکہ ملک بھر میں پھیلے ہوئے صحیح المسلک بیشمار مدارس اسلامیہ کا ملک گیر المیہ بنادیا ہے۔ شیخ الحدیث کے منصب نے ان کی شخصیت کو قرار واقعی طور پر مزید عظمتوں کا حامل بنادیا تھا، ان سے متعلق مختلف علوم وفنون کی کتب درسیہ کا درس ہر دور میں غیر معمولی طور پر مقبول رہا، اسی طرح ان کی اخلاقی رفعت نے ان کی ذات گرامی کو ہر طبقہ میں معزز ومحترم بنائے رکھا۔ اس

لئے ان کی یادیں انمٹ بن کر دلوں سے امید ہے کہ تادیر محو نہیں ہوں گی۔

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وراثت علم کا تعارف "إنما بعثت معلماً" فرما کر اور اخلاقی وراثت کا "بعثت لأتمم مكارم الأخلاق" فرما کر بے نہایت دائمی عظمتوں کا حامل بنا دیا، قدر ومنزلت شناسان نبوت بحمد اللہ ہر دور میں امت کو ایسے نصیب ہوتے رہے ہیں اور انشا ءاللہ تا قیامت ہوتے رہیں گے کہ جوان دونوں وراثت کے حامل ہوں گے، کم وبیش کے فرق کے ساتھ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ پندرہ صدیوں میں کوئی وقت ایسا نہیں گزرا جوان دونوں وراثتوں کے حاملین سے خالی ہو۔ بحمد اللہ شیخ الحدیث مولانا خورشید عالمؒ نے بھی اس وراثت نبوی سے حصۂ وافر پا کر اپنے لمحاتِ حیات پورے کئے، اس وصفِ امتیازی کی یادوں کے ساتھ ان کی ذات گرامی قدر شناس قلوب میں انشاء اللہ ہمیشہ زندہ وتابندہ رہے گی۔ غفر الله له و برد الله مضجعه آمين يا رب العالمين

ان کلمات سے حضرت خطیب الاسلام کے اس تعلق کا پتا چلتا ہے جو آپ کو حضرت مولانا خورشید عالم صاحب سے تھا، آپ کی نماز جنازہ بھی حضرت خطیب الاسلام ہی نے دارالعلوم دیوبند کے احاطہ مولسری میں پڑھائی، اس طرح یہ خورشید علم ومعرفت ہمیشہ کے لئے غروب ہو گیا۔ حضرت مولانا خورشید عالم صاحب کے بارے میں یہ تفصیلات ندائے دارالعلوم وقف دیوبند کے مارچ اپریل ۲۰۱۲ء مطابق ربیع الآخر جمادی الاولی ۱۴۳۳ھ کے شمارے سے لی گئی ہیں۔

حضرت مولانا رابع حسنی ندوی صاحب، صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

حضرت مولانا رابع حسنی ندوی صاحب دامت برکاتہم دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ناظم، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے مؤقر صدر اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن ہیں، تکیہ کلاں رائے بریلی میں یکم اکتوبر ۱۹۲۹ء کو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے، ۱۹۴۸ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء سے سند فضیلت حاصل کی، اس دوران ۱۹۴۷ئی میں دارالعلوم دیوبند میں بغرض حصول تعلیم چھ ماہ قیام فرمایا، اور حضرت خطیب الاسلام کے ساتھ دارالعلوم کے اساتذہ سے پڑھا، آب وہوا اور طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے واپس لکھنؤ تشریف لے گئے، تعلیم مکمل کرنے کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں معاون

مدرس مقرر ہوئے، پھر دعوت وتعلیم کے لئے ۱۹۵۰ء میں سعودی عرب میں قیام رہا، ۱۹۷۰ء میں کلیۃ اللغۃ العربیۃ دار العلوم ندوۃ العلماء کے عمید مقرر ہوئے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن ندوی کے انتقال کے بعد سن ۲۰۰۰ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے ناظم بنائے گئے، اور ۲۰۰۲ء میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کے مؤقر صدر منتخب کئے گئے، اسی طرح ۲۰۰۷ء میں دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب کئے گئے۔

آپ نے کئی کتابیں اردو اور عربی میں تصنیف فرمائیں، ملک اور بیرون ملک مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب کے اکثر اسفار میں ساتھ رہے، اور پھر ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین مقرر ہوئے، اور الحمد للہ تادم تحریر تمام ہی ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ ہمارے سروں پر حضرت دامت برکاتہم کے سائے کو باقی رکھے۔[1]

قاری زاہر قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مولانا زاہر قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت خطیب الاسلام کے چچازاد اور نہایت قریبی دوست تھے، حضرت مولانا طاہر صاحب قاسمی کے بڑے صاحبزادے تھے، ان سے حضرت خطیب الاسلام کی بڑی بے تکلفی تھی، تقسیم ہند کے وقت وہ بھی اپنے والد گرامی کے ساتھ پاکستان چلے گئے تھے، اللہ نے ان کو آواز بہت عمدہ عطا فرمائی تھی، ان کو قرآن کی تلاوت کا خاص ذوق تھا، اور ترتیل کے ساتھ بہت عمدہ پڑھتے تھے، قیام پاکستان کے بعد ان کو پاکستان میں قومی قاری کا خطاب ملا، اور پاکستان کا آغاز ان ہی کی تلاوت سے ہوا، اور تا حین وفات روزانہ صبح ریڈیو پاکستان کا آغاز ان ہی کی تلاوت سے ہوتا تھا۔ جناب اعظم قاسمی صاحب مدظلہ العالی نے راقم الحروف کو بتلایا کہ حضرت خطیب الاسلام کا بچپن ہی سے ان کے ساتھ اور پھوپھی زاد بھائی جناب احتشام صاحب جن سے بعد میں حضرت کی چھوٹی ہمشیرہ صاحبہ بھی منسوب ہوگئیں تھیں، ان سے اور قاری زاہر صاحب سے بڑا گہرا اور بے تکلفانہ تعلق تھا۔ کیونکہ قاری زاہر قاسمی صاحب بھی حضرت خطیب الاسلام کی طرح ظریف الطبع انسان تھے۔ اس لئے دونوں کے مزاج میں بہت ہم آہنگی تھی۔ قاری زاہر قاسمی کا انتقال پاکستان ہی میں ہوا، اور ان کی تمام اولادیں وہیں مقیم ہیں۔ باوجود کوشش کے مزید حالات دستیاب نہ ہو سکے۔

---

[1] مختصر تاریخ دار العلوم دیوبند

مولانا عامر انصاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مولانا عامر انصاری صاحب مرحوم کا تعلق اس صاحب علم وفضل انصاری خاندان سے ہے جس سے حضرت خطیب الاسلام کی والدہ کا تعلق تھا، جو قصبہ رامپور منیہاران میں مقیم تھا، آپ مولانا حکیم محمد طیب صاحب رامپوری کے صاحبزادے تھے، میری والدہ کے بیان کے مطابق مولانا عامر صاحب کی ولادت بھی ۱۹۲۶ء میں رامپور میں ہوئی تھی، وہ حضرت خطیب الاسلام سے صرف دو ماہ چھوٹے تھے۔ ابتدائی تعلیم رامپور ہی میں حاصل کی پھر علوم اسلامیہ کی تکمیل کے لئے مظاہر علوم میں داخلہ لے لیا اور وہاں سے سند فضیلت حاصل کی، اس کے بعد بستی حضرت نظام الدین میں مستقل سکونت اختیار کر لی، اور عصری علوم حاصل کئے، اس کے بعد غالبا ۱۹۵۵ء کے آس پاس علوم اسلامیہ اور عربی زبان خصوصی طور سے سیکھنے کے لئے جامعہ ازہر قاہرہ تشریف لے گئے، اور وہاں علمائے ازہر سے استفادہ کیا، عربی انگریزی اور اردو زبانوں پر غیر معمولی قدرت تھی، قاہرہ سے واپسی کے بعد Indian Council for Cultural relations (ICCR) کے دفتر آزاد بھون دہلی میں مستقل ملازم ہو گئے، اور کافی عرصے تک وہاں سے نکلنے والے عربی رسالے ''ثقافۃ الہند'' کے مؤقر ایڈیٹر بھی رہے، تبلیغی جماعت کو عالمی سطح پر روشناس کرانے میں مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا عبید اللہ بلیاوی کے ساتھ ساتھ ان کا بھی بہت نمایاں کردار رہے، مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ سابق امیر تبلیغی جامعت کے مشیر خاص بھی تھے، اور مولانا کے یہاں ان کا ایک خاص مقام تھا، اسی طرح مظاہر علوم سہارنپور کی شوریٰ کے مؤقر رکن بھی تھے، اور غالبا ۱۹۷۹ء میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کی خواہش پر ان کو مظاہر علوم سہارنپور کا ناظم بھی بنا دیا گیا تھا۔ مولانا عامر انصاری صاحب کا اصلاحی تعلق شاہ عبد القادر رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ سے تھا۔

اس سے قبل غالبا ۱۹۶۲ء میں مصر کے اس وقت کے صدر جمال عبد الناصر ہندستان آئے تھے، تو جمال عبد الناصر اور پنڈت جواہر لعل نہرو کے درمیان انہوں نے ترجمانی کے فرائض بھی انجام دیئے تھے۔ مولانا عامر انصاری، صاحب کمال علم وفضل ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی خاندانی روایات کے بھی امین تھے۔

مولانا نے کئی کتابیں تصنیف فرمائیں جن میں ان کی کتاب ''الصلاۃ'' بہت مقبول ہوئی، اور اس کے کئی زبانوں میں ترجمے بھی ہوئے۔ مولانا کے کئی صاحبزادگان ہیں، اورسب عالم اور فاضل علوم عصری ہیں، بڑے سے چھوٹے صاحبزادے جناب مولانا عمر انصاری صاحب مرحوم (جن کو مرحوم لکھتے ہوئے ہاتھ کانپتے ہیں) احقر کے بڑے بہنوئی تھے، اورسعودی سفارتخانے میں ملازم تھے، 2016 میں ان کا بھی انتقال ہوگیا، ان کے بیٹے ارقم انصاری سلمہ نظام الدین میں والدہ کے ساتھ مقیم ہیں۔ ننیہالی خاندانی قربت داری اور ہم عمری کی وجہ سے مولانا کا حضرت خطیب الاسلام سے نہایت مخلصانہ تعلق تھا۔ اور رامپور میں ایک دوسرے کے ساتھ کھیلے بھی تھے۔ مولانا عامر انصاری صاحب میری والدہ کے ماموں بھی تھے، فروری ۱۹۸۰ء میں بعمر ۵۶ سال ان کا انتقال ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا سید فرید الوحیدی صاحب، جدہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ کے برادرزادہ واسیر مالٹا حضرت مولانا سید وحید احمد صاحب مرحوم کے صاحبزادے مولانا سید فرید الوحیدی صاحب ہیں، موصوف دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے فراغت کے بعد دارالعلوم کے شعبہ تبلیغ سے بھی وابستہ رہے، اللہ نے بے مثال ذہانت سے نوازا تھا، گفتگو کا انداز نرالا اور دلچسپ تھا، جس مجلس میں بیٹھ جاتے اسے باغ و بہار بنادیتے اوراس کے ساتھ بہترین تحریر کے بھی مالک تھے، ابتدائی دور میں رسول عربی اور خلافت راشدہ وغیرہ کتابیں لکھیں جو متعدد اسکولوں میں داخل نصاب اور مقبول ہیں، اخیر عمر میں حضرت شیخ الاسلام پر ایک ضخیم کتاب لکھی جو آپ کی عظیم یادگار ہے، موصوف عرصہ دراز سے جدہ میں مقیم تھے سعودی عرب کی نیشنلیٹی بھی آپ کو حاصل ہے ''شرکۃ الوحیدی'' کے نام سے آپ نے ایک اشتہاری کمپنی کی داغ بیل ڈالی جواب سعودی عرب کی مشہور ومقبول کمپنی میں تبدیل ہوچکی، آپ کا مزاج علمی تھا اور شاید یہی وجہ ہے کہ حضرت خطیب الاسلام کو آپ سے ایک خاص انسیت تھی۔ یہ بھی حضرت خطیب الاسلام کے درسی ساتھی رہے۔ ان کا انتقال ۱۸ اپریل ۲۰۰۸ء کو تقریباً ۸۰ سال کی عمر میں جدہ میں ہوا، انا للہ و انا الیہ راجعون۔[1]

---

[1] ندائے شاہی، مئی ۲۰۰۸ء

حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب مرادآبادی

حضرت مولانا محمد یٰسین مرادآبادی بن حافظ عبدالصمد ساکن سنبھل ڈاکخانہ خاص ضلع مرادآباد، یہ حضرت خطیب الاسلام کے ہم درس تھے، حضرت ہی کے ساتھ دارالعلوم دیوبند سے فراغت اور شہادت فضیلت حاصل کی ان کو حضرت اور خانوادہ قاسمی سے بڑی گہری فکری مناسبت تھی، مزاج علمی تھا اس لئے فکری مناسبت کے ساتھ ساتھ علمی مناسبت بھی تھی، علمی اور فکری گفت وشنید آپس میں ہوتی، حضرت خطیب الاسلام سے ان کی مراسلت بھی رہتی ان کا انتقال ان کے آبائی وطن سنبھل میں ہوا اور وہیں مدفون ہوئے، تاریخ وفات کا علم نہیں ہوسکا۔

حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب ابن مولانا محمد منظور نعمانی صاحبؒ

حضرت خطیب الاسلام کے رفقاء میں اب صرف حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب ابن مولانا محمد منظور نعمانی صاحب مقیم حال لندن بقید حیات ہیں، فی الحال آپ کی عمر ۹۰ سال سے کچھ متجاوز ہے، دارالعلوم دیوبند سے حضرت خطیب الاسلام ہی کے ساتھ ۱۹۴۷ء میں سند فضیلت حاصل کی، حضرت خطیب الاسلام سے عمر میں ایک سال چھوٹے ہیں۔

طبیعت کی ناسازی اور آب وہوا کے موافق نہ ہونے کی وجہ سے لندن میں رہائش اختیار کی، وہاں پر موجود مرکزی مسجد سنس بری پارک (Sins Bury park) میں کئی سال تک بحیثیت امام و خطیب خدمات انجام دی، اسلامک ڈفینس کاؤنسلنگ کی بنیاد رکھی اور اس پلیٹ فارم سے وہاں کے مسلمانوں کی ملی و دینی سرپرستی فرمائی، اسی دوران پھر ہندوستان آنے کی کوشش کی اور ہندوستان تشریف لے آئے مگر طبیعت نے ساتھ نہیں دیا، اس کے بعد مستقل لندن ہی میں رہائش اختیار کرلی، حضرت مولانا نے تقریباً بیس ۲۰ سال مشہور رسالہ ''الفرقان'' کی ادارت فرمائی اور اس دوران بڑے معیاری مضامین و مقالات اور اداریے لکھے، جن کا احاطہ اس مختصر ترین اور اجمالی تعارف میں ممکن نہیں، آپ کئی اہم کتابوں کے مصنف بھی ہیں جو اپنے موضوع کے لحاظ سے منفرد اور بڑی اہمیت کی حامل ہیں، ان میں سے چند کتابیں درج ذیل ہیں:

(۱) واقعہ کربلا اور اس کا پس منظر (۲) انقلاب ایران اور اس کی اسلامیت (۳) راستے کی تلاش (۴) مجھے ہے حکم اذاں (۵) حیات نعمانی (۶) تفسیر کی چھ جلدیں ''محفل قرآن کے عنوان سے چھپ چکیں۔

یوں تو اس خانوادۂ نعمانی کا حضرت نانوتوی کے خانوادہ یعنی خانوادۂ قاسمی سے شروع ہی سے بہت گہرا اور قریبی تعلق رہا اور خاص طور پر علمی وفکری اعتبار سے شروع ہی سے مزاج میں ہم آہنگی رہی ہے، جس کا اظہار حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے مختلف تحریروں اور تقریروں میں کیا، مگر چونکہ حضرت مولانا عتیق الرحمٰن صاحب دامت برکاتہم حضرت خطیب الاسلام کے ہم درس بھی ہیں اس لئے ان دونوں خاندانوں کے روابط ان دونوں بزرگوں کے ذریعے مزید مستحکم ہوئے اور بحمد اللہ تادم تحریر دونوں ہی بزرگ بقید حیات ہیں، حق تعالی شانہ ان دونوں بزرگوں کے سائے کو ہمارے سروں پر تادیر قائم رکھے اور ہم لوگوں کو ان حضرات کی قدردانی کی توفیق ارزانی فرمائے۔

حضرت مولانا سید جلیل میاں صاحب

مولانا سید جلیل میاں کے بارے میں راقم الحروف نے جو مواد لیا وہ مولانا شاہین جمالی ایڈیٹر ’’دیوبند ٹائمز‘‘ وصدر مدرس مدرسہ اسلامیہ اصغریہ دیوبند کے مضمون ’’کچھ کتاب اور صاحب کتاب کے بارے میں‘‘ سے لیا ہے۔ مولانا سید جلیل میاں صاحب محدث جلیل حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب (متوفی ۲۲ محرم ۱۳۶۴ھ) کے پوتے ہیں۔ حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب کے سدابہار گلشن بہار میں حضرت مولانا سید جلیل میاں کی شکل میں جو کلی مسکرانے والی تھی، اس کے رنگ ونکہت پر خود اس باغ کا مالی سو جان سے قربان تھا۔ ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ کی ایک سہانی صبح کو نسیم رحمت کے خوشگوار جھونکے سے یہ کلی مسکرائی اور حضرت فقیہ الامت مفتی عزیز الرحمٰن نے اپنی آغوش شفقت میں بھینچ کر اذان پڑھی اور چھوہارا چبا کر غنچۂ نوشگفتہ کے ہونٹوں سے لگا دیا اور مفتی عزیز الرحمٰن کے حسب ایماء حضرت شیخ الہند کے نام محمود الحسن کے ہم وزن ’’منظور الحسن‘‘ رکھدیا اور اس طرح یہ بچہ اپنے دادا حضرت میاں صاحب کی آغوشِ شفقت میں کھیلتا ہوا سعاتمند بچہ اپنی عمر کے منازل طے کرنے لگا۔

سید جلیل حسین نامی بچے نے ۱۳۵۰ھ میں اپنے جد امجد حضرت میاں صاحب سے رسم بسم اللہ ادا کی اور اس طرح تعلیم با قاعدہ شروع ہو گئی، حروف شناسی اور قاعدہ خوانی میں ایک سال گذرا، دوسرے سال اسی خاندان سادات کے قدیم ترین مدرسہ (موجودہ مدرسہ اصغریہ) کے مدرس محبوب خاں صاحب سے پارہ عم شروع ہوا اور اگلے سال تک حافظ رشید حسن سے قرآن کریم اور اردو تعلم سے فراغت حاصل کی۔

۱۳۵۷ھ دارالعلوم میں درجہ فارسی میں داخل ہوئے اور ۱۳۶۰ھ میں اس کی تکمیل کی ۱۳۶۱ھ میں عربی کی تعلیم شروع ہوئی اور اس شان سے ہوئی کہ صاحبزادگان گرامی یعنی مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے صاحبزادے خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی، مفتی محمد شفیع کے صاحبزادے مولانا محمد ذکی، مولانا شبیر احمد عثمانی کے بھتیجے رشید احمد مرحوم کے ساتھ چند اور ذہین لڑکوں کی مخصوص جماعت میں شامل کرلیا گیا، پھر ایک مرتبہ یہی قافلۂ علم جب حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی خدمت میں میزان شروع کرنے اور بیعت ہونے کے لئے حاضر ہوا تو اس سعادت مند طالبعلم کا نام بھی اس میں شامل رکھا گیا، جب یہ بات حضرت میاں جی کو معلوم ہوئی تو فرمایا کہ تمہاری میزان میں شروع کراؤنگا، چنانچہ اگلے دن کتاب شروع ہوگئی لیکن جب اس بات پر ہونہار طالب علم نے اپنی حسرت کا اظہار کیا کہ وہ لوگ تو تھانہ بھون سے بیعت بھی ہوآئے تو حضرت میاں صاحب نے فرمایا: ''تم بیعت بھی ہو اور اہل بیعت بھی'' اور اپنے سینے سے لگا کر ایک شجرہ مرحمت فرمایا جسے جمعرات کو بعد نماز عشاء پڑھنے کی اجازت دی، اس طرح سینے میں علم وتصوف کی جو امانت محفوظ تھی اسے اپنے ہونہار پوتے کے سینے میں منتقل فرمایا، ادھر حضرت نے اپنی علالت کے باوجود تفسیر شروع کرائی تمام عملیات، تعویذات کی نیابت اور حزب البحر، قصیدہ بردہ اور دلائل الخیرات کے معمولات اور مدارج سلوک کے اوراد وظائف کی تعلیم اور ختم خواجگان وغیرہ کی اجازت دی اور کئی مرتبہ فرمایا اپنی مقدس امانت کی حفاظت کا یقین دلایا کہ میں نے تم کو سب چیزوں کی اجازت دے دی اور دعائیں دیں اور فرمایا خداوندا! اسے قبول فرما۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد کھتولی، میرٹھ، بمبئی کے مختلف مدارس میں تدریسی اور نظامت تعلیمی کی خدمات سرانجام دیں۔ ۱۱ صفر ۱۳۷۲ھ میں دارالعلوم کے شعبۂ تنظیم سے وابستہ ہوئے اور دو برس بعد ۱۳۷۴ھ معتمد کتب خانہ کے عہدے پر ترقی ہوئی اور یہ تعلق ۱۳۸۰ھ تک بحسن وخوبی قائم رہا، لیکن اس کے بعد لوگوں کے رجوع عام کی وجہ سے حضرت میاں صاحب والی خانقاہ میں فروکش ہوگئے۔ ۱۳۶۹ھ میں حج بیت اللہ کی سعادت ملی اور اسی سفر میں مدینہ طیبہ میں مولانا محمد موسیٰ نے اپنے پاس بطور خاص بلا کر خلافت بخش دی، مولانا محترم کی شخصیت میں علم کی تہ در تہ سنجیدگی، عمل کی حرارت، اخلاق کی بلندی، قوت ارادی کی فراوانی زہد وتقوی کی آمیزش اور خوش اطواری وخوش گفتاری کا وافر حصہ شامل تھا، چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کا احترام، بزرگوں کی قدر صلحا واتقیاء سے تعلق

عام لوگوں سے حسن سلوک اور کریمانہ برتاؤ آپ کی شخصیت کے وہ اوصاف وکمالات ہیں جو اس خاندان کی ہمیشہ سے روایت رہی ہے، آپ کو حق تعالی نے تصنیفی اور شعری ذوق بھی عطا فرمایا تھا، آپ کی تصانیف میں مشہور ''سوانح غوث الاعظم'' اور ''تذکرۃ الصالحین'' ''انعام ربانی'' اور قربانی پر چھوٹے چھوٹے رسائل کافی تعداد میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس طرح حضرت خطیب الاسلام کے رفیق درس نے اپنے فیض معرفت کو لوگوں میں تقسیم کرتے ہوئے ۱۸ دسمبر ۲۰۰۵ء میں داعی اجل لبیک کہا۔ حق تعالی شانہ ان کی مغفرت فرمائے۔

غزالاں تم تو واقف ہو، کہو مجنوں کے مرنے کی
دِوانہ مرگیا آخر کو ویرانے پہ کیا گذری

حضرت خطیب الاسلام کے یہ چند نامور رفقاء اور ہم درس تھے، جن تک ہماری رسائی ہو سکی، ورنہ حضرت کے اور بہت سارے رفقاء ہیں، جنہوں نے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔

حضرت خطیب الاسلام کے درسی ساتھی

حضرت خطیب الاسلام کے ہم درس رفقاء کی یوں تو ایک طویل فہرست ہے، جن کی تفصیلات یہاں پر نہیں دی جا سکتی، ہاں البتہ کچھ ہم درس ساتھیوں کے اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

خطیب الاسلام کے دورہ حدیث کے وہ ساتھی جنہوں نے ۱۳۶۷ھ میں دارالعلوم دیوبند سے سند فضیلت حاصل کی۔

(۱) مولانا محمد گل کابلی بن عبداللہ جانی ساکن قراباغ ڈاک خانہ پکار ضلع کابل (افغانستان)

(۲) مولانا محمد حسین کرلائی بن منشی محمد ننھا میاں صاحب، ساکن رام چندر پور ڈاکخانہ سری پور ضلع کرلا

(۳) مولانا محمد مصطفیٰ نواکھالی بن مولانا محمد اسماعیل صاحب، ساکن برھنمی بازار ڈاکخانہ قاضی ہاٹ ضلع نواکھالی

(۴) مولانا مطیع الرحمٰن نواکھالی بن عبدالسبحان صاحب، ساکن کرم اللہ پور ڈاکخانہ راکرھاٹ ضلع نواکھالی

(۵) مولانا محمد اکرم فرغانی بن محمد عطاء صاحب، ساکن قوقند ڈاکخانہ وضلع خاص صوبہ فرغانہ روس ترکستان

(۶) مولانا محمد الیاس لکھنوی بن عبد الجبار صاحب، ساکن موضع رجولی ڈاکخانہ چنہٹ ضلع لکھنؤ
(۷) مولانا محمد اسمٰعیل چاٹگالی بن مخلص الرحمٰن صاحب، ساکن مدارشاہ ڈاکخانہ ہاٹزاری ضلع چاٹگام
(۸) مولانا محمد مطلع الانوار پشاوری بن مولانا عبد الواحد صاحب، ساکن کوٹ ڈاکخانہ چارسرہ ضلع پشاور پاکستان
(۹) مولانا محمد حسن قلدتی بن میر آدم صاحب، ساکن بیدان ڈاکخانہ بابلوغ ضلع قلدت صوبہ قندھار
(۱۰) مولانا محمد یٰسین مرادآبادی بن حافظ عبد الصمد، ساکن سنبھل ڈاکخانہ خاص ضلع مرادآباد
(۱۱) مولانا محمد تمیم مدراسی بن مولانا رحمت اللہ، ساکن نان چارکورل ڈاکخانہ خاص ضلع تنجور مدراس
(۱۲) مولانا محمد ایوب چاٹگامی بن تجو میاں صاحب، ساکن مدارشاہ ڈاکخانہ خاص ضلع چاٹگام
(۱۳) مولانا محمد اسمٰعیل چاٹگامی بن باسا میاں، ساکن پارہ باقبہ ڈاکخانہ خاص ضلع چاٹگام
(۱۴) مولانا محمد بغدادوزیرستان بن حکیم شاہ صاحب، ساکن دتاخیل ضلع وزیرستان
(۱۵) مولانا محمد اعظم میرٹھی بن احمد سعید صاحب، ساکن موضع کورانہ ڈاکخانہ گلاوئی، ضلع میرٹھ
(۱۶) مولانا محمد قاسم افریقی بن طیب صاحب، ساکن مورنس مارکس افریقہ
(۱۷) مولانا محمد فیاض ہردوئی بن محمد عبد اللہ صاحب، ساکن پیانی ڈاکخانہ خاص، ضلع ہردوئی
(۱۸) مولانا محمد عثمان حیدرآباد بن محمد جمال احمد صاحب، ساکن مادھواپور ڈاکخانہ تعلقہ بیونگیر ضلع حیدرآباد دکن
(۱۹) مولانا محمد حنیف بستوی بن احسان اللہ صاحب، ساکن آماسیتی، ڈاکخانہ شکردرہ ضلع کوہاٹ، پاکستان
(۲۰) مولانا محمد موسیٰ خان کوہائی بن دلاسہ خان، ساکن گہری ڈاکخانہ شکردرہ ضلع کوہاٹ پاکستان

حضرت خطیب الاسلام کے یہ وہ درسی ساتھی ہیں جن کی ساتھ بیٹھ کر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے قال قال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا درس باکمال وخداترس اساتذہ دارالعلوم دیوبند سے لیا، ان میں سے بیشتر حضرات جوار رحمت باری تعالیٰ میں جگہ پا چکے، ان میں جو مرحومین ہو چکے حق تعالیٰ شانہ ان کی مغفرت فرمائے اور جو بقید حیات ہیں ان کے سائے کو صحت و عافیت کے ساتھ دراز فر مائے، ہماری پوری جماعت دیوبند پر اللہ کا بڑا فضل ہے کہ حضرت خطیب الاسلام اپنی تمامتر نسبتوں کے ساتھ موجود ہیں اور ان کی موجودگی پوری جماعت کے لئے باعث خیر و برکت ہے، حق تعالیٰ شانہ

حضرت کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ راقم الحروف کی ایک خواہش ہے کہ حضرت خطیب الاسلام کے بارے میں جو کچھ میں لکھ رہا ہوں اس کو حضرت کی خدمت میں پیش کردوں تاکہ کسی طرح رطب و یابس اس کتاب میں شامل نہ ہو، چنانچہ ۲۵ ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ بروز یکشنبہ مطابق ۱۷ ستمبر ۲۰۱۷ء میں راقم الحروف عزیزم جناب قاری عبدالرحمان کی معیت میں دیوبند حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے ''سوانح حضرت خطیب الاسلام'' کا تذکرہ حضرت سے کیا، حضرت نے دعاؤں سے نوازا اور فرمایا کہ شائع ہونے سے قبل مجھے ضرور دکھالینا، میں نے عرض کیا کہ ٹائپ ہونے کے بعد سب سے پہلے اس کا مسودہ آپ کی خدمت میں پیش کروں گا، تاکہ قابل اصلاح چیزوں کی نشاندہی فرمادیں۔

درسی ساتھیوں کے نام درج کرنے کی وجہ

کسی کے ذہن میں یہ بھی آسکتا ہے کہ ان کے نام دینے سے کیا فائدہ؟ ان کا تو مکمل تذکرہ ہونا چاہئے تھا، لیکن ان تمام کا مکمل تذکرہ ان کے بارے میں معلومات نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت ممکن نہیں ہے، لیکن عربی کہاوت ہے، مالا یدرک کله لایترک جلُه کی رو سے ان کے اسماء گرامی درج کردئے گئے ہیں۔

دراصل میں نے ان کا تذکرہ اس لئے کیا کہ شیخ کا مقام ایک روحانی باپ کا سا ہے اور باپ کے ملنے جلنے والوں اور دوست واحباب کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا حکم حدیث میں آیا ہے، جب میں نے تذکرہ کیا تو ان حضرات کے لئے میرے زبان وقلم سے دعاء خیر ومغفرت خود بخود نکلا، شاید اس طرح اس حدیث پر عمل کرنے کا مجھے اور دیگر احباب کو موقع مل جائے۔

دوسری وجہ یہ کہ حضرت خطیب الاسلام جب ان احباب کے نام دیکھیں گے تو ضرور مسرور ہوں گے جس سے مجھے باطنی فائدے کے ساتھ ساتھ **''ادخال السرور فی قلب المؤمن''** حدیث پر عمل کرنے کی مزید سعادت ملجائے گی۔

تیسری بات کبھی کبھی ہم درس ساتھیوں کا ذکر بھی بہت سی خیر اور معلومات میں اضافہ کا باعث بن جاتا ہے نام کا تذکرہ آنے سے ذہن کے نہاخانے کے دبیز پردے چاک ہوجاتے ہیں اور بہت سے تجربات وواقعات مدت دراز کے بعد یادگاری کا حصہ بن کر سامنے آجاتے ہیں، جو آنے والی

نسلوں کے لئے بہت مفید اور انتہائی کارگر ہوتے ہیں۔

جن علماء کی فہرست میں نے اوپر دی ہے، ان سے اللہ نے اپنے اپنے علاقوں میں بڑے بڑے کام لئے ہیں، ان میں سے ہر ایک اپنی ذات میں خود ایک انجمن تھا۔ بقول اکبرالہٰ آبادی:

ہر گام پہ ہیں چمن ہزاروں
اک ایک میں گل سخن ہزاروں
ہر برگِ گل سخن میں سو رنگ
ہر رنگ میں لاکھ لاکھ نیرنگ
ہر سمت ہزار میکدے ہیں
ہر ایک میں لاکھ خُم بھرے ہیں

حضرت خطیب الاسلام کے چند نامور تلامذہ

حضرت خطیب الاسلام نے دارالعلوم دیوبند میں مفید الطالبین سے لیکر بخاری جلد ثانی تک درس نظامی کی تقریباً ہر کتاب پڑھائی، اور دارالعلوم دیوبند میں تقریباً ۳۴ سال تدریسی خدمات انجام دیں، پھر اس کے بعد تاحین وفات مسلسل دارالعلوم وقف دیوبند کی مسند تدریس پر فائز رہے اور ہزاروں لاکھوں تشنگان علوم نبوت کو سیراب کرتے رہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو حضرت کے بے شمار تلامذہ دنیا بھر میں موجود ہیں، مگر فی الحال ان تمام کا تذکرہ مقصود نہیں، ہاں البتہ ان میں سے چند مشہور تلامذہ کا تذکرہ کر دینا قرین قیاس ہے۔

(۱) قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ، سابق صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

حضرت خطیب الاسلام کو اپنے جن مایہ ناز تلامذہ پر ناز تھا ان تلامذہ میں سرفہرست نام حضرت قاضی مجاہد الاسلام قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ قاضی صاحب کو اللہ رب العزت نے اوصاف حمیدہ اور جامع کمالات کا مظہر اتم بنایا تھا، حقیقت یہ ہے کہ آپ جس محفل میں جاتے اس محفل کے نوشہ اور دولہا آپ ہی ہوتے، میرے استاد محترم حضرت مولانا نور عالم خلیل الامینی دامت برکاتہم العالیہ رقم طراز ہیں:

''ملت کی راہ نمائی کے موضوع پر ہندوستان کے اطراف واکناف میں، بڑے بڑے مجمعوں، خواص کی محفلوں یا علماء کی مجلسوں یا وکلاء کی بزموں، اخبار نویسوں کی کانفرنسوں یا دانش وروں کی انجمنوں ہندوؤں اور مسلمانوں کے ملے جلے جلسوں: فقہی سیمیناروں یا عالمی اجتماعات، مدارس کے جلسوں اور ملت کے دکھ درد کی دواء کی تلاش کی مشاورتی کونسلوں میں، ان کی خوبصورت تقریروں، فکر ونظر کے موتیوں کے رولنے کا انداز سامعین کو شیریں سخن سے محظوظ کرنے کا نرالا پن، حاضرین پر جادو کرنے کی طرح، تبسم آمیز کلام) ذہانت ریز سوز وگداز اور ہر مخاطب کو اپنی محبت کے منفرد رویے سے، اسیر کر لینے کی ان کی روش، لوگوں کو زندگی بھر یاد رہے گی۔''[۱]

---

[۱] پس مرگ زندہ، ص ۵۹۱

قاضی صاحب ۱۹۳۶ء میں اپنے وطن جالے ضلع دربھنگہ میں پیدا ہوئے، آپ کے والد محترم حضرت مولانا عبدالاحد ۱۲۹۸ھ / ۱۸۸۰ء - ۱۳۲۶ھ / ۱۹۴۷ء حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے اولین شاگردوں میں تھے، ابتدائی تعلیم گھر پر اپنے والدین سے اور مدرسہ محمود العلوم دملہ ضلع مدھوبنی میں حاصل کی، پھر مدرسہ امدادیہ دربھنگہ اور دارالعلوم مئو میں بھی زیر تعلیم رہے ۱۹۵۱ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، ۱۹۵۵ء میں دورہ حدیث سے فارغ ہوئے، قاضی صاحب اپنی ذہانت وفطانت کی وجہ سے اپنے اساتذہ کے نور نظر رہے۔ فراغت کے بعد جامعہ رحمانی مونگیر میں مدرس مقرر ہوئے۔ یہیں حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کی رفاقت ملی، جس سے قاضی صاحب کی فکر کو نیا رخ ملا اور ان کے اندر دینی وملی میدانوں میں خدمت کا مزاج پیدا ہوا۔ مونگیر ہی کے زمانۂ قیام میں قضاء کے سلسلے میں اہم خدمات انجام دیں، گرچہ آپ پر فقہی رنگ غالب تھا اور اسی کو آپ نے اپنی تحقیق کا موضوع بنایا، مگر دیگر علوم میں کامل دسترس حاصل تھی جس موضوع پر بھی گفتگو فرماتے ایسا محسوس ہوتا کہ آپ اسی فن اور اسی موضوع کے متخصص ہیں۔ فتوی نویسی کی خدمات انجام دینے کے ساتھ ساتھ چالیس سال تک امارت شرعیہ کے چیف قاضی رہے۔ امارت شرعیہ کے پلیٹ فارم سے متعدد اہم علمی وفقہی خدمات انجام دیں۔

آپکی زندگی کا اہم کارنامہ ۱۹۸۹ء میں اولا مرکز البحث العلمی اور پھر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کا قیام ہے جو آج ہندوستان کی مایہ ناز علمی وفقہی اکیڈمی اور عظیم تحقیقی مرکز ہے جس کی سرپرستی مستقل حضرت خطیب الاسلام فرماتے رہے۔ اس ادارہ کے ذریعہ آپ نے ہندوستان کے اہل علم حضرات علماء ومفتیان عظام کو دینی وفقہی مسائل پر بحث وتحقیق کے لئے ایک شاندار پلیٹ فارم مہیا کرادیا، ۱۹۹۸ء میں آپ نے پٹنہ میں "المعهد العالي للتدريب في القضاء والإفتاء" کے نام سے ایک ادارہ کی بنیاد ڈالی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے بعد آپ کو ۲۰۰۰ء میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کا صدر بایمائے حضرت خطیب الاسلام نائب سینئر صدر مسلم پرسنل لاء بورڈ منتخب کیا گیا جس پر وہ تاحیات فائز رہے۔

حضرت خطیب الاسلام کو اپنے اس شاگرد پر اتنا ہی ناز تھا کہ جب مسلم پرسنل لاء کی صدارت کے لئے حضرت قاضی صاحب کا نام پیش کیا گیا تو خطیب الاسلام نے از خود بڑھ کر اپنے لائق شاگرد

کو آگے کر دیا کہ جو صدارت کے فرائض مجھے انجام دینے ہیں الحمدللہ حضرت قاضی صاحب ان سب کو بحسن وخوبی انجام دیں گے۔ بقول خطیب الاسلام:

بڑے وہ ہیں جو عزت اپنے چھوٹوں کی بڑھاتے ہیں
کہ دنیا میں مقام ان کا ہی اعلی ہونے والا ہے

قاضی صاحب کی پوری زندگی جہد مسلسل سے عبارت تھی۔ قاضی صاحب نے سینکڑوں افراد تیار کرنے کے علاوہ متعدد اہم علمی وتصنیفی سرمایہ بھی چھوڑا جس میں آپ کی ادارت میں نکلنے والا سہ ماہی رسالہ ''بحث ونظر'' قابل ذکر ہے جو خالص علمی وفقہی مسائل کی تحقیقات کے لئے شہرت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی دیگر اہم کتابوں میں اسلامی عدالت، مباحث فقیہ، فقہ المشکلات اور مسلم پرسنل لاء کا مسئلہ وغیرہ ہیں، آپ کے خطبات کے متعدد مجموعے بھی شائع ہوئے۔ اس کے علاوہ آپ نے قاضی عماد الدین اشفورقانی کی کتاب ''صنوان القضاء'' کو تحقیق وتعلیق کے ساتھ چار جلدوں میں شائع کیا۔

حضرت قاضی صاحب نے حضرت خطیب الاسلام سے **حجة الله البالغه** سبقاً سبقاً پڑھی، آپ کی وفات ۲۰/محرم الحرام ۱۴۲۳ھ/۴/اپریل ۲۰۰۲ء کو دہلی میں انتقال ہوا اور در بھنگہ میں مدفون ہوئے۔[1]

قاضی صاحب کے یوں تو بے شمار واقعات ہیں، لیکن سردست میں دو واقعات کا تذکرہ کرنا مناسب سمجھتا ہوں، غالباً ۱۹۹۷ء کا واقعہ ہے کہ سولنکر ہال، دہلی میں ۱۲/ربیع الاول کی مناسبت سے حکومت ہند کی طرف سے سیرت النبی کے عنوان سے ایک جلسہ تھا، جس میں اس کے وقت ہندوستانی وزیر اعظم اندر کمار گجرال صاحب بھی موجود تھے، اور بڑے بڑے اصحاب علم تھے، اور اس مؤقر جلسے کی صدارت حضرت قاضی صاحب فرمارہے تھے، سیاسی لوگوں نے، علماء کرام نے اور پھر ملک کے وزیر اعظم اندر کمار گجرال نے تقریر کی، اس کے بعد حضرت صدر محترم کی باری آئی، حالانکہ اس وقت طبیعت خراب تھی اور کینسر کے عارضے میں مبتلا تھے، حضرت نے صدارتی تقریر فرمائی اور اپنے سے پہلے جو مقررین تھے ان تمام کی باتوں کا انتہائی جامع انداز میں خلاصہ فرمایا، اور پھر ایسا عالمانہ تبصرہ فرمایا کہ وزیر اعظم اسٹیج پر بیٹھ کر اور اصحاب دانش بار بار اٹھ کر داد دیتے، اور ہال سے ہر ایک یہی کہتا ہوا نکلا کہ قاضی صاحب ایک عبقری شخصیت کے مالک ہیں اور ان کا کوئی ثانی نہیں۔

---

[1] فضلائے دیوبند کی فقہی خدمات-۳۱۴-۳۳۳، ودار العلوم دیوبند کی جامع ومختصر تاریخ

دوسرا واقعہ بہت اہم ہے، میں نے اپنے والد گرامی قدر اور بھائی جان کے ساتھ ۱۹۹۵ میں حضرت مولانا وحید الزماں صاحب کیرانوی[1] کے جلسہ تعزیت میں شریک تھا، دارالعلوم دیوبند کے مدرسہ ثانویہ میں بعد نماز عشاء تعزیتی جلسے کا انعقاد ہوا، جلسے کی نظامت جناب مولانا ندیم الواجدی صاحب فرمارہے تھے، عربی زبان اور لغت کے ماہرین بھی ملک بھر سے اس میں شرکت کرنے کے لئے آئے تھے، جن میں پروفیسر اجتباء ندوی صاحب مرحوم وغیرہ بھی تھے، اس تعزیتی اجلاس میں اخیر میں حضرت قاضی صاحب کا خطاب ہونا تھا، کیونکہ قاضی مجاہدالاسلام صاحب اور مولانا وحید الزماں کیرانوی دونوں درسی ساتھی تھے، تمام لوگوں کے خطاب کر لینے کے بعد حضرت قاضی صاحب کی باری آئی، اور حضرت قاضی صاحب نے انتہائی نم آنکھوں کے ساتھ حضرت مولانا وحید الزماں کا تذکرہ خیر فرمایا، دوران تقریر حضرت نے فرمایا، بھائی قرآن حدیث وفقہ کی خدمات دارالعلوم دیوبند کے فضلائے گرامی کا ہمیشہ امتیاز رہا ہے، ندوہ والے دنیا بھر میں اس امتیاز کو گاتے رہتے ہیں کہ ہمارے یہاں عربی زبان پڑھائی جاتی ہے، مولانا وحید الزماں نے یہ امتیاز بھی دارالعلوم دیوبند کے

[1] مولانا وحید الزماں کیرانوی رحمۃ اللہ کیرانہ ضلع مظفر نگر کے ایک علمی خاندان میں ۱۷ رفروری ۱۹۳۰ء کو پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کیرانہ ہی میں حاصل کی، اس کے بعد تعلیم کے حصول کے لئے حیدرآباد چلے گئے۔ ان کے والد گرامی جناب مولانا مسیح الزماں اور راقم کے دادا مولانا عبدالسلام قاسمی نانوتوی کے درمیان دوستانہ تعلقات کی بنیاد پر دادا کے پاس رہے اور وہاں ایک عرب عالم دین سے عربی سیکھی۔

۱۹۶۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں عربی کے استاذ مقرر ہوئے، عربی زبان کی کتابوں کے علاوہ حدیث کی دو مشہور کتابوں کا درس دیا، دارالعلوم دیوبند میں طلبہ کو عربی زبان سکھانے کے لئے اپنی زندگی وقف کردی، اور عربی زبان سکھانے کے لئے ایک انتہائی جامع سلسلہ ''القراءۃ الواضحۃ'' کے نام سے مرتب کیا، جو بے حد مقبول ہوا، اور دنیا بھر کے مدارس ومعاہد اور یونیورسٹیز میں عربی زبان سکھانے کے لئے داخل نصاب ہے، اور عربی زبان سکھانے کے جدید اصولوں سے ہندوستانی مصنفین کی تمام ان کتابوں میں ممتاز ہے جو عربی زبان سکھانے کے لئے لکھی گئیں۔

اردو داں طبقہ کو عربی زبان سکھانے کے لئے اور اس میں آسانیاں پیدا کرنے کے لئے، اسی طرح مترجمین کی آسانی کے پیش نظر انہوں نے کئی عربی ڈکشنریاں تالیف فرمائیں، جن سے برصغیر کا کوئی عالم دین بے نیاز نہیں، اس کے علاوہ بھی آپ کی کئی تصنیفات ہیں۔

دارالعلوم سے نکلنے والے سہ ماہی ''دعوۃ الحق'' پھر پندرہ روزہ 'الداعی'' عربی رسالوں کے ایڈیٹر رہے۔ راقم کو آپ سے عربی زبان سیکھنے کا شرف حاصل ہے۔ ۱۵ ر اپریل ۱۹۹۵ء کو دہلی میں انتقال ہوا اور پھر مزار قاسمی میں دیوبند میں مدفون ہوئے۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ

نام کر دیا کہ عربی زبان کی نہایت ہمہ گیر خدمات انجام دیں۔جس کی دلیل یہ ہے کہ اردو بولنے والا کوئی بھی شخص جو عربی زبان کا طالب علم ہو وہ مولانا وحید الزماں صاحب مرحوم کی تصنیف کردہ ڈکشنریوں سے بے نیاز نہیں، اوراس میدان میں ہندوستان بھر میں نہیں بلکہ برصغیر میں کوئی ان کا ہم پلہ بھی نہیں۔

حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری شیخ الحدیث وصدرالمدرسین دارالعلوم دیوبند

آپ کے مشہور تلامذہ میں دارالعلوم دیوبند کے موجودہ شیخ الحدیث اورصدرالمدرسین حضرت مولانا سعید احمد پالن پوری دامت برکاتہم ہیں۔

حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری دامت برکاتہم العالیہ جوفی الحال دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث اورصدرالمدرسین ہیں۔آپ کی ولادت ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۰ء میں ہوئی، آپ کا وطن موضع کالیڑہ، بناس کانٹھا (شمالی گجرات) ہے، ابتدائی تعلیم آپ کی گجرات ہی میں ہوئی، ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء میں مظاہر العلوم سہارنپور آ گئے، وسطی تک کی اکثر کتابیں وہیں پڑھیں۔ پھر اعلی تعلیم کے لئے ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ کیا اور ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۲ء میں آپ نے دورہ حدیث کی تکمیل کی اورامتیازی نمبرات حاصل کئے،فراغت کے بعدایک سال تک شعبہ افتاء میں زیر تعلیم رہے اورحضرت مفتی محمود احمد نانوتوی (رکن مجلس شوری دارالعلوم دیوبند، اعزازی مفتی اورراقم الحروف کے والد کے تائے ابا) کے یہاں معین مفتی کے طور پر فتوی نویسی کی خدمات انجام دیں، تعلیم سے فراغت کے بعد دارالعلوم اشرفیہ راندیر میں تدریسی خدمات انجام دیں اور پھر حضرت مولانا منظور احمد نعمانی کی تحریک پر ۱۳۹۳ء میں دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے لئے آپ کا انتخاب عمل میں آیا، آپ نے درس نظامی کی اکثر کتابیں پڑھیں اور بحسن وخوبی پڑھائیں، دورہ حدیث کے طلبہ کو آپ نے ایک طویل مدت تک ترمذی شریف کا درس دیا جو طلبہ کے درمیان بے انتہا مقبول رہا، راقم الحروف کو بھی ترمذی شریف جلداول استاذ محترم حضرت مفتی صاحب ہی سے پڑھنے کا شرف حاصل ہے اور خاص طور پر سال کی ابتداء میں تدوین حدیث پر حضرت جس قدر جامع اور بصیرت افروز کلام اور تقریر فرماتے ہیں، راقم الحروف نے آج تک اس جیسی تقریر اس موضوع پر مواد کے اعتبار سے نہ کہیں پڑھی اور نہ کہیں سنی، فجزاہ اللہ خیرالجزاء، ۱۴۲۹ھ/۲۰۰۸ء میں حضرت مولانا نصیر احمد خانصاحب بلندشہری

کی علالت کے بعد آپ کو دارالعلوم دیوبند کے صدر المدرسین اور شیخ الحدیث کے باوقار عہدہ کے لئے منتخب کیا گیا۔اور الحمدللہ اس باوقار عہدے پر موجود ہیں اور دنیا بھر سے تشنگان علوم نبوت حضرت کے فیضان علم وعمل سے مستفیض ومستفید ہورہے ہیں، اکابر دارالعلوم دیوبند کے طرز تعلیم حدیث کے مطابق پورے عالم اسلام میں ایسا سبق کہیں اور نہیں ہورہا ہے اور اس وقت بجا طور پر حضرت کے لئے ،امیر المومنین في الحدیث کا لقب استعمال کیا جاسکتا ہے۔

آپ کا تصنیف میں تحقیقی ذوق خداداد ہے، جس کی مثال حضرت شاہ ولی اللہ کی معرکۃ الاراء کتاب حجۃ اللہ البالغہ کی اردو شرح ''رحمۃ اللہ الواسعۃ'' ودیگر کتب ہیں، آپ چھوٹی بڑی تین درجن سے زائد کتابیں تصنیف فرماچکے ہیں اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ کے علوم سے حضرت مفتی صاحب کو خاص مناسبت ہے حق تعالی شانہ حضرت کے سائے عاطفت کو ہمارے سروں پر قائم رکھے اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔

حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب اعظمی، رکن رابطہ عالم اسلامی

حضرت قاری ابوالحسن صاحب نے خطیب الاسلام سے ابن ماجہ شریف پڑھی ہے، حضرت کو خطیب الاسلام سے مزاجاً بڑی ہم آہنگی رہی، حضرت قاری صاحب کو حق تعالی شانہ نے اپنے اساتذہ کی دعاؤں کی برکت سے بہت نوازا، جس کی واضح مثال حضرت کی مقبولیت اور فن تجوید میں وہ ناقابل فراموش خدمات جلیلہ ہیں جو بہت کم لوگوں کے حصہ میں آئیں۔

حضرت قاری صاحب کا نام ابوالحسن اعظمی، ابن الشیخ محمد حنیف ابن محمد رجب علی ہے، آپ کا وطن جگدیش پور، ضلع اعظم گڑھ، یوپی ہے۔آپ کی ولادت ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹۴۴ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم جناب قاری عبدالرب صاحب کو ہنڈہ، اعظم گڑہ کے پاس ہوئی۔حفظ قرآن مکمل اپنے والد محترم حافظ شیخ محمد حنیف کے پاس کیا، فارسی سے کافیہ تک کی تعلیم مدرسہ بیت العلوم سرائے میر اعظم گڑہ میں حاصل کی وہاں سے دارالعلوم مؤ ناتھ بھنجن میں داخلہ لیا اور تعلیم حاصل کی، پھر اس کے بعد دارالعلوم دیوبند اعلیٰ اسلامی تعلیم کے حصول کے لئے تشریف لے آئے، آپ نے جن اساتذہ سے دارالعلوم دیوبند میں استفادہ کیا ان میں سرفہرست، حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب، حضرت مولانا فخر الحسن صاحب مرادآبادی حضرت مولانا شریف الحسن صاحب دیوبندی، حضرت مفتی

محمود الحسن صاحب گنگوہی، مولانا عبدالاحد صاحب دیوبندی، حضرت مولانا محمد حسین بہاری، حضرت مولانا معراج الحق صاحب، خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی، حضرت مولانا نصیر احمد خانصاحب حضرت، مولانا محمد انظر شاہ صاحب کشمیری، حضرت مولانا نعیم صاحب دیوبندی، حضرت مولانا خورشید عالم صاحب، حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری، حضرت مولانا قمر الدین صاحب گورکھپوری اور حضرت مولانا عبدالخالق مدراسی وغیرہم ہیں۔

مسلسلات حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب اور مولانا عبدالاحد صاحب دیوبندی سے پڑھی ہے، تجوید وقراءت میں جن سے آپ نے مشق کی ان میں محترم قاری معین الدین صاحب غازی پوری، حضرت مولانا قاری عبدالقیوم صاحب بکھراوی اور حضرت مولانا قاری محمد مصطفیٰ صاحب اعظمی ہیں جن کی محنتوں کا ثمرہ حضرت قاری ابوالحسن صاحب اعظمی دامت برکاتہم العالیہ کی شخصیت کی شکل میں ہمارے درمیان بحمد اللہ موجود ہے اور جن سے آج تشنگان علوم قرآن مستقل اپنی پیاس بجھارہے ہیں (**أبقاه الله ذخراً للإسلام و المسلمين**) اسی طرح قاری عبداللہ سلیم صاحب سے سبعہ عشرہ میں استفادہ کیا۔ الفوائد المعتبر ۃ فی القراءات الشاذ ۃ، ناظمۃ الزہر للشاطبی، ان دونوں قصائد کی تعلیم وتجوید وقوف رسم الخط العثمانی، قراءات سبعہ، ثلاثہ وعشرہ من الطیبہ سے متعلق صدہا مسائل میں امام القراء المقری الکبیر محبّ الدین احمد الہ آبادی کی خدمت میں رجوع وتحقیق کا شرف عظیم حاصل ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے زمانہ تدریس کے تلامذہ کی تعداد ١٤٠٢ھ سے ١٤٢٩ھ تک تجوید بروایت حفص عن عاصم عن طریق الشاطبیہ ٤٧٨ ہے اور قراءات سبعہ ١٤٠٣ھ سے ١٤٢٧ھ تک ٤٤٤ ہے، اور قراءات سبعہ وثلاثہ وعشرہ من طریق الطیبہ ١٤٠٣ھ سے ١٤٢٧ھ تک ٢٢٨ ہے۔

بنگلہ دیش (ڈھاکہ، کپاشیہ) بہ مدت ٢٢ سال، روایت حفص مع الکتب الدراسیۃ اور قصیدہ شاطبیہ پڑھنے والوں کی مجموعی تعداد ٢٥٠٠ ہے۔ حضرت قاری صاحب کی تصانیف کی تعداد سو سے زائد ہے، جن میں زیادہ تر تحقیقی کام ہیں، حضرت قاری صاحب کو خانوادہ قاسمی سے شروع ہی سے طبعی مناسبت اور مزاجاً ہم آہنگی رہی، میرے برادر مکرم ڈاکٹر مولانا محمد اویس صدیقی سے حضرت قاری صاحب کو غیر معمولی تعلق اور بے انتہا شفقت رہی ١٩٩٣ء میں بھائی جان کا موقوف علیہ کا سال

تھا اور بھائی جان قاری صاحب کے پاس قراءات سبعہ پڑھنا چاہتے تھے، موقوف علیہ کے سال میں کسی گھنٹہ میں پڑھ لینا ممکن نہ تھا تو حضرت قاری صاحب کی شفقت کہ بھائی جان کی وجہ سے قاری صاحب نے خارجی اوقات میں خاص وقت یہ فرما کر دیا کہ ''تمہارے لئے میں اپنے خاص اوقات میں سے بھی وقت نکالنے کے لئے تیار ہوں'' چنانچہ بھائی جان کی وجہ سے فجر کے بعد کا وقت مخصوص فر مایا، پھر تو یہ سلسلہ مستقل جاری رہا راقم الحروف نے دارالعلوم دیوبند میں دوران طالب علمی حضرت قاری صاحب کا معمول دیکھا کہ قدیم مسجد میں حضرت نماز پڑھتے اور فجر اور مغرب کے بعد سیدھے احاطہ مولسری میں درسگاہ میں تشریف لیجاتے اور یہ تدریسی عمل عشاء کی اذان تک جاری رہتا اور فجر کے بعد بھی یہی معمول ہوتا، حق تعالی شانہ حضرت قاری صاحب کو ہم سب کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور ہم کو قدر دانی کی توفیق ارزانی فرمائے، ہم لوگ درحقیقت ناقدرے ہیں، ایسی شخصیت اگر کسی اور مذہب والوں کے پاس ہوتی تو بقول! مولانا عبدالماجد دریابادیؒ ''یہ اگر دوسروں میں ہوتے تو ان کی پرستش ہوتی، یہاں پرسش ہی ہوجائے تو بڑی بات ہے۔''

فقیہ العصر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

آپ نے ''جدید فقہی مسائل'' کے ذریعہ علمی وفقہی دنیا میں قدم رکھا اور پھر بہت جلد اپنی خداداد صلاحیتوں متوازن فکر ہمہ جہت علمی سرگرمیوں کے ذریعہ مقبول عام وخاص ہوئے، حضرت مولانا رحمانی حضرت خطیب کے اجل تلامذہ میں سے ہیں اور ان کو بچپن ہی سے حضرت سے خاص انسیت بھی رہی خاص طور پر خانوادۂ قاسمی کے ہر فرد سے حضرت کو ایک خاص لگاؤ رہا ہے۔ حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی حضرت خطیب العصر کے براہ راست شاگرد ہیں، آپ نے حضرت سے ابن ماجہ شریف پڑھی ہے۔

آپ نے ۱۰ جمادی الاول ۱۳۷۶ھ مطابق نومبر ۱۹۵۶ء میں بہار کے ایک مردم خیز قصبہ جالے (ضلع دربھنگہ) کے ایک معروف علمی ودینی گھرانہ میں آنکھیں کھولیں، تاریخی نام نورخورشید اور اصل نام خالد سیف اللہ رکھا گیا اور اسی نام سے معروف ہوئے، مولانا نے ابتدائی تعلم اپنی دادی، والدہ اور پھوپھا مولانا وجیہ الدین صاحب سے حاصل کی اور مونگیر میں دورہ مکمل کرنے کے بعد مزید اپنی علمی تشنگی بجھانے کے لئے دارالعلوم دیوبند کا رخ کیا، یہ ۱۳۹۵ھ کا زمانہ تھا، دارالعلوم دیوبند سے دورہ

حدیث مکمل کیا، اس دوران جن اساتذہ سے اکتساب فیض کیا ان میں مولانا شریف حسین دیوبندی، مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہی، مولانا محمد حسین بہاری، مولانا معراج الحق صاحب مولانا سید انظر شاہ کشمیری، حضرت مفتی نظام الدین، مولانا نسیم اور خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمی صاحب سرفہر ست ہیں، دیوبند سے فراغت کے بعد آپ امارت شرعیہ پٹنہ آئے اور افتا کی تربیت حاصل کی اور اس دوران جن کے زیر اثر آپ نے تربیت پائی وہ کوئی اور نہیں آپ کے عم محترم حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی تھے، مولانا کا جو وقت حضرت قاضی صاحب کی تربیت میں گذرا وہ آپ کی زندگی میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، مولانا نے ۱۳۹۸ھ میں اپنے تدریسی سفر کا آغاز کیا، حیدرآباد کی مشہور دینی وعلمی شخصیت مولانا حمید الدین حسامی کی دعوت پر دار العلوم حیدرآباد تشریف لائے اور ایک سال تک ان کے ادارے میں تدریسی وانتظامی امور میں مصروف ہوئے اور مولانا رضوان القاسمی کے ساتھ ملکر شانہ بشانہ کام کرتے رہے، اس کے بعد طلبہ میں اختصاص پیدا کرنے کے لئے ۱۴۲۰ھ ایک علمی و تربیتی ادارہ ''المعہد العالی الاسلامی'' کے نام سے قائم فرمایا، جس کا مقصد افراد سازی اور طلبہ مدارس میں کسی ایک فن میں اختصاص پیدا کرنا ہے، اس کے علاوہ اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی کے روح رواں بھی آپ ہی ہیں۔

حق تعالی نے مولانا کو تصنیف وتالیف کا بھی اعلیٰ ذوق بخشا، آپ کی متعدد تصانیف منظر عام پر آ چکیں ''جدید فقہی مسائل''، اور دینی وعلمی امور پر آپ کے مقالات سے آئے دن اخبارات اور ملک کے مختلف رسائل میں عوام وخواص استفادہ کرتے رہتے ہیں، مولانا نے اپنا خاص موضوع جدید فقہی مسائل کو بنایا اور خوب خوب داد تحقیق حاصل کی اور جو مقبولیت آپ کی کتاب ''جدید فقہی مسائل'' کو ملی وہ کم کتابوں کو ملی، اسی طرح کتاب الفتاوی چھ جلدوں پر مشتمل آپ کے فتاوی کا مجموعہ ہے جو روزنامہ ''منصف'' حیدرآباد اور دوسرے اخبارات و رسائل میں شائع ہوتے رہتے ہیں، آپ کی کتاب ''جدید فقہی مسائل'' اب پانچ جلدوں میں شائع ہوئی ہے، اس کتاب کا ترجمہ وتلخیص عربی میں ''نوازل فقہیۃ معاصرہ کے نام سے شائع ہو چکا ہے، اس پر مشہور فقیہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی کا مقدمہ ہے۔ اسی طرح قاموس الفقہ آپ کی بلا مبالغہ ایک شاہکار تصنیف ہے یہ اسلامی علوم کا ایک عظیم الشان انسائیکلو پیڈیا ہے، جس میں حروف تہجی کے اعتبار سے شرعی مسائل کے حل کے علاوہ فقہی اصلاحات، ایمان وکفر سے متعلق اہم مسائل اور موضوعات شامل ہیں مثلا پردہ، جہات وغیرہ کی وضاحت کی گئی

ہے مولانا نے اپنی تدریسی زندگی کا آغاز جن کتابوں سے کیا ان میں علامہ سید سلیمان ندوی کی مشہور کتاب ''رحمت عالم'' بھی ہے اس کتاب کو پڑھانے کے لئے مولانا سیرت ابن ہشام کا مطالعہ کر تے، سیرت ابن ہشام مولانا کو بہت پسند آئی، چنانچہ آپ نے اردو میں اس کی تلخیص فرمائی جو ''مختصر سیرت ابن ہشام'' کے نام سے شائع ہوئی ہے، روز نامہ منصف کے کالم ''شمع فروزاں میں سیرت کے موضوع پر جو تحریریں لکھیں گئی ہیں ان کا مجموعہ ''پیام سیرت عصر حاضر کے پس منظر میں'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے، قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی کے انتقال کے بعد مولانا نے بحث ونظر کا خصوصی شمارہ قاضی نمبر مرتب کر کے شائع کیا، یہ تقریباً آٹھ سو صفحات پر مشتمل ہے۔

المعہد العالی کے قیام کے سلسلے میں مولانا کے ذہن میں جو خاکہ تھا اس میں برادران وطن میں دعوت دین کا فریضہ انجام دینے کے لئے افراد کی تربیت وذہن سازی بھی تھا، اس کے علاوہ مولانا کی چند کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

راہ اعتدال، مروجہ بدعات، مسلم پرسنل لا ایک نظر میں، حقائق اور غلط فہمیاں، عورت اسلام کے سائے میں اور متاع سفر وغیرہ۔ اسی طرح ابھی حال ہی میں مولانا کی تفسیر قرآن بھی منظر عام پر آچکی ہے۔

مولانا کو اللہ نے دیگر بہت سے اوصاف وکمالات سے نوازا ہے ان کی زندگی کے حالات علمی خدمات اور فقہی افکار کو چند صفحات میں سمیٹنا بہت مشکل ہے اس کے لئے دفتر چاہئے۔ حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ نے حضرت کو خرقۂ خلافت بھی عطا فرمایا ہے، اب دارالعلوم وقف کی مجلس مشاورت کے اہم رکن ہیں۔ اللہ رب العزت مولانا کی عمر میں برکت عطا فرمائے (آمین)

حضرت مولانا مفتی محمد یوسف صاحب تاؤلوی

حضرت خطیب الاسلام کے اجل تلامذہ میں سے ہیں آپ نے حضرت سے ابن ماجہ شریف پڑھی۔ حضرت مفتی صاحب راقم الحروف کے استاذ ہیں، راقم الحروف نے حضرت سے ہدایہ آخرین پڑھی ہے، آپ نے حضرت خطیب الاسلام سے دورہ کے سال میں ابن ماجہ شریف پڑھی، آپ دارالعلوم دیوبند کے حدیث کے استاذ ہیں۔ والد کا نام حاجی عظیم الدین ہے، تاؤلی ضلع مظفر نگر کے رہنے والے ہیں، ۱۳۷۵ھ ۱۹۵۶ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم دارالعلوم حسینیہ تاؤلی میں حاصل کی ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء میں دورۂ حدیث سے فراغت

حاصل کی اگلے سال دارالعلوم میں حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی سے افتاء کی تکمیل فرمائی اور مختلف مدارس میں درجات عربیہ کی تدریس کے بعد ۱۴۰۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں شعبۂ تدریس سے وابستہ ہوئے، تدریس کے ساتھ دارالاقامۃ کی نظامت بھی برسوں آپ سے متعلق رہی فی الحال دارالعلوم دیوبند میں درجہ علیاء کے استاذ ہیں۔ حضرت مفتی محمود حسن گنگوہیؒ سے اصلاحی تعلق تھا اور خرقہ خلافت سے بھی سرفراز کئے گئے، آپ نے مختلف موضوعات پر چھوٹی بڑی درجنوں کتابیں بھی تصنیف فرمائیں، جن میں سے مقبول شروحات وحواشی بھی شامل ہیں۔[1]

حضرت مولانا مجیب اللہ گونڈوی

آپ نے بھی حضرت خطیب الاسلام سے ابن ماجہ شریف پڑھی، مولانا کو خانوادۂ قاسمی کے علوم خاص طور پر علم کلام سے خاص مناسبت رہی۔ حضرت مولانا مجیب اللہ صاحب دامت برکاتہم ۱۹۵۲ء میں اپنے گاؤں موضع جورہا ضلع گونڈہ میں پیدا ہوئے عربی کی تعلیم مدرسہ نورالعلوم بہرائچ میں حاصل کی اور ۱۹۶۷ء دارالعلوم دیوبند میں داخل ہوئے اور ۱۹۷۳ء میں دورہ حدیث سے فراغت حاصل کی اور ۱۹۷۴ء میں افتاء کیا، مختلف مدارس میں تدریسی سلسلہ جاری رہا اور ۱۹۸۲ء میں دارالعلوم دیوبند میں تدریس کے لئے تقرر ہوا ۲۰۰۸ء میں درجہ علیاء میں ترقی ہوئی اور ناظم تعلیمات مقرر کیا گیا ۱۴۳۵ھ تک اس منصب پر قائم رہے۔ شرح عقائد کی شرح ''بیان الفوائد'' لکھی جو مقبول ومعروف ہے۔

حضرت مولانا بدرالدین اجمل قاسمی آسامی

آپ نے حضرت خطیب الاسلام سے ابن ماجہ شریف پڑھی ہے، آپ صدر جمعیت علماء آسام، صدر مرکز المعارف، اے آئی یو ڈی ایف پارٹی کے صدر، لوک سبھا کے ممبر اور دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کے رکن ہیں۔ آپ ایک ممتاز عالم دین ہونے کے ساتھ کامیاب صنعت کار، تاجر، سیاست داں اور ایک ممتاز سماجی کارکن بھی ہیں، متعدد اہم مدارس، اسلامی تنظیموں اور اداروں کے سرپرست اور صدر ہیں۔ آپ نے دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۷۵ء میں فراغت حاصل کی۔ اور ۱۹۸۲ء میں مرکز المعارف کی بنیاد ڈالی جس کے تحت دیگر بہت سے سماجی، تعلیمی اور معاشی ترقیاتی سرگرمیاں انجام پا رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کی عمر میں برکت عطا فرمائے اور آپ کے فیض کو عالمینی بنائے۔

---

[1] دارالعلوم دیوبند کی جامع ومختصر تاریخ، مولانا محمد اللہ قاسمی شیخ الہند اکیڈمی

حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی

حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی، حضرت خطیب الاسلام کے تلامذہ میں سے ہیں آپ نے حضرت سے موطا امام محمد پڑھی ہے۔

آپ قصبہ سنبھل ضلع مراد آباد میں ۱۹۵۰ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلم اپنے وطن ہی میں حاصل کی اس کے بعد ۱۹۶۸ء میں دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۲ء میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی۔ پھر آپ نے خادم الاسلام ہاپوڑ اور مدرسہ جامع الہدی مراد آباد میں تدریسی خدمات انجام دیں، ۱۹۸۲ء میں آپ کا تقرر دارالعلوم دیوبند میں ہوا، تدریس کے ساتھ انتظامی امور بھی آپ سے متعلق رہے، ۲۰۰۸ء میں آپ کو دارالعلوم دیوبند کا نائب مہتمم منتخب کیا گیا، آپ کی تصنیفات میں عبدالحمید زندانی الیمنی کی کتاب ''التوحید'' کا اردو ترجمہ، فتاوی عالمگیری کے جز ۱۵ر کتاب الایمان اردو ترجمہ و غیرہ شامل ہے۔ آپ راقم الحروف کے بھی استاذ ہیں، میں نے تکمیل ادب میں حضرت سے دیوان حماسہ پڑھی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کے فیض کو عام و تام فرمائے اور عمر مبارک میں برکت عطا فرمائے۔

حضرت مولانا اسرارالحق قاسمی مدظلہ العالی

حضرت خطیب الاسلام کے تلامذہ میں جن حضرات نے نمایاں خدمات انجام دیں ان میں ایک سرفہرست نام حضرت مولانا اسرارالحق قاسمی دامت برکاتہم کا بھی ہے جن کو نہ صرف نسبت قاسمیت حاصل ہے بلکہ فیوض قاسمیت سے بھی ان کا کشکول خالی نہیں، آپ کا نام ان خوش نصیب افراد میں ایک ہے جن کو بیک وقت قاسمی گھرانے کے ایسے دو افراد سے مستفید ہونے کا موقع ملا جن دو افراد میں سے ایک حکیم الاسلام اور دوسرے خطیب الاسلام تھے، گویا کہ ان دونوں حضرات نے ملکر مولانا قاسمی میں جو روح پھونکی پھر اس روحانیت کو جس نے دوسروں میں منتقل کر کے ان کو کارآمد بنانے کی فکر کی اسی ذات کا نام حضرت مولانا اسرارالحق قاسمی دامت برکاتہم ہے۔

مولانا اسرارالحق قاسمی ۱۹۴۲ء موضع ٹپو ضلع کشن گنج بہار میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم اپنے علاقے کے مختلف مدارس میں حاصل کرنے کے بعد ۱۹۶۴ء میں ہندوستان کے مشہور دینی ادارہ دارالعلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، دوران تعلیم مولانا کا نام ہمیشہ ممتاز طلبا میں سرفہرست رہا۔ فراغت کے بعد آپ خدمت خلق کے جذبہ کے ساتھ ملی وسماجی کاموں میں مشغول ہوگئے اور اپنی

محنت، لگن اور اخلاص کی بدولت جس میدان میں بھی قدم رکھا آگے بڑھتے چلے گئے، ترقی کی ان راہوں میں نسبت قاسمیت کا ہر ہر جگہ اور ہر مقام پر بطور خاص خیال رکھا۔ اور چونکہ اپنے اساتذہ کو مولانا نے انتہائی درجہ مخلص اور خاص طور پر حضرت حکیم الاسلام اور خطیب الاسلام میں غیر معمولی فعالیت دیکھی تھی اس لئے مولانا میں زمانۂ طالب علمی ہی سے فعالیت پیدا ہوگئی تھی، مزاج میں چونکہ فعالیت پیدا ہوگئی تھی اس لئے دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے فوراً ہی بعد میدان عمل میں قدم رکھ دیا اور مختلف میدانوں کو اپنا دائرہ کار بنایا۔ ۱۔ خدمت خلق، ۲۔ تعلیم، ۳۔ سیاست

مولانا کی اسی فعالیت کو دیکھتے ہوئے جمعیۃ علماء ہند کے اکابرین نے ۱۹۷۴ء میں انہیں جمعیۃ علماء ہند کا سکریٹری بنایا، مولانا نے انتہائی محنت اور اخلاص سے جمعیۃ کی طرف سے عائد ہونے والی اپنی تمام ذمہ داریوں کو بحسن وخوبی نبھایا، چنانچہ ذمہ داران جمعیۃ نے آپ کی محنت اور کارکردگی کو دیکھ کر ۱۹۸۱ء میں مولانا کو جمعیۃ علماء ہند کے جنرل سکریٹری کے عہدے پر فائز کر دیا۔

پسماندہ علاقوں میں تعلیمی کام کرنے کے لئے مولانا نے انتہائی نامساعد حالات میں ایک ادارہ آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن کی بنیاد رکھی۔ اس ادارہ نے روز بروز ترقی کی اور اپنے میدان کار کو وسعت دیتا چلا گیا اور مولانا نے ان پسماندہ علاقوں میں کام کرنا شروع کیا جہاں پر تعلیم کی شرح فیصد بالکل نہ کے برابر تھی۔ مولانا کی مستقل محنت کا نتیجہ یہ ہے کہ آج بے شمار طلباء وطالبات مولانا کے اس مشن سے تعلیمی اعتبار سے فیضیاب ہو رہے ہیں، چنانچہ کشن گنج میں ملی گرلز اسکول اس کا بیّن ثبوت ہے۔ جہاں تقریباً ۵۰۰ لڑکیاں زیر تعلیم ہیں، اس کے علاوہ ملک کے چار صوبوں جھارکھنڈ، مغربی بنگال، بہار اور یوپی کی غریب وخستہ حال بستیوں میں ۱۶۳ مکاتب قائم ہیں۔ جس میں دس ہزار کے قریب طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں، دس مدرسے ہیں جن میں قیام وطعام کا انتظام ہے، اس کے علاوہ کشن گنج میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی شاخ کا قیام ایگریکلچر کالج دو آئی ٹی آئی کالج اور ۶۰ ہائی اسکولوں کا قیام بھی مولانا کی مسلسل جدوجہد کا ثمرہ ہے۔

مولانا اسرارالحق قاسمی نے ملت کی فلاح وبہود اور رہنمائی کے تعلق سے سیاسی سطح پر بھی بڑی اہم خدمات انجام دیں، ملک کے مسلمانوں کی آواز کو پارلیمینٹ میں بلند کرنے کے لئے انہوں نے متعدد بار کشن گنج سے پارلیمانی انتخابات میں بھی حصہ لیا، چنانچہ ۲۰۰۹ء کے عام انتخابات میں کامیابی حاصل کی، ۲۰۱۴ء کے عام انتخابات میں دو لاکھ ووٹوں سے تاریخی کامیابی حاصل کی۔

مولانا انتہائی جرآت کے ساتھ پارلیمنٹ میں ملت کے مسائل کو اٹھاتے ہیں ۲۰۱۲ء میں مولانا نے ہزاروں کے مجمع کے ساتھ مظاہرہ کر کے سیمانچل کے عوام کی تعلیمی ضرورت کو ملکی سطح پر محسوس کروایا اور اس کے نتیجے میں حکومت وقت نے اے ایم یوسینٹر کوکشن گنج میں منظوری دی۔

مولانا نے ملک وملت کی خدمت بذریعہ تحریر وتقریر بھی فرمائی انہوں نے اپنے علم سے ملک و معاشرہ کی رہنمائی کی اور عوام کو خواب گراں سے بیدار کیا، مولانا کا قلم رواں، انداز بیاں سہل اور درد مندانہ ہے، تحریر میں بڑی تاثیر بھی ہے۔

مولانا اسرارالحق قاسمی اپنی تمامتر سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ تصوف سے بھی وابستہ رہے اور فقیہ الاسلام حضرت مفتی مظفر حسین مظاہری رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ ومجاز ہیں ان کی وفات کے بعد آپ نے نمونۂ اسلاف حضرت مولانا قمرالزماں الٰہ آبادی کے ہاتھ پر بیعت فرمائی، مولانا کو ان سے بھی اجازت وخلافت حاصل ہے، مولانا قاسمی میں جو خاکساری وانکساری ہے وہ ان ہی پاکباز اہل دل کی صحبتوں کا فیض ہے۔

دارالعلوم میں طالبعلمی کے زمانے میں جن خاص اساتذہ سے تعلق رہا ان میں دیگر اساتذہ کے ساتھ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی اور حضرت خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی کے نام نمایاں ہیں، حضرت حکیم الاسلام سے آپ نے حجۃ اللہ البالغہ پڑھی، جبکہ حضرت مولانا محمد سالم صاحب سے چہارم عربی کے سال قطبی اور میر زاہد پڑھی، بقول حضرت مولانا اسرار قاسمی: ''حضرت خطیب الاسلام کے یہاں نہایت ہی کشادہ ظرفی کا معاملہ تھا، میں ہمیشہ جمعیت سے وابستہ رہا مگر میں جب بھی گیا تو نہایت خلوص سے ملاقات کی، ذاتی طور پر خیر وعافیت معلوم کی، دعاؤں سے نوازا اور ہمیشہ اپنے اس تعلق اور رواداری کا اظہار فرمایا جو حضرت ہی کو اللہ نے عطا فرمایا تھا۔

بہرحال مولانا قاسمی کی ساخت وپرداخت جن شخصیتوں کے زیر سایہ ہوئی ان کی شخصیت کی گوناں گوں صلاحیتوں اور کردار کا حامل ہونا کوئی تعجب خیز بات نہیں، ان کو تو ایسا ہونا ہی تھا، اللہ رب العزت مولانا قاسمی کو جزائے خیر عطا فرمائے اور دینی، دعوتی اور ملی کاموں میں برکت عطا فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی نانوتوی، رکن مجلس مشاورت دارالعلوم وقف دیوبند

راقم الحروف کے والد گرامی حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی نانوتوی دامت برکاتہم کو خاندانی علاقہ اور تعلق کے علاوہ حضرت خطیب الاسلام نوراللہ مرقدہ سے شرف تلمذ بھی حاصل ہے، کہ مولانا نے حضرت سے کئی کتابیں پڑھیں، جن میں شرح العقائد النسفیۃ اور ابن ماجہ شریف وغیرہ کتابیں قابل ذکر ہیں۔ میرے والد گرامی کو ابتداء ہی سے حضرت حکیم الاسلام صاحب نوراللہ مرقدہ سے والہانہ اور غایت درجہ تعلق تھا، کہ بچپن میں جب حضرت حکیم الاسلام حیدرآباد جاتے تو راقم کے دادا مولانا عبدالسلام صاحب امام وخطیب مسجد خیرت آباد کے پاس ضرور جاتے، اور میرے والد گرامی کو خدمت کا خوب موقعہ ملتا، والد گرامی کا اصلاحی تعلق بھی حضرت خطیب الاسلام ہی سے ہے، کہ والد گرامی نے غالباً ۱۹۹۸ء میں حضرت کے دست حق پرست پر بیعت کی تھی، اس کے بعد اس تعلق میں رشتہ داری اور روحانی تعلق کی وجہ سے اضافہ ہوگیا اور مسلسل خدمت اقدس میں حاضری کا معمول رہا۔

سن ۲۰۰۹ء میں حضرت حکیم الاسلام کے حکم پر نانوتہ میں ایک دینی، دعوتی ادارہ ''جامعۃ الامام محمد قاسم النانوتوی'' کی بنیاد رکھی، جس کی مادی ومعنوی ترقی کے لئے حضرت خطیب الاسلام نوراللہ مرقدہ مسلسل کوشاں رہے اور دعائیں کرتے رہے، اور تاحین وفات اس کی خبر گیری اور سرپرستی فرماتے رہے، حضرت خطیب الاسلام ہی کے دست حق پرست سے اس ادارے کی بنیاد رکھی گئی، حضرت کی دعاؤں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ادارے کو بہت جلد معنوی ومادی ترقیات سے نوازا۔

اسی علاقے اور تعلق کی وجہ سے حضرت خطیب الاسلام مسلسل تشریف لاتے تھے، جس روز حضرت تشریف لاتے تو ہمارے گھر میں ایک عید کا سماں ہوتا، بڑے اور بچے اور تمام اہل خانہ نہایت شاداں رہتے حیات مبارکہ کے آخری سالوں میں جب بھی والد گرامی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو فرماتے کہ بھائی نانوتہ جانے کو طبیعت چاہ رہی ہے، لیکن گذشتہ ایک سال سے انتہائی ضعف وعلالت کی وجہ سے یہ ممکن نہ ہوسکا۔

اگست ۲۰۱۴ء میں حضرت خطیب الاسلام نے والد گرامی کو دارالعلوم وقف دیوبند جیسے مؤقر ادارے کی انتہائی مؤقر مجلس مشاورت اور مجلس عاملہ کا رکن بنایا، اس وقت سے تاحال ادارے کی مجلس مشاورت اور مجلس عاملہ کے باوقار رکن ہیں۔

اس وقت جامعۃ الامام محمد قاسم کے سر پرست، دارالعلوم وقف دیو بند کی مجلس مشاورت کے رکن اور جامع مسجد نانوتہ کے امام وخطیب ہیں، اور مسلسل علاقے کی دینی، سماجی اور دعوتی ضرورتوں کو پورا کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے سائے کو ہمارے سروں پر دیر تک قائم رکھے، اور عمر میں برکت عطا فرمائے۔ جیسا کہ اس سے قبل اس بات کا ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت خطیب الاسلام مسلسل ۵۶ سال تک دارالعلوم دیو بند اور پھر دارالعلوم وقف دیو بند درس نظامی کی مختلف کتابیں پڑھا چکے ہیں، اس لئے یہ بات بلاخوف تردید کہی جاسکتی ہے کہ ہندوستان کے ہر کونے میں حضرت کے شاگرد دینی و ملی اور دعوتی خدمات انجام دے رہے ہیں، اور عالم اسلام کے بھی نہ جانے کن کن گوشوں میں حضرت کے شاگرد علوم نبوت تقسیم فرمارہے ہیں، ان تمام کا ذکر یہاں نہیں کیا جاسکتا، البتہ حضرت کے شاگردوں میں سے جو حضرات دینی ودعوتی میدانوں میں نمایاں خدمات انجام دے رہے ہیں، ان سے تعلق رکھنے والوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ ان کی تمام تفصیلات حجۃ الاسلام اکیڈمی، دیو بند کو روانہ کردیں تا کہ پھر کسی آئندہ ایڈیشن میں ان کے اسمائے گرامی اور ان کی علمی، تعلیمی، دینی اور ملی ودعوتی خدمات کا تذکرہ شامل کتاب کیا جاسکے۔

باب سوم

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ:

﴿ولو کنت فظا غلیظ القلب لانفضوا من حولک، فاعف عنهم واستغفرلهم وشاورهم في الأمر، فاذا عزمت فتوکل علی الله. إن الله یحب المتوکلین.﴾

(سورۃ آل عمران: ۱۵۹)

قال رسول الله صلی الله علیه وسلم:

أکمل المؤمنین إیمانا أحسنهم خلقا؟ (رواه الترمذي)

شعر

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہادِ زندگانی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

باب سوم کے مشمولات

- ☆ حضرت خطیب الاسلام کی خانگی زندگی
- ☆ والدین سے ربط وتعلق
- ☆ صاحبزادگان، صاحبزادیاں
- ☆ برادران
- ☆ خواہران
- ☆ حضرت کی اہل خانہ کو چند مخصوص نصیحتیں
- ☆ حضرت کے چند مخصوص اوصاف
- ☆ خدام اور رفقائے سفر

حضرت خطیب الاسلام کی خانگی زندگی اور دیگر اہل خانہ

یہ باب انتہائی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس میں حضرت کی ذاتی اور خانگی حالات زندگی کا تذکرہ ہوگا جو انسانی معاشرت کا عظیم باب اور اہم حصہ ہے اور زندگی بھی کسی عام آدمی کی نہیں بلکہ ایک وارثِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہے، جس کا ہر گوشہ یقیناً اتباع نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا عملی مصداق بن کر آنے والوں کے لئے قابل عمل ہوگا، عام طور پر دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ لوگ باہر والوں کے ساتھ تو انتہائی اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہیں کہ لوگ ان کے اخلاق کی تعریف کرتے نہیں تھکتے لیکن خانگی زندگی میں وہ انتہائی بدتمیز ہوتے ہیں، عورتوں کے ساتھ بدتمیزی ان کا شیوہ ہوتا ہے، ماں باپ بہن بھائیوں کے ساتھ نہایت بدخلقی سے پیش آتے ہیں، اور حدتو یہ ہے کہ یہ تمام باتیں ان لوگوں میں بھی عام ہیں جو اپنے آپ کو دین کا کام کرنے والا تصور کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں انسان کی صحیح پرکھ جب ہی ہوتی ہے جب اس کا معاملہ اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے ہوتا ہے، کیونکہ ان ہی سے ہی انسان کو اکثر تکلیف پہنچتی ہے اور عام طور پر وہ کسی بھی فرد کی ذاتی خوبیوں کو جلدی قبول نہیں کرتے۔ خانگی معاشرت کی اسی اہمیت کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر والوں کے ساتھ حسن معاشرت کا تاکیدی حکم فرمایا، ارشاد فرمایا: **"أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ايْمَاناً أَحْسَنُهُمْ خُلُقاً، وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ"** (رواہ الترمذی)

ترجمہ: مومنین میں سب سے زیادہ کامل ایمان والا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہیں، اور تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو تم میں اپنی عورتوں کے ساتھ سب سے بہتر ہے۔

پھر قرآن کریم نے بھی مردوں کو خاص طور پر عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کا تاکیدی حکم دیا، ارشاد فرمایا: ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (سورۃ النساء:۱۹)

عورتوں کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کرو۔

ایک حدیث میں حسن معاشرت کی تاکید اس طرح فرمائی، ارشاد فرمایا:

"اِسْتَوْصُوْا بِالنِسَاءِ خَيْراً فَاِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلْعٍ" (متفق علیہ)

میں تمہیں عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت کی نصیحت کرتا ہوں تم میری اس نصیحت کو قبول کرو کیونکہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ اور پسلی ٹیڑھی ہوتی ہے، اس لئے یہ مقولہ مشہور ہے کہ عورت کا حسن اس کے ٹیڑھے پن میں ہے۔

ان نصوص کو سامنے رکھتے ہوئے ایک عالم اور وارث نبی کی زندگی ایسی ہونی چاہئے کہ جس کو دیکھ کر دیگر لوگ بھی اپنی زندگیوں کا محاسبہ کریں، اس کی زندگی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چلتی پھرتی عملی تفسیر ہو۔

کیونکہ اعتدال کے ساتھ ہر رشتہ کا درجہ بدرجہ احترام از حد ضروری ہے کہ ایک انسان کا اپنے والدین کے ساتھ الگ رشتہ ہے، بیوی کے ساتھ علیحدہ معاملہ ہے، بچوں کے ساتھ نوعیت مختلف ہے، چونکہ ہر رشتے کی نوعیت اور حیثیت مختلف ہے، اس لئے انسان کا کمال یہ ہے کہ ان تمام رشتوں میں توازن باقی رکھ کر ہر ایک کے جذبات کا احترام ملحوظ رکھے، اسلامی تعلیمات اور دیگر مذاہب کی تعلیمات میں بنیادی فرق ہی یہ ہے کہ دیگر مذاہب میں افراط وتفریط ہے، اعتدال ومیانہ روی نہیں، مگر اسلام کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ یہاں ہر چیز میں اعتدال، موزونیت اور ہر نظام افراط وتفریط سے پاک ملے گا۔

خانوادۂ قاسمی کے افراد کا ایک خصوصی امتیاز یہ بھی رہا کہ یہ حضرات اسلام کی اس بنیادی صفت یعنی وصف اعتدال سے خاص طور پر متصف رہے۔ راقم الحروف نے اپنے خاندان کے بزرگوں سے سنا کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی، حضرت مولانا مظہر نانوتوی اور ان سب کے استاذ حضرت مولانا مملوک العلی رحمہ اللہ ان چاروں بزرگوں میں ایک صفت قدر مشترک تھی کہ یہ حضرات لوگوں سے "**کلموا الناس علی قدر عقولهم، ونزلوا الناس منازلهم**" کے اعتبار سے گفتگو فرماتے اور جب کبھی کسی مجلس میں مختلف ذہنوں کے لوگ موجود ہوتے تو یہ حضرات ایسا جامع کلام فرماتے کہ ہر شخص مجلس سے مطمئن ہو کر اٹھتا۔

حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت میں وہی موزونیت وہی اعتدال اور وہی میانہ روی ملتی ہے، جس کی وجہ سے ان کی زندگی کا کوئی گوشہ تجاوز اور حد اعتدال سے باہر نہیں۔

حضرت خطیب الاسلام کا نکاح

نکاح اللہ کے نبی کی ایک عظیم الشان سنت ہے اور بالغ ہونے کے بعد نکاح میں تعجیل دوسری الگ سنت ہے، بشرطیکہ موانع نکاح میں کوئی مانع موجود نہ ہو، اس لئے اس باب کی ابتداء بھی ایسے ہی عمل سے کروں گا جس سے باقاعدہ خانگی زندگی کی ابتداء ہوئی اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح کی سنت ہے۔

جیسا کہ باب اول میں گذر چکا کہ حضرت کی فراغت دارالعلوم دیو بند سے ۱۹۴۷ھ میں ہوئی، جس میں تقسیم ہند و پاک کا ناخوشگوار واقعہ پیش آیا، سالانہ امتحان تک ۱۹۴۸ء شروع ہو چکا تھا، چنانچہ حضرت خطیب الاسلام کے والد محترم حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ نے سندِ فراغت حاصل کرنے کے فوراً بعد نکاح کر دیا، تاکہ ''نکاح میں تعجیل'' کی سنت پر بھی عمل ہو سکے۔ چنانچہ ۱۹۴۷ء میں حضرت حکیم الاسلام نے نکاح کی تحریک جناب پیش کار محمد اختر صاحب مرحوم کی صاحبزادی سے کی اور دارالعلوم دیو بند سے فراغت کے فوراً ہی بعد مارچ ۱۹۴۸ء میں نکاح کر دیا، یہ نکاح خود حضرت حکیم الاسلام ہی نے دارالعلوم دیو بند کی قدیم مسجد میں پڑھایا، جس میں حضرت خطیب الاسلام کے اور دارالعلوم دیو بند کے اساتذہ و مشائخ نے خصوصی طور سے شرکت فرمائی، مجلس نکاح بعد نماز عصر منعقد ہوئی، جس میں مہمانان رسول یعنی دارالعلوم دیو بند کے طلباء نے بھی شرکت کی، دسمبر ۱۹۴۸ء میں رخصتی ہوئی اور ولیمہ کی تقریب طیب منزل میں منعقد ہوئی۔

یہ تقریب گاہ موسوم ''بطیّب منزل'' وہی مقام ہے، جہاں مہمانان رسول کے لئے حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی اور ان کی اہلیہ نے سب سے پہلے خوانِ نعمت بچھایا تھا اور بے یار و مددگار آنے والے مہمانانِ رسول کے لئے یہ گھر اور یہ منزل آماجگاہ اور ٹھکانہ ہوتی تھی، اس منزل کی شان ہی عجیب اور نرالی ہے، بقول حالی:

کچھ گھرانے رہ گئے ہیں جو کہ آتے ہیں نظر
ہند میں اب تکیہ گاہ امت خیرالوری

آج اس مبارک موقع پر طیب منزل میں پھر مخلصین، وارثین نبوت کا ہجوم صدہا مبارکبادی کے ساتھ جمع تھا، بقول شاعر

خوانِ نعمت پر ہے تیرے مہمانوں کا ہجوم

چونکہ اس نکاح کے اصل محرک حضرت کے والد ماجد حضرت حکیم الاسلامؒ تھے، بظاہر حضرت خطیب الاسلام کے والد نسبتی محترم جناب پیش کار محمد اختر صاحبؒ عالم نہ تھے، مگر حضرت حکیم الاسلام کی نظر انتخاب نے دیکھ لیا تھا کہ یہ دونوں خاندانوں کے لئے انشاءاللہ انتہائی مبارک و مسعود ہوگا اور ہوا بھی ایسا ہی کہ زوجین اس مبارک نکاح کی برکت و سعادت سے تازندگی لطفِ اندوز ہوتے رہے اور یہ رشتہ اپنی برکت و سعادت، الفت و مودت، فکری و مزاجی ہم آہنگی اور رأفت و رحمت کے اعتبار سے مثالی رہا۔

جو اہم بات زوجین مکرمین کی ازدواجی زندگی میں محسوس کی گئی وہ ایک دوسرے کے جذبات کا غایت درجہ احترام تھا، جو اس وقت آج کی ہماری موجودہ نسل میں دن بدن مفقود ہوتا جارہا ہے۔

حضرت کی ازدواجی زندگی قرآن کریم کی آیت ﴿هُنَّ لِباسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ (سورہ البقرہ: ۱۸۷) کا بہترین مصداق تھی۔ اس آیت میں ازدواجی زندگی کا نہایت حسین وبلیغ پیرائے میں نقشہ کھینچا ہے۔ کہ جس طرح انسان سے سب سے زیادہ قریب اس کا لباس ہوتا ہے، اسی طرح میاں بیوی بھی ایک دوسرے سے انتہائی قریب ہوتے ہیں بلکہ ہر ایک سے زیادہ قریب ہوتے ہیں، میاں کی زندگی میں بیوی کے آجانے کے بعد سب رشتے پیچھے ہوجاتے ہیں، اور سب سے قریبی رشتہ میاں کے لئے بیوی اور بیوی کے لئے اس کے شوہر کا ہوجاتا ہے، اگرچہ رشتوں میں اعتدال اور توازن برقرار رکھنا بھی ضروری ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے کا لباس کہہ کر یہ بتادیا کہ اب تم ایک دوسرے کے ہر ایک سے زیادہ قریب ہو۔

اس طرح لباس کی دوسری خصوصیت یہ بھی ہے کہ لباس بدن کو چھپاتا ہے، اس لئے میاں بیوی دونوں کو ایک دوسرے کی تمام کمیوں کو چھپانا چاہئے۔ کیونکہ دنیا میں کوئی ایسا نہیں جس کے اندر کمیاں اور خرابیاں نہ ہوں۔ لباس کے بغیر انسان ننگا ہوجاتا ہے اس لئے میاں بیوی ایک دوسرے کے بغیر ننگے ہوتے ہیں۔ اس لئے دونوں کو ہر دھوپ چھاؤں سے ایک دوسرے کو بچانا چاہئے۔ حضرت خطیب الاسلام اور آپ کی اہلیہ مرحومہ واقعتاً ایک دوسرے کا لباس تھے۔

حضرت کی ازدواجی زندگی اس حدیث مبارک کی صحیح تصویر پیش کرتی تھی جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا پوری روایت یہ ہے:

عن ابن عَبَّاسٍ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَى الله عليه وسلم ''لَمْ تَرَ لِلْمُتَحَابِيْنَ مِثْلَ النِّكَاحِ'' (ابن ماجه، مشكوة، كتاب النكاح)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تم میاں بیوی سے زیادہ آپس میں محبت کرنے والا کسی کو نہ دیکھو گے۔ حضرت کی حیات مبارکہ میں بے شمار ایسے واقعات موجود ہیں جن سے زوجین کے درمیان ہم آہنگی واضح طور پر نظر آتی ہے، جس کو اہل خانہ اور صاحبزادگان وغیرہ ہی محسوس کر کے بتا سکتے ہیں، چنانچہ حضرت کی صاحبزادی محترمہ عظمیٰ ناہید صاحب اپنے ایک تاثراتی مضمون میں اپنے عظیم المرتبت والد گرامی کے اس پہلو کو اجاگر کرتے

ہوئے رقم طراز ہیں: ''کسی شخصیت کو جاننے کے لئے اس کا اصل پیمانہ اس کی گھریلو زندگی ہوتی ہے، والد صاحب اگر چہ دنیا کے لئے خطیب الاسلام، محدث اور دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم تھے، مگر ان کی شخصیت میں دیگر بہت سے ایسے پہلو نظر آتے ہیں جس کی نظیر نہیں ملتی۔

ازدواجی زندگی کی خوشگواری اور کامیابی کے متعلق مزید اسی مضمون میں لکھتی ہیں:

''والد صاحب کی ازدواجی زندگی انتہائی کامیاب تھی، کیونکہ ہماری والدہ ان کی ہم مزاج بھی تھیں، اور دونوں کے مزاجوں میں غیر معمولی ہم آہنگی بھی تھی، وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے انتہائی موزوں اور ایک مثالی جوڑا تھے، جن کی مثال بھی خاندان میں دی جاتی تھی، ہماری امی نہایت ہی سلیقہ مند خاتون تھیں، گھر کی سجاوٹ کا ان کا خاص موضوع تھا اور کوئی مہمان کسی بھی وقت پہنچے ان کا گھر ہمیشہ سجا ہوا ملتا تھا، گھر کی تعمیر میں ردوبدل ہو یا کسی سجاوٹ کے سامان کی ضرورت امی ان سے ہمیشہ اپنے مخصوص انداز میں مسئلے کو بہت اہم بنا کر پیش کرتی تھیں، بھائی صاحب ہمیشہ پہلے منع فرماتے تھے، اور اخراجات کو کنٹرول کرنے یا تبدیلی کی ملتوی کرنے کی بات کرتے، لیکن امی ہمیشہ ان کو تأمل کرنے میں کامیاب ہوجاتیں اور اگلے ہی دن کام شروع ہوجاتا۔''

چونکہ حضرت کی رفیقۂ حیات کا تذکرہ آ گیا تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خطیب الاسلام کے ان اشعار کا بھی تذکرہ کردوں جو آپ نے اپنی اہلیہ مرحومہ کی وفات پر کہے تھے جس کا عنوان تھا: ''جذباتِ الم حسرتِ آیات رفیقۂ حیات امت الاکرام نوراللہ مرقدہا'' یہ اشعار حضرت نے ۳ محرم الحرام ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۱ دسمبر ۲۰۰۹ء بوقت ۸ بجکر ۴۵ منٹ صبح بروز دوشنبہ کہے تھے۔

ان اشعار کے ہر ہر لفظ سے اندازہ ہوگا کہ حضرت کو اپنی رفیقۂ حیات سے زندگی بھر کیسا تعلق رہا اور ان کی جدائیگی پر آپ کے جذباتِ الم کا کیا حال ہوگا۔ اشعار درج ذیل ہیں:

نہیں معلوم تھا فرقت میں دل پہ کیا گذرتی ہے
تمنا دل میں آنے سے جھجکتی ہے لرزتی ہے
نہیں تھی آشنائی میری ان آنکھوں کو اشکوں سے
ان آنکھوں کو اگر اب چین ملتی ہے تو اشکوں سے
میرے اشکوں کے سچے موتیوں کا یہ نیا جھومر

سجے گا خوب یہ سجدوں کے عادی تیرے ماتھے پر
عطا کرتی تھی ٹھنڈک تیری صورت خوش نگاہی کو
تیری سیرت تھی درس عاجزی ہر کج کلا ہی کو
تمنا تھی کہ برزخ میں تجھے لبیک میں کہتا
جدائی کے کڑے لمحے نہ اس دنیا میں میں سہتا
یہ تیرے واسطے تیری لحد گلزار جنت ہے
تیرا مرقد مگر میرے لئے ایوان حسرت ہے
میں تجھ سے تھا مقدم عالم دنیا کی بستی میں
مگر عجلت سے نوحہ تو نے چھیڑا ساز ہستی میں
فدا کاری میں تو نے زندگی ساری بتائی ہے
دمِ آخر وفا کی آخری اک رہنمائی ہے
تیرے اخلاق کی ہر ہر ادا میں اک تجلی تھی
تکلم سے دل بے چین کو ہر دم تسلی تھی
محبت سے تیری دنیا میں منزل آشنا میں تھا
سفینہ تو تھی اس کی اور اس کا ناخدا میں تھا
سفینہ اپنے بحر عشق میں ایسا رہا جاری
تصور بھی نہ تھا چلنے سے ہوجائے گا یہ عاری
یہ بحر عشق اپنا معدنِ لؤلؤ ولالہ تھا
کہاں سے لاؤں وہ موتی کہ جن کو تو نے چاہا تھا
تو وہ سورج تھی نور آگیں تھی جس سے زندگی اپنی
خبر کیا تھی شب تاریک ہوجائے گی باقی زندگی اپنی
نگاہیں ڈھونڈتی ہیں گمشدہ رخشندگی اپنی
نہ تھا یہ وہم ہوگی زندگی شرمندگی اپنی
وہ تیری ذات تھی جس نے الم نا آشنا رکھا

تیری فرقت نے مجھ کو تو کہیں کا بھی نہیں رکھا
تیری قرآن خوانی توشئہ عرفان بنتی تھی
صلوٰۃ و صلوم تیری دعوت عرفان بنتی تھی
احادیث نبی پڑھنے کا تجھ کو شوق و افر تھا
درودوں کے بکثرت ذوق پر دل تیرا شاکر تھا
مسافر ہوں مگر ایسا کہ منزل ہی نہیں میری
زباں تو ہے مگر وہ ترجماں دل کی نہیں میری
تیری شیریں زباں تھی جو سراپا گوش کرتی تھی
مروت سے تو گردو پیش کو باہوش رکھتی تھی
تھی وابستہ تجھی سے زندگی رخشندگی اپنی
اور اب تو بن گئی ہے زندگی شرمندگی اپنی
تبسم بھی تکلم بھی امینِ راہِ الفت تھے
بالفاظ دیگر کہئے یہ معراجِ محبت تھے
بتوفیقِ الٰہی صبر پر سر خم نہ ہوجاتا
تو تیرے غم کا طوفاں کشتیِ ہستی ڈبو جاتا
غموں سے پُر ہے اپنی زندگی تیری جدائی سے
خوشی ہے مغفرت کی جو ملی تجھ کو خدائی سے
گئی دربار حق میں تو بہت ہی سرخ رو ہو کر
یہاں ہم بھی ہیں لیکن اشک خوں سے سرخ رو ہو کر
تیری رفعت کا اندازہ نہ تھا اپنے گمانوں میں
تصور بھی نہ تھا مسکن ترا ہوگا خیالوں میں
الم زدگی ملی سلمان و سفیان کی آنکھوں کو
ذرا سن عاصم و عدنان کی ان سرد آہوں کو
یہ کیوں اسماء و عظمی رو رہی ہیں دل گرفتہ سی

مسلط کیوں ہے ان پر یاد ایام گذشتہ کی
یہ آہیں نار سا ہو کر بھی وابستہ یقیں سے ہے
حیات سروری ہے جو بنی ایمان و دیں سے ہے
معیت وہ رہی دنیا میں اپنی جو مثالی تھی
جدائی کے کسی ادنیٰ تصور تک سے خالی تھی
تیری خاموشیاں غماز ہیں جس کامرانی کی
سنادی وہ خبر ہائے سب کو شادمانی کی

یہ تھا الم نامہ حسرت و جذبات الم جو حضرت خطیب الاسلام کے قلم سے بر وفات رفیقۂ حیات نکلے۔ اس مرثیہ کے حرف حرف سے جدائیگی پر جہاں درد وکرب والم ٹپکتا ہے وہیں زندگی کے ان خوشگوار لمحات کی بھی غماز ہے جو رفیقۂ حیات کے ساتھ گذرے، وقت الم میں جب ان خوشگوار لمحات کی یادگاری ہوئی تو خطیب الاسلام نے ان جذبات کو الفاظ کا جامہ پہنا کر یہ نظم تحریر فرمائی۔ یہاں ایک بات کا ذکر کرتا چلوں کہ حضرت کی اہلیہ محترمہ نور اللہ مرقدہا کو میری نانی مرحومہ سے انتہائی درجہ کا ربط تھا، اور اپنے دل کی ساری باتیں ان سے بے تکلف کر لیتی تھیں، اسی خاص ربط وعلاقہ کی وجہ سے میری والدہ محترمہ کے نکاح کے وقت عمومی رواج کے مطابق ساتھ والی بھی بن کر گئی تھیں، میری والدہ سے انتہائی شفقت کا معاملہ فرماتی تھیں، اور میری امی بھی ان سے اپنے دل کی بات کہہ لیتی تھیں، اس علاقہ وربط کی وجہ سے ہم لوگ بھی جب حاضر ہوتے تو حالات دریافت فرماتی تھیں، اور ہماری تعلیم کے لئے فکر مند رہتیں، تعلیم کے سلسلے میں ایسے مشورے بھی دے دیتی تھیں کہ بہت سے ماہرین تعلیم کو بھی وہ باتیں نہیں معلوم ہوتی۔ اللہ تعالیٰ ان کی کروٹ کروٹ مغفرت فرمائے۔

شروع ہی سے حضرت خطیب الاسلام کی زندگی قابل رشک رہی، میں نے اپنے خاندان میں بہت سے لوگوں کو کہتا ہوا سنا کہ: ایسی صاف وشفاف ازدواجی زندگی بہت ہی کم لوگوں کو میسر آتی ہے جیسی کہ حضرت خطیب الاسلام کو میسر ہے اس میں بھی گھریلو زندگی بالکل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کا عکس تھی، سیرت کے مطابق گھریلو زندگی گذارنے کے یہ ثمرات وبرکات ہوئے کہ حضرت کی خانگی زندگی میں جو قرار وسکون مسلسل دیکھا گیا بہت کم خوش نصیبوں کو وہ قرار وسکون میسر آتا ہے۔ ہر شخص اور گھر کا ہر فرد اس خوش گوار ماحول کو محسوس کرتا اور اس سے مسلسل مستفید ہوتا رہا۔

حضرت کا اپنی اہلیہ مرحومہ کی ساتھ تعامل ہمیشہ ایسا رہا جو ایک حقیقی وارث نبی کا رہنا چاہئے، یعنی ایسا نہیں کہ اوروں کے لئے تو بہت اچھا اور اپنے گھر والوں اور بیوی بچوں کے حق میں انتہائی ناروا سلوک، نہ ان کے جذبات کا احترام، نہ ان کی شخصیت کا خیال اور عجیب بات ہے کہ عام طور پر یہ دیکھا گیا نہ مردوں کو عورتوں کے جذبات کا احترام اور نہ عورتوں کو یہ تمیز کے وہ ان کے جذبات کا احترام کریں، حضرت کے یہاں یہ بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ جس طرح حضرت کو اپنی اہلیہ محترمہ کے جذبات کا احترام تھا، اسی طرح حضرت کی اہلیہ کو بھی اپنے شوہر کے جذبات اور ان کے آرام کا انتہائی درجہ خیال تھا، حضرت کی اہلیہ فرماتی تھیں کہ ''عورت کو چاہئے کہ وہ اپنے شوہر کا چھوٹی چھوٹی باتوں میں خیال رکھے، اس کے تئیں اپنے اندر راحت رسانی کا جذبہ رکھے اور اس کی ضرورت کو دیگر اہل خانہ کی ضروریات پر مقدم رکھے، یہ کامیاب زندگی کا ضامن ہے۔''

کیونکہ اس تہذیب نو نے میاں بیوی کے تقدس بھرے رشتے کو پامال کردیا، نہ میاں کو یہ تمیز کہ نبی کریم ﷺ نے ازواج مطہرات کے ساتھ احترام کا برتاؤ کیا اور نہ بیوی کو یہ پتا کہ میرے شوہر کے مجھ پر کیا حقوق ہیں، اب اللہ اور رسول کے بعد میری جنت اسی کے پاس، وہ راضی تو جنت وہ ناراض تو جہنم آج کے میاں بیوی کے حالات کا صحیح نقشہ اکبرآلہ آبادی نے کھینچا ہے:

خدا کے فضل سے بیوی میاں دونوں مہذب ہیں
شرم ان کو نہیں آتی حجاب ان کو نہیں آتا

حضرت کی اپنی اہلیہ محترمہ کی ساتھ اکسٹھ برس رفاقت رہی، اس طویل عرصہ میں بقول حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی کبھی مجھے یاد نہیں کہ امی اور بھائی صاحب کے درمیان کسی مسئلے پر نوک جھونک سنی ہو، زوجین کے لئے اس سے بڑی اور کیا شہادت ہوسکتی ہے کہ اس کی اولاد جس کی عمر ساٹھ سال کے قریب ہورہی ہو وہ یہ شہادت دے کہ میں نے کبھی زندگی میں اپنے والدین میں نوک جھونک نہیں دیکھی، آج کی نسل نو کے لئے اس عظیم کردار میں ایک عظیم پیغام پنہاں ہے، جب کہ حالات اس طرح کے ہیں کہ ذرا ذرا سی بات پر طلاقیں ہونا ایک عام بات ہوگئی۔ راقم الحروف کو حضرت کی گھریلو زندگی کو بہت قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا، میں آپ کی گھریلو زندگی کو دیکھ کر بلا تأمل یہ لکھ رہا ہوں کہ حضرت اس حدیث کے مصداق تھے ''**خیر کم خیر کم لأهله**'' حضرت نے اپنی گھریلو اور خانگی زندگی میں اپنی خیریت کو اپنے عمل اور کردار سے ثابت کرکے دکھایا۔

بہرحال حضرت کا یہ خلیقانہ مزاج، نرم گفتاری، شفقت ومحبت، شگفتہ مزاجی، پھر علمی وعملی ہر طرح کی اپنے اقران پر بالادستی اوران تمام چیزوں کے بعد حضرت کا اپنے گھر والوں اور خاص طور پر اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ تعامل اوران کے جذبات کا احترام یہ وہ امتیازات ہیں جوحق شانہ نے حضرت نور اللہ مرقدہ کوودیعت فرمائے۔

حضرت کا اپنی اہلیہ مرحومہ کے ساتھ کیا تعامل ہوگا اس کا اندازہ اس تحریر سے ہوتا ہے جوحضرت نے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے والوں کے لئے حیات طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم کوسامنے رکھ کر لکھی ہے اور ہر نئے جوڑے کو یہ پیغام دیا کہ ازدواجی زندگی اوراس کی خوشیوں کا راز نبوی رہنمائی میں ہی مستور ہے اوراس سلسلے میں اسوۂ حسنہ کوسامنے رکھ کر ہی افراط وتفریط سے بچا جاسکتا ہے، (یہ تحریر حضرت خطیب الاسلام نے اپنے حفید مکرم جناب محمد صہیب قاسمی سلمہ اللہ تعالی کے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کے موقع پر لکھی تھی)

اسرارِ سرورِ زندگی

یہ عنوان ہے اس کے تحت حضرت لکھتے ہیں:

(۱) نبوی رہنمائی میں ہی اسرار سرور حیات مستور ہیں جس کا اولین نکتہ ہدایت جملہ امور حیات میں افراط وتفریط سے اجتناب اوراعتدال کا انتخاب ہے۔

(۲) نکاح کی عباداتی برقراری قدرتِ فیاض نے ایک دوسرے کے حقوق واجبہ کی ادائیگی پر مبنی خانگی مصارف کو دیانت وامانت کے ساتھ حسن تدبیر سے استعمال کرنا بیوی کی سلیقہ مندی کا اہم فریضہ ہے۔

(۳) شوہر کے لئے بیوی کی خانگی اوقات عمل میں اور بیوی کے لئے شوہر کے اوقاتِ عمل میں ہر ممکن سہولت مہیا کرنا حسنِ ارتباط کا وقیع ذریعہ ہے۔

انہیں حقیر سمجھ کر بجھا نہ دینا صہیب
یہ ہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی[۱]

دعاگو
محمد سالم قاسمی

---

[۱] حضرت نے یہ تحریر جناب صہیب قاسمی سلمہ کے نکاح سے کچھ روز قبل لکھی جن کا نکاح ۲۱ نومبر ۲۰۰۹ء بروز ہفتہ کو ہوا۔

والدین سے ربط وتعلق اوران کی خدمت

کسی بھی انسان کی شخصیت کا اندازہ اس سے لگایا جاتا ہے کہ اس میں موزونیت ہے یانہیں، اعتدال پسندی ہے کہ نہیں اورکس قدر افراط وتفریط سے پاک ہے، جتنا جتنا انسانی شخصیت اعتدال و موزونیت لئے ہوئے ہوگی اورافراط وتفریط سے پاک ہوگی اُسی قدر اس کی شخصیت کا قد بلند وبالا ہوتا چلا جائے گا۔

حضرت خطیب الاسلام کواس سلسلے میں کمال کا اعتدال حق سے عطا ہوا ہے کہ ان کو ہمیشہ درجہ بدرجہ رشتوں کے تقدس کا بڑا خیال رہا، ایسانہیں کہ ایک رشتہ کے ساتھ تعلق نوازی میں دوسرے رشتہ کو نظر انداز کردیا ہو، جس میں عام طور پرلوگ مبتلا ہیں، ماں باپ کے رشتہ کونبھائیں گے تو اولاد و بیوی کو نظر انداز کردیں گے اوراولاد و بیوی کی طرف متوجہ ہوں گے تو ماں باپ اور بہن بھائیوں کونظر انداز کردیں گے اور آج کل تو یہ وبا اور بیماری بہت عام ہوگئی ہے اوراکثر و بیشتر لوگ اِس حدیث کا مصداق بن گئے جس میں فرمایا گیا کہ ''اَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَهُ وعَقَّ أُمَّهُ وَاَدْنَیٰ صَدِيْقَهٗ وَاَقْصَیٰ أبَاهُ. (ترمذی شریف)

کہ لوگ زن مرید بن جائیں گے اوران کے کہنے پراپنی ماؤں کوٹکا سا جواب پکڑائیں گے اور ماں منہ بند اورآنکھیں کھلیں اس نافرمانی کو دیکھے گی۔ اس حدیث کے سیاق وسباق اوراشارۃ النص سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ ماحول اس قدر خراب ہوگا اور مال اورعورتوں کا شر اس قدر غالب ہوگا کہ مرد اپنی بیویوں کے اشارہ پرناچیں گے اور ماں باپ کی نافرمانی کریں گے۔ حضرت خطیب الاسلام اپنی ذات میں اعتدال وموزونیت کے اعلیٰ درجہ پرفائز تھے، بقول حضرت مولانا محمد سفیان صاحب:

> ''میں نے رشتوں کی حساسیت میں درجہ بدرجہ جس قدر شعور بھائی صاحب میں دیکھا بہت کم لوگوں کو اُتنا حساس اور باشعور پایا۔''[1]

> ''والدین کے ساتھ انتہائی تابعداری اور چھوٹی چھوٹی چیزوں کا خیال رکھنا، والدمحترم کے اسی طرح معمول میں داخل تھا جس طرح نماز فرض کی ادائیگی اورکبھی میں نے بھائی صاحب کو اپنی

[1] اس کتاب کے لکھنے کے دوران راقم الحروف کی حاضری ''طیب منزل'' میں حضرت مولانا محمد سفیان صاحب کی خدمت میں ہوئی اس دوران یہ تجزیہ ''رشتوں کی حساسیت'' کا سنایا۔

دادی اماں کے کام سے متخلف نہیں پایا اور نہ ہی حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں کوئی کوتاہی دیکھی، اکثر و بیشتر بھائی صاحب حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ سفر میں رہتے، ساؤتھ افریقہ، انگلینڈ، برما، پاکستان اور دیگر بہت سے اسفار ملکی وغیر ملکی اپنے والد کے ساتھ ہوئے۔'' ان اسفار میں حضرت خطیب الاسلام کو اپنے والد کو بہت قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا اور ان کی خدمت کا موقع میسر آیا اور بقول حضرت خطیب الاسلام کہ ''والد صاحب کے ساتھ سفر میں بہت کچھ سیکھنے کو ملا، سفر ایک ایسی چیز ہے جس سے ہمسفر کے ایک دوسرے پر جوہر آشکارا ہوجاتے ہیں اور ایک دوسرے کی ظاہری و باطنی صلاحیتوں کو پہچاننے کا موقع ملتا ہے، ان اسفار کے دوران والد گرامی قدر سے خوب استفادہ کا موقع ملا اور حضرت خطیب الاسلام نے بھی موقع کو غنیمت سمجھ کر مکمل حق خدمت ادا کرنے کی کوشش کی، اللہ کے فضل سے حضرت خطیب الاسلام کو اپنے والدین کی خدمت کا موقع ملا، جس کے نتیجہ میں حضرت اس مثل کا مصداق بنے ''ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد''

آج حضرت کی ہمہ گیر شخصیت کو مختلف زاویہ نگاہ سے دیکھنے والے کو بالآخر یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ حضرت خطیب الاسلام اپنے والدین کے سامنے تا زندگی ایسے مطیع وفرمانبردار بنے رہے جس کو حدیث میں ''الولد البّار''، مطیع وفرمانبردار اولاد کہا گیا۔

حضرت نے تا زندگی اپنی نرم کلامی ونرم مزاجی کا عملی ثبوت پیش فرمایا، جب آپ والدین سے مخاطب ہوتے تو نہایت نرمی کے ساتھ اور ان کی طرف عظمت ومحبت کی نگاہوں سے دیکھتے، جیسا کہ حدیث مبارک میں اس کا حکم فرمایا گیا ہے۔

''عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما اَنّ رَسُوْلَ اللہِ ﷺ قَالَ: مَامِنْ وَلَدٍ بَارٍّ یَنْظُرُ اِلَی وَالِدَیْہِ نَظْرَۃَ رَحْمَۃٍ اِلَّا کَتَبَ اللّٰہُ لَہُ بِکُلِّ نَظْرَۃٍ حَجَّۃً مَبْرُوْرَۃً وَاِنْ نَظَرَ کُلَّ یومٍ مِائَۃَ مَرَّۃٍ قَالَ نَعَمْ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَاَطْیَبُ'' (مشکوۃ ج۲ص۴۲۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی نیک اور دیندار شخص اپنے والدین کی طرف رحمت بھری نگاہ ڈالے گا تو رب کریم اس کو ایک مقبول حج کا ثواب عطا فرمائیں گے، صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا اگر کوئی شخص ایک

دن میں سو مرتبہ اپنے والدین کو محبت کے ساتھ دیکھے گا تو اس کو بھی ہر ہر نگاہ پر حج مبرور کا ثواب ملے گا؟

آپ نے فرمایا: "اللہُ اکبر واطیب" ہاں ہاں تمہارا رب اس سے بھی زیادہ عطا کرنے پر قادر ہے، اس کے لئے یہ کیا بڑی بات ہے۔"

یہی وجوہات ہیں جن کے سبب حضرت خطیب الاسلام کو اپنے والدین کی دعاؤں کا وافر حصہ نصیب ہوا اور دونوں جہاں کی سعادتیں میسر آئیں، بقول حضرت خطیب الاسلام:

"مجھے یاد نہیں ہے کہ میں نے اپنی زندگی میں دانستہ اپنے والدین کی نافرمانی کی ہو۔"[۱]

حضرت سالم میں جو خوبیاں پیدا ہوئیں
قوم کی نظریں جوان کے طرز کی شیدا ہوئیں
یہ حق آگاہی یہ خوش گوئی یہ ذوق معرفت
یہ طریق راستی خود داریِ بے تمکنت
اس کی شاہد ہیں کہ ان کے والدین ابرار تھے
باخدا تھے اہل دل تھے صاحب اسرار تھے
جلوہ گر انمیں انہیں کا ہے یہ فیض تربیت
ہے ثمر اس باغ کا یہ طبع عالی منزلت[۲]

صاحبزادگان کے ساتھ حسن سلوک

حق تعالیٰ شانہ نے تمام والدین پر یہ ذمہ داری عائد کی ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تربیت اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں ذرا سی بھی کوتاہی نہ کریں، ورنہ قیامت کے روز ان سے باز پرس ہوگی ارشاد نبوی ہے

"کُلُّکُمْ رَاعٍ وکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ، اَلرَّجل رَاعٍ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ وَالْمَرْأَۃُ فِیْ بَیْتِھَا رَاعِیَۃٌ وَھِیَ مَسْئُوْلَۃٌ عَنْ رَعِیَّتِھَا وَالْاِمَامُ رَاعٍ وَھُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ وان اللّٰہَ سَائِلُ کُلَّ رَاعٍ فَماَ اسْتَرْعاہ اِیَّاہُ.

---

۱ حضرت نے ایک مجلس میں اطاعت والدین پر گفتگو کرتے ہوئے راقم الحروف سے فرمایا تھا۔

۲ یہ اشعار اکبر آلہ آبادی کے ہیں اس میں سب سے پہلے مصرع میں لفظ "سالم" کو بدلا گیا، باقی مصرعے اسی طرح ہیں۔

تم میں سے ہر ایک شخص نگہبان و ذمہ دار ہے اور تم میں سے ہر شخص سے اس کے ماتحت لوگوں کے بارے میں پوچھا جائے گا، مرد نگہبان ہے اور اس سے اس کے ماتحت لوگوں کی بابت سوال کیا جائے گا اور اسی طرح عورت وہ بھی ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی نگہبانی اور ذمہ داری کے بارے میں پوچھا جائے گا اور امام بھی ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی نگہبانی اور اس کے متعلق لوگوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور ہر نگہبان سے اس کی نگہبانی کے بارے میں سوال فرمائیں گے۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا گیا: **''اُکْرِمُوْا اَوْلَادَکُمْ'' وأحسنوا أدبهم''**

(سنن ابن ماجۃ (کتاب الأدب))

اپنی اولاد کا حقیقی اور سچا اکرام یہ ہے ان کی جسمانی و دنیوی نشو ونما کے ساتھ ساتھ ان کی اصلاحی، اخلاقی، عملی اور دینی تربیت کا بھی اہتمام و انتظام کیا جائے، ماں باپ تربیت اولاد کی ایسی فکر کریں، جیسی حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی امت کی کیا کرتے ہیں۔ تربیت کے باب میں یہ باتیں راقم الحروف نے حضرت ہی کی مختلف مجالس میں سنیں اور سیکھیں ہیں۔

مفکر اسلام مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے دینی تعلیمی کونسل کے ایک اجلاس میں بڑی اہم بات ارشاد فرمائی تھی

''بچوں کا چھوٹی عمر میں مرجانا اس سے بہتر ہے کہ بچے صحیح تعلیم و تربیت سے محروم رہ کر بڑے ہوں اور خود بھی دوزخ کا ایندھن بنیں اور والدین کے لئے بھی دوزخ میں جانے کا ذریعہ بنیں۔''[1]

حضرت خطیب الاسلام کے یہاں حلم اور نرمی جیسی صفات کا چونکہ غلبہ رہا تو کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ یہ حلم و نرمی تربیت اولاد میں مخل بن گئی، کیونکہ حلم کے معنی نرمی کے نہیں، بلکہ بردباری کے ہیں جس کا مطلب یہ ہے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کسی کے ساتھ بھی تعامل میں خاص کر اہل خانہ اور ابنائے کرام کے ساتھ جلد بازی اور طیش میں آ کر فیصلے نہیں فرماتے تھے، بلکہ نہایت دانش مندی کے ساتھ اصلاحی پہلوؤں کی طرف توجہ دلاتے تھے۔ اور حضرت خطیب الاسلام کے نزدیک تربیت اولاد میں خلل ناقابل برداشت بات تھی۔ البتہ تربیت کرتے تھے حلم کے ساتھ، ایک جگہ عظمیٰ ناہید صاحبہ لکھتی ہیں:

---

[1] گلدستہ احادیث، ج سوم ص ۱۶۴، مفتی محمد شفیق بڑودوی

''وہ ایک جید عالم تھے اور ان کا اپنا ایک مقام تھا، لیکن نئی نسل کی چھوٹی موٹی خواہشات کا احترام کرتے تھے اور ان کی ہمت افزائی بھی فرماتے تھے۔''

امام راغب اصفہانی نے ایک واقعہ لکھا ہے کہ خلیفہ منصور نے بنوامیہ کے ارباب علم و دانش (طبقۂ علماء) کو قید سے رہا کرتے وقت دریافت کیا کہ تمہارے لئے جیل میں سب سے زیادہ نا قابل برداشت چیز کیا تھی؟ سب نے بالاتفاق جواب میں یہ بات کہی کہ ''خلیفہ نے ہم کو یکا یک قید کر دیا اور اتنی مہلت بھی نہ دی کہ ہم اپنے بچوں کی صحیح تعلیم وتربیت کے لئے کسی لائق استاد کا انتخاب اور انتظام کر سکیں، اتنے عرصے میں ہمارے بچے تعلیم وتربیت سے محروم رہے یہ تکلیف ہمارے لئے نا قابل برداشت تھی، رہی وہ تکلیفیں جو ہم نے قید خانے میں جھیلیں وہ ہمارے لئے کچھ زیادہ قابل التفات نہیں، اس لئے کہ ہم تو قید خانہ سے باہر ہوتے ہوئے اس سے بھی زیادہ جفاکشی کے عادی ہیں''۔[1]

بہر حال حضرت کی نرمی وشفقت یا مزاج میں حلم و برد باری کبھی بھی اولاد کی تعلیم وتربیت میں حارج نہیں ہوئی، بقول حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی ''اولاد کے ساتھ شفقت بھی تھی اور رعب بھی تھا، سختی نہیں تھی، تعلیم میں کوتاہی پر اور اسی طرح بداخلاقی پر اظہار ناراضگی فرماتے، طلباء اور اپنے فرزندان کی تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں آخری درجہ کی حساسیت دیکھی۔''

تعلیم وتربیت کے باب میں غایت درجہ حلم کے ساتھ یہ حساسیت، فکرمندی اور مسلسل جدوجہد اتباع سنت کا ایک عملی نمونہ تھا، کہ حضور ﷺ نے نسل نو کی اسلامی تربیت کے سلسلے میں جو ہدایات عطا فرمائیں اور بذات خود ان کا نمونہ پیش فرمایا وہ ایک وارث نبی کو اس سلسلے میں انتہائی حساس بناتی ہیں کیونکہ بعد میں یہی نسل نو امت کے مسائل کی ذمہ دار بنتی ہے، اسی لئے حقیقی وارثین انبیاء تربیت و اصلاح کے باب میں نہایت حساس اور فکرمند ہوتے ہیں۔ اولاد کی اصلاح وتربیت کی ایسی اہمیت و حساسیت کو اکبرالٰہ آبادی مرحوم نے اپنے خوبصورت اشعار کے ذریعہ واضح فرمایا۔

بیٹے کو لوگ کہتے ہیں آنکھوں کا نور ہے
ہے زندگی کا لطف تو دل کا سرور ہے
گھر میں اسی کے دم سے ہے ہر سمت روشنی

[1] تربیت اولاد، ص!۱۵۹۔

نازاں ہے اس پہ باپ تو ماں کو غرور ہے
خوش قسمتی کی اس کو نشانی سمجھتے ہیں
کہتے ہیں یہ خدا کے کرم کا ظہور ہے
اکؔبر بھی اس خیال سے کرتا ہے اتفاق
اس کا بھی ہے یہ قول کہ ایسا ضرور ہے
البتہ شرط یہ ہے کہ بیٹا ہو ہو نہار
مائل ہو نیکیوں پہ برائی سے دور ہو
سنتا ہو دل لگا کے بزرگوں کی پند کو
وقتِ کلام لب پہ جناب و حضور ہو
برتاؤ اس کا صدق و محبت سے ہو بھرا
اس میں نہ ہو فریب نہ کچھ مکرو زور ہو
افکار والدین میں ہو دل سے وہ شریک
ہمدرد ہو معین ہو اہل شعور ہو
رکھتا ہو خاندان کی عزت کا وہ خیال
نیکوں کا دوست صحبت بد سے نفور ہو
کسبِ کمال کی ہو شب و روز اس کو دُھن
علم و ہُنر کے شوق کا دل میں وفور ہو
لیکن ان صفات کا جو مطلق نہیں پتا
اور پھر بھی ہے خوشی تو خوشی کا قصور ہے

ایک مجلس میں راقم الحروف نے حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی سے دریافت کیا کہ حضرت اپنے گھر میں بچوں میں کسی کو خلاف شریعت کام میں ملوث دیکھتے تو حضرت کا اس وقت کیا طرز عمل ہوتا؟ فرمایا کہ:

''بھائی صاحب کا طرز عمل اس وقت دیگر لوگوں سے مختلف ہوتا آپ ڈانٹ ڈپٹ، ٹوکنے اور لعن طعن کرنے کے بجائے خاموش اظہار ناراضگی فرماتے اور گھر میں دوران گفتگو ایسے جملے

بولتے جن سے اظہار بیزاری و ناراضگی کے ساتھ ساتھ خلاف شریعت کام میں ملوث شخص کی اصلاح بھی ہوجاتی اور احساس ندامت بھی پیدا ہوجاتا، دوسرا کام بھائی صاحب ایسے موقع پر یہ کرتے کہ سیرت ﷺ، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اپنے اسلاف کے واقعات خاص کر اکابر دارالعلوم کے دلچسپ واقعات، یا دوران سفر پیش آنے والے واقعات حسب ضرورت بغرض اصلاح سناتے، جن کے دوررس اثرات مرتب ہوتے۔ پھران واقعات میں بھی ایسا حسن انتخاب کہ تیر بہدف کام کرتے، میں نے کسی کو اس قدر بلیغ پیرائے میں منکر پر نکیر کرتے ہوئے نہیں دیکھا۔''

ابنائے کرام واحفاد اور دیگر اولاد کے درجے میں آنے والے افراد کی اصلاح کے باب میں حضرت مولانا سفیان صاحب کے حضرت خطیب الاسلام کے بارے میں یہ تاثراتی عظیم الشان جملے باب تربیت واصلاح میں ہزارہا صفحات پر بھاری ہیں کہ اصلاح وتربیت کے باب میں سب سے زیادہ مضراثرات برملا اپنے چھوٹوں کو ٹوکنے اور لعن طعن کرنے سے ہوتے ہیں اور بچوں کی ذہنی نشو ونما رک جاتی ہے، یہ بات حضور ﷺ کے طریقہ تربیت واصلاح کے خلاف ہے، کیونکہ حضور ﷺ کا طریقہ تربیت رحمت ورافت اور حلم ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ جب کوئی واقعہ نامرضیہ پیش آئے تو اس وقت ایک دم ردعمل کرنے کے بجائے، سوچ سمجھ کر اور انتہائی دانش مندی کے ساتھ ردعمل کرنا چاہئے، یہ عمل اگرچہ مشکل ہے، لیکن اس کے بے انتہا خوبصورت اور دیرپا اثرات ظاہر ہوتے ہیں اور چھوٹوں کو مربی کی ذات پر اعتماد ہوتا ہے۔ دراصل طیش اور تہور حلم کے متضاد ایک انسانی مذموم صفت ہے۔ اس کے برخلاف جس شخص میں حلم پایا جاتا ہے اس کو ترقی کرنے اور آگے بڑھنے سے کوئی نہیں روک سکتا، اور دیکھنے والے اور حضرت کے ساتھ جن کے معاملات ہوئے وہ سب یہ جانتے ہیں کہ حلم کی صفت حضرت خطیب الاسلام کی شخصیت کی علامت بن چکی تھی کہ حضرت کا سراپا ذہن میں آتے ہی علم، معلمیت اور حلم کا تصور ذہن میں ابھرتا تھا اور چہرے پر نظر پڑتے ہی اطمینان اور راحت کا احساس ہوتا۔ حضرت کا یہ بھی خصوصی وصف تھا کہ وہ اپنے چھوٹوں کی بھی رائے کا اہتمام فرماتے تھے، اور کسی بھی معاملے میں ان کو دلیل سے قانع کرنے کی کوشش کرتے۔

بہرحال غیر شرعی امور پر اس طرح نکیر فرماتے کہ اظہار ناراضگی بھی ہوجاتی اور اس کی اصلاح بھی ہوجاتی۔

صاحبزادیوں کے ساتھ حسن معاشرت

حضرت خطیب الاسلام کا اپنی صاحبزادیوں کے ساتھ انتہائی مشفقانہ برتاؤ رہتا، اپنی صاحبزادیوں سے بعض اہم امور میں مشورے کرنا، ان کو مجلسوں میں شریک کرنا اور ان مجالس کے ذریعہ ان کی تربیت کرنا، ان کو اسلاف کے واقعات سنا کر باعزم بنانا، ان کے الجھنے اور ذہنی انتشار کے وقت ان کے جذبات کی آبیاری کرنا، تاکہ کسی طرح کے ذہنی تناؤ کا شکار نہ ہونے پائیں، ان کی معمولی معمولی ضروریات کا خود خیال رکھنا، ان کی گفتگو کو متانت، وقار، سنجیدگی اور نرمی سے سننا، مزید برآں واقعاتی تناظر میں ان کی اسلامی تربیت اور ان سب سے بڑھ کر نرم کلامی و نرمی گفتار کا خوگر بنانا بقول حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی مدظلہ العالی:

> ''بھائی صاحب کی زندگی آیت شریفہ ﴿فَبِمَا رَحمَة مِنَ اللّٰه لنت لهم﴾ (سورۂ آل عمران: ۱۵۹) کی گویا عملی تفسیر تھی، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ ہم سب بہن بھائیوں میں اور بھائی صاحب میں کبھی کوئی خلاء اور ایسی دوری نہیں ہوئی کہ ہم اپنی جائز بات بھی اپنے بھائی صاحب سے نہ کہہ سکیں اور بحمد اللہ کبھی احترام و ادب میں ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔

زبان کی حفاظت کے سلسلے میں بھائی صاحب خاص طور پر تاکید فرماتے۔ حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی کے اس قول پر کہ ''بھائی صاحب زبان کی حفاظت کے تعلق سے خاص طور پر تاکید فرماتے، مجھے دو شعر یاد آرہے ہیں جن میں ایک شعر حضرت امام شافعی کا ہے اور دوسرا شعر شاعر مشرق علامہ اقبال کا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اِحْفَظْ لِسَانک أیُّهَا الاِنْسَانُ
لَایَلْدَ غَنَّکَ انَّهُ ثُعْبَانُ[1]

اے انسان! زبان کی حفاظت کر، یہ تجھے ڈس نہ لے کیونکہ یہ ایک اژدھا ہے۔

اور علامہ اقبال فرماتے ہیں:

---

[1] دیوان امام شافعیؒ۔

پاک رکھ اپنی زبان تلمیذِ رحمانی ہے تو
ہو نہ جائے دیکھنا تیری صدا بے آبرو[1]

انہوں نے ایک بات خاص طور پر مزید بتائی کہ جس طرح بھائی صاحب بیٹیوں کے حقوق کے تعلق سے خود خیال رکھتے اسی طرح ہم سب بھائیوں کو خاص طور پر تاکید فرماتے کہ "اپنی بہنوں کا بہت خیال رکھا کرو۔"

یہ جملہ مختصر ہے مگر انتہائی اہم اور جامع ہونے کے ساتھ ساتھ سبق آموز بھی ہے، خاص طور پر ہمارے ہندوستانی معاشرہ میں یہ اس لئے اہم ہے کہ ہمیں بیٹیوں کے حقوق کا پتا ہی نہیں اور چونکہ حقوق بنات کا علم نہیں اس لئے ہم ان کے حقوق کو ادا کرنے میں نہ صرف کوتاہ ہیں بلکہ ظلم پر تلے ہوئے ہیں۔

حضرت خطیب الاسلام بچیوں کی تعلیم کے سلسلے میں بہت متحمس تھے، بقول متکلم اسلام حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ: "بھائی میاں"[2] بچیوں کی تعلیم کے سلسلے میں بہت غیور اور بہت کوشاں رہتے ہیں اور اس کے لئے ابتدائی مرحلے میں بھائی میاں نے "جامعہ دینیات اردو دیوبند" جیسے عظیم ادارہ کا قیام فرمایا، جس میں جدید ترین مراسلاتی تعلیمی طریقے پر غریب گھرانوں اور پردہ نشین لڑکیوں کی دینی تعلیم کے زبردست مسئلے کو آسان اور انتہائی کم خرچ بنا کر پوری کامیابی سے حل کر دیا۔[3] حضرت کی اس عظیم تعلیمی کاوش کی طرف عظمیٰ ناہید صاحبہ نے بھی اپنے مضمون میں لکھا ہے، وہ لکھتی ہیں:

"خود انہوں نے ۱۹۶۶ء میں جامعہ دینیات کے نام سے مراسلتی کورس کے لئے ایک دینی تعلیمی نصاب تیار کیا، جس کے تحت ہندوستان بھر میں امتحانات کے مراکز قائم کئے گئے، اور ہزاروں بچوں اور بچیوں نے اس سے دینی تعلیم حاصل کی، یہی نہیں اس نصاب کو ہندوستان کی کئی یونیورسٹیز میں رجسٹر کرانا ان کا بڑا کارنامہ تھا۔"

---

[1] کلیات اقبال۔

[2] "بھائی میاں" حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد سالم قاسمی کو کہتے تھے۔

[3] راقم الحروف اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ حضرت متکلم اسلام حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی کی خدمت میں حاضر ہوا، تو دوران گفتگو بچیوں کی تعلیم کا تذکرہ ہوا حضرت خطیب الاسلام کے اس کارنامہ کا تذکرہ مندرجہ بالا الفاظ میں فرمایا۔

جہاں اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ لڑکیوں کی تعلیم میں کس قدر غیور واقع ہوئے تھے اور اس کے لئے عملی اقدام بھی فرمایا تھا، وہیں آپ کی بصیرت افروز نگاہ نے یہ محسوس کرلیا تھا کہ قوم کو اگر تعلیم یافتہ بنانا ہے اور اس کو ترقی سے ہمکنار کرنا ہے تو قوم کی بیٹیوں کو جہالت کے اندھیرے سے نکال کر ان کو تعلیم کی حقیقت اور اس کے فوائد سے روشناس کرانا ہوگا، تب جا کر بعد میں پوری قوم کو جہالت کے اندھیروں سے نکالا جاسکتا ہے، اس کے لئے حضرت نے ادارۂ دینیات دیوبند قائم فرما کر دانشوران قوم وملت کو یہ پیغام دیا تھا کہ خواتین اسلام بھی اپنی اقدار وقیم کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اعلیٰ دینی تعلیم گھر بیٹھے حاصل کرسکتی ہیں، جو اپنے آپ میں ایک نہایت انقلابی قدم تھا، جس کے بعد میں بڑے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے، حضرت مستقل مسلمانوں کو جگہ جگہ جا کر اس پر ابھارتے کہ ایسے اداروں کا قیام عمل میں لاؤ جس میں نظام تعلیم آپ کا اپنا ہو اور اس نظام سے مستفید ہونے کی سب کو اجازت ہو۔ بغیر کسی مذہب وملت کی قید کے۔

حضرت خطیب الاسلام اپنی ایک علمی مجلس میں خواتین کی تعلیم کے متعلق فرماتے ہیں:

''گذشتہ دوصدیوں سے زیادہ کی طویل مدت میں مسلم معاشرے میں برپا یہ المناک صورتحال کسی دلیل کی محتاج نظر نہیں آتی، کہ امت مسلمہ کا نصف یعنی عورتوں و نہ صرف ہر قسم کی تعلیم سے محروم رکھا گیا، بلکہ تعلیم سے عورتوں میں فقدان حیا کے اخلاق سے گرے ہوئے، موہوم اور لایعنی احتمالات کو زبردستی کے بے معنی دلائل سے مدلل بھی کیا جاتا رہا ہے، حتی کہ مسلم معاشرے کی اکثریت ان ہی گھرانوں پر مشتمل تھی کہ جہاں عورتیں ''قرآن کریم'' تک پڑھی ہوئی نہیں ہوتی تھیں، اور اگر نماز کی وجہ سے چند سورتیں انہیں یاد کرادی گئیں تو اس کو گھرانے کی ترقی پسندی کے طور پر ذکر کیا جاتا تھا، سادہ لوح خواتین میں تو علم وتعلیم کا احساس بھی اس قدر مردہ ہوچکا تھا کہ انہیں اپنی جہالت پر قناعت میسر آ گئی تھی۔ لیکن فطری طور پر ذکاوت وذہانت کے ساتھ علم کا شوق رکھنے والی لڑکیاں بزرگان خاندان کی نگاہوں سے چھپ چھپ کر آگے کچھ لکھنا پڑھنا سیکھ لیتی تھیں تو اپنی اسی شدھ بدھ کو بڑھانے کے لئے معمولی کتابوں کا حاصل کرنا بھی جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوتا تھا۔ اس طویل دور میں مسلم معاشرے میں عورتوں کو جہالت زدہ رکھنا کوئی اتفاقی بے توجہی کا نتیجہ نہیں تھا، بلکہ عورت کو عائلی زندگی میں ایک ایسی حقیر اور خادمانہ حیثیت میں رکھنے مزطوے کے تحت تھا کہ وہ کسی بھی مسئلے میں اپنی رائے کے ذریعے

دراندازی کی ہر صلاحیت سے محروم رہ کر گھر کے مقررہ خادمانہ فرائض میں زندگی گذار کر دنیا سے رخصت ہوجائے۔“[1]

مذکورہ بالا اقتباس سے معلوم ہوا کہ حضرت رحمۃ اللہ خواتین کی تعلیم وتربیت کے باب میں کس قدر فکرمند اور حساس تھے، اور عورتوں کو جاہل رکھنے کے مذموم عمل کو ایک جاہلانہ سوچ کی افتاد بتلارہے ہیں۔

یہ آپ کی تربیت ہی ہے کہ آپ کی صاحبزادیاں مستقل تعلیمی نظام سے وابستہ رہ کر خواتین میں تعلیمی بیداری کا عظیم کارنامہ انجام دے رہی ہیں۔

حضرت کی فیض صحبت اور تربیت کا اثر دونوں صاحبزادیوں کے خود اپنے تعامل میں واضح ہے کہ دونوں انتہائی خوش مذاق اور سلیقہ مند، مختصر ترین جملوں میں اپنے مافی الضمیر کو اداء کرنے کی صلاحیت، بوقتِ مصیبت ہراساں وپریشان نہ ہونا، فصیح وبلیغ زباں شیریں گفتار، نرم مزاج، حلیم الطبع، بردبار اور مخیّر ورحم دل واقع ہوئی ہے۔

ایک اور جگہ عظمیٰ ناہید صاحبہ اپنے والد گرامی کی ایک بہت خوبصورت خصوصیت کی طرف اشارہ فرماتی ہوئی رقم کناں ہیں:

”بھائی صاحب روایات کے پابند تھے، لیکن صرف ان روایات کے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق ہوں، ان کے مزاج میں صلابت تھی لیکن اس کا اظہار اس وقت ہوتا جب کوئی ملی مسئلہ درپیش ہو، ورنہ وہ اپنی صلابت کے باوجود نہ تو کسی کا دل دکھاتے تھے اور نہ بے جا سختی کر کے دوسروں کو زحمت میں ڈالتے تھے۔“

مولانا سفیان صاحب فرماتے ہیں:

”بیٹیوں کے حقوق کو اکثر ہمارے سامنے ناصحانہ کلمات و واقعات کے طور پر بیان فرماتے، یہ حقوق کا بیان اس لئے تھا کہ ہماری تربیت ہوجائے اور ہم لوگ اپنے اوپر عائد ہونے والے فریضہ ”یعنی حقوق خواہران“ سے تغافل نہ برتیں۔ جو ہمارے معاشرہ کا ایک عظیم گناہ ہے۔“

---

[1] مجالس خطیب الاسلام

برادران اور دیگر عزیز واقارب کے ساتھ حسن تعامل

حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے جس طرح اپنے اہل خانہ کے ساتھ اتباع نبوی میں حسن معاشرت کوملحوظ رکھا، اسی طرح قریب دور دور کی عزیز داریوں اور رشتہ داریوں کونبھانے اوران کے ساتھ حسن سلوک میں اتباع سنت کوملحوظ خاطر رکھا۔

چنانچہ اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ انتہائی شفقت وصلہ رحمی اوران کے جذبات کے احترام کا ملحوظ خاطر رہنا آپ کی عادت تھی، یہی وجہ تھی کہ چھوٹے بہن بھائی آپ کے نام کوتسلی گاہ وجائے پناہ سمجھتے تھے، سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک حدیث میں بیان فرمایا کہ جوشخص صلہ رحمی کرے گا اس کے لئے تین قسم کی بشارتوں کا اعلان ہے(۱) خاندان میں اس کی محبت عام ہوتی ہے (۲)اس کے مال میں ترقی اور برکت ہوتی ہے(۳)اس کی عمر میں اضافہ ہوتا ہے۔

حدیث میں بیان کردہ صلہ رحمی کے تینوں فوائد وثمرات کا مشاہدہ حضرت کی زندگی میں دیکھا گیا، آپ کے مال میں برکت، خاندان میں آپ سے قلبی محبت بلکہ یہ محبت مقبولیت کی حدتک دیکھی گئی اور بحمد اللہ عمر میں برکت بھی ملی۔

یہ تو اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ صلہ رحمی اور شفقت ومحبت کا معاملہ تھا، دور دور کی عزیز داریوں کو بذات خود حضرت خطیب الاسلام نبھاتے اور یہ نبھانا کسی ذاتی اغراض کی خاطر ہرگز نہیں تھا،

اس جگہ ایک واقعہ کا تذکرہ کرتا چلوں کہ جب راقم الحروف نے حضرت خطیب الاسلام کے حکم پر اپنے خاندان کا شجرہ بعنوان ''شجرۂ خاندان صدیقی نانوتہ'' مرتب کیا تو ''علم انساب اوراس کا پس منظر'' کے عنوان سے بطور تمہید ایک مختصر مضمون لکھا، اس مضمون میں ایک واقعہ ابوداؤد الطیالسی کے حوالے سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نقل کیا ہے، وہ واقعہ یہ ہے کہ

''حَدَّثَنَا اسحَاقَ بنُ سَعِيدٍ قَالَ حَدَّثَنِيُ أبِيُ قَالَ: كُنُتُ عِنُدَ ابنِ عَبَّاس رضى الله عنهما فَأتَاهُ رَجُلٌ فَسَأَلَهُ مَنُ أَنُتَ؟ قَالَ: فَمُتَّ لَهُ بِرَحِمٍ بَعِيُدَةٍ فَأَلَانَ لَهُ الُقَوُلَ، وَقَالَ: قالَ رَسُوُلُ اللهِ صَلَى الله وَعَليه وسلم: اِعُرِفُوُا أَنُسَابَكُمُ تَصِلُوُا اَرُحَامَكُمُ فَانَّهُ لَا قُرُبَ بِالرَّحِمِ اذَا قُطِعَتُ وَانُ كَانَتُ قريبةً، وَلَابُعُدَ لِهَا اِذَا وَصَلَتُ وانُ كَانَتُ بَعِيُدَةً''(رواہ ابوداؤد الطیالسی)

''اسحاق بن سعید کہتے ہیں کہ میرے والد سعید نے مجھ سے بیان کیا ہے کہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں ایک صاحب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے پوچھا کہ تم کون ہو انہوں نے آپ سے اپنی دور پرے کی رشتہ داری بتائی، تو حضرت ابن عباسؓ نے ان سے مزید نرمی کے ساتھ گفتگو فرمائی، اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک حدیث کے حوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی نقل فرمایا کہ:

''اپنے نسبوں کو پہچانو اور صلہ رحمی کرو، اس لئے کہ اگر قطع رحمی کی جائے تو پھر کسی طرح کا قرب اور تعلق باقی نہیں رہتا اگر چہ رشتہ داری کتنی ہی قریبی کیوں نہ ہو اور جب صلہ رحمی کی جاتی ہے تو کسی بھی رشتہ داری میں کوئی دوری نہیں رہتی چاہے رشتہ داری دور پرے ہی کی کیوں نہ ہو۔''

حضرت رحمۃ اللہ نے اس واقعے کو پڑھا اور اس عاجز سے بار بار فرمایا: ''حضرت عبداللہ بن عباس کا یہ مبارک عمل قرآن وحدیث کے کس قدر موافق ہے، سبحان اللہ۔''

اس جملے سے معلوم ہوا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مزاجا کس قدر رشتہ داریوں کو جوڑنے کے لئے متحمس تھے، کیونکہ انسان کس چیز کو پڑھنے یا دیکھنے کے بعد اس کی اس چیز کو سراہتا ہے جو اس کو پسند آئی ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ہم نے اپنے آشیانے کے لئے
جو چبھے دل میں وہی تنکے لئے

حضرت سے راقم الحروف کی عزیز داری والدہ کی طرف سے ہے، والدہ کی نانی اماں جن کا نام امت الرحیم تھا اور آپا بڑی کے نام سے مشہور تھیں رامپور منیہاران کی رئیس زادی اور محل کی بیٹی تھیں یہ اور حضرت خطیب الاسلام کی والدہ محترمہ سگی تائے اور چچا زاد بہنیں تھیں، انہوں نے اس رشتہ کو تازندگی ایسا نبھایا کہ بہنیں بھی شاید اس انداز سے نہ نبھا سکیں، پھر بعد میں اس رشتہ داری کو ان کی اولاد حضرت خطیب الاسلام کے خانوادہ نے راقم الحروف کی نانی اماں سے اسی طرح برقرار رکھا۔

حضرت خطیب الاسلام نے ایک مجلس میں مجھ سے فرمایا کہ صلہ رحمی کرنا بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح کہ نماز، روزہ، زکوۃ اور حج فرض ہے، پھر ترمذی شریف کی یہ حدیث سنائی:

'' عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلم'' ''اِنَ اللّٰهَ أَمَرَنِىْ بِمُدَا رَاةِ النَّاسِ كَمَا أَمَرَنِىْ بِاِقَامَةِ الْفَرَائِضِ'' (الترمذی)

کہ اللہ نے مجھے لوگوں کے ساتھ رکھ رکھاؤ کا اسی طرح حکم دیا ہے جس طرح کہ مجھے فرائض کے قائم کرنے کا حکم فرمایا۔

رکھ رکھاؤ اور ''مداراۃ الناس'' پر اس رکھ رکھاؤ میں اعلی ظرف اور وسعت ظرف کا حال یہ ہے کہ سخت سے سخت دشمن کے ساتھ بھی اپنے معیار کو اخلاقی اعتبار سے اس قدر بلند رکھا کہ برا کہنے والوں کی گردنیں ان کی بلندیٔ فکر، وسعت اخلاق، اعلی ظرفی اور حلم کی وجہ سے ان کے سامنے جھکی ہوئی نظر آتی ہیں۔

جب صلہ رحمی کی بات آتی ہے اور حضرت کی شخصیت کو دیکھتے ہیں، تو آپ کی ذات اسوۂ حسنہ کی عملی تصویر نظر آتی ہے، انسان بدعملی، شکوک وشبہات، معاشرتی کرب، معاشی تنگی، قرابت میں دوری، وراثت میں حق تلفی، دوستی واخوت کا فقدان، روابط وتجارت میں بگاڑ، تعلیم وتربیت میں فساد کا شکار جب ہی ہوتا ہے جب وہ اپنے اصل محور یعنی قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے صرف نظر کرتا ہے، پھر اس کے نتیجہ میں اس کی ذات طرح طرح کے سوالات، اعتراضات، شبہات اور مزید تلبیسات کا محور بن جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت فرماتے ہیں کہ ''تمام مراحل حیات میں اطمینان بخش زندگی کا حصول اتباع سنت میں مضمر ہے۔'' قرابت داری کو نبھانے کے تعلق سے مجھے ایک واقعہ یاد آ گیا، میں اور بھائی جان ابھی کچھ روز قبل علیگڑھ حاضر ہوا، اسی موقعہ سے حضرت خطیب الاسلام کی ہمشیرہ زادی محترمہ جناب شہناز کنول صاحبہ کے آفس میں حاضری ہوئی، تو انہوں نے ہمیں حضرت کی خانگی زندگی سے متعلق بہت اہم باتیں بتلائیں، اور یہ بھی بتلایا کہ اگر ملاقات ہوئے کافی دن ہوجاتے، تو خود فون آجاتا، اور سلام کرنے کے بعد فرماتے کہ علیگڑھ میں ہماری ایک بھانجی رہتی ہے، ہمیں اس سے بات کرنی ہے، (یعنی اس طرح میرے ساتھ مدارات فرماتے) میں کہتی کہ ماموں صاحب میں بات کر رہی ہوں، تو فرماتے بیٹے بہت روز سے تم آئیں نہیں میں کہتی ماموں صاحب بتلائیں کہ میں کب آؤں، فرماتے بس جلدی آجاؤ، میں کہتی ابھی آجاؤں، فرماتے بیٹا ابھی آجاؤ، علیگڑھ جب بھی تشریف لاتے، والدہ کے پاس، باوجود مصروفیت کے ضرور آتے۔ اور جب میں دیوبند حاضری دیتی تو انتہائی خوشی کا اظہار فرماتے۔

حضرت کی اہل خانہ کو کچھ مخصوص نصیحتیں

حضرت خطیب الاسلام نے اپنے اہل خانہ کو کچھ مخصوص نصیحتیں فرمائیں تھیں، جن پر عمل کے لئے تمام اہل خانہ کو خاص تاکید فرماتے اوران کی خلاف ورزی پر اپنے مخصوص لب ولہجہ سے اظہار ناراضگی بھی فرماتے۔

(۱) پابندئ اوقات کا حکم

پابندئ اوقات کا خود بہت لحاظ فرماتے اور گھر والوں کو بھی اس پر مواظبت کرنے کی خاص تاکید فرماتے، صاحبزادی محترمہ عظمیٰ صاحبہ نے یہ بھی لکھا ہے:

’ان کی زندگی میں وقت کی پابندی کی بڑی اہمیت تھی، اگر کسی سے کسی خاص وقت میں ملنے کا وعدہ کر لیتے یا کہیں جانا ہے، تو اس میں ذرا سی دیر بھی انہیں انتہائی ناگوار گذرتی تھی۔‘‘

اس سلسلے میں حضرت کے بے شمار واقعات ہیں، جو حضرت کے تلامذہ نے دوران سفر راقم الحروف کو سنائے، ان ہی واقعات میں سے ایک واقعہ کا تذکرہ کرتا چلوں، حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی فرماتے ہیں:

’’ایک مرتبہ میں بھائی صاحب کے ساتھ دہلی سے دیوبند آرہا تھا کچھ اور لوگ بھی ہمارے ساتھ تھے، جب گاڑی مظفرنگر سے گذر رہی تھی تو میں نے برسبیل استدعا بھائی صاحب سے کہا کہ مجھے پانچ منٹ کا مظفرنگر میں کام ہے، میں فوری طور پر پانچ منٹ میں اپنا کام کرکے ابھی آتا ہوں، بھائی صاحب نے مجھے اجازت دیدی وہاں مجھے پانچ منٹ سے کچھ زائد وقت لگ گیا، میں جو واپس آیا تو بھائی صاحب اور دیگر لوگ دیوبند کے لئے روانہ ہو چکے تھے، حالانکہ مجھے اپنے وقت مقررہ سے پانچ منٹ زائد ہی ہوئے تھے گاڑی جا چکی تھی، میں مظفرنگر سے بذریعہ بس واپس ہوا تو اظہار بیزاری کرتے ہوئے فرمایا کہ:

’’یہ زندگی کے پانچ منٹ بڑی اہمیت کے حامل ہیں، قیامت کے روز ان لمحات کا حساب دینا ہوگا، قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَايَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَاءَ كُمُ النَّذِيْرُ﴾ (سورة الفاطر: ۳۷)

مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم نے یہ واقعہ سنا کر فرمایا کہ ’’بھائی صاحب نے

مواظبت اور محافظت اوقات پر ہماری تربیت فرمائی۔‘‘

انھوں نے ایک بات مزید بتائی کہ بھائی صاحب سے اگر کوئی یہ کہتا کہ حضرت! میں ابھی پانچ دس منٹ میں آرہا ہوں تو اس سے فرماتے ایک وقت بتاؤ، پانچ یا دس، کیونکہ آپ کی زندگی میں پانچ منٹ کی بڑی اہمیت ہے۔

بقول شاعر:

ہر لمحہ یہاں جہدِ مسلسل کا ہے پیغام
اے تنگِ طلب وقفۂ راحت سے گذر جا

(۲) معاملات لکھنے کا اہتمام

حضرت خطیب الاسلام قرآن کریم کی اس آیت ﴿وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللهُ﴾ (سورۃ البقرہ: ۲۸۲) پر خود بھی ہمیشہ عمل پیرا رہے اور دیگر لوگوں کو بھی خاص طور پر اپنے گھر والوں کو اس پر عمل کی خاص تاکید فرماتے، چھوٹے چھوٹے معاملات لکھتے اور کبھی ان اہم واقعات کو قلمبند کرتے، تاکہ گھر والوں کا مزاج ان واقعات اور معاملات کو لکھنے کا بنے، اس سلسلے میں مولانا محمد سفیان قاسمی نے راقم الحروف کو حضرت کا معمول بتایا کہ جب کبھی ہم بہن بھائیوں کو پیسوں کی ضرورت پڑتی تو بھائی صاحب سے کہتے اور بھائی صاحب دیتے وقت ان پیسوں کو اور قرض کے اس لین دین کو ایک پرچہ پر لکھوا لیتے، جب ہم واپس لوٹاتے تو وہ پرچہ پھاڑ دیتے، اور آخر میں یہ جملہ فرماتے کہ قرآن کریم کا حکم ہے لین دین کو ضرور لکھ لیا کرو۔

حضرت کا یہ معمول ہم لوگوں کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے اور عامۃ المسلمین کے لئے اس میں چشم کُشائی بھی ہے، اس لئے کہ معاملات لکھنے سے تمام بدمعاملگیوں سے بچنے کی راہیں ہموار ہوسکتی ہیں، اور بعد میں ہر قسم کے کاروباری جھگڑوں سے بچا جاسکتا ہے۔

راقم الحروف[1] نے حضرت کے اس معمول کو سن کر اپنی چھوٹی چھوٹی باتوں کو لکھنے کا خاص اہتمام کیا، خاص طور پر وہ امور جن کا تعلق معاملات سے ہے، بحمد اللہ مجھے بذات خود اس کا بہت فائدہ ہوا اور ایسا محسوس ہوا کہ میری زندگی کے شب وروز مرتب سے ہونے لگے ہوں۔

[1] راقم الحروف سے جو عبارت شروع ہورہی ہے یہ عبارت مسجد نبوی میں بیٹھ کر لکھی گئی۔

(۳) ایفائے عہد کی خاص تاکید

حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی مدظلہ العالی فرماتے ہیں:

''گھر والوں کو ایفائے عہد اور کئے گئے وعدوں کو پورا کرنے کی خاص تاکید فرماتے اور ایفائے عہد سے متعلق آیات واحادیث اور واقعات سنا کر تربیت فرماتے۔

ایفائے عہد سے متعلق آیات، احادیث نبویہ اور واقعات سلف صالحین سنا کر ایفائے عہد کا مزاج بناتے اور نبی کریم ﷺ کے ایفائے عہد سے متعلق ارشاداتِ عالیہ سنا کر اس کی تاکید فرماتے، کبھی سیرت طیبہ کے واقعات سناتے غرض یہ کہ بھائی صاحب اس سلسلے میں بے انتہا غیور واقع ہوئے تھے۔''

حدیث میں آتا ہے کہ ''لاایمان لمن لاأمانة له ولا دین لمن لا عهد له'' اس عاجز سے حضرت خطیب الاسلام نے سورۃ بقرہ کی دو آیتوں کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ''بنی اسرائیل سے زبردستی اخذ عہد اور ایفائے عہد کرایا گیا اور نقض عہد کی صورت میں ان پر کوہ طور کو اٹھالیا گیا۔'' ارشاد فرمایا گیا:

﴿واِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَا اٰتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوْا مَافِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (سورة البقرة: ٦٣)

اور دوسری آیت میں ''واذ کروا'' کی جگہ ''واسمعوا'' فرمایا گیا، اس کے بعد حضرت نے فرمایا: جن کو وعدہ کا یعنی ایفائے عہد کا انتہائی پابند بنایا گیا تھا ان کی پہچان نقض عہد اور عہد کو توڑنا بن گئی اور جس قوم کی پہچان قرآن نے نقض عہد ''فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِيْثَاقَهُمْ'' فرما کر بیان کی تھی آج ایفائے عہد ان کا شعار بن گیا اور ان کے یہاں نقض عہد ایک انتہائی ناقابل معافی جرم قرار دیدیا گیا۔

چنانچہ اسی ایفائے عہد کے تعلق سے حضرت مولانا سفیان صاحب قاسمی نے ایک واقعہ سنایا: مولانا فرماتے ہیں:

''بھائی صاحب کا ہمیشہ ایک مزاج رہا کہ جس کو جو وقت دیدیا اور پروگرام کی جو تاریخ دیدی، اس سے متخلف نہ ہوتے اور نہ اس میں ردوبدل فرماتے۔ مدرسہ نورالاسلام میرٹھ کا واقعہ ہے، اس مدرسہ کے سالانہ پروگرام میں بھائی صاحب بڑے اہتمام اور پابندی سے شرکت فرماتے اور ذمہ داران مدرسہ بھی بھائی صاحب کے تاریخ دینے کے بعد ہی اپنے مدرسے کے سالانہ

پروگرام کی تاریخ متعین کرتے، ایک مرتبہ حسب معمول ان حضرات کو تاریخ دیدینے کے بعد بھائی صاحب کا انگلینڈ کا سفر تھا، وہاں پر جتنے دن کے لئے تشریف لے گئے تھے ان میں دینی، دعوتی اور تعلیمی تقاضے پورے نہ ہوسکے اس لئے وہاں کے لوگوں نے اصرار کیا کہ حضرت ہمیں آپ کا مزید وقت درکار ہے، ہماری ضرورت بھی ہے اور تشنگی بھی بہت ہے، لیکن مجبوری یہ تھی کہ حضرت نے وہ تاریخ جن میں انگلینڈ والے اصرار کر رہے تھے ہندوستان میں میرٹھ والوں کو دے رکھی تھی، اس لئے فوراً حضرت نے معذرت کرلی کہ میں تاریخ دے چکا ہوں، اس میں ردوبدل ممکن نہیں، اس پر ان حضرات نے یہ صورت حضرت کے سامنے رکھی کہ حضرت ایک دن کے لئے آپ ہندوستان ہوکر واپس تشریف لے آئیں مگر ہمیں انکار نہ کریں، اس پر حضرت نے ان کی اس درخواست کو منظور کرلیا اور اسی اعتبار سے سفر کی ترتیب بن گئی، چنانچہ بھائی صاحب ایک دن کے لئے انڈیا تشریف لائے اور مدرسہ نورالاسلام کے سالانہ پروگرام میں شرکت فرمائی اور اگلے ہی روز دوبارہ انگلینڈ کا سفر فرمایا۔''

یہ تھا ایفائے عہد کا انتہائی درجہ خیال، ہم جیسا کوئی ہوتا تو پروگرام کو آگے پیچھے کرنے یا تاریخ میں ردوبدل کرنے کی کوشش ضرور کرتا، مگر حضرت نے تمامتر سفر کی مشقت برداشت کی اور یہ گوارہ نہ کیا کہ جو تاریخ طے کردی اور زبان دیدی، اس عہد کی خلاف ورزی کریں۔ ایفائے عہد کا یہ عظیم الشان اہتمام دیکھنے والوں، ساتھ رہنے والوں اور شاگردوں وطلبہ کے لئے ہزار تقریروں پر بھاری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بھی ایفائے عہد کا پابند بنائے۔

(۴) علمی مجالس میں شرکت کی خاص تاکید

حضرت خطیب الاسلام اپنے گھر والوں کو علمی مجالس میں شرکت کی خاص تاکید فرماتے اور اکثر و بیشتر یہ فرماتے کہ اپنے گھر والوں کو ایسا ماحول ضرور فراہم کرو جس میں علمی گفتگو ہو، علمی مذاکرہ ہو، علمی تبصرہ ہو، غیبت سے اجتناب کرتے، اور ادھر ادھر کی بے مقصد باتیں کرنے والوں کو مزاجاً انتہائی ناپسند فرماتے، کیونکہ حضرت خطیب الاسلام اپنے والد گرامی کی طرح انتہائی مثبت سوچ کے مالک تھے۔ راقم الحروف نے اپنی والدہ کو دیکھا جب کوئی خاندان کی علمی شخصیت ہمارے گھر آتی تو علمی مذاکرہ ضرور ہوتا، حضرت خطیب الاسلام جب بھی نانوتہ تشریف لاتے تو والدہ ضرور حضرت سے علمی

مذاکرہ کرتیں، جس کی وجہ سے علمی وادبی لطائف، اشعار، تضمینات، واقعات پر گفتگو ہوتی، یا پھر اپنے تازہ ترین اسفار کی روداد گوش گزار فرماتے۔ حضرت خود بھی گھر میں علمی ماحول قائم رکھتے، بقول حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی:

> ''اکابرین کے واقعات بہت سناتے خاص طور پر ایسے واقعات جن کا تعلق اصلاح سے ہے اور اکابرین میں خاص طور پر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے، بقول حضرت خطیب الاسلام: ضرورت ہے اس بات کی کہ اپنی نئی نسل کو صحیح علم سے آراستہ کرکے تربیت کے لئے ان کو صالحین کی صحبت میں بھیجنے کی کوشش کریں، اس کے بغیر ظاہر بات ہے کہ اصلاح کے پیدا ہو جانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''[1]

حضرت مزید فرماتے ہیں: ''صالحین کی صحبت میں اگر جاہل مطلق بھی بیٹھ جاتا ہے تب بھی وہاں سے بہت کچھ لے کر نکلتا ہے اہل علم تو لے کر آتے ہی ہیں لیکن جاہل بھی محروم نہیں رہتا۔''[2] لوگوں میں بے ادبی عام ہونے کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ علمی مجالس کا اہتمام نہ رہا۔

ہفتہ میں ایک دو مرتبہ سب گھر والوں کو جمع فرماتے اور اسلامی ذہن سازی اور تربیت کے لئے اکابرین خاص کر اکابرین دیوبند کے واقعات سناتے، مگر اس طرح کہ کسی کی طبیعت میں ملل پیدا نہ ہو، اس ملل کو دور کرنے کے لئے درمیان میں ادبی لطائف، اشعار اور سفر کے ایسے واقعات سناتے کہ اہل خانہ میں مزید اشتیاق پیدا ہو جاتا اور ہر ایک زبان حال سے یہی چاہتا کہ یہ علمی وتربیتی مجلس ختم نہ ہو۔ مجلس کے درمیان ادبی لطائف، قرآنی لطائف، مزاحیہ اشعار، نظمیں بھی سناتے جس سے محفل گل گلزار رہتی۔

ایسے ہی ایک موقع پر جب حضرت نانوتہ تشریف لائے اور رات میں قیام فرمایا بعد نماز عشاء ایک مجلس میں مختلف واقعات سنائے، دوران گفتگو کھانوں کے مختلف ذائقوں کا تذکرہ آیا، والدہ نے معلوم کیا کہ ماموں جان آپ نے بہت سی جگہوں کی پلاؤ اور بریانی کھائی ہے، سب سے اچھی پلاؤ کہاں کی لگی حضرت نے بے ساختہ ہنس کر فرمایا'' بیٹے سب سے اچھی پلاؤ اپنے گھر کی لگی، پھر پلاؤ پر مندرجہ ذیل اشعار سنائے:

---

[1] بیاض خطیب الاسلام

[2] بیاض خطیب الاسلام

جہاں بھی پلاؤ بھنگارا گیا
زمیں سے فلک تک بھپارا گیا
اسی غم میں شیطان مارا گیا
کہ مؤمن پہ یہ کیا کیا اتارا گیا

حضرت فرماتے جب سے ہمارے گھروں سے علمی و ادبی مجالس ختم ہوئیں اس کی وجہ سے ہمارے گھرانوں کا بڑا نقصان ہوا، گھروں کی یہ مجلسیں ہی انسان کو پڑھا لکھا بناتی تھیں اور اچھائی اور برائی کا شعور پیدا کرتی تھیں، لہٰذا اپنے گھروں کو جتنا ہو سکے ایسی مجالس سی مزین کرو، خاص طور پر علماء کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھروں میں ایسی مجالس کا اہتمام کریں''۔ گھر میں اور سفر میں حضرت خطیب الاسلام بر سبیل مزاح لطائف ضرور بیان فرماتے، ایک واقعہ حضرت مولانا محمد سفیان صاحب نے اسی مزاح پر بیان فرمایا کہ ''پتویل میں عبداللطیف صاحب رات کو بار بار کمرہ میں آتے تو بر سبیل مزاح ان سے فرمایا:

''آپ کے آرام کا تواضع بھی بہت لمبا ہے''۔

باہر مردوں میں آپ کی علمی مجالس بعد نماز عصر ہوتیں، جن کا تفصیلی تذکرہ حضرت کے خادم خاص حضرت مولانا شاہد صاحب کی کتاب میں کیا گیا ہے جو بہت جلد منظر عام پر آنے والی ہے۔

(۵) حضرت کا اہل خانہ کے سامنے روداد سفر بیان کرنے کا اہتمام

سفر انسان کی زندگی کا ایک اہم حصہ ہے، کیونکہ یہ مشاہداتی علم کا اہم ذریعہ ہے، دنیا میں بہت سے مؤرخین نے اپنے سفر نامہ لکھے ہیں اور دنیا کے سامنے اپنے مشاہدات اور تجربات کو بیان کیا ہے، جن سے بعد میں آنے والوں نے بڑا استفادہ کیا، عربی زبان میں ایک مثل مشہور ہے: ''السفر وسیلۃ الظفر'' سفر دراصل کامیابی کا ذریعہ ہے، چینی زبان کی کہاوت ہے کہ جو اپنے گھر سے سفر کے لئے نکل گیا اس نے تہائی منزل طے کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿قُلْ سِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلُ﴾ (سورۃ الروم: ۴۲)

کہ زمین میں چلنا پھرنا بغرض عبرت اگر ہے تو قرآن کریم نے حضرت انسان کو ابھارا ہے کہ وہ ضرور سفر کرے، کائنات میں غور وفکر کرے اور اس کی ہر چیز کو دیدۂ عبرت سے دیکھے تا کہ یہ سفر اور اس کے سفر میں پیش آمدہ واقعات معرفت حق کا ذریعہ بنیں۔

پھر اس واقعات سفر سے خود بھی عبرت حاصل کرے اور دوسروں کے سامنے بھی بیان کرے، تا کہ دوسروں کو بھی عبرت ہو، اس تمہید کو ذہن میں رکھ کر حضرت خطیب الاسلام کی زندگی کو پڑھیں، جن کی زندگی کا بیشتر حصہ دعوتی اور دینی اسفار میں گذرا، اس لئے نظریاتی اور کتابی علم کے علاوہ مشاہداتی علم کا وافر حصہ بھی حضرت کو عطا ہوا تھا۔

ان ہی مشاہدات وتجربات سے پہلے خود مستفید ہوتے اور پھر انہی دعوتی مشاہدات وتجربات کو لوگوں کے سامنے درجہ بدرجہ حسن ترتیب کے ساتھ بار بار بیان کرنے کا اہتمام فرماتے۔ چنانچہ سب سے پہلے اپنے کسی بھی دعوتی ملکی وغیر ملکی سفر کے حالات اور روداد سفر اپنے گھر والوں کے سامنے بیان فرماتے۔ اور گھر والوں یا دیگر لوگوں کو ایک ہی واقعہ بار بار بیان کرنے میں نہ الفاظ کا فرق ہوتا اور نہ ہی الفاظ کی ترتیب بدلتی۔

''احقر نے حضرت سے اپنے سفر کے بارے میں بتلایا تو فرمایا کہ اپنے سفر کے تجربات اور واقعات کو اپنے گھر والوں کے سامنے ضرور بیان کیا کرو اور خاص طور پر اپنے گھروں کی خواتین کے سامنے بیان کرنے کا اہتمام کرو، کیونکہ اس کے اثرات تم اپنی نسلوں میں جلد ہی دیکھ لوگے۔''

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب نے ایک مجلس میں حضرت کا یہ معمول بتایا کہ ''کہیں کا بھی سفر ہوتا اہل خانہ کے سامنے روداد سفر مفصل اور بڑے دلچسپ انداز میں بیان فرماتے جو سفر کا ایک لازمہ تھا۔

حضرت نے ایک روز احقر سے فرمایا تھا کہ ''اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے بچے اور ہماری نسلیں الحاد وکفر سے بچیں تو ہم کو چاہئے ہم ان کو صحبت دیں، گھر گھر میں مجالس کا اہتمام کریں اور ان کو دینی دعوتی اسفار میں پیش آئے واقعات مناسب وقت پر مناسب لب ولہجہ میں سنائیں ورنہ ہمارے بچے اکبرالہ آبادی کے اس شعر کے مصداق ہوں گے جس کو حفیظ جالندھری نے اس طرح کہا ہے:

انہیں کے حال پہ صادق ہے قولِ حضرت اکبر
ترقی پاتے ہیں لڑکے ہمارے نورِ دیں کھو کر
غضب یہ ہے کہ بجھ لیتے ہیں تب جا کر چمکتے ہیں

حضرت کا یہ جملہ ''اگر ہم چاہتے ہیں'' میں ''ہم'' سے کیا مراد ہے فرمایا ''ہم'' یعنی جماعت علماء۔

(٦) محاسبۂ نفس کی تاکید

حضرت خطیب الاسلام اپنے گھر والوں کو محاسبۂ نفس کی مستقل تاکید فرماتے، اس لئے کہ شرح صدر اور سعادت قلب کے اسباب میں ایک عظیم سبب مستقل انسان کا محاسبۂ نفس ہے، اس محاسبہ سے بندۂ مؤمن کو اللہ کی محبت اور اس کی رضا نصیب ہوتی ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

﴿**یاایھا الذین امنوا اتقوا اللّٰہ ولتنظر نفس ماقدمت لغدٍ واتقوا اللّٰہ ان اللّٰہ خبیر بماتعملون.**﴾(سورۃ الحشر:۱۸)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:

أی: حَاسَبُوا أنفسکم قَبْلَ أن تَحاسبوا وانظروا ماذا ادخرتم لأنفسکم من الأعمال الصالحه. لیوم معادکم وعرضکم علی ربکم[۱]

یعنی تم اپنا محاسبہ کرو قبل اس کے کہ تمہارا حساب و کتاب ہو اور ذرا غور و فکر کرو کہ تم کل قیامت کے دن جب اپنے رب کے سامنے کھڑے ہوگے تم نے اس کے لئے کیا ذخیرہ اندوزی کی، کیا تیاری کی ہے؟ کیا نیک اعمال کئے۔

امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطاب فرماتے تھے: **رحم الله امرءاً أهدى إليّ عيوبنا**[۲]

اللہ رب العزت اس انسان پر رحم فرمائے جو ہمارے عیوب کی نشاندہی کرے۔

ایک مرتبہ میں نے حضرت سے محاسبہ نفس کے متعلق سوال کیا تو حضرت نے مجھے حضرت ابن ابی ملیکہ کا ارشاد سنایا وہ فرماتے ہیں:

"أدركت ثلاثين من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم كلهم يخافون النفاق على أنفسهم."

کہ میں نے تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی یعنی میں نے ان کو دیکھا کہ وہ سب حضرات اپنے بارے میں اس کا خوف رکھتے تھے کہ کہیں ہم میں نفاق تو نہیں۔

چونکہ یہ موضوع بہت اہم ہے اس لئے چند باتیں جو حضرت نے اس تعلق سے راقم الحروف کو بتائیں ان کو بطور خلاصہ کے پیش کرتا ہوں۔[۳]

---

۱ تفسیر ابن کثیر ط العالمیۃ)(۱۰۶/۱۸) ۲ اقتراف الکبائر (۲۹/۱) عادل بن مبارک

۳ یہ تقریر راقم الحروف نے قلمبند کر لی تھی۔

حضرت نے محاسبہ نفس کے اقسام کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ محاسبہ نفس کی دو قسمیں ہیں:
ایک قسم عمل سے قبل محاسبہ نفس ہے اور دوسری قسم عمل کے بعد محاسبہ نفس کی ہے، محاسبہ نفس کی پہلی قسم (یعنی عمل سے پہلے) یہ ہے کہ بندہ کسی کام کے ارادہ کے وقت اس کو انجام دینے سے قبل تھوڑا توقف کرے اور عمل کرنے میں جلدی نہ کرے تاکہ عمل کے بعد کسی طرح کا پچھتاوا نہ ہو اور عمل سے قبل اپنی نیت کو صحیح کرے، یہ عمل اللہ کے لئے ہے یا غیر اللہ کے لئے۔ دوسری قسم محاسبہ نفس کی یہ ہے کہ اپنے نفس کا محاسبہ عمل کے بعد کرے۔

حضرت خطیب الاسلام کے مرغوب کھانے

کھانے کے سلسلے میں اللہ رب العزت نے طبائع اور ذائقے مختلف بنائے، قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا: ﴿ونفضِّلُ بَعْضَهَا عَلَى بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ﴾ (سورہ: الرعد: ۴) انسانوں کو جس طرح نعمت رزق میں ایک دوسرے پر فضیلت بخشی اسی طرح نعمت ذائقہ میں بھی حق تعالیٰ شانہ نے بعض کو دیگر بعض پر فضیلت بخشی ہے، حضرت خطیب الاسلام کو جس طرح نعمت رزق حق تعالیٰ نے عطا فرمائی، اسی طرح نعمت ذائقہ کا بھی وافر حصہ عطا فرما کر باذوق بنایا نہ صرف نعمت ذائقہ بلکہ ذوقِ لطف اندوزی بھی ملا، نعمتوں کو بڑا لطف لے کر تناول فرماتے، مجھے اسی لطف اندوزی پر ایک واقعہ یاد آ گیا، حضرت خطیب الاسلام نانوتہ تشریف لائے اور رات میں قیام فرمایا بہت کچھ واقعات سنائے، پلاؤ پر گفتگو ہوئی تو والدہ نے پوچھا کہ ماموں جان آپ نے بہت سی جگہوں کی بریانی اور پلاؤ کھائی، سب سے اچھی بریانی پلاؤ کہاں کی لگی؟ تو بے ساختہ ہنس کے فرمایا: ''بیٹے سب سے اچھی پلاؤ اپنے گھر کی لگی۔'' پھر پلاؤ پر مندرجۂ ذیل اشعار سنائے:

جہاں بھی پلاؤ بھنگارا گیا
زمیں سے فلک پر بھپارا گیا
اسی غم میں شیطان مارا گیا
کہ مؤمن پہ یہ کیا اتارا گیا

حضرت کے مرغوب کھانوں میں بھنا ہوا قیمہ، بھنی ہوئی اڑد کی دال، شوربہ، اسٹو، پسندے، ماش کی دال گوشت والی اور کھانے کے بعد کچھ میٹھا خاص طور پر کیلے اور امرود کا چاٹ اور آم کے موسم میں سب سے مرغوب پھل آم ہوتا۔

حضرت شکر کا استعمال چائے میں بہت زیادہ فرماتے، نانوتہ میں حضرت گھر پر تشریف فرما تھے میں چائے بنا رہا تھا، میں نے معلوم کیا کہ حضرت چینی کتنی ڈالوں، فرمایا دو چمچ آپ ڈالدیں باقی چائے بناتے وقت پیالی میں چینی کی جگہ چھوڑ دیں، اس کے بعد حضرت نے ایک چمچ خود ڈالی اور فرمایا کہ چائے کی صفات میں یہ ہے کہ چائے لب دوز ہو، لب سوز ہو اور لب ریز ہو۔ سب ہی حاضرین مجلس اس پر ہنسنے لگے۔ حضرت کی چھوٹی صاحبزادی محترمہ عظمٰی ناہید صاحبہ اپنے تاثراتی مضمون میں لکھتی ہیں:

''حالانکہ کھانوں کے اور خاص طور پر گوشت کے شوقین تھے، لیکن بقول ہماری پھوپھی امی (ہاجرہ نازلی) بھائی کبھی کھانے میں عیب نہیں نکالتے تھے، بلکہ ان کے سامنے کچھ بھی رکھ دو وہ انتہائی رغبت کے ساتھ کھا لیتے ہیں۔''

حضرت سفر میں جب جاتے ساتھ میں کھانا زیادہ لے جانے کا اہتمام کرتے، تا کہ راستے میں اگر کوئی شریک ہو جائے تو کھانا کم نہ ہو۔

حضرت خطیب الاسلام کی صحت

صحت زندگی بھر الحمدللہ بہت اچھی رہی اخیر تک بھی کوئی مہلک بیماری نہیں تھی، حضرت کی صحت کا جہاں ایک راز یہ تھا کہ ہر حال میں شکر اور جیسے حالات آئے اس کو بخوشی قبول کر لیتے گویا کہ کسی حبیب نے یہ حالات بطور تحفہ کے بھیجے ہیں، وہیں ایک راز یہ بھی تھا کہ اپنے مزاج اور طبیعت کو ماحول اور حالات کے ہم آہنگ کر لیتے، انتہائی مثبت سوچ رکھتے تھے، وہ نہ کبھی کسی کی غیبت کرتے اور نہ ہی کسی کے خلاف بات کرتے تھے۔ یہ کہنے کو تو بہت آسان ہے مگر یہ اتنا آسان نہیں یہ شان انسان میں بڑی نفس ماری اور دیدہ ریزی کے بعد پیدا ہوتی ہے، پھر طبیعت کو آنے والے حالات اور ماحول کے اس درجہ ہم آہنگ اور موافق بنا لینا جیسے کہ حضرت کو پہلے سے خبر تھی کہ اب آگے جا کر میرے ساتھ اس طرح کے حالات آئینگے، بس اب مجھے ان حالات کا سامنا کرنا ہے، پھر ان حالات کو بھی بادل نخواستہ نہیں قبول کرتے بلکہ بخوشی وتسلیم ورضا کا پیکر بن کر قبول کرتے۔ بقول علامہ اقبالؒ:

خونِ دل و جگر سے ہے میری نوا کی پرورش
ہے رگِ ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو

اور یہ شان کسی بھی انسان میں جب پیدا ہوتی ہے جب اس نے محبت الٰہی کے چھلکتے ہوئے جام پر جام پیئے ہوں، فیض جنوں کے منازل طے کئے ہوں، عشق ووفا کے مراحل سے باخبر گذرا ہو، بقول شاعر:

جام محبت کے پیتے ہی
ہوگئے آساں سارے مراحل
اللہ اللہ فیض جنوں سے
طے ہوگئے سارے منازل
تو نے کہاں سے کہاں پہنچایا
عشق! ہو تجھ پر رحمت نازل

مطالعہ کے معمولات

با مقصد مطالعہ کا تو حضرت خطیب الاسلام کے یہاں زندگی بھر معمول رہا بقول حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی مدظلہ العالی یہ رہا کہ:

’’بھائی صاحب جب گھر پر رہتے ہمیشہ عشاء کے بعد مطالعہ فرماتے اور بغیر مطالعہ کے نہ سوتے اور فجر کے بعد مطالعہ فرماتے، فجر کے بعد بہت پابندی سے مطالعہ فرماتے، فجر کے بعد مطالعے کے معمولات میں کبھی فرق نہیں آیا، ان دونوں اوقات میں ہمیشہ مطالعہ فرماتے، راقم الحروف نے مولانا سفیان صاحب سے دریافت کیا کہ مطالعہ میں کوئی خاص موضوع پسند فرماتے؟ تو مولانا نے فرمایا: ہاں ایسی کتابیں خاص طور پر مطالعہ میں رہتیں جن میں حاضر جوابی ہوتی، مولانا نے بتایا کہ بھائی صاحب ایک کتاب مصر سے لائے تھے جس کا نام ’’الأجوبۃ المسکتۃ‘‘ تھا، لیکن وہ کہیں کھوگئی حضرت کو بے انتہاء افسوس ہوا، گھر میں، لائبریری میں بہت تلاش کرنے کے بعد بھی نہیں ملی، پھر اس کتاب کو دوبارہ خاص طور پر مولانا محمد سفیان صاحب سے مصر سے منگوایا۔‘‘

ایک مرتبہ راقم نے جناب بھائی عاصم قاسمی صاحب سے معلوم کیا کہ حضرت کو کس طرح کے مطالعہ کا ذوق ہے یعنی کس طرح کی کتابیں، میگزین اور مضامین پڑھنا پسند فرماتے ہیں تو انہوں نے

فرمایا کہ ''عام طور پر بھائی صاحب کو وہ مضامین یا کتابیں بہت پسند ہیں جن میں جدت ہو، ندرت ہو، کوئی نئی تحقیق ہو، یا تاریخ میں ذہین لوگوں کی حاضر جوابی کے واقعات ہوں، ایسی چیزوں کے مطالعہ کا بہت ذوق رکھتے تھے۔'' گرچہ علمائے متقدمین مثلاً علامہ ابن حجر، علامہ سیوطی، امام غزالی اور امام رازی وغیرہ کی کتابوں کا انہوں نے کافی مطالعہ کیا تھا۔

عشاء کی نماز کے بعد اگر جاگے تو مطالعہ کے لئے ورنہ عام معمول عشاء کے بعد سونے ہی کا تھا۔ پچھلے دس بارہ سالوں میں جب بھی اس عاجز کی خادمانہ حاضری ہوئی تو حضرت کو یا تو مصروف مطالعہ یا پھر کچھ نہ کچھ تحریر فرماتے دیکھا، مضامین اور مختلف موضوعات پر مقالات لکھنے کے علاوہ برصغیر ہندو پاک سے اہل علم اور مؤلفین کی کتابیں سامنے ہوتیں اور ان پر ان کے موضوعات کے اعتبار سے تقریظات اور مقدمات لکھتے رہتے، بلا مبالغہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ہزاروں کتابوں پر مقدمات و تقریظات لکھ دی ہونگی، کمزوری کے باوجود اپنے کسی بھی وقت کو خالی نہ گذرنے دیتے اور مستقل کچھ نہ کچھ لکھتے یا پڑھتے رہتے، گویا علوم اسلامیہ کا مطالعہ کرنا اور ان پر لکھنا زندگی کا اوڑھنا بچھونا تھا، بلکہ جسم وروح کی غذا تھی، اسابق پڑھانے کے لئے بھی مطالعہ فرماتے تھے، لیکن متقدمین علمائے اسلام کی کتابوں، خاص کر اپنے اسلاف دیوبند کی تحریروں کو پڑھنے کا معمول تھا، علوم حضرت نانوتوی پر کامل دستگاہ تھی، اس مطالعہ کا اندازہ اس وقت ہوتا جب حضرت کسی جگہ تقریر فرماتے یا پھر کچھ تحریر فرماتے۔ حضرت کے مطالعہ کے معمولات کا ذکر کرتے ہوئے مولانا سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم نے یہ بھی بتلایا کہ بھائی صاحب روزانہ اپنے مخصوص کتب خانے میں بھی مطالعہ کے لئے تشریف لے جاتے۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ مطالعہ کا یہ معمول صرف دوران قیام ہی نہیں تھا، بلکہ اسفار میں بھی کوئی نہ کوئی دلچسپ کتاب ساتھ رہتی تھی جس کا دوران سفر وقت ملنے پر مطالعہ کرتے، یہاں تک کہ گاڑی میں بھی مطالعہ فرماتے اور بقول مخدومنا مولانا شاہد صاحب اگر کوئی بات دوران مطالعہ مصاحبین سفر اور خدام کے لئے قابل ذکر ہوتی تو اس کو بیان بھی کر دیتے، جس سے ہم خدام کو بے انتہا علمی اور اصلاحی فائدہ پہنچتا۔

صاحبزادگان اور صاحبزادیاں

حضرت خطیب الاسلام کے چار صاحبزادگان ہیں:

(۱) سب سے بڑے محترم جناب محمد سلمان صاحب قاسمی

(۲) محترم جناب مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی

(۳) محترم جناب محمد عدنان قاسمی صاحب

(۴) محترم جناب حافظ محمد عاصم صاحب قاسمی

محترم جناب محمد سلمان قاسمی صاحب

جناب سلمان قاسمی صاحب حضرت خطیب الاسلام نوراللہ مرقدہ کے بڑے صاحبزادے ہیں اور فی الحال پاکستان میں مقیم ہیں۔ جناب سلمان قاسمی صاحب کی ولادت ماہ ستمبر ۱۹۵۰ء کی ہے، انہوں نے علوم اسلامیہ کے حصول کے لئے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ لیا، اور سال چہارم تک پڑھا، اور پھر جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سیکنڈری اسکول سے بارہویں کا امتحان دیا، اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے علیگڑھ مسلم یونیورسٹی میں داخلہ لیا، وہاں سے بی، اے، اور پھر ایم، اے، کیا۔

ان کا نکاح گنگوہ میں مولانا حکیم سعد رشید صاحب اجمیری کی بیٹی جنابہ طلعت فاطمہ سے ہوا، پھر وہ یہاں سے جدہ چلئے گئے، اور وہاں انہوں نے رہائش اختیار کر لی، میرے والدین نے ۱۹۸۲ء میں پہلا حج کیا، اس وقت وہ وہیں پر مقیم تھے، پھر ۱۹۸۶ء میں پاکستان جا بسے اور ابھی تک وہیں ہیں، ان کی اولاد میں ایک لڑکا محمد اسامہ قاسمی اور دو لڑکیاں ہیں، مریم قاسمی اور ہبہ قاسمی۔

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی، مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

آپ حضرت کے دوسرے صاحبزادے ہیں قرآن کریم دارالعلوم دیوبند میں ہی حفظ کیا حفظ قرآن کے بعد دارالعلوم دیوبند سے ۱۹۷۶ء میں سند فضیلت حاصل کی۔

دوران تعلیم ہی پرائیویٹ طور پر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ سے ہائی اسکول پھر ایم اے کیا اور ان میں نمایاں نمبرات سے کامیابی حاصل کی، دارالعلوم سے فضیلت کے بعد جامعۃ الازہر قاہرہ سے کلیہ شرعیہ (ایم.اے) کیا، مصر سے ۱۹۸۰ء میں واپسی ہوئی۔ اور آپ نے وہاں سے ماجستیر کیا۔ آپ کا نکاح پر قاضی کے حافظ سلطان احمد صاحب کی صاحبزادی سے ہوا۔

دارالعلوم وقف دیوبند میں مسند تدریس پر فائز

۱۹۸۳ء کے بعد دارالعلوم وقف دیوبند سے وابستگی ہوگئی اور ابتدائی کتابیں زیر درس رہیں، تدریجاً دارالعلوم وقف دیوبند کی اہم انتظامی ذمہ داریاں بھی سپرد کی گئیں، پھر کچھ عرصہ بعد اہتمام کی نیابت کی ذمہ داری سونپی گئی، کئی سال اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی انجام دیتے رہے، اسی دوران درس نظامی کی اکثر کتابیں زیر درس رہیں، اور پھر مؤطا امام مالک کے اسباق بھی متعلق رہے، اب گذشتہ دوسال سے دارالعلوم وقف دیوبند کی اہتمام کی مکمل ذمہ داری آپ ہی سے متعلق ہے، اور اب بحیثیت مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند خدمت انجام دے رہے ہیں، اسی کے ساتھ ساتھ دینی فاصلاتی تعلیم کے اہم ادارے جامعہ دینیات کے ذمہ دار آپ ہی ہیں، ۲۰۰۷ء کلکتہ اجلاس میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے رکن منتخب کئے گئے، اس کے علاوہ آل انڈیا مجلس مشاورت کے بھی رکن ہیں، ملکی وملی سطحوں پر آپ سے چند اہم ذمہ داریاں متعلق ہیں۔

آپ کو ادبی کتابوں سے بچپن سے ہی بڑی مناسبت رہی اور خاص طور پر اردو ادب سے، اس کا ندازہ آپ کی ذاتی لائبریری سے لگایا جاسکتا ہے، اسی کے ساتھ ساتھ آپ کو نایاب کتابوں اور نوادرات جمع کرنے کا بھی خاص ذوق بھی ہے اور سلیقہ بھی، چنانچہ علوم اسلامیہ کی نادر ونایاب کتب کا اچھا خاصا ذخیرہ آپ کے پاس اپنی ذاتی لائبریری میں موجود ہے، اردو کے کئی بڑے شعراء کے انتخابات بھی اس ذخیرہ میں شامل ہیں اور لائبریری کا ایک بڑا خانہ مزاحیہ ادب پر مشتمل ہے، جس میں پطرس بخاری، رشید احمد صدیقی، مرزا فرحت اللہ بیگ، کنہیا لال کپور، دلاور فگار اور مشتاق یوسفی جیسے نامور مزاح نگاروں کے مجموعے موجود ہیں۔

کام کرنے کا طریقہ، صلاحیت، سلیقہ مندی، ذہانت، فراست بذلہ سنجی اور مزاج میں شگفتگی وحلم اپنے آباء واجداد سے موروثی طور ودیعت ہوا ہے۔

راقم الحروف کا بحیثیت خاندان صدیقی کے ایک فرد کے خانوادۂ قاسمی کے بارے میں ایک تجربہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے اس کے ہر فرد کو ایک ایسی صفت عطا کر رکھی ہے جس کی وجہ سے یہ دیگر خاندانوں وخانوادوں میں بالکل ممتاز نظر آتا ہے اور وہ صفت یہ ہے کہ سخت ترین حالات میں بھی باوجود طبیعت کی ناگواری اور شاق گذرنے کے ان کے صبر وحلم کا پیمانہ لبریز ہو کر چھلکتا نہیں ہے، اور

شاید یہی وجہ ہے کہ ادارہ سازی کا جوفن اس خانوادہ کے پاس ہے وہ کسی اور خاندان میں نظر نہیں آتا۔ باقی حضرات خوشہ چیں تو ہیں معمار جہاں نہیں، ﴿ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء﴾ (سورۃ الجمعہ: ۴) حلم کی اسی عظیم الشان صفت نے ان کو معمار امت اور معمار قوم بنا دیا ہے۔

حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی کو جہاں ادبی ذوق ہے وہیں آپ کے اندر اپنے والد گرامی کی طرح شعری ذوق بھی بدرجہ اتم موجود ہے، شعری ذوق تو اس خانوادہ کے ہر فرد کے پاس حضرت نانوتوی سے لے کر نسل بعد نسل منتقل چلا آ رہا ہے، مگر اس شعری ذوق پر ان کے علمی ذوق کا ہمیشہ غلبہ رہا۔

آپ کی شخصیت میں ایک خاص بات راقم الحروف نے محسوس کی کہ آپ کی مجلس میں یا محفل میں کوئی شخص اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا اور آپ کے پاس بیٹھ کر طبیعت میں ملل پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ آپ کے پاس محفل و مجلس کے آداب بھی ہیں اور ہر موقع محل کے اعتبار سے واقعات بھی ہیں اور "کلموا الناس علی قدر عقولهم" کا ذوق سلیم بھی ہے۔ اس لئے مخاطب یا سامنے والے کو اکتاہٹ نہیں ہوتی۔

آپ کے فکری و علمی مضامین سے اہل علم حضرات ماہنامہ ندائے دارالعلوم میں مستفید ہوتے رہتے ہیں، جس کے آپ مدیر اعلی بھی ہیں، مزاج میں انکساری، کسر نفی اور تواضع بے انتہا ہے، اپنی ذات سے دوسروں کو فائدہ پہنچاتے رہنا زندگی کا مقصد اور ایذا پہنچانے والوں کو معاف کرنا آپ کا مزاج اور عادت ہے۔

فی الحال آپ دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم اور ذمہ دار ہیں، والد گرامی کے بعد آپ ہی کی جہد مسلسل سے یہ ادارہ تعلیمی و تعمیری ترقی کی راہ پر مستقل گامزن ہے، بقول علامہ اقبال:

ہے مگر اس کی طبیعت کا تقاضہ تخلیق

علمی بصیرت اور حاضر جوابی

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی دامت برکاتہم سے غالباً بمبئی کے کسی صاحب خیر نے سوال کیا کہ حضرت! یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ جو لوگ یہاں چندہ کرنے آتے ہیں ان میں کون مخلص ہے اور کون غیر مخلص، یعنی یہ کیسے پتا چلے کہ یہ مخلص ہے یا نہیں، مولانا نے برجستہ جواب دیا کہ اس میں کیا مشکل جو شخص چندہ لینے کے لئے آ رہا ہے اگر وہ شان علم کو باقی رکھے ہوئے تو وہ مخلص ورنہ سمجھ لو کہ غیر

مخلص، ان صاحب نے معلوم کیا کہ شان علم کیا ہے، فرمایا:

''علم کی شان تعلیٰ و استغنا ہے، علم انسان کو اللہ کے علاوہ کسی کے سامنے جھکنے نہیں دیتا، علم کی پہلی شان یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ کسی اور انسان کے سامنے یا کسی اور مخلوق کے سامنے نہیں جھکتا۔''

علم کی دوسری صفت استغنا ہے یہ انسان کو یا صاحب علم کو کسی مخلوق کے سامنے ہاتھ پھیلانے نہیں دیتی، جو ان دو صفات علم سے متصف ہو کر آئے ان کو چندہ دیجئے اور جو ان دونوں صفات سے عاری ہو اس سے معذرت فرمالیں، وہ صاحب مولانا کے بڑے مشکور ہوئے اور فرمایا کہ مجھے معلوم تھا کہ اس سلسلے میں مجھے تسلی بخش شافی و کافی جواب خاندان قاسمی کا کوئی فرد ہی دے سکتا ہے۔ بقول علامہ اقبالؔ:

وہ درویشی کہ اس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری

ایک مجلس میں بمقام ''طیب منزل'' راقم الحروف اور بھائی جان کی حضرت مولانا محمد سفیان صاحب کی خدمت میں حاضری ہوئی دوران گفتگو بہت اہم واقعات سفر وحضر کے بیان فرمائے ان ہی واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بیان فرمایا کہ میں بھائی صاحب (حضرت خطیب الاسلام) کے ساتھ بمبئی سفر میں تھا، ایک بڑے صاحب خیر جن کا نام عبدالقادر تھا کے یہاں دعوت تھی، ان صاحب کی پوزیشن یہ تھی کہ ان سے ملاقات کے لئے لوگ لائن میں لگ کر ملاقات کا وقت لیتے، عام طور پر ان سے ملنے کے لئے کافی پہلے وقت لینا پڑتا تب ملاقات ہو پاتی اور یہاں حالت ان صاحب کی یہ تھی کہ بھائی صاحب کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور یہ صاحب بھائی صاحب کے قدموں میں بیٹھ کر بھائی صاحب کے پیر دبانے لگے، اس ہال میں اور بھی بہت سے علماء اور دیگر حضرات تشریف رکھتے تھے، ان صاحب کو اس طرح حضرت خطیب الاسلام کے پیر دباتا ہوا دیکھ کر ایک صاحب نے مولانا سفیان صاحب سے سوال کیا کہ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی یہ جو صاحب پیر دبا رہے ہیں یہ کوئی معمولی انسان نہیں، ان سے ایک ملاقات کے لئے لوگ ترستے ہیں، مگر یہاں منظر ہی کچھ اور ہے، تعجب یہ ہے کہ قدموں میں جگہ ملنے اور پیر دبانے کو اپنی سعادت مندی سمجھ رہے ہیں، حضرت مولانا محمد سفیان صاحب نے برجستہ جواب دیا کہ اس میں تعجب کی کیا بات ہے، کل شيء يرجع إلى أصله. علم کی صفت تعلی ہے۔

جس سے انسان بلندیوں کی طرف جاتا ہے اور مال و دولت کی اصل مادیت ہے جو زمین کی طرف لیجاتی ہے لہٰذا علم اپنی اصل کی طرف لوٹا تو اپنی جگہ پر بٹھایا گیا اور مال و دولت جب اپنی اصل کی طرف لوٹے تو نیچے یعنی زمین پر بٹھایا گیا۔ ان صاحب نے فرمایا کہ جی آپ کی بات معقول ہے، بات سمجھ میں آگئی اور دونوں کے درمیان فرق سمجھ میں آگیا۔

بہر حال حضرت مولانا محمد سفیان صاحب دامت برکاتہم کے پاس جب بھی راقم الحروف حاضر ہوا تو ان کی مجلس سے متنوع قسم کے تجربات، زندگی کے حقائق، علمی نکات، عمل پیہم اور جہدِ مسلسل کا جذبہ اور زندگی میں جوشِ عمل کی طاقت اور احساس خودی کی قوت کو لے کر اٹھا، بقول علامہ اقبالؔ:

خودی ہو علم سے محکم تو غیرت جبریل
اگر ہو عشق سے محکم تو صورِ اسرافیل

یک مرتبہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو علامہ اقبال کا یہ شعر بار بار ذہن میں آتا کہ

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

یہ شعر مجھے اس لئے یاد آیا تھا کہ ان کی مجلس میں گفتگو ہو رہی تھی اہل مدارس کے چندہ وصول کرنے والوں کے طریقۂ کار پر اس پر حضرت مولانا نے فرمایا کہ

''ہمارے خاندان کے پاس چندہ کے باب میں غنائے قلب اور دلِ بے نیاز کے علاوہ اور کچھ نہیں۔''

ان کے اس جملے پر اقبال کے مزید دو شعر راقم الحروف کو اسی مجلس میں یاد آئے

خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی، اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دل فریب، اس کی نگہ دل نواز

آج بروز دوشنبہ ۳۰ جمادی الثانی ۱۴۳۹ھ چار بجے شام میں نانوتہ تشریف آوری کے موقع پر چائے پر ایک واقعہ سنایا حضرت خطیب الاسلام کے حوالے سے کہ بھائی صاحب اس واقعہ کو اپنے منفرد انداز میں بڑے مزے لے لے کر سناتے، واقعہ یہ ہے کہ راقم الحروف کے بہنوئی مولانا عمر

انصاری رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم حضرت مولانا صدرالدین عامر انصاری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خطیب الاسلام آگرہ تاج محل دیکھنے کے لئے گئے، گرمی شدید تھی تو یہ دونوں حضرات گرمی کی شدت کی وجہ سے جہاں شاہ جہاں اور ممتاز محل کی قبریں ہیں وہیں لیٹ گئے اوپر والے حصہ میں، کیونکہ وہ پتھر گرمی میں ٹھنڈا رہتا ہے یہ دونوں حضرات لیٹے ہوئے تھے، تھوڑی دیر میں انگریز آئے، انہوں نے پوچھا کہ یہ قبریں کس کی ہیں حضرت مولانا عامر انصاری صاحب نے ان کو برجستہ جواب دیا کہ یہ ہماری قبریں ہیں، وہ بڑے حیران ہوئے، مولانا نے فرمایا کہ حیران کیوں ہو رہے ہو، ہم دونوں کو گرمی لگ رہی تھی اس لئے باہر آگئے، وہ انگریز ایک لمحہ کے لئے بڑے سٹپٹائے اور سر جھکا کر آگے نکل گئے۔ حضرت خطیب الاسلام اس واقعہ کو بڑا لطف لے کر بیان فرماتے۔

حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی کو صبر وحلم، قوت برداشت وبردباری، سخاوت ومروت کا وافر حصہ خاندانی طور پر ورثہ میں ملا، آپ کی شخصیت کو دیکھ کر مجھے سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان یاد آتا ہے جو انہوں نے خاندانِ قریش مکہ کے متعلق ارشاد فرمایا تھا کہ

"اِنَّا مَعَاشِرَ قُرَیْشٍ نَعُدُّ الْحِلْمَ وَالْجُوْدَ سُوْدَداً وَنَعُدُّ الْعَفَافَ وَاِصْلَاحَ الْمَالِ مَرُوْءَۃً"[۱]

"ہم قریش خاندان کے لوگ بردباری اور سخاوت کو سرداری شمار کرتے ہیں اور پاکدامنی اور مال کی اصلاح کو مروت گردانتے ہیں۔"

شاید ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سیدنا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بیان کردہ خاندان قریش کے یہ اوصاف نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوتے ہوئے آپ کی ذات میں جمع ہو گئے ہیں، کیونکہ آپ بھی اسی خاندان قریش کی ایک شاخ "بنوتیم" کے ایک فرد ہیں۔[۲]

حضرت خطیب الاسلام نے اپنے صاحبزادے کے رمضان المبارک میں قرآن کریم سنانے کے مبارک موقع پر سن ۱۳۹۶ھ میں مندرجہ ذیل نظم کہی۔

---

[۱] البصائر والذخائر، (۱۷۹/۵)

[۲] تفصیلات کے لئے دیکھیں راقم الحروف کا مرتب کردہ "شجرہ خاندان صدیقی نانوتہ" ص ۲۴۔

جشن ختم قرآن کریم

بموقعہ ختم قرآن کریم، عزیزم محمد سفیان قاسمی سلمہٗ بماہ رمضان المبارک ۱۳۹۶ھ یہ نظم پیش کی گئی

ہجوم بندگان خاص اس محراب میں دیکھیں — قیام اللیل کے جلوے شب مہتاب میں دیکھیں
زمیں پر طمطراق آسماں معلوم ہوتا ہے — جہاں کا ذرہ ذرہ کہکشاں معلوم ہوتا ہے
یہ سادہ فرش یہ کورے گھڑے صحن مصفا میں — ضیافت کا ہو ساماں جیسے نخلستان صحرا میں
ازل کی چاندنی چھٹکی ہوئی معلوم ہوتی ہے — بصیرت کی دلوں میں روشنی معلوم ہوتی ہے
دروں پر روشنی، مہکی فضا خاموش مینا رے — فلک سے جشن مسجد دیکھتے ہیں جھانک کر تارے
یہاں ایک پاک مجمع مشتمل ہے کچھ قطاروں پر — جو حرکت کر رہا ہے ایک حافظ کے اشاروں پر
نمازی اس طرح ہیں صف بصف مسجد میں استادہ — کہ جیسے فوج ہو میدان میں طاعت پہ آمادہ
خدا کے پاک بندے محو ہیں فطری عبادت میں — ملک ہوں استادہ، سوادِ شام جنت میں
قرأت چھڑتے ہی اک کیف سا معلوم ہوتا ہے — فرشتہ آسماں سے بولتا معلوم ہوتا ہے
سنائے جا رہا ہے جوش میں قرآن کے پارے — دہن سے بہہ رہے ہیں کوثر و تسنیم کے دھارے
مسلسل جن کو بوچھاروں نے سینچا دھرکائی کو — جنہوں نے آبرو بخشی ریاضِ زندگانی کو
کھنچی جاتی ہے روحِ مست آواز مقدس میں — عناصر وجد میں آکر گلے ملتے ہیں آپس میں
سراپا گوش بن کر شوق میں محو سماعت ہے — خدا کی حمد میں مشغول پاکیزہ جماعت ہے
اِدھر سیراب ہوتی ہے رگیں زمزم کے پانی سے — فروغ ایمان پاتا ہے اُدھر قرآن خوانی سے
مضامین علم وحکمت کے غذائے فکر دیتے ہیں — تدبر کرنے والوں کو پیام ذکر دیتے ہیں
دکھاتا ہے قصور عالم بالا کے نظارے — کہیں دوزخ کے انگارے کہیں جنت کے گہوارے

محمد سالم قاسمی ۱۳۹۶ھ

حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم کے دو صاحبزادے ہیں، بڑے صاحبزادے جناب صہیب قاسمی سلمہ ہیں، جبکہ دوسرے صاحبزادے جناب ڈاکٹر مولانا شکیب قاسمی سلمہ اللہ ہیں۔

جناب صہیب صاحب قاسمی

جناب صہیب صاحب قاسمی کی ولادت ۹ مارچ ۱۹۸۴ء میں ہوئی، ابتدائی تعلیم دیوبند میں حاصل کی، پھر گریجویشن کیا، آپ کا نکاح سن ۲۰۰۹ء میں ہوا، اس وقت لندن میں مقیم ہیں اور برسرروزگار ہیں۔

جناب مولانا ڈاکٹر شکیب قاسمی صاحب

آپ کی ولادت ۸ مارچ ۱۹۸۸ء ۱۷ شعبان ۱۴۰۸ھ میں ہوئی، عزیزم شکیب قاسمی سلمہ اللہ تعالیٰ کے تعلق سے راقم الحروف کو حضرت خطیب الاسلام نے مولانا سفیان قاسمی صاحب قاسمی کا ایک خواب سنایا، جس کو بعد میں مولانا سفیان صاحب نے بھی مجھے سنایا۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ یہ خواب مولانا سفیان صاحب قاسمی مدظلہ العالی نے مولانا شکیب قاسمی صاحب کی ولادت سے ایک دن قبل دیکھا، خواب یہ ہے کہ مولانا نے حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت فرمائی، آپ کے ساتھ سیدنا صدیق اکبر بھی ہیں (جو خاندان صدیقی نانوتہ کے جدامجد ہیں) نبی کریم ﷺ نے مجھے حضرت صدیق اکبر کے ذریعہ بلوایا، میں فوراً بھاگا بھاگا حاضر خدمت ہوا، حضور ﷺ ایک حوض پر تشریف فرما ہیں، اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اشارہ کررہے ہیں کہ ان کو بتلاؤ، چنانچہ تعمیل حکم نبوی ﷺ میں صدیق اکبر نے مجھ سے مخاطب ہوکر فرمارہے ہیں:

تمہارا نومولود بچہ ہماری آغوش رحمت میں پلے گا، مگر تم دنیا سے جلد ہی رخصت ہوگے۔ اس پر میں نے آپ ﷺ سے کہا کہ یارسول اللہ، اس سے بڑی سعادت میرے لئے اور کیا ہوسکتی ہے، اس کے بعد حضور ﷺ نے شکیب کا ہاتھ پکڑا اور اپنے ساتھ لے گئے، خواب لمبا ہے لیکن باقی حصہ خواب کا ذہن میں نہیں رہا۔

اگلے دن مولانا شکیب قاسمی صاحب کی ولادت ہوئی، مولانا سفیان صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ یہ خواب مستقل میرے ذہن میں تھا، وقت گذرتا گیا، اور مولانا شکیب صاحب کی باقاعدہ تعلیم کا آغاز کا وقت آگیا، تعلیم کی ابتداء روایات سلف کے مطابق تسمیہ خوانی سے ہوئی، اور حضرت خطیب الاسلام نوراللہ مرقدہ نے بسم اللہ کرائی، اور پھر ابتدائی عصری تعلیم حاصل کرنے کے بعد دینی تعلیم دلانے کا فیصلہ لیا گیا، جس کا بچپن ہی سے شکیب قاسمی صاحب کو خود بھی شوق تھا، اور پھر

مولانا قاری نصر الأمین صاحب سے کلام اللہ حفظ کیا، کلام اللہ حفظ کر لینے کے بعد سال سوم تک کی ابتدائی کتابیں شاہ صاحب کی مسجد میں مولانا ابوجعفر بنگلہ دیشی سے پڑھیں۔اس کے بعد علوم شرعیہ کے حصول کے لئے باقاعدہ ازہر الہند دار العلوم میں داخلہ لیا، اور اساتذہ دار العلوم سے کسب فیض کیا، دار العلوم میں آپ کے اساتذہ میں مولانا مفتی سعید صاحب پالنپوری، مولانا ریاست علی بجنوری، مولانا عبد الخالق صاحب مدراسی، مولانا شیخ عبد الحق صاحب اعظمی، مولانا نعمت اللہ صاحب اور مولانا قمر الدین قابل ذکر ہیں۔

۱۴۳۰ھ مطابق ۲۰۰۹ء میں آپ نے دار العلوم دیوبند سے فراغت حاصل کی، علوم عربیہ خاص کر عربی زبان میں نکھار پیدا کرنے کے لئے مولانا جامعہ ازہر تشریف لے گئے، اس کے بعد انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی ملیشیا سے آپ نے ماجستیر اور پھر ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کیں۔

۲۰۱۳ء میں آپ کا نکاح مولانا احمد خضر صاحب، شیخ الحدیث دار العلوم وقف کی صاحبزادی سے ہوا۔

اس کے بعد آپ کا تقرر دار العلوم وقف دیوبند میں بحیثیت مدرس ہوا، آپ نے ابتدائی کتابیں پڑھائیں، ساتھ ہی ساتھ دار العلوم وقف کی مؤقر انتظامیہ نے آپ کو عالمی شہرت یافتہ حجۃ الاسلام اکیڈمی کا ڈائریکٹر بنایا، جو تحقیق کے جدید اور سائنٹفک اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بحث وتحقیق کے میدان میں نمایاں خدمات انجام دے رہی ہے۔ اور علمائے دار العلوم دیوبند کے لازوال علوم و معارف کو عام کرنے اور عالمی سطح پر متعارف کرانے میں نہایت نمایاں کام کر رہی ہے، اور علمائے دیوبند کے عالمی اہمیت رکھنے والے لازوال تصنیفی کارناموں کی دنیا کی عالمی زبانوں میں ترجمہ کرا کر شائع کرنے کا اہتمام کر رہی ہے، تاکہ اردو زبان سے ناواقفیت رکھنے والا کوئی عالم یا باحث عالم عربی کے مؤقر عالم دین اور باحث شیخ عبد الفتاح ابوغدہ کی طرح پھر کوئی یہ شکایت علمائے دیوبند سے نہ کر سکے کہ آپ لوگوں نے اکابر دار العلوم کے علوم و معارف کو عربی زبان میں منتقل نہ کر کے ہمارے ساتھ ناانصافی کی ہے۔

علاوہ ازیں دار العلوم وقف دیوبند کے ترجمان، ندائے دار العلوم وقف دیوبند کے مدیر ہیں، جو ہر ماہ انتہائی پابندی کے ساتھ، اعلیٰ علمی اور طباعتی معیاروں کو مدنظر رکھتے ہوئے شائع کیا جا رہا ہے، جو نہ صرف فکر دیوبند کا ترجمان ہے، بلکہ اس نے امت کی دعوتی ذہن سازی میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔

اسی طرح مولانا شکیب قاسمی صاحب نے ہندوستان سے پہلا مجلّہ محکم (Refreed Journal) شائع کیا ہے، جس میں دنیا بھر کے عرب وغیرعرب علماء کے اعلیٰ تحقیقی کام شائع ہورہے ہیں، اور جو اپنے اعلیٰ علمی معیار کی وجہ سے علمائے عرب سے داد تحسین حاصل کر چکا ہے۔ علاوہ ازیں حال ہی میں مولانا نے ایک انگریزی رسالہ Voice of Darul Uloom بھی نکالنا شروع کیا، ان کی شبانہ روز محنتوں سے کئی کتابیں بھی چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں، جن میں حیات طیب، عکس احمد وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی علمی وتعمیری کوششوں میں قبولیت و برکت عطا فرمائے اور حاسدین سے حفاظت فرمائے۔

محترم جناب عدنان قاسمی صاحب

محترم جناب عدنان قاسمی کی پیدائش ۱۱/اپریل ۱۹۵۷ء کی ہے، آپ نے خانوادہ قاسمی میں اس وقت آنکھ کھولی جب اس گھر میں حکیم الاسلام اور خطیب الاسلام جیسے مشفق مربی موجود تھے، جن کی حکیمانہ تربیت کے نمایاں اثرات آپ کی شخصیت میں موجود ہیں۔ ابتدائی تعلیم کا آغاز کلام اللہ سے ہوا، اور آپ نے ناظرہ کلام اللہ پورا کرلیا، پھر جامعہ دینیات کا نصاب مکمل کرنے کے بعد تین سال دارالعلوم میں فارسی خانہ میں پڑھا اور تین سال عربی درجات میں سال سوم تک دارالعلوم دیوبند میں زیرتعلیم رہے، اس کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ میں تعلیم حاصل کی۔

آپ کو حق تعالیٰ شانہ نے غیرمعمولی صلاحیتوں سے نوازا، معاملہ فہمی اور سنجیدگی کے ساتھ ساتھ اللہ رب العزت نے خوش الحانی کی دولت سے مالا مال فرمایا ہے۔ آپ کی خاموشی آپ کی شخصیت کی دلنوازی ودلآویزی میں اضافہ کرتی ہے۔

آپ کی خوش الحانی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب صد سالہ عظیم الشان تاریخی اجلاس دیوبند میں ہوا تو دارالعلوم دیوبند کا ترانہ پڑھنے کے لئے جن حضرات کے اسماء گرامی کا انتخاب اکابرین دارالعلوم دیوبند نے کیا ان میں سرفہرست محترم جناب عدنان قاسمی کا نام تھا، ان حضرات نے اس ترانہ کو نہ صرف پڑھا بلکہ اجلاس صد سالہ کی عظمت اور شان کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے پڑھا، بقول جناب عدنان قاسمی صاحب کہ پانچ لوگوں کی ٹیم بنی تھی اور لئے میری تھی، ان کی خوش الحانی کی وجہ سے میں نے اپنی والدہ محترمہ کو بارہا محترم جناب عدنان قاسمی صاحب سے یہ فرمائش کرتے ہوئے

سنا کہ مجھے ایک مرتبہ ترانہ دارالعلوم اپنی آواز میں سنا دو، فی الحال دہلی میں مقیم ہیں اور ایک بڑے تاجر کی حیثیت سے معروف ہیں۔ ۱۹۹۰ء تا ۱۹۹۲ء ساؤتھ امریکہ کے ملک چلی میں مقیم رہے۔ اللہ رب العزت آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ جناب عدنان قاسمی صاحب کے ایک صاحبزادے ہیں جن کا نام یاسر ہے اور ایک صاحبزادی ہیں جن کا نام یسریٰ ہے۔

جناب حافظ محمد عاصم قاسمی صاحب

آپ حضرت کے سب سے چھوٹے صاحبزادے ہیں۔ ۶ جنوری سن ۱۹۶۷ء میں دیوبند میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم دارالعلوم دیوبند میں حاصل کی اور وہیں سے قرآن کریم حفظ کیا، فی الحال جناب حافظ عاصم صاحب Orlando, USA میں مقیم ہیں اور ایک نہایت انسانیت نواز تاجر ہیں، اسی کے ساتھ ساتھ مختلف تعلیمی اور فلاحی میدانوں میں انتہائی سرگرم عمل ہیں۔

آپ عالمی شہرت یافتہ ادارے طیب ٹرسٹ انڈیا کے چیر پرسن بھی ہیں، طیب ٹرسٹ، انڈیا ایک فلاحی ادارہ ہے جو انسانیت کے فلاح و بہبود کے لئے مختلف میدانوں میں کام کرتا ہے اور بہت ہی کم قیمت پر ہندوستان میں طبی سہولیات فراہم کرتا ہے، اسی طرح کم قیمت پر مکانات کی تعمیر، مختلف قسم کی مہارتوں کے فروغ اور حادثات کے شکار علاقوں میں امداد کا کام بڑے پیمانے پر کرتا ہے۔

طیب ٹرسٹ کے زیر انتظام ایک ہسپتال دیوبند میں چل رہا ہے جو تمام تر طبی سہولیات کو کم قیمت پر دیوبند اور اطراف دیوبند کے باشندوں کے لئے مسلسل کوشاں ہے۔ جس میں نہایت لائق اطباء کی ایک ٹیم ہے علاوہ ازیں اسی طرح مظفرنگر میں ہوئے فرقہ وارانہ فساد زدگان کے لئے طیب ٹرست نے ۸۵۰ نئے مکانات بنا کر دیئے ہیں۔ طیب ٹرسٹ کے زیر انتظام ہندوستان کے مختلف صوبوں میں مہارتوں کے فروغ کے لئے جگہ جگہ (Skill Centers) مراکز چل رہے ہیں، جناب حافظ عاصم صاحب مندرجہ ذیل اداروں کے صدر بھی ہیں۔

(1) A To Z wrldwide In U.S.A.

(2) Maser Impex Pvt. Ltd India

(3) Automobiles and food products exports

اس سے قبل محترم جناب حافظ عاصم صاحب نے جامعہ دینیات دیوبند سے فاضل دینیات کی

ڈگری بھی حاصل کی ہے، اس کے بعد آپ نے University of Maryland, USA سے Decision Making میں ماسٹر کی ڈگری حاصل کی ہے۔

جناب حافظ عاصم صاحب چار زبانوں پر یکساں قدرت رکھتے ہیں (۱) اردو (۲) انگریزی (۳) اسپینش اور ہندی، بعرض تجارت آپ نے تقریباً ساٹھ ملکوں کا دورہ کیا اور مختلف عناوین پر دنیا کے مختلف مراکز اور اداروں میں لکچر بھی دے چکے ہیں۔

جناب حافظ عاصم قاسمی بہت ہی گوناں گوں خصوصیات کے حامل ہیں، تعمیری اور مثبت سوچ رکھنے کے اعتبار سے آپ اپنے آباؤ اجداد کے نقش قدم پر ہیں اور خانوادۂ قاسمی کی مثبت تعمیری اور اقدامی سوچ کے وارث ہیں۔

محترم جناب حافظ عاصم قاسمی صاحب کو حق تعالیٰ شانہ نے غیر معمولی صلاحیتوں کا حامل بنا کر جذبہ خدمت خلق جیسی صفت سے متصف فرمایا، مزید برآں افہام وتفہیم کا جو ملکہ راقم الحروف نے آپ میں دیکھا بہت کم لوگوں میں دیکھنے کو ملتا ہے، بات کرنے کا سلیقہ اور گفتگو کا انداز اس قدر مرتب ہے کہ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سے یہ وصف بطور خاص آپ میں منتقل ہوا۔

﴿ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء﴾ (سورۃ الجمعۃ: ۴)

راقم الحروف نے آپ کو بہت قریب سے دیکھا اور آپ سے استفادہ کا خوب موقع ملا جب آپ گفتگو فرماتے ہیں تو اپنی بات کو اس قدر سلیقہ وقرینہ اور باوقار لہجہ میں بیان کرتے ہیں کہ سامع کے پاس سوائے تسلیم کرنے کے چون وچرا یا کسی طرح کے سوال کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

اس کے علاوہ غریبوں، محتاجوں، معذوروں، آفت زدہ لوگوں، ناداروں کے لئے، بیواؤں و مساکین کے لئے، اسی طرح عام ہندوستانیوں سے ناخواندگی کی شرح کو ختم کرنے کے لئے جو جذبات آپ کے دل میں موجزن ہیں ایسے جذبات کے حامل لوگ اب نادر ہی نظر آتے ہیں۔ اسی لئے ان جذبات کو عملی جامہ پہنانے میں ہمہ تن مصروف عمل ہیں۔

حافظ عاصم قاسمی صاحب کو بھی آواز خاندانی طور پر ورثہ میں ملی، خوش الحانی کے ساتھ بے نظیر قرآن کریم پڑھتے ہیں اور تعلیم قرآن کے سلسلہ میں آپ کے منفرد اور مخصوص تجربات ہیں، جو تجربات تعلیم قرآن کے لئے آپ نے امریکہ میں سیاہ فام لوگوں کو قرآن سکھانے کے لئے کئے، اور مستقل بذریعہ انٹرنیٹ لوگوں کو قرآن پڑھاتے ہیں، ایک واقعہ اس وقت یاد آرہا ہے نقل کرتا چلوں،

میں اور بھائی جان اوکھلا، نئی دہلی میں جناب حافظ عاصم قاسمی صاحب سے ملاقات کی غرض سے ان کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے، مختلف موضوعات پر گفتگو ہوتی رہی، اسی دوران مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا، نماز کے لئے محترم جناب حافظ عاصم قاسمی صاحب نے بھائی جان کو کہا کہ آپ نماز پڑھائیں، لیکن بھائی جان نے ان ہی سے نماز پڑھانے کی درخواست کی، بہر حال ہم لوگوں نے ان کے پیچھے نماز پڑھی، نہایت عمدہ ادائیگی اور خوش الحانی سے قرآن کریم کی تلاوت کی، اپنے خاندان کے بزرگوں کا لہجہ بہت دنوں میں سننے کو ملا تھا، بھائی جان نماز کے بعد مجھ سے کہنے لگے، بڑی غلطی ہوتی اگر آج میں نماز پڑھا دیتا حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنے حفید مکرم جناب عاصم بھائی کے تکمیل حفظ کے مبارک ومسعود موقع پر بہ عنوان ''دعائے طیب'' ایک منظوم دعا بھی لکھی، جو درج ذیل ہے:

ابنِ حافظ ابن حافظ ابن حافظ کا مقام
طیبؔ و پاکیزۂ و قاسم بکف ذی احترام
یہ سعادت فضل رب کا عکسِ کامل بے مثال
یہ سعادت عشرت ہستی کا حاصل بے مثال
اس سعادت کو دعائے طیبؔ و قاسمؔ کہو
یا مسرت بیز لمحے، حسرت سالم کہو
یہ دعاء ہے کیف کا یہ رنگِ نو باقی رہے
فضلِ یزداں کا حسیں آہنگِ نو باقی رہے
علم و فضل و زہد میں اسلاف کا ہو یہ مثیل
ہو حیات عاصمؔ معصوم رفعت کی دلیل
رنگ کامل ہو خدا کے فضل کا الطاف کا
ہو زمانہ بھر میں چرچا حفظ کے اوصاف کا

اس دعاء ہی کا اثر ہے جو آپ کی شخصیت میں نظر آتا ہے، آپ کی ذات فکری ہمہ گیریت کے ساتھ ساتھ تخلیقی صلاحیت کی حامل ہے، آپ کی خوش الحانی سے متاثر ہو کر بعض عرب حضرات نے بہ غرض تراویح امریکہ آنے کی آپ کو دعوت دی، اس کے بعد بقیہ تعلیم وہیں مکمل کی، تعلیم کے بعد تجارتی

مصروفیات کے ساتھ ساتھ واشنگٹن کے اسلامک سینٹر سے بھی وابستہ رہے اور اپنے حلقۂ اثر میں تبلیغ اسلام خاص موضوع رہا، کافی لوگ آپ کی دعوت پر حلقۂ بگوش اسلام ہوئے، حافظ عاصم صاحب نے امریکہ سے مختلف ملکوں میں بغرض تجارت سفر کئے، آپ معاشی استحکام کے بعد اپنے خاندانی بزرگوں سے ملی وراثت یعنی نافعیت کے جذبہ کے ساتھ اپنے وطن ہندوستان لوٹے اور حضرت خطیب الاسلام سے مشورہ کے بعد آپ نے مختلف میدانوں کو دائرہ کار بنا کر اپنی تحریک کا آغاز کیا اور تعلیم، صحت، غریبی کا خاتمہ، معذور اور آفات زدہ لوگوں کی اس طرح مدد کرنے کا نظام بنایا کہ وہ خود کفیل ہو جائیں اور دوسروں کی محتاجگی سے بچ جائیں، اس کے لئے انہوں نے اپنے جد امجد حضرت حکیم الاسلام کے نام پر ایک ٹرسٹ بنائی جس کا نام ''طیب ٹرسٹ رکھا اور اس کا آغاز حضرت خطیب الاسلام کے حکم پر سرزمین دیوبند ہی سے کیا۔

فی الحال آپ بحیثیت چیرمین ''طیب ٹرسٹ'' ہندوبیرونِ ہند مذکورہ بالا میدانوں میں انتہائی خیر خواہی اور جذبہ نافعیت کو سامنے رکھتے ہوئے سرگرم عمل ہیں، اللہ رب العزت آپ کی ان خدمات کو قبول فرما کر لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے اور آپ کے جملہ مقاصد حسنہ میں کامیابی عطا فرمائے۔

صاحبزادیاں

حضرت خطیب الاسلام کی دو صاحبزادیاں ہیں، بڑی صاحبزادی جن کا نام اسماء قاسمی ہے، خاندانی سنجیدگی اور متانت لئے ہوئے ہیں، حضرت کو ان سے خاص انسیت رہی اور بار بار راقم الحروف کے سامنے حضرت نے تذکرہ کیا تو محسوس ہوا کہ پدرانہ شفقت کے ساتھ ساتھ خاص لگاؤ اور ان سے خصوصی ربط اور تعلق ہے، ان کا نکاح چاند پور کے ایک صدیقی خاندان میں محترم جناب اعجاز صاحب سے ہوا، اس وقت نہایت افسوس کے ساتھ یہ بات لکھ رہا ہوں کہ حضرت کے انتقال کے پندرہ ہی دن بعد ان کا بھی انتقال ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ محترمہ اسماء قاسمی کا راقم الحروف کی والدہ محترمہ سے بچپن سے ایک خاص ربط رہا۔ آپ نے ایم اے اردو تک تعلیم حاصل کی۔

حضرت کی دوسری صاحبزادی

حضرت کی دوسری صاحبزادی محترمہ عظمیٰ ناہید قاسمی صاحبہ ہیں، آپ اقراء ایجوکیشن فاؤنڈیشن، شکاگو کی ہندوستانی شاخ کی چیرمین ہیں، اس کے علاوہ ملک و بیرون ملک اصلاحی تحریکات سے فعال

وابستگی کی بنیاد پر ملک کی معزز ترین خاتون کی حیثیت سے متعارف ہیں، آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ میں خواتین ونگ میں نہایت فعال شخصیت کی حیثیت سے جانی جاتی ہیں۔[1]

حضرت کوان سے چھوٹی صاحبزادی ہونے کی وجہ سے ایک خاص قسم کا لگاؤ تھا، حضرت کی اس محبت کوایک خاص قسم کی محبت اس لئے کہا کہ دراصل یہ ایک سنت کا احیاء ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی تمام صاحبزادیوں میں سب سے چھوٹی صاحبزادی سیدہ فاطمہ سے خاص قسم کی محبت اور تعلق تھا، اس لئے حضرت خطیب الاسلام کی اپنی چھوٹی صاحبزادی عظمی قاسمی سے ایک خاص قسم کی محبت میں عادت کونہیں احیاء سنت کو خاص دخل ہے، ہمارے بزرگان دین چھوٹی چھوٹی باتوں اور بظاہر معمولی واقعات سے بھی سنت کو تلاش کر لیتے ہیں۔

آپ کی تربیت میں حضرت کی ذہن سازی اور فکری وعملی قوت کا بڑا دخل ہے، اپنے والد کی فکر سے بھی مستنیر ہیں اور اپنے والد کی قوت عمل سے بھی غیر معمولی طور پر متاثر ہیں۔

آپ کا نکاح انبہیٹہ کے مشہور شیوخ انصاری خاندان اور مولانا عبداللہ انصاری انبہیٹوی کے خاندان سے تعلق رکھنے والے محترم جناب سلمان غازی انصاری صاحب سے ہوا جو مولانا حامد الانصاری غازی صاحب کے صاحبزادے ہیں۔[2]

محترمہ عظمی قاسمی صاحبہ فی الحال ممبئی میں مقیم ہیں اور ہندوستانی مسلم خواتین کے تعلیمی و دینی مسائل کو حل کرنے کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ ملک کے مؤقر رسالوں اور جرائد میں آپ کے مختلف موضوعات پر مضامین چھپتے رہتے ہیں، اور رفاہی کاموں میں مستقل شریک رہتی ہیں، گویا کہ خانوادۂ قاسمی کی علمی وراثت اور نافعیت کے فیض کو آگے بڑھانے میں مستقل شریک اور سرگرم عمل ہیں۔

حضرت خطیب الاسلام کے برادران

حضرت خطیب الاسلام کے چھوٹے بھائی متکلم اسلام حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی صاحب رحمۃ

---

[1] پس مرگ زندہ، حضرت مولانا نور عالم خلیل الأمینی استاذ ادب عربی دار العلوم دیوبند

[2] مولانا عبداللہ انصاری کی نانیہال نانوتہ میں راقم الحروف کے خاندان میں تھی اور آپ حضرت حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم النانوتویؒ کے بھانجے تھے، آپ ہی کو حضرت نانوتویؒ نے سرسید رحمۃ اللہ علیہ کی فرمائش پر علی گڈھ مسلم یونیورسٹی بھیجا اور آپ ہی اس مدرسۃ العلوم (علی گڈھ مسلم یونیورسٹی) میں شعبہ دینیات کے سب سے پہلے ڈین ہوئے اور آپ ہی نے سرسید کی وصیت کے مطابق ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔

اللہ علیہ کی شخصیت پر لکھنا اور ان کی زندگی کے کارناموں کا تذکرہ کرنا یہ خود ایک ایسا موضوع ہے جو مستقل ایک کتاب کا متقاضی ہے، اس لئے اس کتاب میں ان کے حالات کا احاطہ تو ناممکن ہے، مگر اختصاراً ان کے تعلق سے چند باتوں کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں۔

متکلم اسلام حضرت مولانا محمد اسلم صاحب رحمۃ اللہ علیہ

قریب کے زمانے میں سرزمین دیوبند کو اپنے جن فرزندان پر بڑا ناز رہا ہے، ان فرزندان کی فہرست میں ایک نام خانوادہ قاسمی کے ایک نہایت باوقار فرد متکلم اسلام حضرت مولانا اسلم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے، جو حضرت خطیب الاسلام کے چھوٹے بھائی اور آپ سے تقریباً عمر میں بارہ ۱۲ سال چھوٹے تھے، حضرت خطیب الاسلام کی پیدائش ۱۹۲۶ء کی ہے جب کہ متکلم اسلام کی پیدائش ۳ جون ۱۹۳۸ء میں ہوئی، حضرت متکلم اسلام کی تسمیہ خوانی خود ان کے والد ماجد نے کرائی جب کہ اس سے قبل تحنیک بھی خود ہی کرائی تھی۔[1]

دارالعلوم دیوبند میں جناب قاری کامل صاحبؒ کے پاس قرآن کریم ناظرہ پڑھا، پھر فارسی خانہ میں داخلہ لے کر چار سال دارالعلوم دیوبند میں فارسی پڑھی، آپ کے فارسی کے اساتذہ میں مولانا بشیر صاحب، مولانا ظہیر صاحب، قاری مشفع صاحب وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، فارسی کی تکمیل کے بعد درجات عربیہ میں داخل ہوئے اور ۱۹۵۹ء میں دارالعلوم سے فراغت حاصل کی، درجات عربیہ کے اساتذہ میں حضرت مولانا حسین احمد مدنی، مولانا فخر الدین صاحب مرادآبادی، حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب، حضرت مولانا عبدالاحد صاحب، حضرت مولانا نعیم صاحب اور حضرت خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی دامت برکاتہم جیسے حضرات قابل ذکر ہیں، آپ کو سند حدیث حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل ہے، لیکن جس سال آپ نے دورہ حدیث شریف کیا، اسی سال حضرت مدنیؒ کا انتقال ہوگیا، ان کے بعد حضرت مولانا فخر الدین صاحب دارالعلوم دیوبند کی مسند حدیث پر جلوہ افروز ہوئے، جن سے آپ نے بخاری شریف کی تکمیل کی، آپ کو ان سے بھی اجازت حدیث حاصل ہے۔ اس عاجز کی ایک مرتبہ حاضری

---

[1] راقم الحروف نے متکلم اسلام حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی سے تحنیک کے بارے میں دریافت کیا تو فرمایا تھا کہ میری تحنیک بھی اور تسمیہ خوانی بھی والد گرامی قدر نے خود کی تھی۔

ہوئی تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی درسی خصوصیات کا بہت جامع انداز سے تذکرہ فرمایا اور یہ بتلایا کہ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بخاری کے اسباق پڑھنے کی سعادت احقر کو ملی لیکن درمیان سال ہی میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوگیا۔ فرمایا کہ مولانا فخر الدین صاحب اگر چہ بڑے محدث تھے لیکن حضرت مدنیؒ کے سبق کی بات کہاں کیونکہ حضرت کے سبق میں تو ہر پانچ منٹ بعد پوری درس گاہ گل گلزار ہوتی تھی، اور مولانا فخر الدین صاحب کے سبق میں نہایت سنجیدگی تھی۔

دارالعلوم سے فراغت کے بعد آپ عصری علوم میں مصروف ہوگئے، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے میٹرک کا امتحان دیا اور عصری علوم میں مہارت حاصل کی، ۱۹۶۹ء دارالعلوم دیوبند میں آپ کا تقرر ہوا، مختلف شعبہ جات میں آپ نے خدمات انجام دیں، مثلاً ابتداء میں آپ کو ناظم برقیات بنایا گیا اور پھر صد سالہ کے عالمی اجلاس کا آپ کو منتظم اعلیٰ مقرر کیا گیا، جس کے اس منظّم طریقے سے انعقاد میں آپ کا کردار بہت نمایاں رہا۔ دارالعلوم وقف دیوبند کے قیام کے بعد آپ نے یہاں باضابطہ تدریس کا آغاز فرمایا، اور مشکوۃ شریف، ابوداؤد شریف، ترمذی شریف جیسی اہم کتابیں آپ سے متعلق رہیں اور اب گذشتہ کئی سال سے بخاری شریف جلد اول آپ سے متعلق تھی، آپ کا درس طلبہ میں بیحد مقبول تھا، شگفتہ سلجھی ہوئی تقریر ہوتی، الجھی ہوئی عبارتوں اور مشکل ترین مسائل اور مقامات کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ حل فرماتے، اختلافی مسائل میں علماء کے اختلاف اور ان کے صحیح مذاہب کی تفصیلات مستند کتابوں کے حوالے سے بیان فرماتے، پھر ائمہ کے دلائل اور آخر میں امام ابوحنیفہ کے دلائل کا ذکر ہوتا، مگر اس شان سے کہ ائمہ پر کوئی حرف نہ آئے، بخاری شریف میں ترجمۃ الباب کی تشریح اور حدیث سے اس کی مطابقت پر پوری توجہ صرف ہوتی۔

حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیری کی وفات کے بعد ۲۰۰۸ء میں آپ کو دارالعلوم وقف کے صدر المدرسین اور ناظم مجلس تعلیمی کے منصب پر فائز کیا گیا جس کو آپ نے بحسن وخوبی انجام دیا، دارالعلوم وقف میں اعلی منصب پر فائز ہونے کے باوجود سادگی اور تواضع کا مجسمہ تھے، تدریس کے ساتھ ساتھ تصنیف وتالیف سے بھی ان کو خاص شغف تھا، سیرت حلبیہ کا مکمل ترجمہ سیرت پاک کے نام سے سیرت کے موضوع پر ایک اہم مجموعہ ہے جو آپ کے قلم کا شاہکار ہے، آپ بے مثال خطیب، انفرادی شان کے مصنف، مقبول مدرس، سحر طراز صاحب قلم ادیب، بلند فکر شاعر تھے اور رمزی تخلص فرماتے تھے، غرض یہ کے گوناگوں صلاحیتوں کے حامل تھے، خاموش طبعی کے ساتھ ساتھ متانت، وقار

اور برد باری لئے ہوئے، یورپی ممالک کے اسفار میں اکثر حکیم الاسلام کے رفیق سفر اور حکیمانہ خطاب کے ترجمان ہونے کا شرف بھی آپ ہی کو حاصل تھا، اجلاس صد سالہ کے ناظم وروح رواں، ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ اپنی بے مثال خطابت کے حوالے سے ملک و بیرون ملک مقبول و مشہور تھے اور ہندوستان بھر سے ان کے پاس خطابت اور تقریر کے لئے دعوت نامے آتے رہتے تھے، اور وہ ان تقاضوں کو باوجود تدریسی مصروفیات اور طبیعت کی ناسازی کے پورا کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ مجھے اس وقت آپ کی خطابت پر ایک دو واقعے یاد آرہے ہیں۔

سن ۲۰۰۰ء کا واقعہ ہے، علی گڑھ مسلم یونیوسٹی کی سیرت کمیٹی نے حسب معمول ایک پروگرام ''سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے عنوان پر منعقد کیا، اس پروگرام میں ہندوستان کے ماہرین سیرت کو دعوت دی گئی ان ہی حضرات میں حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی دعوت دی گئی اور کلیدی خطاب بھی آپ ہی کا رکھا گیا، اس میں شعیہ حضرات کے علماء کو بھی دعوت دی گئی تھی، اس زمانے میں راقم الحروف اور میرے بھائی جان بھی وہیں تعلیم حاصل کر رہے تھے، بہر حال حضرت نے سیرت کے عنوان پر گفتگو شروع کی، یونیورسٹی کا کنیڈی ہال طلبہ اور اساتذہ سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا، یونیورسٹی کے تمام ذمہ داران پروفیسر صاحبان اور ریٹائرڈ حضرات اور خواتین وہاں پر موجود تھے، تین گھنٹہ مسلسل علوم وفنون اور سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر چمنستان سیرت کے بلبل نے نغمہ سرائی کی، وہ منظر اور نقشہ راقم الحروف کے مکمل ذہن میں ہے کسی شخص کی تقریر اس طرح خاموشی سے مسلسل تین گھنٹہ سنتے ہوئے میں نے علی گڑھ کے لوگوں کو کبھی نہیں دیکھا تھا، کس قدر خاموشی تھی مجمع پر اور سب کے سب ہمہ تن گوش تھے، یہ تقریر مکمل ہونے کے بعد جناب پروفیسر ابوالکلام قاسمی[1] سابق چیف ایڈیٹر ''تہذیب الاخلاق'' علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے راقم سے فرمایا کہ مولانا اسلم صاحب نے آج حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی یاد تازہ فرمادی، ڈاکٹر نعیم صاحب، پروفیسر ڈاکٹر خورشید صاحب وغیر ہمانے تو فرمایا کہ ہمیں افسوس ہوا کہ یہ بیان ختم کیوں ہوگیا۔

---

[1] پروفیسر جناب ابوالکلام قاسمی دارالعلوم کے فارغ التحصیل ہیں، اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں شعبہ اردو کے صدر بھی رہ چکے ہیں، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ترجمان سمجھے جانے والے مشہور رسالے تہذیب الاخلاق کے ایڈیٹر بھی رہے ہیں، اور عالمی سطح پر آپ کی پہچان اردو کے ادیب اور ناقد کی حیثیت سے ہے۔ موصوف بہت ساری علمی اخلاقی خوبیوں کے مالک ہیں، اور دارالعلوم دیوبند کے فارغین طلبہ سے خصوصی رابطہ رکھتے ہیں۔

دوسرا واقعہ جس کا ذکر اوپر گذر چکا مگر مختصراً عرض کرتا چلوں، راقم الحروف کے چھوٹے بھائی عزیزم محمد طیب کا ۲۲ سال کی عمر میں انتقال ہوگیا، انتقال جمعہ کے دن ہوا تھا، حضرت متکلم اسلام نانوتہ تشریف لائے، والد محترم حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی نانوتوی نے حضرت سے درخواست کی کہ حضرت کچھ دیر جمعہ سے قبل صبر پر بیان فرما دیجئے، حضرت متکلم اسلام اٹھے اور ممبر پر تشریف فرما ہوئے اور یہ دریافت کیا کہ وقت کتنا باقی ہے؟ بتایا گیا کہ حضرت خطبہ میں تو پندرہ منٹ باقی ہیں مگر مزید وقت چاہیں تو کوئی مضائقہ نہیں حضرت نے پندرہ منٹ میں ''صبر'' کے عنوان پر جو گفتگو فرمائی اس کے بعد ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے غمزدہ دلوں پر کسی نے مرہم رکھدیا ہو، اس تقریر سے اہل خانہ کو انتہائی تسلی ہوئی۔

راقم الحروف کے زیادہ تر دعوتی اسفار رہتے ہیں اکثر و بیشتر جہاں بھی جانا ہوتا ہے وہاں جا کر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت متکلم اسلام مولانا محمد اسلم صاحب اس علاقے میں تشریف لائے تھے اور ان کے بیانات سے پورے علاقے میں یہ محسوس ہو رہا ہے کہ علاقے والوں کے ایمان تازہ ہوگئے۔

راقم الحروف کی حضرت متکلم اسلام کے ساتھ کئی خاص نشستیں ہوئیں اور جب جب بھی آپ کے پاس سے آتا، ایک نیا جذبہ کام کرنے کا اپنے اندر محسوس ہوتا، اب سے دس بارہ سال قبل ایک مرتبہ خدمت میں حاضری کے موقعہ پر میں نے بتایا کہ والدہ نے خواتین میں ہفتہ واری تبلیغ کا کام شروع کردیا ہے، یہ سن کر خوشی کا اظہار فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ عزیزہ نے بروقت کام شروع کیا اگر اس سے قبل یہ کرتیں تو بچوں کی تربیت میں کمی واقع ہوسکتی تھی اور فرمایا کہ آپ کی والدہ کی طبیعت میں بڑی صلاح ہے اور یہ صلاح بچپن ہی سے ہے۔ایک ایسی ہی ملاقات کے موقعہ پر فرمایا کام مسلسل جدوجہد کا نام ہے۔

ایک مرتبہ راقم الحروف اپنی والدہ محترمہ کے ساتھ حاضر خدمت ہوا تو فرمایا کہ ''مطالعہ جب تک غذا کی طرح نہ ہو اس وقت تک انسان علم کی لذت سے ناآشنا رہتا ہے۔''

ایک مرتبہ راقم الحروف اپنے بھائی جان کے ساتھ حاضر خدمت ہوا تو بڑے پُر درد لہجہ میں فرمایا کہ ''ہماری قوم جمود کا شکار ہوگئی، اقدامی صلاحیتیں معدوم سی ہوگئیں'' ابھی آخری ایام میں یعنی وفات سے ڈیڑھ دو سال قبل فرمایا کہ صحت سفر کی اجازت نہیں دیتی اور تقاضے چھوڑتے نہیں، صحت سے اوپر تقاضوں کو پورا کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اور جامعہ ملیہ اسلامیہ سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد

علیگڑھ سے تعلیم حاصل کی، اور وہیں شعبہ اسلامک اسٹڈیز سے وابستہ ہوگئے، اور ابھی علی گڑھ ہی میں مقیم ہیں۔

حضرت متکلم اسلام کا نکاح مؤرخ اسلام حضرت مولانا محمد میاں صاحب، مؤلف ''علمائے ہند کا شاندار ماضی'' کی چھوٹی صاحبزادی سے ہوا۔ حضرت مولانا اسلم صاحب کے نکاح کے موقعہ پر حضرت خطیب الاسلام نے ایک تہنیتی نظم لکھی تھی، جو آپ کی بیاض میں لکھی ہوئی تھی۔ اس نظم کے اشعار مندرجہ ذیل ہیں۔

نغمۂ تہنیت برادر عزیز مولوی محمد اسلم سلمہٗ قاسمی کی شادی خانہ آبادی کی پرمسرت تقریب سعید

نذرانۂ اخلاص

حیات نو کی منزل مبارک   وفور شوق کا حاصل مبارک
عزیز اسلم بایں یمن و سعادت   بہ نقد دل بہ نقد دل مبارک
طلوع مہر تابان محبت   عروج فکر سامان محبت
نگاہیں ترجماں، ہیں آج جس کی   مبارک ہو یہ عرفان محبت
جہاں دل میں آب و گل محبت   یہاں رہبر ہے دل منزل محبت
وقار علم سے چہرہ مشین   حیا کی آب سے سہرا مزین
دعائے والدین محترم سے   نگاہ و دل نے کی منزل معین
دعائیں دے رہے ہیں دل ہمارے   قرین اخلاص مندی ہو تمہارے
طلوع شمس عزت ہو یہ سہرا   رہیں جب تلک فلک پر چاند تارے

مولانا اسلم قاسمی صاحب کے دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہیں۔ بڑے صاحبزادے مولانا فاروق صاحب ہیں، جو دارالعلوم وقف دیوبند میں حدیث کے استاذ ہیں، اور دوسرے صاحبزادے جناب ہشام قاسمی صاحب ہیں، جو فی الحال دہلی میں مقیم ہیں، اور ایک کامیاب تاجر ہیں۔ بڑی صاحبزادی محترمہ فوزیہ قاسمی صاحبہ کا کافی پہلے انتقال ہو چکا ہے، دوسری صاحبزادی محترمہ

فرح صاحبہ ہیں، جو متولی فیض الاسلام کاندھلوی کے صاحبزادے جناب محترم بدرالاسلام صاحب کاندھلوی سے منسوب ہیں اور دہلی میں مقیم ہیں۔

آپ نے کئی ماہ کی طویل علالت کے بعد ۱۳ نومبر ۲۰۱۷ء بروز دوشنبہ اپنے اہل خانہ کے علاوہ ہزاروں شاگردوں اور بے شمار فیض یافتہ لوگوں کو داغ مفارقت دے کر داعی اجل کو لبیک کہا اور اس طرح آپ کی وفات سے پورے ایک عہد کا خاتمہ ہوگیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون، احاطہ مولسری میں حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی نے نماز جنازہ پڑھائی اور اپنے باپ دادا کے پہلوؤں میں مزار قاسمی میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آسودہ خواب ہوگئے۔

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

پروفیسر اعظم قاسمی صاحب

پروفیسر اعظم قاسمی صاحب دامت برکاتہم حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے چھوٹے بھائی ہیں، صاحبعلم، صاحب بصیرت ہیں، چہرہ شائستگی، وقار اور علمی عظمت کا گواہ ہے، سیرت و اخلاق خاندانی شرافتوں کی نمائندہ، اسلامیات میں مہارت کے ساتھ عصری علوم سے بھی آگاہ ہیں اردو ادب کے شہ سوار، انگریزی پر عبور، شعبہ اسلامیات علی گڑھ یونیورسٹی سے تاحیات وابستہ رہے، اللہ تعالیٰ نے زبردست حافظہ بھی عطا فرمایا ہے۔ جناب اعظم قاسمی کو حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ نے ابتداء میں دینی تعلیم دلوانے کی بہت کوشش کی، لیکن انہوں نے دینی علوم کے ساتھ عصری علوم بھی حاصل کیے۔ ان کا نکاح گنگوہ کے مشہور حکیم اجمیری خاندان میں ہوا۔ ان کے دو صاحبزادے اور دو صاحبزادیاں ہیں۔ بڑے صاحبزادے ائیر فورس میں ملازم ہیں جبکہ دوسرے صاحبزادے علیگڑھ میں زیر تعلیم ہیں۔

خطیب الاسلام کی ہمشیرہ ہاجرہ نازلی صاحبہ

ہاجرہ نازلی حضرت حکیم الاسلام کی صاحبزادی اور حضرت خطیب الاسلام کی ہمشیرہ ہیں، ان کی پیدائش ۱۹۲۰ء میں دیوبند ضلع سہارنپور میں ہوئی، جن کی شخصیت پر بھی خانوادہ قاسمی کے علمی اور پاکیزہ ماحول کا اثر پڑا۔

ان کا نکاح مولانا حامد انصاری غازی صاحب سے ہوا، ہاجرہ نازلی صاحبہ نے مختلف مجلّات اور رسائل مثلاً ''سہیل''، ''سہیلی'' اور ''عصمت'' وغیرہ میں لکھ کر اپنی قلمی اور تعلیمی سفر کا آغاز کیا، اور اس طرح اپنے جذبات کی بذریعۂ قلم عکاسی کر کے معاشرے میں پھیلی برائیوں کو ختم کرنے کی سعی پیہم کی، ان کے ذریعہ بہت سی خواتین اور لوگوں کی اصلاح ہوئی۔

ہاجرہ نازلی کا ۲۰۰۴ء میں علی گڑھ میں انتقال ہوا، اس طرح ان کی عمر ۸۴ سال ہوئی، آپ نے تقریباً ۲۴ ناول لکھے، جن میں سے چند کے نام یہ ہیں (۱) صبیحہ (۲) نغمہ (۳) نئے قدم (۴) غم دوراں (۵) غم جاناں (۶) شب آرزو (۷) شبینہ (۸) دو روپ (۹) انتظار سحر (۱۰) نشاط غم (۱۱) ببول کے سائے (۱۲) نمود سحر (۱۳) گھنی چھاؤں تلے (۱۴) خوابوں کے جزیرے (۱۵) ایک گھروندہ برف کا (۱۶) بھیگا دامن، اسی طرح بے شمار چھوٹے چھوٹے قصے اور کہانیاں لکھیں جن کے ذریعہ سماج اور معاشرہ میں پھیلی برائیوں کے خاتمے کی کوششیں فرمائیں۔ ان کی یہ کہانیاں اور قصے ہندوستان کے مشہور رسالوں مثلاً ''بانو'' ''پاکیزہ ڈائجسٹ'' ''شمع'' ''خاتون مشرق'' ''حریم'' ''زیور'' وغیرہ میں شائع ہوئے، ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں ''ان کی کہانی ہے'' ''دولہا بکتا ہے'' ''قہقہہ'' ''ایک مکالمہ'' ''دس ضرب دس اور بس'' ''پرکھ'' ''خواہشیں فریب ہیں'' ''سمٹتی دھوپ'' ''بوڑھے منہ مہاسے'' ''سودا'' ''پیار کی پیاس'' ''مایا جال'' وغیرہ وغیرہ۔

ہاجرہ نازلی ایسی کاتبہ ہیں جن کے ناول اور کہانیوں کی بنیاد اسلامی مبادی واصول ہیں، جن سے ان کا مقصد اخلاق کی پاکیزگی، اپنی اقدار وقیم کی حفاظت اور ایک صالح معاشرہ کی تشکیل ہے۔

بہرحال ہاجرہ نازلی نے یہ سب کچھ کسی باقاعدہ مدرسہ میں داخلہ لے کر نہیں سیکھا، بلکہ یہ سب اس ماحول اور تربیت کا اثر تھا جس میں وہ پروان چڑھیں، راقم الحروف بھائی جان کی معیت میں علی گڑھ میں تعلیم کے دوران کئی مرتبہ حاضر ہوا، ان کا پان کھا کر بڑے خوش اسلوبی کے ساتھ گفتگو کرنا مجھے یاد ہے، انہوں نے درود پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک واقعہ بھی سنایا تھا، جس کو بھائی جان نے ''درود شریف پڑھنے کے فضائل و برکات اور ثمرات'' میں نقل کیا ہے، واقعہ چونکہ بڑی اہمیت کا حامل ہے اس لئے نقل کرتا ہوں:

''جدہ کے ایک صاحب خیر صاحب ثروت عرب تھے، جن کو اللہ نے بے شمار نوازا تھا، ان کی ایک کمپنی تھی، ان کے تین بیٹے تھے اور تینوں بیٹے ان کے کاروبار میں ان کے معین ومددگار رہتے، تینوں

ایک روز کسی تجارتی سفر پر گئے، واپسی میں جدہ آتے ہوئے کار کا خطرناک ایکسیڈینٹ ہوا اور تینوں کی جائے حادثہ پر ہی موت ہوگئی، یہ بڑا حادثہ تھا، پھر ان کی غالباً اہلیہ کا بھی اس صدمے میں انتقال ہوگیا، کاروبار بڑے لڑکے نے سنبھالا ہوا تھا، اس لئے کاروبار بھی ٹھپ ہونے لگا اور آہستہ آہستہ ان کی کمپنی دیوالیہ ہوگئی، مقروض ہوگئے۔ سب کچھ بکنے کے بعد بھی قرض ادا نہ ہوسکا اور نوبت فاقوں کی آگئی، کئی کئی دن کے فاقے ہوتے بے انتہا خستہ حال ہوگئے، جب فاقوں پر فاقے ہونے لگے تو ایک دن مدینہ منورہ کا سفر اختیار کیا، بمشکل مدینے پہنچے، فاقے سے تھے، ریاض الجنہ میں گئے اور دورکعتیں پڑھ کر دعا کی، فاقہ تو تھا ہی، کمزوری کی وجہ سے وہیں لیٹ گئے، آنکھ لگ گئی، خواب میں آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوئے، فرمایا یارسول اللہ آپ کے غلام سے اب برداشت نہیں ہوتا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بے سہاروں اور بیکسوں کے سہارا ہیں، مصیبت زدوں کے لئے امان ہیں، انکو تسلی دی اور فرمایا کہ پریشان نہ ہو، جاؤ مکہ چلے جاؤ، ہمارے ایک دوست ہیں، ان کا یہ نام ہے اور ان کی کمپنی کا یہ نام ہے، ان کو جا کر ہمارا سلام کہنا، ان کی آنکھ کھلی گھبرا کر اٹھے۔ مسجد نبوی سے باہر آئے، مکہ جانے کے لئے پیسے پاس نہیں تھے، بہرحال بمشکل تمام مکہ آگئے۔ انہوں نے معلومات کی، ان کی کمپنی کو تلاش کیا، تلاش کرتے کرتے اس کمپنی کے دروازے پر پہنچ گئے۔ کمپنی کے مالک کا نام معلوم کیا، یقین ہوگیا کہ یہی وہ شخص ہیں جن کو آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچانا ہے، انہوں نے کمپنی کے ملازمین اور دروازے پر کھڑے لوگوں سے ان سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا، ان کی خستہ حالی دیکھ انہوں نے ان کو ملانے سے انکار کر دیا، کہ بتاؤ تمہیں ان سے کیا کام ہے، انہوں نے کہا کہ کام تو میں ان ہی کو بتا سکتا ہوں، ان سے ملاقات کا اصرار کرتے رہے، صبح سے دوپہر ہوگئی، پھر اس دروازے پر بیٹھ گئے، کہ میں تو ان سے ملنے کے بعد ہی جاؤنگا، کسی ملازم کو رحم آگیا، اس نے ان کی درخواست جو کمپنی کے مالک تھے ان کو پہنچا دی، کہ ایک خستہ حال شخص ہے جو آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے، کام معلوم کرتے ہیں تو کہتا ہے کہ بس کام ان ہی سے بتا سکتا ہوں، انہوں نے کہا کہ اچھا ان کو اندر بلاؤ اور بٹھاؤ، میں ابھی آتا ہوں، ان کو اندر بلایا گیا، تھوڑی دیر میں تاجر صاحب نے ان کو اندر اپنے آفس میں بلا لیا، یہ آفس میں گئے، انہوں نے پانی وانی پلوایا، پھر دریافت کیا کہ آپ کیسے آئے اور مجھ ہی سے ایسا کیا خاص کام ہے، تو اس پر ان صاحب نے ان کو اپنا پورا واقعہ سنایا اور کہا کہ آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کہا ہے، وہ پیغام لیکر آیا ہوں۔ کمپنی

کے مالک بے اختیار رونے لگے، انہوں نے اپنا غلہ کھولا اور مٹھی بھر کر نوٹ ان کی جھولی میں ڈال دئے اور فرمایا کہ یہ خواب ایک مرتبہ پھر سنائیں۔ انہوں نے پھر سنایا، پھر انہوں نے مٹھی بھری اور ان کی جھولی میں ڈال دی، پھر کہا کہ ایک مرتبہ یہ خواب پھر سنائیں، غرض یہ ہے کہ کئی مرتبہ یہی واقعہ پیش آیا، پھر انہوں نے وہی درخواست کی، تو جدہ کے ان صاحب نے ان سے کہا کہ آپ نے مجھے اتنا مال دے دیا کہ اب اور مزید رکھنے کی میرے پاس جگہ نہیں، اس پر وہ کمپنی کے مالک بولے کہ حضور اگر آج آپ یہ خواب سنانے سے منع نہ کرتے اور سناتے رہتے تو میں اپنی ساری دولت اس خواب پر لٹا دیتا۔ جدہ سے آئے ہوئے صاحب نے ان کا شکریہ ادا کیا اور کہنے لگے کہ اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، لیکن جانے سے پہلے میرا آپ سے ایک سوال ہے کہ آخر آپ کا کون سا عمل ہے جس کی بنیاد پر آپ کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ حضور کا سلام آپ کے پاس آیا۔ انہوں نے چھپایا تو یہ صاحب کہنے لگے کہ میں یہ مال نہیں لوں گا، جب تک آپ مجھے اس کے بارے میں نہ بتا دیں۔ جب انہوں نے بہت اصرار کیا تو انہوں نے بتایا کہ میں تو دنیا دار آدمی ہوں اور میرے پاس کوئی عمل ایسا نہیں، ہاں البتہ میری والدہ کا ایک معمول تھا کہ انہوں نے روزانہ ایک تعداد درود پاک کی متعین کی ہوئی تھی، جب تک وہ مکمل نہ ہو جاتی، میری والدہ سوتی نہیں تھیں۔ جب ان کا انتقال ہوا تو انہوں نے مجھے بلا کر اس عمل کی تاکید کی، اس وقت سے میرا یہ معمول ہے کہ میں نے ایک تعداد درود شریف کی متعین کی ہوئی ہے، جب تک وہ مکمل نہیں ہو جاتی، میں کسی بھی حال میں ہوں سوتا نہیں ہوں۔

فاطمہ قاسمی صاحبہ

حضرت کی سب سے بڑی ہمشیرہ فاطمہ بیگم تھیں، حضرت حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہ کی یہ سب سے بڑی صاحبزادی تھیں، ماسٹر رشید احمد صاحب (بریلی) کے نکاح میں تھیں، تقسیم ملک کے بعد ۱۹۵۰ء میں پاکستان منتقل ہوگئیں اور کراچی میں رہائش اختیار کرلی، وفات کے بعد وہیں مدفون ہوئیں۔

حمیرا قاسمی صاحبہ

حمیرا بیگم صاحبہ حضرت کی ہمشیر تھیں، دیوبند کے معروف گھرانے کے سابق چیرمین اور رئیس دیوبند محتشم صاحب کے صاحبزادے سید احتشام کاظمی سے منسوب ہیں، احتشام صاحب تقسیم ملک

کے بعد کراچی منتقل ہوگئے اور وہیں بود و باش اختیار کر لی، گذشتہ تین دہائیوں سے امریکہ میں مقیم ہیں۔

ان ہی کی رخصتی پر حضرت خطیب الاسلام نے مندرجہ ذیل نظم کہی، جس کا عنوان یہ تھا:

'رخصت ہمشیرہ عزیزہ':

اے شریک شیر مادر اے محبت کی شعاع
آج ان لرزاں لبوں پر آگیا لفظ وداع
الوداع اے رونق بزم محبت الوداع
الوداع اے پیکر صدق و دیانت الوداع
الوادع اے مخزن اخلاص الفت الوادع
الوادع اے گلشن طیب کی نکہت الوادع
آگئے ہیں آج وہ لمحے کے تو جانے لگی،
سینۂ ماں باپ سے سن کیا صدا آنے لگی
باپ کا گھر صرف ماضی کی امانت دار ہے
بھر مستقبل تری ذاتی سمجھ درکار ہے
ماں تری گفتار ہوتی تھی سکون و جاں و دل
تم پیام سرخوشی تھی بہر روح مضمحل
یاں تری روشن جبیں کا نور ہی تھا کل متاع
جگ مگا دیتی تھی ہرگوشے کو تیری ایک شعاع
یاں تیری ہر بات کو بچپن کیا جاتا شمار
تری معصومانہ ہر حرکت پہ آتا تھا پیار
یاں تری ناعاقبت اندیشیاں وجہ سرور
تھی تری الھڑ نظر میں پختگی کی موج نور
یاں تری ادنی ہنر مندی پہ کھلتے تھے کنول

باعث صد کرب ہوتا تیری پیشانی کا بل
تھر تھراپا ایک آنسو یہ تیری پلکوں پہ گر
کائنات رنگ و بو تاریک تر آتی نظر
الغرض ہر بات سے پاتا تھا دل اک زندگی
اقتضا ماں باپ کی فطرت کا ہوتا ہے یہی،
چند لمحوں کے لئے بھی جب تو فرقت پائے گی،
تجھ کو اس آغوش مادر کی بہت یاد آئے گی
لیکن اے جان پدر اے روح مادر یہ بھی سن
یوں نہیں دنیا میں تیرے اب نہیں گائے گا گن
رام کرسکتی ہے تو سسرال کو اس کام سے
ہے جو وابستہ حمیرہ زندگی کے نام سے
حاصل ماضی تجھے ایک بات سمجھاتا ہوں میں
جاودان عشرت کا نقشہ سامنے لاتا ہوں میں
خدمت سسرال جب حرز جاں بنتی نہیں
ازدواجی زندگی جنت نشاں بنتی نہیں
عصمت ہستی ہے اوج کائنات زندگی
درحقیقت ہے یہی راز ثبات زندگی
سیم و زر کے زیوروں میں حسن ظاہر ہے نہاں
جذبۂ عفت میں باطن تجلی ضوفشاں
سیم و زر کی خواہشیں عورت کی فطرت ہے مگر
حسن باطن پر بھی رکھنی چاہئے اپنی نظر
اب نئے ماحول سے دوچار ہونا ہے تجھے
اجنبی نظروں میں دل کا پیار ہونا ہے تجھے
دیکھ اس ماحول میں رکھنا بزرگوں کا خیال

عظمت اسلاف کے شیشے میں آجائے نہ بال
قاسم نانوتوی کی روح تیرے ساتھ ہے
آبروئے حلقۂ اسلاف تیرے ہاتھ ہے
علم و تقویٰ عمر بھی وابستۂ دل چاہئے
نیک بنیادوں پہ باہم جذبہ کامل چاہئے۔

یہ حضرت خطیب الاسلام کی تیسرے نمبر کی ہمشیرہ ہیں۔

عذرا قاسمی صاحبہ

دیوبند کے معزز خاندان ڈاکٹر افضال صاحب سے نکاح ہوا اور نکاح کے ڈیڑھ سال کے بعد ۱۹۵۶ء میں ۲۱ سال کی کم عمری میں وفات ہوگئی، قبرستان قاسمی میں آسودۂ خواب ہیں۔

حضرت کا سراپا

حضرت خطیب الاسلام میرے شیخ اور ان سرپرستوں میں تھے جنہوں نے میرے ساتھ ایسی محبت وشفقت کا معاملہ کیا۔ جس کا اب کسی بڑے یا بزرک سے تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، آپ کے وصال کے بعد راقم کے جو دعوتی اسفار ہوئے ان اسفار میں حضرت کی یاد آتی رہی، گھنٹوں گزر جاتے، حضرت کے انتقال کے بعد اکثر و بیشتر ان ہی کیفیات سے دو چار رہا۔ حضرت کا سراپا آنکھوں میں گھوم جاتا اور سفر کی تنہائی میں بار بار ہم کلام ہوتا۔

آپ کو اللہ رب العزت نے خوبصورت اور خوش شکل بنایا تھا، مزید برآں آپ خوش لباس وخوش وضع بھی تھے۔ حضرت کا سراپا کچھ اس طرح تھا۔

کتابی چہرہ، سرخ سپید صباحت و ملاحت لئے ہوئے جسم گندم گوں رنگ چھریرہ بدن، اونچی ستواں ناک، بڑی آنکھیں جن میں بلا کی ذہانت کی چمک، متوسط القامت، سر گولائی کے بجائے لمبائی کی طرف قدرے مائل۔ اس پر دو پلی کھڑی ٹوپی، اپنے والد حکیم الاسلام کی دو پلی ممتاز کھڑی ٹوپی کی طرح جوان کی زندگی بھر شان امتیاز رہی۔ گھنی بھنویں، گردن قدرے طویل صراحی نما معیار حسن میں مزید اضافہ کرتی ہوئی، کان ذرا بڑے اور طویل جو ہمارے معاشرہ کے تصور کے اعتبار سے ذہانت وذکاوت کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ داڑھی گولائی سے ذرا لمبی مگر انتہائی خوش وضع، آنکھوں

پرایک خوبصورت سا چشمہ درمیانی لمبے فریم کا، بڑے سلیقہ مندی کے ساتھ لگا رہتا، عموماً سفر اور خاص طور پر موسم سرما میں شیروانی میں ملبوس جو شخصیت کی جاذبیت میں مزید اضافہ کر دیتی۔ اس شیروانی پر اسی کپڑے کی دو پلی ٹوپی جو مخصوص انداز میں سلی ہوئی ہوتی، ایسا محسوس ہوتا کہ جیسے کسی نے عزت و رفعت کا تاج پہنا دیا ہو۔

حضرت جب شیروانی میں ملبوس ہوتے اور ہاتھ میں ایک کالے رنگ کی دستہ والی چھڑی ہوتی جس کو دیکھ کر حضرت کے ذوق لطیف کا پتا چلتا مزید برآں محدثانہ باوقار چال، ہر دیکھنے والا محسوس کرتا کہ جیسے کوئی حسین شہزادہ لباس فاخرانہ میں ملبوس، جس کے رخ روشن سے نور نبوت کی شعاعیں پھوٹ رہی ہوں مسکراہٹوں کو بکھیرتا ہوا عظمتوں کا نشان خراماخراما چلا آ رہا ہو۔

حضرت عموماً اسفار میں شیروانی پہنتے، مگر گرمی کے مخصوص ایام میں ایک خاص ململ کا کلیوں والا کرتا زیب تن فرماتے اور اس پر کلف والی سفید رنگ کی ٹوپی اخیر میں جب چلنا بند ہو گیا اکثر و بیشتر جب بھی میں حاضر خدمت ہوا تو حضرت کو ململ کے سفید کرتے میں ملبوس بیٹھا ہوا مطالعہ یا کچھ تحریر کرتے ہوئے پایا، اور سامنے بیٹھ کر ایسا محسوس ہوتا کہ اکابرین و اسلاف کی عظمتوں کا ایک علمی موسوعہ انسانی شکل میں ہمارے سامنے بیٹھا ہوا ہے جس کی زندگی میں نظم وضبط اور انتظام وانصرام اس قدر رہا کہ کوئی چیز غیر مرتب اور غیر منظّم نظر نہ آئے، بلکہ مہذب و مرتب قرینہ وسلیقہ مند انسان کا وہ اعلی وارفع نمونہ تھے۔ ان کے پاس جو جاتا اٹھنے کو وہاں سے طبیعت آمادہ نہ ہوتی، ان کی پاکیزگی، قلب اور خلوص وللٰہیت کی جاذبیت میں مقناطیسی کشش تھی، جب گفتگو فرماتے بامقصد بولتے، بے مقصد اور لایعنی گفتگو سے پرہیز ان کا مخصوص وصف تھا۔

بس اب تو حال یہ ہے کہ حضرت کی شخصیت کا جب تصور بندھ جاتا ہے تو دل بڑا مضطرب رہتا ہے کہ ایسا کہاں سے لائیں نظریں ان گوناگوں صفات کی حامل شخصیت کی متلاشی رہتی ہیں۔

حضرت خطیب الاسلام کے خصوصی اوصاف

حضرت خطیب الاسلام کا علم

جب حق تعالیٰ کسی کے نوازنے کے فیصلے فرماتے ہیں تو اس کو فخر کائنات وجہ تخلیقات جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے اوصاف حمیدہ واخلاق کریمہ سے متصف فرمادیتے ہیں، جب بندہ ان اوصاف سے متصف ہوجاتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ اس کے ہر عمل کو مقبولیت، اس کی نگاہ اور زبان کو قوت تاثیر عطا فرما کر مؤثر بنادیتے ہیں، اور مخلوق کے لئے اس کی نافعیت ثابت ہونے لگتی ہے جو ہم سب کا مقصد اصلی ہے اور اسی کے لئے ہم مامور بھی ہیں اس مقصد کی تعیین حدیث خیر الناس من ینفع الناس فرما کر جناب رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی۔ جب انسان اپنی نافعیت ثابت کردیتا ہے تو اس کو لوگوں کو منصب امامت پر فائز فرمایا جاتا ہے، چنانچہ وہ اپنی خیریت اور نافعیت سے دوسروں کو فائدہ پہنچا کر ان کے قلوب ودماغ کو فتح کرلیتے ہیں، یہاں تک کہ ان کی حکمرانی لوگوں کے دل و دماغ پر قائم ہوجاتی ہے جس کے نتیجے میں وہ لوگ ان فاتحین قلوب سے سرمو انحراف نہیں کرتے، بلکہ ان کے ایک اشارہ پر جان کی بازی لگادیتے ہیں، اور ایسے ہی لوگ دراصل حاکم اور بادشاہ ہوتے ہیں، اقتدار اور سلطنت کا بادشاہ جسموں پر حکومت کرتا ہے، مگر اس خوف کے ساتھ کہ کوئی بغاوت نہ کردے، برخلاف ان فاتحین قلوب کے کہ ان کی حکومت انسان کے دل ودماغ پر ہوتی ہے، ان کی حکومت کبھی ختم نہیں ہوتی، وہ زندگی میں تو حکومت کرتے ہی ہیں، مگر دنیا سے جانے کے بعد بھی ان کا احترام اور ان کا تقدس ختم نہیں ہوتا۔ ان ہی فاتحین قلوب میں جن کا نام سرفہرست آتا ہے وہ انبیاء و مرسلین ہیں، اور ان میں بھی ہمارے اور آپ کے آقا جناب محمد رسول ﷺ کی ذات رحمت للعالمین سب سے بلند و برتر ہے، پھر وارثین انبیاء علیہم السلام ہیں جن کو ہم علماء ربانیین کہتے ہیں، یہی وہ حضرات ہیں جو اس دنیا میں علم کو اپنے عمل سے اور عمل کو اپنے علم سے زندہ رکھتے ہیں۔ کائنات میں اللہ رب العزت نے اس انسان کو دیگر مخلوقات پر جو برتری اور فوقیت بخشی ہے اور اس کو اشرف المخلوقات بنایا ہے وہ بر بنائے علم ہی یہ امتیاز وشرف بخشا، کوئی بھی عمل بغیر علم کے اپنی اسپرٹ اور روح کھودیتا

ہے اسی واسطے علماء نے لکھا ہے کہ جتنے اوصاف حمیدہ فطرتاً انسان میں پائے جاتے ہیں ان میں سب سے پہلا وصف اور پہلی صفت علم ہے، اسی وجہ سے قرآن کریم نے اپنی ابتداء ''اقراء'' سے فرمائی۔

اس تمہید مختصر کو ذہن میں رکھ کر خانوادہ قاسمی کا جائزہ لیں تو اس بات کا اعتراف کرنے میں ذرہ برابر بھی تامل نہیں کہ خانوادہ قاسمی کا وصف علم نافع اور معلمیت رہا ہے، چنانچہ حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ پر صفت علم کا ایسا غلبہ تھا کہ آپ کے اساتذہ آپ کو ''علم کی بکری'' کہتے تھے، پھر آپ کے اندر صفت علم کے ساتھ صفت معلمیت بھی تھی، اور آپ کی اس امتیازی صفت کی وجہ سے آپ کو ''حجۃ الاسلام'' سے ملقب کیا گیا۔ پھر اسی وصف علم سے حضرت حجۃ الاسلام کے صاحبزادے حضرت فخر الاماثل حضرت مولانا محمد احمد صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ''الولد شبه لأبيه'' کے مصداق بن کر متصف ہوئے اور اپنے والد کے قائم کردہ اخلاص وللٰہیت پر مبنی علمی ودعوتی ادارہ کی علمی وفکری آبیاری فرمائی اور اس کو ہندوستانی سطح پر ممتاز علمی وفکری دانش گاہ بنادیا۔

اس کے بعد جب اس دانش گاہ کو حجۃ الاسلام کے نبیرہ خاص حضرت حکیم الاسلام نے سنبھالا تو اکابرین کے تفویض کردہ علمی ورثہ کو ہندوستان کی سرحدوں سے باہر نکال کر بین الاقوامی شہرت کا حامل بنادیا اور اپنے آپ کو علمی اعتبار سے اتنا متفوق رکھا کہ جہاں جاتے جس جگہ جاتے اپنے علمی تفوق کو برقرار رکھتے، اس طرح یہ ادارہ انٹرنیشنل اور بین الاقوامی سطح کا اسلامی ادارہ بن گیا۔ اپنے نام کو اس ادارہ سے اتنا وابستہ فرمالیا کہ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ علیہ کا نام سنتے ہی لوگوں کے ذہن میں دارالعلوم دیوبند کا تاریخی پس منظر ابھرنے لگتا ہے۔ اس کے بعد حکیم الاسلام کی نسبت علمیہ منتقل ہوئی خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ میں، جو یقیناً اپنی جماعت میں راسخ فی العلم، حسن اخلاق اور دعوتی مزاج زمرۂ اساتذہ میں مخصوص صلاحیتوں کے حامل، علم وفضل کا کوہ گراں، خطابت میں حکیمانہ اسلوب سے متعارف، بصیرت کے جوہر سے آراستہ، وسعت فکر ونظر سے مزین، ایک ممتاز انداز تحریر کی البیلی شخصیت کا عمدہ مرقع، متانت کا پیکر، ذہانت کا آئینہ، فراست کا سرمایہ، احتیاط کامل کی تفسیر، شرافت کی تصویر، لفظ لفظ علم و بصیرت کا ترجمان، جملہ جملہ حکمت وکلام کا دیوان، گفتگو میں آبشاروں کی روانی گویا کہ ایک باران رحمت کا تسلسل ہے، معلومات میں وسعت، دلائل ٹھوس، کتاب وسنت سے مبرھن، غرض یہ کہ کسی بھی ناحیے سے دیکھئے ایک معیاری ومثالی شخصیت ابھر کر سامنے آئی۔ آپ پر بھی اپنے آباء واجداد ہی کی

طرح وصف علم ہی کا تا حیات غلبہ رہا۔ جس کے نتیجہ میں آپ نے تقریر وتحریر کو میدان بنا کر فرزندان توحید وتشنگان علم وطالبان علوم نبوت کو سیراب فرمایا۔

حضرت کے علمی انہماک کا حال یہ تھا کہ بغیر مطالعہ کے ان کو سکون اور قرار نہیں تھا، بلکہ مطالعہ کتب ان کی غذا اور روح کی تسکین کا ذریعہ تھا، مجھے اخیر عمر میں حضرت کے پاس جانے اور حضرت سے استفادہ کا بحمد اللہ کافی موقع میسر آیا، میں نے دیکھا کہ حضرت کبھی بھی خالی بیٹھے ہوئے نظر نہیں آئے، ہمیشہ جب بھی خدمت میں حاضر ہوا یا تو کتابوں کا مطالعہ کرتے ہوئے پایا، یا پھر کچھ تحریر کرتے ہوئے، حضرت کے دیوان نما پلنگ پر برابر میں انتہائی سلیقے سے کتابیں، جرائد و رسائل، حضرت کی ڈاک یعنی خطوط، تقریظات وملفوظات لکھوانے کے لئے ملک و بیرون ملک سے آئے ہوئے کئی کئی مسودات، حضرت کا بیگ چھوٹے سائز کا جس میں مختلف علمی مشاغل و اداوات علم موجود تھے، حضرت کی پروگرام ڈائری چھوٹے سائز کی اور حضرت کی بیاض بڑے قرینے سے رکھی رہتی اور اس کے برابر میں ایک طے ان کتابوں کی جو بطور ہدیہ مؤلفین اپنی نگارشات پیش خدمت ارسال فرماتے۔ صفت علم کا حضرت پر ایسا غلبہ اور رنگ غالب تھا کہ حضرت کے متعلقین بھی اکثر و بیشتر اس کا خاص خیال فرماتے کہ آپ کو جو ہدیہ دیں تو کوئی علمی ہدیہ ہو، کیونکہ آپ علمی ہدیہ سے بے انتہا خوش ہوتے۔

اپنے علمی وقار کا ہر محفل، ہر مجلس سفر وحضر میں خصوصی خیال فرماتے۔ آپ کے چلنے پھرنے، اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے اور گفتگو ہر ہر ادا سے آپ پر علمی وقار جھلکتا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ہر علم وفن کا اپنا ایک الگ وقار ہوتا ہے۔ آپ پر علوم نبوت کا وقار غالب تھا، آپ محدثانہ شان رکھتے تھے، اور اس وقار اور اس شان کو زندگی بھر باقی رکھا۔ جب آپ حدیث کا درس، خاص طور پر بخاری شریف کا درس دیتے تو ایسا محسوس ہوتا کہ ’کانہ ھوا الامام البخاری‘ یہ علم حدیث کا وقار تھا، جو آپ کے چہرہ پر تھا، جو دیکھتا تو بس دیکھتا ہی رہ جاتا۔

جاذبیت کا یہ حال جو دیکھتا تو دل گواہی دیتا کہ کسی فرشتہ کی بشکل انسانی زیارت کر رہا ہے، یہ دراصل اس علم حدیث کا نور تھا جس کو آدمی ٹکٹکی باندھے دیکھتا ہی رہے۔

آپ نے بخاری شریف کا تقریبا چالیس سال درس دیا، دارالعلوم وقف دیوبند کے قیام سے قبل آپ دارالعلوم دیوبند میں بخاری شریف جلد ثانی پڑھا چکے تھے، اپنے والد حضرت حکیم الاسلام کی

طرح حضرت کو بھی علم حدیث، فن اسماء الرجال میں بڑا ادرک تھا، چنانچہ آپ کا بخاری شریف کا درس بڑا مشہور و معروف اور علمی نکات کا ایک خزانہ ہوتا، مجھ کو بھی کئی مرتبہ طالب علمی کے زمانے میں حضرت کے بخاری شریف کے درس میں شرکت اور استفادہ کرنے کا موقع ملا، حضرت جب حدیث پر کلام فرماتے تو کوئی گوشہ اس حدیث کا ایسا نہیں رہتا جو علم وفن کے اعتبار سے محتاج بیان ہو۔ اور جب حضرت یہ فرماتے ''اوراس کے معنی یہ ہوئے'' یا ''یہی وجہ ہے کہ'' تو اس سے کسی اہم علمی نکتہ کی طرف اشارہ ہوتا، اسی طرح مجھے حضرت کے درس بخاری کے آغاز میں کئی مرتبہ شرکت کا موقع میسر آیا، بخاری شریف کی پہلی حدیث 'انما الاعمال بالنیات'' پر جو کلام فرماتے وہ حضرت کے ہی علوم کا حصہ تھا، گویا ایسا محسوس ہوتا کہ حضرت امام بخاری خود اپنی کتاب پڑھا رہے ہیں۔ جس کی وجہ راقم کے نزدیک یہ تھی کہ تدریس آپ کے صرف فرائض منصبی ہی میں داخل نہیں تھی، بلکہ تدریس اور معلمیت آپ کی فطرت اور شوق تھا، اہل فن جانتے ہیں کہ کسی چیز کا شوق رکھنے والا اس فن میں دوسرے تمام لوگوں پر کیسے متفوق ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کام کو اندر کی قناعت سے کرتا ہے، کسی دباؤ یا فرائض منصبی کی ادائیگی کے طور پر نہیں کرتا، عربی کی کہاوت ہے، ''انی یدرک الظالع شأو الظلیع''

اپنے شوق سے انسان کو عشق ہوتا ہے اس کی آبیاری کے لئے وہ مرمٹتا ہے، مجھے اس پر ایک بات یاد آئی کہ جب مشہور سارنگی وادک استاذ بسم اللہ خان کا انتقال ہوا، اگلے دن اخبارات میں ان کے انتقال کی خبر شائع ہوئی، ہندوستان کے ایک مؤقر انگریزی روزنامے The Hindu میں جو رپورٹ شائع ہوئی اس میں لکھا تھا کہ استاذ بسم اللہ خاں نے انتقال سے چند منٹ پہلے آس پاس لوگوں سے کہا کہ مجھے اٹھاؤ، دیکھنے والوں نے سمجھا کہ طبیعت میں کچھ افاقہ ہے، انہوں نے بیٹھتے ہی اپنے کسی قریبی عزیز سے کہا "Where is my Sarangi" میری سارنگی کہاں ہے، وہ سارنگی لائی گئی، اس کو دیکھتے ہی لیٹ گئے اور دس منٹ بعد انتقال ہو گیا۔

یہ ہے اپنے فن سے لگن اور عشق، بس پھر کیا تھا، اسی فن کی وجہ سے پوری دنیا میں مشہور ہوئے، اسی طرح معلمیت بھی حضرت خطیب الاسلام کا شوق تھا۔

اور میں سمجھتا ہوں کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ جس فن کو آپ پڑھاتے اس کے اصول وکلیات بالکل واضح آپ کے ذہن میں ہوتے تھے اس فن میں کسی بھی ناحیے سے اخفا اور غموض نہ ہوتا کہ سامع کے دل میں کسی طرح کا شک یا کھٹکا پیدا ہو، سند حدیث یا رواۃ حدیث، یا پھر حدیث کے قوت وضعف پر

جب کلام فرماتے تو ایسا محسوس ہوا کہ گویا فن اسماء الرجال کا کوئی امام گفتگو کر رہا ہو۔

یہ صرف فن حدیث ہی کی بات نہیں، جس علم کو بھی پڑھایا خواہ وہ حدیث ہو، اصول حدیث ہو علم کلام ہو، تفسیر ہو، فقہ یا اصول فقہ ہو، علم بیان ومعانی یا فلسفہ ومنطق ہو، ہر فن کو اسی علمی تبحر کے ساتھ پڑھایا گویا کہ آپ اس فن کے امام ہیں، اس کی گواہی حضرت کے بے شمار تلامذہ نے مختلف مواقع پر دی ہے، جو آپ کے تبحر علمی کے معترف ہیں۔

حضرت جب بھی کہیں تقریر فرماتے یا درسی تقریر فرماتے یا آپ کی کوئی علمی مجلس ہوتی تو آپ کا کلام حشو وزوائد سے بالکل پاک ہوتا یہ صفت انسان میں بڑے علمی درک کے بعد پیدا ہوتی ہے۔

ایک بات علمی اعتبار سے جو راقم نے خاص طور پر حضرت میں محسوس کی وہ یہ کہ حضرت اپنے آپ کو علمی اعتبار سے بڑا متفوق رکھتے اور اپنے معلومات کے دائرہ کو حالات حاضرہ کے اعتبار سے روزانہ سیع کرنے کا اہتمام کرتے۔ علوم شرعیہ واسلامیہ کے اصول وکلیات پر نظر ہونے کے ساتھ ساتھ جزئیات اور جزوی مسائل پر گہری نظر اور استحضار تھا۔

اسی طرح یہ بات بھی دیکھنے میں آئی کہ حضرت علمی اعتبار سے قناعت کے قائل نہ تھے، بلکہ علم کے بحر بے کراں میں مستقل غواصی کر کے نئے نئے موتی نکالتے اور مزید متلاشی رہتے۔ بقول اقبال

نہ ہو قناعت شعار گلچیں اسی سے قائم ہے شان تیری
وفور گل ہو اگر چمن میں تو اور دامن دراز ہوجا

آپ کی علمی بصیرت اور تفقہ فی الدین کا اندازہ آپ کی تقاریر وخطابات اور آپ کی تحریروں سے لگایا جاسکتا ہے، آپ کی تحریروں اور تقاریر کے چند نمونے میں نے کتاب میں شامل کئے ہیں، جن سے آپ کی علمی بصیرت اور فقاہت تمام علمی حلقوں میں مسلم تھی۔

جب بھی میرا حضرت کی خدمت میں جانا ہوا اور میں نے کوئی علمی ہدیہ حضرت کی خدمت میں پیش کیا تو حضرت نے جو کلمات عالیہ بطور اظہار خوشی ومسرت ارشاد فرمائے وہ کلمات جہاں مجھ ناچیز کے لئے ایک قیمتی سرمایہ ہیں وہیں حضرت کے ذوق علم اور فکری بصیرت کی بھی نشاندہی کرتے ہیں۔ بقول اقبالؔ

نہیں ہے تیرے علم و عشق کی انتہا کوئی
نہیں ہے تجھ سے بڑھ کر ساز فطرت میں نوا کوئی

حضرت خطیب الاسلام کو ان تمام علوم میں علم کلام سے فطری مناسبت رہی، چنانچہ شرح عقائد جو اس فن کی اہم ترین اور بنیادی کتاب ہے۔اس میں آپ کا درس بڑا مشہور تھا، طلبہ حضرت کے درس میں دوسری درسگاہوں سے آکر شریک درس ہوتے اور ذہین طلبہ تو آپ کے درس کو محفوظ فرمالیتے، آپ کے تلامذہ میں بہت سے حضرات نے شرح عقائد کے درس کو لکھ کر اس وقت محفوظ فرمالیا تھا۔

علم کلام سے حضرت حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کو بڑی مناسبت تھی، بلکہ آپ کو تو علم کلام کا مجدد مانا جاتا ہے، یہ فن حضرت کے تلامذہ سے حضرت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند میں منتقل ہوا، پھر ان سے ان کے صاحبزادے حضرت خطیب الاسلام میں یہ فن بطور نسبت منقل ہوا، چنانچہ بعض مواقع پر جہاں اس فن پر گفتگو ہوتی تو حضرت کا ہمسر کوئی نظر نہیں آتا تھا، اور اس فن کے اثرات آپ کی تقاریر اور تحریروں میں نظر آتے ہیں۔

حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ کے علمی اور دعوتی مزاج کے تعلق سے اس واقعے کا تذکرہ ناگزیر معلوم ہوتا ہے، جس کا تذکرہ راقم الحروف سے جناب اعظم قاسمی صاحب مدظلہ العالی نے فرمایا، ابھی کچھ روز قبل ایک ضروری کام سے میں اور بھائی جان علی گڑھ حاضر ہوئے تھے، جناب قاسمی صاحب کے دولت خانے پر حاضری ہوئی، انہوں نے حضرت کے تعلق سے بہت سی مفید معلومات فراہم فرمائیں، میں نے معلوم کیا کہ حضرت کا علی گڑھ سے متعلق کوئی خاص واقعہ ہو تو اس کی نشاندہی فرمادیں، اس پر انہوں نے یہ مندرجہ ذیل واقعہ سنایا۔

حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی کورٹ کے ممبر تھے اور جناب محمود الرحمٰن صاحب مرحوم کا زمانہ تھا، وہ اس وقت وہاں کے شیخ الجامعہ تھے، ان کا دور بہت ہی افراتفری کا گذرا، اور کئی مرتبہ یونیورسٹی ان کے زمانے میں غیر معینہ مدت تک بندرہی، کیونکہ وہ یونیورسٹی کے شیخ الجامعہ بن کر کشمیر سے آئے تھے، اور کشمیر کیڈر کے افسر اعلیٰ تھے، اس لئے ان کے بارے میں یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ ان کو یونیورسٹی میں دہشت گرد نظر آتے ہیں، اسی طرح ان کے دور میں تعمیراتی کام بہت زیادہ ہوئے، اور تعلیمی نظام کئی مرتبہ مختل ہوا، اگرچہ انہوں نے بہت سارے ناجائز قبضے بھی یونیورسٹی سے ہٹائے، اور یونیورسٹی کی املاک کو محفوظ کیا، لیکن بعض باتوں کے لئے بعض لوگ مشہور ہوجاتے ہیں، یہ باتیں حضرت تک بھی اخبارات کے ذریعہ پہنچتی تھیں، شیخ الجامعہ کی مدت ہر یونیورسٹی میں پانچ سال کی ہوتی ہے جب وہ مدت قریب الانتہا تھی تو انہوں نے یہ کوشش کی کہ وائس

چانسلری کی دوسری مدت کے لئے بھی مجھے موقعہ مل جائے، شیخ الجامعہ کے انتخاب میں یونیورسٹی کی روایات کے مطابق عمل یہ ہے کہ پہلے یورنیورسٹی کورٹ کے ممبران پانچ نام منتخب کر کے منسٹری بھیجتے ہیں، اور پھر وہ تین ناموں کا انتخاب کرتا ہے، اوراخیر میں پھر صدر جمہوریہ ان میں سے ایک نام کا انتخاب کردیتا ہے، اس لئے جناب محمود الرحمٰن صاحب نے ایک روز عشاء کی نماز کے بعد حضرت خطیب الاسلام کو فون لگایا اوراپنی اس خواہش کا اظہار فرمایا، اور درخواست کی کہ آئندہ کورٹ کی میٹنگ میں آپ اپنا ووٹ میرے حق میں دے دیں، تاکہ مجھے ایک مرتبہ مزید ادارے کی خدمت کا موقعہ مل سکے۔ حضرت نے فرمایا: آپ نے مجھے فون کیا اس کے لئے میں آپ کا شکر گزار ہوں، البتہ آپ کے پانچ سالہ دور میں یونیورسٹی میں تعمیرات پر زور دیا گیا ہے، تعلیمات پر زور نہیں دیا گیا، اور میں اپنا ووٹ تعلیم کے حق میں دوں گا۔ اس جملے سے حضرت کی علم دوستی اور علمی مزاج کا مکمل اندازہ ہوتا ہے۔

حضرت خطیب الاسلام کا حلم

حلم یہ دراصل صفت ہے حق تعالیٰ شانہ کی، اللہ رب العزت کے صفاتی ناموں میں ایک نام حلیم بھی ہے، ارشاد عالی ہے: ''اِنَّہُ کَانَ حَلِیْماً غَفُوْراً'' حق تعالیٰ شانہ نے اپنے بعد میں اپنی مخصوص صفت کا حامل سب سے زیادہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو بنایا، چنانچہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں خاص طور پر قرآن کریم نے اس صفت کا تذکرہ فرمایا، ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَحَلِمٌ أَوَّاهٌ مُنِيبٌ﴾ (سورہ ہود: ۷۵)

انبیاء علیہم السلام کے بعد نائبین ورسول ووارثین انبیاء میں سب سے زیادہ یہ صفت پائی جاتی ہے، ان ہی نائبین انبیاء میں ایک نام حضرت خطیب الاسلام کا بھی ہے، جن کو حق تعالیٰ شانہ نے بطور خاص صفت حلم سے متصف فرمایا۔

حلم کس کو کہتے ہیں: حلم یہ عربی زبان کا لفظ ہے، اوراس قدر جامع لفظ ہے کہ اس کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں ممکن ہی نہیں، حلم کا ترجمہ عام طور پر اردو زبان میں ''بردباری'' سے کردیا جاتا ہے، مگر درحقیقت یہ خاص صفات کے مجموعہ سے جو مرکب بنے گا اس کا نام حلم ہے، چنانچہ جو شخص جلد باز نہ ہو، غصہ ور نہ ہو، مغلوب الجذبات نہ ہو، عقل وفہم رکھتا ہو، نفس کے ہیجان کی صورت میں مشتعل نہ ہو، زبان پر قابو رکھتا ہو مزید برآں تدبر وتفکر کی صلاحیت ہو ایسے شخص کو کہا جائے گا کہ یہ

صفت حلم سے متصف ہے۔ ان تمام اعتبارات سے حضرت خطیب الاسلام انتہائی حلیم الطبع واقع ہوئے تھے اور یہ صفت آپ کو اپنے والد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سے ورثہ میں ملی تھی، کیونکہ آپ اپنے والد کے تربیت یافتہ تھے اور اپنے والد کو سلیم المزاج حلیم الطبع دیکھا تھا، شدید ترین مخالف حالات میں اپنے والد کو صبر وحلم کا کوہ استقامت پایا تھا، ان کو بچپن سے دیکھا تھا گھر اور باہر کی زندگی کا مشاہدہ بہت قریب سے کیا تھا، بقول حضرت خطیب الاسلام: ''میں نے اپنی زندگی میں ابا جان سے زیادہ حلیم الطبع انسان نہیں دیکھا۔'' وہی کیفیت اور نسبت منتقل ہوئی حضرت خطیب الاسلام میں، چنانچہ آپ 'اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْهِ'' کا مصداق ثابت ہوئے: اس طرح یہ صفت اس خانوادہ قاسمی کا ایک وصف امتیازی بن گیا۔

خانوادۂ قاسمی کے حلم کے چرچے محفلوں میں مجالسوں میں سنے اور زبان زد عام وخاص دیکھے، سخت سے سخت مخالف کو بھی معترف ہونا پڑتا اور اس کا اقرار واعتراف کرتا کہ جماعت دیوبند میں حضرت خطیب الاسلام جیسا صاحب علم وصاحب حلم کم ہی نظر آتے ہیں۔

راقم الحروف مدینہ منورہ میں ایک ایسی مجلس فروری ۲۰۱۸ء میں شریک تھا جہاں مختلف مزاج کے لوگ بیٹھے ہوئے تھے، اس میں مغربی یوپی کے اضلاع کے لوگ مثلاً بجنور، مظفرنگر، سہارنپور اور کچھ حضرات دیوبند کے تشریف فرما تھے، گفتگو ہو رہی تھی دار العلوم قدیم یعنی حضرت حکیم الاسلام کے زمانہ کا دار العلوم اور موجودہ دار العلوم پر، دوران گفتگو حضرت حکیم الاسلام کا تذکرہ آیا اور آپ کے دور اہتمام کے واقعات ذکر ہونے لگے، اس میں آپ کے حلم کے واقعات کچھ حضرات نے سنائے، اس کے بعد حضرت خطیب الاسلام کا تذکرہ آیا، ان میں سے بعض حضرات وہ تھے جو بظاہر خانوادہ قاسمی سے ہم آہنگ نہ تھے، مگر جب حلم کا تذکرہ آیا تو بس بیک زبان معترف ہوئے راقم الحروف کا حضرت سے اصلاحی تعلق ورابطہ رہا، حضرت نے کبھی کسی بات پر یا کسی غلطی پر ڈانٹا نہیں، بلکہ چھوٹی چھوٹی کوششوں کو اس قدر سراہتے کہ مزید کام کرنے کا جذبہ پیدا ہو جاتا، اسی وجہ سے حضرت سے میں اپنی دینی واصلاحی، ذاتی اور دنیوی امور میں بلا جھجھک مشورہ کر لیتا اور جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ خوف نہیں تھا کہ حضرت کسی بات پر ڈانٹ دیں گے۔

یہ معاملہ حضرت کا میرے ہی ساتھ نہیں بلکہ وہ لوگ بھی جو حضرت سے اپنا اصلاحی تعلق رکھتے ہیں ان حضرات کے ساتھ بھی حضرت کا یہی طرز تعامل رہتا، یہ صفت دراصل نبی کریم ﷺ کی ہے

کہ آپ ہر موقع پر اپنے اصحاب کے ساتھ بلکہ دشمنوں کے ساتھ بھی عفو و درگذر اور حلم کا مظاہرہ فرماتے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام میں سے ہر شخص یہ سمجھتا کہ نبی کریم ﷺ سب سے زیادہ محبت مجھ سے ہی فرماتے ہیں۔ حضرت کا برتاؤ بھی اپنے تمام متوسلین کے ساتھ ایسا ہی رہتا، ہمارے مخدوم مکرم حضرت مولانا شاہد صاحب مدظلہ العالی خادم خاص حضرت خطیب الاسلام تقریباً پچیس سال سفر وحضر میں حضرت کے ساتھ رہے ایک لمبی مدت تک حضرت کی خدمت کا موقع میسر آیا، مگر کبھی حضرت نے ان کو کسی غلطی پر ڈانٹ ڈپٹ نہیں فرمائی، بقول حضرت مولانا شاہد صاحب کہ ''حضرت غلطی پر اس طرح اصلاح فرماتے کہ اصلاح بھی ہوجاتی اور دل میں مزید احترام پیدا ہوجاتا، مولانا نے راقم کو بتایا کہ حضرت نے مجھے کبھی ڈانٹا نہیں۔''

حضرت خطیب الاسلام کے اعلیٰ اخلاق کے سلسلے میں مولانا شاہد صاحب کی یہ شہادت خادم رسول ﷺ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی شہادت کے کس قدر مشابہ ہے جو یہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی دس سال خدمت کی، مجھے یاد نہیں کہ کبھی رسول اللہ ﷺ نے مجھے ڈانٹا ہو، یا یہ کہا ہو کہ تم نے یہ کام کیوں کیا اور یہ کام کیوں نہیں کیا، اگر اہل خانہ نے مجھے جھڑکا تو آپ ﷺ نے اسے روک دیا، رہنے دو، اس کو کچھ نہ کہو، جو ہونا تھا وہ ہوگیا، تقدیر میں یہی تھا۔[1]

اس طرح حضرت کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا اقبال صاحب جوگیشوری نے اپنے دولت کدہ پر راقم کو بتایا کہ ''سفر میں ہم ساتھ رہے کبھی کسی بھی طرح کی غلطی ہوئی کبھی ڈانٹا نہیں اور ہر ہر بات کی خبر گیری فرماتے، دینی اصلاح کے ساتھ دنیوی کاروبار اور دنیوی زندگی کے دوسرے مسائل میں بھی ہمیشہ مفید مشورے دیتے۔''

جس کا رویہ اپنے چھوٹوں کے ساتھ ایسا مشفقانہ ہو کہ اس کے چھوٹے اس کی ذات سے ہر طرح کے منفی رویوں سے مامون ہوں، ایسی شخصیت کے چلے جانے کے بعد نظریں ہر موقع پر ایسے کردار کی متلاشی رہتی ہیں جو کردار اس کی تلافی کرسکے، لیکن جب اس کردار کی حامل شخصیت نظر نہیں آتی تو پھر اس کی یادیں بہت ستاتی ہیں۔ میرا سفر ۲۶ مئی ۲۰۱۸ء کو ناگپور کامٹی کا ہوا وہاں میری ملاقات حضرت خطیب الاسلام کے ایک تلمیذ رشید حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب امام وخطیب جامع مسجد کامٹی سے ہوئی، حضرت مفتی صاحب حضرت کا تذکرہ فرما کر حضرت کی شفقت کو یاد کرکے اس قدر

[1] مسند احمد ج۳ ص ۲۳۱

روئے کہ بے قابو ہو گئے۔ یہ آنسو اسی کردار کی وجہ سے نکلے جو حضرت کا برابر اپنے سے چھوٹوں کے ساتھ تھا۔

رمضان ۱۴۳۹ھ سے چند دن قبل راقم نے حضرت مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی سے رابطہ کیا، حضرت نے بتایا کہ حضرت خطیب الاسلام میرے آخری استاذ باقی رہ گئے تھے، اب میرا کوئی استاذ باقی نہیں، سب انتقال فرما چکے، اس کے بعد مولانا نے فرمایا کہ مجھے حضرت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند اور حضرت خطیب الاسلام دونوں ہی سے استفادہ کا موقع ملا ان دونوں حضرات کے چہروں پر میں نے کبھی غصہ نہیں دیکھا اور ہمیں یاد نہیں کہ دوران درس ان دونوں حضرات نے کبھی طالب علم کو ڈانٹ دیا ہو، اس کے بعد حضرت مولانا اسرار الحق قاسمی دامت برکاتہم کی آواز ان حضرات کے کردار اور مشفقانہ رویہ کو یاد کر کے بھرا گئی۔ یہ حلم ایسی ہی صفت ہے جو انسانی عظمتوں کو چار چاند لگا کر وقار بخشتی ہے۔

جو انسان حلیم ہوگا، وہ کبھی بھی کوئی فیصلہ ایسا نہیں کرے گا جو بعد میں اس کے لئے ندامت کا باعث بنے، وہ حاسد نہیں ہوگا، وہ کینہ ور نہیں ہوگا، وہ ظالم نہیں ہوگا، وہ شری نہیں ہوگا وہ جذباتی اور ناعاقبت اندیش نہیں ہوگا، اسی طرح حلیم انسان کوئی بھی سطحی بات نہیں کرے گا، تنگ نظر نہیں ہوگا۔

حضرت خطیب الاسلام صفت حلم سے اسی طرح متصف تھے جیسے کے ان کے والد بزرگوار حضرت حکیم الاسلام متصف تھے، اور اس صفت کا ان پر اتنا غلبہ ہوا کہ جماعت دیوبند میں ان حضرات کو اس صفت کی وجہ سے ممتاز قرار دیا جانے لگا، چنانچہ ان کی حلیم المزاجی زبان زد عام وخاص ہوگئی، میں جہاں بھی دعوتی سفر میں گیا اور ان دونوں بزرگوں کا تذکرہ ہوا تو کوئی نہ کوئی واقعہ ضرور ایسا سننے کو ملا جو ان کی حلیم المزاجی اور قوت برداشت کا بین ثبوت ہے۔ حضرت خطیب الاسلام کی حلیم المزاجی پر ایک واقعہ حضرت مولانا اشرف علی باقوی سابق مہتمم سبیل الرشاد بنگلور اور امیر شریعت کرناٹک نے مجھے سنایا کہ حضرت کرناٹک کے دعوتی سفر میں تھے دو دن قیام بنگلور میں تھا، کسی صاحب نے حضرت کی دعوت کی حضرت نے فرمایا کہ میزبان سے معلوم کرلیں نظام ان ہی کے پاس ہے۔ وہ صاحب حضرت سے کہہ کر چلے گئے اور اگلے روز لینے کے لئے آ گئے انہوں نے ذمہ داران کو اطلاع دینا گوارا نہ کیا جب حضرت نے ان سے کہا کہ آپ نے ذمہ داران کو اطلاع دی تھی انہوں نے کہا کہ میں تو آپ کو جانتا ہوں اور میرے یہاں دیگر مہمان بھی آرہے ہیں دعوت کے سب انتظامات گھر والوں

نے کر لئے، بلکہ اپنی اس غلطی کو حضرت پر ڈالتے ہوئے جیسے حضرت نہ جانا چاہتے ہوں کچھ دیگر ذمہ داران پر اظہار ناراضگی بھی کیا، حضرت خطیب الاسلام نے جب یہ دیکھا کہ اختلاف کا اندیشہ ہے، اور ان حضرات کے آپسی تعلقات میں ناچاقی پیدا ہوسکتی ہے، تو حضرت نے غیر معمولی حلم کا مظاہرہ کرتے ہوئے ذمہ داران کو الگ سے بلا کر سمجھا دیا کہ ان کی دعوت کو قبول کر لینا ہی آپ کے لئے اور ہمارے لئے عافیت کا ذریعہ ہے اور یہی حکمت کا تقاضہ بھی ہے، ہاں البتہ پہلے کھانا میں آپ حضرات کے ساتھ کھاؤں گا اس کے بعد ان کے یہاں جاؤں گا، چنانچہ ان صاحب سے فرمایا کہ آپ نماز ظہر کے بعد پونے تین بجے تشریف لے آئیں میں اور بعض احباب آپ کی دعوت میں ضرور جائیں گے۔ اس طرح حضرت نے معاملہ کی نزاکت کے پیش نظر حلم کا مظاہرہ فرما کر دونوں فریقین کی دلجوئی فرمائی اور ایک دوسرے کو بدگمانی میں مبتلا ہونے سے بچالیا۔

اسی قوت حلم پر ایک اور واقعہ مجھے یاد آ گیا نقل کرتا چلوں، یہ واقعہ مجھے میرے والد صاحب نے سنایا، واقعہ یہ ہے کہ جب دارالعلوم دیوبند سے باقاعدہ انسلاک ختم ہوگیا تو میں نے چند شریوں کو ''طیب منزل'' کے سامنے دیکھا کہ وہ للکار للکار کر حضرت کا نام لیتے تھے اور حضرت کو مغلظات بک رہے تھے، مگر حضرت کی طرف سے کوئی جواب ندادر، اسی طرح بقول والد محترم حضرت خطیب الاسلام اپنے گھر سے باہر نکلے اور طیب منزل میں مین دروازہ سے داخل ہونے کے لئے باہر سڑک پر تشریف لائے، یامین کے ہوٹل کے پاس کھڑے ہوکر چند ناعاقبت اندیشوں نے حضرت کو برا بھلا کہنا شروع کیا، میں نے ان کو منع کیا برباد ہوجاؤ گے یہ کام مت کرو، مگر وہ نہ مانے اور حضرت انتہائی حلم قوت برداشت کا مظاہرہ کرتے ہوئے خاموشی کے ساتھ خراماں خراماں گذر گئے، کسی کو پلٹ کر یہ بھی نہ فرمایا کہ بھائی آخر مجھے بلاوجہ گالیاں کیوں دے رہے ہو۔

میں نے ان حضرات کو دیکھا کہ دنیا باوجود کشادگی کے ان پر تنگ ہوگئی اور ان کا انجام اور اخیر بہت برا ہوا، حسن خاتمہ کے بھی لالے پڑ گئے، خودکشی کر کے اور غلاظت کھا کھا کے مرے۔

حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم نے بتایا کہ سخت سے سخت مخالف بھی بھائی صاحب کے پاس اگر آجاتا تو میں نے بارہا محسوس کیا کہ اتنا ہی آپ کے حلم میں اضافہ ہوجاتا۔ جتنی زیادہ کوئی بدتمیزی کرنا، اتنا ہی بھائی صاحب کا حلم بڑھے گا، یہی صفت سیرت کی کتابوں میں رسول اللہ ﷺ کی بیان کی گئی ہے۔ چھوٹوں کے ساتھ حلم کا الگ معاملہ، بڑوں کے ساتھ الگ، مخالفین اور

دشمنوں کے ساتھ الگ، گھر والوں کے ساتھ معاملہ مختلف، اپنے چھوٹوں سے کیسی بھی غلطی ہو جاتی معاف فرما دیتے، بقول حضرت مولانا اقبال صاحب جوگیشوری وہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت کے ساتھ عمرہ کے سفر میں تھا، سفر کے دوارن مجھ سے (اقبال بھائی سے) حضرت کا دھوپ کا بڑا قیمتی چشمہ زمین پر گر کر ٹوٹ گیا۔ میں نے گھبرا کر حضرت کی طرف دیکھا تو حضرت مسکرا رہے تھے، کوئی ڈانٹ ڈپٹ یا ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا۔

اسی طرح حضرت مولانا شاہد صاحب مدظلہ العالی فرماتے ہیں کہ پچیس سال کے عرصہ میں مجھ سے نا جانے کس قدر غلطیاں ہوئیں، خدمت میں کوتاہی ہوئی، مگر کبھی کسی بات پر ڈانٹا نہیں، نہ زبان سے ڈانٹا نہ رویوں سے ڈانٹا، بلکہ ہمیشہ کسی بھی غلطی پر ایسا نرم لہجہ اختیار فرماتے کہ آپ کے منہ سے شفقت کے پھول برس رہے ہوں، خود راقم الحروف کو یاد نہیں کہ کبھی کسی غلطی یا کوتاہی پر ڈانٹ ڈپٹ یا غصہ خفگی کا اظہار فرمایا جب حضرت کا وصال ہو گیا تو بقول حضرت مولانا محمد شاہد صاحب دامت برکاتہم کہ مولانا! مجھے اپنے حضرت کی شفقتوں کی یادیں بہت رلا رہی ہیں۔

حضرت کے تمام ہی ان شاگردوں اور متوسلین کا جن سے میری ملاقات ہوئی یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ حضرت کی زبان اور رویہ سے کبھی یہ محسوس نہیں ہوا کہ کبھی آپ نے کوئی عمل ایسا کیا ہو جو صفت حلم کے منافی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت میں دو صفات بڑی نمایاں تھیں اور دونوں ہی آپ کی ذات کا جزو لاینفک بن گئی تھیں۔ یعنی صفت علم اور صفت حلم۔

حضرت خطیب الاسلام کی شان تواضع

حضرت خطیب الاسلام کو علم کی دولت سے مالا مال فرما کر صفت حلم سے بھی حق تعالیٰ شانہ نے نوازا تھا، کیونکہ علم کو برداشت کرنے کے لئے ظرف، تحمل اور بردباری چاہئے

یہی وجہ ہے کہ علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص حلیم ہوگا وہ متواضع ضرور ہوگا اور جس شخص میں علم بھی ہو اور حلم بھی وہ غیر معمولی درجہ کا متواضع انسان ہوگا، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ملفوظ احیاء علوم الدین میں نقل فرمایا کہ: بڑا خوش نصیب ہے وہ انسان جس کو علم کی نعمت سے مالا مال کیا گیا ہو اور پھر وہ تعلی وتکبر سے بچا لیا جائے۔''

یعنی علم ے ساتھ اگر تواضع نہیں ہے تو یہ علم انسان کے لئے مارِ آستین بن سکتا ہے۔ اور انسان

میں تواضع جب تک پیدا نہیں ہوسکتی جب تک اس میں صفت حلم نہ ہو، اور حلم بغیر صالحین کی صحبت کے کسی میں پیدا نہیں ہوتا۔

اس لئے صفت علم وصفت حلم کے بعد حضرت کی شان تواضع کو بیان کیا گیا۔ کیونکہ صفت علم و صفت حلم کا لازمہ تواضع ہے۔ اسی وجہ سے اہل علم نے مستقل علماء کو تواضع وانکساری کی وصیت کی ہے، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"تواضعوا لمن تعلمتم منه ولمن علمتموه"[1]

ترجمہ: جس سے علم حاصل کرو اس کے سامنے جھک جاؤ اور جس کو تم علم سکھاؤ اس سے بھی عزت سے پیش آؤ۔

علماء دیوبند کو حق تعالی شانہ نے دیگر جماعتوں کے لوگوں پر جو امتیاز بخشا وہ اس کسر نفسی، تواضع للہ، عجز وانکساری اور خوف خدا اور خشیت کی وجہ سے بخشا اور کوئی بھی انسان بغیر صحبت کے ان صفات کا خوگر نہیں ہوسکتا۔

حضرت خطیب الاسلام نے ایک مجلس میں مجھ سے فرمایا کہ "تواضع انسان میں مقام عبدیت و شان عبدیت پیدا کرتی ہے اور عبدیت کاملہ کا شعور ہی انسانی کمالات کی معراج ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ حدیث شریف "من تواضع للہ رفعہ اللہ" کا مصداق بندہ جب ہی بنتا ہے، جب وہ کسی صاحب نظر کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیتا ہے اور بقول شاہ عبدالقادر رائے پوری رحمہ اللہ کہ ارادت کا مزہ فٹبال بن جانے میں ہے۔

آج کل جو حالات چل رہے ہیں، خاص طور پر فارغین مدارس کے، ان میں کثرت سے تحاسد، تباغض وتباعد، انانیت، نخوت ورعونت اور تکبر اور خودغرضی پائی جا رہی ہے، کیونکہ صالحین کی صحبت ختم ہوتی جا رہی ہے۔ میں نے اپنے حضرت کو دیکھا کہ عجب حال ہے تواضع کا، چھوٹوں میں چھوٹوں کی طرح تعامل، بچوں میں بچوں کی طرح اور طلبہ میں بالکل ان کا ہم مزاج بن جانا اور گھر والوں کے ساتھ شفقت ومحبت کے ساتھ زندگی بسر کرنا اور جب اہل علم حضرات کی مجالس میں ہوتے تو باوجود ان تمام حضرات سے متفوق ہونے کے ان کا غایت درجہ ادب واحترام فرماتے اور عاجزی وانکساری کا مکمل پرتو ہوتے، اسی وجہ سے حق تعالیٰ شانہ نے رفعہ اللہ کا مصداق بنا کر آپ کو مقام رفعت عطا فرمایا۔

---

[1] جامع بیان العلم وفضلہ ۱/۱۳۵

میرے والد محترم حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی صاحب نانوتوی دامت برکاتہم العالیہ جو حضرت کے خاندان کے ایک فرد اور حضرت کے شاگرد بھی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ:

''میرا حضرت سے بچپن ہی سے بڑا خاص تعلق رہا، میرے دل میں حضرت کے تئیں محبت و خلوص کے ایسے عجیب وغریب جذبات پیدا ہوتے جن کو میں الفاظ کا جامہ نہیں پہنا سکتا، اور اس میں سب سے بڑا دخل حضرت کے حلم اور متواضعانہ شان کا ہے، جب بھی حاضر خدمت ہوتا تو اس متواضعانہ شان سے ملاقات فرماتے، جیسے دو دوست آپس میں راز و نیاز کی باتیں کر رہے ہوں، کہ ان میں یہ امتیاز مشکل ہوجاتا ہے کہ ان میں کون چھوٹا اور کون بڑا ہے۔''

یہ عاجز بھی ایک تقریب میں (جو میرے عزیز محترم جناب محمد صہیب صاحب کے صاحبزادے کے عقیقہ کی تھی یعنی حضرت خطیب الاسلام کے پڑ پوتے کی) شریک تھا، حضرت کو دیکھا کہ بچے غباروں سے کھیل رہے ہیں اور آفتاب و ماہتاب کی طرح دونوں بھائی حضرت خطیب الاسلام اور متکلم اسلام حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی صاحبان ایک صوفہ پر تشریف فرما ہیں، اور ان کے ساتھ مل کر غباروں سے کھیل رہے ہیں، بچے حضرت کے پاس آتے اور حضرت اپنے ہاتھ سے ان غباروں کو مارتے اور بچوں کے ساتھ اس کھیل میں بڑی خندہ پیشانی سے شریک تھے۔ جب بھی حاضر خدمت ہوا ایسا محسوس ہوا کہ یہ تواضع کا پیکر، مجسم ومشکل سامنے بیٹھا ہوا ہے اور اپنی متواضعانہ شان اور عاجزانہ کردار کے ساتھ ہر آنے والے کا استقبال کر رہا ہے۔

۲۰۱۴ء میں ایک نومسلم جناب ارشد بھائی (جن کا پہلا نام ہرشن تھا) کو لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت نے جس خندہ پیشانی، فرحت وسرور کے ساتھ ساتھ عاجزانہ ومنکسرانہ لہجہ میں ان سے گفتگو کی کہ وہ پہلی ملاقات میں حضرت کے دیوانے اور آپ کے اس منکسرانہ مزاج پر فریفتہ ہوگئے، پھر ان کا یہ حال ہوا کہ جب بھی ان کا میرے پاس فون آتا تو حضرت کے مزاج دریافت کرتے اور یہ ضرور کہتے کہ جب بھی میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہوں تو حضرت کے لئے ضرور دعا کرتا ہوں اور بار بار بڑے درد بھرے لہجہ میں فرمایا کہ حضرت کی بہت لمبی عمر ہو میری عمر کا باقی حصہ بھی حضرت ہی کو لگ جائے۔

بقول شیخ سعدی علیہ الرحمہ

دلا گر تواضع کند اختیار
شود خلق دنیا ترا دوست دار
تواضع کند ہوش مند گزیں
نہد شاخِ پرمیوہ سر بر زمیں

حضرت کی زندگی درج ذیل عبارت ''زندگی کن باخدائے تعالیٰ بصدق، و بانفس بقہر، و باخلق بانصاف، و بابزرگان بخدمت و باخرداں بشفقت، و بادرویشان بموافقت و بادشمنان بحکم و باعالماں بہ تواضع و باجاجلاہ بہ نصیحت۔ (ازصند پندلقمان)

حضرت خطیب الاسلام کا ایک اقتباس تواضع کے تعلق سے نظر سے گذرا اس کو نقل کر کے صفت تواضع کے بیان کو ختم کروں گا، حضرت فرماتے ہیں

''اس لئے اس درسگاہ کے منتظمین، معلمین، متعلمین کے اندر یہ بنیادی خصوصیات ہیں اور یہ ہی تعلیم کا اصل جوہر ہے کہ تواضع کی حقیقت کو مقدم رکھا جائے، تواضع عملاً بھی، فعلاً بھی، قولاً بھی، تدریساً بھی، تعلیما بھی، تواضع جتنی بڑھے گی اتنی ہی انشاء اللہ عزتیں اس پر قربان ہوں گی، الحمدللہ یہ چیز ہماری ان درسگاہوں کے اندر ابھی تک باقی ہے۔''[1]

سچ فرمایا جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے وَمَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰہِ اِلَّا رَفَعَهُ ۔ (رواہ مسلم)

ترجمہ: کسی نے اللہ کے لئے تواضع اختیار نہیں کی مگر اللہ نے اس کو رفعت وعزت عطا فرمائی۔

حضرت خطیب الاسلام اور ایفائے عہد

''حضرت خطیب الاسلام اور ایفائے عہد'' یہ عنوان میں نے خاص طور پر اس لئے قائم کیا کہ حضرت اس پر بذات خود بڑی پابندی سے عمل فرماتے، اور اپنے گھر والوں، متعلقین اور خصوصا اپنے تلامذہ کو اس کی خاص تاکید فرماتے۔ حضرت کو بدعہدی اور وعدہ خلافی سے تنفر اور نفرت تھی، احادیث میں چونکہ اس صفت پر مخلص ومنافق کا دارومدار رکھا گیا، اس لئے بھی حضرت خطیب الاسلام اس کی عملا وقولا تاکید فرماتے۔

[1] خطبات حکیم الاسلام

چنانچہ حضرت کی زندگی میں ایفائے عہد کا اس قدر لحاظ رہا اور تا زندگی حضرت کا یہ معمول رہا کہ جس کو جو وقت دیدیا، پروگرام ہوں یا پروگرام نہ بھی ہوں حضرت اس کا اہتمام فرماتے کہ معینہ وقت سے قبل اس مقام پر پہنچ جائیں۔ متعینہ اور طے شدہ وقت سے قبل اس مقام یا جگہ پر پہنچ بھی جاتے، تاکہ بدعہدی اور وعدہ خلافی کی صورت میں دوسروں کو انتظار کی مشقت نہ اٹھانی پڑے، بقول مولانا محمد شاہد صاحب مدظلہ العالی: حضرت ہمیں ایک دن پہلے وقت بتادیتے کہ فلاں وقت پر چلنا ہے، اگر اس میں تاخیر ہوتی تو اظہار ناراضگی فرماتے اور پابندیٔ وقت اور ایفائے عہد کے بارے میں قرآن و حدیث کی کوئی نہ کوئی نص سناتے تاکہ ہمیں عملاً اس سلسلے میں درس مل سکے۔

حضرت خطیب الاسلام کی نانوتہ شریف آوری تھی، دیگر اہل خانہ کو بھی ساتھ آنا تھا حضرت نے ۱۰ بجے کا وعدہ فرمایا تھا تو بقول حضرت مولانا محمد سفیان صاحب صبح ساڑھ آٹھ بجے تیار ہوکر بیٹھ گئے اور مجھ سے فرمایا کہ میں نے دس بجے کا وقت نانوتہ میں دے رکھا ہے، میں وقت مقررہ سے پندرہ بیس منٹ پہلے ہی پہنچنا چاہتا ہوں، مجھے کچھ ضروری کام تھا اور خواتین میں بھی ذرا تاخیر تھی، تو میں نے مولانا شاہد صاحب سے کہا کہ آپ بھائی صاحب کو لے کر نانوتہ پہنچیں میں بھی پہنچتا ہوں، چنانچہ حضرت نانوتہ میں ۹ بج کر ۵۰ منٹ پر تشریف لا چکے تھے۔ حضرت کی زندگی کا زیادہ تر حصہ سفر میں گذرا اور زندگی بھر سفر میں یہ معمول رہا کہ جس کو جو وقت دے دیا اور جو وعدہ فرمالیا حضرت کبھی بھی اپنے کئے وعدہ سے متخلف نہ رہتے جو زبان کسی کو دیدی اس کو پورا فرماتے۔ یہ کوئی آسان کام نہیں جب انسان عمل کرتا ہے تو اندازہ ہوتا ہے کہ ایفائے عہد خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو کس قدر دشوار کام ہے، اسی وجہ سے قرآن وحدیث میں اس کا بار بار تاکیدی حکم آیا ہے۔

ایفائے عہد کے سلسلے میں اس واقعے کا تذکرہ بھی بے محل نہ ہوگا۔ جس واقعہ کو حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی نے مجھ سے بیان فرمایا کہ بھائی صاحب (حضرت خطیب الاسلام) کا مدرسہ نور الاسلام میں بڑے اہتمام سے شرکت کا معمول تھا، بھائی صاحب نے جو تاریخ مدرسہ نور الاسلام میرٹھ یوپی کے لئے مقرر فرما رکھی تھی، بالکل اسی آس پاس تاریخوں میں بھائی صاحب کا انگلینڈ کا سفر ہوگیا۔ اسی سفر میں پروگرام بڑھ گئے، لوگوں نے بھائی صاحب سے بڑا اصرار کیا کہ حضرت وہاں کی تاریخوں میں کچھ ردوبدل فرمالیں، ہم لوگ بھی استفادہ کرلیں گے ورنہ ہم لوگ محروم ہوجائیں گے، ان کے اصرار پر بھائی صاحب نے واضح طور پر فرمادیا کہ میں ان سے وعدہ کر چکا ہوں اور زبان دے چکا

ہوں کہ ان تاریخوں میں آپ کے یہاں ان شاء اللہ ضرور حاضر ہو جاؤں گا اس میں تبدیلی تو ممکن نہیں، چنانچہ ان لوگوں نے حضرت سے استفادہ کی یہ شکل نکالی کہ حضرت اگر ایسا ہو جائے کہ آپ وہاں پر شرکت فرمالیں اور پھر دوبارہ واپس لندن تشریف لے آئیں حضرت اگر آپ ایسا فرمالیں تو ہم لوگ محروم نہیں ہوں گے۔ بھائی صاحب نے فرمایا کہ آپ لوگ میری تھکن کو نہ دیکھو بلکہ افادہ و استفادہ کو دیکھو، اس کے لئے میں تیار ہوں، چنانچہ ان لوگوں نے ترتیب سفر بنائی اور ٹکٹ کرادیا۔ بھائی صاحب نے مدرسہ نورالاسلام میرٹھ کے پروگرام میں شرکت فرمائی اور ایک دن بعد پھر لندن تشریف لے گئے۔

یہ تھا ایفائے عہد کہ زبان دیدی تو اب اس کی خلاف ورزی کا امکان نہیں تھا، چنانچہ حضرت کا زندگی بھر یہ معمول رہا کہ سفر کی تاریخ اگر کسی کو دیدی تو پھر اس میں ردوبدل ہو جائے یہ ممکن نہ تھا اور یہ نظام اس لئے تھا کہ کہیں بدعہدی اور وعدہ خلافی نہ ہو جائے۔ کیونکہ بدعہدی اور وعدہ خلافی ایسی مذموم صفات ہیں جن پر قرآن وحدیث میں وعیدیں آئی ہیں۔

صبر وتحمل

صبر اور قوت برداشت کا ملکہ یہ ہر انسان میں حق تعالیٰ شانہ نے درجہ بدرجہ ودیعت فرمایا، کسی کو یہ وصف وافر مقدار میں عطا فرمادیا اور کسی کے حصے میں بہت کم آیا۔ ہاں البتہ اس میں کمی بیشی کا امکان رکھ دیا گیا اور اس کو موقوف رکھا انسان کی طلب وتڑپ پر، یعنی اگر انسان چاہے تو ریاضتیں اور مجاہدے کسی شیخ کامل کی سرپرستی میں کر کے اس وصف کو حاصل کر سکتا ہے اور اپنے اندر ملکوتی صفات پیدا کر سکتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد فرمایا جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے: ''**إنما العلم بالتعلم والحلم بالتحلم.**''

حضرت خطیب الاسلام نے جس ماحول میں آنکھ کھولی جن بزرگوں کی زیر سایہ تربیت پائی ان کو حلم و بردباری، صبر وقوت برداشت کا پیکر پایا تھا اور اسی ماحول میں ان کی نشو ونما ہوئیء، اس کے اثرات لازمی طور پر ان کی زندگی میں نظر آئے کہ حضرت خطیب الاسلام حلم وصبر جیسی عظیم صفات سے متصف ہو گئے تھے، چنانچہ حضرت پر سخت سے سخت حالات آئے، ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ زمین بھی دشمن ہے اور فلک بھی دشمن، مگر یہ کوہ صبر واستقامت حق پر جمارہا اور اس پر انتہائی صبر وتحمل کے

ساتھ مستقیم رہا۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند کا قضیہ خود ایک اعلیٰ مثال ہے، پھر دارالعلوم وقف کی شکل میں جوادارہ سازی کا کام کیا یہ صبر وتحمل کی دوسری اعلیٰ مثال ہےادارہ سازی کا کام وہ شخص کر ہی نہیں سکتا جس میں صبر وتحمل نہ ہو، قوت برداشت نہ ہو، سخت وسست اور تلخیوں اور ناگواریوں کا سامنا کرنے کا عادی نہ ہو۔ دارالعلوم وقف دیوبند کا قیام واستحکام خود حضرت کی اعلیٰ ظرفی، تحمل وقوت برداشت اور صبر وایثار کی اعلیٰ مثال ہے۔

آپ کواللہ نے غیر معمولی صبر وتحمل عطا فرمایا تھا، چنانچہ آپ کے دنیا بھر میں دینی ودعوتی اسفار کو بھی صبر وتحمل کا ایک اعلیٰ نمونہ قرار دیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ ممکن نہیں کہ کوئی شخص سفر کرے اوراس میں کوئی بات بھی مزاج کے خلاف نہ ہو، بلکہ قدم قدم پر ناگواریوں اور تلخیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، حضرت کی زندگی کا تو بیشتر حصہ دینی ودعوتی اسفاراور پروگراموں میں گذرا ہے۔ میں خود کبھی کبھی یہ سوچتا ہوں کہ حضرت کے ساتھ اس وقت کیا حالات ہوں گے جب آپ دارالعلوم دیوبند سے علیحدہ ہوگئے اورآپ کے پاس کوئی باقاعدہ ادارہ بھی نہیں تھا، مزید برآں لوگوں کے روپے اورلوگوں کے سوالات عوام الناس کے سامنے مختلف سوالات کے جوابات دینا اوران کو مطمئن کرنا اور پھرادارہ کی ضروریات سامنے رکھ کرلوگوں سے درخواست کرنا پھراپنے وقار کو قائم رکھ کرلوگوں میں ادارہ کے اعتماد کو بحال کرنا، یہ سب کام ایک ایسے شخص کوکرنا پڑیں جوخود اوراس کے آباءواجداد برصغیر کے سب سے بڑے ادارہ کے روح رواں رہ چکے ہوں، کیا یہ ممکن ہے کہ وہ شخص جوحلیم الطبع نہ ہوصابر نہ ہو، بردبار نہ ہو، قوت برداشت اس میں نہ ہو، وہ ایک دوسرا دارالعلوم بنادے۔ جس وقت دارالعلوم وقف دیوبند کا قیام عمل میں آیا اس وقت حالات کیسے تھے اس کی ترجمانی خود حضرت خطیب الاسلام کے والد بزرگوار حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب نے درج ذیل اشعار میں کی ہے، وہ فرماتے ہیں:

قدم قدم پہ ہے خوف رہزن زمیں بھی دشمن فلک بھی دشمن
زمانہ ہم سے ہوا ہے بدظن تمہیں محبت سے کام لے لو
کبھی تقاضا وفا کا ہم سے کبھی مذاق جفا ہے ہم سے
تمام دنیا خفا ہے ہم سے خبر تو خیرالانام لے لو
یہ کیسی منزل پہ آگئے ہیں نہ کوئی اپنا نہ ہم کسی کے
تم اپنے دامن میں آج آقا تمام اپنے غلام لے لو

یہ اشعار اس وقت کے حالات کی غمازی کررہے ہیں کہ حضرت خطیب الاسلام نے ان دشوار ترین حالات کا سامنا کس طرح کیا ہوگا، بظاہر صبر وتحمل کے ہتھیار کے علاوہ اور کوئی ہتھیار اس ادارہ کی آبیاری میں کارگر ثابت ہونے والا نہیں تھا، چنانچہ حضرت کے اس صبر وتحمل کا نتیجہ آج ہمارے سامنے ایک شجرۂ طویل دارالعلوم وقف دیوبند کی شکل میں موجود ہے۔ بقول علامہ اقبال

فکر رہتی تھی مجھے جس محفل کی وہ محفل ہے یہی
صبر و استقلال کی کھیتی کا حاصل ہے یہی

اب رہے وہ واقعات جو حضرت کی زندگی میں پیش آئے وہ واقعات اتنے ہیں کہ بقول حضرت مولانا محمد شاہد صاحب اس پر خود ایک رسالہ تیار ہو جائے۔

حضرت کا طاعات پر صبر، نواہی سے اجتناب پر صبر، لوگوں کی طرف سے ایذا رسانی پر صبر، تکالیف پر صبر، صدمات پر صبر وغیرہ وغیرہ یہ تو وہ چیزیں ہیں جو زندگی بھر ساتھ لگی رہیں، ان کے علاوہ اس عاجز نے دیکھا کہ حضرت نے کس قدر صبر وتحمل کا مظاہرہ فرمایا جس وقت آپ کی شریک حیات کا انتقال ہوا، ان کے جانے کے بعد فرقت کے ان لمحات کو جس قدر باوقار، تحمل و برداشت کے ساتھ عمر کے آخری حصہ کو آپ نے گذارا ہے، بہت کم لوگوں کو میں نے اس عمر میں صبر وتحمل اور وقار کے ساتھ زندگی گزارتے ہوئے دیکھا ہے، نہ تو زندگی بھر کے معمولات میں فرق آیا نہ ہی اپنے اوقات کار میں فرق آیا، حالانکہ یہ کوئی معمولی صدمہ نہ تھا، زندگی کے وہ حسین لمحات جو ان کے ساتھ انتہائی خوشگواری کے ساتھ گذارے تھے، ان کی یادیں وابستہ تھیں، جس کا اندازہ حضرت کے اس مرثیہ سے ہوتا ہے جو حضرت نے ان کی وفات پر 'الم نامہ حسرت' کے عنوان سے لکھا ہے۔ حضرت کی زبان پر کبھی کوئی حرف شکایت نہیں آیا اور نہ ہی اپنے اہل خانہ سے شکوہ شکایت اور اظہار مایوسیت فرمایا، بلکہ اس کا تذکرہ اس عاجز نے کئی مرتبہ اپنے بھائی جان سے کیا کہ حضرت کی زندگی میں کس قدر قرار وسکون ہے اور کس قدر صبر وتحمل کے ساتھ حضرت فرقت کے لمحات گذار رہے ہیں۔ تصور سے بالاتر ہے۔ اپنے عالمانہ وقار اور محدثانہ شان کو باقی رکھتے ہوئے یہ لمحات بسر کئے۔

حضرت کی اعلیٰ ظرفی

حضرت خطیب الاسلام بڑے اعلیٰ ظرف بھی واقع ہوئے تھے، حضرت میں یہ اعلیٰ ظرفی خاندانی اعتبار سے بھی تھی پھر تربیت بھی ایسے بزرگوں کی زیر سایہ ہوئی تھی جو خود اعلیٰ ظرفی کے اعلیٰ نمونہ تھے۔

یہ اعلیٰ ظرفی ان میں ان کے حلم کی وجہ سے تھی، اس لئے کہ جو شخص حلیم المزاج ہوگا، وہ سطحی سوچ والا نہیں ہوسکتا اور نہ ہی تنگ نظر اور کم ظرف ہوسکتا ہے حضرت خطیب الاسلام کو اللہ نے یہ اعلیٰ ظرفی ان کے حلم، صبر اور قوت برداشت کی وجہ سے عطا فرمائی تھی۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے کبھی کسی نے ایسی بات سرزد ہوتے ہوئے نہیں دیکھی جو ان کی شخصیت، ان کے خاندانی وقار اور ان کے علمی مقام کے خلاف ہو۔ حضرت کے یہاں بڑوں کی تو بات ہی کیا اپنے چھوٹوں سے بھی شفقت ومحبت اور اعلیٰ ظرفی کا ایسا معاملہ ہوتا کہ صرف ایک ملاقات ہی کسی انسان کے لئے یادگار بن جاتی۔

اپنے چھوٹوں کے ساتھ اعلیٰ ظرفی کا یہ حال تھا کہ مرض الوفات کی جب ابتداء ہوئی تو حضرت کے صاحبزادہ محترم جناب حافظ عاصم قاسمی صاحب حضرت سے محو گفتگو ہیں، حضرت سے نقاہت کی وجہ سے بولا نہیں جارہا تھا، وہ حضرت کو ڈاکٹروں کی طرف سے دی جانے والی ہدایات کی روشنی میں روبصحت ہونے کی تسلی دے رہے تھے، حضرت نے اس پر کچھ کہنا چاہا، مگر سمجھ میں صاف نہ آسکا، عاصم بھائی نے اپنا کان لگا کر حضرت کی بات سمجھنی چاہی کہ حضرت کیا کہنا چاہتے ہیں جب غور سے سنا تو یہ سمجھ میں آیا کہ حضرت فرمارہے تھے کہ میری وجہ (یعنی میری بیماری کی وجہ سے) سب لوگوں کو تکلیف ہوگئی اور سب لوگ پریشان ہیں، جس پر انہوں نے فرمایا کہ ”بھائی صاحب آپ کے پاس رہنا ہم سب کے لئے عین سعادت کی بات ہے، آپ اس بات کے لئے پریشان نہ ہوں۔“

جس شخصیت کا اپنے چھوٹوں سے یہ معاملہ ہو کہ شدید ترین تکلیف میں بھی یہ احساس کہ میری ذات سے میرے گھر والوں کو، متعلقین کو، ذرہ برابر بھی پریشانی یا تکلیف نہ پہنچ جائے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ زندگی بھر ان کا کس قدر اعلیٰ ظرفی، مروت اور رواداری کا معاملہ اپنے متعلقین کے ساتھ رہا ہوگا۔

بڑے وہ ہیں جو عزت اپنے چھوٹوں کی بڑھاتے ہیں
کہ دنیا میں مقام ان کا ہی اعلیٰ ہونے والا ہے

یہ عاجز حضرت کی خدمت میں جب سے خادمانہ حاضر ہوا اور اخیر وصال کے وقت تک کبھی مجھے یاد نہیں کہ حضرت نے کبھی کوئی ایک کلمہ بھی زبان سے ایسا بولا ہو کہ وہ ان کی شخصیت، مقام علمی اور اعلیٰ ظرفی کے خلاف ہو۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسروں کے جذبات کا احترام کرنے کی نبوی اعلیٰ ترین صفت بھی دیگر صفات دعوت کے ساتھ آپ کی شخصیت کا جزء لاینفک تھیں۔

حضرت کی اعلیٰ ظرفی پر ایک واقعہ یاد آ گیا۔ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کا صدر منتخب کیا گیا ۲۲؍اپریل ۲۰۰۰ء میں حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد مسلم پرسنل لاء بورڈ کا صدارتی انتخاب کے لئے اجلاس ہوا۔ بورڈ کے نائب صدر حضرت خطیب الاسلام تھے اور اس مجلس میں حضرت ہی کا نام صدارت کے لئے پیش کیا گیا مگر حضرت نے خود آگے بڑھ کر اپنے شاگرد اور تلمیذ رشید حضرت قاضی مجاہد الاسلام کے نام کی تجویز پیش کی، کچھ حضرات نے اس پر حضرت سے فرمایا کہ حضرت! صدارت کے فرائض آپ ہی کو انجام دینا چاہئیں تھے اور صدر کے لئے آپ ہی کا نام زیادہ موزوں تھا، حضرت نے فرمایا کہ جو کام میں صدر بن کر کر سکتا تھا، وہ میں اب بھی کر سکتا ہوں، یہ تھا حضرت کے یہاں اعلیٰ ظرفی اور خردنوازی کا معاملہ۔

اسی اعلیٰ ظرفی کی ایک قسم عفو و درگذر، معافی اور چشم پوشی بھی ہے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں حضرت کا اہم مکتوب گرامی کو جس کو پندرہویں صدی کا اہم اقدامی مکتوب کہا جا سکتا ہے یہاں نقل کرنا مناسب ہوگا، اس مکتوب کو 'اکسیری عمل قرآنی' کے آخری صفحات پر نقل کیا ہے۔ وہ عبارت اور حضرت کا مکتوب درج ذیل ہے:

''خطیب الاسلام جانشین حضرت حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند نے مرکز علم و دین دارالعلوم دیوبند کے عالمی جماعتی اختلاف کو حضرت مولانا اسعد مدنی رحمۃ اللہ کے نام اپنے درج ذیل اقدامی مکتوب گرامی کے ذریعے ختم فرما کر اپنے اعلیٰ ترین خاندانی مکارم اخلاق (اعلیٰ ظرفی) کا انمٹ ثبوت تاریخ دارالعلوم میں ہمیشہ کے لئے قائم فرما دیا۔

حضرت مولانا سید اسعد مدنیؒ کے نام حضرت خطیب الاسلام کا اہم ترین تاریخی مکتوب

محترم ومکرم جناب مولانا اسعد مدنی صاحب زیدت عنایتکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جواباً مکتوب گرامی نے ممنون بھی فرمایا اور مسرور بھی، جماعت کی ایک اہم ترین ضرورت کو محسوس فرماتے ہوئے آپ نے اختلافات ختم کرنے کے بارے میں تائیدی کلمات تحریر فرمائے اور احقر کی قدیم آرزو کی تکمیل کو متوقع بنا کر مسرت کو مضاعف فرمادیا ہے۔''جماعتی وقار اور مسلکی روایات اکابر کی مجروحیت کا سدباب، اختلافات کو یکسر ختم کردینے میں ہی مضمر ہے، احقر کے خیال میں عمر کے مراحل نہائی میں پہنچ جانے پر ہماری مشترک خواہش کوششیں یہی ہونی چاہئے کہ ہم اپنے بعد آنے والی نئی نسل علماء کو اختلافات کی یہ نامبارک وراثت دے کر نہ جائیں، بلکہ حسب روایت اسلاف کرام کے باہم اتحاد واتفاق، فکری وعملی وحدت اور مخلصانہ مشترک جذبات خدمت علم ودین دیگر بتوفیق الٰہی ایک اہم ترین جماعتی فریضے سے سبکدوش ہوکر بارگاہ رب العزت میں حاضر ہوں۔''

آپ کی صحت کے لئے دعا گوہوں اور دعا کا خواستگار ہوں۔ والسلام

محمد سالم قاسمی

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

یہ مکتوب گرامی حضرت کی اعلیٰ ظرفی کی اہم اور اعلیٰ ترین مثال ہے۔

حضرت کی زندگی میں بے شمار واقعات ایسے ہیں جن سے حضرت کی اعلیٰ ظرفی، بلندی فکر اور معیار کی بلندی کا اندازہ ہوتا ہے، ان تمام واقعات کو اگر جمع کیا جائے تو اس پر خود ایک کتاب تیار ہوجائے۔ بقول محترم جناب مولانا اسرار الحق قاسمی''میں نے حضرت کو اپنے طالب علمی کے زمانے میں اور پھر میدان عمل میں آنے کے بعد بے شمار پروگراموں میں بہت قریب سے دیکھا، بہت سی جگہوں پر ساتھ کھانا تناول کرنے کا اتفاق ہوا کبھی بھی حضرت کو کوئی ایسا عمل کرتے ہوئے نہیں دیکھا یا کوئی ایسی بات کہتے ہوئے نہیں سنا جو ان کی خاندانی اور اسلامی روایات اور ان کی شخصیت کو مجروح کردے اور نہ ہی کبھی غیر معیاری بات ان کے منہ سے سنی گئی۔'' یہ بات مولانا اسرار الحق قاسمی ہی نہیں بلکہ جس کا حضرت سے تھوڑا سا بھی تعلق تھا، اس کے یہی تاثرات سامنے آئے کہ حضرت اعلیٰ ظرفی کے انتہائی اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔

حضرت خطیب الاسلام کی ظرافت

ظرافتِ عقل حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے کسی انسان کے لئے بڑا عطیہ ہے، یہ نعمت تمام لوگوں کو یکساں طور پر نہیں عطا کی گئی، بلکہ اس کے بھی درجات ہیں اوران میں بھی فرق مراتب رکھ دیا گیا، کس کوظرافت فطری طور پر ملتی ہے، کوئی ماحول کے اثر سے ظرافت کا مزاج اپنے اندر پیدا کر لیتا ہے، مگر اس کی ظرافت اس شخص کے مقابلے میں کم درجہ رکھتی ہے جس کوقدرت نے بچپن ہی سے ظریف الطبع بنایا۔

اسی ظرافت کے اعتبار سے علماء وفقہاء نے عقلوں کا باہم موازنہ کیا ہے، چنانچہ یحییٰ ابن اکثم رحمۃ اللہ علیہ نے مامون الرشید کا قول نقل کیا ہے کہ ''عقلوں کا باہم موازنہ بڑی دلچسپ چیز ہے، یہی وجہ ہے کہ علماء نے اہل علم، اہل فضل، اہل عقل، اہل ذکاوت اور ظریف الطبع لوگوں کے حالات کو قلمبند کرنے کا خاص اہتمام فرمایا اوراس کے نتیجے میں ''کتاب الاذکیا'' جیسی معرکۃ الآراء کتاب لکھی گئی۔ جس میں علماء، فقہاء، صحابہ کی ذہانت کے واقعات اسی طرح بادشاہوں، وزیروں، شاہی مصاحبوں، قاضیوں، شاعروں، مزاح نگاروں اور اطباء کی ذکاوت کے الگ الگ عناوین کے تحت واقعات درج کئے گئے ہیں، کیونکہ ان واقعات کو پڑھنے سے ذہنی ورزش بھی ہوتی ہے اور صاحب واقعہ کی ذہنی پرواز کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

ذہانت انسانی دماغ کی وہ قوت ہے جس سے رائے قائم کرنے میں مدد ملتی ہے یہ جب نہایت قوی اوراعلیٰ درجے کی ہوتو اس کا نام فہم ہے اور جب فہم کے ساتھ ''حَدَس'' یعنی بات کی تہہ تک بہت جلد پہنچنے کی صلاحیت بھی شامل ہوجائے تو اسے ذکاوت کہا جاتا ہے، جسے اردو محاورہ میں ''ترت بدھی'' کہا جاتا ہے، بعض حضرات میں یہ ذکاوت اور ظرافت فطری ہوتی ہے، خانوادۂ قاسمی کو بھی حق تعالیٰ شانہ نے یہ ذہانت وذکاوت اور ظرافت فطرتاً ودیعت فرمائی، چنانچہ حضرت حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو غیر معمولی ذکاوت وظرافت ودیعت ہوئی تھی جن کی ظرافت کے واقعات کتابوں میں درج ہیں، اسی طرح حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب کی ظرافت طبعی کے واقعات بڑے مشہور ہیں، جن حضرات کو ان کے ساتھ رہنے یا سفر کرنے کا موقع میسر آیا وہ حضرت کی ظرافت طبعی سے خواب واقف ہیں، پھر یہ خاندانی موروثی اثرات منتقل ہوئے حضرت

خطیب الاسلام کی طرف، حضرت کی مجلسیں ظرافت طبعی کے واقعات سے پر ہوتیں کچھ واقعات آپ کی ظرافت کے درج ذیل ہیں۔

عزیزم منصر سلمہ نے محترم جناب مولانا حسن الہاشمی کے حوالے سے خانقاہ تھانہ بھون میں حضرت کا ایک واقعہ بتایا کہ حضرت خطیب الاسلام خانقاہ تھانہ بھون میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کے یہاں پہنچے تو حضرت خطیب الاسلام نے کچھ حضرات کو نماز کے لئے اٹھایا، ان میں ایک صاحب کو کئی مرتبہ اٹھایا مگر وہ صاحب اٹھنے کا نام نہ لیں، حضرت خطیب الاسلام نے بطور ظرافت طبعی ان کو ایک چادر اوڑھائی اور دو چار لوگوں کو پیچھے کھڑا کر کے ان کی نماز جنازہ پڑھائی دوران نماز جنازہ پڑھادی، ان کی آنکھ کھل گئی تو وہ بہت خفا ہوئے اور اس بات کی شکایت ان صاحب نے حضرت حکیم الامت سے کی، حضرت نے حضرت خطیب الاسلام کو بلایا اور بہت مسکراتے ہوئے فرمایا کہ یہ آپ کی شکایت کر رہے ہیں حضرت نے فرمایا کہ حضرت! ان کو کئی مرتبہ نماز کے لئے اٹھایا مگر ان میں حرکت ندارد تو میں نے سمجھا کہ انتقال فرما گئے، اس لئے میں نے نماز جنازہ بغیر تاخیر کے پڑھادی، حضرت حکیم الامت یہ سن کر بے ساختہ ہنسے۔

ایک مزید واقعہ راقم کو محترم جناب پروفیسر اعظم قاسمی صاحب نے حضرت خطیب الاسلام کے حوالے سے بتایا کہ بھائی میاں کا بنگلہ دیش کا سفر تھا، بیان کے بعد کچھ حضرات بھائی میاں سے ملاقات کے لئے آئے، ان میں سے ایک صاحب سے بھائی میاں نے پوچھا کہ کہاں رہتے ہو، انہوں نے بنگالی مخصوص لب ولہجہ میں برجستہ جواب دیا کہ مکان میں، ان کے اس جواب پر بھائی میاں (خطیب الاسلام) حیران اور پریشان ہوئے اور ہنسے بھی۔ بقول خطیب الاسلام: ''ان کے اس جواب پر میری طبیعت یہ چاہی کہ میں اپنا سر پیٹوں یا ان کو کچھ کہوں۔''

بھائی میاں نے جب یہ واقعہ مجھے سنایا تو کافی دیر تک میں بے ساختہ ہنستا رہا، اور یہ فرمایا کہ جب بھی یہ واقعہ یاد آجاتا ہے تو خود بخود ہنسی آجاتی ہے، جب یہ واقعہ محترم جناب پروفیسر اعظم قاسمی صاحب صاحبزادہ حضرت حکیم الاسلام نے مجھے اور بھائی جان کو سنایا تو کافی دیر تک ہم لوگ ہنستے رہے اور مجھے یہ خیال ہوا کہ حضرت خطیب الاسلام نے نہ جانے اس وقت اپنی ہنسی کس طرح روکی ہوگی۔

تیسرا واقعہ حضرت خطیب الاسلام اور حضرت مولانا عامر انصاری رامپوری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، جو حضرت کے نہ صرف ہمعمر، ہم مزاج اور ہمعصر تھے، بلکہ حضرت ہی کی طرح ظریف الطبع بھی واقع ہوئے تھے، حضرت خطیب الاسلام کی نانیہال حضرت مولانا عامر انصاریؒ کے خانوادہ ہی میں تھی، یہ دونوں حضرات آگرہ تاج محل دیکھنے کے لئے گئے غالباً اگست کا مہینہ تھا گرمی شدید تھی تو یہ دونوں حضرات دوپہر کو شاہ جہاں اور ممتاز محل کے مقبروں کے بالائی حصہ پر بالکل ان مقبروں کے بالمقابل سیدھے پاؤں پسار کر لیٹ گئے، کچھ انگریز اور کچھ ہندوستانی ان کے ساتھ تھے وہ ان دونوں کے پاس آکر رک گئے، مولانا عامر انصاری انگریزی بہت اچھی جانتے تھے، ان انگریزوں نے آکر مولانا عامر انصاری سے سوال کیا کہ نیچے کس کی قبریں ہیں اور آپ اس طرح کیوں لیٹیں ہیں، مولانا عامر صاحب نے جواب دیا کہ نیچے ہماری قبریں ہیں، گرمی لگ رہی تھی اوپر آکر لیٹ گئے۔ وہ پوری جماعت مبہوت سی ہوگئی اور شرمندہ ہوکر آگے نکل گئے۔ حضرت خطیب الاسلام اور حضرت مولانا عامر صاحب ہنستے ہوئے وہاں سے اٹھ گئے، یہ دونوں حضرات مشورہ کر کے اس انداز سے لیٹے تھے کہ ان کے اس طرح لیٹنے پر لوگوں کی نظریں خود بخود ان کی طرف اٹھ رہی تھیں اور جس مقصد کے لئے یہ لیٹے تھے وہ اس جماعت کے سوال کے جواب پر پورا ہو گیا تھا۔

یہ دو تین واقعہ میں نے آپ کی ظرافت کے بطور مثال درج کر دیئے ورنہ آپ کی ظرافت طبعی کے واقعات مستقل ایک کتاب کا عنوان ہے، علمی لطائف حضرت کے اتنے ہیں کہ ان کو اگر جمع کر دیں تو اس پر کافی مواد ہو جائے۔

مخدومی ومکرمی محترم جناب حضرت مولانا شاہد صاحب

خادم خاص حضرت خطیب الاسلام

حق تعالی شانہ جب کسی کے نوازنے کے فیصلے فرماتے ہیں تو بغیر زمان ومکان چھوٹے یا بڑے امیر وغریب اور اسباب ظاہری حدود و قیود سے الگ اور بالاتر ہو کر جس کو چاہتے ہیں جب چاہتے ہیں اور جس وقت چاہتے ہیں انتخاب فرما لیتے ہیں، اور اس انتخاب میں سب سے بڑا دخل فضل خداوندی اور توفیق من اللہ کا ہے، جس کی وجہ سے اس میں ایک لگن اور تڑپ پیدا ہو جاتی ہے، پھر اس کے مطابق بارگاہ خداوندی سے مقبولیت کے فیصلے ہونے لگتے ہیں۔ بالکل کچھ اسی طرح کا معاملہ ہمارے مخدوم ومکرم حضرت مولانا شاہد صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے ساتھ پیش آیا کہ ان کو یہ سعادت میسر آئی کہ وہ حضرت خطیب الاسلام کے پاس آنے کے بعد حضرت کی خدمت اور راحت رسانی کو ہی انہوں نے اپنی زندگی کا عظیم سرمایہ حیات بنالیا اور حضرت سے ایسی وابستگی اختیار کی کہ حضرت کی زندگی کے آخری لمحات تک اس خادمانہ جذبۂ صادقہ میں ذرہ برابر فرق نہ آیا، بلکہ یہ رشتہ روز بروز مزید مستحکم ہی ہوتا رہا، یہاں تک حضرت خطیب الاسلام اور دیگر اہل خانہ کا اعتماد اس قدر بحال ہوا کہ انہوں نے گھر کے ایک فرد کی حیثیت اختیار کر لی، اس کی سب سے بڑی تصدیق حضرت خطیب الاسلام کی وہ تحریر ہے جو بطور سند حضرت نے مولانا کو عطا فرمائی۔ وہ تحریر درج ذیل ہے۔

مولوی محمد شاہد حسین بہاری ۱۹۸۹ء میں دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے آئے، آنے کے کچھ ہی وقفے کے بعد مجھ سے ملاقات ہوئی، پھر بار بار ہوتی رہی، ان ملاقاتوں میں ربط اخلاص بڑھتا رہا اور ذوقی ہم آہنگی وسیلہ قربت بنتی رہی، یہاں تک کہ پھر موصوف کا قیام بھی احقر کے مکان ہی میں ہو گیا، جس کے بعد ان کی مخلصانہ خدمات نے اس قرب کو پُر تعلق بنا دیا، اس وقت سے آج تک پچیس سالوں میں یہ رابطہ اپنائیت میں تبدیل ہو گیا اور موصوف اپنے مخلصانہ خدماتی تعلق کی بنیاد پر افراد خانہ ہی میں شمار ہونے لگے، ان کا یہ تعلق اخلاص اتنا معروف ہو گیا کہ احقر کے نام کے ساتھ ان کا نام بھی واقفین کی زبانوں پر زبان زد ہو گیا، اور ان کے مخلصانہ تعلق وخدمات نے قرب

کے جملہ مراحل کو طے کرلیا، اور وہ تقریبا احقر کے اہل خانہ ہی میں شمار کئے جانے لگے۔ حق تعالی نے ان کی بے لوث مخلصانہ خدمات کو قبولیت عامہ عطا فرمادی، میں ان کے لئے ہمہ وقت دعا گو ہوں کہ حق تعالی ان کے علم واخلاص میں بے حساب برکات عطا فرمائے اور ان کو ملت میں قبولیت عامہ ارزانی فرمائے اور دارین کی نعمتوں سے ہمیشہ مالا مال کرے۔ آمین

یہ تحریر حضرت نے اپنے دستخط کے ساتھ مولانا کو ۲۷ مئی ۲۰۱۵ء میں مرحمت فرمائی جس کے ایک ایک جملے سے حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی غیر معمولی شفقت ومحبت اور خلوص ومودت مزید برآں قلبی تعلق کا اظہار ہوتا ہے۔

راقم الحروف سے اسی قلبی تعلق ومحبت کا اظہار مولانا شاہد صاحب کے بارے میں حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی اور محترم جناب حافظ عاصم قاسمی دامت برکاتہم بھی فرما چکے کہ مولانا شاہد صاحب ہمارے گھر کے ایک فرد ہی کی طرح ہیں۔

کسی بھی انسان کے لئے اس سے بڑی سعادت اور کیا ہوسکتی ہے کہ اس کا شیخ، اسکا مربی اپنے مرید یا خادم کی خدمات سے خوش ہو کر اس کو ایسی سند دے جس کے ہر ہر لفظ سے اخلاص ومحبت، مودت وشفقت رحمت ورأفت، خلوص ورواداری ربط اور تعلق کا مکمل اظہار ہوتا ہو۔

خدمت ہی کا یہ صلہ مولانا کو ملا کہ آخری مرتبہ جب حضرت نے گفتگو فرمائی تو حضرت مولانا شاہد صاحب ہی کے متعلق فرمائی کہ کہاں کہاں کے رہنے والے مگر ایک دوسرے سے اتنے قریب ہو گئے کہ چین نہیں آتی ایک دوسرے کے بغیر۔

یہ آخری کلمات تھے جو حضرت مولانا شاہد صاحب کے بارے میں حضرت نے فرمائے۔

مولانا کا تعلق مقام پوسٹ بھتورا ضلع مدھوبنی بہار سے ہیں۔ مولانا شاہد صاحب ۱۹۸۹ء میں رمضان شریف میں تشریف لائے اور ۱۹۹۰ء میں حضرت کی خدمت میں تشریف لائے، بقول مولانا، ایک سال گل کدہ منزل میں قیام رہا جو دارالعلوم وقف دیوبند کی اس زمانہ میں کرایہ کی منزل تھی اور ایک سال مکمل حضرت کی خدمت میں آتا رہا۔ حضرت کے ایک خادم تھے جو یہاں سے شعبان میں چلے گئے تھے تو حضرت نے ایک دوسرے طالب علم کے ذریعہ مجھے بلایا اور فرمایا کہ بیٹھک میں تم رہو، پھر اس کے بعد یعنی ۱۹۹۰ء کے رمضان المبارک سے حضرت کی خدمت میں سفر وحضر میں خادمانہ مستقل ساتھ رہا۔

ایں سعادت بروز باز و نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت مولانا شاہد صاحب کو حق تعالی شانہ نے ایک چھوٹے سے گاؤں سے اٹھا کر کس مقام پر پہنچایا کہ میں بلا تردد ''ھر کہ خدمت کرد اومخدوم شد'' جملہ کو سامنے رکھ کر مولانا کی ذات پر رشک کرتے ہوئے یہ کہہ سکتا ہوں کہ جس طرح انہوں نے ہمارے حضرت کی بےلوث خدمت کی، وہ حضرت کے جانے کے بعد ہم سب حضرت سے وابستہ مسفد ین اور تلامذہ کے مخدوم مکرم ہیں، اللہ رب العزت ان کو اس کی بہت بہت جزائے خیر عطا فرماوے۔ آمین۔ آپ حضرت کے خلیفہ ومجاز بھی ہیں۔

سوانح حضرت خطیب الاسلام کے لکھنے میں راقم الحروف کی حضرت مولانا شاہد صاحب نے بڑی مدد فرمائی اور بڑا علمی تعاون فرمایا۔ فجزاه الله عنى خير الجزا.

حضرت مولانا حافظ اقبال صاحب، جوگیشوری، ممبئی

آپ حضرت کے متوسلین اور حلقہ خاص میں حافظ اقبال صاحب جوگیشوری کے نام سے مشہور ہیں، آپ کو حضرت سے شروع ہی سے ایک خاص انس، خاص تعلق رہا۔ بےشمار اسفار میں حضرت کی معیت نصیب ہوئی ان اسفار میں بہت سے واقعات پیش آئے، بہت جگہوں پر علمی مجالس ہوئیں، بہت سے مقامات پر خاص خاص واقعات پیش آئے جو حافظ صاحب کی یاداشت میں محفوظ ہیں۔ عاجز نے بھی اس کتاب میں کئی مقامات پر حافظ صاحب کے حوالے سے واقعات نقل کئے ہیں، ابھی حضرت کے مرض الوفات میں اقبال بھائی حضرت کے پاس تشریف لائے اور عجیب حالات میں تشریف لائے، حافظ اقبال صاحب کی ہمشیرہ ۹ یا ۱۰ سال میں غالبًا امریکہ سے ممبئی ایک ہفتہ یا دس دن کے لئے آئیں، ادھر حضرت کی علالت کی خبر ملی تو حافظ صاحب بہت بےقرار ہوئے، ادھر بہن بھی ایک عرصہ میں تشریف لائیں تھیں، مگر حضرت کی محبت میں سب کو چھوڑ چھاڑ دیو بند تشریف لے آئے اور دو تین دن حضرت کے پاس رہے، میں بھی حضرت ہی کی خدمت میں تھا کہ اچانک کوئی ضروری فون آیا اور فوری طور پر حافظ صاحب کو ممبئی جانا پڑا، ٹکٹ ہوگیا، چنانچہ دیو بند سے جن شتابدی سے واپسی تھی دہلی کے لئے، مگر دیو بند اسٹیشن پر جا کر دوبارہ واپس حضرت کی خدمت میں تشریف لے آئے کہ دل نہیں مانا، غرض یہ کہ وہ فلائٹ کینسل کرائی، پھر اگلے دن تشریف لے گئے، حضرت کو

بھی اقبال بھائی سے بہت زیادہ انسیت اور محبت تھی، بقول حضرت خطیب الاسلام: حافظ اقبال صاحب ہمیشہ خدمت کے لئے مستعد رہتے ہیں، یہ جملہ حضرت نے اس عاجز سے اس وقت فرمایا تھا جب دوران گفتگو ایک مجلس میں ان کا ذکر خیر نکلا، بہرحال حافظ صاحب حضرت کے بڑے معتمدین میں سے ہیں، حافظ صاحب کی پیدائش ۱۷/اپریل ۱۹۷۶ء ممبئی کی ہے، پرائمری ایجوکیشن اسکول میں ۷ویں کلاس تک پڑھی۔ اس کے بعد ایک سال حفظ و تجوید اکل کنواں میں مولانا عبدالرحمان گوئما کے پاس پڑھی، پھر مولانا اویس صاحب سے بقیہ درسی کتابیں پڑھیں، مولانا اویس صاحب امام وخطیب مجید یہ مدرسہ فاؤنٹین مسجد ممبئی میں اور دارالعلوم امدادیہ چونا بھٹی سے فضیلت حاصل کی، پھر آخری حدیث حافظ آصف صاحب کے در دولت پر حضرت خطیب الاسلام سے پڑھی۔ حافظ صاحب کے حضرت کے ساتھ بہت سے ملکی و غیرملکی اسفار ہوئے، غیرملکی اسفار میں مصر، حجاز مقدس اور حرمین شریفین، ترکی اور ساؤتھ افریقہ وغیرہ ممالک کے سفر کئے۔ حافظ صاحب ملی مسائل کے تعلق سے بڑے غیور واقع ہوئے ہیں اور ملی مسائل کو حل کرنے میں ان کی سرگرمیاں مستقل جاری رہتی ہیں۔ حافظ صاحب کے حوالے سے میں نے حضرت کے سفر کے کچھ واقعات کا آگے تذکرہ کیا ہے۔

حضرت خطیب الاسلام فرماتے ہیں:

''ٹیکنالوجی کے یہ عجیب جدید ابلاغی ترقیات اسلام کی حقیقی بنیاد یعنی اللہ کی اس توحید مطلق پر انسانیت کو سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کر رہی ہیں کہ جس پر قرآنی روشنی کے مطابق تو ذرہ ذرہ کائنات ہمیشہ سے گواہ تھا ہی لیکن اب سائنس کی جدید تحقیقات بھی اس توحید مطلق پر انسانیت کو سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کر رہی ہیں، اور نبی کریم ﷺ کے صداقت نبوت پر آپ کا یہ پیغمبرانہ ارشاد شاہد عدل بن رہا ہے کہ:

'لایبقی علی ظهر الارض بیت مدر ولا وبر إلا أدخله الله كلمة الاسلام بعز عزيز وذل ذليل.''

(خطبات خطیب الاسلام: ۱۱۸)

باب چہارم

قال تعالیٰ:

﴿یاأیها المزمل، قم اللیل الا قلیلا نصفه أو انقص منه قلیلا. أو زد علیه ورتل القرآن ترتیلا، إنا سنلقی علیکم قولا ثقیلا. إن ناشئة اللیل هي أشد وطأ وأقوم قیلا﴾

(سورة المزمل: ۱ تا ۶)

قال رسول اللہ ﷺ:

”أن تعبد الله کأنک تراہ، فان لم تکن تراه فإنه یراک“ (رواه مسلم)

شعر

افلاک سے کھینچی جاتی ہے سینوں میں اتاری جاتی ہے
توحید کی مے، ساغر سے نہیں نظروں سے پلائی جاتی ہے

باب چہارم کے مشمولات

- ☆ راہ سلوک کی ابتدا حضرت خطیب الاسلام شیخ وقت کی خدمت میں رائے پور میں حاضری
- ☆ حضرت رائپوری رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت
- ☆ حضرت خطیب الاسلام حضرت رائپوری کی وفات کے بعد
- ☆ دونوں بزرگوں سے حضرت خطیب الاسلام کو خلافت
- ☆ فہرست خلفاء ومجازین
- ☆ زریں فرمودات
- ☆ حضرت خطیب الاسلام اور خوابوں کی تعبیر کا علم

حضرت کے شیوخ کے تذکروں سے قبل چند باتیں بطور تمہید یہاں ذکر کرنا ناگزیر سمجھتا ہوں تاکہ اس نسبت کو سمجھنا جس کو شریعت کی اصطلاح میں ''احسان'' سے تعبیر کیا گیا آسان ہو جائے

راقم الحروف نے اپنے خاندانی بزرگوں سے حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ بارہا سنا کہ حضرت فرماتے تھے:

''عالم بغیر معرفت راہ سلوک کے ریت کے تودے پر تعمیر کرنے کے مترادفت ہے، یعنی بغیر معرفت کے اس کا علم اس تعمیر کے مانند ہے جو ریت کے تودے پر بنائی گئی ہو، وہ کب گر جائے اور اس کو کتنا نقصان پہنچادے کچھ معلوم نہیں۔''

حضرت خطیب الاسلام فرماتے ہیں:

''میں نے بزرگوں سے سنا کہ دارالعلوم دیوبند کے ابتدائی دور میں جب طلبہ فارغ ہو جاتے اور درخواست کرتے کہ ہم کو سند دے دی جائے، تو اساتذہ دارالعلوم اور ذمہ داران ان کی درخواست قبول نہیں کرتے بلکہ درخواست موصول ہونے کے بعد درخواست کنندہ کو بلاتے اور اس سے معلوم کرتے کہ تم نے درخواست دی ہے اور یقیناً تم فارغ بھی ہو چکے ہو اور نصاب کی تکمیل بھی کر چکے ہو اور امتحان میں کامیاب بھی ہو چکے ہو، لیکن تم نے کسی بزرگ کے پاس سال چھ مہینے کا وقت بھی گذارا ہے یا نہیں؟ اگر وہ جواب نفی میں دیتا تو اس سے کہا جاتا کہ تم ابھی صحیح نہیں ہوئے، ابھی تم سند کے مستحق نہیں ہوئے سند کے مستحق جب ہی ہوگے جب تم کسی صاحب دل اور اللہ والے کے پاس کچھ وقت گذارو، تاکہ اس صورت میں خانقاہی رنگ تمہارے اندر پیدا ہو جائے۔ گویا معنویت اور روحانیت سے جب تک مناسبت پیدا نہ ہو، اس وقت تک علم کارآمد نہیں ہوتا، یہ جو علم کتابوں سے حاصل ہوتا ہے یہ علم نہیں یہ تو معلومات ہیں، جب تک قلب کے اندر نہ رچ بس جائے، اس وقت تک یہ علم علم نہیں بنتا، اور یہ اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک اہل اللہ کی صحبت سے فیضیاب نہ ہو۔''[1]

ہمارے اپنے اسلاف خاص طور پر اسلاف دارالعلوم دیوبند کا طریقۂ کار بقول حضرت خطیب

---

[1] مجالس خطیب الاسلام

الاسلام[۲]

''یہ ہے کہ دارالعلوم سے فراغت اور سند فضیلت حاصل کرنے کے بعد اپنا ہاتھ کسی مربی وشیخ کامل کے ہاتھ میں دیدیتے اور کئی کئی سال ان کی خدمت میں گذار دیتے، اور ان کے باطنی فیوض سے مستفیض ہوکر اپنے اپنے علاقوں کو منور کرتے۔''

اے دلِ زندہ مجھے ڈر ہے کہیں تو مر نہ جائے
کہ زندگی عبارت ہے ترے جینے سے

انسان کے لئے راہ احسان وسلوک کو ضروری قرار دیتے ہوئے علامہ اقبال کہتے ہیں:

دل بیدار فاروقی، دل بیدار کراری
مس آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری
دل بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری نہ میری ضرب ہے کاری

(۲) دوسری بات بطور تمہید کے جو عرض کرنی ہے اور جس کی خاطر خانوادۂ قاسمی کے افراد نے اپنا تن من دھن سب کچھ قربان کر دیا، جس سے حضرت خطیب الاسلام کی پوری زندگی عبارت ہے، اور جس کو حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مشہور کتاب ''تفہیمات آلہیتہ'' کی تفہیم اول میں بیان فرمایا:

''انبیاء علیہم السلام جن چیزوں کی اہمیت اور خصوصیت سے دعوت دیتے ہیں وہ بنیادی طور پر تین چیزیں ہیں۔

(۱) ایک مبدأ ومعاد وغیرہ سے متعلق عقائد کی تصحیح، اس شعبہ کو علمائے عقائد واصول نے سنبھال لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو قبول فرمائے اور جزائے خیر عطاء فرمائے۔

(۲) دوسرے عبادات ومعاملات اور معاشرت وغیرہ انسانی اعمال کی صحیح صورتوں کی تعلیم اور حلال وحرام کا بیان، اس شعبہ کی کفالت فقہائے امت نے اپنے ذمہ لے لی اور اس میں انہوں نے امت کی پوری رہنمائی اور رہبری کی۔

(۳) تیسرے اخلاص واحسان (یعنی ہر عمل خالص لوجہ اللہ کرنا کہ میرا مالک مجھے اور میرے عمل

۲؎ حضرت خطیب الاسلام سے راقم الحروف نے اس قول کو ایک مجلس میں سنا تھا تو اس وقت میں نے اس کو محفوظ کر لیا تھا۔

کو دیکھ رہا ہے)

یہ تیسری چیز دین وشریعت کے مقاصد میں سب سے زیادہ رقیق اور عمیق ہے اور پورے نظام دینی میں اس کی حیثیت وہ ہے جو جسم میں روح کی اور الفاظ کے مقابلے میں معنی کی، اس شعبہ کی ذمہ داری صوفیائے کرام رحمہم اللہ نے لے لی ہے، وہ خود راہ یاب ہیں اور دوسروں کی رہنمائی کرتے ہیں، خود سیراب ہیں دوسروں کو سیراب کرتے ہیں، وہ بڑے بانصیب اور انتہائی سعادتمند ہیں۔[1]

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی تحریر فرماتے ہیں:

''اللہ تعالی نے دین کی حفاظت کا جو تکوینی انتظام فرمایا ہے اس میں کتاب وسنت کی عملی وکتابی حفاظت کے ساتھ امت میں ایسے علماء فقہاء اور صوفیائے ربانین کا مسلسل وجود بھی شامل ہے اور امت کی گذشتہ ساڑھے تیرہ سو سال کی دینی تاریخ کی شکل میں وہ ہمارے سامنے موجود بھی ہے اور یہ محفوظ تاریخ بھی اس خداوندی انتظام کے سلسلہ کی ایک مستقل کڑی ہے۔''[2]

واقعہ یہی ہے کہ تصوف'' جیسا کہ شاہ صاحب نے فرمایا ہے..دین وشریعت کی روح اور اس کا جوہر ہے اور صوفیائے کرام ہی اس دولت کے حامل ہیں۔اور جس طرح جسم کبھی روح سے بے نیاز نہیں رہ سکتا، اس طرح امت مسلمہ اپنے دینی وجود میں کبھی تصوف اور علمائے ربانیین سے بے نیاز نہیں ہوسکتی۔

(۳) تیسری بات جس کی وجہ سے راقم الحروف نے حضرت شاہ صاحب کی ''تفہیمات آلہیہ ،، کے تفہیم اول کا اقتباس نقل کیا ہے وہ صحبت اہل اللہ ہے، دل کی بیداری اور صفائی اس کے بغیر ناممکن ہے، جتنے بھی اہل اللہ اور اولیاء اللہ گذرے ہیں، ان کی اہلیت اور ولایت کے فیصلے من جانب اللہ جب ہی ہوئے، جب انہوں نے اس صحبت کا حق ادا کیا اور اپنے آپ کو اپنے شیوخ کے سامنے پامال کیا، جب نفس مغلوب ہوگیا تو ان کے دلوں میں صالحیت اور مصلحیت کی صلاحیت پیدا ہوتی چلی گئی اور ان پر معرفت حق کے دروازے کھلتے چلے گئے، اولیاء اللہ کی صحبت کی برکت سے جب یہ فیض

---

[1] تفہیمات آلہیہ ،ص:۱۲،۱۳، راقم الحروف نے یہ ترجمہ مولانا منظور نعمانی کے مقدمہ سے نقل کیا ہے حضرت نے ''سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری،، کے مقدمہ کا آغاز اسی عبارت سے کیا ہے۔

[2] مقدمہ سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری.ص،۱۳، مولانا محمد منظور نعمانی۔

معرفت میں تبدیل ہوتا ہے تو حق تعالیٰ شانہ سالک کے قلب میں ایک نور پیدا فرماتا ہے جس کی وجہ سے وہ ماوریٰ دیکھنے لگتا اور سالک پر اندرونی حالات منشکف ہونے لگتے ہیں، اس سلسلے میں حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا مقولہ راقم کو یاد آرہا ہے، جس کو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ نے ''تمہید مختصر تاریخ دارالعلوم دیوبند'' میں نقل فرمایا کہ:

''حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمتہ اللہ علیہ مہتمم ثانی دارالعلوم کا مقولہ بزرگوں سے سننے میں آیا کہ مدرسہ دیوبند کا اہتمام میں نہیں کرتا، بلکہ حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کرتے ہیں۔ جو جوان کے قلب پر وارد ہوتا ہے وہ میرے قلب میں منعکس ہوجاتا ہے اور میں وہی کام کرگذرتا ہوں۔ چنانچہ جب بھی مولانا کوئی غیر معمولی کام کرتے تھے تو اگلے دن حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے کہ مولانا اللہ آپ کو جزائے خیر عطاء فرمائے۔ کچھ عرصہ سے یہی کام جو آپ نے انجام دیا ہے، میرے دل میں آرہا تھا کہ ایسا ہونا چاہیئے جسے آپ نے انجام دے دیا ہے۔''[1]

حضرت مولانا کا یہ جملہ ''میرے قلب میں منعکس ہوجاتا ہے اور میں وہی کام کرگذرتا ہوں'' سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا کو حق تعالیٰ شانہ نے معرفت، نور قلب، بصیرت والی آنکھیں اور فراست ایمانی عطاء کررکھی تھی جس کی وجہ سے وہ حضرت نانوتوی کے قلبی واردات کو محسوس فرمالیا کرتے تھے۔

اس تمہید کے بعد جب ہم حضرت خطیب الاسلام کی زندگی کو دیکھتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو حضرت شاہ صاحب کی بیان کردہ تینوں شقیں علماء، وفقہاء اور متصوفین پر عائد ہونے والے فرائض کے تیئں قبول فرمایا، چنانچہ حضرت تازندگی اپنی عالمانہ وفقیہانہ شان کے ساتھ ساتھ احسان کی عظیم الشان صفت سے متصف رہے، اسی وجہ سے حضرت کا علمی، وفقہی اور احسانی فیض پورے عالم کے کونے کونے میں پھیلا۔

ایک طالبعلم یا سالک مشکل ہی یہ امتیاز کرپائے گا کہ حضرت کی فقہی وعلمی بصیرت زیادہ ہے یا پھر ان پر احسانی کیفیات کا غلبہ ہے، حضرت خطیب الاسلام نے جس راہ میں بھی قدم رکھا ایسا محسوس ہوا کہ آپ اسی راہ کے ہی مسافر ہیں، یہ فیض عرفانی ان باکمال وخداترس بزرگوں اور شیوخ کا تھا جن

[1] پچاس مثالی شخصیات، مختصر تاریخ دارالعلوم دیوبند، تمہید، ص ۳۲

کو حق تعالیٰ شانہ نے مقامِ علم کے ساتھ ساتھ کمال ادب بھی وافر مقدار میں عطاء فرمایا تھا، بقول حضرت خطیب الاسلام کہ:

''میرے ساتھ اللہ کا بڑا کرم یہ بھی رہا کہ مجھے شرف تلمذ ایسے اساتذہ سے ہوا جو اخلاص وخلوص کا مجموعہ اور کمال ادب وکمال شفقت میں یکتا تھے اور ہم سب طلبہ کے ساتھ ان کا یہی حال تھا۔''[1]

راہ سلوک کی ابتدا اور حضرت خطیب الاسلام شیخ وقت کی خدمت میں رائے پور میں حاضری:

راقم الحروف حضرت خطیب الاسلام کی خدمت اقدس میں حاضر تھا، حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید کی سوانح[2] کے بارے میں کچھ رکاوٹیں درپیش تھیں، اس لئے دعاء کی درخواست کے لئے حاضری ہوئی تھی، حضرت نے مجھے بہت سی اہم باتیں بتائیں، اسی دوران راقم نے حضرت سے معلوم کیا کہ حضرت! ذرا خانقاہ رائے پور کے بارے میں کچھ بتادیں، آپ نے رائپور کا رخ کیوں کیا؟ یہ نعمت تو آپ کے گھر میں حضرت حکیم الاسلام کی شکل میں بھی موجود تھی، بلکہ حضرت حکیم الاسلام حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہ کے اجل خلفاء میں سے تھے، کیا اس طرف رخ کسی کے حکم کی وجہ سے فرمایا؟

اس پر حضرت نے راقم الحروف کو تفصیل سے بتایا کہ:

''جب میری دارالعلوم دیوبند سے فراغت ہونے والی تھی تو مجھے ابّا جان (حضرت حکیم الاسلام) نے حکم فرمایا کہ جمعرات کو صبح کے درس پورے کرکے ہر ہفتہ خانقاہ رائپور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری دوں، (اس زمانہ میں جمعرات کو شام کا درس اکثر موقوف رہتا) میں نے ابّا جان کے حکم کی تعمیل میں رائپور جانا شروع کردیا، دوپہر کو میں دیوبند سے چلتا اور رائپور پہنچنے تک شام ہوجاتی رات میں حضرت کے ساتھ رہتا اس امید پر کہ شاید کوئی خدمت کا موقع ملجائے، پہلی مرتبہ جب میں حاضر ہوا اور حضرت کا مشفقانہ تعامل اپنے ساتھ بلکہ ہر آنے والے

[1] راقم الحروف کے ایک مجلس میں سوال کرنے پر حضرت نے یہ جملہ ارشاد فرمایا تھا۔
[2] یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حافظ ضامن صاحبؒ کی سوانح راقم لکھ رہا تھا۔

کی ساتھ دیکھا تو میں حضرت کا گرویدہ ہوگیا، جمعہ کی نماز کے بعد کھانے سے فارغ ہوکر میں نے اجازت مانگی، حضرت نے بطیب خاطر اجازت مرحمت فرمائی اور یہ جملہ ارشاد فرمایا: آپ کی تشریف آوری سے قلبی راحت اور سکون ملا، آتے رہا کرو،، مجھے رخصت کرنے کے لئے خانقاہ سے باہر تشریف لائے اور رخصت فرماتے ہوئے آنے جانے کا خرچ مرحمت فرمایا اور اس قدر نیازمندانہ ابا جی کو سلام کہلوایا کہ ان کی نیازمندی پر میرا سر شرمندگی سے جھکا جاتا تھا، بہر حال میں حضرت سے اجازت لے کر خانقاہ رائپور سے واپس تو آ گیا، مگر میری قلبی کیفیات بیان سے باہر تھیں، اس کے بعد حضرت خطیب الاسلام نے فرمایا کہ: آج تک ان کیفیات سے لطف اندوز ہوتا ہوں، جن کو صرف محسوس کیا جاسکتا ہے، بیان نہیں کیا جاسکتا، اس باغ کی کیفیت جس میں خانقاہ ہے کہ اس باغ کا پتا پتا ذکر الٰہی سے سرشار نظر آتا تھا، اس کے بعد میری عادت اور معمول یہ ہوگیا کہ تقریبا ہر جمعرات کو حضرت رائپوری کی خدمت اقدس میں جاتا اور ایک شب وہاں گذارتا اور خانقاہ رائپور کے معمولات کے مطابق ۲۴ گھنٹہ گذار کر آجاتا، یہ معمول میرا کئی سال تک چلتا رہا، اس کئی سالہ آمدورفت کے دوران میں نے جو اہم باتیں حضرت کے پاس رہ کر محسوس کیں اور جن سے میں بہت زیادہ متاثر ہوا وہ یہ کہ حضرت کے یہاں تصوف وسلوک کو ظاہری ورسمی حدود وقیود سے پاک دیکھا تھا، رسمی حدود وقیود کے نہ خود پابند تھے اور نہ آنے والوں سے اس کی پابندی چاہتے تھے۔ سارا زور نسبت باطن اور تعلق مع اللہ پر تھا، اس کے لئے حتی الامکان یکسوئی کے ساتھ کثرت ذکر وفکر پر زور دیتے اور اس کو باب السلوک کی کنجی سمجھتے تھے۔

دوسری بات جو حضرت کے یہاں مجھے خاص طور پر محسوس ہوئی کہ بظاہر دنیوی مشاغل وعوائق سے بالکل بے تعلق ہونے کے باوجود جب کبھی قومی، ملکی اور سیاسی معاملہ درپیش ہوتا، یا آپ سے رائے مانگی جاتی تو ایسی صائب رائے اور مشورہ دیتے کہ وہ حضرات بھی آپ کی رائے تسلیم کرتے جنہوں نے پوری زندگیاں اسی میدان میں لگا دیں، پھر حضرت رائے دے کر الگ ہوجاتے اپنے مشورہ کو کسی پر حتی کہ اپنے متوسلین پر بھی نہیں تھوپتے تھے وہ بھی آزاد ہوتے، عمل کریں یا نہ کریں، بعض مرتبہ حضرت کے مریدین بھی حضرت سے عملی طور پر اختلاف کرتے، مگر حضرت کی شفقت اور تعلق میں ذرہ برابر کمی نہیں ہوتی تھی۔ تیسری بات جو اس ناچیز کو حضرت کی ذات میں خاص طور پر محسوس

ہوئی وہ تسلیم ورضا کا پہلو، توکل[1] علی اللہ اور تبتل[2] الی اللہ کا وہ مقام ارفع حاصل تھا جس کی نظیر بہت کم مجھے دیکھنے کو ملی۔

حضرت کی بے قراری اور انجذابی کیفیت

مقصود ومطلوب، حصول یقین اور روحانی ترقی، کامیابی وکامرانی کی ابتداء اکثر وبیشتر بے قراری اور اندرونی بے چینی اور اضطرابی کیفیت سے ہوتی ہے جس بے قراری کے نتیجہ میں انسان کے اندر ایک چیز پیدا ہوتی ہے جس کو تڑپ اور لگن سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، اکثر کاملین اور بزرگان دین اس کیفیت سے گذرتے ہیں، سالک میں جب تک یہ کیفیات نہ ہوں اس وقت تک مقامات سلوک طے نہیں ہوتے، خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کیفیت کے اعلی مقام پر فائز تھے۔ حضرت خطیب الاسلام کی دو چار مرتبہ کی آمد ورفت ہی سے خانقاہ رائپور کے لئے بے قراری سی رہتی اور بقول حضرت خطیب الاسلام

”مجھے خانقاہ سے واپسی کے بعد دیوبند پہنچ کر اگلی جمعرات کا انتظار شروع ہو جاتا اور میں وہاں جانے کے لئے ایسا بے قرار ہوتا اور صبح وشام کے لمحات گنتا اور جب تک خانقاہ نہ پہنچ جاتا میری بے قراری باقی رہتی، اور حقیقت یہ ہے کہ اس بے قراری اور اضطرابی کیفیت کو سکون صرف اہل اللہ ہی کی صحبت سے ملتا ہے۔“

حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت

جب حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کو ہر زاویہ سے دیکھ لیا اور طبیعت کے میلان میں رسوخ پیدا ہو گیا تو حضرت خطیب الاسلام نے باطن کی اصلاح کے لئے حضرت رائپوری کے دست حق پرست میں اپنا ہاتھ دے دیا اور سلسلے چشتیہ میں بصد شوق وبکمال جوش خواجہ حافظ کی زبان میں عرض کیا

تو کہ کیمیا فرد شے نظرے بقلب ما کن
کہ بضاعتے نہ داریم وفگندہ ایم دامے

---

[1] توکل: اللہ ہی کی ذات پر صرف اور صرف بھروسہ واعتماد۔

[2] تبتل: سب کو نظر انداز کر کے صرف اللہ ہی کا ہو رہنا۔

چنانچہ حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت خطیب الاسلام کے سوز دروں کو محسوس فرما کر بیعت فرمالیا،[1] بیعت کیا بلکہ اس عہد کی تجدید فرمائی جو ہر انسان سے حق تعالیٰ شانہ نے عہد الست یعنی ازل میں لیا تھا، جس کا ذکر قرآن کریم کی درج ذیل آیت میں کیا گیا ارشاد فرمایا:

﴿اَلَسْتُ بربّکم قالوا بلی﴾ (سورۃ الاعراف: ۱۰۲)

یہ بیعت وارشاد دراصل اسی عہد الست کی تجدید ہے۔ جس کے ذریعے رجوع الی اللہ کے ساتھ شوق عبادت، احسان وسلوک کا بلکہ، ایمانی حلاوت اور معرفت خداوندی کے حصول کی تڑپ، رذائل نفس کو ختم فرما کر کرائی جاتی ہے، تا کہ سالک میں استحضار و یقین کی کیفیات اور جناب رسول اللہ ﷺ کی فکر وتڑپ کا عُشر وعشیر حصہ پیدا ہو سکے، بیعت کا یہ سلسلۃ الذھب جناب رسول اللہ ﷺ کے عہد میمون سے بغیر انقطاع کے بحمد اللہ آج تک علماء ربانیین اولیاء اللہ کی شکل میں مسلسل چلا آ رہا ہے۔

بہر حال حضرت کو حضرت رائپوری کے متوسلین میں شامل ہونے کا موقع ملا، حضرت کو خلافت دیتے ہوئے ابھی چند ماہ ہی گذر پائے تھے کہ حضرت رائپوریؒ کا وصال ہو گیا، حضرت خطیب الاسلام نے بہت کچھ باطنی طور پر اس دوران حضرت سے استفادہ کیا جو نعمت ملنی تھی اور جس کو حاصل کرنے کے لئے پروانہ وار دیوانہ ومشتاقانہ بار بار حاضری کی سعادت حاصل کر رہے تھے۔ وہ تعلق مع الخلق اور تعلق مع النفس (یعنی رذائل نفس سے اجتناب اور فضائل نفس والے اعمال کی طرف رغبت) کی شکل میں حاصل کر چکے تھے۔ آپ کے خانقاہ رائپور کی آمد ورفت کے درمیان ان تین اہم اور بنیادی شعبوں کی داغ بیل پڑ چکی تھی، "تعلق مع النفس" جب کسی کا تعلق اپنے نفس کے ساتھ صحیح ہو جاتا ہے تو وہ درج ذیل صفات کا متحمل خود بخود ہو جاتا ہے، مثلاً اس میں پاکدامنی و پاک نفسی عفت وعصمت، حیاء وانکسار، غیرت وحمیت، ہمت وشجاعت، صبر وسماعت، حلم وضبط، اعتماد وتوکل، زہد وقناعت، مجاہدہ وریاضت، تحمل شدائد ومصائب اور خدا ترسی وغیرہ کے اعلیٰ ترین ملکات اس میں پیدا ہو جاتے ہیں اور تعلق مع الخلق سے اس میں خدمت خلق اللہ، صلہ رحمی، نصرت واعانت، ایثار وعطاء، راحت رسانی

---

[1] نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کا ثبوت چار طرح ملتا ہے، (۱) بیعت اسلام (۲) بیعت جہاد (۳) بیعت ہجرت (۴) بیعت توبہ وطریقت، بیعت ہجرت کا حکم تو ختم ہو گیا تھا، دیگر بیعتوں کی طرح بیعت توبہ وطریقت اب بھی باقی ہے۔ صحابہ کرام نے بارہا نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت فرمائی، چنانچہ قرآن کریم اور روایات حدیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے، بخاری ومسلم میں اسی مضمون کی ایک حدیث حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت سے آپ نے فرمایا: "بایعونی علی أن لاتشرکوا باللہ شیئاً".

کف اذی (ایذارسانی سے بچنا) عفوودرگذر، محبت وشفقت، دلسوزی وہمدردی، تعلیم وتربیت ارشادو تزکیہ وغیرہ جیسی صفات حمیدہ پیدا ہوتی ہیں اور تعلق مع اللہ سے اس میں عبادت وریاضت، مجاہدہ ومراقبہ، کسر شہوات ولذات، توبہ وانابت، توبہ واستغفار، تہجدوشب بیداری ذکر وفکر جیسے عظیم ملکات پیدا ہوتے ہیں، اور تینوں تعلقات میں بھی اصل چونکہ تعلق مع اللہ ہے جو باقی دونوں تعلقات کو صحیح نہج پر قائم کرتا ہے اسی لئے خانقاہوں میں ہر عمل پر مجاہدہ کی غرض وغایت رضائے الٰہی اور حصول تعلق مع اللہ بتلایا جاتا ہے، ان خانقاہوں کے برخلاف جو حضرات اللہ سے منقطع ہو کر ان تعلقات کو خوشنما بنانے کی فکر میں ہیں وہ طرح طرح کی مہلک لغزشوں کا شکار اور نفسانی جذبات میں گرفتار ہیں، جن کی مہلک لغزشوں سے دنیا فتنہ وفساد کی جانب چل پڑتی ہے۔[1]

بہرحال حضرت خطیب الاسلام کے لئے ایک امتیاز تو قاسمی گھرانے کی وہ تربیت تھی بقول شخصے:

''جن کی ماؤں کی گود میں اسلام پلتا تھا'' دوسرا امتیاز اکابرین دارالعلوم دیوبند کی خصوصی توجہات اور تیسرا امتیاز حضرت خطیب الاسلام کی خانقاہ رائپور سے وابستگی تھی، جس کی وجہ سے حضرت کے قلب میں تعلق مع اللہ، تعلق مع الخلق اور تعلق النفس کی داغ بیل پڑ گئی اور پھر حضرت رائپوری کی وفات کے بعد حضرت نے اپنی شخصیت کی تعمیر انتہائی مجاہدہ وریاضت کے ساتھ ان تین بنیادوں پر کی، جن کے ظاہری وباطنی اثرات آج ہم اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر رہے ہیں اور اس وقت حضرت خطیب الاسلام کا حال یہ ہے کہ بقول حضرت مولانا محمد یٰسین صاحبؒ والد بزرگوار مفتی محمد شفیع صاحب:

مرجع مخلوق بودو متبع جودوکرم
خُلق اوخلق محمد چشمۂ فیض اتم
طالبان رافیض صحبت صورت اکسیرداشت
نقش حب حق بلوح قلب ایشاں برنگاشت[2]

---

[1] یہ خلاصہ ہے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے مضمون ''سیرت کی جامعیت کے چند بنیادی اصول،، کے اقتباس کا یہ مضمون چھپا ہے، نقوش کے رسول (ﷺ) نمبر کی پہلی جلد میں، ص ۳۸ تا ۱۵ مزید تفصیل کے لئے وہاں رجوع فرمائیں۔
[2] یہ تحریر حضرت کی زندگی میں ہی لکھی گئی تھی، ان اشعار کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے: (بقیہ)

حضرت رائپوریؒ اور ان کے مختصر حالات

سالہا باید کہ تا یک سنگ اصلی زا آفتاب
لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن
ساعت بسیاری باید کشیدن انتظار
تا کہ درخوف صدف باراں شودُ رّعدن[۱]

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اشعار گرچہ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ کے والد محترم حضرت مولانا محمد یٰسین صاحب نے حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری رحمتہ اللہ علیہ کی تعریف وتوصیف میں کہے تھے، مگر راقم الحروف نے ان اشعار کو پڑھا تو ان اشعار کا مصداق میں نے اپنے مربی وشیخ حضرت خطیب الاسلام کو پایا، میں یہ بات صرف سیدی حضرت خطیب الاسلام کی عقیدت میں نہیں لکھ رہا ہوں بلکہ اس حقیقت کا اظہار ہے جس کو میں علی وجہ البصیرت دارالعلوم دیوبند میں طالبعلمی کے زمانہ سے دیکھتا آیا ہوں، اللہ رب العزت حضرت کی عمر میں برکت عطاء فرمائے، اس وقت حال یہ ہے کہ حضرت کے چہرہ کو دیکھ کر ہی یہ اشعار زبان پر خود بخود جاری ہو جاتے ہیں، ہمارے ایک بہت بڑے داعی اور عرب عالم دین شیخ محمد عکاس جب ہندستان تشریف لائے اور دیوبند کا دورہ کیا تو راقم الحروف اور میرے بھائی جان جناب مولانا محمد اویس صدیقی نانوتوی کی رفاقت میں شیخ کا دورۂ دیوبند ہوا جب ہم لوگ ان کو لے کر حضرت خطیب الاسلام دامت برکاتہم کے دولت کدہ پر حاضر ہوئے تو شیخ محمد عکاس بار بار فرماتے **مشائخنا دیوبند، مشائخنا دیوبند** پھر فرمایا **علی محیاہ نور** (ان کے چہرے پر نور ہے) اس کے بعد حضرت خطیب الاسلام کی پیشانی کا کئی بار بوسہ لیا، دوسرا واقعہ راقم الحروف کے ایک نومسلم ساتھی جو فی الحال بحمداللہ مشرف باسلام ہوگئے، وہ اپنے اسلام لانے سے قبل راقم کے ساتھ حضرت خطیب الاسلام کی زیارت اور ملاقات کے لئے اپنے چند اور غیر مسلم ساتھیوں کے ساتھ حاضر خدمت ہوئے، ملاقات کے بعد ہمارے وہ ساتھی جن کا نام پہلے ہرشن چوہان تھا کہنے لگے کہ حضرت کے چہرہ کو دیکھنے کے بعد میرا دل گواہی دیتا ہے کہ میں فوراً اسلام قبول کرلوں، کیونکہ جس مذہب کے ماننے والوں کے چہرے ایسے ہوں وہ مذہب جھوٹا نہیں ہوسکتا، حقیقت ہے جس نے بھی یہ شعر کہا ہے،

صورت کو تری معیار کمالات بنا کر
دانستہ مصور نے قلم توڑ دیا ہے

ترجمہ: یقیناً آپ مرجع خلائق اور جودوسخاوت کا سرچشمہ تھے، اخلاق نبوی کے چشمۂ فیض سے آپ نے آسودہ ہوکر خودکو اخلاق نبوی کا آئینہ دار بنا دیا تھا۔ طالبان ہدایت کے لئے آپ کی صحبت ومجالست کیمیا اثر ہے، آپ کی صحبت سے لوح قلب پر عشق خداوندی وحب نبوی کا نقش مرتسم ہو جاتا ہے۔

[۱] حکیم سینائی

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری کا نام ان کے والد نے غلام جیلانی رکھا تھا، جب ان کے والدان کو حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کی خدمت میں لے کر گئے تو حضرت نے نام دریافت کیا تو غلام جیلانی بتایا، اس پر حضرت نے فرمایا کہ غلام جیلانی نہیں آپ تو عبدالقادر ہیں پھر اسی نام سے مشہور ہوئے۔ آپ کی سن ولادت کا صحیح علم نہیں ہوسکا، ہاں البتہ قرائن سے اتنا پتا چلتا ہے کہ آپ کی ولادت ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳ء کے آس پاس ہوئی۔

حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائپوری کا خاندان ابتداء میں خاں تحصیل تلاگنگ ضلع کیمبل پور (مغربی پنجاب) میں پڑتا تھا، آپ نسلاً راجپوت تھے۔[1]

اس خاندان کے پہلے نامور شخص مولوی عبدالرحیم صاحب تھے جو شاہان مغلیہ کے دور میں تھے، ان کو کسی بزرگ نے بشارت دی تھی کہ سات پشت تک تمہاری اولاد میں حفظ قرآن کی دولت اور علم رہے گا۔

ان مولوی عبدالرحیم کے تین فرزند تھے (۱) مولانا محمد اکرم (۲) مولانا محمد حسن (۳) مولانا محمد محسن، مولانا محمد اکرم حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری کے حقیقی دادا ہیں۔

آپ کے والد حافظ احمد علی صاحب بڑے جید حفاظ میں سے تھے اور آپ کو قرآن کریم سے غایت درجہ شغف تھا اور قرآن کریم کی بہت زیادہ تلاوت کرنے والے تھے، آپ کو اپنے بچوں میں حضرت شاہ عبدالقادر سے غیر معمولی اور سب سے زیادہ محبت تھی، جب لوگ آپ سے اس کی وجہ دریافت کرتے تو فرماتے کہ اس بچہ کا مستقبل مجھے بڑا روشن نظر آتا ہے، جب اس کی خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہوں گی اور مخفی جوہر وہنر کھلیں گے تو میری محبت کے اس میلان اور رجحان کو لوگ سمجھیں گے اور اس پر رشک کریں گے۔

حضرت رائپوری موضع ڈھڈیاں ضلع سرگودھا میں پیدا ہوئے، تعلیم کی تکمیل حضرت نانوتوی کے شاگرد رشید حضرت مولانا عبدالعلی میرٹھی سے مدرسہ عبدالرب میں کی، اسی دوران حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کے درس حدیث میں شرکت کی، تصوف وسلوک کی تکمیل حضرت مولانا عبدالرحیم رائپوری سے کی اور بھرپوری زندگی اپنے شیخ کے قدموں میں گزاردی، شیخ نے آپ کو اپنا خلیفہ وجانشین بنایا۔

---

[1] سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری، مولانا ابوالحسن علی ندوی۔

آپ زندگی بھر یادِ حق اور خدمت خلق میں لگے رہے، ہمیشہ صبر واستقامت کے ساتھ ذکر وفکر اور ریاضت ومجاہدہ میں مشغول رہے، چنانچہ ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۹ء میں اپنے شیخ کے انتقال کے بعد مسند پر رونق افروز ہوئے اور مکمل ۴۵ سال تک اپنے شیخ کی مسند کی عزت بڑھاتے رہے، انتہائی اخلاص اور کثرت ریاضت ومجاہدہ سے شریعت وطریقت کو دنیا میں عام کیا اور راہ سلوک کی تشنہ لب جماعتوں کو روحانی طور پر سیراب فرمایا اور لاکھوں مسلمانوں کو فسق وفجور اور رسوم وبدعات سے توبہ کرائی۔

آپ نہایت متواضع، خوش اخلاق اور سادہ طبیعت واقع ہوئے تھے، اور فنائیت کے اس قدر اعلیٰ مقام پر فائز تھے کہ بقول شخصے: وہ فنا ہو کے بھی فنا نہ ہوئے، اور اپنے متوسلین کو بھی سادگی وفنائیت کی ہدایت فرماتے تھے، جو وہاں چلا جاتا ذرا سی تڑپ کے ساتھ ان کی خانقاہ میں رہ لیتا وہ مقام فنائیت کے ساتھ لوٹتا، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی وغیرہ جیسے بہت سے مشاہیر آپ کے خلفاء ومجازین میں شامل ہیں۔ حضرت خطیب الاسلام کے راہ سلوک کی ابتداء بھی اسی خانقاہ کی دین ہے، اس راہ کا گرم رو مسافر بنا کر حضرت رائپوری نے اس قاسمی خاندان کی امانت کو گویا یہ فرما کر لوٹا دی کہ ”بضاعتكم ردت إليكم“ آپ دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے رکن تھے، پہلے ۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء میں ایک سال تک اور پھر ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۷ سے ۱۳۸۲ھ/۱۳۶۲ھ تک۔

۱۴ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ/۱۵ اگست ۱۹۶۲ء کو انتقال ہوا اور ڈھڈیاں سرگودھا کی مسجد کے قریب تدفین عمل میں آئی۔[1]

حضرت خطیب الاسلام ”دبستان معرفت کے ایک گوہر شب چراغ کے دیباچہ میں خانقاہ رائپوری کی بابت تحریر فرماتے ہیں:

> ”بحمداللہ ہندستان کو بھی دین کی ان تینوں بنیادوں (”اکمال“ ”اتمام“ اور رضاء ذاتی) پر ہمیشہ مخلص خدام میسر رہے اور بہ تسلسل ایسے خادم میسر آتے رہے ہیں، جو ان ذمہ داریوں کو باخلوص ادا فرما رہے ہیں۔
>
> ”اتمام نعمت“ کے فیض معنوی کے لئے الحمدللہ خانقاہ رحیمیہ رائپور میں صاحب معنویت وروحانیت علم وتفقہ اور کامل تربیت روحانیہ میں خانقاہ رحیمیہ کے اسلاف صالحین کے نقوش عمل

[1] سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائپوریؒ از: مولانا ابوالحسن علی ندوی، دبستان معرفت کے ایک گوہر شب چراغ، سلیم احمد، ابومحمد کلیم اللہ ناظور قاسمی، دارالعلوم دیوبند کی پچاس مثالی شخصیات، مشاہیر علماء دیوبند، دارالعلوم دیوبند کی صد سالہ زندگی۔

پر مرتبۂ کمال رکھنے والی گرامی مرتبت شخصیت حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب مدظلہ سے یہ فیضان جاری ہے۔''[1]

حضرت خطیب الاسلام کے یہ کلمات:

''اور کامل تربیت روحانیہ میں خانقاہ رحیمیہ کے اسلاف صالحین کے نقوش عمل پر'' سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کے ذہن میں خانقاہ رحیمیہ رائپوری کا کیا عالی مقام ہے اور یہ وہی نقش ذہن میں مرتسم ہے جس کا مشاہدہ حضرت نے بذات خود راہ سلوک کے ابتدائی سفر میں حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری کی خدمت میں رہ کر کیا۔ بقول علامہ اقبال:

نہ تخت وتاج میں ، نہ لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مرد قلندر کی بارگاہ میں ہے
کئے ہیں فاش، رموز قلندری میں نے
کہ فکر مدرسہ و خانقاہ ہو آزاد[2]

حضرت خطیب الاسلام حضرت رائپوری کی وفات کے بعد

حضرت خطیب الاسلام حضرت رائپوری کی وفات کے بعد یعنی اگست ۱۹۶۲ء کے بعد اس راہ کی تکمیل کے لئے سلسلہ تھانوی کی طرف رجوع فرمایا، اس سلسلہ کا بنظر غائر مطالعہ جب کیا تو اس سلسلے کی سب سے زیادہ موزوں شخصیت حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہ کی شخصیت نظر آئی، یہ ایک اتفاقی امر ہے کہ حضرت حکیم الاسلام آپ کے والد محترم بھی تھے تو گویا یہ دولت گھر ہی میں مل گئی، بے شک یہ ایک عظیم نعمت تھی، جو حضرت خطیب الاسلام کو گھر پر ہی مل گئی تھی، مگر حضرت خطیب الاسلام نے بھی اس نعمت کو شکر کے ساتھ قبول فرمایا اور اپنے والد بزرگوار حضرت حکیم الاسلام کے دست حق پرست پر اس سلسلہ کو قائم فرمایا اور حضرت رائپوری نے جو معرفت الٰہیہ کا تخم بویا تھا اس کی حضرت حکیم الاسلام نے نہ صرف نگرانی فرمائی اور خیال بھی رکھا بلکہ اس کی مکمل آبیاری فرما کر اس کو تناور درخت بنایا اور اس طرح حضرت خطیب الاسلام کی ذات آیت شریفہ تؤتی

---

[1] دبستان معرفت کے ایک گوہر شب چراغ۔ص:۱۴۰ یہ تحریر حضرت خطیب الاسلام نے ۱۰ شوال ۱۴۳۳ھ میں لکھی ہے۔
[2] علامہ اقبال کا دیوان کلیات اقبال سے ماخوذ۔

اُکُلَهَا کُلَّ حِیۡنٍ بِاِذۡنِ رَبِّهَا. (سورۂ ابراھیم: ۲۵) کا مصداق بن گئی۔ اور الحمدللہ آج بھی یہ سلسلہ اپنی تمام تر فیوض و برکات کے ساتھ قائم ہے اور بحمداللہ اس چشمہ فیاضی سے تادم تحریر لوگ مستفید و مستفیض ہو رہے ہیں اللہ رب العزت ان کے فیض کو تا قیام قیامت جاری رکھے۔ بقول خواجہ حافظ:

ازصد سخن پیرم یک نکتہ مراد باد است
عالم نشود ویراں تا میکدہ آباد است

حضرت خطیب الاسلام کے دو امتیازی وصف

حضرت رائپوری اور حضرت حکیم الاسلام کے لگائے ہوئے اس شجرۂ طوبیٰ کی دو امتیازی خصوصیات ہیں، جن کا مشاہدہ عاجز نے ہر ہر موقع پر کیا، شاید ہی کوئی موقع ایسا ہو کہ یہ عاجز خدمت اقدس میں حاضر ہوا ہو اور ان دونوں خصوصیات کا مشاہدہ نہ کیا ہو، (۱) اتقانِ عمل اور (۲) دوسری چیز اشتغال بالعلم کے ساتھ مقصد پر نظر حضرت کی یہ اپنی خاندانی خصوصیت اور امتیاز رہا کہ بڑی سے بڑی مشکلات اور رکاوٹیں حصول مقصد میں کبھی حارج نہیں ہوئیں، اور نہ ان دشوارکن مراحل اور مشکلات میں بھٹکے اور الجھے، میں نے اپنی زندگی میں اپنے حضرت (حضرت خطیب الاسلام) کا جو علمی انہماک دیکھا وہ ہماری موجودہ جماعت دیوبند میں شاید ہی کسی میں اس حد تک ہو، راقم نے شغف اور انہماک فی العلم کا واقعہ اپنے خاندان کے ایک بزرگ حضرت مولانا مملوک العلٰی نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کے بارے میں سنا تھا کہ وہ بنیے کی دکان میں سے جو روشنی آتی اس روشنی میں کتابوں کا رات بھر مطالعہ فرماتے، یا پھر بچپن میں اپنے گھروں میں ایک قصہ سنا تھا، ایک مولوی صاحب غریب آدمی تھے بھوک کی شدت کے عالم میں کسی حلوائی کی دکان کے قریب جا کر کھڑے ہو جاتے اور مٹھائیوں کی خوشبو سے اپنا پیٹ بھر لیتے، سڑک پر یا اور کہیں روشنی نظر آتی تو وہاں جا کر کتابیں دیکھتے، ایک مرتبہ شہرہ ہوا کہ بادشاہ کے صاحبزادے کی شادی ہے، رات میں قمقمے وغیرہ روشن کئے گئے، یہ صاحب رات بھر ان قمقموں کی روشنی میں صبح تک کتابیں دیکھتے رہے، جب صبح ہوئی تو فرمایا:

''وہ شادی کے قمقمے کہاں گئے سنا تھا کہ بادشاہ کے یہاں شادی ہے۔''[1]

حقیقت یہ ہے کہ جس کو کسی کام کا چسکا پڑ جائے پھر کوئی چیز حصول مقصد میں نہ مانع ہوتی نہ حارج،

---

[1] ملفوظات حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا ''صحبت با اولیاء'' مرتب پروفیسر تقی الدین ندوی مظاہری۔

مکتب عشق کے انداز نرالے دیکھے
اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا

اس عاجز کو جب بھی گذشتہ ۱۲ سالوں میں حضرت کی خدمت میں حاضری کی سعادت ملی تو یہ عجیب بات دیکھنے میں آئی کہ حضرت خطیب الاسلام کو کبھی خالی نہیں دیکھا ہمیشہ مطالعہ یا پھر لکھنے میں مصروف پایا، اس پیرانہ سالی میں مطالعہ اور علمی انہماک کا یہ حال ہے، آپ کی عمر ۹۰ سے متجاوز تھی۔

خانوادہ قاسمی میں سلسلہ تھانوی کے دیگر باطنی فیوض کے ساتھ علم ومعرفت کو نمایاں طور پر مقام حاصل ہوا، خود حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب کے حالات میں اپنی والدہ محترمہ کا چشم دید واقعہ یعنی رات تین بجے کا عمل اور معمول نقل کر چکا کہ رات کو شمع روشن ہے اور تین بجے شب کا عمل ہے اور دیگر مخلوق اور گھر کے تمام افراد محوخواب ہیں، اور حضرت حکیم الاسلام اپنی زندگی کے آخری ایام میں تصنیف کے عمل میں مشغول ہیں۔[۱]

برصغیر میں حق تعالیٰ شانہ نے اس خانوادہ کو علمی اعتبار سے بالکل ممتاز رکھا جو درحقیقت معرفت حق کی خشت اول ہے، یہی وہ خشت اول ہے جس پر بعد میں جو چاہیں تعمیر کر سکتے ہیں، علم وحکمت سلوک معرفت اور تزکیہ واحسان کی تعمیر حقیقت میں جب ہی صحیح نہج پہ ہو سکتی ہے جب کہ ان سب کی خشت اول صحیح رکھی جائے، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے خشیت کا صحیح حق ان لوگوں کو عطا کیا جن کو علم کا وافر حصہ نصیب ہوا، ارشاد فرمایا: ﴿اِنمایخشی الله من عباده العلماء﴾ (سورۃ الفاطر: ۲۸)

ایک حدیث حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”لَنْ يَشْبَعَ مُؤْمِنٌ من خَيْرٍ حَتّٰى يَكُوْنَ مُنْتَهَاه الْجَنَّةَ“ (رواہ الترمذی)

مؤمن خیر سے کبھی سیراب نہیں ہوتا (یعنی مستقل ہر خیر کی طرف حریص رہتا ہے) یہاں تک کہ وہ اپنے اصل ٹھکانہ اور مقصود یعنی جنت میں نہ پہنچ جائے۔

بہرحال خانقاہ رائپور سے حضرت خطیب الاسلام نے خانقاہ تھانہ بھون کے شجرۂ طوبیٰ کی شاخ طیب کی طرف جب رجوع فرمایا تو حضرت خطیب الاسلام کے بقول:

شَرِبْنَا شَرَاباً طَيِّباً عِنْدَ طَيِّبٍ
كَذَاكَ شَرَابُ الطَّيِّبِيْنَ يَطِيْبُ

---

[۱] یہ واقعہ تفصیل سے حضرت حکیم الاسلام کے حالات میں گذر گیا۔

شَرِبْنَا وَاَحْرَقْنَا عَلَی الْأَرْضِ جُرْعَةً
وَلِلْاَرْضِ مِنْ كَأْسِ الْكِرَامِ نَصِيْبُ [۱]

ان اشعار کو حضرت خطیب الاسلام نے عاجز کو جس پس منظر میں سنایا تھا میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ حکیم الاسلام کے چشمۂ علم وحکمت سے مکمل فیضیابی اور نسبت قاسمی کے انتقال کی طرف اشارہ تھا، اور اس کے بعد حضرت نے فرمایا: بطور تحدیث بالنعمت عرض کرتا ہوں کہ مجھ پر فضل رب ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے مجھے ﴿الم تر كيف ضرب اللهمثلاً كَلِمَةً طيبة كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَافِي السَّمَاء﴾ (سورۃ ابراھیم: ۲۴) کا خوشہ چیں بنایا، اس پر میں نے حضرت کے سامنے جرأت کر کے اس آیت کو مکمل کر دیا کہ: ''حضرت! اس کا نتیجہ اور ثمرہ ﴿تُؤْتِيْ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا﴾ (سورۃ ابراھیم: ۲۵) آپ کی ذات بابرکت کی شکل میں بحمد اللہ جماعت دیوبند کو مل گیا، حضرت نے فرمایا کہ یہ سب سلسلے کے فیوض وبرکات ہیں۔ اور یہ شعر پڑھا:

جمالِ ہمنشیں درمن اثر کرد
وگرنہ من ہمہ خاکم کہ ہستم [۲]

حقیقت یہ ہے کہ علم ومعرفت کی میراث کسی کو جب ہی نصیب ہوتی ہے جب اس کی نظر اپنے اسباب اور اپنی ذات پر سے ہٹ کر فضل رب پر ہو جائے اور یہ ذہن میں رہے کہ:

منت منہ کہ خدمت سلطاں، ہمیں کنی
منت شناس کہ ازوے خدمت بداشتد [۳]

جیسا کہ حضرت خطیب الاسلام نے فرمایا:

''مجھ پر فضل رب ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے مجھے ﴿الم تر كيف ضرب الله مثلاً كلمة طيبة كشجرة طيبة أصلها ثابت وفرعها في السماء﴾ (سورۃ ابراھیم: ۲۴) کا خوشہ چیں بنایا۔''

---

[۱] راقم الحروف نے حضرت خطیب الاسلام سے یہ شعر دو تین مرتبہ سنا، ایک مرتبہ جب میں نے سوال کیا حضرت حکیم الاسلام سے بیعت کے سلسلے میں تو حضرت رائپوری کے وصال کے بعد حضرت حکیم الاسلام کی طرف رجوع کا واقعہ بیان فرما کر آخر میں حضرت نے یہ شعر سنائے۔

[۲] یہ واقعہ ۲۰۱۴ء فروری کا ہے حضرت دیوبند میں اپنے دولت کدہ میں تشریف فرما تھے۔

[۳] ترجمہ: یہ احسان مت جتلا کہ میں بادشاہ کی خدمت کر رہا ہوں، بلکہ یہ احسان مان لے کہ بادشاہ نے تجھ کو اپنی خدمت میں رکھ لیا۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کی نظر گھر کی دولت اور گھر کی میراث پر نہیں تھی کہ اس کو جب چاہوں گا حاصل کرلوں گا، بلکہ یہ ذہن میں تھا کہ تمام دنیوی اسباب اختیار کرنے کے بعد اگر فضل رب شامل حال رہا تو یہ علم ومعرفت کی دولت ملجائے گی ورنہ ہم بھی کورے رہ جائیں گے۔

یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس میں ذرہ برابر شک وشبہ کی گنجائش نہیں، کہ یہ مخلصین اولیاء اللہ کا ایسا سلسلۃ الذھب ہے، جو جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک ہر زمانے اور ہر جگہ پر اس کی کڑیاں ایک دوسرے سے مدغم رہیں، اس سلسلۃ الذھب کی نہ معلوم کتنی کڑیاں عہد صحابہ سے لے کر اب تک امت میں جاری وساری ہیں۔ اور عطار ورومی، رازی وغزالی، حسن بصری، جنید بغدادی، عبدالقادر جیلانی وبسطامی، دہلوی ودیوبندی، رائے بریلوی وسرہندی، اجمیری وکلیری، نور محمد جھنجھانوی، قاسم نانوتوی ورشید احمد گنگوہی، یعقوب نانوتوی واشرف علی تھانوی اور نہ معلوم ان جیسے کن کن پارساؤں اور ستودہ صفات انسانوں کی شکل میں آئیں۔ اور یہ بندگان حق اپنے سوز دروں سے نہ معلوم کتنے انسانوں کو تڑپا کر اور ان کو اس راہ کا گرم رو مسافر بنا کر واصل بحق ہو گئے، اس سلسلے میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید علی میاں صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

"تاریخ کے سرسری مطالعہ ہی سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ قرن ثانی سے لے کر اس وقت تک بلاانقطاع وبلا استثناء ہر دور اور ہر ملک کے کثیر تعداد مخلص بندوں نے اس طریقہ کو اختیار کیا اور اس کی دعوت دی، خود فائدہ اٹھایا اور دوسروں کو فائدہ پہنچایا اور ساری زندگی اس کی اشاعت میں مشغول وسرگرم رہے۔"[1]

بقول شاعر:

گلہائے رنگا رنگ سے ہے زینت چمن
اے ذوقؔ اس جہاں کو زیب ہے اختلاف سے[2]

بہرحال اس نورانی وعرفانی سلسلے کی ایک کڑی حضرت خطیب الاسلام کی ذات بابرکت ہے جو اپنے والد محترم حضرت حکیم الاسلام کا علم وفضل، فکر وفن، عمل وکردار صلاح وتقوی، اخلاص وللّٰہیت

[1] دبستان معرفت کے ایک گوہر شب چراغ، سلیم احمد ابوکلیم اللہ ناظور قاسمی، ص۹۴۔ حضرت مولانا علی میاںؒ نے "قرن ثانی" سے تذکرہ اس لئے کیا کہ قرن اول میں تو ہر صحابی اس سلسلۃ الذھب کی مستقل ایک کڑی کی حیثیت رکھتے تھے۔
[2] ابراہیم ذوق کا دیوان

اور عفو وحلم میں پرتو اور ان کی ہمہ جہتی تصویر ہیں۔

حضرت خطیب الاسلام ان بانصیب اور خوش بخت لوگوں میں ایک ہیں جن کو تینوں مراحل میں باعتبار تربیت وتہذیب اور ثقافت مکمل اسلامی ماحول ملا، جب وہ پہلے مدرسہ یعنی والدہ کی گود میں زیر تربیت تھے تو آپ اپنی دادیہال ونانیہال کے مجموعی نظام تربیت سے پروان چڑھے،[1] جس کا ذکر عاجز نے باب اول میں کیا ہے۔

حضرت نے جب دوسرے مرحلے میں قدم رکھا تو اساتذہ کرام سے واسطہ پڑا، اساتذہ میں بھی نمونہ اسلاف حکیم الامت، حکیم الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، علامہ ابراہیم، مولانا سید اصغر حسین، حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی امروہوی جیسی نابغہ روزگار شخصیات سے براہ راست استفادہ کا موقع ملا، اور ان حضرات نے خطیب الاسلام کی تربیت کے پہلے مرحلے پر مکمل اعتماد کا اظہار کیا، اس دوسرے مرحلے میں بھی حضرت نے اپنے اساتذہ کرام کا انتہائی ادب واحترام ملفوظ رکھا اور ان کی خدمت کو اپنے لئے دارین کی سعادت کا ذریعہ سمجھ کر صالحیت کے بعد صلاحیت پیدا کرنے کی خاطر بارگاہ خداوندی میں مستقل دست بدعا رہے۔

حضرت کے اساتذہ کرام کے تذکرے اوپر گذر چکے، جن میں حضرت کے اوپر حضرات اساتذہ کے اطمینان واعتماد کا بھی ذکر کیا جا چکا، بہر حال حضرت جب علوم ظاہرہ سے آراستہ ہوگئے تو تربیت کے تیسرے مرحلہ میں قدم رکھا اور اپنے آپ کو باطنی علوم سے پیراستہ کرنے کے لئے دبستان معرفت وسلوک میں داخل ہوگئے، تاکہ آپ کے قلب میں ذکر الٰہی، فکر اخروی، دنیائے دوں سے کنارہ کشی وبے نیازی، بدعات وخرافات اور غیر اسلامی رسومات ونظریات کی بیخ کنی کے ساتھ شعور دینی، جرأت ایمانی، غیرت اسلامی، روح عرفانی وحکمت برہانی کا تصور اہل معرفت کی صحبت سے پھونکا جا سکے۔ جن کے پاس جا کر ہی:

خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے
نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظل رحمانی
یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر

[1] جن کے گھر کی تربیت سے دنیا بھر کے لوگوں کو انجم کی ہم قسمتی ملی حضرت خطیب الاسلام بھی اس گھر کے تربیت یافتہ چشم و چراغ ہیں۔

انھی کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی
اگر خلوت میں بیٹھے ہوں تو جلوت کا مزہ آئے
اور آئیں اپنی جلوت میں تو ساکت ہو سخن دانی

تربیت کے تیسرے مرحلے سے مستفید ہونے اور دبستان معرفت میں قدم رکھنے کے لئے لازم ہے صحبت شیخ، کیونکہ اچھی صحبت اور صلحاء واتقیاء کی مصاحبت اور ان کے ساتھ رہ کر تعلیم وتربیت یہ چیزیں فکر ونظر، ذوق ومزاج اور انسانی شخصیت پر اثر انداز ہوتی ہیں، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسائی حضرت شعیب علیہ السلام تک ہوگئی، یہاں سے واپسی پر خرقۂ نبوت سے شرفیابی ملی، علامہ اقبال فرماتے ہیں:

اگر کوئی شعیب آئے میسر
تو شبانی سے کلیمی چند قدم ہے

صحبت کی اثر انگیزی اور ماحول کی سرخیزی ہمیشہ اپنے جوہر دکھاتی ہے، بری صحبت اور غلط لوگوں کی معیت کے برے اثرات سے کوئی بھی باشعور انسان انکار نہیں کرسکتا، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھی اور بری صحبت کی مثال عطر فروش کی دکان اور لوہار کی بھٹی سے دی ہے، بہرحال صحبت کی تاثیر وانفعالیت ایک مسلمہ حقیقت ہے۔

حضرت خطیب الاسلام نے جب اس تیسرے مرحلۂ تربیت میں قدم رکھا تو باطنی اعتبار سے خوب خوب مستفید ہوئے، خانقاہ رائپور ہو یا پھر دبستان طیب دونوں ہی جگہوں سے فیضیاب ہوئے، خود صحبت صالحین مامور بہا ہے، اسی وجہ سے قرآن کریم نے حکم دیا ہے:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ﴾ (سورة التوبة: ۱۱۹)

اس آیت کے ضمن میں حضرت مفتی شفیع صاحب ''معارف القرآن'' میں لکھتے ہیں: ''صفت تقوی حاصل ہونے کا طریقہ صالحین وصادقین کی صحبت اور عمل میں ان کی موافقت ہے۔[۱]

حضرت حکیم الاسلام نے اس آیت کے ضمن میں ارشاد فرمایا کہ:

''صحبت میں زیادہ مؤثر معیت ہوتی ہے، ایک یہ ہے کہ کسی چیز کا مطلقاً یاد ہو جانا اور ایک یہ ہے کہ وہ چیز اس کی طبیعت بن جائے جس کو ذوق خاص بھی کہتے ہیں اور یہ ذوق خاص اسی

[۱] معارف القرآن، جلد۴ ص: ۴۸۵.

وقت حاصل ہوتا ہے جب قلب کے اندر انشراح پیدا ہو جائے اور یہ انشراح اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب کسی بزرگ کی صحبت کے ساتھ ساتھ اس کی معیت بھی حاصل ہو، اسی واسطے محدثین حضرات کے یہاں یہ اصول ہے کہ ایک راوی وہ ہے جس نے کسی سے روایت سن لی اور ایک راوی وہ ہے کہ اس کو شیخ کی صحبت اور معیت بھی مل گئی ہو اور ایک راوی وہ ہے کہ جس نے کسی شیخ سے روایت سنی اور اس کی صحبت میں رہا اور اس کی معیت بھی اس کو حاصل رہی، تو اس راوی کی روایت محدثین کے یہاں زیادہ قوی مانی جاتی ہے اور اس کی حدیث کا زیادہ اعتبار بھی کیا گیا ہے، کیونکہ جب کسی راوی کی معیت حاصل ہو جاتی ہے تو اس کی روایت کے اندر حقائق ہوتے ہیں اور حقائق کا انکشاف جو ہوتا ہے وہ صحبت اور معیت ہی سے ہوتا ہے اور وہ علم جو صحبت اور معیت سے حاصل ہوتا ہے اس کے اندر ایک قسم کا رنگ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں فرمایا: ﴿يَأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ﴾ (سورۃ التوبۃ: ۱۱۹) اے ایمان والو! تقوی اختیار کرو اور سچوں کی صحبت میں رہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ صرف تقویٰ کافی نہیں ہے بلکہ نیکوں کی صحبت اور معیت بھی ضروری ہے اور صادقین وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنے ظاہر و باطن کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے حکم کے تابع بنا دیتے ہیں، ان کی صحبت اور معیت میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے ان کی صحبت اور معیت سے حق تعالیٰ کی معرفت اور محبت قلب میں پیدا ہوتی ہے۔

ایک ہے معیت خداوندی یہ ان انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہوتی ہے جیسا کہ جب رسول اللہ ﷺ مکہ شریف سے ہجرت کر کے مدینہ شریف کے لئے روانہ ہوئے تو آپ نے غار ثور میں پناہ لی اور تین دن تک وہیں رہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ تھے جب کفار مکہ نے یہ اعلان کیا کہ جو محمد ﷺ یا ان کے ساتھی کو پکڑ کر لائے گا اس کو سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے، تو یہ خبر سن کر حضرت ابوبکر صدیق بہت غمگین ہوئے کہ کہیں ہم پکڑ نہ لئے جائیں، رسول اللہ ﷺ نے ان کی پریشانی دیکھ کر فرمایا: ﴿لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللهَ مَعَنَا﴾ (سورۃ التوبۃ: ۴۰) آپ غمگین اور پریشان نہ ہوں بیشک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں، یہ معیت خداوندی تھی، اسی لئے انبیاء علیہم السلام اعدائے اسلام سے نہیں ڈرتے، کیونکہ ان کو معیت خداوندی کی دولت حاصل ہوتی ہے، پھر اس کے بعد صحابہ کو معیت رسول ﷺ ملی پھر تابعین کو معیت صحابہ رضی اللہ عنہم ملی

اور تبع تابعین کو تابعین کی معیت حاصل ہوئی، اس طرح اولیاء کرام کو معیت در معیت حاصل ہوتی رہی۔

معیتِ صادقین سے صرف معلومات ہی حاصل نہیں ہوتی بلکہ معرفت بھی حاصل ہوتی ہے۔''[۱]

صحبت اہل اللہ قوی التاثیر اور سریع الاثر شئ ہے کہ ذرا سی دیر میں آدمی کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہے، یہی صحبت روحانیت سے گذر کر مادیات تک میں اپنا اثر دکھلاتی ہے، شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں:

گِلے خوشبوئے در حمام روزے
رسیدا زدستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکے یا عبیری
کہ از بوئے دلاَ ویز تو ستم
بگفتا من گِلے نا چیز بودم
ولیکن مدتے باگل نشستم
جمال ہمنشیں در من اثر کرد
وگر نہ من ہماں خاکم کہ ہستم[۲]

اولیاء اللہ نے اس راز کو سمجھا اور مستفیدین و طالبین کے لئے صحبت کو لازم قرار دیا اور مختلف عناوین سے اس کو بیان کیا۔ اس ایک مضمون کو مختلف عناوین اور مختلف پیرائے میں بیان کیا، ایک جگہ لکھتے ہیں:

صحبت نیکاں اگر یک ساعتست
بہتر از صد سالہ زہد و طاعتست
اور ہر کہ خواہد ہمنشینی با خدا
گو نشیند در حضور اولیاء

اور

یک زمانے صحبت باولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

[۱] مجالس حکیم الاسلام، مجلس ۳۳، صفحہ ۴۹۹۔۵۰۰۔ مولانا حبیب اللہ قاسمی چشتی قادری۔ [۲] گلستاں، شیخ سعدی

اور گر تو سنگِ خارہ و مرمر شوی
چوں بصا حبدل رسی گوہر شوی
اور صحبتِ صالح ترا صالح کند
صحبت طالح ترا طالح کند

یہی وجہ ہے کہ حضرات صوفیائے کرام نے صحبت کو طریق کا جزو اعظم قرار دیا ہے، بقول اکبرالٰہ آبادی

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

ایک عربی شاعر کہتا ہے:

من صاحب الأشراف صار مشرفا،
و مصاحب الآثام غير مشرف
أو ماترى الجلد الحقير مقبلا،
بالثغر لما صار جلد المصحف

اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے کہ صحبت راہ سلوک کا جزو اعظم ہے خطیب الاسلام نے مسلسل پانچ سال جدوجہد فرمائی اور حکیم الاسلام اس دوران مسلسل نگرانی فرماتے رہے۔

ذکر اللہ سے موانست اور دبستانِ طیب

حضرت حکیم الاسلام نے فرمایا کہ: ذکر اللہ روح عالم ہے،،۔ (درج ذیل اقتباس ’’حیات طیب،، جلد اول اور ’’شجرہ راہ سلوک‘‘ سے ماخوذ ہے) حدیث میں آیا ہے’’لاتقوم الساعة حتى يقال في الأرض ألله ألله،، یعنی کہ جب تک روئے زمین پر اللہ کا نام لیا جاتا رہے گا اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی، جس کے معنی یہ ہوئے کہ قیامت کو اللہ کا ذکر تھامے ہوئے ہے، ذکر بند ہوا اور قیامت کا سماں قائم ہوگیا۔

اسی مضمون کو حکیم الاسلام کی زبان سے ملاحظہ فرمائیں۔ فرمایا:

’’کائنات عالم کی روح جس سے وہ زندہ اور برقرار ہے ذکر اللہ اور یاد حق ہے، اگر یہ روح اس

میں سے نکل جائے تو پھر یہ عالم برقرار نہیں رہ سکتا، جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ,,قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتی جب تک زمین میں اللہ اللہ کہا جارہا ہے'' یعنی جب تک ذکر اللہ کی گونج اس جہاں میں قائم ہے یہ جہاں قائم ہے، جس دن اس میں یاد الٰہی باقی نہ رہے گی اسی دن اس عالم کی موت آجائے گی، جس کا نام قیامت ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ عالم کی روح ذکر الٰہی ہے جس کے گم ہوتے ہی اس کی زندگی ختم ہو جائے گی۔

پھر نہ صرف مجموعہ عالم بلکہ اجزائے عالم کی زندگی بھی یاد الٰہی سے قائم ہے، حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ''کوئی چیز بھی ایسی نہیں ہے جو اللہ کی تسبیح اور حمد نہ کرتی ہو لیکن تم اس کی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔'' اور فرمایا کہ ''ہر چیز نے اپنی نماز اور تسبیح کو جان لیا ہے۔'' حدیث میں ہے کہ ماء جاری اللہ کی تسبیح کرتا ہے یعنی جب اس کی روانی رک جاتی ہے تو تسبیح بند ہو جاتی ہے اور وہی اس پانی کی موت کی ساعت ہوتی ہے۔ ارشاد نبوی ہے کہ ''سرسبز ٹہنی اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔'' (یعنی جونہی وہ اپنی اصل سے جدا ہوتی ہے اس کی تسبیح بند ہو جاتی ہے اور یہی اس کے مرجھانے اور مرنے کی گھڑی ہوتی ہے۔) اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم، کا ارشاد ہے کہ ''سفید کپڑا اللہ کی تسبیح کرتا ہے۔'' (پس جوں ہی وہ میلا ہوتا ہے اس کی تسبیح بند ہو جاتی ہے اور یہی اس کی معنوی موت کا وقت ہے) غرض ہر چیز کی زندگی ذکر اللہ سے ہے اور اس کی موت غفلت عن ذکر اللہ سے ہے۔

کائنات کا اہم جز و انسان ہے۔ انسان کی حقیقی زندگی بھی ذکر الٰہی سے ہی ہے، اس کی معنویت کی روح بھی یہی ذکر اللہ ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ,,جو شخص اپنے پروردگار کو یاد کرتا ہے اور جو یاد نہیں کرتا ان کی مثالیں زندہ اور مردہ کی سی ہیں''۔[1]

---

[1] رواہ البخاری۔ مکمل حدیث یہ ہے: **عن أبی موسی الأ شعری رضی الله عنه عن النبي صلى الله عليه و سلم قال ''مثل الذی یذکر ربّه والذی لأ یذکره مثل الحي والمیت.**

''یعنی ذاکر زندہ ہے اور غافل مردہ، اس سے واضح ہے کہ انسان کی روحانی اور قلبی زندگی کی روح بھی ذکر اللہ ہے، جس سے اس کا دل زندہ ہے کہ اصل زندگی دل ہی کی زندگی ہے۔''

ذکر اللہ ہی عمل صالح کی روح ہے۔

فرمایا: پھر اسی طرح انسان کے عمل کی روح بھی ذکر اللہ ہی ہے جس سے وہ عمل قبول اور پائیدار ہوتا ہے۔ اگر انسانی عمل کا ڈھانچہ ذکر اللہ سے خالی ہو اور اس میں یہ روح نہ ہو وہ عمل ہی مردہ ہے جس پر نہ آخرت میں کوئی پھل آئے گا نہ دنیا میں اس کی قدر و قیمت ہوگی۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''ذکر اللہ کرنے والے کی مثال ایک سرسبز درخت کی سی ہے، درختوں کے مجموعہ میں'' یعنی جیسے سرسبز درخت ہی پھل و پھول لاسکتا ہے نہ کہ خشک جھاڑ ایسے ہی ذکر اللہ کی تازگی رکھنے والا عمل باثمر ہوسکتا ہے نہ کہ غفلت آمیز اور ریاکارانہ عمل۔

ظاہر ہے کہ جب ذکر اللہ روح عالم، روح کائنات، روح قلب و جان اور روح اعمال وافعال ہے تو ذکر اللہ ہی تمام اعمال میں افضل ترین عمل بھی ہوسکتا ہے، اسی لئے حدیث نبوی میں ذکر اللہ کو ''خیر الأعمال'' بہترین، پاکیزہ ترین عمل بلند پایہ عمل چاندی سونا خرچ کرنے سے بھی زیادہ اونچا عمل، جہاد فی سبیل اللہ سے بھی اعلیٰ ترین عمل فرمایا گیا۔''

ذکر اللہ کے فوائد و برکات

ذکر اللہ کے تکوینی اور کائناتی فوائد تو سامنے آئے، اب کچھ تشریعی اور اخروی فوائد پر بھی توجہ فرمایئے، فرمایا: ''اسی لئے یہ ذکر اللہ کمال قرب الٰہی اور معیت حق کا ذریعہ ثابت ہوتا ہے۔ حدیث قدسی میں حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں بندہ کے ساتھ ہوتا ہوں جب کہ وہ مجھے یاد کرتا ہے، اگر وہ دل میں اور اپنے نفس میں مجھے یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے نفس میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجھے کسی مجمع میں یاد کرتا ہے تو میں اسے اس سے بہتر مجمع (یعنی جماعت ملائکہ) میں یاد کرتا ہوں۔''

عالم میں سب سے بڑے ذاکر جناب رسول اللہ ﷺ تھے، آپ کی شان حدیث شریف میں فرمائی گئی ہے کہ آپ کی کوئی گھڑی ذکر اللہ سے خالی نہ ہوتی تھی اور مختلف اندازوں سے آپ ہر ہر آن ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے۔ کان یذکر الله علی کل أحیانه (آپ اپنے تمام اوقات میں اللہ کو یاد کرتے رہتے تھے) حدیث شریف میں ذکر اللہ کی مجلسیں جنت کے باغات بتائی گئی ہیں گویا حضور ﷺ تغلبی دنیا میں رہ کر بھی ہمہ وقت جنت ہی کے باغوں میں سیر فرماتے رہتے تھے۔''

ذکر اللہ کے آثار

فرمایا: ’’ذکر اللہ ہی سے قلب میں رقت اور نرمی پیدا ہوتی ہے اور سخت دلی کافور ہو جاتی ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے کہ ذکر اللہ کے بغیر بہت زیادہ کلام مت کیا کرو۔ کیوں کہ کثرت کلام بلا ذکر الٰہی کے قساوت قلبی ہے۔

پھر ذکر اللہ ہی سے نفس میں شیطانی اثرات زائل ہو سکتے ہیں، ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ: ’’آدمی کے قلب کو شیطان چمٹا رہتا ہے، جیسے ہی اس نے یاد الٰہی کی اور ذکر اللہ میں مشغول ہوا ویسے ہی شیطان کھسک جاتا ہے اور جیسے ہی آدمی ذکر اللہ سے غافل ہوا ویسے وہ وسوسے ڈالنا شروع کر دیتا ہے۔‘‘

پھر ذکر اللہ عذاب الٰہی سے بچاؤ کا سب سے بڑھ کر مؤثر ذریعہ ہے حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ: ’’ذکر اللہ سے بڑھ کر کوئی عمل بھی عذاب الٰہی سے نجات دلانے والا نہیں۔‘‘

اسی کے ساتھ ساتھ قلب کے زنگ دور کرنے اس پر نور کی پالش کرنے والی چیز بھی ذکر اللہ ہی ہے، ارشاد نبوی ہے کہ ہر شئی کے لئے ایک صیقل ہے (جس سے اس پر چمک آتی ہے جیسے تانبے کے لئے قلعی اور لوہے ولکڑی کے لئے پالش) اور قلوب کا صیقل ذکر اللہ ہے۔

اس لئے اگر ایک مرد مؤمن چاہتا ہے کہ اس کے قلب میں نور اور صیقل پیدا ہو، دل میں نرمی اور رحمت پیدا ہو، عذاب الٰہی سے نجات پا جائے، شیطانی اثرات سے محفوظ رہے اور اسے قرب الٰہی نصیب ہو تو وہ ذکر اللہ کی کثرت کرے اور ہمہ وقت اپنی زبان یاد الٰہی سے تر رکھے،،۔

ذکر اللہ سے خطیب الاسلام کی موانست

حضرت خطیب الاسلام نے حضرت رائپوری کی وفات کے بعد ۱۹۶۲ میں حضرت حکیم الاسلام کی طرف رجوع فرمایا تھا اور ۱۹۶۷ء میں حضرت حکیم الاسلام نے خلافت سے سرفراز فرمایا ۶۲ سے ۶۷ تک پانچ سال کا وقفہ ہے اس پانچ سال کے وقفہ میں خطیب الاسلام کو راہ سلوک کا گرم رو مسافر بنانے کی مسلسل سعی پیہم رہی، اسی دوران ان سے مختلف مجاہدے، ریاضتیں اور خاص طور پر ذکر اللہ سے ان کے قلب کو مانوس کیا گیا تا کہ ذکر اللہ سے ایک خاص ربط اور موانست پیدا ہو جائے اور یہ ان کے ذہن نشین کیا گیا کہ کائنات کی اصل اساس، اس کی روح اور بنیاد ذکر اللہ ہے، چنانچہ حضرت خطیب الاسلام نے جب حکیم الاسلام کی سرپرستی میں اس چمنستان معرفت کی سیر کی تو ذکر اللہ سے

متعلق مذکورہ بالا فوائد وثمرات اور اس کے آثار کا بذات خود بھی مشاہدہ کرلیا جس کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ دوام ذکر بقائے قلب کا ذریعہ اور اس سے انقطاع وغفلت قلب کے لئے موت ہے، چنانچہ اس کے اثرات سب سے پہلے حضرت خطیب الاسلام نے اپنی زندگی میں دیکھے کہ ان کا ذکر اللہ سے ایسا اشتغال ہوا کہ اس کے بغیر اب ان کو قرار نہ تھا، کبھی مشغول فی العلم ہیں، کبھی تدبر وتفکر، کبھی افادہ و استفادہ، کبھی وعظ ونصیحت، کبھی تعلیم وتدریس اور کبھی تصنیف وتحریر کے ساتھ ساتھ اپنے معمولات بتلاوت کلام اللہ میں مشغول، گویا کہ حضرت خطیب الاسلام کا لمحہ لمحہ یادحق میں مصروف اور ان کا قلب یاد الٰہی سے منور رہا، خود راقم الحروف نے بارہا اس کا مشاہدہ بچشم خود کیا کہ جب بھی میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا تو یادحق میں مصروف پایا یا اشتغال بالعلم (جو یادحق کا ایک اعلیٰ درجہ ہے) میں مشغول پایا۔ بقول جناب حافظ محمد عاصم قاسمی:

> ''بھائی صاحب کی اصل غذا علمی اشتغال ہے، یہی وجہ ہے کہ بھائی صاحب سب سے زیادہ خوش اس شخص سے ہوتے ہیں جو بغرض ملاقات آئے اور ساتھ میں کوئی علمی ہدیہ بھی لائے، خاص طور پر کوئی تحقیقی کام سامنے آتا خواہ وہ کسی بھی فن سے متعلق ہو، انتہائی خوشی کا اظہار فرماتے ہیں۔''

اس عاجز کو بھی تین موقعوں پر اس طرح کا تجربہ ہوا ایک اس وقت جب میں مجاہدہ ملت ''قوم کی بیٹی مسعودہ بیگم رحمۃ اللہ علیہ'' کی سوانح لکھ کر لے گیا اور اس پر بطور مقدمہ کے کلمات عالیہ تحریر فرمانے کی التماس کی، تو میں اس خوشی کا اظہار اپنے الفاظ میں بیان نہیں کرسکتا جو حضرت خطیب الاسلام کو ہوئی اور اس ناچیز کو کس طرح سراہا اور حوصلہ افزا کلمات عالیہ فرمائے وہ میرے تصور سے بالاتر بھی اور میرے لئے سرمایہ سعادت بھی تھے، اس کے بعد دوپہر کو اپنے ساتھ مجھے کھانا کھلایا۔

دوسرا موقعہ جب میں نے بحکم حضرت اپنے خاندان صدیقی نانوتہ کا شجرہ مرتب کیا، اس خوشی کا اظہار اس پر تحریر کردہ مقدمہ سے ظاہر ہے۔

اور تیسرا موقعہ جب عاجز شہید فرنگ حضرت حافظ محمد ضامن صاحب شہید کی سوانح (جو حضرت ہی کے حکم پر لکھی گئی) لکھ کر حضرت کی خدمت میں پیش کی تو اس پر خوشی کا اظہار فرمایا، حضرت نے ایک جملہ فرمایا کہ: ''ہماری جماعت میں حافظ صاحب پر کسی نے باقاعدہ کوئی کام نہیں کیا حافظ صاحب کی سوانح لکھ کر پوری جماعت دیوبند پر جو قرض تھا اس کی ادائیگی اللہ نے آپ سے کرادی۔'' بہرحال

بتانا یہ ہے کہ حضرت خطیب الاسلام علمی و تحقیقی کاموں سے بے انتہا مسرور ہوتے ہیں اور آج بھی یہی حال ہے۔[1]

سلسلہ امدادی کی ہمیشہ سے خصوصیت یہ رہی کہ حصول معرفت میں بنیادی طور پر سب سے بڑا ذریعہ علم رہا، یہی وجہ ہے کہ جب حضرت خطیب الاسلام کے جدامجد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے لوگوں نے دریافت کیا کہ آخر آپ اتنے بڑے عالم اور آپ نے شیخ کا انتخاب ایک ایسے شخص کا کیا جو بظاہر عالم نہیں، فرمایا: میں حاجی امداداللہ صاحب سے بیعت جو ہوا ان کے علم سے متأثر ہوکر ہی ہوا، سلسلے کی اس خصوصیت کو اپنے تمام بزگوں نے ہی اپنی اپنی جگہ آگے بڑھایا، حضرت نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی غرض یہ کہ تمام بزرگوں نے اس نسبت علمیہ کا خاص خیال رکھا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں تو اس نسبت کا حد درجہ خیال رکھا گیا، جس کے اثرات ان کے خلفاء ومجازین میں خاص طور پر نظر آئے، اور ان خلفاء میں بھی حضرت حکیم الاسلام میں یہ صفت خاص طور پر نمایاں رہی اور یہ نسبت علمیہ جب خطیب الاسلام کی طرف منتقل ہوئی تو اس کے اثرات ان کی شخصیت پر علم سے غیر معمولی شغف کے طور پر ظاہر ہوئے اور فی الحال ۹۳ سال کی عمر میں یہ نسبت علمیہ ہی ان کی روحانی غذا بنی ہوئی ہے۔ اللہ رب العزت آپ کی عمر میں برکت عطاء فرمائے۔ (آمین)

بہرحال پانچ سال میں حضرت خطیب الاسلام ذکر اللہ سے اس طرح مانوس ہوگئے کہ خلافت کے بعد ان کا لمحہ لمحہ یادِ حق سے معمور ہوکر کارآمد ہوگیا، اور اس وقت حال یہ ہے کہ:

---

[1] اشتغال بالعلم یہ ذکر اللہ کی اعلیٰ ترین قسم ہے، جیسا کہ ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں تشریف لائے دیکھا صحابہ کی دو جماعتیں الگ الگ بیٹھی ہوئی ہیں، ایک جماعت ذکر واذکار میں مشغول ہے اور دوسری جماعت تعلیم وتدریس اور علمی مذاکرہ میں مشغول ہے آپ نے دونوں کو دیکھا اور جہاں علمی مذاکرہ ہو رہا تھا اس میں تشریف لے گئے اور یہ فرمایا کلا کما علی الخیر کہ تم دونوں خیر کے کاموں میں مشغول ہو "وانما بعثت معلماً" مگر میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، اپنی زندگی کو علم حاصل کرنے میں لگا دینا یہ خود اتنا بڑا ذکر اور اتنی بڑی عبادت ہے جو دیگر بہت سی عبادات سے افضل ہے، چنانچہ اس کی فضیلت میں بہت سی آیات قرآنی اور احادیث شریفہ وارد ہوئی ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مَنْ سَلَکَ طَرِیْقاً یَلْتَمِسُ فیه علما سَهل اللهُ له به طَرِیْقاً اِلی الجنةِ (رواہ مسلم) جو شخص علم حاصل کرنے کے لئے راستہ طے کرے اللہ اس کے لئے جنت کا راستہ آسان فرمادیں گے، یہی وجہ ہے کہ بہت سے علماء کا معمول رہا ہے کہ وہ زندگی بھر علم حاصل کرتے رہے اس امید پر کہ ان کو حق پر خاتمہ نصیب ہو۔

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہو سنا کے نداند جام سنداں باختن

حضرت خطیب الاسلام کے یومیہ معمولات

اذکار عشرہ! اذکار عشرہ دراصل شب وروز کے اوراد واذکار کے معمولات کا ایک عنوان ہے، جن کی ہر زمانہ اور ہر دور میں اہل اللہ اور مشائخ نے اپنے اپنے متوسلین کو خاص تاکید فرمائی، حضرت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کے بارے میں فرماتے ہیں:

''شریعت اسلام کے عرف میں ذکر اللہ کے دس کلمے منتخب اور معروف ہیں جو اپنی جامعیت کے لحاظ سے ہر نوع کے ذکر پر حاوی ہیں اور اسی لئے خصوصی طور پر ان کے ورد کی تاکید اور فضیلت آئی ہے اور جن میں سے ہر ایک کلمہ بجائے خود ایک مستقل ذخیرۂ دین، عمدہ ترین خزانۂ اجر و ثواب اور میزان عمل میں ثقیل ترین وزن دار جنس ہے اور اسی لئے ہر دور میں اہل اللہ اور مشائخ نے ان کلمات طیبات کی تلقین بھی فرمائی ہے۔ اور خود بھی انہیں اپنا معمول بنائے رکھا۔''[1]

وہ اذکار عشرہ یا دس کلمے جن کی حضرت حکیم الاسلام نے خطیب الاسلام کو اپنے یومیہ معمولات میں شامل کرنے کی تلقین فرمائی مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) کلمہ تکبیر یعنی اللہ کی بڑائی بیان کرنے کا کلمہ اور وہ ''اللہ اکبر'' ہے۔

(۲) کلمۂ تسبیح یعنی اللہ کی پاکی بیان کرنے کا کلمہ اور وہ ''سبحان اللہ'' ہے۔

(۳) کلمۂ تحمید یعنی اللہ کی صفت حمد بیان کرنے کا کلمہ اور وہ ''الحمد اللہ'' ہے۔

(۴) کلمۂ توحید یعنی اللہ کی ذات وصفات کی یکتائی بیان کرنے کا کلمہ اور وہ '' لاالٰـہ الا اللـہ'' ہے۔

(۵) کلمہ توبہ یعنی اللہ سے گناہوں کی معافی مانگنے کا کلمہ اور وہ ''اَسْتَغْفِرُ الله'' ہے، جس کا جامع صیغہ حدیث شریف میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے: ''اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الذی لَا الٰہَ الّا ھُوَالْحَیُّ الْقَیُّوْمُ واَتُوْبُ اِلَیْہِ.''

(۶) کلمہ تعوذ یعنی آفات ومصائب کے وقت اللہ تعالی سے پناہ مانگنے کا کلمہ اور وہ اعوذ باللہ التّآمّات من شَرِّ مَاخَلَقْ. فرمایا گیا۔ اَعُوْذ بِکَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّاتِ مِنْ شَرِّمَاخَلَقْ

[1] حیات طیب، ج اول، ص: ۴۹۷ وشجرۂ طیب از خطیب الاسلام

(۷) کلمہ بَسْمَلَہ یعنی اللہ کے نام سے اوقات اور افعال کو شروع کرنے کا کلمہ اور وہ بسم اللہ ہے، جس کا جامع صیغہ حدیث شریف میں یہ فرمایا گیا ہے ''بسم الله الذی لَا یَضُرُّ مَعَ اِسْمِهٖ شَیْئٌ فِی الاَرْضِ وَلَا فی السَّمَاءِ وَهُوَالسمیع العلیم''

(۸) کلمہ حُوقلہ یعنی اللہ تعالیٰ ہی کو تمام اعمال کا سرچشمہ ماننے کا کلمہ اور وہ لَاحَوْلَ وَلَا قوۃ اِلا باللہ ہے۔

(۹) کلمہ حَسْبَنـــہ یعنی اللہ تعالیٰ ہی کو اپنے اور اپنے ہر کام کے لئے کافی وافی سمجھنے کا کلمہ اور وہ حسبنا اللہُ ہے، جس کے لئے قرآن کریم نے یہ دو جامع صیغے ارشاد فرمائے ہیں:

(۱) حسبنا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ.

(۲) وحَسْبِيَ اللهُ لَا اله الا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيم.

(۱۰) کلمہ صلاۃ و سلام: یعنی اللہ تعالیٰ سے حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے رحمت مانگنے کا کلمہ اور وہ درود شریف ہے جس کا جامع اور مختصر صیغہ یہ ہے: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلىٰ سَيِّدنَا مُحَمَّدٍ بِعَدَدِ كُلِّ مَعْلُوْمٍ لَک۔[1]

بقول حضرت خطیب الاسلام کہ: ''یہ اذکار عشرہ جب سے حکیم الاسلام نے اس ناچیز کو تلقین فرمائے تھے میرے معمول میں ہیں۔''[2]

تِلْکَ عَشَرَۃٌ کَاملة

ان اذکار عشرہ کا قرآن کریم سے ثبوت اور وجوب۔

حضرت حکیم الاسلام نے فرمایا: ''ان دسوں کلموں کا مأخذ قرآن حکیم میں ہے جن میں ان کے وردر کھنے و پڑھتے رہنے کا امر فرمایا گیا ہے:

(۱) ذکر تسبیح کے بارے میں ارشاد ہے ﴿وَسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَ اَصِيْلاً﴾ (سورة الاحزاب: ۴۲) اور صبح وشام اس کی تسبیح کرتے رہو۔ ﴿سبح اسمَ رَبِکَ الْأعلی﴾ (سورۃ الاعلی: ۱) آپ اپنے پرور دگار عالی شان کے نام کی تسبیح کیجئے۔ ﴿فَسَبِّحْ باسم رَبّکَ العظيم﴾ (سورة الواقعه: ۹۶) سو اپنے عظیم الشان پروردگار کی تسبیح کیجئے۔

[1] حیات طیب، جلد اول، ص: ۴۹۷۔۴۹۸ و شجرہ طیب۔

[2] حضرت خطیب الاسلام نے راقم الحروف سے ایک مجلس میں اپنے اس معمول کا تذکرہ فرمایا۔

(۲) ذکر تحمید کے بارے میں حکم دیا گیا، ﴿قل الحمدُ لِلّٰہ وَسَلامٌ عَلیٰ عِبَادِہِ اصْطَفٰی﴾ (سورۃ النمل: ۵۹) آپ کہئے کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے سزاوار ہیں اور اس کے ان بندوں پر سلام ہو جن کو اس نے منتخب فرمایا۔ ﴿وقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ سَیُرِیْکُمْ اٰیٰاتِہٖ فَتَعْرِفُوْنَھَا﴾ (سورۃ النمل: ۹۳)

اور آپ کہہ دیجئے کہ سب خوبیاں خالص اللہ کے لئے ہی ثابت ہیں جو عنقریب اپنی نشانیاں دکھلا دے گا اور تم ان کو پہچانو گے۔

(۳) ذکر توحید کے بارے میں ارشاد ہے ﴿فأعلم أنه لا الٰه اِلّا الله﴾ (سورۃ محمد: ۱۹)

جان رکھ کہ نہیں ہے کوئی معبود مگر اللہ

(۴) ذکر تکبیر کے بارے میں ارشاد ہے ﴿وَکَبِّرْہُ تَکْبِیْراً﴾ (سورہ بنی اسرائیل: ۱۱۱) اور اس کی خوب بڑائیاں بیان کیا کیجئے، دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ﴾ (سورۃ المدثر: ۳) اور اپنے رب کی بڑائی کر۔

(۵) ذکر توبہ واستغفار کے بارے میں ارشاد ہے، ﴿یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوا الی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَصُوْحاً﴾ (سورۃ التحریم: ۸) اے ایمان والو! تم اللہ کے آگے سچی توبہ کرو ایک جگہ اور ارشاد ہے ﴿وَتُوْبُوْا اِلی اللّٰہِ جَمِیْعاً أَیُّھَا الْمُؤمِنُوْنَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ (سورۃ النور: ۳۱) اور مسلمانوں تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تا کہ فلاح پاؤ۔

ایک جگہ ارشاد ہے ﴿واستغفر لذنبک ولِلْمُؤْمِنِیْنَ﴾ (سورہ محمد: ۱۹) اور مغفرت چاہو اے پیغمبر اپنی خطاء کے لئے اور مؤمنین کے لئے۔

(۶) ذکر تعوذ واستعاذہ کے بارے میں حکم ربانی ہے: ﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ آپ کہئے کہ میں صبح کے مالک کی پناہ لیتا ہوں۔ ﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاس﴾ الخ. آپ کہئے کہ میں لوگوں کے مالک کی پناہ لیتا ہوں

(۷) ذکر بَسْمَلَۃ کے بارے میں ارشاد باری ہے: ﴿اِقْرأ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ.﴾ اے پیغمبر آپ قرآن اپنے رب کا نام لے کر پڑھا کیجئے جس نے پیدا کیا۔

(۸) ذکر حوقلہ کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا: ﴿وَلَوْ لا اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَکَ قُلْتَ مَاشَاءَ اللّٰہُ لا قُوَّۃَ اِلا بِاللّٰہ.﴾ (سورۃ کہف: ۳۹) حدیث میں اس پر لاحول کا مزید اضافہ ہے۔ اس لئے مجموعی کلمہ ہے ﴿لا حَوْلَ وَلا قُوَّۃَ اِلا بِاللّٰہ﴾ ہو جاتا ہے۔

(۸) ذکر حسبنہ کے بارے میں ارشاد خداوندی ہے: ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ.﴾ (سورۃ التوبہ: ۱۲۹) پھر اگر وہ روگردانی کریں تو آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے اللہ کافی ہے، اس کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں ہے۔ اسی پر بھروسہ کرلیا اور وہ بڑے بھاری عرش کا مالک ہے۔ اور فرمایا: ﴿وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ.﴾ (سورۃ آل عمران: ۱۷۳) اور کہا انہوں نے ہم کو حق تعالیٰ کافی ہے اور وہی سب کام سونپ دینے کے لئے اچھا ہے۔

(۱۰) ذکر صلاۃ وسلام کے بارے میں ارشاد حق ہے۔ ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً.﴾ (سورۃ الاحزاب: ۵۶) اے ایمان والو! تم نبی پر صلوۃ وسلام بھیجا کرو۔

بہر حال ان دس کلمات طیبات کے لئے قرآن نے مستقل باب قائم کردئے ہیں اور ان کی نہ صرف ترغیب ہی دی بلکہ حکم اور امر کیا ہے کہ انسان انہیں اپنا ورد و وظیفہ بنائے۔[۱]

جب حکیم الاسلام نے دیکھ لیا کہ ان کے اندر ذکر اللہ سے خاص انسیت پیدا ہوگئی اور خطیب الاسلام اس راہ کے گرم رو مسافر بن گئے، تو حکیم الاسلام نے ان کو ۱۹۶۷ء مطابق ۱۳۸۷ھ میں چاروں سلسلوں میں نوازش فرما کر مجاز فرمایا، ادھر حضرت خطیب الاسلام اپنے تدریسی مراحل کو رفتہ رفتہ آگے بڑھاتے گئے، چنانچہ جس سال (یعنی ۱۹۶۷ء) حضرت کو خلافت ملی اس سال جلالین شریف، الفوز الکبیر، شرح عقائد اور ہدایہ اولین جیسی اہم کتابیں آپ کے زیر درس تھیں۔

مذکورہ بالا اذکار اور ان کے اوقات کا تذکرہ حضرت خطیب الاسلام ''شجرہ طیبہ'' میں درج ذیل عنوان سے فرماتے ہیں۔

کلمات عشرہ کے ذکر کے اوقات

''ان اذکار کو معمول بنانے کیلئے انہیں دو وقت پر منقسم کرلینا چاہئے صبح اور شام۔ صبح کو بعد نماز فجر اور شام کو بعد نماز مغرب یا بعد نماز عشاء جس میں جو شخص اپنی سہولت محسوس کرے ان میں سے بعض اذکار صبح شام دونوں وقت کئے جائیں گے اور بعض صرف صبح کو اور بعض صرف شام کو، جن کی تفصیل یہ ہے۔

[۱] حیات طیب جلد اول، ص: ۴۹۸-۴۹۹ از حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند۔

دونوں وقت ادا کرنے کے اذکار

(۱) اولاً صبح اور شام کلمۂ بسملہ، ”بسم الله الذی لا یضره مع اسمه شئ في الأرض ولا في السماء وهو السميع العليم.“

تین تین بار پڑھا جائے، حدیث شریف میں اس کی یہی مقدار آتی ہے۔[۱]

(۲) اس کے بعد صبح اور شام کلمۂ استعاذہ، ”أعوذ بكلمات الله التا مات من شر ماخلق“ تین تین بار پڑھا جائے کہ اس کی بھی یہی تعداد حدیث میں ارشاد فرمائی گئی ہے۔

(۳) اس کے بعد کلمہ تمجید، ”سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ اللهَ وَلَا الٰهَ اِلَّا الله وَاللهُ أَكْبَرُ“ وقتاً فوقتاً ”لاحول وَلَا قوة اِلا باللهِ العلي العظيم.“ صبح اور شام ایک ایک سو مرتبہ پڑھا جائے اس کی یہی تعداد از روئے حدیث نبوی ثابت ہے۔

(۴) اس کے بعد کلمہ ”استغفار، اَسْتَغْفِرُاللهَ الَّذِیْ لَا الٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْهِ“ صبح وشام ایک ایک سو مرتبہ پڑھا جائے اس کی بھی یہی تعداد حدیث شریف میں وارد ہوئی ہے۔

(۵) اس کے بعد کلمہ درود شریف ”اَللّٰهُمَّ صَلِّ على سيدنا محمد وعلى اٰل سيدنا محمد بعدد كل معلوم لک“ صبح وشام ایک ایک سو مرتبہ پڑھا جائے، گو اس کی کوئی خاص تعداد احادیث سے ثابت نہیں مگر اس کی کثرت کی فضیلت بہت سی احادیث سے ثابت ہے اس لئے مشائخ نے اس کی مقدار بھی صبح وشام سو سو مرتبہ رکھی ہے۔

صرف صبح کے اذکار

(۶) ان پانچوں کلموں کے ذکر کے ساتھ کلمہ تحسیب، ”سُبْحَانَ اللهِ وَ بِحَمْدِه سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِيْمِ“ صرف صبح کو ۴۱ مرتبہ پڑھا جائے۔

(۷) کلمہ حوقلہ، ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ الْعَلِى الْعَظِيْمِ“ ۴۱ بار پڑھا جائے۔

صرف شام کے اذکار

(۸) پھر انہی اوپر والے پانچ کلموں کے ساتھ شام کو کلمہ حسبنہ، حَسْبُنَا اللهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ۴۱ رمرتبہ (صرف شام) کو پڑھا جائے۔

---

[۱] غرض درود شریف سے نسبت عبودیت بھی مضبوط ہوتی ہے اور نسبت بھی مستحکم ہوتی ہے۔ شجرہ طیبہ از: خطیب الاسلام، ص ۳۴

(۹) پھر کلمہ تکریم (آیت کریمہ) ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَکَ اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ.''
(سورۃ الانبیاء:۸۷) صرف شام کو ۴۱ مرتبہ پڑھا جائے۔[1]

حضرت خطیب الاسلام تحریر فرماتے ہیں:

''جو حضرات قلت وقت یا کثرت مشاغل اسی طرح ضعف کے سبب اختصار چاہیں وہ صبح وشام اوپر والے پانچ کلمات پر قناعت کریں اور باقی ترک کردیں، البتہ یہ اختیار ہے کہ ابتداء میں صرف پانچ کلمات صرف صبح وشام پڑھیں اور طبیعت کے خوگر اور متحمل ہو جانے کے بعد رفتہ رفتہ آخر کے چار اذکار بھی ملائیں۔

اور اگر کوئی شخص اپنے غیر معمولی مشاغل کی وجہ سے ابتداء ان پانچ اذکار کی تعداد بھی پوری نہ کر سکے تو اس کے لئے اول کے دو کلموں کی تعداد تین تین رکھ کر بقیہ کلمات ذکر کو دس دس مرتبہ پڑھ لیا کرے تو حکم میں سو سو ہی کے ہو جائیں گے، کیونکہ شریعت اسلام نے ہر نیکی کو دس نیکی شمار کیا ہے تو اس طرح فضل خداوندی سے یہ دس قائم مقام سو کے ہو جائیں گے اور گویا وہ شخص ہر کلمہ کو سو سو مرتبہ ہی پڑھنے والا شمار کیا جائے گا، پس یہ مختصر معمول ہر فارغ اور مشغول آدمی بآسانی نبھا سکتا ہے، البتہ یہ ضرور ہے کہ جسے راہ سلوک طے کرنی ہو تو وہ انہی مقداروں کو پورا کرے جو اوپر کے نمبروں میں لکھی گئی ہے، مگر ساتھ ہی جو یہ مختصر راستہ اختیار کرے اور دس دس ہی کے عدد پر اکتفا کرے اس کے لئے بھی مناسب یہ ہے کہ ہفتہ میں کم از کم ایک دن مثلاً شب جمعہ یا روز جمعہ مقرر کر کے اس میں یہ اذکار اسی اصلی عدد کے ساتھ پڑھ لیا کرے اس سے امید بڑھ جائے گی کہ وہ روزانہ اسی عدد کا عادی ہو جائے اور بعد چند ایام اسے نبھانے کی توفیق ہو جائے گی۔''[2]

اذکار عامہ

(۱) تلاوت قرآن کریم

حضرت خطیب الاسلام تلاوت قرآن کریم کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

''ہاں پھر ان تمام اذکار پر جو چیز مستولی اور چھائی ہوئی ہے اور ان سارے اذکار کا منشاء اور سر

---

[1] شجرہ طیبہ، خطیب الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد سالم قاسمی صاحب دامت برکاتہم العالیہ، ص:۳۴-۳۵۔
[2] از: خطیب الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد سالم قاسمی دامت برکاتہم العالیہ، شجرہ طیبہ، ص:۳۵-۳۶

چشمہ ہے وہ تلاوت قرآن شریف ہے جو افضل الاذکار ہے اور بنفس نفیس حق تعالی سے بات چیت کرنا ہے اور انتہائی قرب کا ذریعہ ہے، حدیث میں ہے کہ جو مؤمن قرآن پڑھتا ہے اس کی مثال ترنج کی سی ہے کہ خوشبو بھی پاکیزہ اور مزہ بھی عمدہ اور جو مؤمن قرآن نہیں پڑھتا اس کی مثال کھجور کی سی ہے کہ مزہ تو عمدہ ہے مگر خوشبو نہیں ہے، جو پھیلے اور دوسروں کو منتفع کرے۔ اس کے علاوہ اگر آدمی فتنوں سے بچنا چاہتا ہے تو اس کا واحد علاج تلاوت قرآن ہے، سمجھ کر پڑھے گا تو بصیرت کے ساتھ فتنوں سے محفوظ رہے گا اور بے سمجھے بھی اگر تلاوت کرے گا تو کم ازکم اس تاثیر اور برکت سے عملاً فتنوں سے بچا رہے گا، خواہ اسے تحفظ و برکت کی خبر بھی نہ ہو۔ نیز حدیث میں ہے کہ قرآن شریف کی ہر آیت جنت کا ایک درجہ ہے محشر میں حافظ سے کہا جائے گا کہ تلاوت کرتا جا اور درجات میں ترقی کرتا جا، حدیث میں ہے کہ نماز میں قرأت قرآن افضل ہے نماز سے باہر کی قرأت سے اور نماز سے باہر کی قرأت افضل ہے، تسبیح وتکبیر کے ذکر سے اگر تلاوت قرآن کریم نماز میں کی جائے تو بہتر ہے جب کہ آدمی حافظ قرآن ہو مثلاً تہجد کی آٹھ رکعتوں میں یا بعد مغرب اوابین کی چھ رکعتوں میں، حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ قلوب پر اس طرح زنگ لگتا ہے جیسے لوہے پر، جب کہ لوہے کو پانی لگ جائے اور زنگ آلود دلوں کی جلاء موت کی کثرت سے یاد اور تلاوت قرآن ہے۔[1]

بہرحال مذکورہ اذکار عشرہ کے ساتھ یہ افضل الاذکار یعنی تلاوت کلام ربانی بھی لازم کر لی جائے جو کم ازکم ایک پارہ یومیہ ہونی چاہئے ورنہ جس قدر بھی روزانہ نبھ سکے اتنی ہی تلاوت کر لی جائے۔ قرآن پاک نے اس ذکر تلاوت کا بھی امر فرمایا ہے، ارشاد ربانی ہے ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيلًا﴾ (سورۃ المزمل: ۴) اور قرآن کو صاف صاف پڑھو اور ارشاد ہے ﴿فَاقْرَؤُا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ﴾ (سورۃ المزمل: ۲۰) (جتنا آسان ہو قرآن پڑھو)''[2]

---

[1] اس حدیث کو مشکوۃ میں علامہ بیہقی کے حوالے سے نقل کیا ہے، انہوں ''شعب الایمان'' میں حضرت ابن عمر سے نقل کی ہے۔ حدیث یہ ہے: **عن ابن عمرؓ قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم! ان هذه القلوب تصدأ كما يصدأ الحديد اذا أصابه الماء قيل يا رسول اللّٰه! وما جلاؤها قال: كثرة ذكر الموت (رواه البيهقى فى شعب الايمان)**

[2] از: شجرہ طیبہ، خطیب الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد سالم قاسمی صاحب دامت برکاتہم العالیہ، ص: ۳۶-۳۷

۲۹ اگست **۲۰۱۷ء** کو حضرت خطیب الاسلام کی خدمت اقدس میں اس عاجز کی حاضری ہوئی، حضرت کو اپنے معمولات کے بارے میں بتایا کہ حضرت میرا گذشتہ ایک ماہ سے شجرہ طیبہ پڑھنے کے بعد روزانہ ایک منزل پڑھنے کا معمول ہوگیا ہے اور اس طرح بحمد اللہ ایک ہفتہ میں قرآن کریم ختم ہو جاتا ہے، حضرت دعا فرما دیجئے کہ اس معمول پر تا زندگی استقامت نصیب فرما دے، حضرت نے بڑی خوشی کا اظہار فرمایا اور یہ فرمایا کہ ویسے آج کل قوی کمزور ہیں وہ صحابہ کرام کا معمول تھا، لیکن میں دعا کرتا ہوں کہ اس معمول پر استقامت ملے اور تا زندگی حق تعالیٰ نبھانے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

(۲) ذکر دعا وسوال

اس کے علاوہ ایک اہم ذکر دعا وسوال بھی ہے جس کا قرآن نے بڑے اہتمام کے ساتھ امر فرمایا ہے ارشاد ہے، ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ (سورة المؤمن: ٦٠) اور تمہارے پروردگار نے فرما دیا ہے کہ مجھ کو پکارو میں تمہاری درخواست قبول کروں گا، اس لئے دعاء کثرت سے کی جائے اور اس کی عمدہ صورت یہ ہے کہ مناجات مقبول پاس رکھی جائے اور روزانہ اس کا ایک حزب پڑھ لیا جائے جس میں حدیث شریف کی دعائیں جمع کر کے سات دنوں پر تقسیم کردی گئی ہیں اس لئے روزانہ صبح کے معمولات سے فارغ ہو کر یہ حزب پڑھا جائے۔[۱]

(۳) ذکر اسماء حسنیٰ

اسماء حسنیٰ کے بارے میں حضرت خطیب الاسلام فرماتے ہیں:

”پھر اس دعا و پکار میں اعلیٰ ترین دعا و پکار وہ ہے جو اسمائے حسنیٰ کے ذریعے سے ہو جس کے بارے میں امر الٰہی ہے، ﴿وَلِلّٰهِ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ (سورة بنی اسرائیل: ۱۱۰) (اور اللہ کے پاک نام ہیں ان کے ذریعے اللہ کو پکارو) پس اللہ کو اس کے اسماء حسنیٰ کے ساتھ اس سے دعائیں مانگنا بھی مطلوب ذکر ہے جس کے لئے عمدہ صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام جو حدیثوں میں آئے ہیں یاد کر لئے جائیں اور بچوں کو یاد کرائے جائیں، روزانہ نہیں تو کم از کم ہفتہ میں ایک بار پڑھ لیا جائے، چونکہ ذکر اسماء حسنیٰ اور ذکر دعا وسوال اور ذکر تلاوت کے لئے متعین اور مخصوص کلمہ نہ تھا اس لئے ہم نے ان تین اذکار کا تذکرہ اذکار عشرہ میں نہیں کیا لیکن عملاً ان کو لازم کر لینا چاہئے۔[۲]

---

[۱] شجرہ طیبہ، ص ۳۷-۳۸۔

[۲] شجرہ طیبہ از خطیب الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد سالم قاسمی صاحب دامت برکاتہم العالیہ، ص: ۳۸۔

شجرۂ مشائخ

جس طرح فیضان الٰہی ہم تک جناب رسول اللہ ﷺ کے طفیل اور توسل سے پہنچا ہے اور اسی طرح آپ تمام عالم بشریت کے محسن اعظم ومربی اکبر ہیں، اسی احسان عظیم کو پہچاننے اور ماننے کے لئے درود شریف رکھا گیا ہے جس سے حضور ﷺ کے ذکر مبارک کے علاوہ بارگاہ خداوندی میں توسل اور قرب بھی مقصود ہے، چنانچہ اسی بنا پر دعاء کے اول وآخر درود شریف پڑھنے کا حکم اور اس سے دعاء کی مقبولیت کا وعدہ احادیث میں رکھا گیا ہے۔ٹھیک اسی طرح فیضان نبوت ہم تک نائبان نبوت اور وارثان رسالت کے واسطہ اور وسیلہ سے پہنچا ہے، بالخصوص فیضان اخلاق وکمالات باطن کے پہنچنے کا واسطہ اور وسیلہ مشائخ طریقت کے سوا دوسرا نہیں، جو ان کمالات میں خلفائے نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور نبوت کے بعد آپ کے سچے وارث ہیں، بنابریں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہی حضرات امت کے محسن اور مربی مانے گئے ہیں اس لئے اس احسان کو پہچاننے اور ماننے نیز قرب خداوندی اور نسبت نبوی ڈھونڈھنے کے لئے ان کا تذکرہ بھی شامل طاعت اور ذکر اللہ ہی شمار کیا گیا ہے کہ یہی لوگ حدیث نبوی ’’اذا ذکر اللہ ذکروا واذا ذکروا ذکر اللہ‘‘

(جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان لوگوں کا بھی ذکر زبان پر آتا ہے اور جب ان کا ذکر کیا جاتا ہے تو اللہ کا ذکر زبان پر آتا ہے) کے سچے مصداق ہیں گویا:

خاصان خدا خدا نہ باشند
لیکن زخدا جدا نہ باشند

اور ذکر کی صورت مشائخ نے شجرہ پڑھ لینا تجویز کی ہے جو اکابر طریق کا معمول رہا۔ بنابریں شجرہ چشتیہ مولفہ شیخ المشائخ سید الطائفہ مرشدنا حضرت شاہ حاجی امداد اللہ تھانوی ثم مہاجر مکی قدس اللہ سرہ العزیز کا پڑھنا بھی معمول بنالیا جائے خواہ روزانہ یا حسب ذوق وشوق دوسرے یا تیسرے دن[1]

[1] شجرہ طیبہ از خطیب الاسلام، ص ۳۸-۳۹۔

شجرۂ طیبہ

حمد ہے سب تیری ذاتِ کبریا کے واسطے — اور درود و نعت ختم الانبیاء کے واسطے
اور سب اصحاب و آل مصطفیٰ کے واسطے — رحم کر مجھ پر الٰہی اولیاء کے واسطے
حضرت سالم تقیؔ با خدا کے واسطے — عبد قادر، شاہ طیب ذوالعطا کے واسطے
عالم تلمیذ اشرف پارسا کے واسطے — قاسم علم نبوت بے خطا کے واسطے
حضرت طیب شہ علم و ہدیٰ کے واسطے — حضرت محمود و اشرف ذوالعلا کے واسطے
حاجی امداد اللہ ذوالعطا کے واسطے — حضرت نور محمد پُر ضیا کے واسطے
حاجی عبد الرحیم اہل غزا کے واسطے — شیخ عبد الباری شہ بے ریا کے واسطے
شاہ عبد الہادی پیر ہدیٰ کے واسطے — شاہ عضد الدین عزیز دوسرا کے واسطے
شہ محمد اور محمدی اتقیا کے واسطے — شہ محبّ اللہ شیخ باصفا کے واسطے
ابوسعید اسعد اہل ورا کے واسطے — شہ نظام الدین بلخی مقتدا کے واسطے
شہ جلال الدین جلیل اصفیا کے واسطے — عبد قدوس شہ قدس و صفا کے واسطے
اے خدا شیخ محمد رہنما کے واسطے — شیخ احمد عارف صاحب عطا کے واسطے
احمد عبدالحق شہ ملک بقا کے واسطے — شہ جلال الدین کبیر الاولیاء کے واسطے
شیخ شمس الدین ترک باصفا کے واسطے — شیخ علاؤ الدین صابر با رضا کے واسطے
شہ فرید الدین شکر گنج بقا کے واسطے — خواجہ قطب الدین مقتول ولا کے واسطے
شہ معین الدین حبیب کبریا کے واسطے — خواجہ عثمان باشرم و حیا کے واسطے
شہ شریف زندنی با اتقیا کے واسطے — خواجہ مودود چشتی پارسا کے واسطے
شاہ بویوسف شہ شاہ و گدا کے واسطے — بو محمد محترم شاہ ولا کے واسطے
احمد ابدال چشتی باسخا کے واسطے — شیخ ابواسحٰق شامی خوش ادا کے واسطے
خواجہ ممشاد علوی بوالعلاء کے واسطے — بو قیرہ شاہ بصری پیشوا کے واسطے
شیخ حذیفہ مرعش شاہ صفا کے واسطے — شیخ ابراہیم ادہم بادشاہ کے واسطے
شہ فضیل ابن عیاض اہل دعا کے واسطے — خواجہ عبد الواحد بن زید شاہ کے واسطے

شیخ حسن بصری امام الاولیا کے واسطے ہادی عالم علی شیر خدا کے واسطے
سرور عالم محمد مصطفیٰ کے واسطے یا الٰہی اپنی ذاتِ کبریا کے واسطے
آخرت میں کر شفاعت کا وسیلہ انکو تو مجھ ذلیل و خوار و مسکین و گدا کے واسطے
کر دوئی کو دور اور پُر نور وحدت سے مجھے تا ہوں سب میرے عمل خالص رضا کے واسطے
کر ذرا اس ہوش سے بیہوش و مستانہ مجھے باحق اپنے عاشقانہ باوفا کے واسطے
دیکھ مت میرا عمل کر لطف پر اپنی نگاہ یارب اپنے رحم و احسان و عطا کے واسطے
چار سو ہے فوج غم کر جلد اب مجھ پر کرم کر رہائی کا سبب اس مبتلا کے واسطے
تیرے در کو چھوڑ کر تو ہی بتا جاؤں کہاں کون ہے تیرے سوا مجھ بے نوا کے واسطے
ہے عبادت کا سہارا عابدوں کے واسطے اور تکیہ زہد کا ہے زاہدوں کے واسطے
سجدہ طاعۃ سہارا ساجدوں کے واسطے ہے عصائے آہ مجھ بے دست و پا کے واسطے
نہ فقیری چاہتا ہوں نہ امیری کی طلب دردِ دل پر چاہئے مجھ کو خدا کے واسطے
نعمتیں دنیا کی سب دیں تو نے اے پروردگار بخش وہ نعمت جو کام آوے سدا کے واسطے
کوئی بھی تحفہ نہیں لائق تیرے دربار کے جان و دل لایا ہوں بس تجھ پر خدا کے واسطے
کر میری امداد ''اللہ'' وقت ہے امداد کا اپنے لطف و رحمت بے انتہا کے واسطے
جس نے یہ شجرہ دیا ہو جس نے یہ شجرہ پڑھا بخش دیجئے سب کو ان اہل صفا کے واسطے

شجرۂ سلوک

متکلم عصر خطیب الاسلام سید العلماء حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نوراللہ مرقدہ
جانشین حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب
سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند و بانی وصدر اول، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ

خرقہ خلافت واجازت ہمہ ارشاد ظاہری و باطنی من جانب رب الجلیل ورب العزۃ والعرش العظیم، جل جلالہٗ وعم نوالہٗ عظیم الشان، قدسیۃ الذات حضرت سید الکونین رسول رب العالمین خواجہ ہر دوسرا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم، بعدازیں خرقہ خلافت واجازت ہمہ ارشاد ظاہری و باطنی

حضرت امام الاولیاء علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ
حضرت خواجہ حسن بصریؒ
حضرت عبدالواحد بن زیدؒ
حضرت فضیل عیاضؒ
حضرت ابراہیم بن ادہمؒ
حضرت حذیفہ مرعشؒ
حضرت امین الدین ابوبقیرہ
حضرت ممشاد علویؒ
حضرت شیخ ابواسحاق شامیؒ
حضرت ابواحمد اَبدال چشتیؒ
حضرت ابومحمد محترم چشتیؒ
حضرت شاہ ابویوسف چشتیؒ
حضرت مودود چشتیؒ
حضرت شاہ شریف زندنی
حضرت شاہ خواجہ عثمان ہارونیؒ
حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر

حضرت خواجہ شیخ علاء الدین صابر کلیریؒ

حضرت خواجہ شیخ شمس الدین ترک پانی پتیؒ

حضرت خواجہ شیخ جلال الدین پانی پتیؒ

حضرت خواجہ شیخ عبدالحق ردولویؒ

حضرت خواجہ شیخ احمد عارف ردولویؒ

حضرت خواجہ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ

حضرت خواجہ شیخ جلال الدین تھانیسریؒ

حضرت خواجہ شیخ نظام الدین بلخیؒ

حضرت خواجہ شیخ شاہ ابوسعید گنگوہیؒ

حضرت خواجہ شیخ شاہ محبّ اللہ الہ آبادیؒ

حضرت خواجہ شیخ شاہ محمدیؒ

حضرت خواجہ شیخ محمد مکیؒ

حضرت خواجہ شیخ شاہ عضد الدین امروہویؒ

حضرت خواجہ شیخ عبدالہادی امروہوی

حضرت خواجہ شیخ عبدالباری امروہوی

حضرت خواجہ شیخ حاجی عبدالرحیم شہید صاحبؒ

حضرت خواجہ میانجیو نور محمد جھنجھانویؒ

حضرت خواجہ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی

حضرت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ قاسمی

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب دامت برکاتہم

حضرت کا یہ شجرہ سلوک وطریقت مختلف کتابوں اور رسائل میں موجود ہے۔حق تعالیٰ شانہ کی بارگاہ میں دعاء گو ہوں کہ حق تعالیٰ شانہ ان حضرات کے فیوض وبرکات ہماری طرف متوجہ فرما کر ان سے کما حقہ مستفید ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے (آمین)

خلاصۃ القول

بہر حال ذکر اللہ ہی وہ چیز ہے جس سے عالم بھی زندہ رہے گا، ذاکر بھی زندہ رہے گا اور اس کا عمل بھی زندہ رہے گا، پس اگر یہ ساری زندگیاں مطلوب ہیں تو ذکر اللہ پر دوام کیا جائے اور اس کو جزو زندگی بنالیا جائے جو سلف کا طریقہ رہا ہے اور ہر دور میں سچے اور پختہ کار مسلمانوں کا رہا ہے، اس کو چھوڑ کر مسلمان کتنی ہی رسمی ترقیات کرلیں اللہ کے یہاں اس کی کوئی وقعت نہیں ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عمل عطا فرمائے اور حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین وھو المؤفِق والمستعان وعلیہ التکلان[1]

دونوں بزرگوں سے حضرت خطیب الاسلام کو خلافت

جب حضرت حکیم الاسلام نے محسوس کرلیا کہ خطیب الاسلام مذکورہ بالا معمولات پر مکمل کاربند ہوگئے اور ان کو ذکر اللہ سے خاص رغبت اور موانست پیدا ہوگئی تو آپ نے ۱۹۶۷ء میں چاروں سلسلوں میں خلافت سے سرفراز فرمایا، اس سلسلے میں حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند تحریر فرماتے ہیں:

"حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ کو ابتداء شرف بیعت، شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہ سے حاصل ہوا ان کی وفات کے بعد حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ سے رجوع فرمایا اور حضرت حکیم الامت سے خلافت حاصل ہوئی، ٹھیک اس طرح والد ماجد حضرت خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمی صاحب دامت برکاتہم نے حضرت حکیم الاسلام کے ایماء پر ۱۳۶۷ھ میں حضرت اقدس مولانا شاہ عبد القادر صاحب

---

[1] مذکورہ بالا عبارت پر حضرت خطیب الاسلام نے "شجرۂ طیبہ" رسالہ کا خاتمہ فرمایا اور اخیر میں ایک نوٹ لکھا جو درج ذیل ہے "نوٹ: اس کتاب میں حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے معمولات یومیہ اور دعائیں شامل ہیں، مزید حضرت کے دستخط کے ساتھ تاریخ تحریر بھی درج ہے یعنی ۲۷ شوال ۱۳۷۰ھ

رائپوری قدس سرہ سے شرف بیعت حاصل کیا اور رائے پور میں حضرت کے پاس گاہے گاہے قیام فرمایا (حضرت رائپوری نے حضرت خطیب الاسلام کو خلافت سے نوازا) ان کی وفات کے بعد خود حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ کے دست مبارک پر ساؤتھ افریقہ کے سفر کے دوران، بمقام ''روڈی پورٹ'' میں ۱۳۸۲ھ میں شرف بیعت حاصل فرمایا اور ۱۳۸۷ھ میں حضرت حکیم الاسلام نے (میرے) والد ماجد خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب کو تحریراً خلافت مرحمت فرمائی، اس موقع پر اویس وقت حضرت مولانا سید اصغر حسین میاں صاحب کا یہ عرفانی مقولہ قابل ذکر ہے جسے انہوں نے مختلف مجالس میں بار بار حضرت حکیم الاسلام کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ:

یعنی حضرت حکیم الاسلام دونوں بزرگوں یعنی حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب اور حکیم لامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب کے فیوض سے اور حضرت الامام مولانا محمد قاسم قدس سرہ بانی دارالعلوم دیوبند سے خَلقاً اور خُلقاً مستفید ہو کر تمام بزرگانِ جماعت کے علمی استفادے اور روحانی انتساب و جملہ نسبت ہائے مقبولہ کے حامل ہیں'' ٹھیک اسی طرح بحمد اللہ والد ماجد خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند کے بارے میں حضرت میاں صاحب کے عرفانی قول سے استفادہ کرتے ہوئے بلاخوف تر دید کیا جاسکتا ہے کہ حضرت خطیب الاسلام مدظلہ تینوں بزرگوں (حضرت اقدس شاہ عبدالقادر رائپوری، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس اللہ اسرارھم) کے فیوض علمی وعرفانی سے مستفید ہونے کی وجہ سے بحمد اللہ جماعت اکابر رحمہم اللہ کی نسبتہائے مقبولہ کے جامع ہیں اور اپنے جد اعلیٰ حضرت الامام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس اللہ سرہٗ بانی دارالعلوم دیوبند سے خَلقاً وخُلقاً مستفید ہیں۔''[1]

جب کہ آپ سے قبل حضرت رائپوری[2] رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خطیب الاسلام کو خرقۂ خلافت

[1] مولانا محمد سفیان قاسمی مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند ابن حضرت خطیب الاسلام مدظلہ العالی صدر مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند۔ آستانہ قاسمی۔ ۲۶ ربیع الاول ۱۴۲۲ھ مطابق ۱۹ جون ۲۰۰۱ء

[2] حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائپوری۔

سے نوازا، خود راقم الحروف نے چھ سات سال قبل حضرت خطیب الاسلام سے اپنی ایک حاضری کے دوران سوال کیا تھا کہ حضرت رائپوری سے بھی آپ کو خلافت ہے تو آپ نے یہ جواب مرحمت فرمایا تھا کہ: ''حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری سے اولا اور حضرت حکیم الاسلام سے بعد میں مجھے خلافت ملی'' جس کی تصدیق خود عاجز نے خانقاہ رائپور سے بھی کی۔[1]

چنانچہ ۹ ستمبر ۲۰۱۷ء مطابق ۱۸ ذی الحجہ ۱۴۳۸ء بروز سنیچر راقم کا سفر محترم جناب بھائی جان حضرت مولانا محمد اویس صدیقی صاحب نانوتوی کی معیت میں خانقاہ رائپور کا ہوا، وہاں پر راقم نے جناب ڈاکٹر شفیق صاحب (جو اس وقت خانقاہ رائپور کے ذمہ دار اور حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب دامت برکاتہم کے جانشین ہیں) سے اس کا تذکرہ کیا تو ڈاکٹر شفیق صاحب نے بھی اس کی تصدیق فرمائی کہ حضرت خطیب الاسلام حضرت رائپوری کے اجل خلفاء میں ہیں، ہاں البتہ کس سن میں خرقۂ خلافت دی اس کو تحریر نہیں فرمایا۔ حضرت خطیب الاسلام حضرت رائپوری سے تقریبا تین سال سے کچھ زیادہ وابستہ رہے اور حضرت رائپوری کا انتقال ۱۹۶۲ء میں ہوا یعنی ۱۹۵۹ء سے کچھ پہلے سے لیکر ۱۹۶۲ء تک کی مدت ہے اور اغلب گمان یہ ہے کہ ۱۹۶۱ء کے اواخر میں خلافت عالیہ سے سرفراز کیا گیا۔

بیعت وارشاد اور حضرت کے خلفاء

ان دونوں بزرگوں کی اجازت کے بعد حضرت خطیب الاسلام کا معمول یہ ہو گیا کہ کسی بھی طالب صادق کو بیعت فرمالیا کرتے اور محروم نہ فرماتے، اس طرح سلسلہ رائپوری اور سلسلہ طیب کی شاخیں حضرت کے واسطے سے ملک کے کونے کونے میں اور بیرون ممالک کے دور دراز علاقوں تک پہنچیں، حضرت خطیب الاسلام کے ذریعہ سلسلے سے مستفید ہونے والوں کی تعدادیوں تو ہزاروں ہے مگر ہندستان میں بعض علاقے ایسے ہیں جہاں کے باشندوں نے آپ سے باطنی فیض خوب خوب حاصل کیا، چنانچہ ان بڑے شہروں میں میرٹھ، ممبئی، ریاست رامپور و جے واڑہ اور رنگ آباد، بھوپال، بہار، دہلی واطراف دہلی، بنگلور، حیدرآباد، کلکتہ، کانپور وغیرہ وغیرہ۔

---

[1] یہ تصدیق اس لئے کی کہ عام طور پر لوگوں کے علم میں یہ ہے کہ حضرت خطیب الاسلام کو حضرت حکیم الاسلام سے خلافت ملی، حضرت رائپوری کے بارے میں معلوم نہیں، اس لئے ان کے اطمینان کے لئے تحقیق ضروری تھی۔

راقم الحروف کی اس بات کی تائید حضرت خطیب الاسلام کے خادم خاص اور ہم سب کے محسن حضرت مولانا محمد شاہد قاسمی[1] مدظلہ العالی کی مندرجہ ذیل تحریر سے بھی ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں:

فہرست خلفاء مجاز

عارف باللہ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نوراللہ مرقدہٗ صدر مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند سے فیض باطنی کرنے والے حضرات ملک و بیرون ملک میں ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں، ذیل میں ان حضرات کے نام لکھے جارہے ہیں، جن کے فیض باطنی کی صلاحیت پر آپ نے اعتماد کیا، اوران کو بیعت کی اجازت دے کر خلافت سے سرفراز فرمایا ہے۔

اسمائے گرامی خلفائے مجاز تا۱۶؍جنوری ۲۰۱۸ء

۱۔حضرت مولانا مفتی فضیل الرحمٰن (ہلال عثمانی) سابق مفتیٔ اعظم، مالیرکوٹلہ، پنجاب

۲۔حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب، مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

۳۔حضرت مولانا مفتی محمد خالد سیف اللہ رحمانی صاحب (جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی آف انڈیا، نئی دہلی) حیدرآباد

۴۔حضرت مولانا مفتی عبدالرزاق صاحب مہتمم ترجمہ والی مسجد بھوپال (ایم پی)

۵۔مولانا مفتی محمد احسان صاحب قاسمی مفتی دارالعلوم وقف دیوبند

۶۔مولانا محمد اسمٰعیل عبداللہ پٹیل صاحب کاپودروی گجرات

۷۔ڈاکٹر مولانا محمد شکیب قاسمی صاحب ڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی؍استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

۸۔مفتی محمد عارف صاحب قاسمی، استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

۹۔مولانا مفتی ضیاءاللہ خان صاحب قاسمی شیخ الحدیث فترجمہ والی مسجد بھوپال (ایم پی)

۱۰۔مولانا محمد فہیم الحسن صاحب تھانوی لاہور (پاکستان)

---

[1] حضرت مولانا شاہد قاسمی صاحب ۱۹۸۹ء رمضان شریف میں تشریف لائے اور ایک سال دیوبند میں گل کدہ منزل میں قیام رہا۔ ۱۹۹۰ء میں حضرت خطیب الاسلام کی خدمت میں تشریف لائے اور مکمل سال حضرت کی خدمت میں رہے، یہاں سے شعبان میں چلے گئے تو حضرت نے دوسرے خادم کے ذریعے ان کو بلوایا اور یہ فرمایا کہ بیٹھک میں تم رہو، ۱۹۹۰ء کے رمضان المبارک سے حضرت کی خدمت میں سفر وحضر میں مستقل ساتھ رہے، آپ ضلع مدھوبنی مقام پوسٹ جھوراصوبہ (بہار) کے رہنے والے ہیں۔

۱۱۔مولانا محمد نسیم احمد صاحب شیخ الحدیث مدرسہ نور الاسلام شاہ پیر گیٹ میرٹھ (یوپی)
۱۲۔مولانا مبین احمد صاحب قاسمی شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ روضۃ العلوم ٹانڈہ رامپور (یوپی)
۱۳۔مولانا محمد حامد حسن صاحب مہتمم مدرسہ فیض الاسلام سیال نگلہ جئی میرٹھ (یوپی)
۱۴۔مولانا مفتی ذوالفقار احمد صاحب بانی ومہتمم جامعہ عثمانیہ دار العلوم ہلدوانی (گریٹر نوئیڈا)
۱۵۔مولانا مفتی سید احمد صاحب مہتمم مدرسہ نور الاسلام شاہ پیر گیٹ میرٹھ (یوپی)
۱۶۔مولانا محمد راشد صاحب (اعوان پوری) الابرار فاؤنڈیشن جامعہ نگر اوکھلا (نئی دہلی)
۱۷۔مولانا محمد شاہد صاحب قاسمی استاذ دار العلوم وقف دیوبند (خادم خاص حضرت خطیب الاسلامؒ استانۂ قاسمی دیوبند)
۱۸۔مولانا محی الدین محمد امین صاحب قاسمی چاٹگام بنگلہ دیش
۱۹۔مولانا مفتی عبدالحمید صاحب قاسمی امام وخطیب جامع مسجد ستارہ (مہاراشٹر)
۲۰۔مولانا محمد احمد صاحب قاسمی صاحب مہتمم الجامعۃ القاسمیۃ، خیر العلوم ناپارہ بہرائچ (یوپی)
۲۱۔قاری محمد احمد نوری صاحب استاذ مدرسہ نور الاسلام شاہ پیر گیٹ میرٹھ (یوپی)
۲۲۔مولانا محمد سکندر صاحب قاسمی استاذ دار العلوم وقف دیوبند
۲۳۔قاری عبدالقیوم صاحب استاذ مدرسہ نور الاسلام شاہ پیر گیٹ میرٹھ (یوپی)
۲۴۔مولانا مفتی محمد فاروق صاحب قاسمی دار العلوم لمّی پیٹ وجے واڑہ (اے پی)
۲۵۔مولانا محمد میاں صاحب قاسمی مدرسہ سراج العلوم سنبھل مرادآباد (یوپی)
۲۶۔جناب ایاز احمد خان صاحب خطیب مسجد گھاس والا کمپلکس ممبرا کوسہ ممبئی
۲۷۔مولانا مفتی معین الدین صاحب قاسمی مدرسہ طیب العلوم گیورائی (مہاراشٹر)
۲۸۔مولانا مفتی محمد میاں صاحب مہتمم جامعہ کاشف العلوم بریلی (یوپی)
۲۹۔جناب حافظ اقبال عبدالستار صاحب (چونا والا) جوگیشوری (ممبئی)
۳۰۔مولانا عرفان احمد صاحب قاسمی استاذ جامعہ افضل المعارف الٰہ آباد (یوپی)
۳۱۔قاری محمد یاسین صاحب سیال نگلہ جئی میرٹھ (یوپی)
۳۲۔مولانا مفتی جمیل الرحمٰن صاحب قاسمیؒ سابق ناظم مدرسہ رحمانیہ ہاپوڑ (یوپی)
۳۳۔مولانا محمد اسامہ صدیقی صاحب نانوتہ سہارنپور (یوپی)

۳۴۔مولانا محمد عظیم الدین صاحب امام وخطیب مسجد ہدیٰ بھیونڈی (مہاراشٹر)
۳۵۔مولانا مفتی انصار احمد صاحب محی السنہ ملاڈ ممبئی (مہاراشٹر)
۳۶۔مولانا مفتی نعمت اللہ صاحب قاسمی مہتمم دارالعلوم ملیا کھگڑیا (بہار)
۳۷۔مولانا ولی غازی صاحب مہتمم جامعہ ریاض الاسلام سرونج ودیشہ (ایم پی)
۳۸۔مولانا محمد الیاس صاحب مہتمم جامعہ زکریا ڈھاکہ مغربی چمپارن (بہار)
۳۹۔جناب سید محمد طیب میاں صاحب محلّہ قلعہ دیوبند (یوپی)
۴۰۔مولانا خان محمد صاحب سلطان پوری (دہلی)
۴۱۔جناب غلام صابر صاحبؒ میرپور خاص (پاکستان)
۴۲۔مولانا ڈاکٹر عطاء اللہ خان صاحب قاسمی انکورنگر کھنڈوا (ایم پی)
۴۳۔مولانا مفتی محمد اسمٰعیل صاحب قاسمی دارالعلوم لبّی پیٹ وجے واڑہ (اے پی)
۴۴۔مولانا محمد عطاء الرحمٰن صاحب قاسمی شیموگہ (کرناٹک)
۴۵۔مولانا ڈاکٹر عبدالقادر صاحب بڑضیاء الحق دیوبند
۴۶۔مولانا محمد طارق بن ثاقب صاحب قاسمی مدرسہ تحفیظ القرآن ارریہ (بہار)
۴۷۔قاری محمد اسامہ بن قاری رفیق احمد صاحب جدّہ (سعودیہ عربیہ)
۴۸۔مولانا مفتی بلال احمد صاحب قاسمی مرادنگر (یوپی)
۴۹۔نسیم احسن صاحب ٹھوکری چک بیگوسرائے (بہار)
۵۰۔مولانا مفتی محمد وسیم اکرم صاحب قاسمی استاذ حدیث مدرسہ شمس العلوم شاہدرہ (دہلی)

میں نے اپنے علم واطلاع کے مطابق تمام خلفائے خطیب الاسلامؒ کی فہرست درج کردی ہے، اگر کوئی نام اس میں رہ گیا ہو تو اس کو سہو شمار کیا جائے۔

ملفوظات کی اہمیت وافادیت

اصلاح نفس کے باب میں اکابرین امت و بزرگان ملت علماء اور صالحین کے فرمودات و ارشادات اوران کے ملفوظات کی اہمیت وافادیت ایک ایسی ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جس سے کسی بھی ذی شعور انسان کے لئے انکار کی گنجائش نہیں، امت میں ہمیشہ بزرگوں کے ملفوظات کو قلمبند کرنے اوران کے ارشادات عالیہ کو محفوظ کرنے کا سلسلہ جناب رسول اللہ ﷺ ہی کے زمانے سے چلا آرہا ہے اوران سے ہر زمانے میں لوگوں نے فائدہ اٹھایا۔

اکابرین کے ملفوظات کو نقل اور محفوظ کرنے کا سلسلہ اس لئے اہمیت کا حامل ہے کہ ان کی زبان سے نکلے ہوئے کلمات ایسے پر تاثیر مبنی بر حکمت بصیرت افروز اور جامع ہوتے ہیں کہ ان کے قوت تاثیر ’از دل خیزد بردل ریزد‘ ہوتی ہے اور دل سے نکلے ہوئے یہ کلمات اپنی قوت تاثیر میں غیر معمولی اہمیت کے حامل بن کر فاتح قلوب بن جاتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ہمارے بزرگوں کی علمی و اصلاحی مجالس ہوا کرتی تھیں، اور حاضرین مجلس ان کے اقوال، ان کے ملفوظات اوران کی علمی گفتگو کو قلمبند کر کے محفوظ کر لیتے تاکہ جو اس مجلس میں حاضر نہیں وہ بھی ان مجالس کے افادہ سے محروم نہ رہ سکیں، ایسی پاکیزہ مجالس اور بزرگوں کی زبان سے اداء ہوئے کلمات کے متعلق حضرت حکیم الاسلام تحریر فرماتے ہیں

”اکابرین دیوبند نے اپنی طرف سے یہ کوئی نیا طریقہ ایجاد نہیں فرمایا تھا بلکہ یہ سلسلہ تو سرچشمۂ ہدایت سید المرسلین وخاتم النبیین ﷺ کے زمانے سے ہی چلا آرہا ہے، رسول اللہ ﷺ جب تشریف لاتے اور مسجد نبوی میں بیٹھ جاتے یا کبھی نماز بعد بیٹھ جاتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے سامنے مل کر بیٹھتے پھر صحابہ کرامؓ کو آپ دین کی ضروری باتیں بتلاتے، کبھی کبھی بعض صحابہ رضی اللہ عنہم آپ سے سوال کرتے اور کبھی آپ خود صحابہؓ سے سوال کرتے تھے، جب صحابہ کرامؓ جواب نہ دے پاتے تو فرماتے اللہ ورُسولہ اعلم۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی اس کی تشریح فرماتے تھے، آپ کی مجالس حسنہ سے علوم ومعرفت کا دریا نکلا اور صحابہ کرامؓ کو سیراب

کرتا ہوا پورے عالم میں پھیل گیا۔ صحابہ کرامؓ کا حافظہ قوی تھا، وہ حضرات آپ کی ہر بات یاد کرلیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے جانے کے بعد پھر وہی صحابہ آنے والی امت کے معلم اور مربی بنے، ان کے یہاں بھی مجالس کا سلسلہ جاری رہتا تھا، پھر تبع تابعین، ائمہ، علماء ربانیین اور اولیائے کرام نے بھی اس طریقہ کو اپنایا اور مجالس کا سلسلہ باقی رکھا، حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہما اور دیگر اولیاء کرام کے حالات زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات واضح طور پر معلوم ہوجاتی ہے کہ ان حضرات کے یہاں مجالس کا بہت اہتمام ہوتا تھا، ان حضرات کے خلفاء ان کے فرمودات اور ان کی مجالس کو پابندی کے ساتھ قلمبند فرماتے تھے، چنانچہ اس سلسلے میں ان اولیاء کرام کے ملفوظات اور فرمودات کی ضخیم ضخیم کتابوں کا تذکرہ ملتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجالس کا سلسلہ رسول مقبول ﷺ کے زمانے ہی سے چلا آرہا ہے اور ہمیشہ یہ سلسلہ مفید رہا ہے، اس لئے اس کو اسلافِ دیوبند نے اپنایا تھا۔ آج بھی ہمارے اکابر کے جو نمونے رہ گئے ہیں وہ حضرات بھی اس کو اپنائے ہوئے ہیں۔''

اسی طرح امت کے بہی خواہان اور اصلاح کی فکر رکھنے والے حضرات نے حضرت کے استاذ گرامی حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے زریں فرمودات کو قلمبند فرمایا اور پھر مسلسل برصغیر میں وہ چھپ رہے ہیں اور امت کی اصلاح کے باب میں شاہ کلید کی حیثیت رکھتے ہیں۔

حضرت خطیب الاسلام کے ملفوظات بھی اسی سلسلۃ الذہب کی ایک اہم کڑی ہیں، جو انتہائی مفید ہیں حضرت کے ملفوظات کو ہمارے محترم جناب حضرت مولانا مبین صاحب ٹانڈا ضلع رامپور نے ترتیب دے کر ندائے دارالعلوم وقف دیوبند میں قسط وار الگ الگ شماروں میں شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔ ان میں سے چند ملفوظات کو افادہ عام کے لئے شامل کتاب کیا جارہا ہے، اسی طرح بعض دیگر ملفوظات بھی اس میں شامل ہیں۔

زریں فرمودات

ملفوظ ۱: انبیاء کو منجانب اللہ علم

درحقیقت تمام انبیاء کو جتنا علم دیا گیا تھا وہ سب اور اس سے بھی زیادہ آپ کو عطا فرمایا گیا تھا اور اسی عطا شدہ علم کے مطابق آپ نے ہزاروں غیب کی باتوں کی خبریں دیں، جن کی سچائی کا ہر عام وخاص نے مشاہدہ کیا، اس کی وجہ سے یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو ہزاروں لاکھوں غیب کی چیزوں کا علم عطا کیا گیا تھا مگر اس کو اصطلاح قرآن میں علم غیب نہیں کہہ سکتے اور اس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو عالم الغیب نہیں کہا جا سکتا۔

ملفوظ ۲: علم محیط اور قدرت مطلقہ باری تعالیٰ کی صفت خاص

قرآن کریم نے اس کو واضح فرما دیا ہے کہ علم محیط جس سے کوئی ذرہ چھپا نہ رہے، اسی طرح قدرت مطلقہ کے ہر نفع ونقصان قبضہ میں ہو یہ صفت خاص ہے حق تعالیٰ کی۔ قرآن کریم میں نبی اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اس کا اعلان کریں کہ میں اپنے نفس کے لئے بھی نفع نقصان کا مالک نہیں دوسروں کے نفع نقصان کا کیا ذکر ہے۔ اسی طرح یہ بھی اعلان کر دیا کہ میں عالم الغیب نہیں ہوں کہ ہر چیز کا علم ہونا میرے لئے ضروری ہو اور اگر مجھے غیب ہوتا تو میں ہر نفع کی چیز کو ضرور حاصل کر لیا کرتا اور کوئی نفع میرے ہاتھ سے فوت نہ ہوتا اور ہر نقصان مجھے نہ پہنچتا۔

ملفوظ ۳: امت کی رہبری اور غلط فہمی سے حفاظت

درحقیقت ایسے واقعات کے ظاہر کرنے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ لوگوں پر عملاً یہ بات واضح کر دی جائے کہ انبیاء کرام اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ مقبول اور افضل خلائق ہیں مگر پھر بھی وہ خدائی علم وقدرت کے مالک نہیں تاکہ لوگ اس غلط فہمی کے شکار نہ ہو جائیں جس میں عیسائی اور نصرانی مبتلا ہو گئے اور اپنے رسول کو خدائی صفات کا مالک سمجھ بیٹھے اور اس طرح شرک میں مبتلا ہو گئے۔

ملفوظ ۴: علم غیب کا مفہوم

علم غیب کہتے ہیں درحقیقت اس علم کو جو بغیر کسی سبب کے حاصل ہو اور بغیر کسی سبب اور ذریعہ کے جو علم ہے وہ علم صرف اللہ کا ہے۔ حق تعالیٰ اپنے علم کے لئے نہ کسی پیغمبر اور ذریعہ کا محتاج، نہ کسی کتاب، نہ حواس خمسہ کا محتاج۔

برخلاف بندوں کے کہ بندے علم حاصل کرنے کے لئے کبھی استاد، کبھی کتاب، کبھی آنکھ، کبھی کان وغیرہ کے محتاج ہیں، قوت سماعت اور قوت بصارت وبصیرت نہ ہو تو علم حاصل نہیں ہوتا۔

گویا ہم ذریعوں کے محتاج ہیں حتی کہ پیغمبر بھی ذریعہ کے محتاج ہیں، یہ الگ چیز ہے کہ ان کا بہت ہی لطیف قسم کا ذریعہ ہے، جس کا نام ہے وحی۔

ملفوظ ۵: عظمت اولیاء کی بنیادی وجہ

حضرات اولیاء کرام کی عظمت صرف اس بنیاد پر کی جاتی ہے کہ وہ شریعت کے احکام پر پوری دلجمعی اور توجہ کے ساتھ عمل کرتے ہیں اور وہ ہر چیز کو چھوڑ کر شریعت پر عمل کرتے ہیں، اس لئے ہمارے دلوں کے اندر ان کا احترام پیدا ہوتا ہے اور یقیناً ان کا ادب واحترام پورا پورا کرنا چاہئے، ان کی مجالس میں شریک ہونا چاہئے، ان سے ملنا چاہئے، ان کی صحبت میں بیٹھنے سے آدمی کو حق تعالیٰ کی طرف سے توفیق ملتی ہے، ان کی معیت اختیار کرو، اس لئے کہ دل کے اندر جو بات پہنچتی ہے وہ دل سے ہی پہنچتی ہے، ان کے دل سے جو چیز پہنچے گی وہ دین ہوگا۔ ارشاد خداوندی ہے: اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے اور رہو سچوں کے ساتھ۔

ملفوظ ۶: صالحین کی صحبت میں نفع ہی نفع

اللہ والوں سے، نیک لوگوں سے رابطہ قائم رکھنا اور باقی رکھنا اور ان کے پاس جانا اور ان کے پاس بیٹھنا نفع سے خالی نہیں، یہ ضروری نہیں کہ وہ آپ سے باتیں ہی کرے، ان کے پاس بیٹھنا ہی آدمی کے لئے بڑی سعادت ہے اور یہ نیکی کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ توفیق خداوندی میسر آتی ہے، فوائد بھی اس کے اندر ہوتے ہیں اور آخرت کا فائدہ تو یقینی ہے لیکن بعض مرتبہ دنیوی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔

ملفوظ ۷: صالحین سے تعلق اور دین و دنیا درست

اللہ والوں سے تعلق پیدا کرنے کے نتیجہ میں آدمی کا دین تو سنورتا ہی ہے، دنیا بھی سنور جاتی ہے۔ آخرت تو بنتی ہی ہے، دنیا بھی بن جاتی ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ اہل اللہ سے تعلق رکھنا، آنا جانا، اٹھنا بیٹھنا اس کا دل پر اثر پڑتا ہے۔

ملفوظ ۸: صلاح کا مدار قلب پر

اصل چیز تو آدمی کا قلب ہے، فرمایا گیا کہ تمہارے بدن میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے، اگر وہ ٹھیک ہے تو تم سارے ٹھیک ہو اور اگر وہ خراب ہے تو تم خراب ہو۔ (الحدیث)

ملفوظ ۹: قلب و دل کا فساد اور دین و دنیا کی خرابی

دل کا راستہ اگر سیدھا ہو جائے اور اللہ کی مرضی پر چلنے کے قابل ہو جائے تو آدمی کا دین دنیا اور آخرت سب بنتے اور درست ہو جاتے ہیں اور اگر دل بگڑ جائے یا شیطان کی طرف مائل ہو جائے یعنی غلط راستہ پر چل پڑے تو دین و دنیا اور آخرت سب خراب۔

ملفوظ ۱۰: قرآن کریم کی رہنمائی اور دل میں نیکی کا جذبہ

دل میں نیکی کا جو راستہ آتا ہے وہ نیک لوگوں کی صحبت ہی سے آتا ہے، اسی لئے ہدایت فرمائی گئی کہ اہل اللہ اور اہل دل سے تعلق رکھو، سچوں کے ساتھ معیت اختیار کرو، صالحین کے ساتھ رابطہ قائم کرو، یہ سب سے بڑا ذریعہ بنتا ہے، دل کے سیدھا ہونے کا۔

ملفوظ ۱۱: بچپن کی بات زندگی بھر کام آتی ہے

قدیم دور کے اندر لوگ اپنے بچوں کو بھی اپنے ساتھ اپنے بزرگوں کے یہاں لے جایا کرتے تھے، وہاں بیٹھنے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ قلب پر اس (بچہ) کے بھی اثر پڑتا کہ نیکی کی طرف اس کا قلب مائل ہو جاتا، فلاں وقت میں نے یہ بات سنی تھی، ظاہر ہے کہ دلوں کے اندر جو چیزیں رچ جاتی ہیں اور بس جاتی ہیں وہ آئندہ پوری زندگی کے اندر کام آتی ہیں۔

ملفوظ۱۲: بزرگوں کی صحبت سے تکبر ختم ہوجاتا ہے

سب سے اہم چیز یہ ہے کہ بزرگوں کی صحبت سے آدمی کے قلب سے تکبر سے نکل جاتا ہے، انسان کو سب سے زیادہ برباد کرنے والی چیز جو ہے وہ ہے تکبر۔ آدمی کو تکبر برباد کردیتا ہے، متکبر اپنی نظروں میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے اور دنیا کی نگاہوں میں حقیر وذلیل ہوتا ہے اور جو تواضع کرتا ہے وہ اپنے آپ کو حقیر سمجھتا ہے، ذلیل سمجھتا ہے لیکن دنیا کی نگاہوں میں اللہ تعالیٰ اس کو عزت دیتا ہے۔

ملفوظ۱۳: عزت تواضع میں

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے دنیا میں عزت کو تواضع کے اندر رکھا ہے، فرمایا: من تواضع الله رفعه الله اللہ کے لئے جو تواضع کو اختیار کرتا ہے اللہ اس کو عزت عطا فرمادیتا ہے۔

ملفوظ۱۴: تواضع کا حصول

بزرگوں کے اندر چوں کہ تواضع ہوتی ہے، خاکساری ہوتی ہے تو ان کے پاس بیٹھنے والوں کو سب سے بڑا فائدہ یہ ہوتا کہ ان پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے، صحبت میں بیٹھنے والوں میں بھی یہ صفت پیدا ہوجاتی ہے۔

ملفوظ۱۵: غروراور تکبر کا زبردست نقصان

غرور اور تکبر سے نیکی کا جذبہ نیکی کا داعیہ، نیکی کا ارادہ اور دل کا سیدھا ہونا یہ تمام چیزیں ضائع اور ختم ہوجاتی ہیں اور اگر اہل اللہ اور اہل دل کی صحبت سے تواضع میسر آگئی تو آدمی کو اللہ کی طرف سے توفیق ملتی ہے اور اس کے قلب میں نیکی کرنے کا جذبہ پیدا ہوجاتا ہے۔

ملفوظ۱۶: مدارس علماء کرام اور صحاب صفہ

مدارس عربیہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کو پھیلانے کے مرکز ہیں، علماء کرام کو انبیاء کا وارث فرمایا گیا ہے، دینی مدارس کے علماء اصحاب صفہ کی سنت کو زندہ رکھے ہوئے ہیں، حضور اکرم ﷺ کے علوم ومعارف کی تعلیم سے رجال کار تیار کررہے ہیں، اجتماعات اور جلوسوں کے ذریعہ دعوت وتبلیغ کا اہم فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

ملفوظ ۱۷: اللہ والوں سے تعلق اور ایمان کی ترقی

اللہ والوں سے تعلق رکھنا اور ان کی صحبت اختیار کرنا، ان کی معیت سے مستفید ہوتے رہنا، اور ترقی روحانیت کرتے رہنا ایمان کو بڑھاتا ہے، یہ سلسلہ صوفیاء کرام کے یہاں سے جاری ہے اور ایمان کی ترقی ہوتی ہے اور انقباض کا علاج ہوتا ہے صوفیاء کرام بھی مریضان نفوس کا علاج کرتے ہیں۔

ملفوظ ۱۸: روحانی قبض اور اذکار

چوں کہ بعض اوقات یہ روحانی قبض پیدا ہو جاتا ہے تو بعض مرتبہ تو یہ رفع ہو جاتا ہے اذکار کی تبدیلی سے اور کیفیتیں بدل جاتی ہیں، بعض اوقات دوسرے طریقے بھی ہوتے ہیں۔

ملفوظ ۱۹: اہل اللہ اور قرب وجوار پر رحمت

امام الدین جو حضرت نانوتویؒ کے خادم خاص تھے انہوں نے حضرت سے سوال کیا کہ حضرت بعض لوگ دنیا میں وصیت کر کے جاتے ہیں دیکھو جب ہم مرجائیں تو فلاں بزرگ کے پاس دفن کرنا ان کے قبرستان میں دفن کرنا یہ بات سمجھ میں نہیں آتی وہ بزرگ ہیں تو اپنے لیے پھر اس وصیت کا کیا فائدہ، حضرت نے فرمایا اچھی بات ہے آپ کا جواب دیں گے کچھ دیر کے بعد حضرت (نانوتویؒ) نے پوچھا کہ امام الدین یہ پنکھا کس کو جھل رہے ہیں، امام الدین نے کہا کہ حضرت آپ کو جھل رہا ہوں حضرت نے فرمایا کہ ہوا تو سب کو لگ رہی ہے انھوں نے کہا کہ حضرت پنکھا تو آپ ہی کو جھل رہا ہوں، یہ آپ کے طفیل سے ان کو بھی ہوا لگ رہی ہے، حضرت نے فرمایا یہ آپ کے سوال کا جواب ہے، اہل اللہ پر جب رحمت کی ہوا چلے گی تو جو اہل اللہ کے قرب وجوار میں ہوں گے وہ بھی ان کی برکت سے مستفید ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

ملفوظ ۲۰: نئی نسل اور صالحین کی صحبت

ضرورت ہے اس بات کی کہ اپنی نئی نسل کو صحیح علم سے آراستہ کر کے ان کو صالحین کی صحبت میں بھیجنے کی کوشش کریں اس کے بغیر ظاہر بات ہے کہ صلاح کا پیدا ہو جانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ملفوظ ۲۱: صالحین کی صحبت سب کو مفید

صالحین کی صحبت میں اگر جاہل مطلق بھی بیٹھ جاتا ہے تب بھی وہاں سے بہت کچھ لے کر نکلتا ہے اہل علم تو لے آتے ہی ہیں، لیکن جاہل بھی محروم نہیں رہتا۔

ملفوظ ۲۲: ملک کے تین اسلامی مکاتب فکر

ملک کے تین اسلامی مکاتب فکر ہیں اولین مکتب فکر ولی اللہی دہلی میں تھا جس نے دین کے مصدر ثانی ''علم حدیث'' کو شرح کتاب اللہ کی حیثیت سے پیش کرنے کا اس دور میں اہم فریضہ اس وقت ادا کیا کہ جب حتمی اور قطعی اور یقینی مرادات کو واضح کرنے والے حدیث رسول اللہ ﷺ سے کتاب اللہ کو علماء سوء یکسر منقطع کر کے اور کتاب اللہ کو اپنی زرطلبی اور جاہ طلبی کی حقیر وذلیل اغراض فاسدہ کے لیے ایسا قوی وسیلہ بنا رکھا تھا کہ اس کے برخلاف آواز اٹھانا دعوت مبارزت کے مترادف بنا ہوا تھا، دوسری جانب لکھنؤ فقہ اور اصول فقہ کا ملک گیر مکتب فکر تھا فقہی ذوق رکھنے والے فضلاء لکھنو سے مستفید ہوتے تھے، اور تیسرا منطق وفلسفہ کا معقولی مکتب فکر ''خیر آباد'' تھا اس لیے معقولات سے مناسبت رکھنے والے خیر آباد کا رخ کرتے تھے۔

ملفوظ ۲۳: حضرت نانوتوی کی فراست ایمانی اور قیام دارالعلوم دیوبند

ان تینوں مکاتب فکر کے ختم ہو جانے کے بعد حضرت نانوتویؒ کا قلب وذہن اس کی امکانی تلافی پر مرکوز تھا جو ایک نئے مرکز علم ودین کی تاثیر کے بغیر ممکن نہیں تھا اور حضرت الامام کا یہ عمل الہام خداوندی سے مؤید تھا اس لیے آپؒ اپنے اس عزم صمیم کو اپنی فراست ایمانی سے اس طرح معرض وجود میں لائے کہ دیوبند جیسی چھوٹی سی بستی میں ایک چوٹی سی مسجد چھتہ کے نام سے معروف ہے اس میں ایک انار کے درخت کے نیچے صرف ایک استاد محمود کے ذریعہ اس عالمگیر مرکز علم ودین کی تاسیس فرمائی۔

ملفوظ ۲۴: حضرت نانوتوی اور فائق ترین امتیاز

بانی دارالعلوم دیوبند حضرت الامام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے بے شمار امتیازات میں یہ امتیاز سب سے فائق تر قرار دیئے جانے کے مستحق ہے کہ آپ نے اپنے قائم فرمودہ بلند معیار (حدیثی مکتب فکر دارالعلوم دیوبند) میں ملک کے اہم ترین منتشر ومندرس مکاتب کو سرزمین دیوبند پر جمع فرما

کر حسب تقاضائے وقت ایک جامع ترین علمی اور دینی مجموعہ مکاتب فکر ملت اسلامیہ کو عطا فرمایا، اور اس طرح آپ نے نہ صرف عظیم نقصان کی عظیم ترین تلافی ہی فرمادی، بلکہ ہندوستان میں اسلام کا نام تک ختم کر دینے کے انگریزی ناپاک عزائم کو بھی ہمیشہ کے لیے خاک میں ملا دیا۔

ملفوظ ۲۵: علم وعشق کی باہم آمیزی ضروری

نہ تنہا (علم) مسائل انسانیت کا حل ہے اور نہ تنہا (عشق) کیونکہ یہ امر مشاہد اہل علم کے لیے مسلم حقیقت ہے کہ شرک وکفر نے جب بھی جنم لیا ہے تو وہ علم بے عشق ہی کے بطن سے جنم لیا ہے، اور بدعت جب بھی معرض وجود میں آتی ہے تو ہمیشہ اس کا ذریعہ تخلیق ''عشق بے علم'' ہی بنا ہے، لہٰذا علم وعشق کی باہم آمیزی کے معنی یہ ہیں کہ عشق علم کو تواضع آمیز کر کے صحت و پرتاثیری عطا کرتا ہے اور علم اتباع سنت کی راہ نمائی کے ذریعہ عشق کو وسیلۂ قرب ومعرفت بناتا ہے اور ماضی کی طرح آج بھی ملت اسلامیہ میں علم بے عشق جو فتنے جگا رہا ہے اور ایسے ہی عشق بے علم کی کوکھ سے جن نو ایجاد بدعات کی روز بروز تولید ہو رہی ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔

ملفوظ ۲۶: فکر قاسمی کا بنیادی نقطۂ امتیاز

جامع ترین اسلامی فکر قاسمی کا وہ بنیادی نقطۂ امتیاز جس کو ہر دور میں وارثین فکر قاسمی کے اکابر و اصاغر نے بقوت سنبھالا ہے وہ ملت اسلامیہ میں مکاتب فکر کی تولید پر چراغ پا نہ ہو کر ان کی اصلاح کی جدوجہد کرنا ہے۔

ملفوظ ۲۷: صبر وتحمل اولوالعزمی کی بات ہے

اس راستہ میں اگر کوئی تم کو برا بھلا کہے تو حق تو تمہیں بھی ہے کہ تم بھی اسی طرح ڈانٹ دو۔

﴿**وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ماعوقبتم به**﴾(سورۃ النحل:۱۲۵)

ترجمہ: وراگر بدلہ لو تو بدلہ لو اسی قدر جس قدر تم کو تکلیف پہنچائی جائے۔

لیکن قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: اگر تم صبر وتحمل سے کام لو تو یہ اولوالعزمی کی بات ہے۔

ملفوظ ۲۸: انبیاء میں مصائب اور تحمل مضرات

انبیاء علیہم السلام نے بڑی بڑی مصیبتیں جھیلی ہیں، ان کو گالیاں دی گئیں، برے بھلے جملے کہے

گئے، برے برے الفاظ سے ان کو یاد کیا گیا۔ حضرت نبی کریم ﷺ کو ساحر، مجنون کہا گیا اور ایذاء رسانی کے تمام طریقے جمع کئے گئے، اوجھ آپ کے سر مبارک پر ڈالی گئی اور مجبور کیا گیا لیکن آپ ﷺ نے صبر وتحمل فرمایا۔

ملفوظ ۲۹: حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اوران کے فرائض منصبی

حضرات انبیاء علیہم السلام کا پہلا فرض منصبی لوگوں کو اللہ کی طرف بلانا ہے۔ قرآن کریم میں رسول اللہ کی خاص صفت داعی الی اللہ ہونا بیان کی گئی ہے، درحقیقت تعبیر میں کبھی اس لفظ کو دعوت الی اللہ کا عنوان دیا جاتا ہے اور کبھی دعوت الی الخیر کا اور کبھی دعوت الی سبیل اللہ کا۔ حاصل سب کا ایک ہے، کیوں کہ اللہ کی طرف بلانے سے مراد اس کے دین اور صراط مستقیم ہی کی طرف بلانا ہے۔

ملفوظ ۳۰: حضور نبی اکرم ﷺ اور دعوت وتبلیغ میں آپ کا طریق

حضرت نبی اکرم ﷺ دعوت وتبلیغ، وعظ ونصیحت میں اس کا غیر معمولی لحاظ رہتا تھا کہ مخاطب پر بار نہ ہونے پائے۔ حضرات صحابہ کرامؓ جیسے عشاق رسول جن سے کسی وقت بھی اس کا احتمال نہ تھا کہ وہ آپ کی باتیں سننے سے اکتا جائیں گے ان کے لئے بھی آپ کی عادت یہ تھی کہ وعظ ونصیحت روزانہ نہیں بلکہ ہفتہ کے بعض دنوں میں فرماتے تھے تاکہ لوگوں کے کاروبار کا حرج اوران کی طبیعت پر بار نہ ہو۔

ملفوظ ۳۱: فضلائے مدارس اور بقدر کفاف وسیلۂ معاش

مدارس اسلامیہ میں دینی احکام وہدایات ربانی کے تحت فضلاء چوں کہ ابتداء ہی سے مخلصانہ خدمت دین پر آخرت کی دائمی راحتوں کا ذریعہ ہونے کا یقین لئے ہوئے ہوتے ہیں، اس لئے معاش کے بارے میں اس عقیدے کے تحت کہ رازق مطلق صرف اللہ تعالیٰ ہے، وہ خدمت دین کے ذریعہ حاصل ہوجانے والے بقدر کفاف وسیلۂ معاش پر الحمد للہ پورے طور پر مطمئن رہتے ہیں۔

ملفوظ ۳۲: تعلیم اور میدان علم بقدر صلاحیت

ہر تعلیم اپنا میدان عمل بقدر صلاحیت خود بناتی ہے۔ ہمارے فضلاء کا بھی اس طبعی اصول کے تحت میدان عمل ان کی صلاحیت کار کے بقدر ہی ہوتا ہے، وہ تدریس وافتاء، تقریر وخطابت، تصنیف

وتالیف، تحقیق، سیاست، وارثت، صنعت وتجارت اور حرفت وزراعت وغیرہ کے ہر میدان میں دیانت وامانت کے ساتھ کامیاب ہیں۔

ملفوظ ۳۳: انبیاء کرام اور ان کو من جانب اللہ علم

درحقیقت قرآن کریم نے یہ بھی واضح فرمادیا کہ انبیاء نہ قادر مطلق ہوتے ہیں نہ عالم الغیب بلکہ ان کو علم وقدرت کا اتنا ہی حصہ حاصل ہوتا ہے جتنا من جانب اللہ ان کو دیدیا جائے۔ ہاں اس میں شک وشبہ نہیں کہ جو حصہ ان کو عطا ہوتا ہے وہ ساری مخلوقات سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ خصوصاً نبی کریم ﷺ کو اولین وآخرین کا علم عطا فرمایا گیا تھا۔

ملفوظ ۳۴: داعیانِ حق کے لئے ایک اہم ہدایت

درحقیقت قرآن کریم میں داعیانِ حق کے لئے ایک اور اہم ہدایت ہے وہ یہ کہ بعض اوقات ایسے سخت دل جاہلوں سے سابقہ پڑتا ہے کہ ان کو کتنی ہی نرمی اور خیر خواہی سے بات سمجھائی جائے وہ اس پر بھی مشتعل ہوجاتے ہیں، زبان درازی کرکے ایذاء پہنچاتے ہیں اور بعض اوقات اس سے بھی تجاوز کرکے ان کو جسمانی تکلیف پہنچانے بلکہ قتل تک سے بھی گریز نہیں کرتے۔

ملفوظ ۳۵: قانونی حق ہے مگر صبر کرنا بہتر ہے

ایسے حالات میں ان دعوت حق دینے والوں کو کیا کرنا چاہئے۔ اس کے لئے وَ اِنْ عَاقَبْتُمْ الخ میں ایک تو ان حضرات کو قانونی حق دیا گیا کہ جو آپ پر ظلم کرے، آپ کو بھی اس سے اپنا بدلہ لینا جائز ہے، مگر اس شرط کے ساتھ کہ بدلہ لینے میں مقدار ظلم سے تجاوز نہ ہو، جتنا ظلم اس نے کیا ہے اتنا ہی بدلہ لیا جائے، اس میں زیادتی نہ ہونے پائے۔ اور یہ مشورہ بھی دیا کہ اگرچہ آپ کو انتقام لینے کا حق بھی ہے لیکن صبر کریں اور انتقام نہ لیں تو بہتر ہے۔

ملفوظ ۳۶: معلمیت کیا ہے؟

اسلام کی بنیاد حقائق وبراہین پر ہے، معلمین کو چاہئے کہ وہ طلبہ کو سوال کی آزادی دیں کیوں کہ یہ علمی ترقی کی ابتداء ہے اگر استاذ طالب علم کو سوال سے روکے تو یہ اپنے مذہب سے بددیانتی ہوگی، طلبہ درجہ میں آزاد ہوتے ہیں، سوال کے لئے اور اساتذۂ کرام پابند ہوتے ہیں جواب دینے کے لئے۔

اساتذۂ کرام کے اوپر ایک تکمیل مسلم کی ذمہ داری ہے درجات کے اندر اور ایک تکمیل ادب و ذکر کی ذمہ داری ہے درجہ سے باہر اور مدرسہ کے ماحول کے اندر رہتے ہوئے ان دونوں ذمہ داریوں کو پورا کرنے کا نام درحقیقت معلمیت ہے۔

ملفوظ ۳۷: دارالعلوم امانتِ الٰہی

دارالعلوم ایک امانت الٰہی ہے، اس کی تعمیر تقویٰ کی اینٹوں سے ہوئی ہے، اس کا سنگ بنیاد رکھنے والے امراء اور اغنیاء نہ تھے بلکہ اس کی بنیاد ڈالنے والے چند مقدس نفوس فقراء اور اہل اللہ تھے، اس لئے اس کی حفاظت ان ہی کے اصول اور نقشِ قدم پر ہونی چاہئے اور سب ہی کو مل کر اس کی حفاظت کرنی چاہئے۔

ملفوظ ۳۸: حجت تشریعیہ اور حجت تفریعیہ

اجماع اور قیاس حجت تفریعیہ ہیں اور اللہ اور سنت رسول اللہ حجت تشریعیہ ہیں۔

حجت تشریعیہ وہ کہلائے گی جو اپنی حجت کے اندر غیر کی محتاج نہ ہو اور حجت تفریعیہ وہ کہلائے گی جو اپنی حجت کے اعتبار سے کسی دوسرے کی محتاج ہو تو اجماع اور قیاس اپنی حجت کے اندر دوسرے کے محتاج ہیں، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ محتاج نہیں۔

ملفوظ ۳۹: شکرگزار ہمیشہ راحتوں میں

اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرما دیا ہے کہ اگر تم نے میری نعمتوں کا شکر ادا کیا کہ ان کو میری نافرمانیوں اور ناجائز کاموں میں خرچ نہ کیا اور اپنے اعمال وافعال کو میری مرضی کے مطابق بنانے کی کوشش کی تو میں ان نعمتوں کو اور زیادہ کردوں گا۔ یہ زیادتی نعمتوں کی تعداد میں بھی ہے اور ان کی بقاء ودوام میں بھی۔ رسول کریمؐ نے فرمایا کہ جس شخص کو شکر ادا کرنے کی توفیق ہوگئی وہ کبھی نعمتوں میں برکت اور زیادت سے محروم نہ ہوگا اور فرمایا کہ اگر تم نے میری نعمتوں کی ناشکری کی تو میرا عذاب بھی سخت ہے۔

ملفوظ ۴۰: تجدید دین کا مفوم

حق تعالیٰ اس امت کے لئے ہر سو سال کے بعد مجددین بھیجے گا جو اس دین کی تجدید فرمائیں گے، دین کی تجدید کے یہ معنی نہیں کہ وہ کوئی نیا دین پیش کردیں گے بلکہ مراد اس کے اندر یہ کہ وہ دین

قدیم کو بدلائل جدید دنیا کے سامنے پیش کریں گے اس لئے جدت پسندی کی رعایت بھی کرنی ہے تو دلائل کے ذریعہ سے ہوگی دین کے اندر نہیں ہوگی، دین قدیم ہوگا دلائل جدید ہوں گے اس کے اندر تو دین قدیم کو دلائل جدیدہ سے پیش کریں گے۔

ملفوظ ۴۱: دین اور حفاظت دین کی صلاحیت

دین کے لئے اللہ تعالیٰ نے فقط شخصیات ہی کو منتخب نہیں کیا اس لئے کہ دین دائمی تھا اور شخصیات دائمی نہیں ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے دین کو محفوظ رکھنے کی صلاحیت خود دین کے اندر مہیا فرمادی، کوئی بھی حفاظت کرنے والا نہ ہوتو یہ دین اپنا محافظ خود ہے، اس لئے کہ یہ حجتوں کا دین ہے، یہ دلائل کا دین ہے، یہ براہین کا دین ہے اور حجت و براہین کی طاقت وہ ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کو چیلنج نہیں کرسکتی۔

ملفوظ ۴۲: دلائل شرعیہ

کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ، اجماع اور قیاس یہ چار دلائل ہیں لیکن ان چار دلائل میں اصل دلیل جو ہے وہ درحقیقت کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ ہے کہ یہ بنیادی دلائل ہیں اور ان کو کہا جائے گا بنیادی دلائل ان کو اپنی حجیت کے اندر کسی دوسرے کی مدد کی ضرورت نہیں، کسی دوسرے کی تائید کی ضرورت نہیں، کتاب اللہ بذات خود حجت ہے، سنت رسول اللہؐ بذات خود حجت ہے بخلاف اجماع اور قیاس کے۔

اجماع اس وقت میں حجت ہے جب کہ اس کی تائید کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے ہو جائے۔ اگر تائید ہوتی ہے تو اجماع ''اجماع معتبر'' ہے اور اگر تائید نہیں ہوتی تو اجماع دیوار پر مار دینے کے لائق ہوگا۔

ٹھیک اسی طریقہ پر قیاس ہے، قیاس وہ معتبر ہے جس کی بقا کتاب اللہ، سنت رسول اللہ میں موجود ہوں۔ اگر موجود ہے تو قیاس معتبر ہے اور اگر نہیں تو وہ دیوار پر مار دینے کے لائق ہے۔

ملفوظ ۴۳: کتاب اللہ کا مقام عظمت اور صاحب نبوت کا امین ہونا

کتاب اللہ درحقیقت اپنے مقام عظمت کے اعتبار سے اتنا اونچا کلام ہے کہ اس کی عظمت بھی اللہ تعالیٰ نے ہی بیان فرمائی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ پر نزول وحی ہوتا ہے، آپ جلدی جلدی یاد کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حضرت جبرئیل امین سناتے۔ ارشاد فرمایا:

﴿لاَ تُحَرِّکْ بِہٖ لِسَانَکَ لِتَعْجَلَ بِہٖ، اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَ قُرْآنَہٗ﴾

(سورہ القیامۃ: ۱۶، ۱۷)

آپ قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے تاکہ آپ اس کو جلدی جلدی لیں، ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کر دینا اور پڑھوا دینا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ صاحب نبوت الفاظ کے بارے میں بھی امین ہیں اور معنی کے اعتبار سے بھی صاحب نبوت کو اللہ نے امین قرار دیا ہے، نہ الفاظ کے بارے میں اختیار اور نہ معنی کے بارے میں اختیار اس کو دیا گیا۔

ملفوظ ۴۴: نیکی اور گناہ کی نقد جزاء اور سزا

درحقیقت ایک نیکی دوسری نیکی کو دعوت دیتی ہے اور ایک بدی دوسری بدی کو اور گناہ کو ساتھ لے آتی ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے، نیکی کی ایک نقد جزاء یہ ہے کہ اس کے بعد اس کو دوسری نیکی کی توفیق ہوتی ہے۔ اسی طرح گناہ کی ایک نقد سزا یہ ہے کہ ایک گناہ کے بعد اس کا دل دوسرے گناہوں کی طرف مائل ہونے لگتا ہے۔

ملفوظ ۴۵: امت محمدیہ اور اہم خصوصیات

حق تعالیٰ نے کچھ خصوصیات سے آپ کو نوازا ہے جس میں آپ سب شامل ہیں بحمد للہ جس میں پہلی خصوصیت یہ سمجھئے کہ آپ جس دین کو لئے ہوئے ہیں یہ دین اللہ کا آخری دین ہے، جس شریعت کے آپ حامل ہیں یہ اللہ کی آخری شریعت ہے، جس کتاب کو آپ سنبھالے ہوئے ہیں یہ اللہ کی آخری کتاب ہے، اور جس ذات مقدس نے لاکر یہ پیغام کامل آپ کے سامنے پیش فرمایا وہ ذات نبوت کے اعتبار سے آخری پیغمبر ہیں۔ اس کے معنی یہ کہ ان سب چیزوں کے آخریت نے آپ کو بھی آخری بنا دیا۔ آپ آخری امت ہیں، اس کے بعد دنیا کے اندر کوئی امت آنے والی نہیں، اب جو امت ہے وہ امت محمد رسول اللہ ہے۔

نبوت ایک عالی شان محل کی طرح ہے جس کے ارکان انبیا علیہم السلام ہیں۔ آنحضرت ﷺ سے پہلے یہ محل بالکل تیار ہو چکا تھا اور اس میں صرف ایک اینٹ کے سوا کسی اور قسم کی گنجائش تعمیر میں باقی نہیں تھی۔ نبی کریم ﷺ نے اس جگہ کو پر کر کے قصر نبوت کی تکمیل فرما دی۔ اب اس میں نہ کسی

نبوت کی گنجائش ہے نہ رسالت کی ، اگر نبوت یا رسالت کی کچھ اقسام مان لی جائیں تو اب ان میں سے کسی قسم کی گنجائش قصر نبوت میں نہیں ہے۔

ملفوظ ۴۶: حق گوئی ختم ہوتے ہی قیامت قائم

قیامت قائم ہوجائے گی ''لاتقوم الساعة حتی یقال فی الارض اللہ اللہ'' اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک دنیا کے اندر ایک بھی اللہ اللہ کہنے والا موجود ہو۔

جس کے معنی یہ کہ حق گوئی کی زبان جب تک زندہ ہے اس وقت تک قیامت قائم نہیں ہوگی ، دنیا باقی ہے اور جب وہ ختم ہوجائے گی تو کائنات پر موت طاری کردی جائے گی ، اس کا نام قیامت ہے ۔حق کے ذریعہ یہ دنیا قائم ہے لیکن اسی کے ساتھ ساتھ انبیاء پہلے بھی آئے اور آنے کے بعد وہ رخصت بھی ہوتے گئے لیکن سوال یہ کہ ان کے جانے کے بعد قیامت قائم نہیں ہوئی وجہ اس کے اندر یہ کہ انبیاء کرام رخصت ہوئے ، ان کی شریعت رخصت ہوئی لیکن حق رخصت نہیں ہوا۔

اس لئے کہ سلسلۂ نبوت قائم تھا اور سلسلۂ نبوت یوں قائم تھا کہ دعوت باقی تھی اللہ کی جانب سے۔

اس سے ظاہر ہے کہ قیامت قائم ہونے کا کوئی سوال نہیں تھا لاکھوں پیغمبر آئے دنیا کے اندر لیکن ظاہر ہے کہ حق باقی رہا، اس لئے کہ ایک کے بعد دوسرا، دوسرے کے بعد تیسرا آتا رہا، لیکن آپ ﷺ کے بعد درحقیقت یہ خصوصیت پیدا ہوجاتی ہے کہ آپ کے اندر سب چیزیں آخری ہیں ، اب کوئی نبوت آنے والی نہیں ہے، یہ آخری طور پر آچکا ہے دنیا کے اندر، جس کا نام ہے اسلام، اب کوئی دعوت آنے والی نہیں ہے حق تعالیٰ کی طرف سے، اور انبیاء کرام کا سلسلہ ہوگیا ہے ختم۔

ملفوظ ۴۷: ناشکری کرنے والا مایوس نہ ہو

حق تعالیٰ شانہ نے شکر گزاروں کے لئے تو یہ اجر وثواب اور نعمت کی زیادتی کا وعدہ اور وہ بھی بلفظ تاکید وعدہ فرمایا ہے لَأَ زِيْـدَنَّـكُـمْ لیکن اس کے بالمقابل ناشکری کرنے والوں کے لئے یہ نہیں فرمایا کہ لَأُ عَـذِّبَنَّكُمْ یعنی میں تمہیں ضرور عذاب دوں گا، جبکہ صرف اتنا فرما کر ڈرایا ہے کہ میرا عذاب بھی جس کو پہونچے وہ بہت سخت ہوتا ہے، اس خاص تعبیر میں اشارہ ہے کہ ناشکرے کا گرفتار عذاب ہونا کچھ ضروری نہیں معافی کا بھی امکان ہے۔

ملفوظ ۴۸: تہجد کا وقت اور حق تعالیٰ کی عطاء

هَلْ مِنْ مّستغفر کوئی مغفرت کا مانگنے والا ہے؟

هل مِنْ مستَرزق کوئی رزق کا مانگنے والا ہے؟

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مغفرت کا مانگنے والا، رزق مانگنے والا ہو، جس کے ہاتھ اٹھے ہوئے ہوتے ہیں، مغفرت اور رزق مانگتے ہوئے تو حق تعالیٰ فرشتوں کو گواہ بناتے ہیں کہ اے میرے فرشتو! میرا بندہ مغفرت اور رزق مانگ رہا ہے، تم گواہ رہو میں نے ان کی مغفرت کردی، میں نے اس کو عطا فرمایا۔

گویا نعمتوں کا تذکرہ کیا جارہا ہے جو جو نعمتیں انسان مانگے گا حق تعالیٰ اس کو عطا فرمائے گا۔ بہرحال اس وقت (تہجد کے وقت) عطاء کی بارش ہوتی ہے، یہ وقت آپ کو روزانہ دیا جارہا ہے، گویا آپ کی مدد کی گئی، زبان کے ذریعہ بھی اور مکان کے ذریعہ بھی۔ یہی درحقیقت عبدیت ہے، بندگی ہے، عاجزی ہے۔

ملفوظ ۴۹: طبیعت کے خلاف مرغوب چیزیں اور انسان کی آزمائش

﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾(سورة آل عمران: ۱۸۵)

ہر نفس موت کا مزہ چکھنے والا ہے۔

درحقیقت قرآن کریم نے اس کی وضاحت کی ہے کہ ہم شر اور خیر دونوں کے ذریعہ انسان کی آزمائش کرتے ہیں۔ شر سے مراد ہر خلاف طبع چیز ہے جیسے بیماری، رنج وغم، فقر وفاقہ اور خیر سے مراد اس کے مقابل ہر مرغوب طبع چیز ہے جیسے صحت وعافیت، خوشی وراحت، غذا واسباب عیش وغیرہ۔

یہ دونوں طرح کی چیزیں اس دنیا میں انسان کی آزمائش کے لئے آتی ہیں کہ شر یعنی خلاف طبع امور پر صبر کرکے اس کا حق ادا کرنا ہے اور خیر یعنی مرغوب خاطر چیزوں پر شکر کرکے اس کا حق ادا کرنا ہے۔ آزمائش یہ ہے کہ کون اس پر ثابت قدم رہتا ہے کون نہیں رہتا؟

ملفوظ ۵۰: موت اور مشیت باری عزوجل

ایک عجیب حکمت تو یہ ہے کہ جانے والے دنیا سے جاتے ہیں تو حق تعالیٰ کی مشیت آنے والوں سے کام لینے کے لئے راہیں ہموار کرتی ہے اور بنیاد درحقیقت یہ ہوتی ہے کہ ہر دور کا ایک تقاضہ ہوتا

ہے، ہر دور کی ایک ضرورت ہوتی ہے۔ اس دور کے اندر اسی قسم کے افراد کو اللہ تعالیٰ پیدا فرما دیتے ہیں اور جب تقاضے دور کے بدل جاتے ہیں، ضرورتیں تبدیل ہو جاتی ہیں تو افراد کو بھی اللہ تعالیٰ تبدیل فرما دیتے ہیں، نئی نسل کو جو صلاحیتیں ودیعت کی جاتی ہیں ان کے ظہور کا وقت آتا ہے کہ وہ اپنے پچھلوں کے خلف بنیں۔

ملفوظ ۵۱: علم وذکر اور دل ودماغ کی غذا

انسانیت کا امتیاز درحقیقت یہ ہے کہ آپ سوز عشق بھی لے کر آئے ہیں اور کیف علم بھی لے کر آئے، اسی لئے سینہ کے اندر دھڑکتا ہوا دل لے کر آئے اور سر کے اندر پھڑکتا ہوا دماغ بھی لے کر آئے ہیں۔ دونوں کی غذا اپنی اپنی جگہ پر الگ الگ ہے۔

دماغ اپنی غذا مانگتا ہے اور قلب اپنی غذا مانگتا ہے، پیٹ اپنی غذا مانگتا ہے، آپ اس پیٹ کو گیہوں دیتے ہیں، چنا دیتے ہیں، چاول دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اسی طریقے پر یہ دو بھوکے اور بھی ہیں، ایک یہ دل بھوکا ہے اور ایک دماغ بھوکا ہے اور دونوں کی غذا جداگانہ ہے۔ دماغ کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، درحقیقت اس کی غذا ہے قلب اور دل کی غذا ہے درحقیقت ذکر خوانی۔

ملفوظ ۵۲: اکابر اور عظیم ترین احسان (قیام مدارس)

ہمارے اکابر نے ہمارے اوپر لاتعداد احسانات کئے، ان میں ایک عظیم ترین احسان یہ ہے کہ مدرسوں کا قائم کرنا سکھلایا اور قائم کرنا سکھلانے کے یہ معنی کہ ان اسلاف نے جو مدرسے قائم کئے ان درسگاہوں کے اندر عشق کو زندہ کیا اور ماحول مدرسہ کے اندر فکر کو زندہ فرمایا، جسکے معنی یہ کہ درسگاہ کے اندر تو صورت یہ رکھی کہ استاد پابند ہے اور شاگرد آزاد ہے۔ آزادی کا مطلب یہ ہے کہ شاگرد جس انداز فکر پر جو سوال کرے استاذ کا فرض ہے کہ اس صورت کے اندر اس کو جواب دے کر مطمئن کرے۔

ملفوظ ۵۳: تعلیم وتبلیغ کا موضوع اور مفہوم

تعلیم کہتے ہیں کتاب وسنت کی مرادات اور مقاصد کو مع دلائل کے سمجھنا اور تبلیغ کا موضوع نفس دین پہنچانا ہے کہ بھائی دین پر قائم رہو، تعلیم کا موضوع خصوصی ہے کہ اس کے دلائل کیا ہیں، اس کے وجوہ کیا ہیں؟ اور کتاب وسنت سے یہ باتیں کس طرح نکلتی ہیں، ہر مسئلہ کو سمجھایا جائے، عقائد کو بھی اور

مسائل کو بھی، یہ موضوع ہے تعلیم کا اور تبلیغ کا موضوع عمومی ہے، صرف احکام شریعت عوام تک پہنچائے جائیں اوران کے سامنے یہ رکھا جائے کہ فرائض وواجبات پرعمل کرو۔

ملفوظ ۵۴: عالم دین اور داعی حق کا مستقبل

علم دین اور دعوت حق میں اشتغال رکھنے والا یا تو اصول صحیحہ کے تابع اور مہلک خطرات سے مجتنب رہ کر سعادت ابدی حاصل کر لیتا ہے یا پھر اس مقام سے گرتا ہے تو شقاوت ابدی کی طرف جاتا ہے، اس کا درمیان میں رہنا بہت مستبعد ہے کیوں کہ جو علم نافع نہ ہو وہ عذاب بھی ہے۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''اشدّ الناسِ عذاباً یوم القیامة لَمْ یَنفعه اللّٰه بعلمہٖ.'' سب سے زیادہ سخت عذاب میں قیامت کے دن وہ عالم ہوگا جس کے علم سے اللہ تعالیٰ نے اس کو نفع کی دولت نہ بخشی ہو۔

ملفوظ ۵۵: تعلیم وتبلیغ دونوں ضروری

انہوں (تبلیغ ودعوت والوں) نے فضائل بیان کر کے دین پر چلنے کے لئے آمادہ کر دیا، اب آگے ضرورت پڑے گی تعلیم کی تو تبلیغ ودعوت سے جذبہ تو پیدا ہو گیا دین پر چلنے کا مگر طریقہ معلوم نہیں کہ کس طرح چلیں تو تبلیغ کے بعد ضرورت ہے تعلیم کی خواہ اردو میں ہو یا عربی میں ہو، صورت جو بھی ہو مگر تعلیم ضروری ہے۔

ملفوظ ۵۶: اہل اللہ کی صحبت اور حقیقت علم

دین جو آتا ہے وہ درحقیقت نیک لوگوں ہی کے طفیل سے آتا ہے، کتابیں پڑھنے سے الفاظ کا علم آتا ہے لیکن علم کی اصل حقیقت جو آتی ہے وہ اللہ والوں کی صحبت اور معیت سے آتی ہے۔ مشہور شاعر اکبر الہ آبادی نے اس کو یوں کہا ہے:

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

اللہ والوں کی نظر پڑ جائے تو آدمی کا دین، دنیا اور آخرت سب بن جائیں گے، سب سے اہم چیز یہ ہے کہ بزرگوں کی صحبت سے آدمی کے قلب سے تکبر نکل جاتا ہے، انسان کو سب سے برباد کرنے والی چیز جو ہے وہ تکبر ہے، متکبر اپنی نظروں میں اپنے آپ کو بڑا سمجھتا ہے لیکن دنیا کی نگاہوں

میں حقیر و ذلیل ہوتا ہے، برباد کرنے والی چیز جو ہے وہ تکبر ہے اور جو تواضع کرتا ہے وہ اپنے آپ کو حقیر سمجھتا ہے، ذلیل سمجھتا ہے، لیکن دنیا کی نگاہوں میں اللہ تعالیٰ اس کو عزت دیتا ہے۔

ملفوظ ۵۷: تواضع اور حصولِ عزت

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے دنیا میں عزت کو تواضع کے اندر رکھا ہے، تکبر کے اندر نہیں رکھا۔ فرمایا: ''من تواضع لِلّٰه رفعه اللّٰه'' جو تواضع کو اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے سر کو بلند کرتا ہے، جو سر جھکاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو عزت عطا فرماتا ہے۔

ملفوظ ۵۸: متواضعین کی صحبت کا اثر ہم نشینوں پر

بزرگوں کے اندر چوں کہ تواضع ہوتی ہے، خاکساری ہوتی ہے، ان کے پاس بیٹھنے والوں کو سب سے بڑا فائدہ جو ہوتا ہے کہ ان پر بھی اس کا اثر پڑتا ہے، صحبت میں آنے والوں پر گہرا اثر پڑتا ہے اور ان میں بھی یہ صفت پیدا ہو جاتی ہے۔

ملفوظ ۵۹: درحقیقت عبادت اخلاص واتباع کا نام ہے

اللہ کو راضی کرنے والے جتنے کام ہوتے ہیں ان کو تلاش کرنے میں انسان کے قلب میں اس کا جذبہ اور شوق بڑھتا چلا جاتا ہے، اس لئے فرمایا کہ عبادت نام ہے ہر اس کام کا کہ آدمی درحقیقت اللہ کو راضی کرنے کا ارادہ کرلے اور رسول اکرم ﷺ کے طریقہ کی اتباع کرے، گویا اخلاص اور اتباع جس طاعت کے اندر یہ دونوں چیزیں (اخلاص اور اتباع) پیدا ہو جائیں تو عبادت ہے اور جس میں یہ پیدا نہ ہوں تو وہ منہ پر ماردی جائیں گی۔

ملفوظ ۶۰: حضور ﷺ اور مخاطب کی رعایت

حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو دعوت واصلاح کے کام میں اس کا بھی بڑا اہتمام تھا کہ مخاطب کی سبکی یا رسوائی نہ ہو، اسی لئے جب کسی شخص کو دیکھتے کہ کسی غلط اور برے کام میں مبتلا ہے تو اس کو براہِ راست خطاب کرنے کے بجائے مجمع عام کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ''مَا بَالُ اَقْوَامٍ یَفْعَلُوْنَ کَذا'' لوگوں کو کیا ہو گیا کہ ایسا کام کرتے ہیں اس عام خطاب میں جس کو سنانا اصل مقصود ہوتا وہ بھی سن لیتا اور دل میں شرمندہ ہو کر اس کے چھوڑنے کی فکر میں لگ جاتا۔

ملفوظ ۶۱: دوسرے کی اصلاح کا بہترین طریقہ

درحقیقت حضرات انبیاء کرام کی عام عادت یہی تھی کہ مخاطب کو شرمندگی سے بچاتے تھے اسی لئے بعض اوقات جو کام مخاطب سے سرزد ہوا اس کو اپنی طرف منسوب کرکے اصلاح کی کوشش فرماتے۔ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا: ﴿وَمَالِیَ لاَ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ﴾ (سورۃ یٰس: ۲۲) سمجھے کیا ہوگیا کہ میں اپنے پیدا کرنے والے کی عبادت نہ کروں۔ ظاہر ہے یہ قاصد رسول تو ہر وقت عبادت میں مشغول تھے، سنانا اس مخاطب کو تھا جو مشغول عبادت نہیں مگر اس کام کو اپنی طرف منسوب فرمایا

ملفوظ ۶۲: تعلیم وتبلیغ کا موضوع اور باہم مربوط

تعلیم کا دوسرا موضوع کتاب وسنت سے مسائل کا نکال کر یہ بتانا ہے کہ اس کی غرض وغایت کیا ہے، غرض وغایت بتاکر پہلے تو عمل کرانا اور اس کے بعد جذبہ پیدا کرنا کہ اس چیز کو دوسروں تک پہنچاؤ یعنی دعوت الی اللہ کرو اور دعوت الی اللہ کا موضوع کہ دین پر آؤ اور پھر تعلیم پاؤ۔ معلوم ہوا کہ دونوں ایک دوسرے سے مربوط ہیں، تعلیم کے لئے تبلیغ ضروری ہے اور تبلیغ کے لئے تعلیم ضروری ہے۔ تعلیم کا تقاضہ یہ ہے کہ تبلیغ کی طرف لاؤ اور تبلیغ کا تقاضہ یہ ہے کہ تعلیم کی طرف لاؤ۔

ملفوظ ۶۳: حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ اور مقصد تبلیغ

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے اس کام کو اٹھایا، مقصد اس دعوت وتبلیغ سے یہ ہے کہ لوگ اس کے بعد تعلیم کی ضرورت محسوس کریں تاکہ معلمین کے پاس جاکر وہ علم دین سیکھیں اور مشائخ کے پاس جاکر اپنے اخلاق کی درستگی کرائیں کہ ہم نے تو صرف یہ جذبہ پیدا کردیا کہ اپنے اخلاق درست کرو۔ حضرت نے دیکھا کہ زمانے کے حالات کے پیش نظر سب سے پہلی چیز اس زمانے میں عمومیت اور اجتماعیت اور جمہوریت ہے، اسی لئے حضرت مولاناؒ نے یہ طریق اختیار فرمایا۔

ملفوظ ۶۴: داعی کے لئے ضروری صفات

کتاب وسنت میں داعی کی کچھ صفات بیان کی گئیں ہیں، پہلی صفت یہ ہے کہ وہ صابر ہو، دوسری صفت یہ ہے کہ اس میں لین یعنی نرمی ہو، یہ نہ ہو کہ ذرا ذرا سی بات پر آپے سے باہر ہوجائے۔ اگر آپے سے باہر ہوگیا تو لوگ نصیحت نہیں سنیں گے، لوگوں کو پیار ومحبت سے سمجھایا جائے، ڈانٹ ڈپٹ

کا طریقہ نہ ہو کیوں کہ اس سے چڑ پیدا ہوجاتی ہے، نصیحت کی زینت ہے، لینت (نرم ہونا، نرمی) خوب یاد رکھا جائے کہ سخت گیری اور سخت کلامی نہ ہوتا کہ نصیحت موثر بن سکے۔

ملفوظ ۶۵: عبادت کا مفہوم

عبادت ہر اس عمل کا نام ہے کہ جس میں آدمی اللہ کو راضی کرنے کا ارادہ کرے اور رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کی اتباع کرے، گویا یہ دونوں چیزیں سچی یعنی اخلاص اور اتباع جس طاعت کے اندر پیدا ہوجائیں تو عبادت ہے اور جس (طاعت) میں یہ دونوں چیزیں پیدا نہ ہوں تو وہ منھ پر ماردی جائیں گی۔

ملفوظ ۶۶: سنت کا مفہوم

سنت نام ہے اس طریقہ کار کا جو حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے کسی بھی کام کے کرنے کا ارشاد فرمایا۔ ہر عمل کو عبادت بنانے والی دو چیزیں ہیں ایک اخلاص اور ایک اتباع۔ اخلاص کے معنی اللہ کو راضی کرنے کے لئے کرنا اور اتباع کے معنی ہیں حضرت محمد رسول اللہؐ کے طریقہ کے مطابق کرنا۔

ملفوظ ۶۷: انبیاء کرام کا موضوع قلب

قلب کی روحانی طاعت اتنی عظیم ہے کہ اس کی عالم آخرت تک رسائی ہوتی ہے اس لئے مدارس کے اندر علم سکھلایا جاتا ہے اور خانقاہوں کے اندر اخلاق سکھلایا جاتا ہے اور دونوں کا تعلق قلب انسانی سے ہوتا ہے۔قلب براہِ راست دونوں کی طرف متوجہ ہوتا ہے علم کی طرف اور اخلاق کی طرف۔اسی لئے انبیاء اپنا موضوع قلب انسانی کو قرار دیتے ہیں عقل انسانی کو قرار نہیں دیتے۔

ملفوظ ۶۸: انسان کی فلاح وکامیابی کا انحصار

سورہ عصر میں بیان فرمودہ صرف یہ چار کام ہیں جن میں انسان کی فلاح وکامیابی مضمر ہے۔جس نے ان کو چھوڑا وہ خسارہ میں پڑا۔دو چیزیں تو وہ بتائی گئی ہیں جو اپنے نفس سے متعلق ہیں یعنی ایمان اور عمل صالح یعنی کسی کا ایمان کسی کے کام نہیں آئے گا اور کسی کا عمل کسی دوسرے کے لئے باعث نجات نہیں بنے گا۔اس کے بعد دوسرا درجہ وصیت کا ہے کہ جو ایمان اور عمل صالح آپ کے پاس ہے اسے دوسروں تک پہنچائیں، حق کی وصیت کریں تو حق میں دونوں چیزیں داخل ہیں یعنی ایمان بھی اور عمل صالح بھی

اوراس راستہ میں جو مصیبت پیش آئے ان کے جھیلنے کے لئے صبر کرنے کی ضرورت پڑے گی تو فرمایا
وَتَوَاصَوْ بِالصَّبْرِ.

ملفوظ ٦٩: حکمت، موعظت، مجادلت باعتبار مخاطبین

حکمت، موعظت حسنہ، مجادلہ، قرآن کریم نے یہ تین چیزیں مخاطبین کی تین قسموں کی بناء پر ذکر کی ہیں، دعوت بالحکمۃ اہل علم وفہم کے لئے، دعوت بالموعظۃ عوام کے لئے، مجادلہ ان لوگوں کے لئے جن کے دلوں میں شکوک وشبہات ہوں یا جو عناد اور ہٹ دھرمی کے سبب بات ماننے سے منکر ہوں۔

ملفوظ ۷۰: مجادلہ شرط کے ساتھ مشروط

حکمت وموعظت جن سے کوئی دعوت خالی نہ ہونا چاہئے خواہ مجمع علماء وخواص کا ہو یا عوام الناس کا البتہ دعوت میں کسی وقت ایسے لوگوں سے بھی سابقہ پڑتا ہے جو شکوک واوہام میں مبتلا ہیں اور داعی کے ساتھ بحث ومباحثہ پر آمادہ ہو جاتے ہیں تو ایسی حالت میں مجادلہ کی تعلیم دی گئی مگر اس کے ساتھ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَن کی قید لگا کر بتلا دیا کہ جو مجادلہ اس شرط سے خالی ہو اس کی شریعت میں کوئی حیثیت نہیں۔

ملفوظ ۷۱: دعوت الی اللہ: منصب انبیاء وعلماء امت

دعوت الی اللہ درحقیقت انبیاء کا منصب ہے، امت کے علماء اس منصب کو ان کا نائب ہونے کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں تو ضروری ہے کہ ان کے آداب اور طریقے بھی انہیں سے سیکھیں جو دعوت ان طریقوں پر نہ رہی وہ دعوت کے بجائے عداوت ودشمنی کا موجب اور سبب ہو جاتی ہے۔

ملفوظ ۷۲: دارالعلوم وقف دیوبند اور عناصر اربعہ

عنصر اول: حضرت مجددؒ کی مآل اندیشی

حضرت مجدد الف ثانیؒ کی فراست ایمانی پر مبنی مآل اندیشی ہے جس پر حضرت موصوف نے اکبر بادشاہ کے مشرکانہ دین الٰہی کے متقابل تحفظ دین توحید پر مشتمل تاریخ ساز خدمات انجام دیں ہیں جو اس عنصر پر شاہد عدل ہیں۔

عنصر دوم، شاہ صاحب کی دینی حکمت آفرینی

مسند ہند حضرت اقدس شاہ ولی اللہؒ کی وہ دینی حکمت آفرینی ہے کہ جس نے ارباب اقتدار کی تائید و ہمنوائی سے علماء سوء کے پیدا کردہ ذوق بدعات کے بالمقابل کتاب وسنت سے مستفاد دین صحیح کی صداقتوں کو عامۃ المسلمین کے لیے مؤثر بنانے میں تاریخی کردار ادا کیا ہے جب کہ اس دور کے علماء مسلمات دین کو بھی عام مسلمانوں کے قلوب میں متزلزل اور ناقابل یقین بنا چکے تھے۔

اس لیے بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ کی یہ ہی حکمت آفرینی بدرجہ اسباب مسلمانوں کے قلوب میں دین صحیح کی آبیاری و برقراری کے ساتھ علمی ذوق وشوق کا باعث بنی ہے۔

عنصر سوم: حضرت نانوتویؒ کی عالمینی فکر اسلامی

بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت الامام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کا عالمی فکر اسلامی ہے؛ کیوں کہ کتاب وسنت کے علم کی مخاطب پوری کائنات انسانی ہے لہٰذا دین کے مؤیدین کے درمیان طلب صواب میں طبعی اختلاف خطا وصواب اور مکاتب فکر کی تولید کا باعث بنا اور مخالفین حق کے بالمقابل باطل مطالب کی وجود پذیری کا سبب بنا۔ اس نقطۂ فکر کے تحت حضرت الامام النانوتویؒ کی إنما المؤمنون إخوة (تمام مسلمان بھائی ہیں) سے مستفاد ایمانی اخوت پر مبنی نظر وسیع میں ملت اسلامیہ کے درمیان خطا وصواب کا اختلاف نہ ادنی درجہ میں موجب بعد ہے اور نہ ذریعہ تفریق ہے۔ ایسے ہی ''اشھد ان الناس کلھم اخوۃ'' سے حاصل شدہ انسانی اخوت کے تحت انسانیت ان کی نگاہ میں قطعاً قابل تقسیم نہیں ہے۔

عنصر چہارم

دارالعلوم دیوبند کے سرپرست اول حضرت بانی دارالعلوم کے رفیق لبیب فقیہ الاسلام حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا وصف امتیازی اتباع سنت رسول اللہ ﷺ ہے جس نے جماعت اہل حق میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی ایمانی مآل اندیشی حضرت شاہ ولی اللہؒ کی حکمت آفرینی اور بانی دارالعلوم حضرت الامام النانوتویؒ کے عالمی فکر اسلامی کے ساتھ حضرت گنگوہی کی اتباع سنت رسول اللہ کے امتیازی وصف نے دارالعلوم دیوبند کی معنویت کو درجہ کمال عطا فرمایا۔

ملفوظ ۷۳: تعلیم دین اور دعوت دین

تعلیم دین نظام حیات کی اس علمی ترجمانی کا نام ہے کہ جو عالم شاہد اور عالم غیب سے انسانی زندگی کے ارتباط کے بلا استثاء تمام پہلوؤں پر فکر انسانی کو علماً عملاً مطمئن کرنے والے معقول دلائل کے ساتھ محیط ہو۔

اور دعوت دین اس نظام حیات کی عالم غیب وشاہد سے متعلق تمام عملی صورتوں کی پیشکش سے عبارت ہے۔

ملفوظ ۷۴: انسانیت پر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا احسان عظیم

انسانیت محمد رسول اللہ ﷺ کے احسان کا شکرادا نہیں کرسکتی کہ آپ نے ہی کثرت اسباب پر بھروسہ کرنے کی بے یقین قوتوں سے نکال کر مسبب الاسباب کی ذات بابرکات پر اعتماد وتوکل کے ذریعہ ترک اسباب کی بے مثال یقینی قوت انسانیت کو عطا فرمائی اور کثرت ارباب کے لایعنی تخیل پر بہت سے خودساختہ خداؤں کے سامنے جھکنے والے سروں کو تمام صفات کمال کی جامع بے مثل وبے مثال ایک اللہ رب العالمین کی ذات بابرکات کے سامنے جھکنے کی فطری تعلیم دے کر ترک اسباب سے انسانیت کو عزت مند اور سرفراز فرمایا۔

ملفوظ ۷۵: مادیت وسیلہ ہے مقصد نہیں

آج پھر مادیت زدہ تمدن اور تہذیب جدید کے بے بنیاد تخیل نے مادیت کو وسیلہ کے بجائے مقصد کا درجہ دے دیا ہے، جس نے ملی فکر ونظر کو بجا طور پر کسی انقلاب کا ضرورتمند بنا دیا ہے۔

ملفوظ ۷۶: دعوت وتبلیغ میں تاثیر کب؟

حضرت رسول اکرم ﷺ کے اعمال وکردار میں اور دعوت وتبلیغ میں یہ تاثیر کیوں نہ پیدا ہوتی کہ آپ ﷺ حق تعالیٰ کے بھیجے ہوئے تھے اور ان مقاصد عالیہ کے لیے بھیجے گئے تھے، آپ ﷺ کو امی ہونے کے باوجود مکارم الاخلاق کا پیکر بنایا گیا تھا۔

اس لیے آپ ﷺ کے ہر قول میں تاثیر، عمل میں تاثیر، ہر نگاہ میں تاثیر، ہر حرکت میں ابدی اور سرمدی تاثیر رکھی گئی آپ کو خلق عظیم کا پیکر بنایا گیا، فرمایا گیا ﴿وإنک لعلی خلق عظیم﴾

کہ یقیناً آپ اخلاق کے اعلیٰ معیار پر تخلیق فرمائے گئے ہیں قرآن کریم جو گنجینہ ہدایت ہے علم و اخلاق اور ایمان وعمل کا سرچشمہ ہے اس کتاب حق کی تفسیر وتشریح آپ ﷺ کی مقدس زندگی تھی آپ ﷺ کا پاکیزہ اخلاق وکردار تھا۔

ملفوظ ۷۷: ﴿وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ﴾ (سورۃ القلم: ۴)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خلق عظیم سے مراد دین اسلام ہے کہ اللہ کے نزدیک اس دین اسلام سے زیادہ کوئی محبوب دین نہیں ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ کا خلق خود قرآن ہے یعنی قرآن کریم جن اعلیٰ اخلاق واعمال کی تعلیم دیتا ہے آپ ﷺ ان سب کا عملی نمونہ ہیں، حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ خلق عظیم سے مراد آداب القرآن ہیں یعنی وہ آداب جو قرآن نے سکھلائے ہیں حاصل سب کا تقریباً ایک ہی ہے رسول اللہ ﷺ کے وجود باجود میں حق تعالیٰ نے تمام ہی اخلاق فاضلہ بدرجہ کمال جمع فرمادئے تھے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ’’بعثت لاتمم مکارم الاخلاق‘ ‘یعنی مجھے اس کام کے لیے بھیجا گیا ہے کہ میں اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دوں۔

ملفوظ ۷۸: انوار نبوت اور رسول برحق کی برکتیں

چشم فلک نے رسول پاک کی صحبت بابرکت کی تاثیر ہمہ گیر کا منظر دیکھا انوار نبوت نے اپنی جلوہ سامانیوں سے معمورۂ عرب کو توحید وہدایت تہذیب واخلاق ایمان وکردار کا منور ومرکز بنایا۔

کعبۃ اللہ جو ایک مدت سے شرک وجہالت کی گندگیوں سے آلودہ تھا اس کی تطہیر فرمائی معبودان باطل سے پاک کیا اور ایمان ویقین کے نقوش تابندہ وجاوداں فرمائے، نفوس کا تزکیہ فرمایا، قلوب کو معرفت وقناعت سے سرشار کیا۔

یہ اس رسول برحق نبی امی کی برکتیں تھیں جو چاردانگ عالم میں پھیلیں اور کفر وشرک کی ظلمتوں کو مٹانے اور نور توحید کو پھیلانے میں اہم تاریخی کردار ادا کرگئیں۔

ملفوظ ۷۹: آپ کا اخلاق وسیرت قرآن کریم ہے

’’کان خلقه القرآن‘‘ آپ کا اخلاق آپ کا کردار آپ کی سیرت قرآن کریم ہے قرآن کریم

کی شان کلام کو دیکھو اس کے الفاظ کی تلاوت کرو تو یہ قرآن ہے کلام الٰہی ہے، اس کلام کی شان عمل ملاحظہ کرو تو وہ ذات محمد رسول اللہ ﷺ ہے، وہ اخلاق محمد رسول اللہ ﷺ ہے، وہ کردار محمد رسول اللہ ﷺ ہے۔

ملفوظ ۸۰: حضور ﷺ اور اخلاق وسیرت

خلاصہ یہ نکلا کہ حضرت رسول اللہ ﷺ کا اخلاق عالی، سیرت مثالی، ان کا عمل ارفع و اعلیٰ ان کا علم نہایت لائق فائق، تمام کائنات کے اسرار ان پر آشکارا، اولین و آخرین کے علوم و معارف عطا فرمائے گئے کیوں کہ آپ کو کرۂ ارضی پر پھیلے ہوئے تمام انسانوں کی رشد و ہدایت کے لیے کام کرنا تھا تمام اقطار و امصار میں نور نبوت پھیلانا تھا۔

ملفوظ ۸۱: حضور اکرم ﷺ اور رحمۃ للعالمین

اس لیے برملا یہ کہا جائے گا کہ نبی کریم ﷺ پوری دنیا کے لیے رحمت بن کر آئے پوری دنیا کو خدا پرستی اور انسانیت دوستی کی تعلیم دینے کے لیے آئے پوری انسانیت کو اخلاق عالیہ کا درس دینے کے لیے آئے۔

بندگان خدا سے محبت کمزور، ناداروں کی دردمندی کا درس دینے اور محبت و مساوات کا پیغام عام کرنے کے لیے آئے آپ سے پہلے جو پیغمبر آئے وہ کسی خاص قوم کے لیے آئے خاص خطۂ زمین کے لیے آئے لیکن رسول اللہ ﷺ پوری دنیا کے لیے پوری کائنات کے لیے اور تمام اقوام عالم کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے۔

ملفوظ ۸۲: ہر کونپل اللہ کے ایک ہونے کی گواہی دیتی ہے

یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے ایک کونپل نکلتی ہے اور پتا اس کا اتنا باریک اور نرم و نازک ہوتا ہے کہ ظاہر ہے کہ ایک ہوا کا جھونکا بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ اتنی نحیف اور کمزور ہوتی ہے لیکن کون ہے اس کو یہ قوت اور طاقت دینے والا اتنی کمزور اور معمولی سی پتی کو کہ جو زمین کی منوں مٹی کے بوجھ کو ہٹا کر اس کو باہر نکال دیتا ہے۔ ظاہر ہے اس مٹی کے وزن کو ہٹا کر باہر نکالنا کوئی طاقت دینے والا طاقت دے رہا ہے تب ہی تو وہ باہر نکلی ہے۔

ہر گیاہ کہ از زمین روید
وحدہ لا شریک لہ گوید

ہر کونپل ہر پتی زمین سے اپنا سر باہر نکالتی ہے وہ اللہ کے ایک ہونے کی گواہی دیتی ہے بشرطیکہ آدمی کی نظر ہو آدمی کو سمجھ ہو آدمی میں بصیرت ہو آدمی میں طلب ہو، وہ ایک پتی کو دیکھ کر خدا کو پہچان لیتا ہے۔

ملفوظ ۸۳: عقل مند کون؟

دو باتیں جس کے اندر پائی جاتی ہوں وہ عقل مند ہے وہ دانا ہے وہ اولوالالباب ہے ایک وہ جس کے اندر ذکر موجود ہو اور دوسرے اس کے اندر فکر موجود ہو۔

﴿الذین یذکرون اللّٰہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبھم ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض ربنا ماخلقت ھذا باطلا سبحانک فقنا عذاب النار﴾ (آل عمران: ۱۹۱)

وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے اور فکر کرتے ہیں آسمان اور زمین کی پیدائش میں، کہتے ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ عبث نہیں بنایا تو پاک ہے سب عیبوں سے، سو ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے۔ عقلمند وہ ہے کہ جن کا دل کسی حال میں اللہ کے ذکر سے غافل نہیں رہتا۔ ذکر کے معنی یہ نہیں متعین کئے گئے کہ ہر وقت تسبیحات ہی پڑھتا رہے، ذکر کے معنی یہ ہیں کہ آدمی کا قلب کسی وقت اس سے غفلت میں نہ آئے کہ مجھے اپنے ہر قال کا، ہر حال کا، ہر فعل کا، ہر کلام کا، کل اللہ کے یہاں جواب دینا ہے۔

ملفوظ ۸۴: اللہ والے اور اولیاء کرام اپنے ایمان میں اضافہ کرتے رہتے ہیں

جنہیں آپ اولیاء اللہ اور بزرگان دین کہتے ہیں ان میں اور ہم جیسے لوگوں میں فرق یہی تو ہوتا ہے، ان کی زندگی کا ہر عمل تدبر اور تفکر پر مبنی ہوتا ہے اور ہر آن وہ اپنے ایمان میں اضافہ کرتے ہیں ۔ کسی چیز پر نگاہ پڑی، کسی چیز کو دیکھا، کسی چیز کو چکھا، کسی چیز کو چھوا، ظاہر ہے کہ ہر چیز پر غور کرنے کے بعد چوں کہ ہر چیز میں حکمتیں موجود ہیں اور ہر چیز میں لطائف موجود ہیں، ان کی حکمتوں کے ذریعوں سے اپنے ایمان کے اندر اضافہ کرتے رہتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں زمین کو، آسمان کو، چاند کو، سورج کو، پہاڑ کو، دریا کو، ہم کچھ خیال ہی نہیں کرتے۔

ملفوظ ۸۵: اللہ کی معرفت اور روح کی طاقت

اس بدن کے اندر وہ روح ہے کہ جس سے بدن کا ادراک ہے، جس سے آپ کے اندر شعور ہے، جس سے آپ اللہ کو پہچان سکتے ہیں، جس سے آپ اللہ تک پہونچ سکتے ہیں، یہ طاقت روح کے اندر رکھی گئی ہے۔ کائنات کے اندر انسان جتنی مادی چیزوں کی ایجادات کرتا ہے، ان سب کا فائدہ انسان کے بدن کو پہنچتا ہے۔ تو جن لوگوں نے اسی کو اپنا مقصد زندگی بنایا اور عجائبات پیدا کئے جب ان کی آنکھیں بند ہوتی ہیں تو ایک چیز بھی ان میں سے ان کے ساتھ نہیں جاتی۔ تو اگر انہوں نے صرف اپنی عقل سے صرف ہر کام کئے اور آگے چل کر کام آنے والی چیزوں کو نظر انداز کیا تو ظاہر ہے ان کو عقلمند نہیں کہا جائے گا۔ انہوں نے ایک جزو کو باقی رکھا اور دوسرے جزو کو مفقود کر دیا۔

ملفوظ ۸۶: عقل مند اور غلامان محمد کی شان

غلامان محمد رسول اللہ ﷺ پر نگاہیں ڈالیں آپ کو اندازہ ہوگا کہ دانا وہ تھے، عقل مند وہ تھے، جن کی شان یہ فرمائی کہ وہ صحابہ تھے، جن کی تربیت فرمائی رسول اللہ ﷺ نے اور پھر ان کی یہ نشانی بیان فرمائی: **ھم بالليل رھبان. وبالنھار فرسان** ان کی شان یہ تھی کہ ان کو دنوں کے اندر دیکھئے کہ وہ گھوڑے کی پشت پر سوار اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے پیغام کو گھر گھر دنیا میں پہونچا رہے ہیں، یہ کام کرتے ہیں دن میں گھوڑے کی پشت پر سوار ہو کر، رات میں مصلی کی پشت پر بیٹھ کر اپنے ایمانوں میں اضافہ کرتے ہیں، تو اس کے معنی یہ کہ راتوں میں وہ ذکر کو زندہ کرتے ہیں اور دنوں میں وہ اپنے فکر کو زندہ کرتے ہیں۔

ملفوظ ۸۷: قلوب صحابہ کرامؓ اور تقویٰ

درحقیقت جو لوگ اپنی آوازوں کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پست رکھتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے خالص کر دیا ہے، یعنی ان کے قلوب میں تقویٰ کے خلاف کوئی چیز آتی ہی نہیں، مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس خاص معاملہ میں یہ حضرات کمال تقویٰ کے ساتھ متصف ہیں۔

ملفوظ ۸۸: دین درحقیقت ماننے کا نام ہے

دین نام ہے درحقیقت کہنا ماننے کا، آدمی اللہ اور رسول ﷺ کے سامنے سر جھکائے اور کہنا مانے۔ اگر کہیں نماز پڑھو پانچ وقت کے اندر تو پانچ وقت میں نماز پڑھنا فرض ہے، وہاں یہ اطاعت ہے۔ اور اگر تین وقت کے اندر کہیں کہ خبردار اگر نماز پڑھی، طلوع آفتاب کے بعد، غروب آفتاب کے وقت، زوال کے وقت۔ ان تین وقتوں میں آپ کو نماز پڑھنے سے منع کر دیا گیا، اس میں نماز پڑھے گا تو نافرمان اور پانچ وقت کی نماز نہ پڑھے گا تو نافرمان۔ معلوم ہوا کہ کہنا مان لینا عبادت ہے، روزہ ہے فرمایا کہ رمضان آئے تو روزہ رکھو، تمہارے ذمہ فرض ہے۔

﴿**یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون**﴾(سورۃ البقرۃ: ۱۸۳)

اے ایمان والو فرض کیا گیا تم پر روزہ جیسے کہ فرض کیا گیا تھا تم سے اگلوں پر تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ روزہ فرض قرار دے دیا گیا لیکن فرمایا کہ اگر عید کا دن آئے یا ایام تشریق آئیں تو خبردار اگر اس کے اندر روزہ رکھا۔ یہاں رمضان میں اگر روزہ نہیں رکھے گا تو گنہ گار، اور اگر وہاں عیدین وغیرہ میں روزہ رکھے گا تو گنہ گار، معلوم ہوا کہ کہنا ماننا عبادت ہے۔

ملفوظ ۸۹: نبوت کا پہلا درس

نبوت یہ نہیں کہتی کہ ضروریات کو پورا نہ کیا جائے بلکہ نبوت بھی ضروریات کو پورا کرنے کی تعلیم دیتی ہے؛ بلکہ وہ تو اسے فرض قرار دیتی ہے؛ لیکن فرق یہ ہو جاتا ہے کہ پہلے انہیں ضروریات کو پورا کیا جاتا تھا طبیعت کو خوش کرنے کے لیے، عقل کو راضی کرنے کے لیے؛ لیکن نبوت کا پہلا درس یہ ہوتا ہے کہ جو کچھ کرو اللہ کو راضی کرنے کے لیے کرو۔

”**من اعطی للہ ومنع للہ و أحب للہ و أبغض للہ فقد استکمل الایمان**“(رواہ ابوداؤد)

جس نے کسی کو کچھ دیا تو اللہ کے لیے اور دینے سے ہاتھ روک لیا وہ بھی اللہ کے لیے، کسی سے محبت کی تو اللہ کے لیے، کسی سے دشمنی کی تو اللہ کے لیے اور نکاح کیا تو اللہ ہی کے لیے، تو اس نے اپنا ایمان کامل کرلیا۔

ملفوظ ۹۰: ایمانی زندگی کا تقاضہ

ایمانی زندگی کا مطالبہ اور تقاضہ یہ ہے کہ اللہ کے بھیجے ہوئے سچے اور آخری رسول حضور اکرم ﷺ نے جس طرح زندگی گزارنے کا طریقہ بتایا ہے اس کو پورے طور پر اپنایا جائے اور جو کام بھی کیا جائے اس میں اللہ کی رضا پیش نظر ہو، پہلے آدمی صرف پیٹ بھرنے کے لیے کھاتا تھا؛ لیکن جب ایمانی زندگی آئے گی تو یہ بھی سوچے گا کہ کیا کھاؤں اور کس طرح کھاؤں کہ صرف پیٹ ہی نہ بھرے بلکہ میرا خدا بھی مجھ سے راضی رہے، ایسے ہی آدمی جب کپڑا پہنے گا تو یہ سوچے گا کہ کپڑا ایسا ہو جو خدا کی منشاء اور اس کی مرضی کے خلاف نہ ہو۔

ملفوظ ۹۱: اوّلین مسلمانہ فریضہ

اس عنوان کو اختیار کرنے کی صورت میں سب سے پہلے ہمارا مسلمانہ فریضہ ہے کہ ہم اسلام کو اصل قرار دے کر مسائل وقت کے حل کی تلاش کے بارے میں وہی راہ اختیار کریں کہ جو کائنات انسانی کے لیے رحمت کبریٰ کی صورت میں اللہ کا آخری پیغام لانے والی ذات مقدسہ نے بتلائی یا اختیار فرمائی جس کو آج نا قابل التفات اور غیر مؤثر سمجھ لیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الآخِرَ، وَ مَنْ يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ﴾ (سورة الممتحنة: ٦)

البتہ تم کو بھلی چال چلنی چاہیے ان کی جو کوئی امید رکھتا ہے اللہ کی اور پچھلے دن کی اور جو کوئی منھ پھیرے تو اللہ وہی ہے بے پرواہ سب تعریفوں والا۔

ملفوظ ۹۲: مشکلات کے حل کے لیے اہم اصول

اسلامی بنیاد پر مشکلات کے حل کے لیے طریق نبوی کے تحت کامیابی و ناکامی کو اللہ کی مشیت ومرضی پر کر کے یقین کے ساتھ چھوڑ دیا جائے اور دینی نقطہ نظر سے بصورت کامیابی فریضہ شکر ادا کیا جائے اور بصورت ناکامی پیش آنے والے غم کو تعلیمات نبوی کی روشنی میں کفارہ سیأت کا یقینی ذریعہ باور کیا جائے۔

ملفوظ ۹۳: فطری رہنمائی

مزید رہنمائی یہ بھی فرمائی گئی کہ جد وجہد میں ناکامی پر یہ کلمہ ہرگز زبان پر نہیں آنا چاہیے کہ ہم

اگر ایسا کر لیتے تو ایسا ہو جاتا؛ کیوں کہ یہ احتمالی کلمہ (اگر) مشیت ربانی پر سے بالیقین اعتماد اٹھا دیتا ہے دشمن ایمان شیطان کے لیے راستہ کھول کر مؤمن بالیقین کو دائمی قلبی اور بے اطمینانی سے دو چار کر دیتا ہے۔

ملفوظ ۹۴: رجوع الی اللہ کی رہنمائی

ملت اسلام کو اس بات کی تدابیر کے ساتھ اعتراف عجز و بندگی کے ساتھ بہ خلوص قلب، مسبب الاسباب اس اللہ رب العزت کی جانب رجوع کی رہنمائی پوری قوت اور پورے اہتمام کے ساتھ کی جائے تا کہ دنیوی اسباب کامیابی و ناکامی کے دونوں احتمالوں کے باوجود ملت اسلام ایمانی کامیابی کے یقین سے کسی بھی وقت محروم نہ ہو۔

ملفوظ ۹۵: ایک عظیم ذریعہ کامیابی

خواص ملت وعوام ملت کو اسوہ نبوی ﷺ کے مطابق باصرار یہ رہنمائی دیں کہ ہر نماز کے بعد قلبی یقین کے ساتھ عظیم ذریعہ کامیابی مخلصانہ دعاؤں سے ہرگز غفلت نہ برتیں جس کا قدرتی تجربہ نتیجہ عقائد، اعمال اور اخلاق میں پرتاثیری کو یقینی بنا دیتا ہے۔

ملفوظ ۹۶: ایک اہم رہنمائی

یہ رہنمائی نبوت بھی پیش نظر رکھنے کی ہدایت دینا ضروری سمجھا جانا چاہیے کہ ہمیں مقصد اور مراد میں کامیاب بھی صرف اللہ تعالیٰ ہی کرسکتا ہے اسی کے ساتھ اس اعتقادی حقیقت کو بھی پورے اہتمام سے پیش نظر رکھنا ضروری ہے اگر تمام دنیا کے انسان تمہیں نفع یا نقصان پہچانے پر اتفاق بھی کر لیں تب بھی وہ اس سے زیادہ نفع یا نقصان نہیں پہنچائیں گے جتنا کہ علم الٰہی میں تمہارے لیے مقدر ہو چکا ہے۔

ملفوظ ۹۷: تربیت ملت اور اعمال کا جائزہ

ایک اور رہنما اصول اسلامی یہ ہے کہ جس پر تربیت ملت کا مدار ہونا چاہیے کہ دنیا کی زندگی کے بارے میں پانچ سوالات کے صحیح جوابات پر آخرت کی کامیابی کا دار و مدار ہے اس لیے ان سوالات کے صحیح جوابات کے لیے وقتاً فوقتاً اپنے اعمال کا جائزہ لیتے رہنے کو عادت میں شامل کرنا لازم ہے۔

ملفوظ ۹۸: آخرت کے پانچ اہم سوالات

دنیا میں عمر کن کاموں میں گذاری، جوانی کی قوتیں کہاں خرچ کیں، مال کہاں سے کمایا، مال کہاں خرچ کیا، اپنے دین کہ جس کی دل سے تصدیق، زبان سے اقرار اور ارکان پر عمل جو کہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے ملا (حاصل ہوا) کیا ہے اور اس پر عمل کہاں تک کیا ہے؟

ملفوظ ۹۹: حقیقی عالم وولی کون؟

عالم صحیح معنی میں وہ کہلائے گا جس کے اوپر علم کا غلبہ ہو اور اس کا قلب عشق سے خالی نہ ہو تب تو وہ عالم کہلائے گا اگر عشق سے خالی قلب ہے فقط زبانی علم ہے تو ظاہر ہے کہ وہ قطعاً عالم نہیں ہے اور اسی طریقہ سے جو مدعی ولایت ہو اور ولی ہو بلکہ تاریخی ولی وہ ہوگا جس کے اوپر رنگ معرفت اور رنگ ولایت کا غلبہ ہو؛ لیکن اگر اس کا دماغ علم نبوی سے خالی ہو تو ظاہر ہے اس کے اندر ولایت کا دعویٰ جھوٹا ہے۔

ملفوظ ۱۰۰: بدعت مذموم کیوں؟

بدعت اس لیے مذموم ومردود ہے کہ اس سے التزام مالا یلزم لازم آتا ہے، شریعت پر زیادتی لازم آتی ہے اپنی طرف سے، گویا انسان یہ تصور کر رہا ہے اور سمجھ رہا ہے کہ نعوذ باللہ دین ابھی مکمل نہیں ہے اس کی تکمیل میں کر رہا ہوں۔

حالاں کہ چودہ سو سال پہلے ہی جناب محمد رسول اللہ نے مکمل دین مکمل شریعت کو پیش کر دیا ہے یہ ہمارے لیے قیامت تک کے لیے کافی ہے جس کا اعلان حق تعالیٰ نے خود قرآن کریم میں فرمایا ہے:

﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْناً﴾ (سورۃ المائدۃ: ۳)

آج میں پورا کر چکا ہوں تمہارے لیے تمہارا دین اور پورا کیا میں نے احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین.

حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ کے یہ چند علمی اور دعوتی واصلاحی ملفوظات شامل کتاب کر دیئے گئے ہیں، مزید ملفوظات کے لئے رجوع کریں ندائے دارالعلوم سلسلے وار شمارے اور مجالس حضرت خطیب الاسلام۔ کیونکہ مولانا مبین صاحب ٹانڈنڈہ نے بھی حضرت کے ملفوظات لکھنے کا اور انتخاب کرنے کا آغاز مجالس خطیب الاسلام نامی کتاب ہی سے کیا ہے۔

حضرت خطیب الاسلام اور خوابوں کی تعبیر کا علم

حضرت خطیب الاسلام کو اللہ نے ان علوم وفنون سے نوازا تھا جو ایک معبر کے لئے ضروری ہیں، حضرت خوابوں کی بڑی عمدہ تعبیر دیا کرتے تھے، حضرت کے برادر خرد متکلم اسلام حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی بھی فن تعبیر الرویاء میں مہارت رکھتے تھے، بڑی عمدہ تعبیر دیتے تھے، اسی طرح حضرت کے والد محترم حضرت حکیم الاسلام تعبیر رؤیاء میں بڑی مہارت رکھتے تھے اور ہمارے خاندان میں یہ مشہور تھا کہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب بڑے سچے خواب دیکھتے اور بڑی عمدہ تعبیر دیتے تھے، یہی حال حضرت خطیب الاسلام کے دادا، حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا تھا وہ خواب کی تعبیر بڑی عمدہ دیتے، اور سرخیل جماعت حضرت حجۃ الاسلام کے بارے میں تو مشہور ہی ہے کہ وہ ماہر تعبیر رؤیا تھے۔ خوابوں کی تعبیر کے تعلق سے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک واقعہ بیان کردوں، واقعہ یہ ہے کہ

''ایک آدمی نے خواب دیکھا اور خواب آکر بیان کیا کہ فجر کا وقت ہے میں مسجد کی طرف گیا، جب میں مسجد کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ مسجد کے باہر کے دروازہ پر ایک بھینسا ہے، جو جوان ہے، نہایت مضبوط وہ ایک دم میرے اوپر حملہ آور ہوا، میں بھی جوان تھا، طاقتور تھا، میں نے سینگھ پکڑ لئے اب وہ طاقت لگا کر مجھے پیچھے ڈھکیلتا ہے۔ کبھی میں اس کو ڈھکیلتا ہوں، کبھی وہ مجھ کو ڈھکیلتا ہے، مجھ سے اس طریقہ سے مقابلہ ہو رہا ہے، نہ میں نے چھوڑا نہ اس نے مجھے چھورا، کئی بار ایسا ہی ہوا ہم آگے پیچھے ہوئے اس نے زور لگا کر سینگ چھڑا لیا۔ سینگ چھڑانے کے بعد جب اس نے حملہ کیا تو اس کا سینگ میری بائیں ران میں لگا، اس کی ذرا سی نوک چبھی تو ایک خون کا قطرہ نکلا۔

حضرت نے برجستہ خواب کی تعبیر دی کہ تمہارے چچازاد بہن بھائیوں میں کوئی کم عمر بچی ہے اس کا انتقال ہو گیا یا ہونے والا ہے۔ یہ وہیں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بچہ آیا اور اس نے آکر اطلاع دی کہ آپ کے فلاں رشتہ داران کی بچی جو کہ تین سال کی تھی اس کا انتقال ہو گیا۔ یہ

اٹھے اور چلے گئے، اس کی تجہیز و تکفین کی اس سے فارغ ہو کر پھر آئے اور کہا کہ تعبیر کس طرح آپ نے نکالی، کہ ہاتھوں ہاتھ پوری ہوگئی۔

حضرت نانوتوی نے اس کی وضاحت فرمائی کہ تم نے خواب میں دیکھا کہ ایک بھینسا ہے اس قسم کی شکل نفس موت کی ذکر کی گئی ہے احادیث میں، ملک الموت کی نہیں بلکہ نفس ایک ایسے جانور کی شکل ذکر کی گئی ہے تو اس سے میں سمجھا کہ یہ موت ہے، لیکن تم مقابلہ کررہے ہو اور تم نے اس کے سینگ پکڑ لئے تم تو محفوظ ہو گئے، اس نے سینگ چھڑا لیا اور سینگ مارا تو بائیں ران میں لگا تو بائیں جانب سے مراد عورت ہے اور خون کا قطرہ ٹپکا، اس سے مراد چھوٹی بچی ہے، یعنی وہ بچی مرگئی ہوگی تو میں نے اس کی تعبیر نکالی۔'' [1]

بہر حال حضرت حجۃ الاسلام کو اس فن میں بڑی مہارت تھی اور فن نسلا بعد نسل خاندانی طور پر حضرت خطیب الاسلام میں بطور علمی وراثت منتقل ہو رہا تھا۔

تعبیر رؤیا مستقل ایک فن ہے

مجالس خطیب الاسلام میں حضرت فرماتے ہیں:

''تعبیر رؤیاء مستقل ایک فن ہے' اور اس میں بعض حضرات لکھتے ہیں کہ بیس بائیس فنون جب تک نظر میں نہ ہوں اس وقت تک تعبیر نہیں دی جاسکتی اور اس کے ساتھ ساتھ حسن نیت بھی ضروری ہے، کہ امت کے اندر ایسے لوگ بھی رہے ہیں جیسا کہ حضرت امام محمد بن سیرین جن کے بارے میں مشہور ہے اور ''تعبیر الرؤیاء'' کے نام سے ان کی ایک کتاب بھی ہے۔ تعبیر خواب میں علم اور موسم اور اعداد و شمار کو بھی بڑا دخل ہے۔'' [2]

خواب اور اس کی قسمیں

حضرت خطیب الاسلام فرماتے ہیں کہ:

''اصل میں خواب کی تین قسمیں ہیں۔

ا۔ رویاء صادقہ یہ انبیاء علیہم السلام کو نبوت سے پہلے کچھ حقائق دکھائے جاتے تھے اور بعد میں

---

[1] سوانح قاسمی، مجالس خطیب الاسلام صفحہ ۱۹۱ تا ۱۹۲۔

[2] مجالس خطیب الاسلام صفحہ ۱۹۲

بالکل اسی طرح ظاہر ہوتا تھا اس کو رؤیاء صادقہ کہا جاتا ہے۔

۲۔ رؤیاء صالحہ نیک خواب نیک چیز کو کوئی بھی دیکھ سکتا ہے، یہ منقطع نہیں ہوئے ہیں، بلکہ یہ متبعین سنن کو بھی نظر آ سکتے ہیں

۳۔ اب آگے جتنا ہے وہ کثرت غم کی بناء پر بھی آدمی دیکھتا ہے کبھی کثرت خوشی کی بنیاد پر بھی دیکھتا ہے یہ نا قابل تعبیر ہیں نہ ان کا کوئی مقصود ہوتا ہے اور نہ کوئی مطلب۔"[1]

حضرت خطیب الاسلام کا ایک خواب اور حکیم الاسلام کی تعبیر

حضرت خطیب الاسلام فرماتے ہیں:

"میں ابتدائی زمانہ میں جب پڑھتا تھا خواب دیکھا کہ میں ریل سے کہیں جانے والا ہوں، میں داخل ہوا ریل میں وہاں ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے، بہت مکلّف لباس (کلف والا لباس) صاف ستھرا بڑے مزین قسم کے آدمی ہیں، ایک سیب پلیٹ میں ان کے سامنے رکھا ہوا ہے اور چاقو رکھا ہوا ہے انہوں نے سیب کاٹا، میں نے ان کو سلام کیا، میں نے ان سے بڑھ کر ملاقات کی۔ پھر میں نے کہا کہ حضرت آپ سے مل کر خوشی ہورہی ہے۔

اس کے بعد میں نے کہا کہ میں نے آپ کو پہچانا نہیں، انہوں نے چاقو بیگ میں رکھ دیا اور مسکراتے ہوئے کہنے لگے پہچانا نہیں؟ میں بیہقی ہوں "محدث ہیں جلیل القدر" میں نے عرض کیا، حضرت مجھے اس کا موقع دیجئے کہ میں آپ سے معانقہ کرلوں، ہنسے اور کھڑے ہوئے، میں نے معالقہ کیا اور غالبا میں نے پہل کی، چنانچہ وہ بیٹھے اور ان کے چہرے پر بہت بشاشت تھی، پھر سیب مجھ کو دیا اس کو میں نے کھایا۔

میں نے اس خواب کا تذکرہ حضرت والد ماجد سے کیا۔ تو والد صاحب نے فرمایا کہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ حدیث پڑھانے کی من جانب اللہ توفیق ہوگی انشاء اللہ۔ اللہ کی مدد شامل حال ہوگی اور اس میں محدثین کی توجہات بھی شامل ہوں گی، برکت بھی رہے گی، ابتدائی دور میں اس کا خیال بھی نہیں تھا کہ حدیث پڑھانے کی نوبت آئے گی، اللہ کی مدد شامل حال ہوئی اور میرے پاس بخاری شریف آئی۔"[2]

---

[1] مجالس خطیب الاسلام صفحہ ۱۵۹ تا ۱۶۰۔

[2] مجالس خطیب الاسلام صفحہ ۱۹۳ تا ۱۹۴

بہرحال ''تعبیر رؤیاء'' کا فن حضرت کو خاندانی طور ورثہ میں ملا تھا۔آپ حضرت حجۃ الاسلام کی طرح خواب کے ایک ایک جز کی الگ الگ تشریح فرماتے اور تعبیر دیتے تا کہ کسی طرح کی تشنگی باقی نہ رہے۔

والدہ محترمہ کے ایک خواب کی تعبیر

میری والدہ محترمہ نے کافی سال قبل ایک خواب دیکھا، کہ:

''جیسے ایک بہت بڑا میدان ہے اور وہاں ایک ٹیلہ نما ایک پہاڑی ہے جس کے ایک طرف میدان ہے اور دوسری طرف تاحد نظر دریا ہے، اس ٹیلہ پر میری والدہ محترمہ، والد محترم اور میرے نانے ابا ہیں، اور ایک گھوڑا ہے یہ سب حضرات ٹیلہ نما پہاڑ پر ہیں اور ایک عجیب سی گھبراہٹ ہے اور گھبراہٹ شور وشغب کی ہے کہ جیسے اس میدان سے بلوائی آرہے ہیں اور وہ حملہ آور ہوں گے، والدہ اور والد صاحب نے اس گھوڑے کو رام کرنے کی کوشش کی، مگر وہ گھوڑا ہٹ دھرمی کرنے لگا اور بڑی کوشش کی مگر وہ وہاں سے ملنے کا نام نہیں لے رہا، ادھر گھبراہٹ بڑھتی جارہی ہے کہ بلوائی پیچھے سے حملہ نہ کردیں، اسی کشمکش کے عالم میں ہیں کہ اتنے میں اس دریا سے ایک روشنی نمودار ہوئی، جو تیزی سے ہماری طرف آرہی ہے، قریب آتے آتے وہ روشنی ایک حسین ترین نورانی چہرے والے شخص کی شکل میں مبدل ومجسم ہوگئی۔ وہ اس قدر حسین وجمیل انسان کہ ان کے حسن کو میں الفاظ میں بیان نہیں کرسکتی، وہ حسین نورانی چہرہ والے شخص اس ٹیلے پر تشریف لے آئے اور کوئی کہہ رہا ہے کہ یہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔آپ نے اس سرکش گھوڑے کی پیٹھ پر اپنا دست مبارک پھیرا بس وہ تو سیدھا ہوگیا اور والدین کو اپنی کمر پر بٹھایا اور ایک جست لگائی کہ دریا سے پار تھے۔اس کے بعد میری والدہ کی آنکھ کھل گئی۔''

اس خواب کی تعبیر والدہ نے حضرت خطیب الاسلام سے لی، حضرت نے خواب کو سنا اور تعبیر دیتے ہوئے میری نانی اماں سے فرمایا

''خواب بہت مبارک ہے، ماشاءاللہ دل کا راستہ بالکل صاف ہے، ہاں البتہ گھوڑا چونکہ جہاد کی علامت ہے، اس لئے اس بچی کی زندگی بڑی مجاہدانہ گزرے گی مگر انجام کار ہر اعتبار سے خیر ہوگا۔''

یہ حضرت نے تعبیر دی اور میں نے محسوس کیا کہ اس خواب کی تعبیر لفظ بلفظ میری والدہ کی زندگی پر صادق آئی، انتہائی مجاہدانہ زندگی گزاری اور مستقل ابھی بھی مجاہدے میں ہیں، اور کچھ نہیں تو حاسدین ہی پریشان کرتے ہیں، مگر ہر جگہ اللہ اپنی مدد کر دیتا ہے اور ظالموں اور حاسدوں سے آخر کار حفاظت فرمالیتا ہے۔

اسی طرح اس عاجز نے بھی بہت سے خواب دیکھے جن کی تعبیر تحریری طور پر حضرت نے مجھے دی، ان ہی میں سے ایک خواب اور اس کی تعبیر کو بطور نمونہ نقل کر رہا ہوں۔ اس خواب کو میں نے ایک پرچہ پر لکھا جس کا مضمون درج ذیل ہے۔

''بخدمت اقدس حضرت سید العلماء حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب دامت برکاتہم

محترم ماموں جان دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں نے ۱۵ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ بروز چہار شنبہ شب میں خواب میں دیکھا کہ آپ تشریف فرما ہیں آپ کی پیرانہ سالی ہے نہایت وقار اور عمر بھی موجودہ عمر سے زیادہ ہے (اللہ آپ کے سایہ عاطفت کو ہم سب کے سروں پر صحت وعافیت کے ساتھ قائم ودائم رکھے آمین) اور خواب میں یہ محسوس ہو رہا ہے کہ آپ کا چہرہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے چہرہ سے مشابہت رکھتا ہے، مزید برآں آپ کا چہرہ اس قدر منور ہے کہ گویا کہ نور کی شعاعیں پھوٹ پڑیں۔ اس کے بعد میں آپ کی خدمت میں ہوں اور کوئی نہیں، مسجد کون سی ہے یہ معلوم نہیں، آپ نے مجھ کو حدیث شریف کا درس دینا شروع کیا اور ایک گھنٹہ سے زائد حدیث کا درس دیا، جب فارغ ہوئے تو مزید چند اور طلباء بھی ہیں، چہرہ اس قدر منور ہے کہ چہرہ پر سے نظر اٹھانے کو طبیعت نہیں چاہ رہی ہے، کافی دیر تک چہرہ پر نظریں جمائے رکھیں۔ درس حدیث کے بعد میں نے آپ سے عرض کیا کہ ماموں جان اگر آپ مجھ کو بیعت فرمالیں تو مجھ کو حقیقت میں نسبت قاسمی حاصل ہو جائے گی، آپ نے میرے ہاتھوں کو اپنے دست مبارک میں لیا اور بیعت کے کلمات تلقین فرمائے، جو کلمات مجھ کو یاد نہیں رہے، اس کے بعد میں نے اوراد اور اپنے معمولات کے بارے میں معلوم کیا، اس پر آپ نے غالباً تیسرا کلمہ اور کچھ مزید وظائف کے پڑھنے کے بارے میں فرمایا، جو آپ نے فرمایا مجھ کو یاد نہیں، اس کے بعد آپ نے مجھے ایک دوات نما ڈبیہ

دی جس کا رنگ سبز ہے جس میں جواہرات جڑے ہیں، جو نہایت حسین و جمیل ہے اور ایک قلم مرحمت فرمایا جس کو میں نے سامنے جیب میں لگا لیا، اس کے بعد آپ نے کئی مرتبہ تاکیداً فرمایا: اس کی (یعنی دوات نما ڈبیہ کی) بڑی حفاظت کرنا، میری طبیعت میں خواب ہی میں کافی دیر تک نہایت سرور اور انشراح رہا، اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔''

محمد اسامہ صدیقی نانوتوی

۱۵ ربیع الاول ۱۴۳۳ھ

اس خواب کی تعبیر حضرت خطیب الاسلام نے تحریراً مرحمت فرمائی، تعبیر درج ذیل ہے:

نحمدہ و نصلی

''عزیزم محمد اسامہ سلمہ اللہ

سلام مسنون دعائے فراواں مقرون

تمہارے خواب کو میں تمہارے ساتھ اپنے لئے منجملہ سعادت سمجھتا ہوں اور میرے لئے اس سعادت کے حصول وقبول کا ذریعہ اللہ تعالی نے تمہیں بنا دیا۔ میری عمر میں زیادتی کا دیکھنا، اس طرف ایما ہے کہ علائق دنیا سے انسان بذریعہ ذکر وطاعت، بے نیاز ہو جائے، یہ عرفانی ترقی کے ذریعہ ہوتی ہے، اور دوسرے یہ کہ زیادتی عمر کے سبب انسان میں لذات کی خواہش وطلب طبعی طور پر گھٹ جاتی ہے، پہلی صورت تو ارباب معرفت کی ہوتی ہے اور دوسری مجھ جیسے بے عمل انسانوں کی بھی ہو جاتی ہے، جو کسی کمال کی طرف مشیر نہیں ہے، لیکن اللہ رب العزت اسے اپنے فضل سے کسی کے لئے وسیلہ معرفت بنا دے، تو اس کے لئے یہ کرم فرمائی کوئی دشوار بھی نہیں ہے، میں نے حضرت علامہ انور شاہ کو اتنی کم عمری میں دیکھا ہے کہ مجھے ان کی شکل و صورت محفوظ نہیں ہے، مگر صالحین سے یہ غیر اختیاری مشابہت بھی منجملہ سعادت ہے، احقر کے چہرے کو پُر نور دیکھنا یہ تمہارے پُر محبت حسن اخلاص کا نور ہے، ورنہ اپنے اعمال وافعال کے اعتبار سے اس لائق نہیں ہوں، اور اس میں اگر معنوی خوبی مستور ہے تو تمہارے با اخلاص تعلق کا نور ہے، مسجد میں موجودگی اور ملاقات سے یہ ایماء مترشح ہوتا ہے کہ احقر کی بے عملی کے باوجود 'دین' دینی اعمال اور دینی مراکز سے انشاء اللہ میرا اور تمہارا قلبی علاقہ تعلق ہمیشہ برقرار رہے گا۔ اور درس حدیث یہ توفیق ذکر اللہ ہے، چہرہ کو منور دیکھنا اور اس پر سے نظر ہٹانے کو دل

نہ چاہنا، یہ تمہارا بفضل اللہ مستقبل میں نور معرفت سے موانست اور امکان حصول پر شاھد ہے، جس پر معیت کی خواہش مزید قوت کی دلیل ہے انشاء اللہ العزیز۔ اور جواہرات سے مرصع دوات نما ڈبیہ، تم سے بتوفیق اللہ کسی بڑی دینی ایسی خدمت لینے پر مشیر ہے کہ جس سے مسلمان تا دیر مستفید ہوتے رہیں گے۔ اللہ تعالی ان تمام امکانات کو تمہارے لئے اور تمہاری بدولت راقم الحروف کے لئے امر واقعہ بنا دے، آمین یا رب العالمین۔''

محمد سالم قاسمی

از دیوبند ۲۳-۳-۱۸ھ ۱۲-۱۱-۲ء

اس تعبیر سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کو فن تعبیر رؤیا پر بڑی مہارت تھی، حضرت نے خواب کے اجزاء کئے پھر ہر جز کی الگ تعبیر دی، عموماً حضرت خواب کے اجزاء کر کے الگ الگ ہر جز کی تعبیر دیتے پھر پورے خواب کا خلاصہ فرما دیتے۔

حضرت نے اور بھی کئی خوابوں کی تعبیر دی ہے، جو اس عاجز کے پاس محفوظ ہیں۔

بہر حال حضرت کو اس فن سے طبعی مناسبت رہی ہے اور جب کوئی اپنا خواب لکھ کر حضرت سے دریافت کرتا تو حضرت بڑے اہتمام سے اس کی تعبیر تحریراً ہی فرما دیتے، زبانی طور پر بھی بیان فرما دیتے مگر عموماً تحریراً ہی جواب مرحمت فرماتے۔

باب پنجم

قال الله تعالیٰ:

﴿یَاأَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ. قُمْ فَأَنْذِرْ. وَرَبَّکَ فَکَبِّرْ. وَثِیَابَکَ فَطَھِّرْ﴾

(سورۃ المدثر: ۱ تا ۴)

قال رسول الله صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

”لیبلغن ھذا الأمر مابلغ اللیل والنھار، ولا یترک الله بیت مدر ولا وبر إلا أدخلہ الله ھذا الدین بعز عزیز أو بذل ذلیل عزاً یعز الله بہ الإسلام وأھلہ، وذلاً یذل الله بہ الکفر.“

(رواہ أحمد)

شعر

وہ جس نے علم کی مشعل سے ہر سو روشنی کردی
وہ جس نے سینۂ ظلمت کے اندر بھی ضیاء بھر دی
کیا جس نے چراغِ دانش و فہم و ذکاء روشن
جسے کہنا پڑا سارے جہاں کو علم کا مخزن

باب پنجم کے مشمولات

- ☆ تاسیس دار العلوم وقف دیوبند
- ☆ حجۃ الاسلام اکیڈمی
- ☆ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے قیام میں حضرت خطیب الاسلام کا تاسیسی کردار
- ☆ حضرت خطیب الاسلام کے تعلیمی اور دعوتی اسفار
- ☆ حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ کی علمی مجالس
- ☆ حضرت خطیب الاسلام کی مؤقر تصنیفات اور دیگر تحریریں
- ☆ حضرت خطیب الاسلام کے مقالات
- ☆ جامعہ دینیات اردو دیوبند
- ☆ حضرت خطیب الاسلام کے کتابوں پر مقدمات وتقریظات
- ☆ حضرت خطیب الاسلام بحیثیت شارح فکر قاسمی
- ☆ حضرت خطیب الاسلام کی خطابت
- ☆ حضرت خطیب الاسلام بحیثیت ایک جلیل الشان محدث
- ☆ حضرت خطیب الاسلام بحیثیت شاعر

حضرت خطیب الاسلام نوراللہ مرقدہ کی حیات مبارکہ مسعودہ سے متعلق کتاب کا یہ باب نہایت ہی اہمیت کا حامل ہے اور نہایت ہی اہم حصہ ہے۔ جس میں حضرت خطیب الاسلام کے علمی، دینی ہمہ گیر دعوتی اور ادبی کارہائے نمایاں کو۔ بقدر استطاعت لکھنے کی کوشش کی گئی ہے، اگرچہ مؤلف کتاب کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے اس بات کا اعتراف ہے کہ حضرت خطیب الاسلام جیسی ستودہ صفات، گونا گوں خصوصیات اور موسوعی وعبقری شخصیت کے تمام کارناموں کو بیان کرنا میرے بس کی بات نہیں، کیونکہ حضرت خطیب الاسلام کی دلآویز شخصیت اپنے اندر ایسی کشش اور جاذبت رکھتی تھی کہ جس جگہ تشریف لے جاتے وہاں ایک انجمن قائم ہو جاتی۔

ہر کجا من نگرمی انجمنے ساختہ اند

برصغیر کے جو بھی مشہور شہر اور قصبات ہیں ان میں اور گاؤں دیہات میں حضرت اصلاح معاشرہ، دعوت دین اور تعلیمی مراکز کے قیام کے لئے تشریف لے گئے، اس لئے ہر شہر اور قصبہ کے لوگوں کی الگ الگ یادیں حضرت کی حیات مبارکہ وابستہ ہیں، ہندوستان کے بڑے بڑے دینی و عصری اداروں کے سابق وموجودہ ذمہ داران کے حضرت رحمۃ اللہ کی ذات بابرکات سے الگ الگ یادیں اور داستانیں ہیں، کہ ان تمام جگہوں پر آپ نے علم کے موتی بکھیر رہے ہیں، اور نصف صدی سے زائد مدت میں نہ صرف تشنگان علوم نبوت کو اپنے علمی فیوض سے مستفید فرماتے رہے اور میراث نبوت تقسیم کرتے رہے، بلکہ ان کی فکر کو صحیح کرتے رہے، اور ہندوستان میں مسلمانوں کے مستقبل کی تعمیر کرتے رہے، فکر قاسمی اور دارالعلوم کے دینی، دعوتی، علمی اور تہذیبی منہج کو لوگوں، بلکہ علماء کو بتلاتے اور واضح کرتے رہے، اور دارالعلوم دیوبند کے اکابرین نے دین کی تبلیغ واشاعت کے لئے جس مخصوص منہج کو پسند فرمایا جس کا بنیادی عنصر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی صحیح تعلیم اور اتباع سنت ہے، اس کی ترجمانی برصغیر میں نہیں بلکہ پورے عالم میں فرماتے رہے، اکابرین دیوبند، خاص کر حضرت نانوتوی اور والد گرامی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے طرز پر دنیا بھر میں مدارس اور مکاتب قائم فرماتے رہے، جس کے ذریعہ دین کی صحیح تعلیم عام ہونے کا جگہ جگہ انتظام ہوا، اس لئے ان تمام کارناموں اور دینی ودعوتی اسفار کے دوران پیش آنے والے اہم دینی، دعوتی، تربیتی، تہذیبی اور معاشرتی واقعات اور تجربات کا ایک اتھاہ سمندر ہے، ان سب کا احاطہ ضبط تحریر میں لانا ممکن نہیں البتہ حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے میدان دعوت، میدان تعلیم اور اسلامی

تہذیب کو عام کرنے میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں، ان کا چنداں چنداں تذکرہ کیا جارہا ہے۔اس موقعہ پر تعارف نامہ دارالعلوم وقف میں جو کلمات حضرت خطیب الاسلام کے بارے میں لکھے گئے ہیں وہ یہاں قابل ذکر ہیں۔

''سینکڑوں نظریاتی اور اختلافات کے باوجود اگر کوئی شخصیت علماء کے درمیان مقبول اور مسلم نظر آئے اور ہر صاحب شعور اور شریف انسان ہر حالت میں اس کے احترام کو لازم ادب وتہذیب اور جزو اخلاق ومروت سمجھے تو یقین کیجئے کہ وہ شخصیت کوئی معمولی شخصیت نہیں ہوتی، اس میں کچھ ایسے امتیازی واقعات اور اعلیٰ صفات ضرور ہوں گی جو ہر انسان کو اخلاقی طور پر اس کیے ان میں ایک شخصیت حضرت مولانا سالم صاحب قاسمی کی ہے، جماعت علماء میں راسخ فی العلم، زمرۂ اساتذہ میں مخصوص صلاحیتوں کے حامل، خطابت میں حکیمانہ اسلوب سے متعارف رہی دانش میں بصیرت کے جوہر سے آراستہ، ارباب نظر میں وسعت نظر سے مزین، اہل قلم میں اپنے انداز کی ایک البیلی شخصیت، سنجیدگی کا مرقع، متانت کا پیکر، ذہانت کا آئینہ، فراست کا سرمایہ، احتیاط کامل کی تفسیر، شرافت کی تصویر، لفظ لفظ علم وبصیرت کا ترجمان، جملہ جملہ حکمت ومعرفت کا دیوان، گفتگو میں آبشاروں کی روانی، اصول کے پکے، قول کے سچے، وقت کے پابند، معمولات پر کاربند، مؤمنانہ سیرت کردار کے مالک، سفر میں ہوں تو رفقائے سفر کے لئے بہترین مربی، حضر میں تو اپنے خوردوں کے لئے راحت جان، مجالس درس میں ہیں تو طلبا کے لئے ابر رحمت، مجلس وعظ میں ہیں تو سننے والوں کے لئے سرمایہ یقین وایمان کسی بھی رخ سے دیکھیں ایک معیاری مثال اور قاعدے وضابطے کے انسان، آیئے ان کے کارہائے نمایاں کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔

تاسیس دارالعلوم وقف دیوبند

سقوط دارالعلوم کے بعد حکیم الاسلامؒ کے ساتھ طلبہ کی ایک بڑی تعداد اور قدیم ترین دارالعلوم کے مدرسین اور ملازمین جنہوں نے جوانی کے بہترین لمحات، جسمانی قوتیں اور ذہنی صلاحیتیں دارالعلوم دیوبند کی خدمت میں صرف کی تھیں دارالعلوم سے اس قضیہ نامرضیہ کے بعد رسمی طور پر الگ ہوگئیں، قدرت کو منظور تھا کہ دیوبند کی قدیم مرکزی جامع مسجد سے بھی قاسمیت کا علمی فیضان جاری ہو جس کی حفاظت وصیانت کے لئے حکیم الاسلامؒ جاں گسل حوادث سے گذرے۔ دارالعلوم کے ابتدائی زمانے میں چھتہ مسجد کے بعد دارالعلوم جامع مسجد دیوبند میں دس سال چلا۔ حکیم الاسلامؒ کی ایماء پر ۱۹۸۳ء میں از اول تا دورۂ حدیث شریف کی باضابطہ تعلیم کا آغاز ہوا اور ملازمین جامع مسجد کے حجروں میں بیٹھ کر دفتری امور کی انجام دہی میں مصروف ہوئے۔ خدائے علیم وخبیر ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ مرحلہ کتنا کٹھن اور مشکلات سے پر تھا۔ قدم قدم پر مسائل، وسائل ناپید، نہ درس گاہیں، نہ کتابیں، نہ چٹائیاں، دفاتر کے لئے کاغذ نہ قلم، کوئی بھی چیز میسر نہ تھی۔

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی، فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیریؒ، حضرت مولانا نعیم صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا خورشید عالم صاحب دیوبندیؒ جیسے فخر روزگار اساتذہ جن کی تدریس دارالعلوم دیوبند کا طرۂ امتیاز، علمی کمالات ضرب المثل اور شہرت ونیک نامی ہندوستان ہی میں نہیں پوری دنیا میں تھی اور دیوبندی مکتبہ فکر کے بیشتر نامور علماء مدارس اسلامیہ کے ذمہ داران اور ملی تنظیموں کے سربراہان کو جن سے شرف تلمذ پر ناز اور ان کی شخصیات پر ہمیشہ فخر رہا۔

دارالعلوم دیوبند کے ایسے قدیم الخدمت، مخلص اور تجربہ کار اساتذہ بے سروسامانی کے عالم میں دیوبند کی مرکزی جامع مسجد کے کھلے فرش پر بیٹھ کر خلوص وللّٰہیت اور شوق وذوق سے درس دیتے جو دارالعلوم دیوبند میں طلبہ کے جم غفیر کے درمیان ان کی پہچان بنا ہوا تھا۔ ان حضرات کے دل ودماغ میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ خیال نہیں آیا کہ وہ طلبہ کی ایک کثیر تعداد کے درمیان علم وحکمت کے موتی

بکھیرنے والے چند لٹے پٹے غریب الوطن طلبہ کے سامنے بیٹھے ہوئے ہیں، جنہیں نہ ایک وقت کا کھانا نصیب، نہ سر چھپانے کی جگہ میسر، نہ کتابوں کی سہولت، حتی کہ زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے بھی کلیتا محروم۔ ایک طویل عرصہ تک ایک کتاب میں کئی کئی طلبہ شریک ہوتے اور ہر قسم کی بے سروسامانی اور مشکلات کے باوجود اپنا سارا وقت تعلیم ومطالعہ میں صرف کرتے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ان طلبہ اور ان بے یارومددگار ملازمین کے دل میں اخلاص نیت حکیم الاسلامؒ کے موقف اور شخصیت سے گہری محبت اور تعلق نہ ہوتا تو ایک لمحہ کے لئے بھی مشکلات کے اس طوفان کا مقابلہ نہ کر پاتے۔ شہر دیوبند میں طلبہ کی رہائش کے لئے کرائے کے مکانات حاصل کئے گئے اور دیوبند کے تجارتی کتب خانوں کی اعانت سے درسی کتابوں کی فراہمی بھی ہوئی۔

مولانا اسحاق صاحب مرحوم مالک کتب خانہ رحیمیہ اور مولانا شوکت صاحب مالک کتب خانہ ہاشمیہ نے درسی کتابوں کی فراہمی کے ساتھ ہر بار انعامیہ جلسوں کے موقع پر اچھے نمبرات حاصل کرنے والے طلبہ کی نقد انعامات سے حوصلہ افزائی فرمائی اور گراں قدر کتابوں کی فراہمی میں مخلصانہ تعاون دیا، اس طرح دارالعلوم وقف دیوبند جیسے عظیم الشان علمی ودعوتی اسلامی جامعہ کا قیام نہایت متواضعانہ انداز پر عمل میں آیا۔

دارالعلوم وقف دیوبند کے قیام کے بعد متفقہ طور پر خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی، مہتمم، فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیریؒ، صدرالمدرسین وناظم مجلس تعلیمی، حضرت مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندیؒ شیخ الحدیث اور حضرت مولانا خالد حسین بلیاوی، حضرت مولانا فیض الحسن صاحب کشمیری، مولانا محمد حسن باندوی، قاری سعید عالم صاحب تدریس کے کاموں میں باضابطہ مصروف ہوگئے۔ مولانا مفتی شکیل احمد صاحب سیتاپوری، حضرت مولانا خالد حسین بلیاوی، حضرت مولانا فیض الحسن صاحب کشمیری، مولانا محمد حسن باندوی، قاری سعید عالم صاحب تدریس کے کاموں میں مصروف رہے۔ مولانا مفتی شکیل احمد صاحب کچھ عرصہ کے بعد اپنے وطن میں کسی بڑے مدرسہ کے مہتمم ہوئے اور دارالعلوم وقف سے سلسلہ منقطع ہوگیا۔ مولانا خالد حسین بلیاوی پاکستان ہجرت کر گئے۔ اس کے بعد مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ میں بحیثیت شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور تاحیات وہیں پر تدریس حدیث کی خدمت انجام دیتے رہے۔ مولانا فیض الحسن کشمیری قیام دارالعلوم وقف کے بعد دوسرے سال اپنے وطن میں انتقال کر گئے۔ اس طرح تین فائق الاستعداد

اساتذہ کے چلے جانے سے ایک خلا پیدا ہوا مگر اللہ کی ذات بڑی کارساز ہے۔ اس کے بعد حضرت مولانا علامہ رفیق احمد سابق شیخ الحدیث مفتاح العلوم جلال آباد، حضرت مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی، مولانا محمد اسلام صاحب قاسمی، مولانا قمر عثمانی، مولانا محمد حنیف صاحب مظفرنگری، مولانا مفتی محمد واصف صاحب عثمانی سابق مبلغ دارالعلوم دیوبند، مولانا مفتی محمد عمران صاحب دیوبندی، مولانا محمد اسماعیل صاحب مدنی، مولانا اسماعیل خان دیوبندی، مفتی الیاس صاحب گونڈوی سابق رکن افتاء دارالعلوم دیوبند، مولانا محمد سفیان قاسمی، مولانا سید احمد خضر شاہ کشمیری، ڈاکٹر مولانا انیس الاسلام قاسمی، مولانا غلام رسول کشمیری تدریسی خدمت کے لئے مقرر ہوئے۔ اس کے بعد مولانا غلام نبی صاحب کشمیری، مفتی انوار الحق صاحب دربھنگویؒ ودیگر نوجوان فضلاء دارالعلوم وقف دیوبند کے تدریسی قافلہ میں شامل ہوئے۔

بخاری شریف کے اسباق حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی، حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیریؒ، حضرت مولانا نعیم صاحب دیوبندیؒ سے متعلق رہے جبکہ کچھ اسباق محدود وقت کے لئے حضرت مولانا رفیق احمد صاحبؒ سے بھی متعلق رہے۔ دارالافتاء کا شعبہ دارالعلوم دیوبند کے تجربہ کار مفتی حضرت مولانا سید احمد علی سعید صاحب کی سربراہی میں سرگرم عمل رہا۔ تکمیل ادب کے شعبہ کو مولانا محمد اسلام صاحب، شعبہ تجوید قاری سعید عالم صاحب، شعبۂ حفظ وناظرہ جناب حافظ محمد انوار صاحب دیوبندی، شعبۂ دینیات جناب ماسٹر موسیٰ صاحب، شعبہ خوش خطی کو جناب منشی امتیاز صاحب کی نگرانی اور خدمات حاصل رہیں اور ان حضرات نے پوری لگن کے ساتھ دارالعلوم وقف کا معیار تعلیم بلند کیا۔

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیریؒ انتظامی اور تدریسی خدمات کے ساتھ فراہمی سرمایہ اور دارالعلوم وقف دیوبند کے مالی استحکام کے لئے بھی سرگرم عمل رہے۔ حکیم الاسلامؒ اور ان کی جماعت کے ساتھ ملک وبیرون ملک جو غلط فہمیاں پائی جارہی تھیں اور جس انداز سے پروپیگنڈہ کیا گیا تھا اس کی وجہ سے ابتداء ان حضرات کو قدم قدم پر مشکلات کا سامنا رہا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کی مسلسل محنت، اخلاص نیت اور دین کی حفاظت کے تئیں کمر بستہ رہنے کی وجہ سے ان مشکلات جو قیام واستحکام دارالعلوم وقف کے سلسلے میں فرمائی تھیں وہ اپنی مثال آپ ہیں، کو سہولیات میں تبدیل فرما دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان

دونوں حضرات نے حضرت حکیم الاسلامؒ کے بعد جو مشکلات اٹھائیں، جن سختیوں کا سامنا کیا اور جو بے بنیاد تہمتیں اور الزامات اپنے سر لے کر دارالعلوم وقف کی نشو ونما، استحکام اور ترقی کے لئے حوصلہ دکھایا وہ ان حضرات کی اولوالعزمی اور عزیمت کا ایک روشن باب ہے اور انشاء اللہ آخرت میں ان حضرات کی یہ بےلوث خدمات اجر عظیم کا باعث ہوں گی۔

جن طلبہ نے ان روح فرسا ایام میں دارالعلوم وقف دیوبند سے کسب فیض کیا ان کے سامنے وہ تمام واقعات اور حقائق جو طلب علم کی خاطر قدیم کتابوں میں درج ہیں اور انہیں پڑھ کر آدمی کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، روز روشن کی طرح عیاں ہوئے اور ان کی صداقت ان کے دلوں میں یقین بن کر اتر گئی۔ اداروں اور تحریکوں کی زندگی میں نشیب وفراز ضرور آتے ہیں مگر وہ ادارے جو ایک مبنی بر حقیقت فکر کی اشاعت کے لئے سرگرم عمل ہوئے ہوں ان کے حصہ میں مشکلات کچھ زیادہ ہی آتی ہیں۔ دارالعلوم وقف دیوبند اس سیاق وسباق میں ایک ادارہ ہی نہیں تھا بلکہ ایک علمی، دینی، دعوتی اور نبوی فکر کا ترجمان بھی ہے تو ظاہر ہے کہ مشکلات اس کا مقدر بنیں جو کار دعوت ورسالت کی انجام دہی میں تاریخ اسلام میں بے شمار دعاۃ پیش آئیں۔ بایں ہمہ ادارہ سے وابستہ جماعت نہ صرف ثابت قدم رہیں بلکہ صبر واستقامات کے تابندہ اور حسین نقوش تاریخ پر رقم کر گئی۔ فجزاھا اللہ کل خیر

دارالعلوم وقف دیوبند کی عماراتِ جدیدہ کا سنگ بنیاد

تقریباً چالیس سال قبل جب حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحبؒ اور ان کے مخلص ساتھیوں پر دارالعلوم دیوبند میں پرسکون اور باوقار تعلیمی وانتظامی خدمات کا دروازہ بند کر دیا گیا تو حضرتؒ نے اپنے اکابر کے انداز میں دارالعلوم کے ان امتیازات وخصوصیات کو باقی رکھنے کے لئے جس سے دارالعلوم کی شہرت ہے دارالعلوم وقف دیوبند کے نام سے انتہائی بے سروسامانی کے عالم میں کام شروع کیا تھا، قدم قدم پر مشکلات اور ہر ہر مرحلہ پر حوصلہ شکن واقعات کے باوجود یہ کارواں بدستور آگے بڑھتا رہا۔ چند سالوں کے مختصر عرصہ میں یہ بے برگ وبار پودہ اللہ کے فضل وکرم سے ایک شجر سایہ دار بن گیا اور جامع مسجد کی وسعتیں اس ادارہ کی ہمہ جہت رفعتوں کو سمیٹنے سے قاصر ہوگئیں، طلبہ کی رہائش گاہیں منتشر ہونے کی بنا پر ذمہ دارانِ ادارہ اخلاق وتربیت کے وہ پہلو اجاگر

نہیں کر پا رہے تھے جو دینی درسگاہوں کی بنیادی خصوصیات ہیں۔ بابری مسجد کی شہادت کے موقعہ پر ۱۹۹۲ء کے مسلسل کرفیو نے اپنی عمارت کی ضرورت کو اور زیادہ باور کروایا، چنانچہ اللہ کے فضل وکرم اور مخیّر حضرات کی مخلصانہ معاونت اور خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی، حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیریؒ کی شب وروز محنت سے ایک وسیع قطعۂ اراضی شہر سے باہر مدرسہ کے لئے خرید لی گئی۔

۲۴/ جون ۱۹۹۴ء بروز جمعہ فقیہ الامت حضرت مولانا محمود حسن گنگوہیؒ، خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی، حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب کشمیریؒ، حضرت مولانا مفتی مظفر حسینؒ، حضرت مولانا محمد نعیم صاحبؒ اور سینکڑوں علماء، طلبہ، تشنگان علوم نبوت اور اپنے وقت کے صلحاء ومشائخ کی موجودگی میں اپنے دستِ مبارک سے عمارت کی پہلی اینٹ اس زمین پر رکھی، جس کا نام آج جامعہ ''دارالعلوم وقف دیوبند'' ہے۔

دارالعلوم وقف دیوبند علمی، فکری اور دعوتی امتیازات

علماء دارالعلوم قف دیوبند اپنے مسلک اور دینی رخ کے اعتبار سے اہل سنت والجماعت ہیں، اور مذہب امام ابوحنیفہؒ کے پیروکار ہیں، اور مشرب میں دارالعلوم کے بانیین حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم النانوتویؒ ادر امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کو اپنا مقتدی سمجھتے ہیں۔

دینی رخ

جہاں تک دارالعلوم وقف دیوبند اور اس کے بڑوں کے دینی رخ کا تعلق ہے تو اسے نہایت ہی بلیغ اور جامع انداز میں حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ (مہتمم دارالعلوم دیوبند) نے اپنے رسالہ ''مسلک علماء دیوبند'' میں واضح کردیا ہے۔ جس کا خلاصہ کم وبیش انہیں کے الفاظ میں یہ ہے:

> علمی حیثیت سے یہ ولی اللہی جماعت مسلکاً اہل السنۃ والجماعۃ ہے جس کی بنیاد قرآن کریم، سنت، اجماع اور قیاس پر قائم ہے، اس کے نزدیک تمام مسائل میں اولین درجہ نقل وروایات اور آثار سلف کو حاصل ہے جس پر پورے دین کی عمارت کھڑی ہوئی ہے۔ اس لئے قرآن وسنت کے حقیقی معانی تک رسائی کے لئے محض قوت مطالعہ کافی نہیں بلکہ اسلاف کے اقوال اور

ان کے متوارث مذاق کے دائرے میں محدود رہ کر نیز اساتذہ وشیوخ کی صحبت وملازمت اور تعلیم وتربیت ہی سے ان کی مرادات متعین ہوسکتی ہیں۔ اسی کے ساتھ عقل ودرایت اور تفقہ فی الدین بھی ان کے نزدیک فہم کتاب وسنت کا ایک بڑا اہم جزو ہے، وہ روایات کے مجموعہ سے شارع علیہ السلام کی غرض وغایت کو سامنے رکھ کر تمام روایات کو اسی کے ساتھ وابستہ کرتے ہیں، اور سب کو درجہ بدرجہ اپنے اپنے محل پر اس طرح چسپاں کرتے ہیں کہ وہ ایک ہی زنجیر کی کڑیاں دکھائی دیں، اس لئے جمع بین الروایات اور تعارض کے وقت تطبیق احادیث ان کا خاص اصول ہے، جس کا منشاء یہ ہے کہ وہ کسی ضعیف سے ضعیف روایت کو بھی چھوڑنا اور ترک کرنا نہیں چاہتے جب تک کہ وہ قابل احتجاج ہو، اسی بناء پر اس جماعت کی نگاہ میں نصوص شرعیہ میں کہیں بھی تعارض اور اختلاف محسوس نہیں ہوتا، بلکہ سارے کا سارا دین تعارض اور اختلاف سے مبرأ رہ کر ایک ایسا گلدستہ دکھائی دیتا ہے جس میں ہر رنگ کے پھول اپنے اپنے موقع پر کھلے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اسی کے ساتھ بطریق اہل سلوک رسمیات اور رواجوں اور نمائشی حال وقال سے مبرأ اور بری ہے، تزکیۂ نفس اور اصلاح باطن بھی اس کے مسلک میں ضروری ہے، اس نے اپنے منتسبین کو علم کی رفعتوں سے بھی نوازا اور عبدیت وتواضع جیسے انسانی اخلاق سے بھی مزین کیا۔ اس جماعت کے افراد ایک طرف علمی وقار، اور غناء نفس کی بلندیوں پر فائز ہوئے، وہیں فروتنی خاکساری اور ایثار وزہد کے متواضعانہ جذبات سے بھی بھرپور رہے نہ رعونت اور کبر ونخوت کا شکار ہوئے اور نہ ذلت نفس اور مسکنت میں گرفتار، وہ جہاں علم واخلاق کی بلندیوں پر پہنچ کر عوام سے اونچے دکھائی دینے لگے وہیں عجز ونیاز، تواضع وفروتنی اور لاامتیازی کے جوہروں سے مزین ہوکر عوام میں ملے جلے اور ''کاحد من الناس'' بھی رہے، جہاں وہ مجاہدہ ومراقبہ سے خلوت پسند ہوئے وہیں مجاہدانہ اور غازیانہ اسپرٹ نیز قومی خدمت کے جذبات سے جلوہ آراء بھی ثابت ہوئے، غرض علم واخلاق خلوت وجلوت اور مجاہدہ وجہاد کے مخلوط جذبات ودواعی سے ہر دائرۂ دین میں اعتدال اور میانہ روی ان کے مسلک کی امتیازی شان بن گئی، جو علوم کی جامعیت اور اخلاق کے اعتدال کا قدرتی ثمرہ ہے، اسی لئے ان کے یہاں محدث ہونے کے معنی فقیہ سے لڑنے یا فقیہ ہونے کے معنیٰ محدث سے بیزار ہو جانے یا نسبت احسانی (تصوف پسندی) کے معنی متکلم دشمنی یا علم کلام کی حذاقت کے معنیٰ

تصوف بیزاری کے نہیں بلکہ اس کے جامع مسلک کے تحت اس تعلیم گاہ کا فاضل درجہ بدرجہ بیک وقت محدث، فقیہ، مفسر، مفتی متکلم، صوفی اور حکیم ومربی ثابت ہوا، جس میں زہد وقناعت کے ساتھ، عدم تقشّف، حیاوانکساری کے ساتھ عدم مداہنت، رافتہ ورحمت کے ساتھ امر بالمعروف ونہی عن المنکر قلبی یکسوئی کے ساتھ قومی خدمت اور خلوت درانجمن کے ملے جلے جذبات راسخ ہوئے، ادھر علم وفن اور تمام ارباب علوم وفنون کے بارے میں اعتدال پسندی، حقوق شناسی اور ادائیگی، حقوق کے جذبات ان میں بطور جوہر نفس پیوست ہو گئے، بنابریں دینی شعبوں کے تمام ارباب فضل وکمال اور راسخین فی العلم خواہ محدثین ہوں یا فقہاء صوفیاء ہوں یا عرفاء، متکلمین ہوں یا اصولیین، امراء اسلام ہوں یا خلفاء ان کے نزدیک سب واجب الاحترام اور واجب العقیدت ہیں، جذباتی رنگ میں کسی طبقہ کو بڑھانا اور کسی کی مدح وذم میں حدود شرعیہ سے بے پرواہو جانا اس جماعت کا مسلک نہیں، اس جامع طریق سے دارالعلوم نے اپنی علمی خدمت سے شمال میں سائبیریا سے لے کر، جنوب میں سماٹرا اور جاوا تک اور مشرق میں برما سے لے کر مغربی سمتوں میں عرب اور افریقہ تک علوم نبویہ کی روشنی پھیلا دی جس سے پاکیزہ اخلاق کی شاہراہیں صاف نظر آنے لگیں۔[1]

علم شریعت

اس میں عقائد وایمانیات اور دنیاوی معاملات وغیرہ کے تمام اجزاء شامل ہیں؟ جن کا حاصل ایمان اور اسلام ہے بشرطیکہ یہ علم سلف کے اقوال وتعامل کے دائرے میں محدود رہ کر ان مستند علمائے دین اور مربیان قلوب کی تعلیم وتربیت اور فیضان صحبت ومعیت سے حاصل شدہ ہو جن کے ظاہر باطن، علم اور عمل اور فہم وذوق کا سلسلہ سند متصل کے ساتھ حضرت صاحب شریعت علیہ افضل الصلوات والتسلیم تک تسلسل کے ساتھ پہنچا ہوا ہو۔ خود رائی یا محض کتب بینی یا قوت مطالعہ اور محض عقلی تگ وتاز یا ذہنی کاوش کا نتیجہ نہ ہو، گو وہ عقلی پیرایۂ بیان اور استدلالی حجت وبرہان سے خالی بھی نہ ہو کہ اس علم کے بغیر حق وناحق، حلال وحرام، جائز وناجائز، سنت وبدعت اور مکروہ ومندوب میں امتیاز ممکن نہیں اور نہ ہی اس کے بغیر دین میں خود رو تخیلات، فلسفیانہ نظریات اور بے بصیرانہ توہمات سے نجات ہی ممکن ہے۔

---

[1] علمائے دیوبند ان کا دینی رخ اور مسلکی مزاج

اتباع سنت محمد رسول اللہ علیہ وسلم

زندگی کے ہر شعبہ میں آپ ﷺ کی سنتوں کی پیروی اور ہر حال وقال اور ہر کیفیت ظاہر وباطن میں ادب شریعت برقرار رکھ کر سنت مستمرہ کا غلبہ کہ اس کے بغیر رسوم جہالت، رواجی بدعات ومنکرات اور باوجود احوال باطن کے فقدان کے محض رسمی طور پر اہل حال کے وجدی شطحیات وکلمات کی نقالی یا انہیں شریعت کے متوازی ایک مستقل قانون عام کی صورت دے دئے جانے کی بلا سے نجات ممکن نہیں۔

پیروئی طریقت

یہ محققین صوفیاء کے سلاسل اوران کے اصول مجربہ کے تحت (جو کتاب وسنت سے ماخوذ ہیں) تہذیب اخلاق، تزکیہء نفس اورسلوک باطن کی تکمیل ہے کہ اس کے بغیر اعتدال اخلاق، استقامت ذوق ووجدان، باطنی بصیرت، ذہنی پاکیزگی اور مشاہدۂ حقیقت ممکن نہیں۔ظاہر ہے کہ یہ شعبہ اسلام و ایمان کے ساتھ متعلق ہے۔

فقہ حنفی

اسلامی فرعیات اورقوانین کی اجتہادی تشریحات کا نام فقہ ہے۔چونکہ اکابر دارالعلوم عامتہ فقہ حنفی پرعمل پیرا ہیں اس لئے فقہی حنفیت کے معنی اجتہادی فرعیات میں فقہ حنفی کا اتباع اور مسائل وفتاویٰ کی تخریج اورترویج مین اسی کے اصول تفقہ کی پیروی کے ہیں کہ اس کے بغیر استنباطی مسائل میں ہوائے نفس سے اورتلفیق کے راستے سے مختلف فقہوں میں تلون کے ساتھ دائر سائر رہ کرعوام کے حسب خواہش، نفس مسائل میں قطع وبرید یا ہنگامی حالات کی مرعوبیت سے ذہنی قیاس آرائی اورلاعلمی کے ساتھ مسائل میں جاہلانہ تصرفات واختراعات سے اجتناب ممکن نہیں، ظاہر ہے کہ یہ شعبہ اسلام سے متعلق ہے۔

کلامی ماتریدیت

اعتقادات مین فکر صحیح کے ساتھ طریق اہل سنت والجماعت اوراشاعرہ وماتریدیہ کے تنقیح کردہ مفہومات اورمرتب کردہ اصول وقواعد پرعقائد حقہ کا استحکام اورقوت یقین کے برقراری، کہ اس کے

بغیر زائغین کے شک اندازیوں اور فرق باطلہ کے قیاسی اختراعات اور اوہام وشبہات سے بچاؤ ممکن نہیں، ظاہر ہے کہ یہ شعبہ ایمان سے متعلق ہے۔

دفاع زیغ وضلالت

یعنی متعصب گروہ بندوں اور ارباب زیغ کے اٹھائے ہوئے فتنوں کی مدافعت، مگر وقت کی زبان وبیان میں اور ماحول کے نفسیات کے شعور کے ساتھ وقت ہی کے مانوس ومسائل کے ذریعہ جس سے اتمام حجت ہو، نیز مجاہدانہ روح کے ساتھ ان کے استیصال کے مساعی کہ اس کے بغیر ازالہء منکرات اور معاندین کے دست برد سے شریعت کا تحفظ ممکن نہیں، اس میں ردشرک وبدعت، ردالحادودہریت، اصلاح رسوم جاہلیت اور حسب ضرودت تحریری یا تقریری مناظرے، اور تغییر منکرات سب شامل ہیں، ظاہر ہے کہ یہ شعبہ اعلاء کلمۃ اللہ بفحوائے لتکون کلمته الله هی العلیا اور اظہار دین بفحوائے لیظهره علی الدین کله اور عام نظم ملت سے متعلق ہے۔

ذوق قاسمیت ورشیدیت

پھر یہی پورا مسلک اپنی مجموعی شان سے جب دارالعلوم دیوبند کے مربیان اول اور نبض شناسان امت کے روح وقلب سے گزر کر رنمایاں ہوا تو اس نے وقت کے تقاضوں کو اپنے اندر سمیٹ کر ایک خاص ذوق اور خاص رنگ کی صورت اختیار کر لی جسے مشرب کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، چنانچہ دستور اساسی دارالعلوم دیوبند منظور شدہ شعبان ۱۳۶۸ھ میں اس حقیقت کو بایں الفاظ کہا گیا کہ دارالعلوم دیوبند کا مسلک اہل السنّت دالجماعت حنفی مذہب اور اس کے مقدس بانیوں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مشرب کے موافق ہوگا۔

اس لئے مسلک دارالعلوم وقف دیوبند کے اجزاء ترکیبی میں یہ جز ایک اہم عنصر ہے جس پر دارالعلوم کی تعلیم وتربیت کا کارخانہ چل رہا ہے، جو احسان کے تحت آتا ہے، جبکہ اس کا تعلق روحانی تربیت سے ہے پس علم شریعت، پیروی طریقت، اتباع سنت فقہی حنفیت، کلامی ماتریدیت، دفاع زیغ وضلالت اور ذوق قاسمیت ورشیدیت اس مسلک اعتدال کے عناصر ترکیبی ہیں، غور کیا جائے تو یہ مسلک بعینہ حدیث جبرئیل کا خلاصہ ہے، جس میں جبریل علیہ السلام کے سوالات پر آنحضرت ﷺ نے اسلام، ایمان، احسان اور دفاع فتن کی تفصیل ارشاد فرمائی ہے، اور اس کے مجموعہ کو تعلیم دین فرمایا

ہے، اس لئے اگر کہا جائے کہ علماء دیوبند کا مسلک حدیث جبرئیل کا ترجمان ہے تو بے محل نہ ہوگا۔

پھر ان تمام بنیادی عناصر کی بنیاد واساس کتاب اللہ، سنت رسول اللہ، اجماع امت اور قیاس مجتہد ہے، جن میں سے پہلی دو حجتیں تشریعی ہیں جن سے شریعت بنتی ہے اور آخر کی دو حجتیں تفریعی ہیں جن سے شریعت کھلتی ہے، پہلی دو حجتیں منصوصات کا خزانہ ہیں جو روایتی ہیں، جن کے لئے سند و روایت ناگزیر ہے، اور دوسری دو حجتیں درایتی ہیں جن کے لئے تربیت یافتہ عقل وفہم اور تقوی شعار ذہن وذوق ناگزیر ہے، اس لئے یہ مسلک اعتدال نقلی بھی ہے اور عقلی بھی، روایتی بھی ہے اور درایتی بھی، مگر اس طرح کہ نہ عقل سے خارج ہے نہ عقل پر مبنی، بلکہ عقل ونقل کی متوازن آمیزش سے بایں انداز برپا شدہ ہے کہ نقل اور وحی اس میں اصل ہے اور عقل اس کی ہمہ وقتی خادم اور کارپرداز ہے۔

اس لئے علماء دیوبند کا یہ مسلک نہ تو عقل پرست معتزلہ کا مسلک ہے جس میں عقل کو نقل پر حاکم اور متصرف مان کر عقل کو اصل اور وحی یا اس کے عقیدتمندوں کا کوئی رابطہ دین سے قائم نہیں رہتا، اور نہ یہ مسلک ظاہریہ کا مسلک ہے جس میں الفاظ وحی پر جمود کر کے عقل ودرایت کو معطل کر دیا گیا ہے، اور دین کے باطنی علل واسرار اور اندرونی حکم ومصالح کو خیر باد کہہ کر اجتہاد اور استنباط کی ساری راہیں مسدود کر دی گئی ہیں جس سے دین ایک نئی حقیقت بلکہ بے معنویت غیر معقول اور جامد شئی بن کر رہ جاتا ہے اور دانش پسند اور حکومت دوست افراد کا اس سے کوئی علاقہ باقی نہیں رہتا، پس ایک مسلک میں عقل ہی عقل رہ جاتی ہے اور ایک مسلک میں عقل معطل اور بے کار، ظاہر ہے کہ یہ دونوں جہتیں افراط وتفریط اور ''وکان امرہ فرطا'' کی ہیں جن سے یہ متوسط اور جامع ومعتدل دین بری ہے، اس لئے دین کا جامع عقل ونقل مسلک یہی ہے اور یہی ہو بھی سکتا ہے کہ تمام اصول وفروع میں عقل سلیم نقل صحیح کے ساتھ ہمہ وقت وابستہ رہے مگر دین کے ایک مطیع وفرمانبردار اور پیشکار کی طرح کہ اس کی ہر ایک کلی وجزئی کے لئے عقلی براہین، معقول دلائل اور حسی شواہد ونظائر فراہم کرتی رہے، جس سے دین، امت کے ہر طبقہ کے لئے قابل قبول اور ہمہ جہتی دستور حیات ثابت ہو اور یہ امت ''**وجعلنا کم امۃ وسطا**'' کی صحیح مصداق دکھائی دے یہی مسلک اہل السنّت والجماعت کا مسلک کہلاتا ہے، اور علماء دیوبند اس مسلک کے نقیب اور علم بردار ہیں، اسی لئے وہ اس مسلک جامع اور ان تمام دینی علوم کے اجتماع سے بیک وقت مفسر بھی ہیں اور محدث بھی، فقیہ بھی ہیں اور متکلم بھی ہیں، صوفی بھی ہیں اور مجاہد ومفکر بھی اور پھر ان تمام علوم کے امتزاج سے ان کا مزاج معتدل بھی ہے اور متوسط بھی، یہی وجہ ہے

کہ ان کے جماعتی مزاج میں نہ غلو ہے نہ مبالغہ، اور اس وسعت نظری کی بدولت نہ تکفیر بازی ہے نہ دشنام طرازی، نہ کسی کے حق میں سب وشتم ہے نہ بدگوئی، نہ عناد وحسد اور طیش ہے اور نہ غلبہء جاہ ومال اور افراط عیش بلکہ صرف بیان مسئلہ ہے اور اصلاح امت یا احقاق ہے اور ابطال باطل، جس میں نہ شخصیات کی تحقیر اور بدگوئی کا دخل ہے، نہ مغرورانہ طعن واستہزاء کا، ان ہی اوصاف واحوال کے مجموعہ کا نام دارالعلوم دیوبند ہے، اور اسی عملی وعلمی ہمہ گیری سے اس کا دائرہ اثر دنیا کے تمام ممالک تک پھیلا ہوا ہے۔

دارالعلوم وقف دیوبند اکابر کی نظر میں

☆ مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خاں صاحب جلال آبادی خلیفہ ارشد حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے فرمایا:

''آپ دارالعلوم وقف کو معمولی درسگاہ نہ سمجھئے۔ جس سطح پر ہندوستان و پاکستان کی عظیم درسگاہوں کا عالمی تعارف ہے دارالعلوم وقف بھی اب انہی بلندیوں میں پرواز کررہا ہے۔ میں غیر ملکی سفر سے آرہا ہوں، ہر جگہ میں نے دارالعلوم وقف دیوبند کا ذکر خیر سنا۔ میں دارالعلوم وقف کو ہی اصل دارالعلوم دیوبند باور کرتا ہوں۔ اصل چیز روایات ہیں، عمارات نہیں۔''

☆ فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ نے فرمایا:

''خدا تعالیٰ آپ کے مدرسہ کا فیض جاری ومستمر فرمائے۔ خدا تعالیٰ درس گاہ کو خصوصی مقبولیت عطا فرمائے، آپ کی درسگاہ دن دونی رات چوگنی ترقیات حاصل کرے، آپ جو دینی وتعلیمی کام کررہے ہیں اس کی تفصیلات سن کر روح کو سکون ملتا ہے۔''

سنگ بنیاد رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا: ''مدرسہ تعمیر کیجئے، مدرسہ کا فیض جاری ہو چکا ہے''

☆ حضرت مولانا مفتی مظفر حسین صاحبؒ نے فرمایا:

''اللہ دارالعلوم وقف کو بامِ عروج پر پہنچائے، اس کا علمی ودینی فیضان مستمر ہو، اس کی ترقیات کی کوئی انتہا نہ ہو، آسمانِ علم پر آفتاب کی طرح چمکے۔''

☆ رئیس التبلیغ حضرت مولانا محمد عمر صاحب پالن پوریؒ فرماتے ہیں:

''الحمد اللہ! اللہ آپ کی کوششوں کو کامیاب فرمائے، اسے علم دین کا سب سے بڑا مرکز بنائے۔ آپ سب کو خلوص کی دولتِ بے کراں عنایت فرمائے۔''

ارکان عمل کمیٹی کا عمارات جدیدہ کی تکمیل میں قابل ستائش کردار

دارالعلوم وقف دیوبند کے لئے خرید کردہ زمین پر تعمیر کا سلسلہ ارکانِ عمل کمیٹی کی نگرانی میں دارالاقامہ سے شروع ہوا۔ جس کے روح رواں مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی (موجودہ مہتمم واستاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند) ومولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی تھے۔ دارالاقامہ کی تعمیر جوں جوں آگے بڑھتی رہی شہر سے کرائے کے مکانات سے طلبہ کو دارالاقامہ میں منتقل کیا جاتا رہا۔ درس گاہوں کے لئے عارضی طور پر ٹین کے شیڈ کا نظم کیا گیا، گرمی کی شدت میں جب یہ ٹین شیڈ گرم ہوجاتا تو طلبہ و اساتذہ پسینے میں شرابور ہوجاتے۔ اسی حالت میں ایک عرصہ تعلیم جاری رہی، اسے اللہ تعالیٰ کی نصرت ہی کہا جاسکتا ہے کہ گرمی کی شدت کے باوجود نہ کوئی بیمار پڑا اور نہ تعلیمی سلسلہ کے انقطاع کی نوبت آئی۔ جب دارالحدیث اور درسگاہوں کی باضابطہ تعمیر ہوگئی تو طلبہ واساتذہ نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ تعمیرات کی تکمیل میں مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی اور مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی نے بڑی جگر سوزی، محنت اور ذمہ داری سے اپنے فرائض انجام دیئے۔ وسائل کی قلت کی بنا پر بہت سے کٹھن مرحلے ایسے بھی آئے کہ تعمیری کام موقوف ہوتا رہا مگر ان حضرات نے ہمت نہیں ہاری اور پوری لگن کے ساتھ تعمیری سلسلہ کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا اور آج بھی اسی فکرمندی کے ساتھ ادارہ کی تعمیر وترقی، تعلیمی معیار کو بہتر سے بہتر بنانے، طلبہ کی دارالعلوم کے مخصوص نہج پر تربیت اور نیک نامی کے لئے سرگرم عمل ہیں اور ان کی اور ان کے رفقائے کار کی انتھک کوششوں کے نتیجے میں طلبہ واساتذہ اور عملۂ دارالعلوم وقف دیوبند کے لئے یکسوئی اور اطمینان کی فضا میسر آسکی۔ فجزاھم اللّٰہ خیر الجزاء.

مذکورہ بالا تفصیلات سے دارالعلوم وقف دیوبند کا ایک خاکہ آپ کے ذہن میں آ گیا ہوگا، اس میں ادارہ چلانے والوں کے لئے یہ عبارت غیر معمولی اہمیت کی حامل ہے کہ: دوادادروں اور تحریکوں کی زندگی میں نشیب وفراز ضرور آئے ہیں، مگر وہ ادارے جو ایک مبنی بر حقیقت فکر کی اشاعت کے لئے سرگرم عمل ہوئے ہوں ان کے حصہ میں مشکلات کچھ زیادہ ہی آتی ہیں، دارالعلوم وقف دیوبند اس سیاق وسباق میں ایک ادارہ ہی نہیں بلکہ ایک اسلامی عالمینی دعوتی وعلمی فکر کا ترجمان بھی ہے تو ظاہر ہے کہ وہ تمام مشکلات اس کا مقدر بنیں جو انفرادی طور پر تحریکوں کا بنتی ہے، بایں ہمہ ادارہ سے وابستہ جماعت نہ صرف ثابت قدم رہی بلکہ صبر واستقامت کے تابندہ نقوش صفحات دہر پر ثبت کئے۔

دارالعلوم وقف دیوبند کا طرۂ امتیاز

حضرت خطیب الاسلام سے کچھ اخباری نمائندوں نے دارالعلوم وقف دیوبند کے متعلق چند سوالات کئے جس کے جوابات حضرت خطیب الاسلام نے دیئے، جن سے دارالعلوم وقف دیوبند کا طرۂ امتیاز واضح ہوکر سامنے آتا ہے، وہ سوالات وجوابات درج ذیل ہیں۔

حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم سے نمائندہ اخبار ''راشٹریہ سہارا'' نے اہم موضوعات پر چند سوالات اور حضرت والا دامت برکاتہم نے تشفی بخش جوابات مرحمت فرمائے۔

س: دارالعلوم (وقف) دیوبند کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ تمام مدارس اسلامیہ میں ممتاز حیثیت کا مالک ہے آپ براہ کرم اس پر روشنی ڈالیں؟

ج: دارالعلوم وقف دیوبند کا امتیاز یہ ہے کہ اس کے بانی حضرت الامام حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے عالمگیر فکر اسلامی نے اس کو عطاء کیا ہے۔اس کا اجمال یہ ہے کہ انیسویں اور بیسویں صدی میں مسلمانوں کے اوقاف پر چلنے والے مدارس اسلامیہ کو جب انگریزوں کی مسلم دشمن، غاصب حکومت نے از راہ ظلم وتعصب بہ یک جنبش قلم بحق سرکار ضبط کر کے تمام مدارس اور اسلامی مکاتب فکر کو بند ہونے پر مجبور کردیا۔ اس وقت دشمن مدارس اسلامیہ حکومت کے دور میں حضرت الامام حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے قلب مبارک میں اس تشویش انگیز خیال کا آنا الہام ربانی ہی کہا جاسکتا ہے کہ مسلم اقتدار اگرچہ ختم ہو چکا ہے مگر اس کا دوبارہ حاصل ہونا ناممکن نہیں۔لیکن سرچشمہائے دین مدارس اسلامیہ کے بند ہونے سے ملت اسلامیہ کا اسلامی وجود ہی خطرہ میں آگیا ہے اور اس خطرناک صورتحال کی تلافی کسی اعلی تعلیم وتربیت کے جامع الصفات نبوی دعوتی فکر پر مبنی ادارہ کے قیام ہی کے ذریعہ ہوسکتی ہے۔حکومت کی معاندانہ پالیسی کے پیش نظر حضرت الامام مولانا محمد قاسم صاحبؒ کی نگاہ دیوبند کی چھوٹی سی بستی پر پڑی اور آپ نے فراست ایمانی سے چھوٹی سی مسجد میں جو مسجد چھتہ کے نام سے مشہور ہے اعلی تعلیم کے مدرسے اور فن حدیث کے حریت پسند مکتب فکر کی حیثیت ہی سے نہیں بلکہ اوقاف کی ضبطی کے نتیجے میں ختم شدہ بنیادی مکاتب فکر یعنی دہلی کے ولی اللہی، قرآنی مکتب فکر، لکھنو کے فقہی مکتب فکر اور خیرآباد کے معقولی مکتب فکر اور جن کے مقامات مختلف اور فاصلے پر ہونے کی وجہ سے افادہ پہلے ہی محدود تھا۔ وہ اوقاف کی ضبطی کے نتیجے میں

بالکل ہی ختم ہو چکا تھا۔ حضرت الامام بانی دارالعلوم دیوبند نے ان تینوں مکاتب فکر کو دارالعلوم کی صورت میں ان کی تمام علمی خصوصیات کو یکجا کر کے، استخلاص وطن کے عظیم فکری ذوق کے ساتھ ایک عالم تاب مینارہ نور ملت کو عطاء فرما دیا۔ دارالعلوم (وقف) میں حریت وطن کے جذبہ صادق کے ساتھ تمام حقانی مکاتب فکر کی اس ''قاسمی جامعیت'' کو حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اپنے ساٹھ سالہ دور اہتمام میں بلاشرکت غیرے عالمگیر بنا کر دارالعلوم کی عہد آفریں خدمات کو اسلام کی علمی اور تعلیمی تاریخ کا ایک ایسا تاریخ ساز اور انمٹ باب بنا دیا کہ جس کے ذکر کے بغیر برصغیر کی تاریخ بھی مکمل نہیں قرار دی جاسکے گی۔ پھر اس علمی اور دعوتی امتیاز کو برقرار رکھنے کے لئے باوجود انتہائی نامساعد حالات کے دارالعلوم وقف دیوبند کا قیام عمل میں آیا، جس میں اللہ کی مشیت سے عنداللہ وعندالناس مقبول ولی اللہی علمی دعوتی مکتب فکر کی اشاعت کا از سرنو عزم محکم کیا گیا، جس کا امتیاز امت کا قرآن وحدیث سے زندگی کے ہر پہلو کا رشتہ جوڑنا ہے۔

س: فضلائے دارالعلوم وقف کے معاشی موقف پر بھی براہ کرم کچھ روشنی ڈالیے کیوں کہ اس کو بھی آج کے معاشی نقطہ نظر سے ہدف تنقید واعتراض بنایا جاتا ہے؟

ج: پہلی بات تو یہ ہے کہ معاشی خوشحالی یا بدحالی کا تعلق کسی بھی قسم کی تعلیم سے قطعاً نہیں ہے ورنہ جہلاء میں تو کوئی بھی معاشی لحاظ سے خوشحال نظر نہ آتا۔ جب کہ اس کے برعکس جہلاء میں بھی خوشحال افراد کی کمی نہیں۔

آج کی تعلیم کا مقصد چونکہ معاش ہی قرار دے دیا گیا ہے، اس لئے تعلیم کو معاش کا ذریعہ سمجھنے والے مدارس اسلامیہ کے فضلاء کو معاشی طور پر خالی ہاتھ اگر سمجھتے ہیں تو وہ ناقابل معافی ہیں کیوں کہ وہ تعلیم کے اصل مقصد سے واقف ہی نہیں اور نہ کسی دوسرے معاشی نقطہ فکر کا علم ہی رکھتے ہیں۔ مدارس اسلامیہ میں دینی احکام و ہدایات ربانی کے تحت فضلا چوں کہ ابتداء ہی سے مخلصانہ خدمت دین پر آخرت کی دائمی راحتوں کا ذریعہ ہونے کا یقین لئے ہوئے ہوتے ہیں، اس لئے معاش کے بارے اس عقیدے کے تحت کہ رزاق مطلق صرف اللہ رب العزت ہے۔ وہ خدمت دین کے ذریعہ حاصل ہوجانے والے بقدر کفاف وسیلہ معاش پر الحمداللہ پورے طور پر مطمئن رہتے ہیں۔ کیوں کہ عیش وآرام کے ساز وسامان سے بھرپور زندگی کے نہ عادی ہوتے ہیں اور نہ طلبگار، اس لئے الحمداللہ اس ملک کے باعزت وامن پسند فضلائے مدارس اسلامیہ نہ حکومت پر تعلیمی بوجھ بنتے ہیں اور نہ

مطالبہ معاش میں ہنگامہ بردار ہوتے ہیں۔ اور یہ بھی پیش نظر رکھنا ضروری ہے کہ جس طرح معاش مقصد زندگی بنانے اور ڈگریاں رکھنے والے سب کے سب مالدار نہیں ہوتے بلکہ ان میں غریبوں کی تعداد بھی کافی ہوتی ہے۔ اسی طرح دین کو مقصد بنانے والے اور معاش کو مقصد نہ بنانے والے فضلائے مدارس بھی تمام کے تمام غریب و نادار ہی نہیں ہوتے بلکہ ان میں بفضل خداوندی اچھی خاصی تعداد خوشحال لوگوں کی بھی ہوتی ہے۔ اس فکر سے ارباب اقتدار واختیار کے صحیح الفکر ہونے کی صورت یہ فضلائے مدارس زیادہ قابل قدر اور قابل اعتماد ہیں۔

س: آپ کے مدارس کے فضلاء کا تعلیم دین کے بعد میدان کیا ہوتا ہے؟

ج: ہر تعلیم اپنا میدان عمل بقدر صلاحیت خود بناتی ہے، ہمارے فضلاء کا بھی اس طبعی اصول کے تحت، میدان عمل ان کی صلاحیت کار کے بقدر ہی ہوتا ہے۔ وہ تدریس وافتاء، تقریر وخطابت، تصنیف وتالیف، تحقیق وتفکیر، سیاست، وراثت، صنعت وتجارت اور حرفت وزراعت وغیرہ کے ہر میدان میں دیانت وامانت کے ساتھ کامیاب ہیں۔ ان فضلاء کی دیانت کے جو دیگر طبقات میں کم سے کم تر ہی نہیں بلکہ اتفاقاً ہی آتی ہے۔ اہل اقتدار اگر عصبیت کی عینک اتار کر انصاف سے ان کو دیکھنا سیکھیں تو ملک کرپشن، بددیانتی، رشوت اور کام چوری وغیرہ کی لعنتوں سے بڑی حد تک نجات پا کر تیز رفتاری سے راہ ترقی پر گامزن ہوسکتا ہے لیکن

اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

دارالعلوم وقف دیوبند ایک نظر میں

تاریخ ہند میں یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں اور واضح ہے کہ یہاں کچھ خاندانوں کی تین نسلوں نے علم دین، قوم وملت اور خاص طور پر ملت اسلامیہ کے حق میں شاندار، روشن اور تاریخ ساز خدمات مسلسل انجام دی ہیں۔ سب سے پہلے حضرت مجدد الف ثانی سرہندی کے خانوادۂ مقدس نے، اس کے بعد حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم محدث دہلویؒ کے خاندان گرامی نے اور پھر حجۃ الاسلام الامام الکبیر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے خاندان گرامی کی پانچ نسلوں نے ملت اسلامیہ ہند اور قومی سطح پر وطن عزیز کی آزادی کے پروانہ وار پوری پوری ہمت وحوصلہ کے ساتھ شاملی کے میدان جنگ و جہاد میں جو عظیم الشان خدمات انجام دیں وہ تاریخ ہند اور تاریخ عزیمت کا ایسا

زریں، درخشاں اور قابل فخر باب ہے، جس کی روشنی کبھی مدہم نہیں ہوسکتی، اسی طرح ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں بظاہر شکست کے بعد انہوں نے تلوار کی جھنکار کے بجائے علم وشعور دیدہ ریزی اور درد مندی کے بے کراں جذبات سے سرشار ہوکر جو علمی اور روحانی خدمات انجام دیں اور جن کا سلسلہ آج تک جاری وساری ہے، سب سے پہلے حضرت نانوتویؒ نے اپنی حیات درخشاں کے آخری دن اور آخری سانس تک جو خدمات انجام دیں ہیں اس کا نقش درخشاں رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔

اس کے بعد ان کے صاحبزادۂ گرامی فخر الاسلام حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ مہتمم دارالعلوم دیوبند اور ان کے بعد صاحبزادۂ گرامی حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اور ان کے وصال کے بعد ان کے متعلق اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ قاسمی کے دور میں دارالعلوم دیوبند جتنا بھی تھا، جیسا بھی تھا اور جس قدر بھی تھا وہ سب حضرت قاری محمد طیب صاحب کے دور میں آپ کی مخلصانہ، دانش مندانہ، تحمل و برداشت سے لبریز طرزِ عمل، بھاگ دوڑ اور شبانہ روز کی خاموش جدوجہد اور جذبۂ بے قرار کی بدولت ہی تھا۔ دارالعلوم دیوبند کی عظمت وشہرت، ناموری اور نیک نامی جو کچھ بھی تھی، وہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ ہی کی بدولت تھی، ان کا ساٹھ سالہ دورِ اہتمام تاریخ دارالعلوم کا ایک تاریخ ساز، عہد آفریں، پُروقار بلکہ یادگار دور تھا۔

ان کے صاحبزادۂ گرامی، خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب روحِ رواں و مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند نے جس طرح اپنے خانوادۂ گرامی قدر کی عالمگیر پیمانے پر خدمات کے سلسلے کو نہ صرف باقی رکھا بلکہ اس کو مزید وسعتیں دیں، مزید ترقیات عطا کیں اور آج تک اپنی مسلسل علالت و کمزوری اور نقاہت کے باوجود جس طرح آپ کی خدمات جاری وساری ہیں اور جس وسیع وعریض طریقہ پر رواں دواں ہیں اور تاحین حیات جاری ہیں، وہ تاریخ ہند ہی نہیں بلکہ تاریخ عالم اسلام میں عہد آفریں ہے۔

دارالعلوم وقف حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند، بانی وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کا لگایا ہوا وہ شجرۂ طوبیٰ ہے جس کی بار آور شاخیں پورے عالم اسلام پر سایہ فگن ہیں۔

دارالعلوم وقف دیوبند وہ موٴقر درسگاہ ہے جو خالص دینی و مذہبی اور وقف علی اللہ ہے جسکی بنیاد توکل علی اللہ پر ہے۔

دارالعلوم وقف دیو بند درس حق کا وہ عظیم مرکز ہے جو ہر سال سیکڑوں علماء کی کھیپ تیار کرتا ہے، جن کے قول وعمل میں اتحاد سوچ وفکر میں وسعت اور دل ودماغ علم ومعرفت سے معمور ہوتے ہیں۔

دارالعلوم وقف دیو بند کا یہ امتیاز ہے کہ اس کے اساتذہ صاحب قلم، صاحب زبان، صاحب بصیرت، صاحب الرائے اور صاحب نسبت ہونے کے ساتھ ساتھ باصلاحیت اور باصلاح بھی ہیں۔

دارالعلوم وقف دیو بند کو اس پر فخر ہے کہ نبیرۂ حجۃ الاسلام جانشین حکیم الاسلام خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی کی سیادت، فخر المحد ثین حضرت مولانا انظر شاہ صاحب مسعودی کی قیادت اور صاحبزادۂ حکیم الاسلام متکلم اسلام حضرت مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی اور محدث جلیل حضرت مولانا خورشید عالم صاحب زید مجدہم کی ایک لمبے زمانے تک فراست اور محنت حاصل رہی۔

حجۃ الاسلام اکیڈمی

دارالعلوم دیو بند کی تاسیس کے انقلابی کارنامے اور برصغیر میں دین کی وقیع اور رفیع خدمات کے حوالہ سے وہ کون شخص ہے جو حجۃ لاسلام الامام محمد قاسم النانوتویؒ کے بارِ احسان سے زیر بار اوران کے دینی وتعلیمی کارناموں کا منت کش نہیں ہے۔ضرورت تھی کہ حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتویؒ کے علوم ومعارف اورافکار کوسہل زبان میں پیش کیا جائے، ان کی شخصیت اور انقلابی کارناموں سے دنیا کومتعارف کرایا جائے۔اس لئے اس شعبہ کا قیام عمل میں آیا جس میں:

علوم قاسمیہ کی تسہیل وتشریح کے ساتھ، علوم قاسمیہ کی روشنی میں جدید علم کلام کی تدوین، حجۃ الاسلامؒ کے علوم ومعارف کی درجہ بندی علمی وتحقیقی مناہج پر ہورہی ہے۔آپ کے افکار اور فکر دیو بند کا صحیح تعارف پیش کرانا اکابر علماء دیو بند کی علمی وتحقیقی کتابوں کا بزبان عربی اور انگلش ترجمہ بھی اولین ترجیحات میں سے ہے تاکہ اکابر دارالعلوم دیو بند کی عالمین دعوتی فکر سے دنیا کو واقف کراسکیں، جس کی طرف علمائے دارالعلوم دیو بند کو عالم اسلام کی مشہور شخصیت شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے شکایتی انداز میں توجہ دلائی تھی۔

اسی سلسلہ کی ایک کڑی طلباء مدارس اور باحثین کے لئے علمی وتحقیقی مضامین کی اشاعت کوممکن بناتے ہوئے وحدۃ الامۃ ششماہی عربی مجلّہ محکمہ کا اجراء بھی عمل میں آیا ہے۔جس کو دنیا کے درجنوں علماء کی تائید حاصل ہے۔جولوگ مجلّات محکمہ کی اہمیت وافادیت سے واقف ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں

کہ اس قسم کے مجلّات کا نکالنا کس قدر اہمیت کا حامل ہے۔ اس تحقیقی اور تصنیفی ادارے سے اب تک اردو، عربی اور انگریزی میں چھ کتابیں چھپ کر منظر عام پر آ گئی ہیں، جن کے نام درج ذیل ہیں:

(۱) حیات طیب (اردو) (۲) عکس احمد (اردو) (۳) فقہ النوازل (عربی) (۴) العلوم والاسلام (عربی) (۵) اجتہاد اور تقلید (۶) Human Being a Distinguish Creature یہ عالمی سطح کا تحقیقی و تصنیفی ادارہ اپنے انتہائی فعال ڈائریکٹر جناب ڈاکٹر مولانا محمد شکیب قاسمی صاحب کی سرپرستی میں تحقیق وتصنیف اور اکابرین دیوبند کی کتابوں کے عربی اور انگریزی تراجم کے باب میں اہم خدمات انجام دے رہا ہے، اور معلوم ہوا کہ حضرت حکیم الاسلام علیہ الرحمہ کی سوانح بنام ''حیات طیب'' بھی ترجمہ ہو کر منظر عام پر آ گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کے رفقائے کار کو مزید ہمت، طاقت اور حوصلہ عطا فرمائے، اور اس مبارک دعوتی عظیم اقدام کو اسی طرح مقبولیت اور تلقی بالقبول عطا فرمائے جس طرح ان کے آباء و اجداد کے لگائے ہوئے شجر طوبی دارالعلوم اور پھر دارالعلوم وقف دیوبند کو عطا فرمائے۔[1] **وما ذالک علی اللہ بعزیز**

---

[1] یہ تمام تفصیلات تعارف نامے دارالعلوم وقف دیوبند، حیات طیب اور مجالس خطیب الاسلام کو سامنے رکھ کر لکھی گئیں۔

حضرت خطیب الاسلام فرماتے ہیں:

’’پہلا جز وہ تھا کہ آپ کے دماغ کو (دلائل نقلیہ وعقلیہ سے مدلل کرکے) مطمئن کیا، اور دوسرا جز یہ کہ آپ کے قلب کو نظام ذکر سے مطمئن کیا، اور تیسرا مطالبہ ہے آپ کے ’’ہاتھ اور پاؤں‘‘ ان کا مطالبہ ہے درحقیقت نظام عمل کا، اللہ نے ان کو کام کرنے والا بنا کر پیدا کیا۔‘‘

(خطبات خطیب الاسلام: ج۱،ص۱۷)

مسلم پرسنل لاء بورڈ کے قیام میں
حضرت خطیب الاسلام کا تاسیسی کردار

برصغیر ہندو پاک میں خاندان صدیقی نانوتہ کے خانوادہ قاسمی کو حق تعالیٰ شانہ نے یہ امتیاز بخشا کہ پچھلی ایک صدی میں جب بھی یہ امت طرح طرح کے انفرادی یا اجتماعی مسائل سے دوچار ہوئی اور مصائب وآلام کا شکار ہوئی تو حق تعالیٰ شانہ نے اس خانوادہ کے افراد کو ان حالات ومسائل سے نبرد آزما ہونے کے لئے اس طرح کھڑا کیا کہ جیسے حق تعالیٰ شانہ نے ان کو اسی کام کے لئے پیدا کیا ہو، جب غیر منقسم ہندو پاک میں امت مسلمہ کے وجود تک کے لالے پڑ گئے تھے اور یہاں کا مسلمان حیران وششدر بغیر قیادت کے بیچ میدان میں کھڑا رہ گیا تھا اس وقت اس خانوادہ کے ایک فرد حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس امت کی آبیاری کی، اور اس وقت اس مجاہد نے امت مسلمہ کے وجود کی بقاء میں جو بنیادی کردار ادا کیا وہ کسی ذی ہوش سے مخفی نہیں۔

اسی طرح ۱۹۷۲ء میں پرسنل لاء میں تغیر وتبدلی کا مسئلہ بڑے زور شور سے اٹھا تھا اور اسلام کے فقہی اور شرعی مسائل کو زمانہ حال کی ضرورت کے لئے ناکافی ظاہر اور باور کرانے کی ایک نہایت مذموم حرکت اور کوشش حکومت وقت اور ناعاقبت اندیش لوگوں کی طرف سے ہوئی تو ایک مرتبہ پھر اسی خانوادہ کا وہ بطل جلیل ان مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لئے میدان میں کود پڑا جس کو ہم لوگ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے نام سے جانتے ہیں، راقم الحروف نے حضرت خطیب الاسلام سے مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تاریخ، قیام اور اس کے پس منظر کے بارے میں سوال کیا تو حضرت نے مفصل اس کی تاریخ راقم الحروف سے طیب منزل ہی میں بیان فرمائی۔

حضرت نے بات یہاں سے شروع فرمائی کہ:

”مسلم پرسنل لاء بورڈ کے بارے میں یہ بات کم ہی لوگوں کو معلوم ہے جب حضرت حکیم الاسلام نے اس سلسلے میں پیش قدمی کا ارادہ فرمایا تو مجھ کو (حضرت خطیب الاسلام کو) طیب

منزل میں اوپر اپنی خاص لائبریری میں اچانک ایک روز بعد نماز عشاء بلایا اور شریعت اسلامیہ کو ہندوستان میں نا قابل عمل گردانئے کے تعلق کے سارے حالات اور دشمنان اسلام کی طرف سے ہونے والی مذموم کوششوں کا تذکرہ فرمایا، اور یہ فرمایا کہ ملکی حالات کو سامنے رکھ کر اور ہندوستانی آئین کے احترام کو باقی رکھتے ہوئے ملکی سطح پر مسلم پرسنل لاء کے نظام کو حکومت سے عملی نفاذ کا مطالبہ کر کے با قاعدہ ایک تحریک کی شکل میں پیش کرنے کی اشد ترین ضرورت ہے، جس کے لئے ایک تفصیلی منصوبہ سازی کی ضرورت ہے تا کہ ہندوستان کا مسلمان اپنے آئین یعنی اسلامی تشخص کو برقرار رکھتے ہوئے پوری آزادی کے ساتھ یہاں زندگی بسر کر سکے وراس کی خیر نہ صرف مسلمان بلکہ برادران وطن تک اسلامی قوانین کی شکل میں ممتد ہو۔ اس کے بعد ابا جان (حضرت حکیم الاسلام) نے مجھ سے فرمایا کہ جتنا جلدی ہو سکے اس کا منصوبہ بنا کر مجھے دکھاؤ تا کہ ملکی سطح پر ایک تحریک چلا کر اس کو نافذ کرایا جا سکے۔''[۱]

یہ بیان کرنے کے بعد حضرت خطیب الاسلام نے فرمایا کہ:

''یہاں سے ابتداء فرمائی اس تحریک کی، اور حضرت حکیم الاسلام نے سب سے پہلے اپنی اس فکر کو میرے سامنے رکھا، اگر ہندوستان میں رہنا ہے اور اپنے اسلامی تشخص کو اپنے شعائر کو باقی رکھنا ہے تو مسلم پرسنل لاء کے نظام کو نافذ کرنا لازم ہے، ورنہ مستقبل میں اسلامی تشخص، شعائر اور حقوق تو دور کی بات ہے آپ کے وجود کے بھی ہندوستان میں لالے پڑ جائیں گے۔''

سب سے پہلی میٹنگ یہ تھی جو مسلم پرسنل لاء کے سلسلے میں منعقد ہوئی یہاں سے مسلم پرسنل لاء کی عالمینی تحریک کی ابتدائی ہوئی۔ حضرت خطیب الاسلام مزید فرماتے ہیں:

''ابا جان نے مجھ سے فرمایا کہ اس تخطیطی عمل اور خطہ کو کب تک تیار کر کے مجھے دکھا دو گے۔ میں نے پندرہ دن کی بات کی تو فرمایا کہ وقت بہت کم ہے کم سے کم وقت میں جتنی جلدی ہو سکے تیار کر کے مجھے دکھاؤ۔''

حضرت خطیب الاسلام کے بقول:

''میں نے ایک ہفتہ میں حضرت کے سامنے اس مسلم پرسنل لاء کے منصوبہ کو اپنے اعتبار سے تیار کر کے حضرت کی خدمت میں اسی مطالعہ گاہ میں پیش کیا، حضرت نے اس پر پہلے سرسری

---

[۱] یہ تفصیلات حضرت خطیب الاسلام نے راقم سے ۱۲ر فروری ۲۰۱۴ء کو ایک مجلس میں بیان فرمائیں۔

نظر ڈالی اور پھر عشاء کی نماز کے بعد اس کو کئی گھنٹہ بغور پڑھکر خوشی کا اظہار فرمایا اور میری اس کوشش کو بہت سراہا، اس کے بعد اس میں حسب ضرورت اصلاحات فرما کر اس کو اپنے پاس رکھ لیا۔''

اس پیش کردہ نظام کا علمی جائزہ لینے کے بعد حضرت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ نے حضرات اساتذہ وارباب دارالافتاء دارالعلوم دیوبند پر مشتمل مسلم پرسنل لاء کمیٹی بنائی تاکہ یہ کمیٹی پیش آمدہ مسائل اور اسلام کے بارے میں پیش کردہ شبہات کے سلسلے میں مدلل دفاع کا فریضہ انجام دے سکے۔

اس سلسلے میں اولاً حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے ممتاز فضلاء دیوبند کا ایک اجتماع ۱۴؍مارچ ۱۹۷۲ء کو دارالعلوم میں طلب کیا، جس میں ملک کے دوسرے دانشوروں کو بھی دعوت دی گئی۔

اس سلسلے میں چند انفرادی کوششیں ہوئیں، مضامین مقالات لکھے، مگر ضرورت تھی کہ اجتماعی طور پر اس مسئلے کا شرعی موقف واضح ہوکر سامنے آئے، تاکہ اس پر گورنمنٹ بھی توجہ دے سکے۔

اس نقطہ نظر سے اولاً علماء دیوبند کے منتخب حضرات اور ملک کے دوسرے مشاہیر اہل دانش کو دارالعلوم میں جمع فرمایا اور اس میں متعدد مقامی اور غیر مقامی مفکرین ملت نے شرکت فرمائی۔

ان اجتماعات کا مقصد پرسنل لاء کے بارے میں شرعی موقف متعین کرنا تھا۔

اجتماع میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء کنونشن کی تجویز منظور کی گئی۔ اور ۲۷۔۲۸؍دسمبر ۱۹۷۲ء کو عروس البلاد بمبئی میں اس کنونشن کے انعقاد کا فیصلہ کیا گیا۔

اس عظیم کنونشن میں ہندوستان کے مختلف مکاتب فکر کے اکابرین اور معروف ومسلم تنظیموں کے سربراہوں کو مدعو کیا گیا۔

یہ عظیم کنونشن غیر معمولی خصوصیات کے ساتھ ممبئی میں منعقد ہوا، جس کی صدارت حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے فرمائی۔ یہ اجلاس عام مسلمانان ہند کے مختلف مکاتب فکر کے اجتماع اور نمائندگی کے لحاظ سے جس قدر غیر معمولی تھا اسی قدر خدا تعالیٰ نے اسے کامیاب بھی فرمایا۔

اسی مضمون کو ذرا قدرے تفصیل سے میرے استاذ محترم حضرت مولانا نور عالم صاحب

خلیل امینی[1] استاذ ادب عربی دارالعلوم دیوبند نے اپنی مشہور کتاب 'پس مرگ زندہ' میں بیان فرمایا۔ وہ لکھتے ہیں:

''آزادی کے بعد ہندوستان میں اسلامی شرائع کی حفاظت کا مسئلہ انگریزوں کے دور سے بھی زیادہ اہمیت کا حامل ثابت ہوا، اس حوالے سے دارالعلوم کے اکابر ومشائخ نے اپنا قائدانہ کردار ادا کیا، جس طرح استعماری عزائم کے خلاف ادا کیا تھا، حالات اور واقعات نے انداز کار کو بدل دینے کی دعوت دی تو وہ نئی صورتحال سے بڑی چابکدستی سے بعجلت تمام ہم آہنگ ہوگئے، اس حوالے سے اپنے اساتذہ واسلاف کے بعد قاری محمد طیب رحمۃ اللہ علیہ کا کردار بڑا نمایاں اور ممتاز رہا۔

اس ملک میں آزادی کے بعد ہندو احیا پرستی، سرکاری وغیر سرکاری تعصب وتنگ نظری کے ہاتھوں مسلمانوں کو اپنی دینی شناخت کے ساتھ جینے کے لئے بڑی قربانیاں دینی پڑی ہیں۔ ان کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں، ہر سمت سے گھڑی جاتی ہی ہیں، جس کا سلسلہ دن گذرنے کے ساتھ اور شدت اختیار کرتا جارہا ہے، اتنے مسائل پیدا کیے جاتے رہے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنی تعمیر کے لئے موقعہ نہیں ملا، وہ ہمیشہ ان مسائل سے نپٹنے ہی میں اپنی توانائیاں صرف کرتے رہے، بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی میں بطور خاص مسلمانوں کے پرسنل لاء پر زور وشور سے حملہ کیا گیا۔ ۱۳۹۲ھ، ۱۹۷۲ء میں شاہ بانو کیس کا فتنہ کھڑا کیا گیا، اور مسلمانوں کے نام نہاد مغرب زدہ روشن خیال دانشوروں کے ذریعہ ہی شور مچوایا گیا کہ اسلامی شریعت عصر حاضر کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہے، تو اس کا علمی جائزہ لینے اور اس کے بارے میں پیش کردہ شبہات کی جوابدہی کے لئے حضرات اساتذہ وارباب افتاء دارالعلوم دیوبند کی ایک مسلم پرسنل لاء کمیٹی بنائی گئی، تاکہ وہ ان مسائل کے سلسلے میں مدلل دفاع کا فریضہ انجام دے، چنانچہ کمیٹی نے خاطر خواہ طریق پر اپنا کام انجام دیا۔

---

[1] راقم نے حضرت الاستاذ سے سال ششم میں 'دیوان متنبیؔ' اور تکمیل ادب میں 'مختارات' پڑھی ہے، حضرت دوران تدریس جن باتوں کی نشاندہی فرماتے تھے بعد میں میرے بڑے کام آئیں، حضرت مجھ پر بڑی شفقت فرماتے، دوران تعلیم میں اکثر حضرت کے دولت کدہ (جو افریقی منزل میں واقع ہے) پر حاضر ہوتا حضرت اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود بطور شفقت مجھ سے گفتگو فرماتے۔ آپ کی دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ میں قلم اٹھانے کی جسارت کرسکا۔

اس سلسلے میں حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ نے اولاً علماء دیوبند کے منتخب حضرات اور ملک کے دوسرے مشاہیر اہل دانش کو دارالعلوم میں جمع ہونے کی دعوت دی، چنانچہ متعدد مقامی اور غیر مقامی مفکرین ملت شریک ہوئے، تاکہ پرسنل لا کے بارے میں شرعی موقف متعین کیا جائے۔اس اجتماع میں بحث وتمحیص کے بعد، ایک مشترکہ بیان اور سوال نامہ مرتب کیا گیا، ساتھ ہی اس اجتماع نے ایک آل انڈیا مسلم پرسنل لا کنونشن کی تجویز منظور کی اور اس کی تیاری کے لئے اجتماع نے ایک تیاری کمیٹی بنائی، جس میں مقامی کمیٹی کے متعدد ممبران، اراکین شوریٰ، ماہرین قانون اور دانش وروں کو بہ حیثیت رکن تیاری کمیٹی میں شامل کیا گیا، اس کمیٹی کے کئی اجلاس دارالعلوم میں ہوئے، تیاری کمیٹی کا ایک اجتماع اوائل مئی ۱۹۷۲ء میں ہوا، جس میں متعلقہ سوال نامہ زیر بحث آیا، جسے طبع کرا کر ملک کے تمام مکاتب فکر کے علماء و مفتیان کرام، مفکرین اور دانشوروں کے پاس بھیجا گیا اور ان سے درخواست کی گئی کہ جولائی تک جوابات روانہ کردیئے جائیں، ان جوابات پر غور کرنے کے لئے مقامی تیاری کمیٹی کا اجلاس دارالعلوم میں ۲/ جمادی الاخریٰ ۱۳۹۲ھ (۱۴/ جولائی ۱۹۷۲ء) کو منعقد ہوا اور اس میں طے کیا گیا کہ ان جوابات پر مزید غور وفکر کرنے اور مجوزہ اجتماع عام کی تاریخیں مقرر کرنے کے لئے تیاری کمیٹی کا اجلاس ۵، ۶/ رجب ۱۳۹۲ھ (۱۵، ۱۶/ اگست ۱۹۷۲ء) کو دارالعلوم دیوبند میں بلایا جائے، چنانچہ مقررہ تاریخوں میں یہ اجلاس منعقد ہوا، اس موقع پر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی (۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء-۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء)، حضرت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی (۱۳۱۹ھ/۱۹۰۱ء-۱۴۰۴ھ/۱۹۸۴ء) حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبرآبادی (۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء-۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء) حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب (۱۳۲۱ھ/۱۹۰۳ء-۱۳۹۵ھ/۱۹۷۵ء) حضرت مولانا محمد منظور نعمانی (۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء-۱۴۱۷ھ/۱۹۹۷ء) جناب ڈاکٹر مصطفیٰ حسن علوی صاحب لکھنویؒ، جناب مولانا عبدالقادر مالیگائنوی، حضرت مولانا مجاہد الاسلام صاحب امارت شرعیہ بہار (۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء-۱۴۲۳ھ/۲۰۰۲ء) جناب مولانا برہان الدین صاحب مدظلہ استاذ ندوۃ العلماء لکھنو (۱۳۵۶/۱۹۳۸ء) اور اراکین مسلم پرسنل لاء کمیٹی دارالعلوم دیوبند نے شرکت کرکے بحث میں حصہ لیا۔

اس جلسے میں شریک علماء واکابر نے مطبوعہ سوال نامے کے جوابات سننے کے بعد جو دارالعلوم

کے استاذ اور فضلا نے مرتب کئے تھے اور جن کے لئے حضرت حکیم الاسلام نے ان کے پاس چند رہنما اصول پہلے ہی سے ارسال کردیئے تھے، سب نے اس پر اظہار مسرت کیا کہ وقت کے ان اہم ترین مسائل پر علماء کے جوابات محققانہ اور عقلی ونقلی دلائل سے مزین ہیں، جن سے مسائل زیر بحث میں اسلامی موقف پوری طرح کھل کر سامنے آ گیا ہے، اور یہ ثابت کردیا گیا ہے کہ شریعت اسلامی کے ناقابل تبدیل اصول ہر دور کے مسائل کا خاطر خواہ حل پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور انسانیت کی فلاح کے ضامن ہیں۔

تیاری کمیٹی کے فیصلے کے مطابق مجوزہ عام اجتماع کی تاریخ اور مقام طے کرنے کے لئے پانچ افراد کے ایک وفد نے، جو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، مولانا سید منت اللہ رحمانی، مولانا محمد منظور صاحب نعمانیؒ اور مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مدظلہ پر مشتمل تھا، بمبئی کا دورہ کیا، بمبئی کے مخلص اور حوصلہ مند مسلمانوں نے بڑی خوشی اور گرم جوشی سے اس کا ذمہ لیا کہ یہ آل انڈیا کنونشن بمبئی میں منعقد ہو، چنانچہ آل انڈیا مسلم پرسنل لاء کنونشن کے لئے ۲۰، ۲۱ ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ (۲۷، ۲۸ /دسمبر ۱۹۷۲ء) کی تاریخیں طے ہوگئیں، مقصد کی اہمیت کے پیش نظر یہ مناسب اور مفید سمجھا گیا کہ ہندوستان کے مختلف مکاتب فکر کے اکابر اور معروف ومسلم تنظیموں کے سربراہوں کی طرف سے مشترکہ دعوت نامہ جاری کیا جائے، چنانچہ ۲۷، ۲۸ /دسمبر ۲۰۔۲۱ ذی قعدہ ۱۳۹۲ھ کو یہ عظیم کنونشن، اپنی غیر معمولی خصوصیات کے ساتھ، بمبئی میں منعقد ہوا، جس میں ہندوستان کی تمام مسلم جماعتوں نے حصہ لیا۔

مسلمانان ہند کے مختلف مکاتب فکر کے اجتماع اور نمائندگی کے لحاظ سے یہ کنونشن جس قدر غیر معمولی تھا، اسی حد تک خدا تعالیٰ نے اسے کامیاب بھی کیا، کنونشن کے داعیوں اور مندوبین کی متفقہ رائے سے جن میں سنی، شعیہ، مہدوی، بریلوی، اہل حدیث اور جماعت اسلامی کے علاوہ دوسری سیاسی غیر سیاسی جماعتوں کے رہنما موجود تھے، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم کو کنوشن کا صدر منتخب کیا گیا، ہندوستانی مسلمانوں کے مختلف مذہبی مکاتب فکر اور طبقات میں سے کوئی طبقہ بھی ایسا نہیں رہا، جس کے اکابر علما وزعما کنونشن کے پلیٹ فارم پر جمع نہ ہوگئے ہوں، اس کنونشن نے اور دوسرے لفظوں میں ہندوستان کے تمام مکاتب فکر کے مسلمانوں نے، متحدہ آواز کے ساتھ اپنے ریزولیوشن کے ذریعے اعلان کردیا

کہ وہ کسی حالت میں بھی مسلم پرسنل لاء میں تغیر وتبدل کو گوارا نہیں کرسکتے، یہ شریعت اسلامی کا ایک حصہ ہے، اس متحدہ آواز کا اثر ملک اور حکومت دونوں پر پڑا اور اس ذریعے سے ہندوستان کے تمام مسلمان وحدت کلمہ کی بنا پر متحد ہوگئے، جو ہندوستان کی تاریخ میں ایک بے مثال صورت حال تھی۔

تحریک خلافت کے بعد، یہ پہلا موقع تھا کہ ہر مکتب فکر کے مسلمانوں نے متحد ہوکر اور ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوکر اسلامی اتحاد کا ثبوت دیا، اس کے بعد آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا دوسرا عظیم اجتماع حیدرآباد میں منعقد ہوا، اس جلسے کی ورکنگ کمیٹی نے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا صدر حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کو اور جنرل سکریٹری امیر شریعت بہار واڑیسہ مولانا منت اللہ رحمانیؒ کو منتخب کیا۔

بمبئی کے کنونشن کا بنیادی مقصد پرسنل لا کا تحفظ اور ترمیم سے اس کا بچاؤ کرتے ہوئے تمام مکاتب فکر کے اہل علم وفضل اور دانشوروں کو یہ اعلان کرنا تھا کہ مسلمانان ہند خواہ ان کا تعلق کسی مکتب فکر سے ہو، اپنے پرسنل لا کے تعلق سے کسی ایسے قانون کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں جو پرسنل لاء کے کسی ایک شرعی جزیئے پر بھی اثر انداز ہو، بالفاظ دیگر مسلمان اپنی معاشرتی اور ثقافتی خصوصیات اور امتیازات کو فنا کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں، جن پر ان کے ملی وجود کی عمارت کھڑی ہوئی ہے اور ان کا ممتاز شرعی اور قومی امتیاز قائم ہے۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، اس دورِ آخر میں 'دفاع عن الاسلام' کے حوالے سے آزاد ہندوستان میں پہلا اور سب سے طاقت ور وسیع البنیاد پلیٹ فارم ثابت ہوا اور اپنی تاسیس کے بعد سے اب تک کسی نہ کسی شکل میں یہی اس وقت مسلمانوں کے لئے، اسلامی قوانین پر آنے والی، کسی بھی آنچ سے حفاظت کا طاقت ور اور متحدہ اسٹیج ہے اور اس کی تعمیر کا اصل سہرہ حکیم الاسلامؒ اور دارالعلوم دیوبند کے سر جاتا ہے، جو ہمیشہ ہندی مسلمانوں کا اولین قائد رہا۔ حکیم الاسلامؒ تاحیات اس کے متفقہ صدر، سربراہ اور راہ نما رہے۔"[1]

حضرت استاذ محترم کی مذکورہ بالا عبارت "اس کی تعمیر کا اصل سہرہ حکیم الاسلامؒ اور دارالعلوم دیوبند کے سر جاتا ہے"، سے پتہ چلتا ہے کہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے قیام کے بانی مبانی حضرت حکیم

[1] پس مرگ زندہ ص ۱۳۴۔۱۳۹

الاسلام ہیں، اوراس بورڈ کی اولین منصوبہ سازی حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی، ممبئی کے اولین اجلاس میں حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے جو دعوتی خطبۂ صدارت پیش فرمایا وہ انہی کی ذات والا صفات ہی کا حصہ ہے، کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس اہم خطبہ صدارت میں اسلامی شریعت کی اصل دعوتی روح کو اجاگر فرمایا اور مثالوں اور دلائل وشواہد سے یہ واضح فرمایا کہ دراصل اسلامی شریعت کے قوانین مسلم پرسنل لا نہیں ہیں بلکہ یہ قوانین تو انسانی عالی قوانین ہیں جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں، اوران قوانین کو اہل وطن کو بتلا کران کی خیرخواہی کی جارہی ہے کہ جن جھوٹے اورخودساختہ قوانین کے تحت تم زندگیاں گذاررہے ہو، وہ قوانین تمہارے لئے اطمینان کا باعث نہیں، بلکہ اصل قوانین فطرت ہی اسلامی قوانین شریعت ہیں، جو انسانی زندگیوں میں خوشیاں لائے اوراطمینان پیدا کرنے کے ضامن ہیں، حضرت رحمۃ اللہ کا وہ خطبۂ صدارت ایسا ہے کہ جس کو الگ سے کتابی صورت میں شائع کیا جائے اور ہرایک عالم اورملت اسلامیہ کا ہروہ فرد جو انسانیت کا درد رکھتا ہواس کو بغور باربار پڑھے۔

حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے روزاول ہی سے مسلسل رکن رکین رہے، اورپھرتاحیات اس باوقارادارے کے نائب صدر کے عہدے پرفائز رہے، اور مسلسل اسلامی شریعت کے ہندوستان میں نفاذ کے لئے کوشش فرماتے رہے۔ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے قیام کے ذریعہ اسلامی شریعت کے عائلی قوانین کو نافذ کرنے کے سلسلے میں جناب ڈاکٹر اسرارصاحب مرحوم انتہائی عالی کلمات استعمال فرماتے تھے، ڈاکٹر اسرار صاحب اپنی تقاریراوردرس قرآن کے بہت سے مواقع فرماتے کہ بھارت کے مسلمانوں کو میں سلام کرتا ہوں کہ جنہوں نے مذہب کے نام پر ملک کے تقسیم ہوجانے کے بعد بھی ۱۹۷۲ میں اپنا پرسنل بورڈ حکومت سے منظور کرایا، اورحکومت وقت کوان کے عزم اورحوصلے کے سامنے جھکنا پڑا، اس کے بالمقابل پاکستان جو اسلام کے نام پر بنا تھا، وہاں اب تک اسلامی شریعت کا نفاذ نہیں ہوسکا۔ حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ نے ملک کے اس باوقار ادارے کوآگے بڑھانے اورترقی دینے میں جس اعلیٰ ظرفی اوروسیع المشربی کا ثبوت پیش فرمایا وہ اپنی مثال آپ ہے، چنانچہ جناب حافظ اقبال صاحب، ممبئی نے احقر سے اس بات کا تذکرہ فرمایا کہ مفکر اسلام سیدمولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد جب مسلم پرسنل لا بورڈ کی صدارت کا مسئلہ سامنے آیا، تواس پرآشوب دور میں جبکہ مناصب اورعہدوں کی دوڑ میں لوگ تمام اخلاقی قدروں

کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں، اس وقت حضرت خطیب الاسلام سے لوگوں نے صدارت قبول کرنے کے لئے کہا کہ حضرت خطیب الاسلام نے خود ہی اپنے تلمیذ رشید حضرت قاضی مجاہد الاسلام رحمۃ اللہ کا نام پیش فرما دیا، اور فرمایا کہ جو کام مجھے صدر بن کر کرنے ہیں وہ میں بغیر اس کے بھی انجام دے رہا ہوں۔ بقول شاعر

بڑے وہ ہیں جو عزت اپنے چھوٹوں کی بڑھاتے ہیں
کہ دنیا میں مقام ان کا ہی اعلی ہونے والا ہے

حضرت خطیب الاسلام کی وسیع المشربی اور اعلیٰ ظرفی کوئی وقتی چیز نہیں تھی، بلکہ اعلیٰ ظرفی اور وسیع المشربی آپ کی طبیعت سلیمہ کا حصہ اور جزء لایتجزأ تھی، کہ جس کا ظہور وقتاً فوقتاً آپ کے کردار اور گفتار اور حسن اخلاق سے ہوتا رہا تھا، چنانچہ حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر ملال کے بعد پھر دوبارہ جب بورڈ کی صدارت کا مسئلہ سامنے آیا تو پھر اسی اعلیٰ ظرفی کا ثبوت پیش فرمایا، مسلم پرسنل لاء بورڈ کے موجودہ صدر حضرت مولانا رابع حسنی اور حضرت خطیب الاسلام کے درمیان بورڈ کے ممبران کے درمیان ووٹنگ ہوئی، ووٹنگ میں دونوں حضرات کو برابر ووٹ پڑے، جس کی وجہ سے ممبران کو تشویش ہونے لگی، تو حضرت نے خود اٹھ کر اپنا ووٹ حضرت مولانا رابع حسنی ندوی کے حق میں دے دیا، اور اس طرح حضرت کی اس اعلیٰ ظرفی کی وجہ سے مولانا رابع صاحب مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر منتخب ہوئے۔ ایسی مثالیں علمائے متقدمین میں ہوں تو ہوں لیکن آجکل یہ مثالیں مفقود ہیں کہ آج کل ہر آدمی مناصب اور عہدوں کا بھوکا ہے، جس کی وجہ سے لوگوں کی اصل مقاصد سے نظر ہٹی ہوئی ہے۔

حضرت خطیب الاسلام کے تعلیمی اور دعوتی اسفار

''دعوتی اسفار'' کا، عنوان اس لئے لگایا کہ حضرت خطیب الاسلام بموجب حدیث ''العلماء ورثۃ الانبیاء'' انبیاء کرام کے وارث اور امین ہیں، اور کوئی بھی شخص کسی کا وارث کہلانے کا مستحق ومجاز اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کا مزاج، اس کا نظام، اس کی زندگی، اس کے شب و روز، اس کا اٹھنا بیٹھنا اس کا ملنا جلنا، رہن سہن، اس کا انداز گفتگو اس کے معمولات سفر وحضر بلکہ اس کا ہر قدم تابع نہ ہوجائے اس ذات کے جس کا وہ وارث بنا ہے، بقول علامہ اقبالؔ

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر از بر ہو
پھر پسر قابل میراث پدر کیونکر ہو

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے سلسلے میں حق تعالیٰ شانہ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْکَ قولًا ثَقِیْلًا﴾ (سورۃ المزمل:۵)

ہم ڈالنے والے ہیں آپ پر ایک بھاری وزن دار بات۔

وہ بھاری بات کیا ہے؟ وہ قرآن کریم ہے، جس کے نزول کا مقصد ہدایت انس وجن اور کار دعوت اور پیغام رسالت کی تکمیل ہے، لہٰذا ایک وارث نبی کی اہم ترین ذمہ داری ہے کہ وہ ہدایت انس وجن، کار دعوت اور پیغام رسالت کی تکمیل کے لئے مرحلہ حیات کے ہر ہر گوشے میں اسی سوز دروں، لگن تڑپ کے ساتھ سفر وحضر میں پیغام حق کو پہنچانے کی فکر کرے، جن کیفیات کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد حضرات صحابہ کرام نے پہنچانے کی فکر فرمائی، چنانچہ قرآن کریم نے ایک دوسری آیت میں اسی ذمہ داری کو کچھ مزید وضاحت کے ساتھ ارشاد فرمایا: ﴿انّ لَکَ فِـیْ النَّھَارِ سَبْحاً طَوِیْلاً﴾ (سورۃ المزمل:۷) کہ آپ کو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) دن میں لمبا تیرنا ہے، جزیرۃ العرب میں تو پانی نہیں تھا پھر وہاں تیرنے کا کیا مطلب؟ یعنی اے نبی آپ کو اس دعوت کے پیغام کو پہنچانے اور اس کار رسالت کی تکمیل کے لئے بڑی مشقتیں اٹھانی ہیں، بڑی محنت کرنی ہے، ایک ایک انسان کے پاس ستر ستر مرتبہ جا کر پیغام رسالت پہنچانا اور ان کی طرف سے پہنچنے والی

ایذاؤں اور تکالیف پر صبر کرنا ہے، لہٰذا جو وارث نبی ہوگا اس کے اوپر یہ ذمہ داری لازماً عائد ہوگی کہ وہ پیغام رسالت کو انسانیت تک پہنچانے کی فکر کرے، اس کے لئے علمی وعملی اعتبار سے اپنے کو تیار کرے، وسائل کی فراہمی کی ملک درملک کوشش کرے، اسفار کر کے لوگوں تک پہنچنے کی کوشش کرے، قریہ قریہ شہر درشہر ملک درملک پہنچ کر ابلاغ وتبلیغ کے فریضہ کو انجام دینے کی انتھک کوشش کرے۔

حضرت خطیب الاسلام کی زندگی بھی نبی کریم ﷺ کی حیات مبارکہ کا ایک عملی نمونہ ہے پیغام کی ایک عملی تفسیر ہے، جنہوں نے اس پیغام کو پہنچانے کے لئے ملک درملک، شہر درشہر اور قریہ قریہ سفر کئے اور اس جذبہ اور فکر کو منتقل کرنے کی (زندگی کے آخری مراحل تک) انتھک کوشش فرماتے رہے، اگر میں یوں کہوں کہ ان کی زندگی کا اکثر حصہ سفر میں گذرا تو ذرا مبالغہ آرائی نہ ہوگی۔

حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل وراثت وہ علم ہے جو انسانیت کے لئے نافع ہو، آپ کی اس وراثت کو لے کر حضرت خطیب الاسلام ملکوں ملکوں پھرے ہندوستان میں تو شاید ہی کوئی بڑا شہر ایسا ہو جہاں اس میراث نبی کو تقسیم کرنے کے لئے نہ پہنچے ہوں۔ بقول شاعر:

کبھی راستوں میں تنہا کبھی ہوں ورودِ صحراء
میں جنوں کا ہمسفر ہوں میرا کوئی گھر نہیں ہے

اور اس سفر میں بھی حالات ایسے کہ بقول

کبھی عرش پر کبھی فرش پر کبھی ان کے گھر کبھی دربدر
غم عاشقی ترا شکریہ میں کہاں کہاں سے گذر گیا

حضرت کے پاس جب بھی میں جاتا اور بتاتا کہ حضرت کا ایک سفر ہے، اجازت بھی مرحمت فرما دیں اور دعا بھی فرما دیں تو بڑی دعائیں دیتے اور یہ جملہ اکثر وبیشتر فرماتے: اللہ دین کا داعی وحامی بنا کر لیجائے اور بسلامت وعافیت گھر لوٹائے۔ اور پھر اپنی مسرت کا اظہار فرما کر گویا ہوتے کہ کہاں کا سفر ہے؟ میں جگہ کا نام بتاتا تو فرماتے کہ ہمارا بھی وہاں کا سفر ہوا تھا۔

سفر حضرت کی زندگی کا مستقل ایک باب ہے، مستقل سفر در سفر کبھی مدارس اسلامیہ کے جلسوں میں، کبھی سیمناروں میں کبھی مسلم پرسنل لاء بورڈ کی پروقار مجالس میں کبھی اصلاحی ودعوتی اجتماعات میں، حقیقت یہ ہے کہ حضرت کی پوری زندگی اس حدیث "کن فی الدنیا کأنک غریب أو عابری سبیل" کی مصداق بنی رہی اور دنیا میں نہ صرف مسافروں کی طرح رہے بلکہ مسافر بن کر

زندگی گذار کر دکھائی، اس ناچیز کو بھی حضرت کی جوتیوں کے طفیل میں یہ سعادت ملی کہ اکثر و بیشتر دعوتی و دینی اسفار میں جانا ہوتا ہے، میں نے ایک بات دینی ودعوتی اسفار میں جانے کے بعد یہ محسوس کی کہ دنیا کے ساتھ اس کا معاملہ ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کہ اوپر حدیث میں بیان کیا گیا کہ ''**کن فی الدنیا کأنک غریب.**'' کہ دنیا میں مسافر کی طرح زندگی گذارو کہ جس طرح راستے سے مسافر گذرتا ہے، مجھے ٹرین وغیرہ میں اکثر و بیشتر اس حدیث میں بیان کردہ حقیقت کا بار بار احساس ہوتا رہتا ہے۔ بلکہ اس حدیث کا صحیح مفہوم ہی سفر میں جانے کے بعد سمجھ میں آیا۔ بقول علامہ اقبال

نہیں اس نے دیکھے ہیں پست و بلند
سفر اس کو منزل سے بڑھ کر پسند
سفر زندگی کے لئے برگ و ساز
سفر ہے حقیقت حضر ہے مجاز

جو زندگی بھر سفر میں رہا ہو اور مزید برآں اپنے والد حکیم الاسلام کو بھی بچپن ہی سے سفر میں دیکھا ہو اس کے تجربات و مشاہدات کا کیا عالم ہوگا، اس کا اندازہ حضرت کے بیانوں سے ہوتا ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

أضــــرِبُ فــي طــول البــلادو عَــرْضِهــا
أنـــال مُـــرادی أو أمُـــوُت غــريبـــا

میں (مقصد براری) کے لئے ملک کے طول وعرض میں جاؤں گا، گو ہر مقصود پالوں گا یا غربت کی موت مر جاؤں گا۔

فــان تــلِــفَــت نــفســی فــلــلّٰــه درهــا
وإن ســلــمــت كــان الــرجــوع قــريبــا

اگر میری جان کام آگئی تو زہے نصیب اور اگر محفوظ رہی تو واپسی جلد ہوگی۔

کسی بھی انسان کی زندگی میں سفر کی بڑی اہمیت اس لئے ہے کہ یہ مشاہداتی اور تجرباتی علم کا سب سے بڑا ذریعہ اور اسی کی وجہ سے بے شمار مقامات، وہاں کے باشندگان، ان کے رہن سہن اور ان کے خواص مزید برآں تواریخ کا علم ایسے علماء نے محفوظ کر دیا، جنہوں نے دنیا کی سیاحی کی جن میں چند نام یہ ہیں خطیب بغدادی، ابن خلدون، ابن بطوطہ، شیخ سعدی، البیرونی اور ہماری ولی اللہی مکتب فکر میں

شدر حال اور دینی ودعوتی اسفار کا جتنا موقع حضرت خطیب الاسلام کے والد مکرم حضرت حکیم الاسلام کو ملا شاید ہی کسی کو ملا ہو اور اس کے بعد جماعت علماء دیو بند میں حضرت خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ اور حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا طارق جمیل صاحب اور حضرت مولانا پیر ذوالفقار نقشبندی کو ملا، کم ہی لوگ ہیں جن کو سفر کا اتنا موقع ملا۔

حضرت خطیب الاسلام کے غیر ملکی اسفار

۱۴محرم الحرام ۱۴۳۹ھ بروز جمعرات مطابق ۱۵ اکتوبر ۲۰۱۷ء عاجز حاضر خدمت ہوا حضرت مولانا شاہد صاحب، خادم خاص خطیب الاسلام وہاں تشریف فرما تھے، میں نے حضرت مولانا شاہد صاحب سے تفصیلات سفر کے متعلق سوال کیا، اس پر حضرت نے اپنے غیر ملکی اسفار کے بارے میں جو اس وقت آپ کے ذہن میں آ سکے بتایا کہ میں مندرجہ ذیل ملکوں کے دینی، علمی اور دعوتی اسفار کر چکا ہوں اور ان میں سے بعض ملکوں میں کئی کئی مرتبہ دعوت دین کی نسبت سے حاضری ہوئی:

(۱)سعودی عرب	متعدد مرتبہ
(۲)مصر	متعدد مرتبہ
(۳)مراکش	متعدد مرتبہ
(۴)دبئی	متعدد مرتبہ
(۵)ابوظہبی	متعدد مرتبہ
(۶)پاکستان	متعدد مرتبہ
(۷)بنگلہ دیش	متعدد مرتبہ
(۸)ساؤتھ افریقہ	(مختلف صوبوں)
(۹)لندن	متعدد مرتبہ
(۱۰)امریکہ	متعدد مرتبہ
(۱۱)برما	
(۱۲)نیپال	متعدد مرتبہ

(۱۳) قطر	متعدد مرتبہ
(۱۴) عمان	متعدد مرتبہ
(۱۵) شام، فلسطین، بیت المقدس کا سفر	متعدد مرتبہ
(۱۶) ترکی	متعدد مرتبہ
(۱۷) اسپین	متعدد مرتبہ
(۱۸) فرانس	
(۱۹) جرمنی	
(۲۰) ازبکستان، تاشقند، بخارا سمرقند	
(۲۱) ایران	متعدد مرتبہ
(۲۲) ہونگ کانگ	
(۲۳) ری یونین	
(۲۴) زامبیا	
(۲۵) سرلنکا	
(۲۶) سفرِ افغانستان حضرت حکیم الاسلام کی معیت میں۔	

اس کے بعد حضرت نے ذہن پر دباؤ بھی ڈالا اور فرمایا کہ مزید کچھ یاد نہیں آرہے ہیں، ان میں سے بہت سے سفر غیر ملکی ایسے بھی ہیں جن میں حضرت مولانا شاہد صاحب بطور خادم حضرت کے ہمسفر رہے۔

یہ وہ ملک ہیں جن کے بارے میں خود حضرت نے نشاندہی فرمائی، اس کے علاوہ بھی دیگر ممالک ہیں جہاں حضرت کے اسفار ہوئے اور بہت سے ملکوں میں رفیق سفر حضرت مولانا حافظ اقبال صاحب جوگیشوری ممبئ بھی رہے، جنہوں نے ازراہ کرم وشفقت مجھے حضرت کی معیت میں ہوئے اسفار کے کچھ واقعات سنائے۔[۱]

---

[۱] یہ عاجز ۷ اربیع الاول ۱۴۳۹ھ میں جناب حافظ اقبال صاحب کے دولت کدہ پر شام بعد نماز عصر غلام مصطفیٰ بھائی کی معیت میں حاضر ہوا آپ نے بڑا پر تکلف ناشتہ کرایا اور حضرت خطیب الاسلام کی معیت میں ہوئے اسفار کی تفصیلات بتائیں۔

سفر میں حضرت کے ساتھ پیش آمدہ واقعات

پہلا سفر مصر کا حضرت کی سرپرستی میں ہوا، وہاں وزارت اوقاف کی طرف سے ہر سال کانفرنس ہوتی تھی اس میں حضرت تشریف لے جاتے تھے۔

(۱) کانفرنس کے دوران نماز ادا فرمائی

محترم جناب حافظ اقبال صاحب مدظلہ العالی نے ایک واقعہ سنایا کہ:

''جس کانفرنس میں شرکت کے لئے حضرت تشریف لے گئے تھے، اس کی آخری نشست تھی جس میں بڑے بڑے علماء اور دانشور طبقہ، دنیا بھر سے آئے ہوئے مہمانان مزید برآں مصر کے صدر حسنی مبارک موجود تھے، دوران کانفرنس مغرب کی نماز کا وقت ہو چکا تھا، مگر نا معلوم ان میں سے کوئی بھی نماز کے لئے نہیں اٹھا، کانفرنس کی وجہ سے یا پھر صدر کی آمد کی وجہ سے کہ صدر کے سامنے پروگرام کی ترتیب میں خلل واقع نہ ہو، حضرت خطیب الاسلام اسٹیج پر تشریف فرما تھے، اب ذرا دیکھئے حضرت کا اصول شریعت پر اعتماد اور اپنے اسلاف اور اکابرین کے دیئے ہوئے نظام پر بھروسہ، حضرت اسٹیج پر سے اٹھے جب حضرت اسٹیج پر سے اٹھے تو اسٹیج پر موجود لوگوں کی توجہ کا مرکز بنے، حضرت نیچے اترے اور مغرب کی نماز وہیں کانفرنس ہال میں ایک جگہ پر ادا کرنی شروع کی، حضرت کا کسی لومۃ لائم کی پروا کئے بغیر نماز کا شروع کرنا تھا، لوگوں اور موجود علماء کو ذرا خجالت کے ساتھ تعجب ہوا اور پھر سب نے نماز مغرب حضرت کو دیکھ کر ادا کی، نماز کے بعد کانفرس شروع ہوئی۔''

اس واقعہ سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ حضرت خطیب الاسلام کے یہاں اپنے (یعنی شریعت مطہرہ کے) اصولوں پر انتہائی درجہ کی پابندی تھی، ان اصولوں پر حد درجہ مواظبت تھی اور کسی کے ساتھ کوئی سمجھوتہ نہیں تھا، دوسری بات ان اصولوں پر عمل کرنے میں کسی ''لومۃ لائم'' کی کوئی پرواہ نہ تھی، یہی وجہ ہے کہ حضرت جہاں جاتے ہزاروں میں ممتاز نظر آتے اور حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے یہ فیصلہ ہوتا کہ حضرت کے وقار میں مزید اضافہ ہو جاتا اور لوگوں کے دلوں میں حضرت سے محبت جاگزیں ہو جاتی۔

حضرت خطیب الاسلام اہرامات مصر میں اور چند سائنسدانوں کے قبول اسلام کا واقعہ

(۲) محترم حافظ اقبال صاحب نے مصر کے سفر کا ایک واقعہ اور بیان فرمایا:

''اہرامات مصر دیکھنے کے لئے گئے تو فرعون کی لاش کو دیکھ کر حضرت نے ایک واقعہ چند سائنسدانوں کے قبول اسلام کا بیان فرمایا، واقعہ یہ ہے کہ فرعون کے چہرہ پر بال اگ آئے تھے، سائنسداں تحقیق کے لئے گئے، ان میں ایک مسلم سائنسدان بھی تھے، وہ اس تحقیق میں تھے کہ یہ اس طرح بالوں کا اگنا بغیر کسی کیمیکل یا دوائی کے ممکن نہیں اور اس طرح کا کوئی بھی کیمیکل اس کے بدن پر استعمال نہیں کیا گیا، پھر یہ بال آخر کیسے اُگے، اس پر اس مسلم سائنسدان نے کہا کہ تم کو تعجب ہے ہمیں اس پر کوئی تعجب نہیں، اس لئے کہ آج سے چودہ صدی قبل قرآن کریم اس کے بارے میں اور اس کے بدن کی حفاظت کے بارے میں دوٹوک اعلان کر چکا ہے، ارشاد باری ہے:

﴿فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً وَاِنَّ كَثِيْراً مِنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغَافِلُوْنَ.﴾ (سورہ یونس: ۹۲)

سو آج بچائے دیتے ہیں ہم تیرے بدن کو تا کہ ہووے تو اپنے پچھلوں کے واسطے نشانی اور بے شک بہت لوگ ہماری نشانیوں (قدرتوں) پر توجہ نہیں کرتے۔

وہ سب سائنسداں اس آیت کو اور اس کی تشریح کو سن کر ایمان لے آئے۔

(۳) امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کے مزارات پر حاضری

محترم جناب حافظ اقبال صاحب جوگیشوری نے مصر کے اس سفر کی جو حضرت کی معیت میں ہوا تھا بتایا کہ:

''ہماری حاضری حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر ہوئی، وہاں ایصال ثواب کیا، وہاں بعض مصریوں کو دیکھا کہ وہ خرافات و بدعات میں مبتلا ہیں مجھے بڑا تعجب ہوا مگر میں خاموش رہا، اس کے بعد ایک صحابیہؓ (جن کا نام فی الحال میرے ذہن میں نہیں) کے مزار پر حاضری ہوئی، وہاں بھی حضرت نے اور میں نے ایصال ثواب کیا، وہاں بھی دیکھا کہ مصری لوگ ان

کے مزار پر خرافات کر رہے ہیں، وہاں مجھ سے چپ نہ رہا گیا اور میں نے حضرت سے پوچھا کہ حضرت یہ عرب لوگ بھی بدعات کرتے ہیں؟ (یعنی کہنے کا مقصد یہ تھا کہ چوں کفر از کعبہ می خیزد کجا ماند مسلمانی) حضرت نے برجستہ جواب دیا کہ، کیا بدعت کرنے کا حق صرف تم ہندوستانیوں ہی کو ہے؟ اس جملے پر ساتھ میں موجود حضرات ہنسنے لگے اور حضرت خود بھی مسکرائے۔''

(۴) مدعو کو مانوس کر کے دعوت پہنچانا

ایک واقعہ حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی جانشین حضرت خطیب الاسلام نے ہونگ کانگ کے سفر کا سنایا، جس سفر میں مولانا خود حضرت کی ساتھ تھے، مولانا فرماتے ہیں کہ:

''جہاں بھائی صاحب کے بہت سارے دعوتی اوصاف تھے وہاں ان کا ایک بڑا دعوتی وصف نفسیات شناسی تھا، موقع محل کا اندازہ کر کے ہی گفتگو فرماتے، اس کا اندازہ مجھے جب ہوا جب میں بھائی صاحب کے ساتھ آٹھ نو سال پہلے ہونگ کانگ گیا، وہاں ایک صاحب ہوتے تھے جن کا نام غالباً جاوید صاحب یا نوید صاحب ہے، بہر حال وہ اپنے دوست احباب کی ساتھ حضرت کے پاس آئے کہ ہم آپ کی دعوت کرنا چاہتے ہیں جس کا منشاء یہ ہے کہ یہاں عام طور پر لوگوں میں دین کی طلب کی کمی ہے، جب طلب نہیں تو دین کے بارے میں صحیح معلومات بھی نہیں، اور میرے دوست واحباب بلڈرس ہیں، ڈاکٹرس ہیں، وکلاء ہیں اور انجینئر ہیں، میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ ان کے سامنے دین اسلام کا تعارف پیش فرمادیں، کیونکہ ہونگ کانگ ایسی جگہ ہے، جہاں بہت کم لوگوں کا ہمارے علماء میں جانا ہوا، بھائی صاحب نے دعوت قبول فرمالی، جب ہم وہاں پہنچے تو ایک بہت بڑا ہال تھا جس میں سب حضرات جمع تھے اور اس میں ایک بہت بڑی اسکرین کا ٹی وی چل رہا تھا، جاوید صاحب جب حضرت کے ساتھ وہاں پہنچے تو وہ بڑے شرمندہ سے ہوئے کہ اور قریب تھا کہ وہ معذرت کریں کہ حضرت میں بھول گیا تھا، ان کا رویہ ایسا ہوا کہ جیسے ان سے بہت بڑی غلطی ہوگئی کہ ٹی وی کو بند نہ کرواسکے یا اس پر کوئی کپڑا وغیرہ ڈھانک دیتے، اب حضرت نے ان کے معذرت کرنے سے قبل ہی ان سے پوچھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے یعنی کیا پروگرام چل رہا ہے ٹی وی پر، انہوں نے بتایا کہ حضرت فٹبال کا میچ

آ رہا ہے اور آج اس کا فائنل ہے جس کو پوری دنیا میں نشر کیا جا رہا ہے اور پوری دنیا کے لوگ آج اس کو دیکھ رہے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ بھائی یہ تو بہت دلچسپ چیز ہے ہم بھی دیکھیں گے، جاوید صاحب کو بڑی خوشی ہوئی اور وہ جو شرمندگی ہو رہی تھی وہ کافور ہوگئی، اب حضرت کو جاوید صاحب اور دیگر احباب بتاتے، حضرت یہ جگہ بیک ہے یہ سینٹر ہے یہ پینلٹی کورنر ہے، غرض یہ کہ حضرت نے ان حضرات کے ساتھ وہ پورا میچ دیکھا، اس اثناء میں حضرت کے درمیان اور وہاں موجود لوگوں کے درمیان اجنبیت کافی حد تک دور ہوگئی، بلکہ وہ انسیت میں تبدیل ہوگئی، حضرت اس درمیان بار بار فرماتے یہ تو بڑا دلچسپ گیم اور کھیل ہے، غرض یہ کہ اس عرصہ میں وہاں موجود لوگ حضرت سے کافی مانوس ہو چکے تھے، اس کے بعد سب نے ساتھ کھانا کھایا، پھر کھانے کے بعد حضرت نے ان حضرات کے سامنے بیان فرمایا اور اس آیت پر بیان فرمایا

﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ أَحْسَنُ﴾ (سورہ النحل: ۱۲۵)

اور اس آیت کے ضمن میں حضرت نے صحابی رسول ﷺ حضرت رکانہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ بیان فرمایا کہ:

یہ جزیرۃ العرب کے سب سے بڑے اور مشہور پہلوان تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو اسلام کی دعوت دی، مقصد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تھا کہ رکانہ عرب کے مشہور آدمی ہیں، ان کا اسلام قبول کرنا تنہا ایک آدمی کا قبول اسلام نہیں ہوگا، بلکہ ان کے ایمان لانے کی وجہ سے ان کا قبیلہ اور ان کے شاگرد وہ سب بھی اسلام کی طرف راغب ہوجائیں گے، چنانچہ حضور ﷺ نے ان کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور توحید باری تعالیٰ کے بارے میں بتایا انہوں نے کہا کہ دیکھو میں یہ کچھ نہیں جانتا کہ اللہ ایک ہے یا دس، میں تو ایک پہلوان آدمی ہوں اور مجھے پہلوانی پر بڑا ناز ہے، مجھ سے کشتی لڑلو، اگر تم نے مجھے ہرا دیا میں تم پر ایمان لے آؤں گا اور اگر تم ہار گئے تو تم اپنے دین پر خوش میں اپنے دین پر، دعوتی حکمت کا تقاضا یہی تھا کہ کشتی کی شرط منظور کر لی جائے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ان کی شرط کو قبول کرلیا اور ان سے کشتی کے لئے تیار ہوگئے، اب اگر کوئی یہ کہنے لگے کہ اللہ کے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کشتی کے لئے تھوڑا ہی پیدا کئے گئے تھے، مگر اس وقت حکمت یہی تھی کہ کشتی لڑی جائے، چنانچہ آپ ﷺ نے ان سے کشتی لڑی اور کشتی میں ان کو پچھاڑ دیا، ان کو اپنی ہار کا یقین نہ آیا، اس لئے انہوں نے کہا کہ ایک مرتبہ کی کشتی کا اعتبار نہیں، کشتی دوبارہ ہوگی، حضور ﷺ نے منظور فرمالیا، اس لئے دوبارہ کشتی ہوئی، اس مرتبہ حضور ﷺ نے ان کو ہرایا، انہوں نے اس مرتبہ بھی اپنی ہار کا یقین نہ آیا، اس لئے انہوں نے کہا کہ اب کی مرتبہ آخری کشتی ہوگی چنانچہ تیسری مرتبہ بھی حضور ﷺ نے اسی دعوتی خیرخواہی اور تڑپ میں ان سے کشتی لڑی، اور اس مرتبہ وہی ہوا جو پہلے ہوا تھا، بس حضرت رکانہ اسی وقت کلمہ پڑھ کر ایمان میں داخل ہوگئے، بعد میں جب ان سے معلوم کیا گیا کہ کیا تمہیں اپنی ہار کا یقین نہیں آرہا تھا، انہوں نے کہا کہ نہیں مجھے یقین تو پہلی ہی مرتبہ ہوگیا تھا، لیکن مجھ پر قابو پانے کے بعد جس طرح حضرت محمد ﷺ نے مجھے زمین پر رکھا، وہ صرف ایک نبی ہی کرسکتا ہے، پہلوان نہیں کرسکتا، اس لئے کہ ہر مرتبہ انہوں نے مجھے زمین پر اس طرح لٹایا کہ جیسے کوئی ماں اپنے بچے کو لٹارہی ہو، ورنہ اگر کوئی پہلوان ہوتا تو اس طرح مجھے زمین پر پٹختا کہ میں پھر اٹھنے کے قابل نہ رہتا۔ کہ جو عام پہلوانوں کا اصول ہے کہ اپنے مخالف کو اس زور سے پٹختے ہیں کہ پھر وہ دوبارہ ہم سے مقابلے کی جرأت نہ کرسکے۔ ان کے ایمان قبول کرلینے کی وجہ سے ان کے قبیلے والوں اور ان کے شاگردوں نے ایمان قبول کرلیا۔

حضرت نے یہ واقعہ سنایا، جتنے حضرات وہاں موجود تھے بے انتہا متأثر ہوئے اور جاوید صاحب کا پروگرام کرانے کا مقصد پورا ہوگیا۔“

اس واقعہ کو بیان کرنے کے بعد حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی دامت برکاتہم نے فرمایا کہ بعد میں مجھے اندازہ ہوا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مقصد میچ دیکھنا نہیں تھا، بلکہ حاضرین کو مانوس کر کے ان تک دین پہنچانا مقصود تھا۔ یہی وہ حکمت نبوی ہے جس کو آپ واقعات سیرت نبوی میں جا بجا دیکھیں گے۔

(۵) شیخ عبداللہ بن احمد الناخبی سے اجازت حدیث

راقم الحروف کو حضرت نے حجاز مقدس کے سفر کا ایک واقعہ کئی مرتبہ سنایا:

”دوران سفر معلوم ہوا کہ ایک بہت بڑے محدث ہیں جدہ میں جن کا نام شیخ عبداللہ بن احمد الناخبی ہے اور جن کی عمر ۱۰۰ سال سے متجاوز ہے، حضرت ان سے ملاقات کے لئے تشریف

لے گئے اور ملاقات کا مقصد ان سے اجازت حدیث حاصل کرنی تھی، چنانچہ ان کے پاس پہنچے، انہوں نے بڑا استقبال فرمایا، حضرت نے ان سے اجازت حدیث کی درخواست کی، انہوں نے فرمایا حدیث کی اجازت دوں گا مگر ایک شرط پر حضرت نے دریافت کیا کہ وہ شرط کیا ہے، فرمایا کہ: پہلے آپ مجھے اپنی سند سے حدیث کی اجازت مرحمت فرمائیں گے پھر میں آپ کو اپنی سند کی اجازت دوں گا، حضرت نے شرط منظور فرمالی حسب وعدہ پہلے حضرت نے ان کو اپنی تمام سندوں کی اجازت دی، پھر انہوں نے حضرت کو اپنی تمام سندوں کے ساتھ صحاح ستہ کی اجازت حدیث مرحمت فرمائی، حضرت نے فرمایا اس طرح ہم دونوں نے ایک دوسرے کو اپنی اپنی سندوں سے اجازت حدیث دی۔''[۱]

یہ واقعہ راقم نے حضرت کی زبانی سنا تھا اور حضرت نے جدہ کے ان محدث جلیل کا نام شیخ عبداللہ بن احمد الناخبی بتایا تھا۔

ان کا پورا نام شیخ عبداللہ بن احمد بن محسن الیافعی الناخبی ہے، ان کا تعلق یمن کے قبیلہ یافع الحمیر یہ سے تھا، ان کی پیدائش ۱۳۱۷ھ کی ہے، بچپن کے ایام وطن مالوف میں گذار کر اپنے والد محترم شیخ احمد بن محسن کے ساتھ تبالہ شہر میں سکونت پذیر ہوگئے، یہاں ان کے والد لشکر میں ملازم تھے، تبالہ میں انہوں نے سات سال گذارے، اور تعلیم حاصل کی، پھر وہاں سے ہجرت کر کے 'مکلا' نامی جگہ آگئے، شیخ ناخبی نے تبالہ میں عارف باللہ شیخ سالم بن مبارک الکلالی الحمیدی سے تعلیم حاصل کی، جو شیخ عمر بادباہ کے تلمیذ رشید تھے۔ شیخ عبداللہ الناخبی نے شیخ سالم بن مبارک کی ملازمت اختیار کر لی، اور انہی سے علمی استفادہ کیا، ۱۳۴۰ھ میں مکلا ہی میں انہوں نے اپنی عملی زندگی کا آغاز فرمایا، اور مکلا ہی میں مساجد اور خانقاہوں میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع فرمادیا، بے شمار لوگوں نے ان سے علمی استفادہ کیا، پھر وہ وہاں کی وزارت تعلیم میں مراقب کے عہدے پر فائز ہوگئے۔

شیخ عبداللہ بحیثیت شاعر بھی بہت مشہور ہوئے، اور ان کا دیوان بھی ''دیوان شاعر الدولۃ'' کے نام سے شائع ہوا، ان کی علم تاریخ خاص کر یمن کی تاریخ پر بھی گہری نظر تھی، اسی لئے تاریخ پر بھی ان کی کئی کتابیں شائع ہوئیں۔

شیخ عبداللہ الناخبی کو بہت سے مشائخ سے علم حدیث کی سند حاصل ہے، جن میں بعض نمایاں

---

[۱] راقم نے یہ واقعہ حضرت خطیب الاسلام سے کئی مرتبہ سنا۔

نام یہ ہیں۔

(۱) شیخ عمر بن حمدان المحرسی (۲) شیخ علوی بن عبدالرحمٰن المشہور (ان کی سند ان کے اساتذہ میں سب سے عالی ہے) (۳) شیخ محمد بن عوض بافضل، شیخ عمر بادباہ (۴) شیخ سالم بن مبارک الکلالی (۶) شیخ مصطفیٰ بن احمد المحضار (۷) شیخ عبداللہ بن عمر الشاطری وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ شیخ عبدالہ بن احمد الناخبی سن ۱۳۹۲ھ سے جدہ میں مقیم تھے اور ہزاروں لوگ ان سے علمی استفادہ کے لئے ان کے پاس آتے تھے، کیونکہ ان کی سند عالی تھی، انہوں نے ایک ہزار سے بھی زائد علمائے عالم اسلام کو اپنی عالی سند سے حدیث کی اجازت دی، جن میں سعودی عرب، خلیجی ممالک، یمن، شام، سیریا، اردن، لبنان، مصر، مغرب ہندوستان اور پاکستان کے مشاہیر علماء شامل ہیں۔

شیخ عبداللہ بن احمد بن محسن الناخبی رحمہ اللہ کا انتقال ۲۸؍ جمادی الاولیٰ ۱۴۲۸ھ میں ہوا، انتقال کے وقت عمر مبارک ایک سو دس سال سے زائد تھی، اور فیصلیہ نامی جدہ کے قبرستان میں ان کی تدفین ہوئی۔[1] اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے۔ (اللہم اغفرلہ وارحمہ واعف عنہ)

(٦) یہی در ہے جہاں شاہان دنیا سر جھکاتے ہیں

محترم جناب حافظ اقبال صاحب دامت برکاتہم نے بیان کیا کہ میں حضرت کے ساتھ حجاز مقدس کے ایک سفر میں تھا، اس سفر میں بمقام جدہ پاکستان کے اس وقت کے وزیراعظم نواز شریف ملاقات کے لئے حضرت کی قیام گاہ پر آئے، اور پھر حضرت کی مع جمیع رفقاء انہوں نے دعوت کی۔ نواز شریف غالباً اگلے دن جدہ سے مدینہ منورہ جارہے تھے، اسی موقعہ پر انہوں نے خواہش ظاہر کی کہ حضرت مدینہ کا سفر ہے کچھ نصیحت فرمادیں، تو حضرت نے دسترخوان پر عشائیہ میں حب رسول (ﷺ) پر تقریر فرمائی، نواز شریف بہت متاثر ہوئے، تقریر کا موضوع تھا، علم، عشق اور حب رسول، میزبان اس سفر میں زبیر بھائی قنوجی تھے، جو جدہ میں مقیم ہیں، ان ہی کے ساتھ حضرت تشریف لے گئے تھے، نواز شریف حضرت کے قدموں میں بیٹھے ہوئے تھے اور زاروقطار رو رہے تھے۔

(۷) اہل مدینہ کا حضرت کی دعوت کرنا

ایک واقعہ جس کو محترم جناب حضرت مولانا حافظ محمد اقبال صاحب نے بیان کیا، وہ فرماتے ہیں

[1] شیخ کے حالات زندگی تفصیل سے معلوم کرنے کے لئے ان کے دیوان کے ابتدائی صفحات دیکھیں

کہ ہم رمضان المبارک میں حرم نبوی میں حضرت کے ساتھ تھے، رمضان المبارک میں حرم نبوی کے اندر روزانہ تراویح کے بعد باب بلال کے پاس بہت سے حضرات حضرت خطیب الاسلام سے ملاقات کے لئے آجاتے اہل مدینہ میں سے ایک معزز شخص نے حضرت سے کئی لوگوں کو اس طرح ملاقات کرتے ہوئے دیکھا تو وہ میرے پاس آئے اور آکر معلوم کیا کہ یہ شیخ کون ہیں؟ تو میں نے حضرت کا نام بتایا کہ یہ فلاں شیخ ہیں اور حضرت کا تعارف کرایا، انہوں نے کہا کہ میں ان کی دعوت کرنا چاہتا ہوں، تو میں نے حضرت سے معلوم کرنے کے بعد ان کی دعوت قبول فرمالی، اگلے روز تراویح کے بعد ان کے مکان پر جو احد پہاڑ کے قریب واقع تھا حاضری ہوئی اور وہاں پہلے ہی سے بہت سے بدو جمع ہو گئے تھے، یہ ریاض سے آئے تھے، وہاں پر حضرت کی علمی مجلس ہوئی، حضرت نے عربی زبان میں دارالعلوم کا تعارف کرایا، پھر عشائیہ تناول کیا، عشائیہ میں ان کے یہاں کی مشہور ڈش اور مخصوص کھانا بریانی تھی جو انتہائی مزیدار بنی ہوئی تھی، حضرت نے ایسی تقریر اور تعارف کرایا کہ وہ بار بار حضرت کی پیشانی پر پیار کرتے۔

(۸) آپ نے تو ہمیں مقدمہ باز بنادیا

حضرت کا سفر اپنے وطن نانوتہ کا ہوا حضرت کی ساتھ حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی دامت برکاتہم بھی تشریف لائے، سب حضرات بیٹھے ہوئے تھے، کتابوں کے سلسلے میں گفتگو ہو رہی تھی اب تک میری اور بھائی جان کی جتنی کتابیں چھپیں ان سب پر حضرت خطیب الاسلام ہی کے مقدمات اور تقریظات ہیں، کچھ کتابیں ہماری غیر مطبوعہ تیار شدہ تھیں میں نے حضرت مولانا محمد سفیان صاحب سے ان کا تذکرہ کیا، تو حضرت مولانا محمد سفیان صاحب نے فرمایا کہ حضرت سے جس قدر ہو سکے کتابوں پر مقدمات یا تقریظات لکھوالیں، تو اس پر والد محترم نے حضرت سے درخواست کی کہ حضرت ان دونوں بچوں کی کتابوں پر مقدمات لکھدیں، اس پر ہنس کر یہ جملہ ارشاد فرمایا: آپ نے تو ہمیں مقدمہ باز بنادیا۔ اس پر سب لوگ ہنسنے لگے۔

(۹) بقول حضرت خطیب الاسلام: نانوتہ اصل وطن ہے ہمارا

حضرت خطیب الاسلام نانوتہ تشریف لائے، حضرت اخیر عمر کے ۱۲ سال میں نانوتہ اپنے وطن مالوف کا تذکرہ کثرت سے کرنے لگے تھے اور جب بھی ہم میں سے کوئی پہنچتا تو فرماتے کہ مجھے وطن

یاد آرہا ہے، حضرت نے ایک مجلس میں فرمایا بھی کہ: ''وہاں نانوتہ میں صدیقی خاندان بہت زیادہ ہے ہم لوگ بھی وہیں کے ہیں، نانوتہ اصل وطن ہے ہمارا۔''[۱]

بہرحال حضرت خطیب الاسلام نانوتہ اپنے وطن تشریف لاتے اور والد صاحب حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی نانوتوی کے مکان کے بارے میں اکثر وبیشتر فرماتے کہ ایک گھر میرا دیوبند میں ہے اور ایک نانوتہ میں حضرت کی ساتھ اور دیگر بہت سے حضرات بھی تھے، جب رخصت ہونے لگے تو والدہ کو بلایا بہت دعائیں دیں اور یہ شعر پڑھا:

بہت دل خوش ہوا اے ہمنشیں آج آپ سے ملکر
ابھی اگلی شرافت کے نمونے پائے جاتے ہیں

(۱۰) ہمیں کبھی ڈانٹا نہیں

حضرت کا سفر ری یونین کا ہوا، اس سفر میں محترم جناب حافظ اقبال صاحب جوگیشوری بھی تھے، وہ فرماتے ہیں کہ ''ری یونین میں حضرت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا کافی بڑا حلقہ تھا، جہاں حضرت خطیب الاسلام کا پروگرام تھا، دور دراز کے حضرات بھی آگئے، وہاں پر پروگرام ہوا اور حضرت حکیم الاسلام کی نسبت سے ایک مسجد اطیب المساجد کی بنیاد رکھی اور اسی نام پر حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب دامت برکاتہم نے دارالعلوم وقف دیوبند کی مسجد کا نام ''اطیب المساجد'' رکھا۔

اپنے خدام کے ساتھ حضرت کا معاملہ ویسا ہی تھا جیسا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان فرمایا، چنانچہ حضرت انس فرماتے ہیں:

''میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دس سال مسلسل خدمت کی اس عرصے کے دوران مجھے یاد نہیں کہ آپ نے مجھے یہ کہا ہو کہ یہ کام کیوں کیا اور نہ ہی کبھی یہ کہا کہ آپ نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔'' (بخاری شریف)

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ

---

[۱] مجالس خطیب الاسلام

''میں نے دس سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا فریضہ سرانجام دیا، جب بھی آپ نے مجھے کوئی کام کرنے کا حکم دیا اور مجھ سے وہ کام نہ ہوسکا تو آپ نے مجھے ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی، اگر اہل خانہ میں سے کسی نے مجھے جھڑکا تو آپ نے اسے روک دیا اور فرمایا: رہنے دیجئے! اسے کچھ نہ کہئے، جو ہونا تھا وہ ہوگیا، تقدیر میں ایسا ہی لکھا ہوا تھا۔

(مسند احمد ۲۳۱/۳۔ طبقات ابن سعد ۱۱/۷)

حضرت کے سامنے چونکہ یہ اسوۂ نبوی ﷺ تھا، اس لئے حافظ اقبال صاحب فرماتے ہیں:

''سفر میں ہم ساتھ رہے کبھی کسی طرح کی غلطی ہوئی مگر کبھی ڈانٹا نہیں اور ہر بات کی خبر گیری فرماتے، دینی اصلاح کے ساتھ دنیوی کاروبار اور زندگی کے دوسرے معاملات میں بھی ہمیشہ مفید مشوروں سے نوازتے۔''

(۱۱) بہار کا ایک دعوتی سفر اور حضرت خطیب الاسلام کا شان استغنا

یہ عاجز ۱۱۴ اکتوبر ۲۰۱۷ء بروز چہار شنبہ حضرت خطیب الاسلام کی خدمت میں حاضر ہوا، وہاں حضرت مولانا شاہد صاحب جو ہمارے مخدوم اور حضرت خطیب الاسلام کے خادم خاص ہیں، انہوں نے راقم سے یہ واقعہ بیان فرمایا:

''۲۰۱۰ء میں میری حاضری حضرت کے ساتھ مدھوبنی ضلع میں ہوئی، وہاں کوئی بڑا پروگرام حضرت کی صدارت میں تھا، وہاں پر اس وقت بہار کے وزیر اعلی نتیش کمار بھی آئے ہوئے تھے، پروگرام کے بعد حضرت سے باصرار پٹنہ تک ہیلی کوپٹر میں ساتھ چلنے کی وزیر اعلی نتیش کمار صاحب نے درخواست کی، حضرت نے ان کے شدید اصرار پر ان کی درخواست قبول تو فرمالی، مگر مولانا شاہد صاحب فرماتے ہیں کہ ہیلی کوپٹر میں میں نے حضرت کو دیکھا کہ از خود وزیر اعلی سے بالکل مخاطب نہیں ہوئے، خود وزیر اعلی بار بار حضرت سے مخاطب تھا، حضرت نے ان کی ضروری باتوں کا جواب دیا، باقی وقت خاموشی سے گذارا، یہاں تک کہ مکمل بے نیازی کے ساتھ سفر کیا اور کوئی فون نمبر یا مخصوص موبائل نمبر حضرت نے ان سے نہیں مانگا اور یہ سب کچھ میں بغور دیکھتا رہا، حضرت مولانا شاہد صاحب کے بیان کے مطابق حضرت پر ایک خاص شان استغناء کی کیفیت طاری تھی، ہمارے حضرت سفر میں اتنا خاموش نہیں رہتے تھے، آپ کے

ساتھ سفر بڑا دلچسپ ہوتا تھا، اس روز خاص طور پر اپنی شان استغناء کا اظہار فرمایا:
جب رخصت ہوئے تو حال یہ تھا کہ وزیر اعلیٰ جناب نتیش کمار صاحب حضرت کے سامنے ہاتھ جوڑے ہوئے دعاء کی درخواست کر رہے تھے۔
اس ناچیز نے حضرت مولانا شاہد صاحب سے عرض کیا کہ مولانا! اس میں تعجب کی کیا بات ہے، یہ تو خانوادہ قاسمی کے آباء واجداء کا شروع ہی سے طرۂ امتیاز چلا آرہا ہے، اس طرح کے حالات میں اس خانوادہ کے افرادامت کو یہ پیغام اپنی زبان حال سے دینا چاہتے ہیں کہ

ان ہی کی جہد مسلسل یہ گامزن ہوں میں
قاسم و احمد و طیب کا چمن ہوں میں
تیری زندگی اسی سے تیری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو روسیاہی

حکیم الاسلام اور خطیب الاسلام کا بیت المقدس کا مبارک سفر

یہ واقعہ حضرت حکیم الاسلام کی بیاض سے حضرت خطیب الاسلام کی اجازت سے حضرت مولانا شاہد صاحب نے نقل کروایا، یہ واقعہ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی بیاض سے نقل کیا ہے، وہ اپنی بیاض میں لکھتے ہیں:

''آج یکم جمادی الاول ۱۳۸۳ھ جمادی الاولی یوم جمعہ کی شب میں بمقام بیت المقدس احقر نے حسب ذیل خواب دیکھا جو بلا شبہ از قسم مبشرات ہے۔ اور وہ یہ کہ میں دیوبند میں ہوں اور یہ معلوم ہوا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دیوبند تشریف لائے ہوئے ہیں۔
دل میں یہ ہے کہ تشریف آوری دارالعلوم میں ہوئی ہے، لوگ اشتیاق زیارت میں ہیں اور میں ارادہ میں ہوں کہ زیارت سے مشرف ہوں، اس درمیان میں کچھ یونہی سا یاد ہے کہ دارالعلوم میں حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کسی اجتماع میں شرکت فرمائی۔ مگر یہ پورا یاد نہیں بلکہ وہم سا یاد ہے، اسی دوران میں ایک اونچی جگہ پر ہوں اور سامنے ایک لامبی سڑک ہے جو نیچے کی طرف اترتی ہوئی بالکل ایسی جیسا کہ شاہی قلعوں میں سلامی دار راستے ہوتے ہیں، جو قلعہ کے بالائی حصے کی طرف جاتے ہیں جیسے آگرہ کے قلعے میں شاہی محلات کو جانے والا راستہ جو

کافی چڑھتا ہوا ہے اور ساتھ میں یہ بھی کچھ یاد پڑتا ہے کہ سڑک سرسبز ہے۔

میں دیکھتا ہوں کہ حضور اس سڑک سے گذر رہے ہیں، یعنی مدرسے سے آرہے ہیں اور قیامگاہ پر تشریف لے جارہے ہیں، قیامگاہ دو مکان ہے جس میں نائب مہتمم صاحب اور مولانا حسین احمد مدنی کا مکان ہے لیکن اس وقت میں اس مکان کو ان حضرات کا نہیں سمجھ رہا ہوں، بلکہ مدرسہ کا کوئی مکان جان رہا ہوں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مذکورہ راستے سے اتر رہے ہیں، ایک چادرہ میں ملبوس ہیں اور چادرہ پورے بدن پر اوڑھے ہوئے ہیں اور کچھ اس طرح خمیدہ چل رہے ہیں جیسے نیچے کی طرف اترنے والا کچھ جھک کر چلتا ہو، یہ سڑک حضور ہی کیلئے مخصوص طور پر بنائی گئی ہے۔ جو کہ احاطہ مدرسہ کی اندرونی اور پرائیویٹ سڑک ہے، عام گذرگاہ نہیں ہے اور اس لئے بنائی گئی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مجمع کے ساتھ چلنے میں تکلیف نہ ہو۔ اس لئے آپ تنہا ہی تشریف لے جارہے ہیں اور میں دیکھ رہا ہوں اور خیال یہ ہے کہ قیامگاہ پر تشریف فرما ہیں وہاں جا کر زیارت سے مشرف ہوں گا۔ چنانچہ اس کے بعد میں قیامگاہ پر حاضر ہوا مگر معلوم ہوا کہ آرام فرمارہے ہیں۔ اس لئے اس خیال سے لوٹا کہ بعد میں حاضر ہونگا۔ میں مکان پر پہنچا تو میاں سالم پہنچ گئے۔ میں نے کہا کہ بھائی حضور تشریف لائے ہوئے ہیں، حاضری کا اور ملنے کا اہتمام کرو۔ اس پر سالم میاں نے کہا کہ میں الحمد اللہ مل چکا ہوں، خدمت اقدس میں حاضری بھی دے چکا ہوں اور مجلس پاک میں بیٹھ بھی چکا ہوں اور دست مبارک پر بیعت کر کے آرہا ہوں۔ اس پر میری خوشی کی انتہا نہ رہی اور میں نے دعاء بھی دی اور مبارکباد بھی دی۔"[1] **والحمد للہ اولاً و آخراً**

دستخط مولانا قاری محمد طیب صاحب

یکم جمادی الاولی ۱۳۸۳ھ یوم جمعہ ۲۰ ستمبر ۱۹۶۳ء

آج ۱۳ شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ مطابق ۳۰ اپریل ۲۰۱۸ء دوشنبہ کو بعد نماز فجر جب اس خواب کا تذکرہ میں نے اپنے بھائی جان سے کیا تو بھائی جان نے فرمایا کہ الحمد اللہ اس خواب کے ذریعہ تمہارا حضرت خطیب الاسلام کے واسطے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست رابطہ ہو گیا۔ اس کے بعد اس خواب کا تذکرہ بھائی جان نے نیچے ناشتے پر والدہ محترمہ اور سب

[1] ایپاض حکیم الاسلام

گھر والوں کے سامنے کیا، اس پر والدہ محترمہ نے فرمایا کہ اکثر و بیشتر میری امی (اس عاجز کی نانی اماں) کہتی تھیں کہ مہتمم ابا کے خواب بڑے سچے ہوتے تھے، یعنی ہمارے خاندان میں مہتمم ابا (حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ) کے خواب کے سلسلے میں یہ بات مشہور تھی کہ ان کے خواب بہت سچے ہوتے تھے۔

(۱۲) جوہانسبرگ میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کی مکمل تاریخ کا بیان اور ختم بخاری

حافظ اقبال صاحب جوگیشوری نے اس عاجز کو بتایا کہ:

''میرے دوسفر حضرت کے ساتھ جنوبی افریقہ کے ہوئے، ایک سفر ڈربن میں مفتی عبدالجلیل صاحب کی دعوت پر ہوا تھا، اس میں دارالعلوم زکریا جوہانس برگ میں ختم بخاری شریف کا درس ہوا تھا، جس میں حضرت ہی نے بخاری شریف ختم کرائی تھی اور اس ختم بخاری کے درس میں بڑے بڑے علماء نے شرکت فرمائی تھی، ایک عجیب روحانی مجلس تھی اس پر مزید یہ کہ حضرت کا عالمانہ اور بصیرت افروز خطاب، یہ ایسی جامع تقریر تھی کہ ہر شخص یہ کہہ رہا تھا کہ یہ مولانا سالم صاحب نہیں بلکہ دراصل نسبت قاسمی بول رہی تھی، اس کے بعد وہاں پر مختلف مساجد میں پروگرام ہوئے، ایک پروگرام وہاں پر جمعیۃ العلماء کے دفتر میں ہوا، جس میں لوگوں کی طرف سے ہندوستان میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کے قیام کے تعلق سے سوال ہوا تو حضرت نے اس کے جواب میں ایک تقریر فرمائی اور اس تقریر میں حضرت نے پوری مسلم پرسنل بورڈ کی تاریخ بیان کی۔ ہندوستان کے ان حالات کا تذکرہ فرمایا جن کی وجہ سے علمائے ہندوستان کو حضرت حکیم الاسلام کی تحریک و دعوت پر اور انہی کی سرپرستی میں یہ انتہائی اہم دعوتی قدم اٹھانا پڑا، اور کیسے اس وقت اس قانون کے ذریعہ اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کے پلیٹ فارم سے ہندوستان میں اسلامی شریعت کا تحفظ ہوا۔ حضرت نے اسی تقریر کے دوران جنوبی افریقہ کے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بھی اشارہ فرمایا تھا کہ جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں کے بہی خواہان ملت کو اس طرح اقدامی اور دعوتی اقدامات نہایت ضروری ہیں کہ دین و شریعت کے قوانین حقہ کی حفاظت ہو سکے۔''

(۱۳) حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کا طریقہ کار: اسٹیج دوسروں کا بات اپنی

راقم حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، تین سال قبل کی بات ہے، حضرت نے مجھے ایک واقعہ سنایا کہ:

''حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا کام کرنے کا طریقۂ کار کیا تھا، ابھی چند سال قبل حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو جناب ڈاکٹر ذاکر نائک کی طرف سے پیس کانفرنس میں شرکت کے لئے دعوت نامہ موصول ہوا، بعض مخصوص فکر کے حاملین نے ''ڈاکٹر ذاکر نائک'' کو موضوع بحث بنا رکھا تھا، یہاں تک کہ ان پر کتابیں بھی لکھ دی گئیں، بہرحال مجھے اس سے بحث نہیں کہ انہوں نے ان کتابوں میں کیا لکھا اور ان پر کیوں لکھا، بہرحال حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واقعہ سنایا کہ ابھی کچھ ہی روز کی بات ہے کہ میرے پاس ڈاکٹر ذاکر نائک کی طرف سے دعوت نامہ آیا کہ آپ کو ہم لوگ بحیثیت صدر اپنے یہاں کے سالانہ پروگرام میں مدعو کرنا چاہتے ہیں آپ کی تشریف آوری ہمارے حق میں حوصلہ افزائی کا باعث ہوگی، حضرت نے درخواست منظور فرمالی، چنانچہ تاریخ مقررہ پر حضرت ممبئی پہنچ گئے، جہاں علماء میں اس سلسلے میں پہلے ہی کافی چرچہ ہو چکا تھا اور خاص ذہنیت کے لوگ انتہائی شدت کے ساتھ اس کی مخالفت پر آمادہ تھے کہ حضرت خطیب الاسلام ہرگز ہرگز ''ذاکر نائک'' کے پروگرام میں شرکت نہ کریں، بہرحال حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ ہم لوگ ایک دن قبل ممبئی پہنچ گئے، چنانچہ علماء ملاقات کے لئے آتے رہے اور سب کا اس پر اصرار تھا کہ حضرت کسی بھی طرح آپ ذاکر نائک کے پروگرام میں شرکت نہ فرمائیں، چنانچہ ایک بہت بڑی تعداد ہماری قیامگاہ پر علماء کی جمع ہوگئی تو ایک پروگرام کی سی صورت پیدا ہوگئی، اس پر حضرت کے بقول کہ میں نے وہاں ان کے سامنے ایک تقریر کی اور ان کے سامنے ان کے اسلاف اور فکر ولی الٰہی کے نظام اور تاریخ کو بیان کر کے حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی فکر اور آپ کے کام کرنے کے طریقۂ کار کو بیان کیا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا طریقۂ کار یہ تھا کہ پروگرام دوسروں کا ہوتا، اسٹیج دوسروں کا ہوتا اور بات اپنی کہتے اور اس کو اتنا مدلل ومفصل بیان فرماتے کہ کسی کے لئے مزید گفتگو یا سوال و جواب کی گنجائش ہی باقی نہیں چھوڑتے تھے، بہرحال حضرت نے یہ تقریر

حاضرین کے سامنے فرمائی، تمام حاضرین بڑی خاموشی سے حضرت کی گفتگو سن رہے تھے بات بھی سمجھ میں آ گئی تھی مگر وہ سب حضرات چہروں کے زاویوں اور زبان حال سے گویا کہ وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ ''واعظ کا ہر ایک ارشاد بجا'' آپ کی بات سر آنکھوں پر مگر پتنالہ رہے گا وہیں پر'' موقع کی نزاکت کو محسوس فرما کر آپ نے یہ بات فرمائی، حضرت فرماتے ہیں کہ میں نے محسوس کیا کہ لوگ چاہتے ہی نہیں کہ میں وہاں جاؤں، تو میں نے ان سے کہا کہ ہمارے بڑوں کا طریقہ تو یہی رہا جو میں نے آپ حضرات کو بتایا، مگر آپ کے جذبات کا احترام میرے پر لازم ہے، اس کے باوجود اگر آپ لوگ نہیں چاہیں گے تو میں ہرگز نہیں جاؤں گا، میں آپ سے باہر نہیں ہوں بس یہ جملے حاضرین کے کان میں پڑنے تھے کہ ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی اور بآواز بلند نعرے لگائے، حضرت نے یہ واقعہ سنایا اور بے ساختہ کھلکھلا کر ہنسے اور باقی لوگ بھی ہنسنے لگے۔''[1]

اس واقعہ سے کئی باتیں معلوم ہوتیں ہیں۔

ایک تو حضرت کی نفسیات شناسی اور موقع ومحل کے اعتبار سے بروقت فیصلہ کرنا۔

دوسری بات لوگوں کے جذبات کا غیر معمولی خیال فرمانے کی عادت۔

تیسری بات اپنے سے چھوٹوں کی رائے کا احترام۔

چوتھی بات اپنے چھوٹوں پر شفقت۔

(۱۴) حضرت خطیب الاسلام کا تفقہ فی الدین

حافظ محمد اقبال صاحب جوگیشوری ممبئی نے حضرت کا ایک واقعہ راقم کو بتایا یہ واقعہ ممبئی ماہم کا ہے، کچھ لوگ حضرت کے پاس بڑی پریشانی میں آئے، مسئلہ ان کا یہ تھا کہ حضرت ہماری ہمشیرہ ہے، ان کا نکاح کا مسئلہ درپیش ہے، وہ یہ کہتی ہے کہ میں کسی داڑھی والے سے شادی نہیں کراؤں گی، مجھے داڑھی والوں سے نفرت ہے، حضرت ہمیں اس سلسلے میں تشویش ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے اس کو سمجھائیں؟ ہم نے اس کو بہت سمجھایا، عار بھی دلائی، مگر وہ اپنی ضد پر اڑی ہوئی ہے، حضرت نے بڑا حکیمانہ جواب دیا جو جواب مبنی بر حکمت بھی ہے اور حضرت کے تفقہ فی الدین پر

---

[1] یہ واقعہ راقم نے حافظ اقبال صاحب سے براہ راست سن کر محفوظ کر لیا تھا۔

دلالت بھی کرتا ہے، حضرت نے فرمایا کہ اس کی خواہش کو سامنے رکھ کر عمل کریں، ورنہ شادی کے بعد مزید فتنہ میں مبتلا ہونے اور دین سے متنفر ہونے کا خدشہ ہے۔ ان حضرات نے حضرت کی بات پر عمل کیا، چنانچہ وہ سب گھر والے اور خود وہ خاتون ایک عظیم فتنہ اور گھر کی بدسکونی سے نہ صرف بچے، بلکہ بعد میں بڑی خیر ہوئی۔ اور وہی صاحبہ بتوفیق الٰہی نہ صرف یہ کہ خود محجبہ ہوگئیں بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی حجاب میں رہنے کی دعوت دینے لگیں اور ان کے شوہر نے بھی داڑھی رکھ لی۔

یہ ہے وہ دعوتی فقہ یا تفقہ فی الدین، جس کے بے شمار واقعات ہمیں سیرت طیبہ میں ملتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے تمام حالات اور پس منظر کو سامنے رکھ کر بہت سے فیصلے ایسے فرمائے جو شروع میں ظاہری اسباب کے اعتبار سے صحابہ کی سمجھ میں نہیں آئے مگر نتائج کے اعتبار سے حکمت وہی تھی، جس کا فیصلہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا، مثال کے طور پر عبداللہ بن ابی سلولہ کی نماز جنازہ پڑھانا ظاہری اعتبار سے صحابہ کی سمجھ میں یہ فیصلہ نہیں آرہا تھا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کو منع فرمایا کہ یا رسول اللہ رئیس المنافقین ہے، مگر چونکہ آپ کے پیش نظر حکمت یہ تھی کہ اس عمل سے ہوسکتا ہے دیگر منافقین کو ہدایت ملجائے اور ہوا بھی ایسا ہی کہ آپ کے اس عمل سے بے شمار لوگ ایمان لائے۔

بہرحال یہ واقعہ آج کے دور کی فتوی بازی اور سوشل میڈیا کی جہالتوں اور تنگ نظریوں کے دور میں انتہائی اہمیت رکھتا ہے کہ ہم بغیر سوچے سمجھے اور بغیر حالات کی نزاکتوں اور پس وپیش کو سمجھے کچھ بھی کہہ دیتے ہیں اور کچھ بھی حکم لگا دیتے ہیں۔ اور یہ نہیں سمجھتے ہ ہمارے اس عمل سے کتنے لوگوں کی زندگیاں تباہیوں اور دین سے تنفر کا شکار ہوجاتی ہیں، اور وہ دینی مسائل جان بوجھ کر برگشتہ ہوجاتے ہیں، جو بات اسوۂ نبوی کے انتہائی خلاف ہے، اسوۂ نبوی ہمیں لوگوں کے جذبات کا احترام سکھاتا ہے، جوڑنا سکھاتا ہے، اور جوڑ صرف محبت سے ہی ہوتا ہے، عداوت اور نفرت سے نہیں ہوسکتا۔ فتویٰ بازیوں سے نہیں ہوسکتا، خدارا ان بے جا فتوی بازیوں کو چھوڑیں، اور اسلام کا پیغام محبت عام کریں، اسلام کے احکامات میں خود اتنی کشش ہے کہ لوگ خود ان پر عمل پیرا ہونے لگیں گے۔

بقول شاعر

کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بدگماں حرم سے
کہ میرِ کارواں میں نہیں خوئے دلنوازی

(۱۵) حضرت مستجاب الدعوات تھے

حافظ اقبال صاحب جوگیشوری نے ایک مزید واقعہ اور سنایا کہ میں نے بارہا یہ محسوس کیا کہ حضرت خطیب لاسلام مستجاب الدعوات تھے اور اس پر یہ واقعہ راقم کو سنایا کہ: ماہم میں ایک صاحب عبداللطیف نام کے تھے جو حضرت کے مرید بھی تھے، ان کا ایکسیڈنٹ ہوا، یادداشت چلی گئی اور قوت گویائی بھی، نہ یادداشت رہی اور نہ قوت گویائی، حضرت خطیب الاسلام کو معلوم ہوا تو حضرت عیادت کی غرض سے ان کے پاس ہوسپٹل تشریف لے گئے اور شفایابی کی دعا فرمائی، حضرت کو دیکھتے ہی اٹھ بیٹھے اور بحمداللہ فوراً ہی یادداشت بھی لوٹ آئی اور قوت گویائی بھی۔

سب لوگوں کو اس طرح شفایابی پر تعجب ہوا حضرت کی دعاء اور ملاقات کی برکت سے اللہ نے یہ فضل فرمایا کہ ان کی دونوں ہی چیزیں واپس لوٹ آئیں۔

(۱۶) وحدانیت باری تعالیٰ پر ۱۰۰ سوویں دلیل ''دلیل لٹھ''۔

حضرت خطیب الاسلام نے نانوتہ کے ایک سفر میں یہ واقعہ بیان کیا کہ:

''امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ راستے میں تھے، ایک دیہاتی پر نظر پڑی جو اپنے کھیت میں ہل چلا رہا تھا، امام غزالی رحمۃ اللہ کے ذہن میں یہ بات آئی کہ اگر اس بیچارے سے آخری وقت میں شیطان نے پوچھ لیا کہ بتا تیرے پاس اللہ کے ایک ہونے کی کیا دلیل ہے تو اس کو یہ کیا جواب دے گا؟

چلوں اس کے پاس چل کر معلوم کرتا ہوں، دیکھیں یہ کیا جواب دے گا، امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اس کے پاس پہنچے اور اس سے کہا کہ بھائی تیرے پاس اس کی کیا دلیل ہے کہ اللہ ایک ہے؟ وہ دیہاتی یہ سنتے ہی بگڑ گیا اور فوراً ہی اپنا لٹھ اٹھایا اور امام غزالی کے سامنے لٹھ لے کر تن کے کھڑا ہو گیا اور بڑے غصے میں پوچھا کہ ذرا اب کے پوچھ کے دکھا، یہ بات تو تجھے بتاؤں گا کہ اللہ کو ایک ماننے کی دلیل کیا ہے، امام غزالی نے ہاتھ جوڑ لئے اور فرمایا ہاں بھائی سمجھ میں آ گیا کہ بے شک اللہ بغیر دلیل کے ایک ہے۔ جو ۹۹ دلیلوں کو نہ مانے تو اس کے لئے یہ ''دلیل لٹھ'' ہے۔''[1]

---

[1] نانوتہ میں ایک مجلس میں حضرت خطیب الاسلام نے اس واقعے کو سنایا تھا۔

(۱۷) زامبیا کا سفر اور ختم بخاری شریف

حافظ اقبال صاحب نے مجھے بتایا کہ میرا ایک سفر حضرت کے ساتھ زامبیا اپریل ۲۰۱۴ء میں ہوا، یہ سفر مولانا بوباد صاحب کی دعوت پر ہوا تھا اور مولانا ایوب صاحب وہاں پر ذمہ دار تھے۔ الجامعہ الاِسلامیہ لوسا کا زامبیا میں ختم بخاری شریف کا ایک بڑا پروگرام تھا، حضرت نے وہاں بخاری شریف ختم کرائی، پھر وہاں سے مختلف مقامات پر سیر وتفریح کے لئے گئے، وہاں وکٹوریہ فال بھی دیکھا جو بقول حضرت! کناڈا کے ناگرا فال سے کافی بڑا ہے، جس کے بارے میں عام طور پر یہ مشہور ہے کہ وہ دنیا کا سب سے بڑا فال ہے، مگر حضرت نے بتایا کہ زامبیا کا فال اس سے بھی بڑا ہے۔

اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضرت جہاں بھی جاتے وہاں کے مشہور مقامات کی اگر وقت میں گنجائش ہوتی تو ضرور زیارت فرماتے، "سیر وافی الأرض" پر عمل فرماتے کیونکہ داعی کے لئے دنیا کے جغرافیائی اور تاریخی حالات کا علم از حد ضروری ہے۔

(۱۸) حضرت کی چھوٹوں کے ساتھ شفقت اور حوصلہ افزائی

محترم بھائی جان جناب مولانا ڈاکٹر محمد اویس صدیقی نانوتوی صاحب نے ایک واقعہ آج ۱۴ شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ بروز منگل مطابق یکم مئی ۲۰۱۸ء مجھے بتایا کہ میری عمر ۱۲ سال کی تھی کہ میں سال سوم میں تھا، اس وقت حضرت خطیب الاسلام قاضی امتنان کے صاحبزادے قاضی طارق صاحب[۱] کے نکاح میں تھانہ بھون تشریف لائے، گھر میں باہر چبوترے پر تشریف فرما تھے، بھائی جان کو اس زمانے میں نحوی قواعد نوک زبان پر تھے اور بھائی جان کو اہل علم حضرات سے استفادہ کا بچپن ہی سے شوق رہا اور چونکہ حضرت خطیب الاسلام اور متکلم اسلام حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرے اور ان کی علمی مجالس کے واقعات بچپن ہی سے گھر میں سن رکھے تھے، اس لئے بھائی جان کو اشتیاق ہوا کہ حضرت کے پاس بیٹھ کر کچھ استفادہ کیا جائے، اسی استفادہ میں بھائی جان کے وہ سوالات بھی شامل ہوتے جو بھائی جان اپنی علمی تشنگی کو مٹانے کے لئے اہل علم حضرات سے فرماتے، بہر حال وہ حضرت کے پاس جا کر بیٹھ گئے، عمر چونکہ بہت کم تھی اور خاندانی ذہانت تھی، اُدھر حضرت

---

[۱] قاضی طارق صاحب قاضی امتنان صاحب کے صاحبزادے ہیں، جو تھانہ بھون میں مقیم ہیں اور فی الحال خاندان تھانہ بھون فاروقی کی روایات کے پاسدار وامین ہیں۔

جیسی شخصیت جو ماہر نفسیات تھے، فوراً پہچان لیا کہ بچہ بہت ذہین ہے، تو حضرت خاص طور پر متوجہ ہوئے اور بہت خوشی کا اظہار فرمایا، کیونکہ حضرت کا مزاج علمی اور دعوتی تھا، ہر جگہ جہاں علمی یا دعوتی گفتگو ہوتی، اس کو پسند فرماتے، بلکہ عمومی تقریبات بھی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی سے علمی و دعوتی رنگ میں تبدیل ہوجاتی تھیں۔ بھائی جان نے دوران گفتگو حضرت سے معلوم کیا کہ حضرت نحو کے اعتبار سے شرط کس کو کہتے ہیں؟ اس سوال سے حضرت بہت خوش ہوئے اور بہت پیار کیا اور فرمایا کہ بچہ میں ماشاءاللہ خاندانی ذہانت کے اثرات پورے پورے موجود ہیں اور پھر حضرت نے باقاعدہ ان کے اس سوال کا جواب انتہائی تشفی بخش دیا، بھائی جان نے یہ واقعہ مجھ سے بیان کیا اور کہا کہ بھیا! اس وقت لاشعوری اور بچپن تھا ورنہ کہاں میں اور کہاں حضرت کی شخصیت، اس کو میری لاشعوری پر ہی محمول کیا جاسکتا ہے کہ میں نے حضرت سے سب کے سامنے ولیمہ کی تقریب میں سوال کردیا، مگر یہ حضرت کا اپنا امتیاز تھا کہ انتہائی شفقت کے ساتھ مجھے جواب مرحمت فرمایا، اگر جواب نہ دیتے تو حضرت کی شخصیت پر کیا اثر پڑتا مگر میری حوصلہ افزائی کی خاطر مجھے تشفی بخش جواب مرحمت فرمایا، حضرت کے بھرے مجمع میں بقول بھائی جان، جواب دینے سے میری انتہائی درجے کی حوصلہ افزائی ہوئی، اور طلب علم کی طرف مزید رغبت پیدا ہوئی، اگر خدانخواستہ منع کردیتے اور ڈانٹ دیتے تو نقصان ہوتا۔

(۱۹) عظیم مقصد کی تکمیل کی خاطر حضرت کی قوت برداشت اور اسوۂ نبوی پر عمل

حضرت کے وصال کے بعد ہم سب لوگ گھر پر والد محترم حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی نانوتوی دامت برکاتہم کی مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے، تقریباً سبھی اہل خانہ وہاں موجود تھے تو بھائی صاحب (والد محترم کو ہم لوگ بھائی صاحب کہتے ہیں) نے ہمیں حضرت خطیب الاسلام کی ناگوار حالات پیش آنے پر قوت برداشت کا ایک واقعہ سنایا کہ میں حضرت کے ساتھ سفر میں تھا اور سفر اپنے علاقہ ہی کا تھا، میں حضرت کے ساتھ تھانہ بھون اور اس کے دیہی علاقہ میں تھا، یہ واقعہ دارالعلوم وقف دیوبند کے قیام کا ابتدائی زمانہ ہے، بھیسانی کے پاس ایک گاؤں میں پروگرام تھا، پروگرام کے بعد، حضرت کا معمول رات کو دودھ پینے کا تھا، ایک صاحب نے عجیب انداز سے کہا کہ حضرت دودھ پینا ہے تھوڑی زحمت اٹھانی پڑے گی، حضرت خاموش ہوگئے اور برداشت کرگئے، پھر وہ صاحب حضرت کو کافی دور

پیدل لے گئے اور حضرت ان تمام چیزوں کو برداشت فرماتے، حضرت ان صاحب کے یہاں تشریف لے گئے اور دودھ پیا۔

یہ واقعہ قیام دارالعلوم وقف کے ابتدائی زمانے کا ہے، مگر چونکہ ایک عظیم مقصد سامنے تھا، اس لئے اس عظیم مقصد کی تکمیل کی خاطر سب کچھ برداشت کیا۔

(۲۰) بچوں پر اپنے بزرگوں کی ملاقات کا اثر

حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ۱۴؍اپریل ۲۰۱۸ء بروز شنبہ دوپہر میں ہوا اگلے روز یکشنبہ کو دارالعلوم وقف دیوبند کی اطیب المساجد میں ایک تعزیتی پروگرام زیر صدارت جانشین حضرت خطیب الاسلام مولانا محمد سفیان قاسمی دامت برکاتہم العالیہ منعقد ہوا۔ جس میں اپنے تعزیتی کلمات میں حضرت مولانا نے حضرت خطیب الاسلام کے دبئی کے ایک سفر کا واقعہ بیان کیا کہ وہاں پر شاہد بھائی ہیں جو حضرت سے تعلق رکھتے ہیں، وہ ملاقات کے لئے حضرت کے پاس آئے، ان کے ساتھ ان کے دونوں چھوٹے چھوٹے بچے بھی تھے، حضرت سے انہوں درخواست کی کہ حضرت ان کے سروں پر ہاتھ رکھد یجئے، میں ان کو یہاں ملاقات کرانے اس لئے لایا ہوں کہ اس ملاقات اور اس طرح سروں پر ہاتھ پھیرنے کا یہ نقشہ ان کے ذہنوں میں مرتسم ہو جائے گا اور آگے جا کر یہ بچے کم از کم یہ کہہ سکیں گے کہ حضرت خطیب الاسلام کو ہم نے دیکھا ہے اور اپنے والد کے ساتھ جا کر ہم نے ملاقات بھی کی تھی، حضرت نے ہمارے حق میں دعائیں بھی فرمائیں تھیں اور ہمارے سروں پر حضرت نے ہاتھ بھی رکھا تھا، یہ تمام باتیں جب ذہن میں ان بچوں کے نقش ہوں گی تو یہ ملاقات تربیت کے باب میں ایک اہم کردار ادا کرے گی اور ویسے بھی بزرگوں سے ملاقات تو ہر حال میں مفید ہی ہوتی ہے۔

(۲۱) مدینہ منورہ میں مقیم محدث جلیل کی حضرت خطیب الاسلام سے ملاقات

۱۲ فروری ۲۰۱۱ء کا واقعہ ہے کہ مدینہ منورہ سے آئے ہوئے بہت بڑے عالم اور محدث جلیل شیخ محمد محمد عوامۃ اور ان کے صاحبزادے شیخ محی الدین عوامۃ اپنے ہندوستان کے دورے کے دوران لکھنؤ سے دہلی ایرپورٹ پر جب پہنچے تو شیخ نے یہ خواہش ظاہر کی کہ حضرت خطیب الاسلام شیخ مولانا محمد سالم القاسمی صاحب سنا ہے کہ مریض ہیں، طبیعت ناساز ہے، میں عیادت کرنے کے لئے جانا چاہتا

ہوں، بھائی جان نے کہا کہ ضرور انشاء اللہ میں معلوم کرتا ہوں بھائی جان نے رابطہ کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت سجان مہندرا ہسپتال، دہلی میں علالت کی وجہ سے ایڈمٹ ہیں، چنانچہ میں میز بانوں کی طبیعت پر ایک قسم کے دباؤ کے باوجود شیخ محمد محمد العوامۃ دامت برکاتہم العالیہ کو سجان مہندرا ہوسپٹل لے کر پہنچا، وہاں پر حضرت سے شیخ اور ہم سب نے ملاقات کی حضرت نے استقبال کیا اور بڑی پر تپاک انداز سے ملاقات کی، شیخ محمد محمد العوامۃ بار بار حضرت کی پیشانی پر پیار کرتے اور شفاء کی دعاء مانگتے، بقول بھائی جان ایسا محسوس ہوتا تھا جیسا کہ ہم نے کتابوں میں پرانے محدثین کے بارے میں پڑھا تھا، ان دونوں حضرات کی شان بھی ان ہی کی طرح محسوس ہو رہی تھی، پھر شیخ عوامۃ نے اس ملاقات کرانے پر میرا بے حد شکریہ ادا کیا، اور یہ جملہ ارشاد فرمایا کہ ہندوستان آنے کے بعد اگر شیخ سے ملاقات نہ ہوتی تو ہندوستان کا سفر ادھورا رہتا۔

(۲۲) شجرہ خاندان صدیقی نانوتہ کے اجراء کے موقع پر

(۲۴) ۲۰۱۱ء مطابق ۱۴۳۲ھ کی بات ہے کہ حضرت خطیب الاسلام نے راقم الحروف کو دیوبند خاص طور پر بلا کر حکم فرمایا کہ اگر خاندان کا شجرہ دوبارہ مرتب ہو جائے تو بہت بڑا علمی وخاندانی سرمایہ دستاویزی شکل میں محفوظ ہو جائے گا، میں نے عرض کیا کہ حضرت دعاء فرما دیں کہ میں اس کام کو کرسکوں، چنانچہ ستمبر ۲۰۱۳ء ذی قعدہ ۱۴۳۴ھ کو یہ شجرہ مکمل کیا پھر حضرت کے پاس جب اس خاندانی شجرہ کو لے گیا، حضرت کی خوشی کی انتہا نہ رہی، حضرت بڑی دعائیں دیں، مزید برآں اس پر ایک انتہائی جامع مقدمہ تحریر فرمایا، جب یہ شجرہ شائع ہو گیا تو حضرت نے فرمایا کہ نانوتہ میں اس کا اجراء بھی ہونا چاہیئے، چنانچہ میں نے والد محترم سے معلوم کر کے حضرت سے نانوتہ کی تاریخ لی، حضرت نانوتہ جمعہ کے دن تشریف لائے اور ہمارے مشہور چوک کے مرکزی چبوترے پر اس شجرہ خاندان صدیقی نانوتہ کا اجراء فرمایا، اس موقع پر راقم نے اپنے خاندان اور جمعیت الامام محمد قاسم النانوتوی کی طرف سے حضرت کو ایک سپاس نامہ بھی پیش کیا تھا، جس کو عاجز ہی نے پڑھ کر سنایا تھا، خاندان کے معزز حضرات نے، جن میں حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی دامت برکاتہم، والد محترم حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی صاحب، جناب نفیس صدیقی نانوتوی مرحوم، جناب مولانا ڈاکٹر محمد اویس صدیقی نانوتوی راقم الحروف اور دیگر افراد خاندان نے حضرت کو تفویض کیا، حضرت نے اس سپاس نامہ کو

لے کر سر پر رکھ لیا اور ایک جامع تقریر فرمائی۔

جس میں حضرت نے علامہ اقبال کے مندرجہ ذیل وہ اشعار سنائے جو حضرت کو بہت پسند تھے۔

تیرے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے؟
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے؟
عبث ہے شکوۂ تقدیر یزداں
تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے

جمعہ سے قبل اس کا اجراء عمل میں آیا اور جمعہ میں جامع مسجد نانوتہ میں حضرت نے تفسیر قرآن کا آغاز فرمایا اور سورہ فاتحہ کے فضائل پر حضرت نے مبسوط کلام فرمایا، حضرت کی دعاؤں کی برکت سے اس عاجز کو یہ توفیق میسر آئی تادم تحریر پونے چار پارے مکمل ہو چکے۔ **فللّٰہ الحمد اولاً و آخراً** مزید تفصیل اس کی آگے ''یادگار لمحات'' میں آئے گی۔

(۲۳) سفر کیرالہ

حضرت خطیب الاسلام کے خادم خاص بیان کرتے ہیں کہ حضرت کا سفر کیرالہ ہوا۔ جس میں تقریباً کیرالہ کے چھوٹے بڑے گاؤں اور قصبات میں جانا ہوا۔

''وہاں ایک خاص مسجد ''مسجد چیرامان'' جامع مسجد کے نام سے موسوم ہے۔ اس کی ایک اہم تاریخ ہے کہ جس وقت شق القمر کا واقعہ پیش آیا اس وقت کیرالہ کا بادشاہ جس کا نام ''چیرامان'' تھا، وہ اپنی شریک حیات کے ساتھ چھت پر بیٹھا ہوا محو گفتگو تھا کہ اچانک اس نے دیکھا کہ شق القمر ہوا، اس زمانے میں صحابہ کرام کی آمد ورفت تجارت کے غرض سے کیرالہ کی ہوا کرتی تھی، لہٰذا ان صحابہ میں سے ایک صحابی اس وقت حضرت مالک بن دینارؓ اپنے اہل وعیال کے ہمراہ کیرالہ میں شق القمر کے معجزہ کے بعد تشریف لائے، شق القمر کے واقعہ کو بادشاہ چیرامان نے مالک بن دینارؓ سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا تھا، صحابی رسول نے بتایا کہ مکہ میں ہمارے نبی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے دولوگوں نے کہا کہ اگر تم سچے نبی ہو تو چاند کے دوٹکڑے کر کے دکھاؤ۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کو انگلی سے اشارہ کیا جسکی وجہ سے چاند کے دوٹکڑے ہو گئے تھے، پھر بادشاہ ''چیرامان'' نے حضورؐ سے ملنے کی تمنا کی اور مالک بن دینار کو ساتھ لے گئے،

بادشاہ حضور کی خدمت میں پہنچا اور پھر مشرف باسلام ہوا، واپسی میں بادشاہ کا راستہ میں انتقال ہوگیا، اس وقت بادشاہ نے یہ وصیت لکھی کہ میری فلاں جگہ کی زمین پر ایک مسجد تعمیر کی جائے۔ ان کے کسی وارث نے ایک جگہ اس مسجد کی بنیاد حضرت مالک بن دینارؒ سے ۶۰ھ حیات نبوی ہی میں مسجد کی بنیاد رکھی۔ جس کا آج بھی اندرونی حصہ تقریباً اسی وقت کا ہے، بیرونی حصہ میں زمانہ کے اعتبار سے کام ہوتا رہا ہے لیکن اندرونی حصہ اسی وقت کا ابھی تک موجود ہے، بلکہ اس مسجد کے دائیں طرف حضرت مالک بن دینارؒ کی اہلیہ اور انکے صاحبزادے کا مقبرہ بھی ابھی تک موجود ہے، جو آج بھی مرجع خلائق اور زیارت گاہ عوام وخواص ہے۔''

الحمد اللہ حضرت مدظلہ العالی کی معیت میں اس سفر کیرالہ میں اس احقر (خادم خاص حضرت مولانا شاہد صاحب) کو بھی اس مسجد کی زیارت نصیب ہوئی، مسجد میں داخل ہوتے ہی منبر کے قریب حضرت نے نفل کی نیت باندھ لی احقر بھی نفل میں مشغول ہوگیا، وہاں سے سفر میں دقت تھی جس کی وجہ سے احقر نے چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھ کر نفلیں مکمل کیں، لیکن حضرت مدظلہ العالی نے کم وبیش ۳۵ منٹ میں دو رکعت مکمل فرمائی اور فرمایا کہ دنیاوی کام تو پیچھے لگا ہی رہتا ہے، موقع کو غنیمت سمجھنا چاہئے۔[1]

(۲۴) ممبئی، گجرات اور دمن وغیرہ کے دعوتی، علمی اور تبلیغی دورے

اگرچہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ہندوستان کے تمام ہی صوبوں اور بڑے شہروں میں اپنے والد گرامی کے ساتھ دارالعلوم کی تعمیر وترقی کے لئے اصلاح امت و دعوت دین کے تعلق سے مختلف اوقات میں دینی اور دعوتی دورے ہوتے رہتے، اسی طرح پھر والد گرامی کی وفات کے بعد بھی یہ سلسلہ بڑھ گیا اور ان مقامات پر بار بار لوگ آپ کو دعوت دیتے تھے ان تمام کی تفصیلات کو اس وقت بیان کرنا ضروری بھی نہیں، اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جو دینی، علمی اور دعوتی خطابات جگہ جگہ فرمائے ان کی معدودے چند تفصیلات ''خطبات خطیب الاسلام'' میں ملتی ہیں، البتہ جو تفصیلات اس وقت ہمارے سامنے ہیں ان کو بیان کر دینا بھی فائدہ سے خالی نہیں، دارالعلوم وقف دیوبند کے قیام کے

---

[1] مولانا شاہد صاحب (خادم خاص حضرت خطیب الاسلام) نے بیاض خطیب الاسلام نقل کر کے مجھے دیا تھا، یہ واقعہ اردو روزنامہ 'انقلاب' کے کسی شمارے میں شائع ہوا۔

بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۹۸۵ء میں پاکستان تشریف لے گئے، اور وہاں مختلف مراکز علمیہ میں حضرت کے خطابات ہوئے، پھر وہیں سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ براہ راست کراچی سے اہل ممبئ کی دعوت پر ممبئ تشریف لائے۔ جس کی تفصیلات ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم'' کے پانچویں شمارے سن ۱۹۸۶ء میں شائع ہوئیں، جس کا طویل اقتباس پیش خدمت ہے۔

''حضرت مولانا سالم صاحب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند اہل ممبئ کی دعوت پر ۶ ستمبر کو کراچی سے براہ راست ممبئ بذریعہ ہوائی جہاز تشریف لائے۔ بمبئ ایئر پورٹ پر حاجی نور محمد صاحب، ماسٹر عزیز الحق صاحب، حافظ محمد فرقان صاحب، مولانا عالم صاحب وغیرہم بہت سے معززین کے ساتھ استقبال کے لئے موجود تھے۔

۷/ستمبر کو مولانا عبدالحمید صاحب کی دعوت پر مدرسہ نور محمدیہ جوگیشوری میں اسلامی عبادات اور سائنس کے موضوع پر خطاب فرمایا جو تقریباً ۳ گھنٹے جاری رہا۔ اپنے مخصوص انداز میں حضرت موصوف نے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور ایسے بصیرت افروز نکتے اور حقائق بیان فرمائے کہ سامعین جو کثیر تعداد میں موجود تھے بے حد متاثر ہوئے اور بیشتر حاضرین کو حضرت حکیم الاسلام کی خطابت یاد آ گئی اور بے ساختہ زبانوں پر آ گیا کہ مولانا سالم صاحب کو حضرت حکیم الاسلام کی جانشینی کا جائز حق حاصل ہے۔

اس کے بعد ۸ ستمبر کو حاجی نور محمد صاحب اور مرزا محمد بیگ صاحب کی دعوت پر مرکزی علاقے چوکی محلّہ ناگپاڑہ میں بعد نماز عشاء سیرت مقدسہ کے عنوان پر فکر انگیز تقریر ہوئی آپ نے فرمایا کہ انبیاء علیہم السلام کو مختلف معجزات دیئے گئے، حضور اکرم ﷺ کو جو معجزہ دیا گیا وہ علم وحکمت کا معجزہ ہے جو ایک مسلسل اور دائمی معجزہ ہے جب کہ دوسرے انبیاء کے معجزے وقتی تھے۔ آپ نے حضور ﷺ کے اس خصوصی معجزے سے امت محمدیہ کے طبقات اور جماعتوں کے وجود کا اثبات کیا اور مختلف فرقوں کے باہمی تعلق پر فکر انگیز روشنی ڈالی جس کے نتیجے میں بہت سے کٹر مخالفین دیوبند اور بدعت پسند افراد کے ذہنوں کی اصلاح ہوئی، اور وہ مجمع سے اتحاد المسلمین کے سچے جذبات اور اہل حق کے بارے میں صحیح تأثر لے کر اٹھے۔ یہ دل پذیر خطاب ڈھائی گھنٹے جاری رہا۔

۹/ستمبر کو پائپ لائن روڈ کرلا کی، جامع مسجد میں بعد نماز عشاء 'اصلاح نفس' کے موضوع پر

حضرت مدظلہ کا خطاب ہوا، جس میں موصوف نے اصلاح نفس کی ضرورت اور تدابیر پر بھرپور کلام کیا، مشائخ کی صحبت کو دینی رسائل ومواعظ کے ساتھ ضرور قرار دیا اور اصلاح احوال کے لئے بزرگوں نے جن طریقوں اور مشاغل کو کتاب وسنت کے دائرے میں اپنے تجربات کے تحت مفید وموثر پایا ان کی اہمیت وافادیت ایسے دلآویز انداز میں بیان فرمائی کہ مردہ دلوں میں جان پڑ گئی۔ ۳۰ ستمبر کو کھاری جامع مسجد میں حاجی محمد صاحب کی دعوت پر بعد نماز ظہر 'فلسفہ زکوٰۃ کے عنوان پر مسلسل ۲ گھنٹے تک ایسا مؤثر بیان ہوا کہ سامعین کی آنکھیں شدت تاثر سے ڈبڈبا آئیں، اسی دن جناب حافظ محمد فرقان صاحب اور حاجی ضمیر صاحب کی دعوت پر بعد نماز عشاء ہارون کمپاؤنڈ کرلا میں ایک جلسہ عام کو حضرت موصوف نے خطاب فرمایا جس میں فضیلت علم پر نہایت دلنشیں انداز میں روشنی ڈالی اور اسی ذیل میں اکابر دیوبند کے مقام علمی کی وضاحت فرمائی جس میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ سے لے کر حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ تک عظیم شخصیات کی خصوصیات اور خدمات کا تعارف کرایا۔

یکم اکتوبر کو جناب حاجی محمد ادریس صاحب کی دعوت پر واپی گجرات کا سفر بذریعہ کار ہوا، بعد نماز عشاء 'ساحل' سمندر پر واقع دمن شہر میں مدرسہ اسلامیہ کے جلسہ عام میں مدارس دینیہ کی خدمات کے موضوع پر تفصیلی بیان ہوا جس کا حاصل یہ تھا کہ دینی مدارس کے بغیر امت کے دینی مسائل ومعاملات حل نہیں ہوسکتے اس لئے ان کا وجود ضروری ہے اور ان مدارس کا بقاء و استحکام ملت کا فرض ہے ۲/ اکتوبر کو واپی تشریف لے آئے اور رات کو بعد نماز عشاء جامع مسجد میں خطاب فرمایا۔ آپ نے اسلاف کے کردار اور موجودہ مسلمانوں کے احوال کا تقابل کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم بلاشبہ مسلمان کہلاتے ہیں مگر عملاً ہمارے بزرگوں کی اور ہماری زندگیوں میں بڑا فرق ہے اس دور قحط الرجال میں ضرورت کچھ قدر آور شخصیتوں کی ہے جن کے علم میں گیرائی اور گہرائی ہو۔ سوچ اور فکر میں وسعت ہو۔ کردار وگفتار میں تضاد نہ ہو سامعین ڈھائی گھنٹے تک محویت کے عالم میں یہ پر اثر خطاب سنتے رہے اور اپنی حالت زار پر غور کر کے آبدیدہ ہوتے رہے۔

۳/ اکتوبر تک بعد نماز عشا عمران نگر کی الفرحان مارکیٹ میں جلسہ عام منعقد ہوا جس میں حضرت نے اتحاد بین المسلمین کی اہمیت وضرورت اور افتراق وانتشار کے نقصان وخسران پر

حکیمانہ انداز میں پراثر خطاب فرمایا اور مسلمانوں کی شیرازہ بندی کی اہمیت بتلائی بحمد اللہ اس کا پورے مجمع نے گہرا اثر قبول کیا اور بصورت تشکر اس کا اظہار کیا اس کے بعد حضرت مولانا مدظلہ ۱۵/ اکتوبر کو دیوبند تشریف لائے۔"[1]

اس اقتباس کی تفصیلات پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ وقت اور موقعہ کے اعتبار سے، اور مادیت وحوادث کے طوفان کی وجہ سے امت کے ذہین ترین اور پڑھے لکھے طبقے کو اسلامی وقرآنی رنگ میں ڈھالنے اور اسلام وقرآن کی حقانیت کو علمی و دعوتی رنگ میں پیش فرما کر اسلامی اصولوں کی زوالیت کو واضح فرماتے تھے، مقصد اور فکر یہ دامن گیر ہوتی کہ اگر اس شہر اور بستی کا پڑھا لکھا سمجھے جانے والا طبقہ ان اسلامی اصولوں کی ابدیت اور لازوالیت کو سمجھ گیا تو باقی لوگ بھی اس طرف جھک جائیں گے، جیسا کہ الگ الگ مواقع پر تقاریر وخطابات کے عناوین سے واضح ہوتا ہے، مثلا اسلامی عبادات اور سائنس، سیرت مقدسہ اور قرآن، اصلاح نفس، اتحاد بین المسلمین اختلاف مسالک کے باوجود امت کو بن کر چلنے کی ترغیب، علم حاصل کرنے کی ترغیب، مدارس دینیہ کی علمی ودعوتی افادیت اور جگہ جگہ ان کے قیام کی ضرورت جیسے منفرد عناوین پر خطابات فرماتے۔

ہندوستان کے مختلف شہروں میں وقتا فوقتا دعوتی اسفار کے علاوہ حضرت خطیب الاسلام کا کئی مرتبہ سفر پاکستان بھی ہوا، اور تقریبا پاکستان کے مشہور شہروں اور مشہور دینی مراکز میں تشریف لے گئے، اور جہاں بھی تشریف لے گئے وہیں دعوتی خطابات بھی ہوئے، نومبر ۱۹۸۵ء کے ایک طویل پاکستانی سفر کی مختصر روئداد ماہنامہ "ندائے دار العلوم وقف دیوبند" کے فروری ۱۹۸۶ء کے شمارے میں مولانا محمد اسلام قاسمی صاحب کی تحریر کردہ ایک رپورٹ پیش خدمت ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ پاکستان کے مختلف علاقوں اور شہروں میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا جگہ جگہ کس قدر والہانہ استقبال ہوا، اور انتہائی اہم دعوتی، تفسیری، علمی اور دینی موضوعات پر جگہ جگہ خطابات ہوئے، پیش خدمت ہے اس سفر مبارک کی روائداد کی آخری قسط:

(۲۵) حضرت خطیب الاسلام کا ایک سفر پاکستان

لاہور میں مختلف اجتماعات میں شرکت کے بعد ۲۸ اکتوبر کو روالپنڈی روانگی عمل میں آئی جہاں

[1] "ندائے دار العلوم" شمارہ ۵، سن ۱۹۸۶ء

مولانا نجم الحسن تھانوی صدر مجلس صیانۃ المسلمین کے گھر قیام رہا، وہاں مدرسہ فاروقیہ دارالعلوم کے علاوہ دیگر مدارس میں اجتماعات منعقد ہوئے خاص طور پر مولانا غلام اللہ خان مرحوم کے مدرسہ تعلیم القرآن میں پھر شیخ شامی کی دعوت پر انٹرنیشنل اسلامک اسٹڈیز اسلام آباد میں مخصوص مندوبین علماء کا اجتماع ہوا جس میں اساتذہ مخصوص علماء، اور ریسرچ اسکالر مدعو تھے اور حضرت مولانا محمد سالم قاسمی سے اصول تفسیر کے موضوع پر علمی خطاب کی درخواست کی گئی، اسلامک اسٹڈیز کے ڈائریکٹر ڈاکٹر افضل صاحب کی بھی دعوت تھی وہ سب حضرات وہیں جمع تھے جس میں حضرت مہتمم صاحب نے علمی اسلوب میں بلیغ خطاب فرمایا جس پر بہت سے اسکالروں نے عرض کیا کہ اس تقریر سے ہمارے بہت سے نہ سمجھ میں آنے والے مسائل بھی حل ہوگئے ہیں اور یہ کہ اتنی جامع اور مفصل تقریر اس موضوع پر اب تک نہیں سنی تھی پہلے تو حضرت مہتمم صاحب کو عربی میں استقبالیہ دیا گیا، جس کے جواب میں حضرت نے عربی میں ہی خطاب کیا تھا، لیکن حسب طلب آپ نے اردو میں بھی خطاب فرمایا۔

اس کے بعد ریکٹر ڈاکٹر افضل صاحب کی دعوت پر الطبق ہوٹل میں تقریباً ۱۵۰ مخصوص مدعوئین کے سامنے اہم خطاب ہوا۔

تمام علماء حضرات نے آپ کو فیصل مسجد دکھائی جو دنیا بھر میں تمام مسجدوں سے حسین اور کشادہ ہے حضرت مہتمم صاحب کا بیان ہے کہ میں نے اب تک ڈھاکہ (بنگلہ دیش) کی بیت المکرّم (مسجد) کو ہی بہت حسین اور عالیشان دیکھا تھا لیکن مسجد فیصل اس سے بہت آگے ہے جس پر کروڑوں روپۓ خرچ ہوئے ہیں جو عجائبات میں شمار کی جاسکتی ہے خاص طور سے اس کا محل وقوع کہ ہر طرف پہاڑیاں سی ہیں اور نشیب میں یہ مسجد۔

۵ نومبر ۸۵ء کو کراچی کا سفر شروع ہوا جہاں مسلسل اجتماعات جاری ہیں، گویا کراچی والوں کو حضرت مولانا محمد سالم قاسمی مہتمم وقف دارالعلوم دیوبند کی صورت میں موقع غنیمت میسر آ گیا تھا جس سے وہاں کے باشندے مستفید بھی ہوتے رہے اور ان کے وعظ سے مستفیض بھی اور چونکہ ربیع الاول کا مہینہ تھا اس لئے مدارس اور جامعات کے علاوہ بھی علاقوں میں سیرت النبی کے جلسے ہوئے اور حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کا سیرت النبی پر خطاب بے نظیر اور بے مثل ہے اس لئے پاکستان کے مسلمان ان کے خطابات سے محظوظ ہوتے رہے اور اپنے دلوں کو ایمان و

یقین کے جذبوں سے منور کرتے رہے۔

خاص طور پر مولانا سلیم اللہ صاحب صدر وفاق المدارس کے جامعہ فاروقیہ اور حضرت مفتی شفیع علیہ الرحمہ کے قائم کردہ دارالعلوم کورنگی میں اہم اجلاس ہوئے اس کے علاوہ ایک اہم اجلاس الفاران انٹرنیشنل کلب کے ایک ذیلی دفتر کے افتتاح کے موقع پر ہوا۔ یہ کلب یہودیوں کے قائم کردہ روٹری اور لائنس کلب کے بالمقابل نوجوانوں کا ایک اسلامی اجتماعی تصور ہے جس کو وہ علمی جامہ پہنا رہے ہیں اور اس کو عالمگیر پیمانے پر چلانے کے لئے کوشاں ہیں اس کے منعقدہ اجتماع میں حضرت کی تقریر کا موضوع تھا اسلام اور بین الاقوامیت جس میں انہوں نے یہ بتلایا کہ بین الاقوامیت (انٹرنیشنل) کا تصور ہی اسلام کا دیا ہوا ہے اراکین نے حضرت کے بعض مشورے اور کلمات اپنے آئین اور دستور میں شامل کرنے کا وعدہ بھی لیا۔

۱۶ر نومبر کو مولانا محمد آصف قاسمی، قاری وحید ظفر قاسمی کی معیت میں حضرت مولانا کا سفر میر پور خاص سندھ کی جانب ہوا وہاں دو اجتماعات سے خطاب کے بعد ۱۸ر اکتوبر کو کراچی واپسی ہوئی۔ ۱۹ر کو مولانا آصف صاحب کے گھر پر نشست ہوئی اسی دوران الفاران کلب کے زیر اہتمام منتخب اہل علم افراد کے لئے دو میٹنگیں ہوئیں جس میں حضرت نے خطاب فرمایا۔

۲۳ر نومبر مولانا محمد حنیف مہتمم منیر المدارس ملتان کی دعوت پر ملتان کا سفر ہوا۔ بڑا عظیم الشان اجتماع تھا، خیر المدرس کے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد شریف کشمیری جو دارالعلوم دیوبند کے استاد بھی رہ چکے ہیں سے ملاقات ہوئی خیر المدارس کے زیر انتظام مسلمان لڑکیوں کا ایک مدرسہ قائم ہے وہاں بھی اجتماع منعقد ہوا، ملتان میں ہی حضرت مولانا حبیب الرحمٰن فیصل آباد سے تشریف لائے تھے انہوں نے اپنے مدرسے میں آنے کی دعوت دی اور اصرار کیا۔

۲۴ر نومبر کو ملتان سے بہاول پور کے مدرسہ میں جانا ہو جہاں مدرسہ کے ذمہ داران نے ایک عظیم الشان اجتماع کا اعلان کر رکھا تھا۔ ۲۵ نومبر کو عالمی تنظیم ختم نبوت کے مرکزی دفتر میں دعوت تھی وہاں استقبالیہ دیا گیا جس میں شہر کے معزز افراد علماء اور کارکنان تنظیم موجود تھے دن میں متفرق اداروں کا معائنہ کرایا گیا بعد بعد مغرب اجلاس عام ہوا جس میں حضرت نے بڑی پر مغز، فکر انگیز اور دلوں کو ایمان سے منور کرنے والی نیز ختم نبوت کی حیثیت و اہمیت پر مشتمل بصیرت افروز تقریر فرمائی۔

وہاں سے واپس ملتان۔ پھر ۲۶ کو کراچی کا دوبارہ دورہ پیش آیا جہاں ۱۱؍دسمبر ۸۵ء تک پروگرام جاری رہا حضرت مہتمم صاحب نے ڈاکٹر عبدالحیٔ خلیفہ حضرت تھانوی علیہ الرحمہ سے اس دوران تین بار ملاقات کی دوبار ڈاکٹر صاحب نے مکان پر ہی دعوت دی، انہوں نے اپنی تالیفات کا ہدیہ بھی پیش کیا۔ اسی دوران دارالعلوم کراچی میں ایک بہت ہی بڑا اجتماع منعقد ہوا جہاں حضرت نے خطاب عام کیا۔

جب حضرت مولانا قاسمی کی کراچی اطلاع کی خبر حضرت مولانا فقیر محمد صاحب خلیفہ ارشد حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ کو ملی تو خود نفس بنفیس ملاقات کے لئے تشریف لائے، ملاقات فرمائی اور پشاور آنے کی دعوت دی ان سے کراچی میں واقع ''عائشہ ٹرسٹ'' میں ملاقات ہوئی تھی، مولانا فقیر محمد صاحب کے اصرار پر آدھ گھنٹہ خطاب ہوا پھر آخری نشست ممتاز مخیّر جناب ممتاز الدین صاحب کے مکان پر ہوئی۔

چونکہ فیصل آباد کیلئے دعوت طے تھی اس لئے ۱۲؍دسمبر کو فلائٹ سے فیصل آباد تک کا سفر ہوا ائیر پورٹ پر مولانا عبدالحلیم اوران کے مدرسہ کے لوگ اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب موجود تھے ملتان میں اگر خود مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے دعوت دی تھی اس لئے ان کے اصرار پر پہلے ان کے مدرسہ جانا ہوا لیکن پہلے مولانا عبدالحلیم صاحب کے مدرسہ میں اجتماع ہوا جمعہ کا دن تھا اس لئے جمعہ کے بعد مولانا حبیب الرحمٰن کے مدرسہ میں اجتماع عام ہوا دونوں مدارس کے اساتذہ طلبہ اور عام مسلمان شریک ہوئے خطاب پرمغز اور عام فہم رہا جس سے سامعین کو بڑی مسرت ہوئی اور استفادہ بھی۔

۱۴؍دسمبر کو صبح بذریعہ کار سرگودھا پہنچے وہاں بعض علماء سے ملاقاتوں کے بعد واپسی ہوئی مغرب کے بعد ایوب انسٹی ٹیوٹ ملتان میں اجتماع عام میں شرکت ہوئی فیصل آباد کے میزبان جناب صفدر صاحب دیوبند ہی کے رہنے والے ہیں ان کے یہاں کھانے سے فراغت کے بعد اسلام آباد راستہ میں۔ راولپنڈی میں پھر قیام رہا دوبارہ ڈاکٹر افضل اور جسٹس الفضل سے ملاقات ہوئی۔ بیرسٹر عبدالصمد صاحب کے مکان پر قیام رہا جہاں پر دوبارہ حضرت مولانا فقیر محمد صاحب تشریف لائے، انہیں بڑی محبت اور شفقت تھی جو ضعیف ہو چکے ہیں لیکن حضرت مہتمم صاحب سے ملنے کے لئے دوبارہ تشریف لائے اور پھر بااصرار اپنے یہاں پہونچنے کی دعوت دی،

۱۹؍دسمبر جمعرات کے دن لاہور واپسی ہوئی وہاں جامعہ اشرفیہ میں تین دن قیام رہا مختلف اجلاس میں خطاب فرمانے کے بعد مولانا فقیر محمد صاحب کی دعوت کا خیال کرتے ہوئے پشاور کا سفر درپیش ہوا ۲۴؍دسمبر کو پشاور یونیورسٹی میں ایک اہم تقریر ہوئی جس کا عنوان تھا ''دور حاضر اور عالم اسلام'' جہاں مولانا فضل حنان، مسرت ایڈوکیٹ، مولانا فقیر محمد کے صاحبزادے حاضر تھے اس خطاب کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی وہاں مولانا کی بے حد پذیرائی ہوئی۔

پروگرام اگرچہ فوراواپسی کا تھا لیکن موسم خراب ہونے کی وجہ سے رات کو اسلام آباد پھر اگلے روز یعنی ۲۵ دسمبر کو فلائٹ سے لاہور کا سفر ہوا۔

۲۶ دسمبر کو گوجرانوالہ میں مولانا نعیم اللہ کے مدرسہ میں عظیم الشان اجلاس سے خطاب کرنے کے بعد حضرت مہتمم صاحب مولانا زاہد الراشدی کے مدرسہ میں تشریف لے گئے گوجرانوالہ میں تین اجتماعات کے شرکت کے بعد رات کو واپس لاہور۔ ۲۷ دسمبر کو دو بجے فلائٹ وہاں رات قیام رہا اگلے دن دیوبند روانہ ہوگئے، اور اس طویل عرصہ کے سفر پاکستان میں حضرت مولانا محمد سالم قاسمی مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند نے بہت سے اجتماعات سے خطاب کیا علماء دانشوران ملاقاتیں ہوئیں اور سفر کا ایک خوشگوار اثر لیتے ہوئے واپس دیوبند تشریف لائے اور فوراہی بخاری شریف کو درس دینا شروع کردیا۔[۱]

(۲۷) حضرت خطیب الاسلام دیار حبیب ﷺ میں

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

الحج المبرُوُرُ لیس لَهُ جَزَاءٌ الا الْجنَّة (بخاری و مسلم)

حج مقبول کا سوائے جنت کے کوئی بدلہ نہیں۔

حجاز مقدس اور دیار حرمین شریفین کی حاضری کا شرف انسان کی زندگی کا ایک ایسا سرمایہ ہے، جہاں سے ہر شخص کی یادیں وابستہ ہیں، ہر انسان کے مشاہدات و تجربات ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ اور جداگانہ ہیں، جہاں پر انسان اپنی زندگی بھر کی جمع پونجی اکھٹی کرکے باذن اللہ جاتا ہے، بے شمار لوگ تو ایسے ہیں کہ بلکہ زیادہ تر پہلے لوگ تو ایسے ہی تھے جن کو صرف ایک مرتبہ جانے کا موقع ہی

[۱] ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم وقف دیوبند'' شمارہ فروری ۱۹۸۶ء، رپورٹ: مولانا محمد اسلام قاسمی صاحب

میسر آیا، وہی زیارت اول ہوتی اور وہی آخر، جہاں جا کر لوگ اپنی مرادوں اور تمناؤں کو پورا کرواتے اور دیار نبی سے وداع کہتے ہوئے حسرتوں کو ساتھ لے آتے کہ نہیں معلوم کہ اب دوبارہ زندگی میں یہاں کی حاضری نصیب ہوگی کہ نہیں، جہاں ہر انسان کے حالات مختلف، کیفیات جداگانہ، ارمان علیحدہ، جذبات دیگر اور قدم قدم پر نصرت خداوندی کے وعدے، ایسی مبارک ومقدس سرزمین پر کسی خوش نصیب کو بار بار جانے کی سعادت مل جائے تو اس کے نصیبے اور قسمت کے کیا ہی کہنے، بقول شاعر:

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

حرمین شریفین کے حضرت کے مختلف ایسے علمی ودعوتی اسفار ہوئے جن میں حضرت نے اپنے نور علم سے وہاں پر موجود حضرات کے قلوب کو منور فرمایا، پھر ان اسفار میں بھی حضرت کبھی اپنے والدین کے ساتھ ہیں، کبھی اہلیہ محترمہ کے ساتھ، کبھی صاحبزادیوں کے ساتھ، کبھی اپنی ہمشیرہ کے ساتھ، کبھی صاحبزادگان کے ساتھ، کبھی اپنے احباب اور علماء کو معیت اور رفاقت کا شرف عطا فرماتے ہیں۔ کبھی اپنے احفاد کے ساتھ اور کبھی خدام، مریدین اور متوسلین کے ساتھ دیار محبوب میں پروانہ وار حاضری کی سعادتوں سے نوازے جاتے ہیں۔

وہاں پر ہر حاجی کے حج کرنے کے اپنے الگ الگ تجربات ومشاہدات ہوتے ہیں اور غیبی نصرت کے عجیب عجیب مظاہر سامنے آتے ہیں، حضرت خطیب الاسلام کے ساتھ وہاں کیا کیا واقعات پیش آئے اور حضرت کے کیا کیا تجربات ہیں وہ ہمارے پاس محفوظ نہیں، کیونکہ حضرت کا حج کوئی عام آدمی کا حج نہیں تھا، بلکہ ایک عالم، ایک محدث، ایک فقیہ ایک سچے وارث نبی کا حج تھا، کون کون حضرات علماء میں سے ملاقات کے لئے آئے ہوں گے اور کن کن معاملات میں مشورے کئے ہوں گے اور کتنے ہی اصحاب علم وفضل کی علمی تشنگی دور ہوئی ہوگی اور کتنی علمی مجالس ہوئی ہوں گی، آپ کی تقاریر سے کتنے ہی حضرات فیضیاب ہوئے ہوں گے، کتنے ہی لوگ بیعت ہوکر داخل سلسلہ ہوئے ہوں گے۔

حضرت کا حج ویسا ہوگا جیسا کہ ہم لوگ اکثر وبیشتر اپنے قدیم علماء سلف کے حج کی روداد کتابوں میں پڑھتے ہیں اور بڑے خوش نصیب ہیں وہ حضرات جن کو حضرت کے ساتھ حج کرنے کا موقع میسر آیا۔ بہر حال جن حضرات نے حج کیا یا جن حضرات نے حج کے دوران حضرت سے استفادہ کیا ان

کے پاس تو چیدہ چیدہ واقعات کی شکل میں کچھ چیزیں مل سکتی ہیں، ورنہ زیادہ تر واقعات غیر محفوظ ہیں۔حضرت نے پہلا حج اپنے والدین کے ساتھ ۱۹۵۴ء میں کیا، اس حج کی روداد سفر کاش ہمارے پاس موجود ہوتی، کیونکہ خود بھی ایک بڑے جلیل القدر عالم، محدث، فقیہ اور والد بزرگوار حضرت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی حکیم الامت مرشد تھانوی کے تربیت یافتہ اور پھر اپنے والدین کے ساتھ سفر کا مزہ اور روحانی کیفیات بالکل مختلف ہوتی ہیں۔

(۲) دوسرا حج بھی اپنے والدین کے ساتھ ۱۹۵۸ء میں کیا، یہ ایک بڑی سعادت کی بات ہے کسی بھی انسان کے لئے کہ اسے اپنے والدین کی ساتھ حج جیسے عظیم فریضہ کی ادائیگی کی سعادت میسر آجائے۔

(۳) تیسرے حج میں حضرت نے اپنی اہلیہ محترمہ اور اپنی چھوٹی صاحبزادی محترمہ عظمی قاسمی صاحبہ کو شرف رفاقت عطا فرمایا، ۱۹۶۴ء میں کیا۔حضرت نے جو حج ۱۹۶۴ء میں کیا اس کی واپسی پر اہل خانہ کی طرف سے زبردست استقبال ہوا، اور حضرت خطیب الاسلام کے برادر مکرم جناب ڈاکٹر اعظم قاسمی صاحب نے ایک تہنیتی نظم لکھی، پھر انکی واپسی پر اس نظم کو جناب وقار صاحب نے پڑھا۔

(۴) چوتھا حج حضرت نے اپنے والد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند اپنی اہلیہ محترمہ، اپنی ہمشیرہ ہاجرہ نازلی اور اپنے بہنوئی حامد الغازی انصاری کے ساتھ ۱۹۷۸ء میں کیا۔

(۵) اہلیہ محترمہ اور صاحبزادۂ گرامی قدر حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب بھی حضرت خطیب الاسلام کی معیت اور رفاقت سفر سے بہرہ مند ہوئے۔ یہ سفر مبارک سن ۱۹۹۷ء میں ہوا، اس سفر مبارک کی خاص بات یہ تھی کہ حضرت خطیب الاسلام نے حج سے فراغت کے بعد ایک نظم لکھی، جس کا عنوان تھا ''نذر حجاج بیت الحرام'' پھر اس کے بعد ذیلی عنوان ہے ''نقد حیات کل تھی، ہے قرض حیات آج'' ارض حرم میں،......ارض وطن میں

یہ نظم اپنے اندر انتہائی اہم پیغام رکھتی ہے، اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی دعوتی فکر کی غمازی کرتی ہے، اور حج کے اصل پیغام کو واضح کرتی ہے۔ حج بیت اللہ کے پیغام کو واضح کرنے کے لئے نظم کا آخری شعر بڑی اہمیت کا حامل ہے، جس میں بڑے درد کے ساتھ بڑی تڑپ کے ساتھ دعوتی فکر واضح فرماتے ہیں:

پیام حق رسانی ہوگئی پیدا اگر دل میں
تو حج مبرور ہے اس کی یہ دستاویز ہے ساقی

افادۂ عام کے لئے نظم کے سارے اشعار ترتیب کے ساتھ درج ذیل ہیں:

جہاں کل تھے وہاں ہر نقش پا نقش ہدایت تھا
جہاں اب ہو ضلالت کا صبو لبریز ہے ساقی
جہاں کل تھے، وہاں بوبکر و عثمان کی وفائیں تھیں
جہاں اب ہو، جفاؤں میں ہر ایک چنگیز ہے ساقی
جہاں کل تھے وہاں تھی دین و ایماں کی سرفرازی
جہاں اب ہو، دیانت داں سیاست ریز ہے ساقی
جہاں کل تھے، وہاں سرہستی، توحید غالب تھی
جہاں اب ہو، وہاں شرکِ تمسخر خیز ہے ساقی
جہاں کل تھے، وہاں تھی بندگی کی جدولیں جاری
جہاں اب ہو، رعونت کی وہاں فالیز ہے ساقی
جہاں کل تھے، اخوت کا پیام عالم نے پایا تھا
جہاں اب ہو، سرشتیں واں، عداوت خیز ہیں ساقی
جہاں کل تھے، وہاں باطل شکن لہریں ہی لہریں تھیں
جہاں اب ہو وہاں باطل بلاانگیز ہے ساقی
جہاں کل تھے متاع بندگی عجز و تواضع تھی
جہاں اب ہو، رذائل ہی کی رستہ خیز ہے ساقی
جہاں کل تھے وہاں تھی بندگی ہر جنبش لب میں
جہاں اب ہو انانیت ہی معنی خیز ہے ساقی
جہاں کل تھے، وہاں تابانیاں تھیں خاور حق کی
جہاں اب ہو وہاں ہر لمحہ ظلمت خیز ہے ساقی
شفا کا نسخۂ نایاب مکہ سے ہوا حاصل

کہ ادھر خاک مدینہ جو شفا آمیز ہے ساقی
انہی تحفوں میں پنہاں ہیں تمام اسرار عرفانی
ادھر دیکھو تو رومی ہے ادھر تبریز ہے ساقی
شفا کے دونوں یہ تحفے پئے تقسیم ملتے ہیں
مرض انسانیت دیکھو قیامت خیز ہے ساقی
پیام حق رسانی ہوگئی پیدا اگر دل میں
تو حج مبرور ہے، اس کی یہ دستاویز ہے ساقی

محمد سالم قاسمی

بتاریخ ۱۶/ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ مطابق ۲۳/اپریل ۱۹۹۷ء

(۶) چھٹا حج حضرت نے بیس افراد کے قافلے کے ساتھ جس میں حضرت مولانا عاقل حسامی (حیدرآباد) بھی تھے ۱۹۹۹ء میں کیا، علماء کا یہ قافلہ خود عظمت کا حامل مزید برآں جس قافلے کے روح رواں حضرت خطیب الاسلام ہوں، کس قدر سعادتمند ہیں وہ حضرات جن کو سفر حج میں حضرت خطیب الاسلام کی رفاقت نصیب ہوئی۔

(۷) ساتواں حج حضرت کا اپنے چھوٹے صاحبزادے محترم جناب عدنان قاسمی صاحب کے ساتھ ہوا، یہ ۲۰۰۱ء میں کیا۔ ذیل میں ایک سفر حج کی منظوم مبارک باد پیش کی جارہی ہے، جس کو مولانا قمر عثمانی نے منظوم کیا ہے، جس کا عنوان ہے ''محبت کی زباں تم ہو''

اپریل ۱۹۹۸ء میں ترجمان فکر دیوبند خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب مدظلہ صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند کے سفر حج سے واپسی پر ان کی خدمت اقدس میں پیش کیا گیا۔

از: مولانا قمر عثمانی

محبت کی زباں ہو تم مروت کا نشاں ہو تم
بحمد اللہ روایاتِ سلف کے پاسباں ہو تم
نظر آنے لگی ہے صاف منزل کامرانی کی
مثال غنچہ و گل ہم تو جان گلستاں ہو تم
سعادتِ حج بیت اللہ کی حاصل ہوئی تم کو

بجا ہے اس عطا پر جس قدر بھی شادماں ہو تم
ملی ہے دولت حکمت بھی اور شیریں بیانی بھی
حقیقت میں علوم قاسمی کے ترجماں ہو تم
بکھر کر رہ گیا تھا قافلہ جب وقت کے ہاتھوں
پکار اٹھا تمہیں نے دوستو آؤ کہاں ہو تم
زمانہ ہوگیا ہے معترف حسنِ قیادت کا
تمہارے ساتھ ہیں سب جانب منزل رواں ہو تم
تحمل استقامت سیرت و کردار کا جوہر
جہاد زندگانی میں عزیمت کا نشاں ہو تم
شرافت نرم خوئی غم گساری کا نمونہ ہو
مگر باطل کے حق میں ایک تیغ بے اماں ہو تم
نقوش زندگی کو فیض طیب نے نکھارا ہے
سبق جس سے ملے ہم کو وہ روشن داستاں ہو تم
چراغ امید کا اپنا قمر روشن رہنا ہے
فضا تاریک ہے تو کیا کہ مہر زرفشاں ہو تم

حضرت خطیب الاسلام کو حق تعالیٰ شانہ نے اپنے اور اپنے نبی کے دیار میں بار بار حاضری کا شرف بخشا، یہ کوئی معمولی سعادت نہیں، چنانچہ حضرت سفر حج کے علاوہ بھی دیار مقدس کی زیارت کے لئے کئی مرتبہ تشریف لے گئے کچھ مختصر سی تفصیلات درج ذیل ہے۔

(۱) پہلا عمرہ ۱۹۷۵ء رابطہ عالمی اسلامی مکہ مکرمہ کا اجلاس منعقد ہوا اس موقع پر عمرہ کی سعادت میسر آئی، یہ عمرہ اپنے والد حضرت حکیم الاسلام کی معیت میں ہوا۔

(۲) دوسرا عمرہ کا سفر رابطہ عالم اسلامی کے ممبران کو بموقعہ صد سالہ دعوت دینے کے لئے ۱۹۷۹ء میں ہوا۔

(۳) تیسرے سفر میں صاحبزادی محترمہ اسماء قاسمی اور اہلیہ حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی ساتھ گئیں۔

(۴) چوتھا عمرہ حضرت نے ۲۰۰۹ء میں کیا۔

(۵) پانچواں عمرہ حضرت نے ۲۰۱۳ء میں محترم جناب حافظ اقبال کے ساتھ کیا، حافظ اقبال صاحب نے حضرت کے ساتھ چار عمرہ کئے ہیں جن میں ایک سفر میں ان کی فیملی بھی ان کے ساتھ رہی۔

(٦) چھٹا عمرہ ۲۰۱۴ء میں حضرت نے کیا، اس سفر میں مولانا شکیب صاحب قاسمی اور ان کی اہلیہ بھی حضرت کے ساتھ تھے اور جناب حافظ اقبال صاحب جوگیشوری اور خادم خاص حضرت مولانا شاہد صاحب کو بھی ہم سفر ہونے کا شرف حاصل تھا۔[1]

---

[1] حج اور عمرہ کے اسفار کی تفصیلات ''بیاض خطیب الاسلام'' سے نقل کی گئی ہیں۔

حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ کی علمی مجالس

علماء وصلحاء، اکابرین اسلاف اہل علم وفضل کے ارشادات، ان کے اقوال، ان کی مجالس، ان کی صحبتوں کے اثرات کو نقل کر کے محفوظ کرنے کا سلسلہ آج سے نہیں بلکہ قرون مشہود لہا بالخیر سے مستقل چلا آ رہا ہے اور علماء وصلحاء اور اتقیائے امت کی مجالس سے بے شمار لوگوں کے قلوب بھی بدلے، زندگیاں بدلیں، ذہن و دماغ کو وسوسوں اور ذہنی خلجان سے نجات ملی، دینی، علمی اور اخلاقی نقوش لوگوں کے سامنے آئے اور ان مجالس کے اثرات ملکوں، شہروں اور قریہ درقریہ منتقل ہوئے، اسی سلسلۃ الذھب کی ایک کڑی حضرت خطیب الاسلام کی علمی و دینی مجالس ہیں جس سے لوگ مستقل مستفید و مستفیض ہوتے رہے، بقول حضرت خطیب الاسلام: ''علماء وطلباء کا ایک معتد بہ مجمع ان مجالس سے دائماً مستفیض ہوتا رہا۔''

حضرت کی علمی مجالس کے متعلق حضرت کے خادم خاص مخدوم مکرم حضرت مولانا محمد شاہد صاحب دامت برکاتہم العالیہ تحریر فرماتے ہیں:

> ''آپ کی مجلس بڑی عالمانہ، پروقار اور مفید تر ہوتی ہیں، علماء وطلباء بڑے شوق سے شریک مجلس ہو کر سوالات کرتے ہیں اور آپ بے ساختہ ہر ایک کو مدلل ومفصل اطمینان بخش جواب دیتے ہیں، جس میں قرآن وحدیث، فقہ وتصوف، عقائد وکلام اور تاریخ سے متعلق علوم وفنون کے تمام برجستہ حوالے بھی ہوتے ہیں۔''[1]

کاشف اسرار قرآن اور امیر کارواں
ہیں روایات سلف کے آپ تابندہ نشاں
حضرت سالم نرالی آپ کی تقریر ہے
میر و غالب کی غزل سی آپ کی تحریر ہے

[1] قرآن کریم کا معجزانہ پیغام از مولانا شاہد صاحب ص ۶

اکابر علمائے دیوبند کی مجالس کا رنگ

مولانا حبیب اللہ قاسمی مجالس حکیم الاسلام میں تحریر فرماتے ہیں

''میں نے مجالس کی اہمیت مواعظ کی اہمیت سے زیادہ مفید ہونا بلاوجہ نہیں لکھا ہے بلکہ میں نے اس کے متعلق حضرت حکیم الاسلامؒ سے سوال کیا، انہوں نے اس کا جواب عنایت فرمایا، وہ سوال وجواب ملاحظہ فرمائیں۔''[1]

میں نے حضرت حکیم الاسلامؒ سے سوال کیا کہ حضرت اکابر دیوبند کے یہاں مجالس کی کیا نوعیت ہوتی تھی؟

حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہم نے طالب علمی کے زمانے میں اپنے اکابرین کا رنگ دیکھا ہے، بعد نمازِ عصر حضرت شیخ الہندؒ کے یہاں برابر علمی ودعوتی مجلس ہوا کرتی تھی، اس میں اساتذہ اور طلبائے دارالعلوم کثرت سے شرکت کرتے تھے، ہمارے والد ماجد یعنی حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی مجلس ہوا کرتی تھی، اُدھر تھانہ بھون جاؤ تو حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں مجالس کا مستقل اہتمام ہوتا تھا، پھر وہاں سے سہارنپور جاؤ تو حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ کے یہاں مجالس کا سلسلہ جاری رہتا تھا، یہ حضرات ہمارے اسلاف سے منسلک تھے، ان حضرات کی مجالس سے ہزاروں علماء اور عوام کی اصلاح ہوتی تھی، یہ حضرات دارالعلوم دیوبند کے ممبرانِ شوریٰ تھے، جب کبھی دارالعلوم میں مجلس شوریٰ منعقد ہوتی تو یہ حضرات دارالعلوم میں تشریف لاتے تھے، ان کے ساتھ ان کے مریدین کا ایک مجمع ہوتا تھا، اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دارالعلوم میں نورانیت کی بارش ہو رہی ہے، پورا دارالعلوم ذکر اللہ کی صداؤں سے گونج اُٹھتا تھا۔ اس وقت ایسا محسوس ہوتا تھا کہ دارالعلوم کی درودیوار سے اَللّٰہُ ھُوْ کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں۔ اس وقت دارالعلوم کا عجیب منظر ہوتا تھا، اب وہ رنگ نہیں رہا، ہمارے اکابر کی ان مجالس کے اثرات اساتذہ اور طلباء کے قلوب پر بڑے اچھے پڑتے تھے، طلباء حضرات طالبعلمی ہی کے زمانے سے اپنے نفس کی اصلاح کی فکر میں پڑ جاتے تھے اور فراغت کے بعد ان لوگوں میں سے کسی سے منسلک ہو جاتے تھے پھر وہ حضرات جہاں بھی جاتے تھے اپنے اکابر کا رنگ لے کر جاتے تھے اور

[1] مجالس حکیم الاسلام

ان حضرات سے اصلاحی تعلق قائم رکھتے تھے، وہ حضرات جہاں بھی ہوتے اپنے اکابرین کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوتے تھے اور ان کا نمونہ بھی ہوتے تھے اور اپنے اپنے علاقے میں تعلیم وتبلیغ اور تزکیۂ نفس کی بڑی خدمات انجام بھی دیتے تھے، اس طرح اکابرین دیو بند کے خدّاموں کے ذریعہ تعلیم وتبلیغ وتذکیر کے بڑے بڑے کام انجام پائے ہیں، اپنے اکابر کے وہ مُریدین خود اپنے زمانے کے شیخ کامل بن جاتے تھے اور ان کے ذریعہ ہزاروں کی اصلاح ہوتی تھی مگر اب اس کا اہتمام نہیں رہا، وہ خلوص اور حُسن اخلاق اور تعلق مع اللہ جو ہمارے اسلاف میں پائے جاتے تھے وہ اب ناپید ہوتے چلے جارہے ہیں۔

چونکہ ان علمی مجالس سے تعلیم وتذکیر اور تبلیغ کے بڑے بڑے کام انجام پائے ہیں، اس لئے ہمارے دارالعلوم کے بزرگوں نے خصوصاً بعد نماز عصر اپنے اپنے یہاں علمی مجالس کا بڑا اہتمام فرمایا جس کے بڑے خاطر خواہ اور دوررس دعوتی اور علمی اثرات مرتب ہوئے، ان تمام باتوں کو ذہن میں رکھ کر حضرت خطیب الاسلام کی چند اہم علمی مجالس کا تذکرہ ذیل میں کیا جارہا ہے۔ جس سے یہ بات واضح ہوکر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت خطیب الاسلام نے اپنی مجالس علمیہ کے ذریعہ اکابر علمائے دیو بند کی مجالس کے رنگ اور اسلوب کو باقی رکھا، اور مسلسل تازندگی تشنگان علوم نبویہ اور اہل علم کی پیاس بجھاتے رہے۔ ان علمی مجالس کے چند نمونے پیش خدمت ہیں جن کو پڑھ کر یہ معلوم ہوگا کہ حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو علوم شریعت، تاریخ خصوصا ہندوستانی اسلامی تاریخ، فقہ اسلامی، زبان وادب پر کس قدر عبور حاصل تھا، اور حضرت خطیب الاسلام کس قدر زمانہ کے رمز شناس اور نباض تھے، کہ ہر سوال کرنے والے کے نہ صرف سوال کا جواب عنایت فرماتے، بلکہ اس کے مالہ و ماعلیہ واضح کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی دینی اور اسلامی دعوتی ذہن سازی بھی فرماتے۔

مجالس کی خصوصیات

حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ کی مجالس کی بہت ساری خصوصیات ہیں، جن میں چند ایک کا تذکرہ ناگزیر ہے۔

(۱) اکابرین امت خاص کر اکابرین دیو بند کے علمی، دعوتی، دینی اور اصلاحی واقعات بہت ہی دلچسپ انداز میں بیان فرماتے اس طرح کہ مجلس کا موضوع سامعین وحاضرین کے ذہن نشین ہوجائے،

اکابرین دیوبند میں بھی حضرت نانوتوی، حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی وغیرہم کے واقعات کا تذکرہ فرماتے اور موضوع مجلس کو تفصیل سے بیان فرماتے۔

(۲) دوران مجالس بھی کبھی خود بھی کسی موضوع کا انتخاب فرماتے، اکثر ایسا ہوتا کہ کوئی طالب علم سوال کرتا اور پھر حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس کا جواب مرحمت فرماتے۔ پہلے سائل کا سوال اچھی طرح سنتے اور پھر اس کے سوال کے اجزاء بنا کر جواب دیدیتے۔

(۳) دوران مجلس نہایت عالمانہ گفتگو ہوتی اس کے علاوہ اصلاحی موضوعات پر سیر حاصل کلام فرماتے، مجلس پر علمی ودعوتی رنگ غالب رہتا، اور اگر کوئی طالب علم کسی موضوع سے متعلق کوئی ناقص سوال کرتا، تو اس کے سوال کی تصحیح فرما کر اس کے سوال کا تشفی بخش جواب عنایت فرماتے۔

(۴) دوران مجلس، زبان انتہائی فصیح وبلیغ استعمال کرتے۔ اور کبھی کبھی مجلس پر ظریفانہ رنگ بھی غالب آجاتا، ان تمام کا اندازہ مندرجہ ذیل مجالس سے لگایا جاسکتا ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ کی یہ مجالس مختلف جگہوں پر ہوتی تھیں، جن میں اکثر آستانہ قاسمی پر منعقد ہوئی ہیں، علاوہ ازیں دوسری مخصوص جگہوں پر بھی علمی مجالس کا سلسلہ ہوتا، جناب حافظ اقبال صاحب جوگیشوری نے بتایا کہ:

> ’’حرمین شریفین کا جب بھی سفر ہوا تو رفیق بھائی جدہ (پاکستانی) کے یہاں پہلے قیام ہوتا تھا، ان کے یہاں حضرت کی مجلس ہوتی اور بے شمار علماء اس مجلس میں شرکت فرماتے، اور حضرت مختلف النوع موضوعات پر گفتگو فرماتے، سوالات ہوتے، اور پھر حضرت کی تقریر ہوتی، اور سبھی حاضرین علمی ودعوتی استفادہ کرکے لوٹتے۔ پھر مکرم جناب بھائی رفیق صاحب حضرت کو مکہ مکرمہ پہنچاتے۔‘‘

اسی طرح کی کئی علمی مجلسیں احقر کے غریب خانے پر ہوئیں۔ اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ تفصیل سے علمی اور دعوتی موضوعات پر گفتگو فرماتے، انہی چند مجالس علمیہ دعویہ کو افادۂ عام کے لئے شامل کتاب کیا جارہا ہے۔

پہلی مجلس: مسلم خواتین کی تعلیم کی طرف سے بے توجہی

اس عنوان کے تحت جو مجلس آستانہ قاسمی پر منعقد ہوئی اس کو مکمل نقل کیا جانا قرین قیاس ہے، کیونکہ حضرت خطیب الاسلام نے اس مجلس میں بہت ہی اہم مسئلے پر گفتگو کی ہے یہ مسئلہ امت مسلمہ

کے عروج وزوال سے متعلق بہت اہم ہے۔

س: حضرت کیا یہ صحیح ہے کہ خاندانِ قاسمی کے امتیازات کی برقراری میں خواتین کا اہم کردار رہا ہے؟

جواب: علم وخدمت خلق میں اس دور کی ایک تاریخ ساز خاتون، کہ جب خواتین کو علم سے محروم رکھنا، معاشرہ میں عزت وشرافت کی علامت بنا ہوا تھا۔

گذشتہ دوصدیوں سے زیادہ کی طویل مدت میں، مسلم معاشرہ میں برپا یہ المناک صورتحال کسی دلیل کی محتاج نظر نہیں آتی کہ امت مسلمہ کا نصف یعنی عورتوں کو نہ صرف ہر قسم کی تعلیم سے محروم رکھا گیا، بلکہ تعلیم سے عورتوں میں فقدان حیا کے اخلاق سے گرے ہوئے، موہوم اور لایعنی احتمالات کو زبردستی کے بے معنی دلائل سے مدلل بھی کیا جاتا رہا ہے، حتیٰ کہ مسلم معاشرہ کی اکثریت ان ہی گھرانوں پر مشتمل تھی کہ جہاں عورتیں ''قرآن کریم'' تک پڑھی ہوئی نہیں ہوتی تھیں اور اگر نماز کی وجہ سے چند سورتیں انہیں یاد کرادی گئیں تو اس کو گھرانے کی ترقی پسندی کے طور پر ذکر کیا جاتا تھا۔

سادہ لوح خواتین میں تو علم وتعلیم کا احساس بھی اس قدر مردہ ہو چکا تھا کہ انہیں اپنی جہالت پر قناعت میسر آ گئی تھی، لیکن فطری طور پر ذکاوت و ذہانت کے ساتھ علم کا شوق رکھنے والی لڑکیاں بزرگان خاندان کی نگاہوں سے چھپ چھپ کر اگر کچھ لکھنا پڑھنا سیکھ لیتی تھیں، تو انہیں اپنی اس شدھ بدھ کو بڑھانے کے لئے معمولی کتابوں کا حاصل کرنا بھی جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہوتا تھا۔

اس طویل دور میں مسلم معاشرہ میں عورتوں کو جہالت زدہ رکھنا، کوئی اتفاقی بے توجہی کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ عورت کو عائلی زندگی میں ایک ایسی حقیر اور خادمانہ حیثیت میں رکھنے کے مزعومے کے تحت تھا کہ وہ کسی بھی مسئلہ میں اپنی رائے کے ذریعہ دراندازی کی ہر صلاحیت سے محروم رہ کر، گھر کے مقررہ خادمانہ فرائض میں زندگی بتا کر دنیا سے رخصت ہو جائے۔

اس غیر اسلامی طرز معاشرت میں عورت کو جہالت زدہ رکھنے کو بلا تخصیص خواص کے اشتراک عملی نے، عوامی طبقات میں اس کو ایک شرعی فریضے کی سی حیثیت دیدی تھی، طاعات وعبادات کی حد تک ماحول میں رچی بسی اسلامیت کی وجہ سے جو خواتین قرآن کریم کی چند سورتیں پڑھی ہوتی تھیں، وہ تو نمازوں میں انہیں پڑھ لیتی تھیں۔ لیکن جو اس سے بھی محروم اکثریت تھی، وہ نمازیں کیسے ادا کرتی تھیں، اس حقیقت کو طشت از بام کرنے کا کوئی ذریعہ موجود نہیں ہے۔ خواتین میں اس جہالت کو غیر

معمولی طور پر راسخ کرنے کے لئے، ان کے پردہ کے بارے میں بھی غیر اسلامی بلکہ مضحکہ خیز حد تک شدت ہوتی گئی۔ ان غیر اسلامی معاشرتی اعمال کو تقویت دینے والے، اپنی برتری کی برقراری کی بنیاد پر اس سے قطعاً غافل ہو چکے تھے کہ یہ دنیا دار المکافات ہے، دار المجازاۃ نہیں ہے یہاں خلّاق کائنات نے، نظام کائنات کو ''عمل'' اور ''عمل'' پر دائر رکھا ہے، اسلام دین اعتدال ہے، اعتدال پر مبنی اعمال، ردعمل سے محفوظ و مامون رہتے ہیں۔ لیکن جب اور جہاں اعمال انسانی، اعتدال سے ہٹ کر، افراط یا تفریط سے دو چار ہو جاتے ہیں، تب ان کو، ان کے بروقت ردعمل سے کوئی طاقت وقوت بچا نہیں پاتی۔

آج ان غیر معتدلانہ اور شدت پسندانہ اعمال کا ردعمل، عورتوں میں غیر اسلامی تعلیم میں انہماک اور پردۂ حجاب سے لاپرواہی کی صورت میں سامنے آرہا ہے لیکن حیرت ہوتی ہے کہ آج بھی ماضی کے غیر معتدل معاشرہ سے متاثر ذہن، نصف امت عورتوں پر مرتب ہونے والے، اس ردعمل کو، اپنے غیر صالح اور غیر صائب فکر کا ثمرہ قرار دینے کے بجائے، اس کی ذمہ داری دوسروں پر ہی ڈالنے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں۔

حالانکہ اس ردعمل کا واحد علاج اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ عورتوں کی تعلیم اور پردہ کے بارے میں، ماضی کے شدت پسندانہ، غیر اسلامی طرز و پرداز سے صرف نظر کر کے، اسلامی بنیادوں پر معتدلانہ روش کو اپنایا جائے، تاکہ امت اس نصف طبقۂ خواتین کو منجانب اللہ عطا فرمودہ صلاحیتوں سے، زندگی کے مختلف دائروں میں مستفید و فیضیاب ہو سکے۔

میں نے، یہ دونوں نمونے دادی صاحبہ اور ''والدہ ماجدہ'' میں امعان نظر سے دیکھے، دادی صاحبہ کا اسم گرامی ''امۃ الحبیب'' تھا، موصوفہ محترمہ دیوبند کے معزز عثمانی خاندان کی دختر نیک اختر تھیں اور اسی معاشرہ کی پروردہ تھیں کہ جس میں ناخواندگی عورت کا سب سے بڑا طرۂ امتیاز تھا اس لئے موصوفہ محترمہ بھی قرآن کریم کی صرف اتنی سورتوں کو یاد کئے ہوئے تھیں کہ جو نماز کے لئے ضروری تھیں، خاندانی طور پر ذہانت وذکاوت ہر قول وفعل سے ظاہر ہوتی تھی، مگر ان تمام عطیات خداوندی کا محور، گھریلو زندگی کھانے پکانے اور خانگی انتظامات تھے جن کی تکمیل نہایت خوش سلیقگی کے ساتھ فرماتی تھیں اور اس کے بعد بقیہ تمام وقت کا بیشتر حصہ نوافل وتسبیحات میں صرف ہوتا تھا۔

اسی کے ساتھ تلاوت قرآن کریم کے غیر معمولی ذوق وشوق کو تلاوت نہ کر سکنے کی وجہ سے چونکہ

پورا نہیں کرسکتی تھیں، تو ہم خوردوں میں سے جو حفظ کلام پاک کر رہے تھے، ان کو بلا کر، باچشم نم تلاوت سنا کرتی تھیں اور کبھی کبھی اپنی ہم عمر اُن معمر خواتین کا تذکرہ بھی بڑی حسرت سے کیا کرتی تھیں کہ جنہوں نے ابتدا ہی میں کسی نہ کسی طرح قرآن کریم پڑھ لیا تھا، یا بڑے ہونے کے بعد اپنے شوق وہمت سے قرآن پڑھ لیا تھا اور وہ تلاوت کیا کرتی تھیں کہ فلاں کتنی خوش قسمت ہیں کہ اللہ کے کلام کی تلاوت کرلیتی ہیں۔ مگر میں اس نعمت سے محروم ہوں، جس سے اس احساس کا اندازہ کرنا کوئی دشوار نہیں تھا کہ اپنی ذاتی ذہنی صلاحیت سے یہ یقین تھا کہ اگر ان کو تعلیم قرآن کریم دی جاتی، تو وہ بڑی آسانی سے پڑھ لیتیں اور تلاوت کی نعمت کبریٰ سے بہرہ اندوز ہوتیں، لیکن جس ماحول کی وہ پروردہ تھیں اس میں اپنے بزرگوں اور بڑوں کی خطاؤں پر حرف گیری، ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہیں آسکتی تھی۔ اس لئے اظہار حسرت کے بعد زبان ساکت وصامت ہو جاتی تھی۔

یہ لطیفہ بھی جہاں ان کے قرآنی عشق کا غماز ہے، وہیں ان بزرگوں کی سادہ لوحی بھی قابل رشک بن کر سامنے آتی ہے، ایک دفعہ ہم خوردسال پوتے جو حفظ قرآن میں مشغول تھے باہم یہ تذکرہ کر رہے تھے کہ فلاں کا نام بھی قرآن کریم میں آیا ہے اور فلاں کا بھی آیا ہے۔

دادی صاحبہ مغفورہ نے ہماری یہ باتیں سن کر کہا کہ بھئی ہمیں تو اب اپنا نام بھی یاد نہیں رہا، کیوں کہ ساٹھ ستر سال سے کسی نے نام لے کر پکارا ہی نہیں، اگر نام یاد ہوتا تو میں بھی تم سے پوچھتی کہ میرا نام بھی قرآن شریف میں آیا ہے یا نہیں، دادی صاحبہ مرحومہ خاندان میں، کنبہ میں، حتیٰ کہ مدرسہ کے اساتذہ وطلبہ میں بھی اماں بی کے نام سے معروف تھیں، یہ بات ان کے فرمانے پر احقر نے جب کہ احقر کی عمر دس گیارہ سال تھی عرض کیا کہ آپ کا اصل نام جب آپ کو ہی یاد نہیں کسی اور کو کہاں یاد ہوگا۔ اس لئے اس کا سوال تو رہا نہیں، اب تو آپ کا نام ''اماں بی'' ہے۔ اور یہ قرآن کریم میں آیا ہے۔ فرمایا کہاں ہے تو احقر نے آیت پڑھی ﴿وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّکَ فَحَدِّثْ﴾ (سورۃ الضحیٰ: ۱۱) یہ سن کر بے حد خوش ہوئیں اور بہت دعائیں دیں۔ پھر یہ بات بطور لطیفہ اکابر کی مجالس میں بھی وقتاً فوقتاً زیر تذکرہ آتی رہی اور احقر کو اکابر کی مسرت سے خوشی ہوا کرتی تھی۔

احقر کے نانا، حضرت مولانا محمد محمود صاحب رامپوری تھے جو حضرت شیخ الہندؒ کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ موصوف اپنی غیر معمولی ذہانت وذکاوت اور استحضار علمی کی بنیاد پر اور ساتھ ہی عابدانہ وصالحانہ طرز زندگی کی وجہ سے علماء وصلحاء میں مقام مقبولیت رکھتے تھے۔ وقت کے اکابرؒ نے حضرت مولانا محمد

محمود صاحب کو دارالعلوم دیوبند کے دفتری نظام کو منضبط کرنے کے لئے جملہ دفاتر کے نگران کے طور پر ''سردفتر'' کے نام سے ایک مؤقر منصب پر بلا لیا تھا جس پر حضرت ممدوح نے ایک معتد بہ مدت تک نہایت خوش اسلوبی سے کام کیا، دیانت وامانت کے ساتھ، اسی معروف انتظامی صلاحیت کی وجہ سے، ان کو راجستھان کی قدیم ہندوستان کی ایک ریاست ''اندرگڑھ'' میں بحیثیت وزیر بلایا گیا، وہ چودہ سال اس وقیع منصب پر، غیر معمولی اعزاز کے ساتھ، اس طرح فائز رہے کہ وقتاً فوقتاً ان کو راجستھان کی دوسری ریاستوں کے راجہ اور نواب بھی اپنے مسائل میں مشورے کے لئے بلایا کرتے تھے۔

احقر کی والدۂ محترمہ کا ابتدائی دور، زیادہ تر اندرگڑھ ہی میں گذرا۔ خاندانی طور پر موصوفہ محترمہ کو ایک غیر معمولی ذہانت اور علمی اور دینی ذوق وراثت میں ملا تھا۔ تعلیم اگرچہ اس دور کے طرز وطریق کے مطابق گھریلو ہی تھی لیکن ذہانت وذکاوت اور ذوق وشوق مطالعہ نے ان کو اپنی ہم عصر خواتین ہی میں نہیں بلکہ اپنے سے بہت بڑی خواتین میں بھی علمی اور ذہنی اعتبار سے ممتاز کر دیا تھا۔ اردو ادبی ذوق بھی قابل قدر تھا۔ یعنی نظم ونثر میں مؤثر ادبیت کے ساتھ اظہار مافی الضمیر پر پوری قدرت حاصل تھی۔ غم والم کے حوادث اور مسرت وخوشی کے مواقع پر، برجستہ وموثر نظم ونثر میں تعزیت وتبریک ایسی فرماتی تھیں کہ وقت گذر جانے کے بعد بھی، خواتین اپنی محفلوں میں ان سے حظ اندوز ہوتی تھیں۔

ان علمی خصوصیات کے ساتھ ہی والدۂ محترمہ کے خاندان میں علم طب متوارثاً چلا آرہا تھا۔ ان کے تایا، حضرت مولانا حکیم محمد احمد صاحب رامپوری، حاذق ترین اطباء میں تھے۔ وہی حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے ہمیشہ معالج خصوصی رہتے تھے۔ ولی راولی می شناسد کے مطابق حضرت گنگوہیؒ، حضرت حکیم صاحب موصوف کے صاحب تقویٰ وطہارت اور صاحب نسبت ہونے کی بناء پر بھی اور علم طب میں حذاقت فن کے لحاظ سے بھی موصوف کی قدردانی کے ساتھ غیر معمولی احترام بھی کرتے تھے۔

احقر کے والد ماجد حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب قدس سرہ العزیز مہتمم دارالعلوم دیوبند کی شادی کے لئے بزرگوں نے اسی خاندان کو منتخب فرمایا اور احقر کے نانا حضرت مولانا محمد محمود صاحبؒ کی صاحبزادی (احقر کی والدۂ ماجدہ) کا انتخاب ہوا۔ اور رشتہ لے کر حضرت شیخ الہندؒ رام پور تشریف لے گئے۔ مولانا محمود صاحب موصوف کے شاگرد رشید تھے اور ان کے بڑے بھائی مولانا حکیم محمد احمد صاحب ان کے ہم عصر وبے تکلف احباب میں تھے۔ اس لئے حضرت شیخ الہندؒ کے لئے

یہ مؤقر گھرانہ نہ صرف اجنبی ہی تھا، بلکہ غیر معمولی تعلق عقیدت ومحبت رکھنے والا تھا لیکن حضرت شیخ الہندؒ نے وہاں پہنچ کر پہلا جملہ جوفرمایا وہ یہ تھا کہ بھائی، میں ہمیشہ یہاں بھائی بن کر آیا ہوں، لیکن آج نائی بن کر آیا ہوں (قدیم دور میں دو خاندانوں کے درمیان رشتہ کی پیامبری نائیوں کے ذریعہ ہوتی تھی) اس جملے سے حضرت شیخ الہندؒ نے اپنے استاذ عظیم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ العزیز کی اولاد سے غیر معمولی محبانہ ومخلصانہ تعلق کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ حضرت مولانا حکیم محمد احمد صاحب چونکہ خاندان کے بزرگ تھے، اس لئے خطاب انہی سے کیا گیا، جس پر حضرت حکیم صاحبؒ نے فرمایا کہ حضرت نائی کے سامنے سر تو سب ہی کا جھکتا ہے مگر آپ کے سامنے تو ہمارے دل بھی جھکے ہوئے ہیں، لہٰذا لڑکا بھی آپ ہی کا ہے اور لڑکی بھی آپ ہی کی ہے۔ اس لئے فیصلے میں ہماری دخل اندازی کا کوئی سوال ہی نہیں ہے۔ حضرت والا ہر طرح کے فیصلے کے مختار ومجاز ہیں۔

عام طور پر رشتوں کے بارے میں دور قدیم میں یہ جملہ معروف تھا کہ رشتہ لانے والوں کے بہت سے جوتے ٹوٹتے ہیں تب رشتے کی تکمیل ہوتی ہے۔ لیکن یہاں سراپا دین ودیانیت شخصیات کے مابین رشتے کا مسئلہ دومنٹ میں طے کیا گیا اور اس رشتہ سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے والے، ان بزرگوں کی حسن نیت، حسن عمل اور مستجاب دعاؤں سے زندگی بھر بہرہ مند ہوتے رہے۔ حضرت والد ماجد اور حضرت والدۂ ماجدہ رحمہا اللہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ واقعہ ہماری نئی زندگی کے آغاز کا، وہ تاریخ ساز واقعہ ہے کہ جو ہمارے لئے باعث فخر بھی ہے اور موجب صد عزت بھی۔

علم طب سے خاندانی علاقے اور ذکاوت وذہانت کے ساتھ طبعی مناسبت کی وجہ سے محترمہ والدہ صاحبہ اگرچہ باضابطہ طبیبہ نہیں تھیں، مگر بے شمار نسخے ہی ذہن میں محفوظ نہیں تھے بلکہ مزاج شناسی بھی اللہ تعالیٰ نے وہبی طور پر عطا فرمائی تھی، اس لئے خواتین اور بچوں کے علاج میں اتنی معروف تھیں کہ بڑی تعداد میں عورتوں اپنا اور اپنے بچوں کا علاج والدہ صاحبہ سے ہی کرایا کرتی تھیں گویا اس طرح سے بھی حق تعالیٰ نے ان کا فیض عام فریادتھا۔

والدۂ محترمہ کا تعلق بیعت، حضرت مولانا منظور احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے تھا، جن سے تعلق قرابت بھی تھا، موصوف صاحب کشف وکرامت بزرگوں میں تھے خاص طور پر کشف قبوران کا بہت معروف تھا، دیوبند تشریف لاتے تو کئی کئی گھنٹے حضرت الامام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہٗ مزار اقدس پر مراقب رہتے، عام طور پر اس وقت میں احقر کے حضرت والد صاحبؒ ان

کے ہمراہ ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ بعد مراقبہ فرمایا کہ حضرت نانوتویؒ نے تمام عمر اپنے کو چھپایا، مگر اب اللہ نے ان کے فیضان کو عام فرما رکھا ہے اور فرمایا کہ حضرت موصوف اپنی اولاد جسمانی و روحانی کو اپنی آغوش میں اس طرح لئے ہوئے ہیں کہ جیسے مرغی اپنے بچوں کو لئے رہتی ہے۔

والدۂ ماجدہ کے معمولات ووظائف زندگی میں کبھی قضا نہیں ہوئے۔ ایک ہزار دانوں کی ایک طویل تسبیح ہمیشہ ان کے سرہانے رہتی تھی اور نماز عشاء کے بعد بلا ناغہ وہ کلمہ طیبہ کی تسبیح ہزارہ پڑھنے کی اس درجہ عادی تھیں کہ شدید ترین بیماری میں بھی وہ کبھی قضا نہیں ہوئی۔ اور اہل صلاح خواتین ورجال کے نزدیک ان کی یہ خصوصیت قابل صد رشک تھی کہ اذان کی آواز سننے کے بعد اہم سے اہم تر کام کو فوراً چھوڑ کر وہ مصلّے پر پہنچ جاتی تھیں، کیونکہ ہر نماز سے قبل سورۂ یٰسین شریف پڑھنا اس کا معمول تھا۔ اور نماز فجر کے بعد ایک پارہ کی تلاوت کی عادی تھیں۔ بہت سے انفرادی، اجتماعی اور خانگی امور میں وہ بصیرت و تجربات کی بنیاد پر پیشینگوئی فرمادیا کرتی تھیں جو عام طور پر صحیح ثابت ہوتی تھی۔

راجستھان میں رہنے کی وجہ سے وہاں کی زبان بھی جانتی تھیں اور وہ زبان گجراتی زبان سے قریب تر ہے، اس لئے گجراتی زبان بول تو نہیں سکتی تھیں مگر بخوبی سمجھ لیتی تھیں۔ اس لئے گجرات و بمبئی کے سفروں پر گجراتی خواتین بڑے اشتیاق سے ان سے ملاقات کے لئے آتی تھیں، ماشاء اللہ سات مرتبہ حج کے لئے تشریف لے گئیں، اس لئے ذہانت کی وجہ سے عربی بھی کافی سمجھ لیتی تھیں۔

زیر تذکرہ ان معدودے چند، دینی، اخلاقی، علمی اور ذکاوتی خصوصیات کی بناء پر بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ خانوادۂ قاسمی کے امتیازات کی برقراری میں بلکہ اضافہ میں حق تعالیٰ نے احقر کی والدۂ محترمہ رحمۃ اللہ علیہا کی ذات گرامی سے بیش قدر کام لیا اور آج بھی بحمد اللہ ان کی برکات سے افراد خاندان بہرہ مند ہیں۔[۱]

حضرت خطیب الاسلام کا یہ آخری اقتباس

''زیر تذکرہ ان معدودے چند دینی، اخلاقی، علمی اور ذکاوتی خصوصیات کی بنا پر بلاخوف تردید کہا جاسکتا ہے کہ خانوادۂ قاسمی کے امتیازات کی برقراری میں بلکہ اضافہ میں حق تعالیٰ نے احقر کی والدہ محترمہ رحمۃ اللہ علیہا کی ذات گرامی سے بیش قدر کام لیا اور آج بھی بحمد اللہ ان کی برکات سے افراد خاندان بہرہ مند ہیں۔''

---

[۱] مجالس خطیب الاسلام

بنیادی طور پر شہادت ہے اور سائل کے سوال کا جواب بھی ہے۔ اس عظیم الشان مجلس میں حضرت خطیب الاسلام نے خواتین کی تعلیم و تربیت پر انتہائی اہم گفتگو فرمائی ہے، جس کے خطیب الاسلام پر زور داعی ہیں، اور خواتین کی اس اشد ضرورت کو پورا کرنے کے لئے آپ نے جامعہ دینیات دیوبند جیسا تعلیمی و دعوتی ادارہ قائم فرمایا۔ دینی تعلیم اور خواتین کی تعلیم نہایت اہمیت کی حامل ہے، اس مجلس میں حضرت نے گذشتہ دو چار صدیوں میں مردوں کی طرف سے عورتوں کے استحصال کا بھی ذکر فرمایا، اور یہ بتلایا کہ مسلم قوم اس وقت تک ترقی یافتہ نہیں ہوسکتی جب تک عورتوں کی صحیح تعلیم اور تربیت نہ کی جائے۔

مجلس ۲: دعوت اِلی اللہ کے پیغمبرانہ اصول

یہ مجلس دعوت الی اللہ کے پیغمبرانہ اصول و آداب اور طریقہ کار کے سلسلے میں ہے، جو درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مقصودہ ہے اور اسی کار دعوت میں تمام عزتوں کے راز مضمر رکھدے گئے: اس مبارک مجلس علم و دعوت میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دعوت کی اہمیت، داعیانہ شان اور کردار کی آیات قرآنیہ سے نہایت ہی فصیح و بلیغ انداز میں تشریح فرمائی ہے۔

دعوت الی اللہ درحقیقت انبیاء علیہم السلام کا منصب ہے، اُمت کے علماء اس منصب کو ان کا نائب ہونے کی حیثیت سے استعمال کرتے ہیں، تو لازم یہ ہے کہ اس کے آداب اور طریقے بھی انہی سے سیکھیں، جو دعوت اُن طریقوں پر نہ رہی وہ دعوت کے بجائے عداوت اور جنگ وجدال کا موجب ہو جاتی ہے۔

دعوت کے پیغمبرانہ اصول میں جو ہدایت قرآنِ کریم میں حضرت موسیٰؑ وحضرت ہارونؑ کے لئے ارشاد فرمائی گئی ہے کہ

﴿فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى﴾ (سورہ طٰہٰ: ۴۴)

سو کہو اس سے بات نرم شاید وہ سوچے یا ڈرے۔

یہ ہر داعیٔ حق کو ہر وقت سامنے رکھنا ضروری ہے کہ فرعون جیسا سرکش کافر جس کی موت بھی علم الٰہی میں کفر ہی پر ہونے والی یقینی تھی، اس کی طرف بھی جب اللہ تعالیٰ اپنے داعی کو بھیجتے ہیں تو نرم گفتاری کی ہدایت کے ساتھ بھیجتے ہیں، آج ہم جن لوگوں کو دعوت دیتے ہیں وہ فرعون سے زیادہ گمراہ

نہیں اور ہم میں سے کوئی حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام کے برابر ہادی و داعی نہیں، تو جو حق اللہ تعالیٰ نے اپنے دونوں پیغمبروں کو نہیں دیا کہ مخاطب سے سخت کلامی کریں، اس پر فقرے کسیں، اس کی توہین کریں، وہ حق ہمیں کہاں سے حاصل ہو گیا۔

قرآنِ کریم انبیاء علیہم السلام کی دعوت وتبلیغ اور کفار کے مجادلات سے بھرا ہوا ہے، اس میں کہیں نظر نہیں آتا کہ کسی اللہ کے رسول نے حق کے خلاف ان پر طعنہ زنی کرنے والوں کے جواب میں کوئی ثقیل کلمہ بھی بولا ہے، اس کے چند نمونے اور واقعات قرآنِ کریم نے ذکر کئے ہیں۔

قرآنِ کریم حضرت نوحؑ اور حضرت ہود علیہما السلام کے ساتھ ان کی قوم کے مجادلے اور سخت سست الزامات کے جواب میں ان بزرگوں کے کلمات ذکر کئے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے وہ اولوالعزم پیغمبر ہیں جن کی طولِ عمر دنیا میں مشہور ہے، ساڑھے نوسو برس تک اپنی قوم کی دعوت وتبلیغ، اصلاح وارشاد میں دن رات مشغول رہے، مگر اس بدبخت قوم میں سے معدودے چند کے علاوہ کسی نے ان کی بات نہ مانی، اور تو اور خود ان کا ایک لڑکا اور بیوی کافروں کے ساتھ لگے رہے، ان کی جگہ آج کا کوئی مدعی دعوت واصلاح ہوتا تو اس قوم کے ساتھ اس کا لب ولہجہ کیسا ہوتا، اندازہ لگائیے، پھر دیکھئے کہ ان کی تمام ہمدردی وخیر خواہی کی دعوت کے جواب میں قوم نے کہا: ''ہم تو آپ کو کھلی ہوئی گمراہی میں پاتے ہیں۔

ادھر سے اللہ کے پیغمبر بجائے اس کے کہ اس سرکش قوم کی گمراہیوں، بدکاریوں کا پردہ چاک کرتے، جواب میں کیا فرماتے ہیں: میرے بھائیو! مجھے کوئی گمراہی نہیں میں تو ربّ العلمین کا رسول اور قاصد ہوں۔

ان کے بعد آنے والے دوسرے اللہ کے رسول حضرت ہود علیہ السلام کو ان کی قوم نے معجزات دیکھنے کے باوجود از راہِ عناد کہا کہ آپ نے اپنے دعوے پر کوئی دلیل پیش نہیں کی اور ہم آپ کے کہنے سے اپنے معبودوں بتوں کو چھوڑنے والے نہیں، ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تم نے جو ہمارے معبودوں کی شان میں بے ادبی کی ہے، اس کی وجہ سے تم جنون میں مبتلا ہو گئے ہو۔

حضرت ہود علیہ السلام نے یہ سب کچھ سن کر جواب دیا: میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں اُن بتوں سے بری اور بیزار ہوں جن کو تم اللہ کا شریک مانتے ہو۔

ان کی قوم نے اُن کو جواب دیا: ہم تو آپ کو بیوقوفی میں مبتلا سمجھتے ہیں، اور ہمارا خیال یہ ہے کہ آپ جھوٹ بولنے والوں میں سے ہیں۔

قوم کے اس دل آزار خطاب کے جواب میں اللہ کے رسول حضرت ہود علیہ السلام نہ اُن پر کوئی فقرہ کستے ہیں، نہ اُن کی بے راہی اور کذب وافتراء علی اللہ کی کوئی بات کہتے ہیں، جواب کیا ہے صرف یہ کہ اے میری برادری کے لوگو! مجھ میں کوئی بے وقوفی یا کم عقلی نہیں، میں تو ربّ العٰلمین کا رسول ہوں۔

حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو حسب دستور، اللہ کی طرف دعوت دی اور ان میں جو بڑا عیب ناپ تول میں کمی کرنے کا تھا، اس سے باز آنے کی ہدایت فرمائی، تو ان کی قوم نے تمسخر کیا اور توہین آمیز خطاب کیا:

﴿یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُکَ تأمرک أن نترک ما یعبد آباؤنا أو أن نفعل في أموالنا مانشاء إنک لانت الحلیم الرشید﴾ (سورہ ہود:۸۷)

''اے شعیب! کیا تمہاری نماز تمہیں یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کے معبودوں کو چھوڑ دیں اور یہ کہ جن اموال کے ہم مالک ہیں ان میں اپنی مرضی کے موافق جو چاہیں نہ کریں، واقعی آپ ہیں بڑے عقلمند دین پر چلنے والے''۔

انہوں نے ایک تو یہ طعنہ دیا کہ تم جو نماز پڑھتے ہو یہی تمہیں بے وقوفی کے کام سکھاتی ہے، دوسرے یہ کہ مال ہمارے ہیں، اُن کی خرید وفروخت کے معاملات میں تمہارا یا خدا کا کیا دخل ہے، ہم جس طرح چاہیں ان میں تصرف کا حق رکھتے ہیں، تیسرا جملہ تمسخر واستہزاء کا یہ کہا کہ آپ ہیں بڑے عقلمند بہت دین پر چلنے والے۔

درحقیقت یہ لا دینی معاشیات کے پجاری صرف آج نہیں پیدا ہوئے ان کے بھی کچھ اسلاف ہیں جن کا نظریہ وہی تھا جو آج کے بعض نام کے مسلمان کہہ رہے ہیں، کہ ہم مسلمان ہیں، اسلام کو مانتے ہیں، مگر معاشیات میں ہم سوشل اِزم کو اختیار کرتے ہیں، اس میں اسلام کا کیا دخل ہے، بہر حال اس ظالم قوم کے اس مسخرے پن اور دل آزار گفتگو کا جواب اللہ کا رسول کیا دیتا ہے، ارشاد فرمایا:

﴿قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَ یْتُمْ اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَرَزَقَنِیْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا. وَمَآ اُرِیْدُ اَنْ اُخَالِفَکُمْ اِلٰی مَآ اَنْھٰکُمْ عَنْهُ. اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ. وَمَاتَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ. عَلَیْهِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ﴾ (سورۂ ہود:۸۸)

بولا اے قوم دیکھو تو اگر مجھ کو سمجھ آ گئی اپنے رب کی طرف سے اور اس نے روزی دی مجھ کو نیک روزی اور میں یہ نہیں چاہتا کہ بعد کو خود کروں وہ کام جو تم سے چھڑاؤں، میں تو چاہتا

ہوں سنوارنا جہاں تک ہو سکے اور بن آتا ہے اللہ کی مدد سے اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجنے کے وقت جو نرم گفتار کی ہدایت منجانب اللہ دی گئی تھی اس کی پوری تعمیل کرنے کے باوجود فرعون کا خطاب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہ تھا:

﴿قَالَ اَلَمْ نُرَبِّکَ فِيْنَا وَلِيْدًا وَّلَبِثْتَ فِيْنَا مِنْ عُمُرِکَ سِنِيْنَ﴾ (سورۃ الشعراء: ۴۴)

بولا کیا نہیں پالا ہم نے تجھ کو اپنے اندر لڑکا سا اور رہا تو ہم میں اپنی عمر میں سے کئی برس۔

اس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنا یہ احسان بھی جتلایا کہ بچپن میں ہم نے تجھے پالا ہے، پھر یہ احسان بھی جتلایا کہ بڑے ہونے کے بعد بھی کافی مدت تک تم ہمارے پاس رہے، پھر یہ عتاب کیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے جو ایک قبطی بغیر ارادہ قتل کے مارا گیا تھا اس پر غصہ و ناراضگی کا اظہار کر کے یہ بھی کہا کہ تم کافروں میں سے ہو گئے۔

جس کا مطلب در حقیقت یہ ہوگا کہ ہم نے تو تم پر احسانات کئے اور تم نے ہمارے ایک آدمی کو مار ڈالا جو احسان کی ناشکری تھی اور اصطلاحی معنیٰ بھی ہو سکتے ہیں، کیونکہ فرعون خود خدائی کا دعویدار تھا، تو جو اس کی خدائی کا منکر ہوا وہ کافر ہوا۔

اب اس موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب سنئے، جو پیغمبرانہ آدابِ دعوت اور پیغمبرانہ اخلاق کا شاہکار ہے، کہ اس میں سب سے پہلے تو اس کمزوری اور کوتاہی کا اعتراف کر لیا جو اُن سے سرزد ہو گئی تھی، یعنی اسرائیلی آدمی سے لڑنے والے قبطی کو ہٹانے کے لئے ایک مُکّا اس کے مارا تھا، جس سے وہ مر گیا، تو گو یہ قتل عمدا ارادۃً نہیں تھا، مگر کوئی دینی تقاضہ بھی نہیں تھا، بلکہ شریعت موسوی کے لحاظ سے بھی وہ شخص قتل کا مستحق نہیں تھا، اس لئے پہلے یہ اعتراف فرمایا کہ ''یعنی میں نے یہ کام اُس وقت کیا تھا، جبکہ میں ناواقف تھا۔

در حقیقت مراد یہ ہے کہ یہ فعل عطاء نبوت سے پہلے سرزد ہو گیا تھا جبکہ مجھے اس بارہ میں اللہ کا کوئی حکم معلوم نہیں تھا، اس کے بعد فرمایا کہ پھر مجھ کو ڈر لگا تو میں تمہارے یہاں سے مفرور ہو گیا، پھر مجھ کو میرے رب نے دانشمندی عطا فرمائی اور مجھ کو اپنے پیغمبروں میں شامل کر دیا۔

اور فرعون کے احسان جتلانے کا جواب یہ دیا کہ تمہارا یہ احسان جتانا صحیح نہیں، کیونکہ میری پرورش کا معاملہ تمہارے ہی ظلم و عدوان کا نتیجہ تھا، کہ تم نے اسرائیلی بچوں کے قتل کا حکم دے رکھا تھا،

اس لئے والدہ نے مجبور اور خائف ہو کر مجھے دریا میں ڈالا اور تمہارے گھر تک پہونچنے کی نوبت آئی، فرمایا:

﴿وَتِلْکَ نِعْمَۃٌ تَمُنُّھَا عَلَیَّ اَنْ عَبَّدْتَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِ یْلَ.﴾ (سورۃ الشعراء:۲۲)

اور کیا وہ احسان ہے جو تو مجھ پر رکھتا ہے کہ غلام بنایا تو نے بنی اسرائیل کو۔

اس کے بعد فرعون نے جب سوال کیا وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ، ربّ العٰلمین کون ہے اور کیا ہے؟ تو جواب میں فرمایا کہ وہ رب ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس سب کا، اس پر فرعون نے بطورِ استہزاء کے حاضرین سے کہا اَلَا تَسْمَعُوْنَ. یعنی تم سن رہے ہو کہ یہ کیسی بے عقلی کی باتیں کہہ رہے ہیں، اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ”تمہارا اور تمہارے باپ دادوں کا بھی وہی رب پروردگار ہے“۔

اس پر فرعون نے جھنجھلا کر کہا:

﴿قَالَ اِنَّ رَسُوْلَکُمُ الَّذِیْٓ اُرْسِلَ اِلَیْکُمْ لَمَجْنُوْنٌ﴾ (سورۃ الشعراء:۲۷)

بولا تمہارا پیغام لانے والا جو تمہاری طرف بھیجا گیا ضرور باؤلا ہے۔

مجنون دیوانہ کا خطاب دینے پر بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام بجائے اس کے کہ ان کا دیوانہ ہونا اور اپنا عاقل ہونا ثابت کرتے اس طرف کوئی التفات ہی نہیں کیا، بلکہ اللہ ربّ العٰلمین کی ایک اور صفت بیان فرمائی:

﴿قَالَ رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَمَا بَیْنَھُمَا. اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ (سورۃ الشعراء:۲۸)

کہا پروردگار مشرق کا اور مغرب کا اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے۔ اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔

درحقیقت یہ ایک طویل مباحثہ اور مکالمہ ہے جو فرعون کے دربار میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان ہو رہا ہے جو قرآنِ کریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے، اللہ کے مقبول رسول حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس مکالمہ کو اوّل سے آخر تک دیکھئے، نہ کہیں جذبات کا اظہار نہ اس کی بدگوئی کا جواب ہے، نہ اس کی سخت کلامی کے جواب میں کوئی سخت کلمہ ہے، بلکہ مسلسل اللہ جل شانہٗ کی صفاتِ کمال کا بیان ہے اور تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری ہے۔

دعوت الی اللہ کی روح

درحقیقت دعوت وتبلیغ میں ہر مخاطب اور ہر موقع کے مناسب کلام کرنے میں حکیمانہ اصول اور عنوان وتعبیر میں حکمت ومصلحت کی رعایتیں بھی جو انبیاء علیہم السلام نے اختیار فرمائی ہیں اور دعوتِ الی اللہ کو مقبول ومؤثر اور پائیدار بنانے کے لئے جو طرز عمل اختیار فرمایا ہے درحقیقت وہی دعوت کی روح ہے۔اس کی تفصیلات تو تمام تعلیمات نبوی علیہ السلام میں پھیلی ہوئی ہیں۔

ظاہر ہے نبی کریم ﷺ کو دعوت وتبلیغ اور وعظ ونصیحت میں اس کا غیر معمولی لحاظ رہتا تھا کہ مخاطب پر بار نہ ہونے پائے، صحابہ کرامؓ جیسے عشاقِ رسول ﷺ جن سے کسی وقت بھی اس کا احتمال نہ تھا کہ وہ آپ ﷺ کی باتیں سننے سے اُکتا جائیں گے، اُن کے لئے بھی آپ ﷺ کی عادت یہ تھی کہ وعظ ونصیحت روزانہ نہیں بلکہ ہفتہ کے بعض دنوں میں فرماتے تھے، تا کہ لوگوں کے کاروبار کا حرج اور انکی طبیعت پر بار نہ ہو۔

حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ہفتہ کے بعض ایام ہی میں وعظ فرماتے تھے تا کہ ہم اُکتا نہ جائیں اور دوسروں کو بھی آپ کی طرف سے یہی ہدایت تھی۔

وعظ وتبلیغ کا اثر کم کیوں

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسولِ کریم ﷺ نے فرمایا:

"یَسِرُّوْا وَلَاتُعَسِّرُوْا وَبَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا" (صحیح بخاری، کتاب العلم)

''لوگوں پر آسانی کرو دشواری نہ پیدا کرو، اوران کو اللہ کی رحمت کی خوشخبری سناؤ، مایوس یا متنفر نہ کرو''

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ تمہیں چاہئے کہ ربّانی، حکماء، علماء وفقہاء بنو جو شخص دعوت وتبلیغ اور تعلیم میں تربیت کے اصول کو ملحوظ رکھ کر پہلے آسان آسان باتیں بتلائے، جب لوگ اس کے عادی ہو جائیں تو اس وقت دوسرے احکام بتلائے جو ابتدائی مرحلے میں مشکل ہوتے وہ عالم ربّانی ہے، آج کل جو وعظ وتبلیغ کا اثر بہت کم ہوتا ہے اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ عموماً اس کام کے کرنے والے ان اصول وآداب کی رعایت نہیں کرتے، لمبی تقریریں، وقت بے وقت نصیحت، مخاطب کے حالات کو معلوم کئے بغیر اس کو کسی کام پر مجبور کرنا اس کی عادت بن گئی ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کو دعوت و اصلاح کے کام میں اس کا بھی بڑا اہتمام تھا کہ مخاطب کی سُبکی یا رُسوائی نہ ہو، اسی لئے جب کسی شخص کو دیکھتے کہ کسی غلط اور بُرے کام میں مبتلا ہے تو اس کو براہِ راست خطاب کرنے کے بجائے مجمع عام کو مخاطب کر کے فرماتے تھے: مَابَالُ اَقْوَامٍ یَفْعَلُوْنَ کَذَا۔

''لوگوں کو کیا ہو گیا کہ فلاں کام کرتے ہیں۔''[۱]

حضرت خطیب الاسلام کی اس مجلسی گفتگو سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان کا فرض منصبی دعوت الی اللہ ہے، لہٰذا ایک داعی کے لئے لازم ہے ان آداب واصول کی رعایت رکھنا جو اس کے دعوتی عمل کو مؤثر ثابت کر سکیں، بغیر رعایت آداب اس کی دعوت غیر مؤثر ہو جائے گی اور ان آداب واصول دعوت کی رعایت خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر موقع پر فرمائی۔ حضرت خطیب الاسلام کی اس علمی و دعوتی مبارک مجلس سے چند اہم باتیں داعی اور دعاۃ إلی اللہ کے تعلق سے واضح ہو کر سامنے آئیں۔

۱) پہلی بات یہ ہے کہ قرآن کریم میں کہیں یہ نظر نہیں آتا کہ کسی اللہ کے رسول نے حق کے خلاف ان پر طعنہ زنی کرنے والوں کے جواب میں کوئی ثقیل کلمہ بھی بولا ہے اس کے چند نمونے اور واقعات قرآن کریم نے ذکر کیے ہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک سے نکلا ہوا الہامی جملہ ہے، جس کی آج امت میں دعوت کا کام کرنے والوں کو بے حد ضرورت ہے، کیونکہ وسائل ابلاغ وترسیل کے آسان ہو جانے کی وجہ سے دعاۃ إلی اللہ کے خلاف شر پسند عناصر ایسے جملہ اور برانگیختہ کرنے والے کلام بول رہے ہیں جن سے داعی الجھتا ہے، اس لئے کام کرنے کے لئے ذہن اور زبان کو ایسی چیزوں سے پاک رکھنا ضروری ہے۔

۲) دوسری اہم بات یہ معلوم ہوئی کہ دعوت وتبلیغ اور تعلیم میں تربیت کے اصول کو ملحوظ رکھ کر پہلے آسان سے آسان باتیں بتلائی جائیں۔ یعنی دعوت میں تدریج کا اصول بہت اہمیت کا حامل ہے، جس کے سلسلے میں داعیوں میں لاعلمی اور کم فہمی کی وجہ سے بہت کمی پائی جاتی ہے۔ اس لئے اس طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے۔

۳) تیسری اہم بات یہ ہے کہ حضرات انبیاء اور خاص کر حضور ﷺ اس بات کا بہت خیال فرماتے کہ مخاطب کی رسوائی اور سبکی نہ ہو۔ بلکہ بات اس طرح کی جائے کہ اصلاح بھی ہو جائے اور مخاطب کا دل بھی نہ دکھے۔

---

[۱] مجالس حضرت خطیب الاسلام، ص ۲۲۵

یہ مجلس چونکہ متعلق تھی کارِ دعوت سے اس لئے اس کو مکمل نقل کر دیا تھا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت خطیب الاسلام اپنے دعوتی اسفار میں دعوتی اصول وآداب کی رعایت فرماتے تھے۔

مجلس ۳: معلمیت کیا ہے

ایک مجلس میں حضرت سے سوال کیا گیا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معلم بنا کر بھیجا گیا، اس معلمیت کی حقیقت کیا ہے؟

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے معلمیت کی حقیقت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اسلام کی بنیاد قصوں کہانیوں پر نہیں بلکہ حقائق و براہین پر ہے، معلمین کو چاہئے کہ وہ طلبہ کو سوال کی آزادی دیں کیونکہ یہ علمی ترقی کی ابتداء ہے۔ اگر استاد طالب علم کو سوال سے روکے تو یہ اپنے منصب سے بددیانتی ہوگی۔ طلبہ درجہ میں آزاد ہوتے ہیں سوال کیلئے اور اساتذہ کرام پابند ہوتے ہیں جواب دینے کیلئے۔ اساتذہ کے اوپر ایک تکمیل علم کی ذمہ داری ہے درجات کے اندر اور ایک تکمیل ادب وذکر کی ذمہ داری ہے درجہ سے باہر اور مدرسہ کے ماحول کے اندر رہتے ہوئے ان دونوں ذمہ داریوں کو پورا کرنے کا نام درحقیقت معلمیت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ معلمیت کے حقیقی منصب کی جب ہی ادائیگی ہوگی جب معلم ظاہری اور باطنی دونوں اعتبار سے اپنے آپ کو تیار کرے گا۔ اس مجلس مبارک سے معلوم ہوا کہ معلم معلمیت کا حق اس وقت ادا کرسکتا ہے جب وہ تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے شاگردوں کی تربیت، اخلاقی کیفیت پر بھی توجہ دے، یعنی مدرسے کے اندر بھی خیال رکھے اور باہر بھی، طلبہ کو چند علمی باتیں بتا دینا معلمیت نہیں، بلکہ ایک روٹینی عمل ہے۔

مجلس ۴: دارالعلوم کی فکری اور روحانی بنیاد

دارالعلوم کی فکری بنیاد تو یہ تھی کہ انگریزوں کے پلان کے جواب میں دارالعلوم قائم کیا گیا اور اس کی روحانی بنیاد صرف حضرت نانوتوی کا اخلاص اور توکل علی اللہ تھا، حضرت نے دارالعلوم کیلئے آٹھ الہامی اصول طے فرمائے، جن میں ایک اہم اصول یہ تھا کہ دارالعلوم کوئی ایک مستقل ذریعہ آمدنی طے نہ کیا جائے، بلکہ عامۃ المسلمین کے تعاون پر یہ مدرسہ چلتا رہے، اسی وجہ سے آج دارالعلوم کے اثرات ونفوذ ہر جگہ محسوس کئے جاتے ہیں۔

مجلس ۵: ادارہ کا اصل مزاج روح ہے، رسم نہیں

آج الحمد اللہ آسمان علم ومعرفت پر دارالعلوم دیوبند (وقف) مہتاب کی طرح جلوہ گر ہے، دارالعلوم وقف ہر جہت سے ترقی کی سمت رواں دواں ہے، بلاشبہ سلف صالحین اور بزرگان دین کے طریق اور نقوش کا محافظ اور پاسبان ہے اور لفظ وقف کا لاحقہ سے خط امتیاز کھینچ دیا ہے اور یہ ایک ایسا چشمہ ساقی ہے کہ ہر سال ہزاروں تشنگانِ علوم کو سیراب کر رہا ہے اور زبان حال سے بقول حکیم الاسلام یہ کہتا ہے کہ:

''ادارہ کا اصل مزاج روح ہے رسم نہیں، حقیقت ہے نمائش نہیں، اخفاء ہے تشہیر نہیں اور معنویت ہے محض صورت سازی نہیں، گو طبعاً صورت سے انکار بھی نہیں۔''

درحقیقت دارالعلوم وقف دیوبند کے آثار کا امین اور ان کی روایات اور عادات واطوار کا حامل ہے اور اپنی سادگی، صاف دل کے لحاظ سے اور ٹھوس درس وتدریس وتعلیم اور ملی وملکی رہنمائی کے اعتبار سے آج اسے ایک مینارہ نور اور مشعل راہ کی حیثیت وعظمت حاصل ہے۔ رہبر ملت دارالعلوم دیوبند (وقف) ایک مینارۂ نور ہے جو پوری امت کیلئے تا قیامت ہدایت کا سر چشمہ ہے اور اس کا فیض و فیضان تا قیامت جاری رہے گا۔ انشاء اللہ۔ حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ نے قیام دارالعلوم وقف کے بعد اپنی دعوتی وملی اور علمی کوششوں کا محور اپنے رفقاء کے ساتھ مل کر دارالعلوم وقف کو بنالیا تھا، اور اول ہی سے اپنے عظیم الشان جدامجد کی روشن تاریخ کو زندہ کرتے ہوئے دارالعلوم کی فکر روشن کو صحیح خطوط پر باقی رکھنے کے لئے دارالعلوم وقف دیوبند کی تعلیمی مادی اور معنی ترقی ہی کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا، تاکہ ہندوستان میں احیائے سنت نبوی ﷺ اور اعلائے کلمۃ الحق کی جو عظیم الشان روش حضرت قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام الامام النانوتوی قائم کر گئے ہیں وہ اسی طرح پوری آب وتاب کے ساتھ مستقبل کی نسلوں میں بھی جاری وساری رہے، اور کافرانہ وملحدانہ روشن ہندوستانی مسلم معاشروں میں جڑ نہ پکڑے، اور مادیت زدہ ذہنوں سے اٹھنے والے نوع بنوع فتنوں کا سدباب قرآن وحدیث کی روشنی میں کیا جا سکے، اور ایسے افراد مسلسل پیدا ہوتے رہیں جن کے اندر احساس زیاں بھی ہو، اور عشق بھی اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے مر مٹنے کا عظیم الشان جذبہ بھی ہو۔

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
ایک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

اوران تمام کاوشوں کا اجر ہر حال میں اللہ سے مطلوب ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

﴿إن الله اشترى من المومنين انفسهم وأموالهم بأن لهم الجنة﴾ (سورة التوبة:۱۱۱)

مجلس ۶: قاسمی ہو جاؤ بھوکے ننگے نہ رہو گے

حضرت خطیب الاسلام نے فرمایا: یہاں یہ بات یاد آئی کہ حضرت مولانا عبد العلی صاحب میرٹھی جو بانی دارالعلوم حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور خود ان کے تلامذہ کا ایک وسیع حلقہ تھا جس میں حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی اور حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی جیسے اکابر شامل تھے، ان کا یہ مقولہ شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی نقل فرمایا کرتے تھے کہ ''قاسمی ہو جاؤ بھوکے ننگے نہ رہو گے۔''

مجلس ۷: حکیم الاسلام اور باطل تحریکوں کا مقابلہ

حضرت خطیب الاسلام نے ایک مجلس میں فرمایا: اسلام کے عائلی قوانین کا مسئلہ ہو یا پرسنل لاء میں ترمیم کا منصوبہ ہو دینی مکاتب و مدارس کی آزادی سلب کرنے کی اسکیم ہو یا ارتداد اور شدھی تحریک ہو، فتنۂ قادیانیت کا واویلا ہو یا دینی تشخص اور ملی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والی گھناؤنی سازشیں ہوں ہر محاذ پر قطب وقت حکیم الاسلام پیش پیش نظر آئے اپنی حق گوئی اور ثابت قدمی سے وقت اور بخت کے چیلنجوں کا مقابلہ کیا، اسلاف واکابر کی صداقت اور عزیمت کبری کو زندہ و تابندہ کیا۔

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گل چیں بہارِ توز داماں گلہ دارد

مجلس ۸: بموقعہ حضرت خطیب الاسلام کی تشریف آوری نانوتہ میں

حضرت خطیب الاسلام نے ایک مجلس میں فرمایا: حضرت حجۃ الاسلام کی عربی سوانح کے اجراء کے موقع پر فرمایا: ''بہت وقیع کام ہو گیا، حضرت نانوتوی کا ان کے خاندان والوں اور پوری جماعت دیوبند پر یہ قرض تھا جس کو اویس سلمہ اللہ کے ذریعہ ادا کرایا گیا، حق تعالی شانہ اس کے نفع کو عام و تام فرمادے اوران کی عمر واقبال میں برکت عطا فرما کر اس کتاب کو مقبولیت عامہ اور قبولیت تامہ عطا فرمادے۔

مجلس ۹: زندگی مجاہدانہ گذرے گی

حضرت خطیب الاسلام تقریباً ۲۰ سال قبل نانوتہ تشریف لائے، حضرت کا قیام اپنی خالہ زاد بہن یعنی میری اپنے نانی اماں کے یہاں تھا، سب افراد خانہ موجود تھے اور حضرت سے مختلف موضوعات پر مذاکرہ ہو رہا تھا، مجلس پر اس وقت ظریفانہ رنگ غالب تھا، محفل گل گلزار تھی، قصہ گوئی اور انداز گفتگو کی میں حضرت رحمۃ اللہ کو کمال حاصل تھا کہ مجلس جتنی چاہے طویل ہو جائے سننے والا یہی خواہش لے کر اٹھتا تھا کہ کاش یہ محفل کبھی ختم ہی نہ ہوتی، کیونکہ اس مجلس میں علمی، ادبی، دعوتی اور اصلاحی واقعات و تجربات کا ذکر ہونے کے ساتھ ساتھ، علمی مسائل اور قومی اہمیت رکھنے والے موضوعات پر دلچسپ مذاکرہ ہوتا تھا، حضرت خطیب الاسلام کی میری نانی اماں جو حضرت کی خالہ زاد تھیں، قصہ گوئی اور گفتگو کی شیرنی میں اپنی مثال آپ تھیں، اور کسی بھی واقعہ کو بہت دلچسپ انداز میں بیان کرتی تھیں، اپنے خاندانی واقعات ان کو بہت یاد تھے، ان واقعات کو سناتے ہوئے کبھی الفاظ بھی الگ نہیں ہوتے تھے، اور ایک ہی واقعہ کو بڑے سبق آموز انداز میں سناتیں، کبھی بھی ان واقعات کو سننے میں ملل اور اکتاہٹ نہیں ہوتی تھی، حالانکہ وہ ایک واقعہ کئی کئی مرتبہ سناتی تھیں، بہرحال محفل میں اس وقت حضرت اپنے مزاج کے مطابق علمی واقعات اور ادبی لطائف بیان کر رہے تھے اور سب گھر والے ان کو سن کر محظوظ ہو رہے تھے، اسی درمیان نانی اماں نے میری والدہ کے ایک عجیب وغریب خواب کی تعبیر معلوم کی کہ ابھی اس نے یہ خواب دیکھا کہ جیسے یہ خود ہے اور اس کے ساتھ اس کے والد ہیں اور اس کے شوہر ہیں اور یہ سب ایک بلند ٹیلہ پر کھڑے ہیں اور ٹیلہ کے آگے ایک بہت بڑا دریا ہے جو تا حد نظر ہے اور ان کے پاس ایک گھوڑا ہے، جیسے یہ تینوں اس دریا کو عبور کرنا چاہتے ہیں، اتنے میں ایسا محسوس ہوا کہ پیچھے سے بلوائی آ رہے ہیں، اب یہ سوچ رہی ہے اب ہم کیا کریں پیچھے دشمن بلوائیوں کی شکل میں اور آگے دریا، ہم تو بری طرح پھنس گئے، اتنے میں یہ دیکھتی ہے کہ دریا سے ایک نور تیرتا ہوا ہماری طرف آ رہا ہے جب وہ قریب آ گیا تو اس نور میں سے ایک انتہائی حسین وجمیل شخص نمودار ہوئے کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، غرض یہ کہ آپ ٹیلہ پر تشریف لائے اور آپ نے اس گھوڑے کی پشت پر ہاتھ پھیرا تو وہ گھوڑا جو کسی طرح اپنی پیٹھ پر نہیں بٹھا رہا تھا ہاتھ پھیرنے کے بعد اس پر یہ اور اس کے شوہر سوار ہو گئے اور اس نے اپنی پیٹھ پر ان کو بٹھا کر ایک

چھلانگ لگائی کہ ایک ہی چھلانگ میں دریا کے اس پار تھے، یہ خواب دیکھا اور نانی اماں نے فرمایا کہ یہ تو نماز کی یعنی کثرت نوافل وغیرہ کا کوئی خاص اہتمام نہیں کرتی، مگر اس کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارتیں بہت ہوتی ہیں، حضرت نے اس خواب کی تعبیر دی کہ: ماشاءاللہ بچی کے دل کا راستہ بہت صاف ہے، اس لئے کثرت زیارات ہیں اور زندگی انجام کار کے اعتبار سے بڑی خیر لئے ہوئے ہوگی، مگر چونکہ گھوڑا دیکھا ہے تو اس لئے مجاہدانہ اور بڑے مجاہدہ کی زندگی گذرے گی، کیونکہ گھوڑا علامت جہاد ہے، ہاں انجام کار بہت اچھا اور اپنے اندر خیر لئے ہوئے ہوگا۔ان شاءاللہ (اس خواب کا تذکرہ آگے کتاب میں بھی کیا گیا ہے)

مجلس ۱۰۱: اور صدیقی لڑکا عدالت سے باعزت بری ہوگیا

اس مجلس میں حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ نے انتہائی دلچسپ واقعہ بیان کیا، جس میں حضرت نانوتوی، حضرت مولانا یعقوب نانوتوی رحمہما اللہ کی جلالت شان کا ذکر ہے۔ اور خاندان صدیقی نانوتہ کے افراد کی جرأت وغیرت ایمانی کا بھی اندازہ ہوتا ہے اور خاندان کے افراد کے تئیں حضرت کا تعلق بھی واضح ہوتا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں: نانوتہ میں ایک مجلس ہورہی تھی شیعوں کی، وہاں شیعہ بھی کافی تھے تو اس مجلس میں شیعہ لوگ سیدنا حضرت فاروق اعظمؓ کا اور سیدنا حضرت صدیق اکبرؓ کا نام لے کر بڑی گستاخی اور بدتمیزی کررہے تھے اور نانوتہ میں صدیقی خاندان بہت زیادہ ہے ہم لوگ بھی وہیں کے ہیں نانوتہ اصل وطن ہے ہمارا۔

تو وہاں ان کی مجلس ہورہی تھی اور سیدنا صدیق اکبرؓ کا نام لے کر وہ شیعہ گالیاں بک رہا تھا۔

تو ایک نوجوان وہاں سے گزر رہا تھا اس زمانہ میں سب کے پاس تلواریں رہتی تھیں اس کے پاس بھی تلوار تھی اور وہ نوجوان خود بھی صدیقی تھا اور جوان تھا اور طاقتور تھا اس کے کان میں یہ گالیاں پڑیں تو اس نوجوان سے برداشت نہ ہوسکا وہ فوراً اِس مجمع میں گھس گیا اور تلوار سے اِس شیعہ کی گردن اُڑادی۔ پہلے ہی وار میں قصہ تمام ہوگیا سینکڑوں کے مجمع میں گردن اُڑادی بس ایک ہنگامہ مچ گیا اور سب لوگ ایک دم ڈر کر بھاگ گئے، اس لئے کہ سب کو خطرہ ہوگیا چونکہ سب کے سامنے قتل ہوا تھا ایک شور ہوگیا۔

مگر بہرحال سب کے سامنے واقعہ ہوا تھا فوراً تھانہ پولیس ہوا اور کاروائی آگے بڑھ گئی اور مقدمہ

قائم کر دیا گیا اور یہ اتنا کھلا کیس ہوا تھا کہ سینکڑوں آدمی اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے سب شیعوں کو کھلا یقین تھا کہ فیصلہ ہمارے حق میں ہوگا اور اس صدیقی نوجوان کو پھانسی ہوگی۔ اور یہ لڑکا جس خاندان کا تھا وہ تین بھائی تھے ان تین میں دو بھائی لاولد تھے اور ایک بھائی کے یہ ایک ہی بیٹا تھا۔ گویا پورے خاندان کی بقا اسی لڑکے کے اوپر تھی اور خاندان بہت بڑا تھا اور باوقار تھا اور پُر اثر تھا، اب سُنیوں میں اور خاندان کے لوگوں میں اس کی جان بچانے کی فکر سوار ہوگئی کہ کیسے بھی اس لڑکے کی جان بچاؤ اور چونکہ یہ کھلا کیس تھا تو شیعوں کو یقین تھا کہ اس کی جان بخشی کا سوال پیدا نہیں ہوتا اور سُنی اپنی کوشش کر رہے تھے کہ اس کی جان بچ جائے، چاہے سزا ہی ہو جائے۔ پھر بعد میں چھڑا لیں گے مگر کوئی صورت بنتی نظر نہیں آ رہی تھی کیس عدالت میں چلتا رہا۔ شیعوں نے پیسہ بھی خوب خرچ کر دیا اور سنیوں کو ایک مایوسی ہوئی کہ یہ اتنا کھلا کیس ہے کہ مشکل ہے جان بچ سکے لیکن بہر حال اپنی اپنی کوششیں جاری تھیں۔

تو حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند جو میرے پر دادا ہوتے ہیں، اپنے وقت کے اولیاء کاملین اور عارفین میں ہیں ان سے جا کر لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت ہم تدبیریں تو کر ہی رہے ہیں لیکن یہ تو آپ جیسے بزرگوں کا کام ہے کہ روحانی طور پر اس پر کچھ توجہ کریں کہ جس سے اس کی جان بچ جائے تو حضرت نے فرمایا کہ ترکیب تو میں بتا دیتا ہوں مگر کرنا تمہارا کام ہے۔

حضرت نانوتویؒ کی رہنمائی

حضرت نے فرمایا کہ تم لوگ دیوبند جاؤ مولانا یعقوب کے پاس دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے پڑھایا کرتے تھے اور ان سب کاموں کا تعلق اللہ کی طرف سے ان سے ہے اور بہت سے لوگ ملکر جانا اور جا کر یہ بات عرض کرنا دیکھو ان کے مزاج میں غصہ بہت ہے جب تم یہ کہو گے کہ اس کی جان بچا دو تو وہ ایکدم غصہ ہو جائیں گے مگر تم لوگ غصہ کو برداشت کر لینا اور کہنا کہ حضرت آپ کتنا ہی مار لو مگر اس کی جان بچا دو۔ اب چونکہ بزرگوں کا اعتقاد اور اعتماد تھا یہ پچاس ساٹھ آدمی بیل گاڑیوں میں سوار ہو کر دیوبند پہنچ گئے اُس وقت حضرت چھتہ کی مسجد میں تشریف رکھتے تھے، دارالعلوم کی ابتداء اسی مسجد سے ہوئی ہے۔ ان لوگوں میں حضرت کے رشتہ دار اور اعزہ اقرباء بھی تھے نانوتہ کے ذی اثر لوگ بھی تھے، پہنچ گئے تو حضرت سے ملاقات کی حضرت بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد دو تین بڑے

بڑے آدمی آگے بڑھے کہ حضرت ہم لوگ اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ آپ کو معلوم ہے کہ اس نوجوان سے شیعہ کا قتل ہوگیا ہے اور آپ کو معلوم ہے کہ یہ کتنی اہم ضرورت ہے اور اس کا تو بچانا بہت ضروری ہے اب آپ جیسے حضرات ہی بچائیں اور آپ ہی کچھ تدبیر کریں گے۔ بس اتنا سننا تھا کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ ایک دم خفا ہوگئے اور کہا کہ واہ یہ لوگوں کی جانیں لیا کریں اور ہم بچاتے پھرا کریں، جاؤ یہاں سے دفع ہو جاؤ بہت ڈانٹ ڈپٹ کی مگر وہ لوگ مانے ہی نہیں یہاں تک کہ حضرت نے لاٹھی اُٹھالی اور ایک اس کے مارا اور کہا کہ جاؤ نکل جاؤ یہاں سے بہت خفا ہوئے مگر لوگوں نے کہا کہ حضرت چاہے آپ ہمارے سر پھوڑ دیں لیکن یہ کام تو حضرت کرنا ہی پڑے گا وہ تو سب وہاں سے تربیت حاصل کر کے آئے تھے۔ خیر تھوڑی دیر غصہ کیا اور مار پیٹ بھی کی پھر اس کے بعد ٹھنڈے ہوگئے۔

اگلے جمعہ کو تم لوگ سہارنپور آجانا

فرمایا کہ اچھا جاؤ اگلے جمعہ کو تم لوگ سہارنپور آجانا وہاں ایک مسجد ہے ابو نبی کی مسجد کہلاتی ہے پرانی دور کی مسجد ہے اس کے برابر ایک مکان ہے ''وہ ٹوٹا ہوا پڑا تھا ایک پرانی سی کوٹھری تھی اس میں باقی سب دیواریں ٹوٹی پھوٹی پڑی تھیں کوئی رہتا تو تھا نہیں ایسے ہی بیکار پڑا تھا'' اس مکان کے مالک کا پتہ لگاؤ کہ کون مالک ہے اور اس کے مالک کو ایک دن کا کرایہ دے کر ایک دن کے لئے وہ مکان کرایہ پر لے لو جبکہ اس زمانہ میں کچھ کرایہ کا زیادہ رواج بھی نہیں تھا ویسے بھی ملجایا کرتے تھے مکانات وہ مکان لے لو جمعہ کے روز ہم بھی آئیں گے۔

چنانچہ یہ لوگ سہارنپور پہنچ گئے اور وہ مل گیا تو اس کے مالک نے کہا کہ صاحب یہ تو ایسے ہی پڑا ہوا ہے آپ استعمال کر لیجئے کہا کہ کرایہ دیں گے تو ایک دن کا کرایہ ایک آدھا دھلاّ دے کر مکان لے لیا یہ سب لوگ مکان صاف کر کے ٹھہر گئے اور مولانا بھی تشریف لے آئے۔

یہاں آنے کے بعد مولانا یعقوب صاحب نے فرمایا کہ دیکھو رامپور کی سڑک پر جاؤ اور دو میل چلنے کے بعد ایک درخت کے نیچے ایک فقیر بیٹھا ہوا ہے اور اس کے پاس ایک ٹٹو بھی ہوگا (گھوڑا) وہ ٹٹو پر بیٹھ کر بھیک مانگتا ہے اور سب کے ساتھ اُلٹی سیدھی باتیں کرتا رہتا ہے گالیاں بھی دیدیتا ہے سب کو بُرا بھلا کہتا رہتا ہے اس کو جا کر کہنا کہ تم کو اس نے بلایا ہے ہمارا نام لے دینا۔

چنانچہ یہ دو آدمی یہاں سے روانہ ہوئے اور دیکھا جا کر وہ بیٹھا ہے اور پاس ہی ٹٹو بندھا ہوا ہے انہوں نے سلام کیا تو اس نے سلام کے جواب میں بھی گالیاں دیں انہوں نے کہا کہ آپ کو مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے بُلایا ہے تو اس نے کہا کہ جی ہاں مولانا یعقوب صاحبؒ کوئی لاڈ صاحب ہیں انہوں نے حکم بھیج دیا اور ہم چلے جائیں کیا ہم بیکار پڑے ہوئے ہیں ہم فالتو ہیں اور اپنا ٹٹو کھولا اور ٹٹو پر بیٹھ کر ان لوگوں کو بُرا بھلا کہتا ہوا چلا آیا اور سارا راستہ طے کر کے وہاں پہنچے اور یہ بالکل ایسا جیسا پاگل ہوتا ہے، وہاں پہنچے تو مکان سے باہر ٹٹو کو باندھا، مولانا اندر تھے۔

وہاں جب یہ داخل ہوا تو جانے کے بعد اس کی کیفیت ایکدم بدل گئی اب جو مولانا سے اس نے کلام شروع کیا تو اس نے سلام کر کے مصافحہ کیا۔ بڑے ادب سے جیسے معلوم ہو کہ بہت بڑا عالم ہے حضرت کی مزاج پرسی کی اور اس کے بعد حضرت ان کو اس کوٹھری میں لے گئے اس میں پہلے سے بیٹھنے کا نظم تھا اور دروازہ بند کر دیا۔ پرانے کواڑ تھے نیچے سے کچھ بڑی بڑی دراڑیں تھیں تو یہ لوگ جو باہر بیٹھے تھے زمین پر لیٹ گئے کہ دیکھیں یہ اندر جا کر کیا کرتے ہیں تو مولانا محمد یعقوبؒ نے اس سے کہا کہ بھائی وہ قصہ ہو گیا ہے نانوتہ کے اندر شیعہ حضرت صدیق اکبرؓ کی شان میں گستاخی کر رہا تھا اس صدیقی لڑکے نے اس کو قتل کر دیا اور یہ لڑکا سُنی تھا، آپ اس کو چھوڑ دو۔

''یہ درحقیقت فقیر نہیں تھا بلکہ یہ وہی صاحب خدمت تھے''۔ تو اِس نے کہا کہ حضرت آپ یہ کیا فرمارہے ہیں کھلے عام اس نے قتل کیا اگر ایسے قاتلوں کو ہم نے چھوڑ دیا تو ایسے قاتلوں کی تو ہمتیں بڑھ جائیں گی تو آئے دن قتل ہوا کریں گے جس کا جہاں کسی سے اختلاف ہو گیا وہ فوراً گردن مار دیا کرے گا یہ تو نظام سارا خراب ہو جائے گا۔ حضرت نے فرمایا کہ نہیں نظام وظام کچھ خراب نہیں ہوگا جیسے ہم کہہ رہے ہیں تم کر دو۔

تو اِس فقیر نے کہا کہ حضرت یہ شرعاً جائز بھی ہے؟ بس اتنا سننا تھا کہ مولانا کو غصہ آ گیا کہا کہ تو جانتا ہے شریعت کو یا ہم جانتے ہیں کیا بدتمیزی ہے یہ کہہ کر جلال میں آ گئے برابر میں اینٹ پڑی ہوئی تھی اینٹ پر ہاتھ گیا اور کہا کہ اُلٹ دوں، بس یہ فقیر ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا اور کہا کہ حضرت نہیں نہیں ایسا نہ کیجئے گا اور میں نے چھوڑ دیا، میں نے چھوڑ دیا، میں نے چھوڑ دیا، بہت ڈرتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر ادب سے کہا کہ میں نے چھوڑ دیا۔ بس یہ بات ہوئی اور پھر حضرت سے اسی طریقہ سے ملا جیسے کوئی خادم ملا کرتا ہے، ملکر رخصت ہوا، سلام کیا، مصافحہ کیا اور باہر نکلتے ہی ٹٹو کھولا پھر وہی گالیاں شروع کر دیں اور لوگوں کو بُرا بھلا کہتا ہوا چلا گیا۔

ایک طرف یقین راسخ دوسری طرف مسرت کی لہر

باہر سینکڑوں لوگ انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے حضرت باہر تشریف لائے اور کہا کہ لو بھائی مبارک ہو کام ہوگیا اور لڑکا چھوٹ گیا۔ ابھی پندرہ دن فیصلہ کی تاریخ کو باقی تھے۔ اب چونکہ اِن لوگوں کو تو بزرگوں کی باتوں پر یقین بہت تھا لوگ بہت خوش ہوئے اور خوشی میں فوراً مٹھائی منگوائی گئی۔ خیر سب اپنے اپنے گھروں کو خوشی خوشی لوٹ گئے اور اب تاریخ کے انتظار کرنے لگے۔ تو شیعوں میں یہ خوشی کہ چونکہ کیس بالکل کھلا تھا اور فلاں دن فیصلہ ہوگا لہٰذا یقیناً پھانسی کا حکم ہوگا۔ اِن لوگوں نے کسی سے کچھ نہیں کہا یہ خاموش رہے اور اِن کے دلوں میں اس بات کا یقین راسخ تھا۔

چنانچہ جب وہ فیصلہ کا دن آیا انگریز مجسٹریٹ تھا تو صاحب ہزاروں آدمی عدالت پہنچے چونکہ یہ صدیقی خاندان بڑا تھا اور کیس بہت اہم تھا اور اثر رسوخ بہت زیادہ تھے اس خاندان کے تو ایک جم غفیر عدالت پہنچا اِدھر شیعہ بھی بھاری تعداد میں آئے۔ چاروں طرف سے عدالت کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔

چنانچہ انگریز مجسٹریٹ آیا اور اس نے ابتدائی تمہید سنانے کے بعد فیصلہ سنانا شروع کیا تو ایک صفحہ اِس نے مثل کا پڑھا تو اِس میں قانونی اعتبار سے اِس نے جو دلیلیں دیں تو کہا کہ اِس دلیل کے اعتبار سے بھی قاتل جو ہے اس کی گردن اُڑائی جاوے دوسری دلیل یہ ہے اس کی وجہ سے بھی قاتل پھانسی کا مستحق ہے تیسری دلیل یہ ہے اس وجہ سے بھی قاتل موت کی سزا کا مستحق ہے۔ پورے صفحہ کے اندر اس نے ۵، ۷ اِس نے بڑی مضبوط دلیلیں قائم کیں اور شیعہ انتہائی خوش ہیں دوسرا صفحہ پلٹا تو اِس میں بھی اِسی قسم کی اہم اہم دلیلیں اور دفعات قائم کیں۔

سزائے موت کا مستحق ہے لیکن؟

تیسرا صفحہ جب اِس نے کھولا تو وہاں سے شروع کیا لیکن......لیکن......لیکن......تین دفعہ کہنے کے بعد کہا کہ: انگریز حکومت چونکہ اِس ملک کے اندر جدید اور نئی ہے حکومت کے ابھی اثرات اور قدم پورے طور پر ملک میں جمے نہیں ہیں اور یہ مجرم لڑکا جس خاندان کا ہے وہ خاندان اپنے علاقہ میں نہیں بلکہ پورے ملک کے اندر با اثر ہے اس لئے اگر اس ایک کو پھانسی دیدی گئی تو خیال یہ ہے کہ اس کے نتیجہ میں جو فتنہ پھیلے گا تو شاید قتل وغارتگری کا وہ بازار گرم ہوگا اور حکومت اس پر کنٹرول نہیں کر پائے

گی اور سینکڑوں اور ہزاروں بلکہ لاکھوں آدمی موت کے گھاٹ اُتر جائیں گے اور یہ تفصیلات مجسٹریٹ نے بڑی وضاحت سے سنائی۔

ایک جان بچا کر ہزاروں جانیں بچانا ضروری ہے

اس لئے حکومت چونکہ فی الحال کمزور ہے لہٰذا ایک کی جان کو بخش کر ہزاروں اور لاکھوں آدمیوں کی جانوں کو بچانا ضروری اور اہم معلوم ہوتا ہے اس لئے اِس نوجوان کو ہندوستان کی عدالت عالیہ اپنے فرضِ منصبی کو پورا کرتے ہوئے باعزت بری کرنے کا اعلان کرتی ہے، لہٰذا ان کو عدالت سے باعزت بری کیا جاتا ہے۔ یہ فیصلہ منصف نے سنا دیا۔ اب شیعوں کا تو حال خراب ہوگیا اور سنیوں کے یہاں خوشی کی کوئی حد نہ رہی اور نعرے لگائے گئے اور بڑے اعزاز کے ساتھ لڑکے کو عدالت سے لائے۔

تو یہ واقعہ ہوا تو اصل میں نظام وہاں کا ہے انہوں نے پندرہ دن پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میں نے چھوڑ دیا اور یہ سارا نظام بعد میں سامنے آیا تو معلوم ہوا کہ اصل نظام کا تعلق درحقیقت اِس روحانی نظام سے ہے جو اللہ سے چل رہا ہے وہاں سے جیسے ہوتا ہے اُسی طرف انسانی قلوب کو مائل کر دیا جاتا۔

اَلْقُلُوْبُ بَيْنَ اِصْبَعِيَ الرَّحْمٰنِ انسانی قلوب اللہ کی دو انگلیوں کے درمیان ہیں جب چاہیں جب پلٹ دیں۔ تو درحقیقت روحانی نظام کے تحت سارا کام چلتا ہے کبھی کبھی بعض مرتبہ ظاہر بھی کر دیا جاتا ہے ورنہ ہمیں تو یہ نظام دنیا اور دنیا والوں کا ہی نظر آتا ہے۔ باقی نظام نظر نہیں آتا مگر سب ہوتا ہے وہیں سے۔ اصلاً وہاں سے ہوتا ہے اور دنیا میں اِن اسباب کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے یہ ہے درحقیقت بنیاد نظامِ عالم کی تو پورا نظام عالم منظّم کارخانہ کی صورت میں وہاں سے چلتا ہے وہ اللہ کا نظام ہے جو نہایت کامل اور مکمل ہے۔

مجلس ۱۱: فضلائے دارالعلوم اور معاشی موقف

س: فضلائے دارالعلوم وقف کے معاشی موقف پر بھی براہ کرم کچھ روشنی ڈالیے کیوں کہ اس کو بھی آج کے معاشی نقطۂ نظر سے ہدف تنقید واعتراض بنایا جاتا ہے؟

ج: پہلی بات تو یہ ہے کہ معاشی خوشحالی یا بدحالی کا تعلق کسی بھی قسم کی تعلیم سے قطعاً نہیں ہے، ورنہ جہلا میں تو معاشی اعتبار سے کوئی خوشحال نظر نہ آتا، جبکہ اس کے برعکس جہلاء میں بھی خوشحال افراد کی کمی نہیں۔

آج کی تعلیم کا مقصد فکر چونکہ معاش قرار دے دیا گیا ہے، اس لئے تعلیم کو معاش کا ذریعہ سمجھنے والے مدارس اسلامیہ کے فضلاء کو معاشی طور پر خالی ہاتھ اگر سمجھتے ہیں، تو وہ نا قابل معافی ہیں، کیونکہ وہ تعلیم کے اصل مقصد سے واقف ہی نہیں، اور نہ کسی دور کے معاشی نقطۂ فکر کا علم ہی رکھتے ہیں، مدارس اسلامیہ میں اپنی احکام وہدایات ربانی کے تحت فضلاء چونکہ ابتداء ہی سے مخلصانہ خدمت دین پر آخرت کی دائمی راحتوں کا ذریعہ ہونے کا یقین لیے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے معاش کے بارے میں اس عقیدے کے تحت کہ رزاق مطلق صرف اللہ رب العزت ہیں، وہ خدمت دین کے ذریعہ حاصل ہو جانے والے بقدر کفاف وسیلۂ معاش پر الحمدللہ پورے طور پر مطمئن رہتے ہیں، کیونکہ عیش و آرام سے بھرپور زندگی کے نہ عادی ہوتے ہیں اور نہ طلبگار، اس لئے الحمدللہ یہ ملک باعزت وامن پسند فضلائے مدارس اسلامیہ حکومت پر تعلیمی بوجھ بنتے ہیں اور نہ مطالبہ معاش پر ہنگامہ بردار ہوتے ہیں۔''[1]

حضرت خطیب الاسلام کی مسلسل منعقد ہونے والی چند اہم مجالس کو بطور نمونہ نقل کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے، علمی مجالس کا یہ سلسلہ تقریبا ۲۸ سال جاری رہا، دوران قیام دیوبند یہ علمی مجالس کا سلسلہ بعد نماز عصر ''آستانۂ قاسمی'' میں ہوتا تھا، اور تشنگان علوم نبوت حضرت کے چشمۂ بافیض سے سیراب ہوتے تھے، حضرت کی کچھ علمی مجالس کو مولانا یامین صاحب نے شائع بھی کیا ہے، جو ادارہ دارالاشاعت حیدرآباد سے شائع ہو کر منظر عام پر آ چکی ہیں، مزید استفادہ کے لئے ان سے رجوع کریں۔

[1] مجالس خطیب الاسلام، ص ۸۰

حضرت خطیب الاسلام کی خطابت

حضرت انسان کو حق تعالیٰ شانہ نے اپنے مانی الضمیر کو اداء کرنے کے لئے دو ذریعہ عطا فرمائے ہیں جن سے انسان اپنے مانی الضمیر ، اپنے جذبات وخیالات اور اپنی ان کیفیات کا اظہار کرتا ہے، جو انسان کے دل میں مختلف حالات و مقامات کو دیکھ کر پیدا ہوتی ہیں۔ انہی اندرونی جذبات و احساسات کی اگر زبان ترجمانی کرتی ہے تو اس کو ہم تقریر کہتے ہیں اور انہی جذبات کی بذریعہ قلم اگر ترجمانی ہو تو اس کو ہم تحریر کہتے ہیں۔

جتنا جتنا انسان اپنے مانی الضمیر کو مؤثر انداز میں پیش کرنے لگتا ہے اسی قدر اس کا کلام مؤثر، اس کی گفتگو اثر انداز اور اس کی تقریر میں قوت تاثیر پیدا ہوتی چلی جاتی ہے اور جب انسان کیف ما اتفق اور غیر مربوط کلام کرتا ہے تو اس کی بات قابل اعتبار ہونے کے بجائے عدم اکتراث کا شکار ہو کر ھباء منثورا ہو جاتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ انسانی شخصیت کا ایک عظیم جوہر حسن کلام اور عمدہ گفتگو کرنا ہے، اگر کسی کو گفتگو کرنے کا سلیقہ ہے اور اس کے پاس حسن کلام ہے تو ایسا شخص مشکل ترین مراحل میں دشوار گذار گھاٹیوں سے بآسانی گذر جاتا ہے اور اگر اس کے پاس حسن کلام نہیں تو حل شدہ مسائل بھی پیچیدگی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

حسن کلام وحسن تعبیر کی وجہ سے ایک مکمل فن ''فن خطابت'' معرض وجود میں آیا، اور اس پر باقاعدہ محنتیں ہوئیں اور لوگوں نے اس کو بحیثیت فن سیکھا، چنانچہ اس فن کی زمانۂ جاہلیت سے ہی بڑی اہمیت رہی ہے، حضرت مولانا سید رابع حسنی دامت برکاتہم ناظم اعلیٰ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اپنی کتاب ''جزیرۃ العرب'' میں خطابت کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:

''عربوں کے عہد جاہلی کے ادب میں شاعری کے بعد دوسری نمایاں قسم خطابت تھی، جو عام طور پر مجمع کو متاثر کرنے کے لئے یا سفارت پر بھیجے جانے والے افراد کے لئے تھی اور اس کا استعمال عموماً افراد قبیلہ کو جنگ پر آمادہ کرنے کے لئے یا دوسرے قبائل میں اپنے قبائل کی

عظمت ظاہر وثابت کرنے کے لئے تھا، اسی لئے عام طور پر ہر قبیلہ میں ایک شاعر کے ساتھ ایک خطیب بھی ہوتا تھا۔"[1]

عہد جاہلیت کے مشہور خطیبوں میں عمرو بن معدیکرب، قس بن ساعدہ الأیادی قابل ذکر ہیں۔ عصر اسلامی میں جن مشہور خطباء کے نام ملتے ہیں ان میں عمران بن حیطان، صالح بن مسرح، عبداللہ بن حنظلہ، عمرو بن سعید بن العاص عمر بن عبدالعزیز، حجاج بن یوسف، زیاد بن امیہ وغیرہ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔

اس طرح ہر زمانے میں خطیب پیدا ہوتے رہے، پھر اس میں مختلف اقسام کے خطیب ہوتے، کوئی سیاسی انداز کا خطیب ہوتا، کسی کی خطابت میں انقلابیت ہوتی، کسی کے یہاں موعظت کا رنگ غالب ہوتا، کوئی عوامی خطبابت کرتا۔

اہل عرب اس فن میں بڑی مہارت رکھتے تھے، اسی طرح ہر زبان کے اپنے اپنے خطیب ہوتے ہیں، اردو زبان میں بھی بڑے بڑے خطباء گذرے ہیں، جنہوں نے اپنی خطابت سے لاکھوں لوگوں کے دل تبدیل کر دیئے، چنانچہ مشہور خطباء میں جن کا نام سرفہرست آتا ہے وہ شاہ اسماعیل شہیدؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ، حضرت تھانویؒ، علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا ابوالکلام آزاد، حضرت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب، حضرت شاہ عطاء اللہ بخاریؒ حضرت مولانا ابوالوفاء شاہ جہاں پوریؒ اور حضرت خطیب الاسلام، مولانا محمد سالم قاسی اور متکلم اسلام حضرت مولانا محمد اسلم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم کے نام بہت نمایاں ہیں۔

خطابت کے فن کو بہت سے حضرات بحیثیت فن سیکھتے ہیں، مگر بعض حضرات ایسے ہیں جن کو حق تعالیٰ شانہ بطور خاص خاندانی طور پر عطا فرماتا ہے، حضرت خطیب الاسلام کا خانوادہ بھی برصغیر ہند و پاک میں ایک ایسا خانوادہ ہے جس کو خطابت کا فن نسل درنسل خاندانی طور پر بطور خاص خداداد عطا ہوا۔

حضرت حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ جن کے متعلق ان کے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ:

"حق تعالی اپنے بندوں جو اصطلاحی عالم نہیں ہوتے ایک لسان عطا فرماتے ہیں، چنانچہ حضرت شمس تبریز کو مولانا رومی لسان عطا ہوئے تھے، جنہوں نے حضرت شمس تبریزی کے علوم کو

---

[1] الجزیرۃ العرب، از: حضرت مولانا سید رابع حسنی ندوی

کھول کھول کر بیان فرمادیا۔اسی طرح مجھے مولوی قاسم صاحب بحیثیت لسان عطا ہوئے ہیں [۱]
حضرت حاجی صاحب نے اپنے مرید خاص کو ''لسان'' سے تعبیر فرمایا۔

''حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ اپنے استاذ حجۃ الاسلام کے درس کے متعلق فرماتے تھے کہ: ''جب استاذ رحمۃ اللہ (حضرت نانوتویؒ) سے کوئی بات پوچھی جاتی تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ اس مسئلے کے تمام دلائل اک دم ہاتھ جوڑے ہوئے حضرت کے سامنے آ کھڑے ہوئے ہیں'' [۲]

اسی طرح خانوادۂ قاسمی کی ایک اہم شخصیت میدان خطابت میں حضرت حکیم الاسلام کی تھی جو اپنا منفرد مقام رکھتی تھی اور علوم قاسمی اور فکر ولی اللہی کی مکمل ترجمان تھی، حضرت نے اپنی خطابت کے ذریعہ جدِ امجد کے لگائے ہوئے باغیچہ کے پھولوں کی خوشبوؤں سے پورے عالم کو معطر کر دیا اور پوری دنیا کے لوگوں کو مشائخ دیوبند کی خدمات کا معترف بنا دیا۔آپ کی خطابت کے متعلق میرے استاذ محترم حضرت مولانا نور عالم خلیل صاحب دامت برکاتہم اپنی کتاب ''پس مرگ زندہ'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''وہ جس موضوع کو بھی چھیڑتے اس پر بھرپور طریقے سے بولتے تھے اور وضاحت دلائل، ردوقدح ہر شبہے کے ازالے کے ساتھ متعلقہ سارے گوشوں کا احاطہ اوران سے متعلق وہ ساری جان کاریاں ضرور دیتے، جن کے متعلق وہ یہ محسوس کرتے کہ سامعین کے لئے یہ ضروری اور انتہائی مفید مطلب ہیں۔اپنے وسیع تجربے اور انسانی معاشروں کے مسائل سے اپنی گہری اور بصیرت افروز معلومات کی وجہ سے وہ سامعین کے دامن جستجو کو مالا مال کر دیتے تھے'' [۳]

وہ جس نے آخری دم تک خطابت کی آبیاری کی
جسے کہتے تھے ہم محزوں فنا ہو کر بھی زندہ ہے

حضرت خطیب الاسلام کی تقریر ایک مرتبہ سن لی تو وہ یہی کہتا ہوا اٹھا کہ ان جیسا خطیب نہیں دیکھا، اور ہر سننے والے کو یہ محسوس ہوا کہ یہی باتیں تو ہمارے دل کی آواز ہیں، یہی وجہ ہے کہ وہ دریا کی روانی کی طرح کئی کئی گھنٹے لگا تار بولتے چلے جاتے اور سامعین بھی سنتے رہتے۔

---

[۱] قصص الاکابر، ص:۷۵: امداد المشتاق، ص:۱۶
[۲] سوانح قاسمی جلد اول، ۳۴۳
[۳] پس مرگ زندہ۔ص ۱۵۳

حضرت حکیم الاسلام کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت خطیب الاسلام تقریبا سات دہائیوں تک مسلسل ہندوستان اور غیر ممالک میں علم کے اور رشد وہدایت کے موتی بکھیرتے رہے۔آپ کا انداز خطابت اس قدر جامع ،مربوط ،مبسوط ،حشو وزوائد سے پاک ،علم وآگہی اور افکار ومعانی کا مرصع ہوتا ،جس میں حمد وثنا کے بعد تمہید بھی ہوتی ،موضوع کا تعین بھی ہوتا ،اس موضوع کی چہار پہلوؤں کی تفصیلات بھی ہوتیں ،اس موضوع سے متعلق نقلی دلائل اور عقلی شواہد بھی ہوتے ، پھر اس موضوع سے متعلق قرآنی آیات ، پھر بنیادی آیت جو خطبہ میں تلاوت کی گئی اس کا دیگر آیات قرآنیہ سے استشہاد اور تائید بھی ہوتی ،مزید برآں اس موضوع کی سیرت طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تائید بھی ہوتی ۔صحابہ کرام اور اولیاء اللہ کے واقعات سے تذکیر بھی ہوتی ،موضوع سے متعلق ملل اور اکتاہٹ دور کرنے کے لئے دلچسپ لطائف علمیہ وادبیہ بھی ہوتے ۔''از دل خیزد بر دل ریزد'' کی کیفیات بھی ہوتیں ، اشعار کا برمحل استعمال بھی ہوتا ،سامعین کے ذہن میں موضوع سے متعلق پیدا ہونے والے شبہات کے مفصل و قیع جوابات بھی ہوتے ،اس موضوع کی افادیت کا بیان بھی ہوتا ،موجودہ حالات و ظروف سے موضوع کی مطابقت بھی ہوتی ،تاریخی وعلمی شواہد بھی ہوتے ،ایجاز واطناب کے مابین بیان میں اعتدال بھی ہوتا۔الفاظ ومعانی میں تطابق ،توافق اور ہم آہنگی بھی ہوتی ، پھر اس موضوع کی چہار جوانب کو سمیٹ کر خلاصۃ القول کے طور پر چند جملوں میں مختصراً ماحصل اور خلاصہ پیش کرنا اس کے بعد اختتامی کلمات کے ذریعہ حاضرین مجلس اور ذمہ داران اور پروگرام منعقد کرانے والوں کی حوصلہ افزائی فرماتے: حضرت خطیب الاسلام جب تقریر فرماتے تو روانی ،تسلسل اور سلاست اس قدر ہوتی ایسا محسوس ہوتا کہ علم ومعرفت کا ایک دریا ہے جو انتہائی پرسکون انداز میں بہہ رہا ہے جس میں پر جوش تو ہے مگر طغیانیت نہیں ، بقول شخصے:

تیرے تفکر میں قرن اول کی عظمتوں کا نشان ملے گا
تیری خطابت میں عبرتوں کا تصور جاوداں ملے گا

مولانا شکیب قاسمی حضرت خطیب الاسلام کے انداز خطابت کو بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''آپ کے عالمانہ وحکیمانہ خطابت کا شہرہ عہد شباب ہی میں ملک کی سرحدیں پار کر کے بیرونی ممالک میں پہنچ چکا تھا۔علم میں گہرائی ،فکر میں گہرائی ،مطالعہ میں وسعت کی وجہ سے زبان سے

نکلا ہوا ہر جملہ فکر وبصیرت سے منور حکمت وفلسفہ کے رنگ میں کتاب وسنت کی بے مثال تشریح و تفہیم کا ملکہ، تہ در تہ موتیوں کی تلاش آپ کا خاص ہنر ہے۔ آپ اسٹیج پر موجود ہوں تو سامعین کو اس بات کا یقین اور اعتماد ہوتا ہے کہ اب علم وفن کے چشمے چھوٹیں گے۔''

ہیں اور بھی دنیا میں سخنور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

مفتی عبدالمنان صاحب قاسمی حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ کے انتقال کے بعد لکھے گئے اپنے ایک مضمون میں حضرت کی خطابت کی خصوصیات کو واضح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''یوں تو حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ کی شخصیت کا ہر پہلو ایسا ہے کہ اس پر دفتر کے دفتر سیاہ کردئے جائیں تو بھی کم ہیں اور ان کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر ارباب علم و دانش اور اصحاب قلم لکھ رہے ہیں اور لکھتے رہیں گے، ان شاء اللہ، لیکن اس وقت راقم السطور ان کی زندگی کا ایک خاص وصف جس سے آپ کی شخصیت متصف تھی، اور جو آپ کی پہچان بن چکا تھا اس کا تذکرہ کرنے کی کوشش ہے، اور وہ ہے تقریر وخطابت، اسی وجہ سے آپ علیہ الرحمہ خطیب الاسلام کے لقب خاص سے ملقب کئے گئے، اور یہ وصف ایسا ہوگیا کہ آپ کی پہچان بن گیا، نہ صرف برصغیر وایشیاء میں، بلکہ عالم اسلام کے کونے کونے اور گوشے گوشے میں آپ اس لقب سے جانے جانے لگے۔''

مزید لکھتے ہیں

''خطابت ایک ایسا فن ہے جس میں سحر آفرینی اور جادو بیانی ہے، یہی وہ فن ہے جس کے ذریعے دلوں کو موہ لیا جاتا ہے۔ جذبات واحساسات کو بیدار کیا جاتا ہے، سویا ضمیر جاگ اٹھتا ہے، پژمردہ قلوب میں تازگی پیدا ہوجاتی ہے، فکر ونظر میں بالیدگی آجاتی ہے، سوچنے اور سمجھنے کا انداز بدل جاتا ہے، کھوئی ہوئی شان وشوکت حاصل کرنے کی چاہ دل میں پیدا ہوجاتی ہے، تقریر وخطابت قوموں کی شکست وریخت کا ذریعہ بھی بنتی ہے، بادشاہوں کی بادشاہی کی بقاء اور استحکام میں اہم رول اور کردار ادا کرتی ہے، انبیاء علیہم السلام کو بھی دعوت دین پہنچانے میں تقریر وخطابت کی ضرورت ہوتی ہے، یہی وجہ تھی کہ تمام انبیاء ومرسلین اپنے وقت کے سب

[1] احیات طیب

سے بڑے خطیب بھی ہوا کرتے تھے، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مجھے جوامع الکلم عطا کیے گئے، اور تقریر وخطاب اور زبان وبیان میں شفافیت وجامعیت عطا کی گئی، یعنی کم الفاظ میں اپنے مافی الضیر کو اداء کرنے کا سلیقہ عطا فرمایا گیا، اور پھر صحابہ کرام نے مختلف مواقع پر فرمایا کہ جب بھی کوئی اہم معاملہ درپیش آیا تو ''قام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فینا خطیباً'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً منبر پر تشریف لاکر ہمیں خطاب کرتے''۔

آگے لکھتے ہیں:

حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ کو تقریر وخطابت سے شغف اپنے عہد طفولیت ہی سے تھا، بہت سے جلسے اور پروگراموں میں اپنے والد بزرگوار کے ساتھ شریک ہوتے اور خطابت کی گل افشانی فرماتے، حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ دور حاضر کے انداز خطابت اور اسلوب تقریر سے نہ صرف واقف تھے، بلکہ آپ کو دیکھ کر انداز واسلوب اخذ کیے جاتے تھے، یعنی آپ انداز گر تھے، نہایت ہی پر کیف پرسکون اور پروقار لب ولہجہ جذبات واحساسات کو اپیل کرنے والا انداز، قلب وجگر کو چھو جانے والا اسلوب، ہر ایک کو اپنا گرویدہ اور ہر ایک کی دل جیتنے والی رفتار تکلم، آپ کی خطابت ایک ایسا سماں باندھ دیتی تھی کہ چاروں طرف سناٹہ چھا جاتا تھا، نگاہیں آپ کی طرف اٹھی رہتی تھیں، کان متوجہ اور دل ودماغ حاضر رہتے تھے، جیسے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں۔''[۲]

حضرت خطیب الاسلام کے متعلق مفسر قرآن حضرت مولانا سید اخلاق حسین قاسمی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

''اس ناچیز نے یہ دیکھا کہ مولانا محمد سالم صاحب زید مجدہم کی طویل تقریریں اسی علمی زبان میں عوام وخواص دونوں طبقے بڑی توجہ کے ساتھ سنتے ہیں اور کسی قسم کی اکتاہٹ محسوس نہیں کرتے، مولانا محمد سالم مدظلہ نہ صرف دارالعلوم دیوبند کے ایک مایہ ناز عالم، فقیہ اور مفسر ہیں بلکہ خانوادۂ قاسمی (علم ونسب دونوں کے لحاظ سے) کے ایک کامیاب ترجمان وشارح کی حیثیت بھی رکھتے ہیں اور موصوف کے اندر ان کے والد محترم کی تربیت نے اپنا پورا کام کیا اور

---

[۱] ایک تاثراتی مضمون بر وفات حضرت خطیب الاسلام، از عبدالمنان صاحب

اپنی پوری قوت کا مظاہرہ کیا ہے، کیونکہ قدرت کا یہ فیصلہ معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ دور قحط الرجال میں مولانا موصوف قاسمی سلسلہ کے آخری یادگار کے طور پر پہچانے جائیں۔''[۱]

مولانا مزید تحریر فرماتے ہیں:

''انسانی عظمت کی اسلامی بنیادوں'' کے عنوان کے تحت مولانا خطیب الاسلام نے اسلام کی بین الاقوامی قدروں کا تعارف کراتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعاء کی طرف اشارہ کیا ہے جو دراصل دعاء کے مؤثر پیرائے میں توحید، نبوت اور انسانی اخوت کے تینوں بنیادی اصولوں کا اعلان کیا ہے۔''**اللهم اشهد ان الناس كلهم اخوة**''

اے خدا! میں شہادت دیتا ہوں کہ تو واحد ہے اور شہادت دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے بندے اور رسول ہیں اور شہادت دیتا ہوں کہ تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

اسلام کی بین الاقوامی قدروں کی تشریح وتعبیر میں افراط وتفریط نے جگہ پائی ہے، مولانا نے دونوں انتہاؤں سے بچ کر اعتدال وتوسط کی راہ اختیار کی ہے۔

بہرحال مولانا موصوف کے تمام خطبات وتقاریر اس قابل ہیں کہ اہل علم انہیں توجہ سے پڑھیں، سرسری مطالعہ سے کام نہ لیں، تلاوت کی نیت نہ کریں کہ ایک بزرگ زادے اور بزرگ کا کلام ہے۔ چلو ایک نظر ڈال لیں اجر وثواب حاصل ہوگا''۔[۲]

حضرت خطیب الاسلام کے خطبات کے متعلق حضرت فقیہ الاسلام مفتی مظفر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۳ جمادی الاول ۱۴۲۴ھ ۲۴ جولائی ۲۰۰۳ء) جانشین حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحب ناظم اعلیٰ مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت الحاج مولانا محمد سالم صاحب زید مجدہ، مہتمم وقف دارالعلوم دیوبند اپنی گوناگوں فضیلت مآبیوں کے باعث مستغنی عن التوصیف والتعارف ہیں۔ ان کے فضل وکمال اور تقریر وخطابت کے منتہائے عروج کے بارے میں کچھ عرض کرنا ''آفتاب آمد دلیل آفتاب'' کا مصداق ہے، علوم کے استحضار کے ساتھ آپ اپنی خطابت میں کسی بھی موضوع کو اس کے مالہ وماعلیہ کے ساتھ کامیاب طور پر بیان کرنے میں جو خصوصی دسترس رکھتے ہیں اور آپ کو جو

---

[۱] خطبات خطیب الاسلام ص ۹

[۲] خطبات خطیب الاسلام۔ ج اول ص ۱۱

زبان وبیان کی قدرت مہارت وکمال اور طرۂ امتیاز حاصل ہے اس کے پیش نظر آپ حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ کی عظیم الشان روایات کے امین و علمبردار اور صحیح جانشین ہیں''۔[1]

حضرت خطیب الاسلام کی خطابت حضور نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کا نمونہ تھی کہ ''إن من البیان لسحرا'' کہ بیان میں جادو کا اثر ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو آپ سے انبیاء والے کام لینے تھے، اسلام کی نشر واشاعت دعوت وتبلیغ تعلیم وتدریس، وعظ وارشاد اور اصلاح امت کا کام لینا تھا، اسی لئے علوم نبویہ کے ساتھ ساتھ اوصاف نبویہ بھی عطا فرمائے گئے، جن میں ایک اہم ترین وصف خطابت اور بلاغ مبین کا ہے کہ انبیاء اور مرسلین کو بلاغ مبین کا وافر حصہ اللہ کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالی نے نہ صرف یہ کہ حضرت رحمہ اللہ کو ملکہ خطابت عطا فرمایا، بلکہ ملکۂ خطابت کو آپ کی ذات عالی کا ایسا وصف بنادیا کہ عالم اسلام میں آپ کی ذات عالی خطیب الاسلام کے لقب عالی سے متعارف ہوگئی، ابلاغ وانذار کا یہ ذوق خاص اللہ تعالی اپنے ان مخصوص بندوں کو عطا فرماتے ہیں جن سے کام لیتے ہیں اور جن کا اللہ کے ساتھ تعلق قوی ہوتا کہ خطابت میں تاثیر ہی جب پیدا ہوتی ہے جب دل کے تار صحیح دھنوں پر چھڑے ہوں۔

خطبات کے چند نمونے اور ان کا خلاصہ

سب سے پہلی تقریر حضرت خطیب الاسلام کی جو بطور نمونہ پیش کی جارہی ہے وہ تقریر ہے جو حضرت نے ۲۰ جون ۲۰۰۲ء بعد نماز عشاء بمقام مسجد منصور سنتوش نگر حیدرآباد میں ''سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم فرمائی، جس میں بہت پڑھا لکھا مجمع موجود تھا۔ حضرت خطیب الاسلام نے اپنی تقریر کی بنیاد جس آیت کو بنایا وہ سورہ جمعہ کی آیت

﴿هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِیْ الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِنْهُمْ یَتْلُوْ عَلَیْهِمْ اٰیَاتِهٖ وَیُزَکِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَةَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلَالٍ مُبِیْنٍ﴾ (سورہ جمعہ: ۲)

حضرت نے اس آیت کو بنیاد بنا کر جو سیرت پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر بیان فرمایا وہ ایک معلومات وبصائر کا سمندر تھا جو موجیں مار رہا تھا اور مجمع پر عجیب وغریب روحانی اثرات طاری تھے۔

---

[1] تقریظ خطبات خطیب الاسلام ج۱

سب سے پہلے حضرت نے تمہیدی گفتگو فرمائی، حضرت کی تمہیدات اس قدر جامع ہوتیں کہ وہ خود ایک الگ تقریر کا موضوع ہوتیں جس کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک جملہ با مقصد ہوتا۔

تمہید کے بعد تقریر کا آغاز کرتے ہوئے حضرت فرماتے ہیں:

''اتنی بات عرض کرنی ہے کہ سیرت پاک کے سلسلہ میں دو باتوں کا جاننا ضروری ہوتا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ شخصیت اور ذات کو جان لیجئے جس کی سیرت سے آپ واقف ہونا چاہتے ہیں، جب آپ ذات سے واقف ہوں گے تو پھر آپ اس کی بات سے واقف ہوں گے، بات کی عظمت ذات کی خصوصیت سے پیدا ہوتی ہے اس لئے جب شخصیت کا تعارف ہو جائے تبھی بات کی حقیقت سامنے آتی ہے اس لئے دونوں چیزوں کا تعارف ہونا ضروری ہے کہ آپ کی ذات کیا ہے اور آپ کی بات کیا ہے، شخصیت کیا ہے کلام کیا ہے اور پیغام کیا ہے'' اس کے بعد حضرت فرماتے ہیں کہ کوئی حقیقت اس عالم میں ایسی نہیں جس کی کوئی صورت نہ ہو یعنی حقیقت چھپی ہوئی ہے صورتوں کے اندر، یہ عالم حقائق نہیں بلکہ عالم صورت ہے، جس کے معنی یہ ہیں۔

ہر چیز کو جو حقیقت حق تعالی نے عطا فرمائی ہے وہ اس کی صورت اور حقیقت کے مطابق عطا فرمائی ہے، گلاب کے پھول کو اس کی حقیقت کے مطابق صورت عطا فرمائی جیسی صورت ویسی حقیقت۔ لطیف حقیقت تو لطیف صورت اور کثیف حقیقت تو کثیف صورت، لیکن ساری حقیقتوں میں سب سے کامل ترین حقیقت جو ہے وہ انسان کی ہے۔ بالفاظ دیگر ساری حقیقتوں کو جب پھیلایا تو جہان بن گیا اور ساری حقیقتوں کو جب سمیٹا تو انسان بن گیا۔ ساری چیزوں کو اللہ نے جمع کیا انسان کے اندر اس لئے (تمام صورتوں میں) کامل ترین صورت (انسان کی) ہے۔

اس کے بعد حضرت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلال و جمال کا تذکرہ واقعات سیرت کی روشنی میں بیان فرمایا اور جلال محمدی و جمال محمدی کی عکاسی فرمائی کہ صواحب یوسف نے حسن یوسف کو دیکھ کر انگلیاں کاٹ لیں تھیں اگر زنان مصر بقول سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا میرے محبوب کو دیکھ لیتیں تو اپنے جگر کے ٹکڑے کو طراش لیتیں۔ یہی وجہ ہے، بقول حضرت خطیب الاسلام ''اس جمال اور کمال محمد کا تحمل جو مخلوق کر سکتی تھی وہ مخلوق پیدا فرمائی ان کا نام صحابہ کرام ہے۔ حق تعالی نے یہ شان ان ہی کو عطا فرمائی تھی وہ تحمل ان کو عطا فرمایا تھا کہ وہ جمال اور کمال محمد کا تحمل کر

سکیں۔اس لئے تو فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ بعد کے لوگوں کا یہ کہنا کہ اگر کسی کی زبان پر یہ آئے کہ کاش ہم رسول اللہ کے زمانے میں پیدا ہوتے فرمایا کہ یہ زبان پر بھی نہیں لانا چاہئے کہ یہ اللہ کی مشیت پر اعتراض ہے۔اس لئے کہ تم میں وہ صلاحیت ہی نہیں کہ جمال اور کمال محمد کا تحمل کر سکتے۔

دوسری چیز سیرت کو پہچانا جائے،سیرت تین اجزاء سے مرکب ہے،سیرت تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

۱۔کمال علم۔ایک لاکھ چوبیس ہزار کا انتخاب کیا گیا جن کا نام انبیاء علیہم السلام ہے پھر انبیاء کا انتخاب ہوا تو (۳۱۳) تین سو تیرہ کا انتخاب ہوا ۳۱۳ پر نظر ڈالی گئی تو ان میں پانچ کا انتخاب ہوا پھر پانچ پر نگاہ انتخاب ڈالی گئی تو وہ ذات جس وجہ سے ساری کائنات کی تخلیق کی گئی وہ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے جو ساری کائنات کا خلاصہ ہے۔اسی لئے فرمایا'' اُوتیت علم الاولین والآخرین،خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا وہ تعارف کروایا کہ اس سے بڑا تعارف نہیں ہوسکتا،آپ نے ارشاد فرمایا:''إنّما بعثتُ مُعَلِماً'' دیکھو میں اس کائنات کے اندر استاد بنا کر بھیجا گیا ہوں جس کے معنی یہ ہیں کہ قیامت تک انسانی طبقہ کے اندر کوئی انسان ایسا پیدا نہیں ہوگا جو علم کے اندر مجھ سے آگے بڑھا ہوا ہو،یا مجھ سے آگے بڑھ کر کوئی بات کر جائے۔

۲۔کمال اخلاق: جو پیغمبر کی ذاتی صفت ہوتی ہے وہ اخلاق ہی ہے،وہ اخلاق جو حق تعالی کے اخلاق ہوتے ہیں''تَخَلَقُوْابأخْلَاقِ اللّٰه.''

اس میں حضرت نے ایک بات فرمائی کہ اخلاق کاملہ اس وقت تک کسی بھی انسان کو حاصل نہیں ہو سکتے جب تک کہ اس میں عبدیت کاملہ نہ ہو۔یعنی جتنا انسان اپنے اندر عبدیت پیدا کرتا چلا جائے گا اتنا ہی وہ اخلاق کے درجہ بدرجہ واصل یعنی خلق حسن،خلق کریم اور خلق عظیم کے مراحل طے کرتا چلا جائے گا۔چنانچہ حضرت خطیب الاسلام فرماتے ہیں:

''یہی وجہ ہے کہ آپ کی شان عبدیت کو مکمل کرنے کے لئے حق تعالی شانہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں بلایا اور فرمایا کہ ہم نے اس لئے بلایا کہ ''لنریه'' تاکہ ہم آپ کو ساری نشانیاں بتلا دیں تو گویا مشاہدہ کرا دیا ہے اپنی کامل نشانیوں کا،مشاہدہ کے بعد جو

عبدیت آپ میں پیدا ہوئی وہ سارے انبیاء بھی مل کر اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے، جس پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فائز ہوئے۔ یہ علم عبدیت ہے جوسب سے اونچا علم ہے وہ آپ کوعطا فرمایا گیا، یہی وجہ ہے کہ اس امت کے اندر جوعلمی ذوق عطا فرمایا گیا دنیا کی کسی قوم کے اندر وہ علمی ذوق نہیں ہے، یہود کو دیکھئے نصاریٰ کو دیکھئے ان کے اندر وہ علمی ذوق نہیں ہے۔

تو سیرت کا دوسرا جز کمال اخلاق ہے، پیغمبر کو کامل اخلاق بھی دیا جاتا ہے، علم کے اندر تاثیر جو پیدا ہوتی ہے اور رنگینی جو پیدا ہوتی وہ درحقیقت اخلاق سے پیدا ہوتی ہے، اس لئے اخلاق سیرت کا دوسرا جز بن جاتا ہے، سیرت طیبہ کا تیسرا جز کمال عمل ہے۔

۳۔کمال عمل بھی انسان حاصل کر لیتا ہے بشرطیکہ مجاہدہ اور ریاضت ہو اور اس کو حاصل کرنے کا عزم مصمم بھی رکھتا ہو۔

سیرت کے ان تینوں اجزاء بھی کمال علم اور کمال اخلاق اور کمال عمل کو امت کے لئے عام کر دیا گیا جو ہمت کرتے ہیں حاصل کر لیتے ہیں۔[۱]

دوسری تقریر

حضرت خطیب الاسلام نے جامعہ گلزار حسینہ اجراڑہ میرٹھ کے اہم اجتماع سوسالہ تقریبات میں ایک تقریر بعنوان ''دین اسلام مکمل نظام حیات'' فرمائی۔

حمد وثنا کے بعد حضرت نے اپنی تقریر کے لئے مندرجہ ذیل آیت شریفہ کا انتخاب فرمایا۔

﴿الیوم اکملت لکم دینکم وأتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا﴾ (سورۃ المائدہ :۳)

حضرت نے تمہیدی گفتگو فرمانے کے بعد تین عظیم احسانات کو شمار کرایا کہ آپ کو اشرف المخلوقات بنایا، آپ کو صاحب ایمان بنایا تیسری نعمت آپ کو مکمل نظام حیات اور دستور حیات دین اسلام کی شکل میں عطا فرمایا۔ ان تینوں نعمتوں کی تفصیلات ذکر فرمانے کے بعد آپ کے دل و دماغ کو بھی مطمئن فرمایا۔

اس کے بعد حضرت نے ان تین قوتوں کا ذکر فرمایا جو ہر انسان مرد ہو یا عورت کے اندر ودیعت رکھدی۔ ایک قوت وہ ہے جو آپ کے دماغ میں رکھدی جس کا مستقر انسان کا سر ہے، ایک قوت آپ

---

[۱] خطبات خطیب الاسلام ص ۳۰

کے سینے میں رکھدی دل کی صورت میں، ایک قوت اور طاقت وہ ہے جو آپ کے ہاتھ اور پاؤں میں رکھدی گئی۔

اسلام نے ان تینوں کے نظام کو بڑا مستحکم بنایا اور ایک انسان کو تینوں کے اپنے اپنے نظام کے ساتھ غیر معمولی طور پر مستحکم اور مضبوط بنا کر مطمئن کیا۔ چنانچہ پہلا جز یعنی دماغ کو اسلام نے مطمئن کیا، عقلی ونقلی براہین اور حجتوں کے ساتھ مدلل ومبرھن فرما کر۔

دوسرا جز یعنی آپ کا قلب اس کو نظام ذکر کے ساتھ مطمئن کیا۔ تیسرا جز اور مطالبہ ہے آپ کے ''ہاتھ اور پاؤں'' ان کا مطالبہ درحقیقت نظام عمل ہے، اللہ نے ان کو کام کرنے والا بنا کر پیدا کیا۔

یعنی یہ اعضا اور جوارح مطالبہ کرتے ہیں کہ ہمارے سامنے ایسا نظام عمل آنا چاہئے کہ جس کو کرنے کے بعد یہ دل بھی مطمئن ہو، یہ دماغ بھی مطمئن ہو، اللہ بھی راضی ہو اور کائنات کے اندر یہ انسان بھی انسانی قدروں کا شناور بن کر اور مطمئن ہو کر زندگی بسر کرے۔ پھر اس نظام عمل کی تفصیلات میں طاعات، عبادات، معاملات عقوبات اور مصالحات ہیں۔

اس کے بعد حضرت نے تفصیلی طور پر بیان فرمایا کہ تمام انبیاء علیہم السلام کو جو علوم دیئے گئے تھے ان سب کو آپ کی ذات میں لاکر جمع فرمادیا، آپ نے خود ارشاد فرمایا: ''أوتیت علم الأولین والآخرین''۔

اس کے بعد حضرت نے قرآن کریم کی دعوتی عالمینی صدا کا تذکرہ فرمایا، ارشاد باری ہے: ﴿قل یا أیھاالناس إنی رسول اللہ إلیکم جمیعاً﴾ (سورۃ الاعراف: ۱۵۸)

آپ نے یہ دعویٰ اُوتیت عِلمَ الاولین والآخرین کی بنیاد پر کیا، یہ ایسا دعوی تھا جو آپ سے قبل کسی نبی نے نہیں کیا اس کے بعد حضرت نے اقوام عالم اور مذاہب عالم کے بھید بھاؤ اور فرقہ واریت اور نسلی تقسیم بعنوان عربی عجمی اور کالے گورے کے فرسودہ نظام کو بیان فرمانے کے بعد اسلام کے عادلانہ نظام کے تحت مساوات انسانی اور تمام انسانوں کے مساوی حقوق کو دوٹوک انداز میں بیان فرمایا، اسی کے ساتھ ساتھ انسانی مدار فضیلت کو بھی بیان فرمایا۔ عیسائی حضرات جن کی تعداد کروڑوں میں دنیا کے اندر موجود ہے، لیکن اگر آسمانی کتابیں جو آج محرف ہیں ان کے اندر تلاش کریں تو دو مہینے سے زیادہ زندگی کے حالات اس میں نہیں مل سکیں گے۔

اس کے برعکس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہے کہ تریسٹھ سال کی زندگی کا کوئی جز

ایسا نہیں جو مکمل طور پر امت محمد یہ کے پاس موجود نہ ہو۔ آپ کا دین بھی کامل، آپ کی سیرت بھی کامل، آپ کا نظام بھی کامل، نظام عمل بھی کامل، نظام فکر بھی کامل، نظام ذکر بھی کامل کوئی چیز ہمارے پاس نامکمل نہیں کہ اس میں کسی طرح کی کمی بیشی کی گنجائش ہو۔

اس کے بعد حضرت نے مدارس کی اہمیت پر گفتگو فرمائی اور دین کی اشاعت کا سب سے بڑا اور اہم ذریعہ ان ہی مدارس اسلامیہ کو قرار دیا۔

آخر میں حضرت نے ملک وملت کے حق میں باقاعدہ دعا کرنے کی تاکید فرما کر اس تقریر کو مکمل فرمایا۔[1]

تیسری تقریر

حضرت خطیب الاسلام نے یہ خطبہ اور تقریر حیدرآباد میں بعنوان ''خیر امت'' ۲۵ شوال المکرّم ۱۴۲۴ھ دسمبر ۲۰۰۳ء بعد نماز ظہر فرمائی۔

اپنی تقریر کے لئے جس آیت کو محور بنایا وہ درج ذیل ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾

(آل عمران. ۱۱۰)

حضرت نے تمہیدی گفتگو کے بعد فرمایا کہ قرآن کریم کی تعلیم درحقیقت بنیاد ہے پورے دین کی کیونکہ اسی سے تمام علوم کا چشمہ جاری ہے کیونکہ یہ کلام ہے اس ذات کا جو ہر خیر کا سرچشمہ ہے تو اس سے جو کلام صادر ہوگا وہ بھی خیر کثیر اور خیر عظیم پر مبنی ہوگا، اسی لئے قرآن کریم کا جو تعارف کرایا گیا وہ یہ ہے کہ خیر الکلام کلام اللہ۔ اسی وجہ سے کلام اللہ کو درحقیقت عجائبات کا سرچشمہ حدیث میں بیان فرمایا۔ وہ عجائبات کبھی ختم ہونے والے نہیں اور جب کلام اللہ کی یہ خصوصیت ہے تو جس ذات مقدسہ کے اخلاق خود قرآن کریم ہوں اور جس کی سیرت پاک ہی قرآن کریم ہو، ان کی ذات اور سیرت کے بارے میں بلا تکلف کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی سیرت کے عجائبات بھی کبھی ختم ہونے والے نہیں اور کبھی پرانی پڑنے والی نہیں۔

آگے حضرت فرماتے ہیں کہ جس طبقہ کو آپ کی سیرت کا اور قرآن کریم کا مخاطب اول بنایا گیا وہ بھی سرچشمہ خیر، جس کو آپ نے خیر القرون قرنی کہہ کر ثابت فرمایا۔

---

[1] تفصیلات کے لئے دیکھیں خطبات خطیب الاسلام

تو سر چشمہ خیر قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ وہاں سے تربیت منتقل ہوئی تو سرچشمہ خیر صحابہ کرام بن گئے۔ اوراس کے بعد جب یہ امت کے اندر پھیل گیا تو پھر آخر میں ساری کی ساری امت کو شامل کر دیا گیا ارشاد فرمایا: ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ﴾ تو گویا کہ خیر امت بنا کر دنیا میں پیدا کیا گیا تو خیر کا تسلسل قائم کر دیا گیا ہے، اور یہ مسلسل حق تعالی شانہ کی ذات اقدس کے سرچشمہ خیر سے ہم تک منتقل ہوتی آرہی ہے۔

اس کے بعد حضرت خطیب الاسلام اس امت کے اخیر امت ہونے کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہ کتاب یعنی کتاب اللہ آخری کتاب اور شریعت کے لئے فرمایا گیا کہ یہ شریعت آخری شریعت ہے، اوراس دین کے لئے فرمایا گیا کہ یہ دین آخری دین ہے۔ یعنی آخر الادیان ہے اوراس امت کے لئے فرمایا گیا کہ یہ آخری امت ہے جس کے معنی یہ ہے کہ اس امت کی بنیادی خصوصیات کے اندر آخریت شامل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ میں اولیت بھی اور آخریت بھی شامل ہے۔ اس لئے کہ شرف دو ہی چیزوں کے اندر ہوتا ہے یا اولیت کے اندر ہوتا ہے یا آخریت کے اندر ہوتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ کے اندر دونوں چیزوں کو جمع کر دیا گیا تو اس امت کی خصوصیات میں آخریت شامل ہوگئی، ہر چیز آخری ہے، پیغمبر بھی آخری، کتاب بھی آخری، شریعت بھی آخری، دین بھی آخری پھر امت بھی آخری تو جو امتیاز وشرف پیغام رسالت کو پہنچانے کا انبیاء سابقین کو عطا کیا گیا تھا اب اس امت کو عطا فرما دیا گیا۔ کسی بھی نبی کی امت کو اتنا بڑا فریضہ نہیں سونپا گیا اور نہ ہی کسی امت کو اتنی بڑی ذمہ داری کے شرف سے مشرف کیا گیا۔

پھر امت نے بھی اپنے اس فریضہ کی ادائیگی میں بحیثیت مجموعی کبھی کوتاہی نہیں کی، ہر دور کے اندر مخلصین پیدا ہوئے ہیں اور پیدا ہوتے رہیں گے۔ اور ہر دور میں پچھلوں سے اگلے اس دین کو امانتداری کے ساتھ لیتے رہیں گے اور قیامت تک حقیقی عزتوں کے فیصلے بھی ان ہی کے حق میں ہوتے رہیں گے۔ اس کے بعد حضرت نے تعلیم وتعلم اور درسگاہوں کے قیام کا مقصد بیان فرمایا کہ ان کا اصل مقصد تواضع پیدا کرنا ہے اور نفس کو غرور تکبر، انانیت خود غرضی اور خودسری سے بچانا ہے حضرت فرماتے ہیں:

”اس درسگاہ کے منتظمین، معلمین، متعلمین کے اندر تعلیم کے اصل جوہر بھی تواضع کی حقیقت کو

مقدم رکھا جائے، تواضع عملاً بھی فعلاً بھی، قولاً بھی، درساً بھی، تعلیماً بھی، تواضع جتنی بڑھے گی اتنی ہی انشاءاللہ عزتیں ان پر قربان ہوں گی۔

اس کے بعد حضرت مدرسہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ مدرسہ نام ہے تعلیمی وقت میں طلبہ کو مکمل آزادی کے ساتھ سوالات کی اجازت دینے کا کہ یہ طلبا کا حق ہے۔اس کے بعد اس تقریر کے اختتام پر حضرت تمام طالبان علوم نبوت کو ایک نصیحت فرما رہے ہیں۔

کہ ''جب تک طلباء کی معنویت اور روحانیت سے مناسبت پیدا نہیں ہوگی اس وقت تک علم کارآمد نہیں ہوتا۔ یہ جو علم کتابوں سے حاصل ہوتا ہے یہ علم نہیں یہ تو معلومات ہیں جب تک کہ قلب کے اندر نہ رچ بس جائیں اس وقت تک یہ علم علم نہیں بنتا، میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ دارالعلوم دیوبند میں ابتدائی دور کے اندر جب طلباء فارغ ہو جاتے اور درخواست کرتے کہ ہم کو سند دے دی جائے، ہمیں دستار فضیلت دے دی جائے تو اساتذہ اور ذمہ داران ان کی درخواست کو قبول نہیں کرتے تھے، بلکہ معلوم کرتے کہ تم نے امتحان دیا ہے اور کامیاب بھی ہو چکے، لیکن تم نے کسی بزرگ کے پاس سال چھ مہینے کا وقت گذارا ہے، اگر وہ جواب دیتا کہ نہیں تو اس سے کہا جاتا کہ تم ابھی صحیح نہیں ہوئے، ابھی تم سند کے مستحق نہیں ہوئے، جاؤ کسی صاحب دل کے پاس وقت گذار کر آؤ۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بعض تقاریر کے مجموعے شائع ہو چکے ہیں، اور مولانا یامین صاحب نے دو جلدوں میں خطبات خطیب الاسلام کے نام سے مرتب کر کے شائع کئے ہیں، اس لئے آپ حضرت کے علوم و معارف اور افکار عالیہ سے مزید استفادہ کرنے کے لئے ان کا مطالعہ فرمائیں، وہ بھی چند تقاریر ہیں جن تک ان کی رسائی ہو سکی، نہ جانے کتنی تقاریر اور خطبات ایسے ہیں جو محفوظ نہ ہو سکے، حضرت نے ہندوستان، برصغیر کے کونے کونے اور دنیا کے مختلف ملکوں میں تقاریر فرمائیں، اور تشنگان علوم نبوت اور علماء و اتقیا برابر مستفید ہوتے رہے۔ خطبات کے شائع ہو جانے کے بعد جو تقاریر حضرت نے فرمائیں ان کو منظر عام پر لانے کی ضرورت ہے۔

آپ کا اسلوب وطرز خطابت اور اس کی خصوصیات

حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ کے طرز خطابت اور اسلوب کی گوناگوں خصوصیات تھیں، خطبات کے چند نمونے پڑھنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کی خطابت اور وعظ و بیان کی

نمایاں خصوصیات کا تذکرہ کر دیا جائے۔

(۱) مقتضائے حال کی رعایت

آپ خطاب شروع کرنے سے قبل عنوان خطابت طے فرماتے اور مخاطبین کے حالات و احوال کا جائزہ لیتے اور مقتضائے حال کے مطابق ہی بیان فرماتے۔

(۲) قرآنی آیات واحادیث نبویہ کا برمحل استشہاد

موضوع کو قرآن کریم اور سیرت طیبہ سے مدلل فرماتے کہ اس موضوع پر قرآن کریم کیا کہتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کیا کہتی ہے۔

(۳) موضوع سے متعلق آیت کے انتخاب میں مناسبت اور اس مناسبت کو بیان کرنا۔ حضرت اس مناسبت کو ضرور بیان فرماتے جس کی وجہ سے آیت کا انتخاب کیا۔

(۴) عنوان کے شروع میں تمہیدات بیان کرنا

ہر موضوع کی الگ تمہید باندھنا پھر اس تمہید ہی سے اصل موضوع کو سمجھانا یہ کوئی آسان کام نہیں، اس کے لئے علمی تبحر، تجربات، تاریخ پر گہری نظر، مطالعہ میں وسعت، بزرگوں کی اور علماء کی مجالس سے فیضیابی لازمی ہیں، یہ تمام چیزیں حضرت کی ذات میں جمع تھیں۔

(۵) غیر مرئی اور غیر محسوسات کو محسوسات اور مشاہدات سے ثابت کرنا

یہ اس خانوادہ کا شروع ہی سے امتیاز رہا کہ بڑی بڑی پیچیدہ باتوں کو روزمرہ کی مثالوں سمجھا دیتے، خطیب الاسلام کو بھی اس پر بڑا عبور تھا۔

(۶) خطاب میں ربط

تقریر خواہ کوئی بھی موضوع ہو انتہائی مربوط اور مدلل ہوتی، حضرت خطیب الاسلام کے بیان اور تقریر اس قدر مربوط ہوتی کہ خود بخود کڑی سے کڑی جڑتی چلی جاتی۔ جو کلام کو پرتاثیر بناتی۔

(۷) نت نئے مضامین کے عمدہ اور خوبصورت الفاظ کا انتخاب

معانی ومفہوم کی ادائیگی کے لئے الفاظ کا ایسا انتخاب کہ جیسے ایک ایک لفظ کو چن چن کر لڑی میں

پرو دیا گیا ہواور وہ الفاظ واضع نے ان ہی معانی کے لئے وضع کئے ہوں۔حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ کے خطبات میں الفاظ وکلمات ان کی زبان سے اسی طرح نکلتے جیسے حضرت نے پہلے سے ان معانی کی ادائیگی کے لئے الفاظ وکلمات منتخب کرر کھے ہوں۔

(۸) نکتہ آفرینی

دوران تقریر نکات بیان کرنا اور نکات سے نکات نکالنا، حضرت کے یہاں آپ تقریر میں محسوس کریں گے کہ جب حضرت اپنی تقریر میں ''یہی وجہ ہے کہ'' یا ''اس کے معنی یہ ہوئے'' فرماتے ہیں تو عموماً کوئی نہ کوئی نیا نکتہ ضرور بیان فرماتے ہیں۔نکتہ آفرینی کی بہترین مثال وہ طویل تقریر ہے جس کا تذکرہ خطاب بعنوان سیرت کے تحت گذر چکا ہے۔

(۹) اپنی بات کو نقلی دلائل کے ساتھ ساتھ عقلی دلائل سے مدلل ومبرھن کرنا، حضرت خطیب الاسلام اپنی تقاریر میں دلائل نقلیہ بیان فرما کر پھر دلائل عقلیہ سے اپنے مدعا کو ثابت فرماتے۔

(۱۰) مختلف پیرائے میں بیان کرنا

ایک بات کو مختلف انداز اور مختلف پیرائے میں اس طرح بیان کرنا کہ مخاطبین کی سمجھ میں آ جائے۔حضرت کے یہاں ایک ہی بات کو مختلف انداز سے بیان کرنے کا ایسا سلیقہ تھا کہ ادق مضامین کو عوام بھی سمجھ لیتے۔

(۱۱) مخصوص لب ولہجہ

حضرت خطیب الاسلام کا اپنا خاص خاندانی لب ولہجہ ہے جس میں شفقت، محبت، نرمی اور اخلاص وہمدردی جیسی صفات پنہاں رہتیں، جس لب ولہجہ کو سن کر سننے والا دل ہی دل میں یہ تمنا کرتا ہے کہ یہ بولتے رہیں اور ہم سنتے رہیں۔چنانچہ ہم نے اور بہت سارے حضرت کے خدام نے یہ بات محسوس فرمائی کہ ایک بات کو حضرت بیان فرماتے تو اور تاثیر ہوتی، پھر اسی بات کو کوئی اور بیان کرتا تو بات اپنی تاثیر کھو لیتی۔جیسا کہ جناب ڈاکٹر اعظم صاحب مدظلہ العالی نے مجھ سے بیان فرمایا کہ بھائی میاں بحر طویل ہم سب کو سناتے اور ہم اسی بحر طویل کو ان ہی سے بار بار سننے کے متمنی رہتے کہ اگر کوئی دوسرا سناتا تو وہ لطف نہ آتا، جو بھائی میاں کے سنانے میں آتا تھا۔اسی طرح راقم الحروف کو

بار ہا اس بات کا مشاہدہ اور تجربہ ہوا کہ کسی بھی مضمون کو اگر حضرت بیان فرماتے، چاہے وہ کتنا ہی علمی اور خشک مضمون ہو بڑا ہی لطف آتا۔ اور طبیعت یہ چاہتی کہ حضرت سناتے رہیں اور ہم سب سنتے رہیں۔

(۱۲) موضوع کو واقعات سے مزین کر کے دلچسپ بنانا

حضرت خطیب الاسلام موضوع کی مناسبت سے ایسے واقعات سناتے جو موضوع اور خطابت کو دلچسپ بنا دیتے۔ سیرت اور صحابہ کے واقعات بھی سناتے، خاص کر اکابر دیوبند اور حضرت نانوتوی کے واقعات سناتے جس کا اندازہ حضرت کی مجالس سے ہوتا ہے۔

(۱۳) خطاب میں دائرہ موضوع سے باہر نہ نکلنا

حضرت خطیب الاسلام ہمیشہ دائرہ موضوع میں رہ کر خطاب فرماتے، موضوع سے باہر ہرگز نہ جاتے، بعض مرتبہ سامعین کو یہ خیال ہونے لگتا کہ (جب باتوں میں بات نکالتے جاتے) موضوع کے دائرہ سے خارج ہو کر کلام کر رہے ہیں، مگر جب اپنے کلام کی ہر ہر کڑی کو موضوع سے ملاتے تو ان کو محسوس ہوتا کہ یہ تفصیلات متعلقہ موضوع کی توضیح میں معین و مددگار رہیں۔

(۱۴) بیان میں فکری اعتدال وتوازن

حضرت کے بیان میں غیر معمولی اعتدال وتوازن ہوتا کبھی اپنی تقریر میں کوئی کلمہ ایسا استعمال نہیں کیا جو کلمہ شطحیہ ہو یا فکری اعتدال وتوازن کھو بیٹھے۔

(۱۵) تقریر میں عالمینی، دعوتی فکر اور مثبت وتعمیری سوچ

حضرت جس موضوع کو بھی اختیار فرماتے اور اس پر خطاب فرماتے اس میں عالمینی فکر اور ذہنی توسع وکشادگی اس قدر ہوتی کہ اس مجلس یا کانفرنس کی آخری درجہ کی بات ہوتی۔ اور موقعہ پر موجود تمام مکاتب فکر کے لوگوں کی ذہنی وفکری ترجمانی بھی ہو جاتی اور فکری توافق کی فضاء ہموار ہو جاتی۔ کسی کو اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہتی، مجلس میں موجود ہر مکتب فکر کا آدمی یہ سمجھتا کہ ہم جو کہنا چاہتے تھے ہماری طرف سے حضرت خطیب الاسلام نے ترجمانی فرما دی۔ بقول شاعر:

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

(۱۶) علمی معیار باقی رکھنا۔

مجمع کیسا بھی ہو، عوام کا ہو یا خواص کا حضرت خطیب الاسلام اپنا علمی وقار اور معیار برقرار رکھتے، عوام الناس میں اپنی بات کو متنوع انداز سے پیش کرنا اور اپنے علمی وقار کو باقی رکھنا کوئی آسان کام نہیں، حضرت کو اللہ نے یہ خاص وصف عطا فرمایا تھا کہ عوام الناس اور مجمع کے دلوں کو بھی موہ لیتے اور اپنے علمی وقار کو بھی گرنے نہ دیتے۔

(۱۷) دوران بیان ناخوشگوار واقعہ پر حلم وتحمل

راقم نے بڑے بڑے خطباء اور مقررین کو دیکھا کہ اگر انتظامیہ سے کوئی کوتاہی ہوگئی یا پھر عوام الناس سے کوئی غلطی ہوجاتی تو ان کو ضرور ٹوک دیتے ہیں، بلکہ بہت سے حضرات پر ہم بھی ہوجاتے ہیں۔ برخلاف ہمارے حضرت کے، اس طرح کے حالات میں نہ کبھی کسی کو ٹوکتے اور نہ ہی اظہار ناراضگی فرماتے، یہ بات کسی بھی مقرر کے لئے بڑی اہم ہے کہ ناخوشگوار حالات میں وہ اپنے پر قابو رکھے، بے قابو ہونے کی صورت میں وہ بیان کیا کریگا، بلکہ بیان کرنے کی جو لذت ہوتی ہے وہ ختم ہو جاتی ہے۔

(۱۸) اختلافی موضوعات سے اجتناب

حضرت ہمیشہ ایسی گفتگو سے اجتناب فرماتے جو اختلاف وانتشار کا باعث بنے اور پھر اس پر مجادلہ ومباحثہ ہوتا پھرے، بلکہ جہاں ایسا مجمع ہوتا جو مختلف مسالک ومشارب سے تعلق رکھتا اس میں بیان اس طرح فرماتے کہ کسی کے لئے اختلاف یا اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہتی۔ آپ اتحاد ملت کے زبردست حامی تھے، زمانے کے تقاضوں کے مطابق موجودہ نصاب ونظام میں ارتقا چاہتے تھے، بلکہ آپ باقاعدہ اس کا اظہار بھی فرماتے تھے، ایک جگہ حضرت فرماتے ہیں کہ: ''لوگ آج دین کے بجائے مسلک کی تبلیغ کرتے ہیں جبکہ تبلیغ دین کی ہونی چاہئے۔

(۱۹) استیعاب موضوع

موضوع کا ہر جانب سے اس طرح احاطہ کرنا اور بیان کرنا کہ سامعین کے ذہن میں کسی طرح کا تردد اور اشکال باقی نہ رہے کہ کاش حضرت اس جانب کو بھی اگر بیان کر دیتے تو بہت اچھا ہوتا، یا یہ

کہے کہ تقریر تو بہت اچھی فرمائی مگر ذہن میں ایک اشکال اور تردد پیدا ہو رہا ہے۔ حضرت جس موضوع پر بیان کرتے اس میں اس طرح کی تشنگی بقدر استطاعت نہ چھوڑتے۔

یہ چند اہم خصوصیات میں جن کا آپ دوران تقریر ہمیشہ خیال فرماتے۔

عاجز کو بے شمار ایسے پروگراموں میں شرکت کا موقع ملا جہاں پر آخری اور صدارتی کلمات آپ ہی کے ہوتے تھے، ۹۰ فیصد مجالس، محافل پروگرام، کانفرنس اور جلسوں کا مسک الختام آپ ہی کے کلمات پر ہوتا۔ ایسا محسوس ہوتا جیسا کہ حجۃ الاسلام قاسم النانوتوی کا روحانی فیضان حضرت خطیب الاسلام کی زبانی ادا کرایا جارہا ہو، یا پھر جو عزائم وارادہ قاسم نانوتوی کے دل میں مستور تھے، طیب وسالم ان کے شارح بنا کر پیدا کئے گئے، حضرت خطیب الاسلام ایک جگہ لکھتے ہیں:

''حضرت شمس تبریز کو ان کے علوم کا ترجمان بنا کر جلال الدین رومی دیئے گئے، حافظ ابن تیمیہ کو (علامہ) ابن قیم دیے گئے۔ حافظ حدیث ابن حجر عسقلانی کو علامہ سخاوی دیے گئے، حافظ ابن ہمام کو قاسم ابن قطلو بغا دیے گئے، مسند ہندشاہ ولی اللہ کو شاہ عبدالعزیز دیے گئے۔ سید الطائفہ حاجی امداداللہ کو امام محمد قاسم نانوتوی دیے گئے۔ حضرت الامام محمد قاسم النانوتوی کو شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیے گئے، شیخ الہند کو شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثانی اور جامع المعقول والمنقول علامہ محمد ابراہیم بلیاوی دیے گئے اور علامہ عثانی اور علامہ بلیاوی کے توسط سے علوم قاسمیہ کی عالمگیر ترجمانی کے شرف سے فضیلۃ الشیخ حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب کو منجانب اللہ مشرف فرمایا گیا۔''[1]

اسی طرح راقم کہتا ہے کہ ان تمام بزرگوں کی میراث اور علمی وعملی روایات اور عالمینی فکر کو پورے عالم میں پھیلانے کے لئے خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی کو شارح وترجمان بنایا گیا۔ حقیقت یہ ہے یہ انتخاب من اللہ ہے اس میں کسی کا فضل وکمال نہیں۔ بقول شاعر:

انہیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی
انہیں کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے بات ان کی
فقط میرا ہاتھ چل رہا ہے انہیں کا مطلب نکل رہا ہے
انہیں کا مضمون انہیں کا کاغذ قلم انہیں کا دوات ان کی

---

[1] تنقیحات حکیم الاسلام

راقم الحروف نے بارہا حضرت کے صدارتی کلمات پروگراموں میں سنے، آپ کی آمد سے قبل تمام علماء فضلاء وسامعین کو اطمنان رہتا کہ ہم نے بے شک اپنی اپنی بات کہہ لی مگر ابھی قول فیصل ''آخری بات حضرت خطیب الاسلام کی باقی ہے اور جب آپ تقریر شروع فرماتے تو مجمع پر ایک سکوت کا عالم اور خاص کیفیت ہمہ تن گوشی کی ہوتی اور حضرت جب گہر افشانی فرماتے تو سبحان اللہ، سبحان اللہ کے علاوہ سامعین کی زبان سے کچھ نہ نکلتا۔ پھر بیان کے بعد جو لوگ اس پر تبصرہ فرماتے وہ سننے کے قابل ہوتا کہ بے شک سب حضرات کی تقاریر اپنی جگہ اور حضرت کی پندرہ منٹ کی گفتگو پوری محفل اور مجلس کا خلاصہ تھی۔ بعض حضرات کو میں نے کہتے ہوئے سنا یہ تو اس خاندان کا امتیاز ہے کہ اس میدان میں ان حضرات کا کوئی ثانی نظر نہیں آتا۔ بہر حال وہ تبصرے جو تقریر کے بعد علماء یا دانشوران کرتے وہ قابل سماعت ہوتے۔

بقول علامہ اقبالؒ:

اس کے زمانے عجیب اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحیل
ساقیٔ ارباب ذوق فارس میدان شوق
بادہ ہے اس کا رحیق تیغ ہے اس کی اصیل
عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقۂ آفاق میں گرمئی محفل ہے وہ

حضرت کی خطابت کے متعلق یہ چند طالبعلمانہ باتیں راقم الحروف نے لکھدیں، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت کو یہ فن بطور خاص منجانب اللہ عطا ہوا تھا اور اسی فن خطابت میں مہارت کی وجہ سے ''خطیب الاسلام'' آپ کے نام کا جزء لاینفک بن گیا۔

حضرت خطیب الاسلام کی مؤقر تصنیفات اور دیگر تحریریں

جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے کہ حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ جہاں تقریر و خطابت کے میدان کے شہ سوار تھے اور تقریر و خطابت کا کمال حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے باکمال آباء و اجداد سے ورثہ میں ملا تھا، اسی طرح تحریر و کتابت اور تصنیف و تالیف کا ذوق اور سلیقہ بھی آپ کو اپنے والد گرامی و اسلاف سے ورثہ میں ملا تھا، آپ کے والد گرامی حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ مطبوعہ و غیر مطبوعہ دو سو زائد چھوٹی اور بڑی کتابوں کے منصف تھے، جن کے مضامین نہایت اعلی اور مدلل بالقرآن والسنۃ ہوتے تھے، اور نکتہ آفرینی آپ کے اندر طبع زاد تھی، اسی طرح حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ نے بھی کئی کتابیں تصنیف کیں، اور آپ کے قلم سے بہت سارے مضامین اور مقالے لکھے گئے جو ملک اور بیرون ملک شائع ہوئے، آپ کے مقالات کے مجموعہ بھی شائع ہوئے، اور بہت سی مؤقر کانفرنسوں میں آپ نے خطبات صدارت پیش فرمائے۔ اکثر تحریریں حضرت والا کی اردو زبان میں ہیں، جبکہ عربی زبان میں بھی کتابیں اور مقالے موجود ہیں۔ یہاں یہ بات بھی ذکر کر دینا قرین قیاس ہے کہ حضرت والا کی حیات مبارکہ کے آخری بیس سال انتہائی مصروفیت کے گذرے، ان میں حضرت والا کوئی بڑا علمی کام کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، لیکن دعوت دین اور ادارے کے انتظامی تقاضوں کی وجہ سے حضرت خطیب الاسلام کوئی بہت بڑا تصنیفی کام نہیں کر سکے، اسی طرح اس بات میں اس خیال کا بھی دخل تھا کہ اب چونکہ لوگوں کے پاس وقت کی قلت ہے اس لئے دعوت اور اصلاح امت کے باب میں چھوٹے چھوٹے علمی، دعوتی، اصلاحی اور دینی رسالے شائع کرنا وقت کا اہم تقاضہ ہے، جیسا کہ حضرت والا نے راقم کو ایک موقع پر حکم فرمایا تھا کہ بڑی بڑی علمی تصنیفات کرنے سے اس وقت یہ بات زیادہ وقت کے تقاضوں کو پورا کرنے والی ہے کہ حسب ضرورت دعوتی واصلاحی موضوعات پر چھوٹے چھوٹے کتابچے تحریر فرمائے جاویں، یہ اور بات ہے کہ ان کتابچوں کو علمی حیثیت وقدر و منزلت بہت زیادہ ہے، کیونکہ ان میں لکھا گیا ایک ایک جملہ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ ان کو لکھنے والا نہایت پختہ کار اور علم کا سمندر ہے۔ ان تمام کا تفصیلی جائزہ لینا اس وقت

مقصود نہیں، البتہ چند اہم کتابوں کا اجمالی جائزہ پیش کر دینا اس موقعہ پر قرین قیاس ہے۔ اسی طرح آپ کے مقالات اور مضامین کا بھی کسی حد تک تذکرہ ضروری ہے۔ آپ کی تحریر کردہ بہت ساری کتابیں اور مضامین ابھی غیر مطبوعہ بھی ہیں۔ مطبوعہ کتابوں میں (۱) قرآن کریم کے اردو تراجم کا جائزہ (اردو) (۲) تاجدار ارض حرم کا پیغام (اردو) (۳) مجاہدین آزادی (اردو) (۴) مردانِ غازی (اردو) (۵) رسالۃ المصطفیٰ (اردو) (۶) سفرنامہ برما وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح عربی زبان میں تربیت اسلامی کے موضوع پر بہت اہم ایک رسالہ بھی حضرت کا تصنیف کردہ ہے۔ مزید برآں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے نکلے ہوئے بے شمار مقالات میں سے چیدہ چیدہ مقالات مخدومنا حضرت مولانا محمد شاہد صاحب، استاذ دارالعلوم وقف دیوبند نے بڑی جدوجہد کے ساتھ جمع فرمائے ہیں، ایک مجموعہ میں قرآن کریم اور اس کے اعجازی پہلوؤں سے متعلق حضرت کے مقالات کو بعنوان 'قرآن کریم کا معجزانہ پیغام' جمع فرمایا، جبکہ دوسرے مقالات کا مجموعہ مقالات حضرت خطیب الاسلام کے نام سے جمع فرمایا، جس میں مختلف موضوعات سے متعلق چھوٹے اور بڑے بہت سارے اسلامی مضامین جمع ہوگئے ہیں۔ جن کو ادارہ تاج المعارف دیوبند نے ۲۰۰۱ء میں شائع کیا ہے۔ اس مجموعے میں 'مدارس اسلامیہ میں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا استعمال'، ''قدیم دینی مدارس اور جدید عصری تعلیم''، مسئلہ کا حل 'نئی مسلم نسل کے مستقبل ساز دینی تربیت'، 'طلبہ مدارس اسلامیہ کے نام ایک اہم پیغام' وغیرہ وغیرہ عناوین کے تحت مقالات جمع ہیں، اور مجموعہ کے تمام مضامین امت کی فکری، دینی، دعوتی اور تعلیمی راہ نمائی اور اسلامی ذہن سازی میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت خطیب الاسلام کی اہم ترین کتابوں کا اجمالی جائزہ درج ذیل ہے۔

۱) تاجدار ارض حرم (اردو)

حضرت کی یہ کوئی مستقل تصنیف نہیں بلکہ ۱۳۷۴ھ میں میدان عرفات میں اس وقت کے سعودی فرمانروا جلالۃ الملک سعود بن عبدالعزیز کی طرف سے حجاج کرام کو ایک دینی اور دعوتی پیغام دیا گیا تھا، جو امت محمدیہ کی اصلاح کے باب میں، بیت اللہ کی عالمینی دعوت کے سلسلے میں بہت اہمیت کا حامل تھا، اس پیغام کی اس حساسیت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کہ یہ بیت اللہ اور ارض مقدسہ اور وادی مقدس کا پیغام ہے، اور تمام دنیا والوں کے لئے عقیدت واحترام کا باعث ہے، حضرت والا نے دارالعلوم

دیوبند کی عنداللہ مقبولیت عامہ کے پیش نظر اور امت مسلمہ ہندیہ میں اس کے نام کے قابل اعتبار ہونے کی وجہ سے اس کارواں اردو زبان میں ترجمہ کرکے دارالعلوم سے شائع کیا، اور اس کی اسی حساسیت کی وجہ سے حضرت نوراللہ مرقدہ کے والد گرامی حکیم الاسلام رحمہ اللہ نے اس کی ابتدا میں چند تعارفی کلمات بھی تحریر فرمائے تھے، حضرت حکیم الاسلام اس رسالے کے تعارف میں رقم طراز ہیں۔

''امسال حضرت صاحب الجلالہ ملک معظم، سلطان سعود فرمانروائے نجد وحجاز، ایدہ اللہ بنصرہ نے ایام حج ۱۳۷۴ھ کے موقعہ پر بمقام منیٰ حجاج کرام کے نام خصوصاً اور مسلمانان عالم کے نام عموماً ایک جامع اور مؤثر پیغام دیا جس سے ان کے بیکراں دینی واسلامی ذوق اور وحدت ملت کی بے چینی اور آرزو کا پورا پورا احساس ہوتا ہے۔

اس پیغام کا عام کیا جانا جہاں اس لئے ضروری ہے کہ یہ ارض حرم کے تاجدار کی ایک مخلصانہ اور بروقت پکار ہے جس کو کسی بھی حال میں صدا بصحرا نہ ہونا چاہئے، وہاں اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ جن نکات پر یہ پیغام مشتمل ہے وہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ پوری دنیا کے منشور حیات کا حکم رکھتے ہیں، اور آج کی بے چین دنیا کے لئے چین وسکون کا سہارا بن سکتے ہیں۔[1]

(۲) کتاب سفر نامۂ برما

یہ بھی حضرت خطیب الاسلام کی ایک اہم تصنیف ہے، اس کتاب میں ان کے والد گرامی کے ایک طویل دعوتی سفر کی مکمل روداد ہے، جس میں حضرت خطیب الاسلام بھی حضرت حکیم الاسلام کے ساتھ تھے، اور جگہ جگہ برما میں حضرت خطیب الاسلام کے بھی علمی و دینی اور دعوتی خطابات ہوئے تھے، امت کی دعوتی ذہن سازی اور بورمائی مسلمانوں کی دینی وتعلیمی حالات کو واضح کرنے کے لئے حضرت نے یہ رسالہ تحریر فرمایا۔ جس پر دعوت اور موعظت کا انداز غالب ہے۔

حضرت حکیم الاسلام کے جتنے بھی اسفار ہیں ہر سفر میں اپنی ایک اہمیت اور تاریخ رکھتا ہے، حضرت جہاں جاتے پورے پورے علاقوں کی دینی وعلمی فضائیں تبدیل ہوجاتیں، یہاں تک کہ کسی ہندوستانی شہر میں حکیم الاسلام کے پہنچنے کے چرچے برادران وطن اور غیر مسلم حضرات کی زبان پر ہوتے۔

---

[1] تاجدار حرم ص۲

ان ہی تاریخی اسفار میں ایک سفر حضرت کا برما کا سفر ہے جس نے وہاں کی دینی ودعوتی فضا اور ماحول تبدیل کردیا، برمائی مسلمانوں کے لئے حضرت حکیم الاسلام کی تشریف آوری عید سے کچھ کم نہ تھی وہاں کے میزبانوں اور ذمہ داران نے غیر معمولی استقبال کیا۔ حضرت کی شخصیت سے بھرپور فائدہ اٹھایا، جگہ جگہ پروگرام کرائے، علمی مجالس کا اہتمام کرایا۔ ذمہ داران حکومت سے حضرت کا پرجوش استقبال کروایا۔ جگہ جگہ حضرت کے خطابات اور بیانات ہوئے۔ یہ سفرنامہ برمائی اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے ایک تو اس لئے کہ اس کو خود حضرت خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نے مرتب فرمایا جو خود سفر برما میں حضرت کے رفیق سفراء اور وہاں کے حالات کے چشم دید گواہ ہیں، حضرت کا یہ سفر اپنے والد ماجد کے ساتھ اس زمانے کا ہے جس وقت آپ کی عمر تقریباً ۳۰ سال کے آس پاس ہوگی یعنی عین عالم شباب کا ہے۔

حضرت کا یہ سفر محترم جناب سیٹھ 'اسماعیل محمد باگیا' صاحب کی دعوت اور خاص اصرار پر ہوا، جیسا کہ حضرت خطیب الاسلام 'انتساب' میں تحریر فرماتے ہیں:

''عالی جناب سیٹھ 'اسماعیل محمد باگیا' صاحب باگیا اینڈ سنز رنگون کی دعوت پر ۱۸/دسمبر ۱۹۵۶ء کو حضرت حکیم الاسلام مدظلہ نے برما کا سفر فرمایا۔ دارالعلوم دیوبند کی عالمگیر شہرت ومقبولیت ان کے علمی فیضان کی مرہون منت ہے اہل برما کے ساتھ بھی دارالعلوم دیوبند کا یہ علمی اور دینی علاقہ کوئی نیا نہیں ہے، بلکہ نہایت قدیم ہے، جس کی سب سے بڑی دلیل دارلعلوم دیوبند کے وہ ہزاروں برمی علماء وفضلاء ہیں جو اس وقت رنگون، مانڈلے، مولمین، مکیلا اور اکیاب کے دور دراز علاقوں میں نہایت خاموشی کے ساتھ اسلاف کرام کے نقش قدم پر تعلیم وتدریس وغیرہ کے ذریعہ دینی رہبری فرمارہے ہیں۔''[1]

عالم اسلام کی اس عظیم مرکزی 'درس گاہ' کے ساتھ جو مخلصانہ تعلق اہل برما کو رہا ہے، باگیا صاحب کی دعوت اس کی تجدید وتوثیق کا ایک روشن باب تھی۔

اس کے بعد حضرت خطیب الاسلام برما کے بافیض مسلمانوں کے اس تعاون مالی کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

''اور اسی کے ساتھ حضرت موصوف (حضرت حکیم الاسلام) مدظلہ کی مساعیٔ جمیلہ سے برما کے

[1] سفرنامہ برما ص۱۲

با فیض مسلمانوں نے دو لاکھ سے زائد کی گراں قدر رقم سے دارالعلوم کی خدمت فرمائی جو اس دور میں دو کروڑ کے مساوی تھی۔ یہ رقم برما سے واپسی کے چند ماہ بعد قانونی مراحل سے گزر کر دارالعلوم میں پہنچ گئی۔"[1]

حضرت خطیب الاسلام کی مذکورہ بالا عبارت سے اندازہ ہوا کہ حضرت حکیم الاسلام دارالعلوم دیوبند کے وہ مایہ ناز قاسمی فرزند ہیں، جن کو حق تعالیٰ شانہ نے اس الہامی ادارے کے تعارف کرنے کا شرف بخشا، ہزاروں فرزندان دارالعلوم دیوبند میں آپ ایسے فرزند جلیل ہیں جنہوں نے دارالعلوم کا ہر ہر مقام پر عالمی اعتبار سے ایسا تعارف کرایا کہ آج تک لوگوں کے ذہنوں میں اس کے نقوش، نقش کا لحجر کی طرح ایسے مرتسم ہے ہیں کہ ان کو مٹایا نہیں جا سکتا۔ ہزار ہا لوگ تو آپ کے چہرے بشرے آپ کی جسمانی وظاہری شکل وصورت کو دیکھ کر یہ کہہ دیتے تھے کہ جس ادارہ کے ذمہ دار کا یہ پاکیزہ سراپا ہے اس ادارہ کی باطنی کیفیات کا کیا حال ہوگا، آپ سے ملاقات کر کے ہی مانوس ہو جاتے، پھر جب آپ کی تقریر، آپ کی گفتگو سنتے تو یقین ہو جاتا کہ ایک نبی کا سچا وارث بول رہا ہے۔

برما میں پرجوش استقبال

حضرت خطیب الاسلام اس علمی ودعوتی قافلے کے اہل بورما نے جس طرح استقبال کیا اس کی منظر کشی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"۲۶؍دسمبر ۱۹۵۶ء کو یہ جہاز کلکتہ سے روانہ ہوا، اور پرسکون بحر ذخار میں سفر کو پرلطف بناتا ہوا، ۲۹؍دسمبر ۱۹۵۶ء کو تین بجے بندرگاہ رنگون پر لنگر انداز ہوگیا۔ بندرگاہ پر داعی محترم مسٹر اسماعیل صاحب باگیا، یوسف صاحب باگیا، ایوب صاحب باگیا، قاسم صاحب باگیا، حاجی اونسین صاحب، یوسف گورا صاحب، جناب یعقوب گورا باوا صاحب، مولانا مفتی اسماعیل گورا صاحب، مولانا مفتی محمود داؤد یوسف صاحب، ناظم دارالعلوم تانبوے رنگون بمعہ طلبہ مدارس عربیہ اور شہر کے دیگر معزز تجار وعلماء کرام وعوام کا مجمع عظیم موجود تھا۔ جہاز سے اتر کر حضرت مہتمم صاحب مدظلہ نیچے تشریف لائے، تو فضا 'حضرت مولانا محمد طیب صاحب زندہ باد'، دارالعلوم دیوبند زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے گونج اٹھی۔ پرتپاک و باحترام استقبال

[1] سفر نامہ برما ص ۱۵

کے ساتھ مخلصین کا یہ مجمع قیام گاہ تک لایا، باگیا فیملی کی مستورات بھی دیگر معزز خواتین کے ساتھ حضرت مہتمم صاحب کی اہلیہ محترمہ کے استقبال کے لئے گودی پر موجود تھیں، جو بالا بالا ان کو قیام گاہ تک لے گئیں۔"[۱]

باگیا خاندان کی مسرت کی انتہا نہ رہی

باگیا خاندان خصوصاً اور اہل رنگون عموماً حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی اس قدم رنجہ فرمائی پر نہایت مسرور وشاداں نظر آرہے تھے۔ صبح سے شام تک ایک مجمع مصروف استفادہ رہتا۔ میزبان محترم نے طویل سفر کی رعایت فرماتے ہوئے تین روز تک باقاعدہ کوئی پروگرام نہیں رکھا، بلکہ مجلس مذاکرہ پر اکتفا کو جاری رکھا، تین روز کے بعد پروگرام بنایا گیا۔ رنگون کی روایات کے مطابق ضروری تھا کہ ہر ہر اسٹیٹ میں روزانہ جلسہ ہو، کیونکہ ہر ہر اسٹیٹ کی جانب سے قبل از وقت دعوت نامہ موصول ہو چکے تھے، لیکن حضرت مہتمم صاحب نے فرمایا کہ میں بلافصل روزانہ تقریر نہ کرسکوں گا، اور روزانہ بھی اگر ہو تب بھی ہر اسٹیٹ کی دعوت منظور کر لینے کی صورت میں تو قیام کے لیے پانچ ماہ بھی ناکافی ہوں گے، اس لئے تقریریں فصل سے رکھی جائیں۔ اسماعیل باگیا صاحب نے ازراہِ مہمان نوازی اس کو قبول فرمایا اور پروگرام م یہ بنایا کہ ایک روز جلسہ عام ہو اور ایک روز مجلس مذاکرہ رہے، جس میں لوگ علمی وفکری مسائل کا حل دریافت کریں۔

پروگرام کے مطابق تین روز بعد یعنی یکم جنوری ۱۹۵۷ء کو حضرت مہتمم صاحب مدظلہ کی اولین تقریر 'سورتی سنی جامع مسجد' میں ہوئی۔ یہ پروگرام محترم اسماعیل صاحب کی کوششوں کے باوجود طوالت سے نہ بچ سکا اور اوسطاً یومیہ تقریر کے پروگرام پر رنگونی روایات غالب آکر رہیں۔

یہ سفر اہل برما کے لئے دینی اعتبار بڑا ہی سے مفید ثابت ہوا وہاں پورے علاقے میں ایک دینی فضا ہموار ہوگئی، وہاں کی عوام، مالدار، امراء، وزرا اور حضرات علماء کرام نے بغیر ماوتو کے امتیاز کے حضرت کا بڑی گرمجوشی سے استقبال بھی کیا اور حضرت سے مستفید بھی ہوئے۔

حضرت خطیب الاسلام نے سفرنامہ برما مرتب فرما کر ایک عظیم کارنامہ انجام دیا، جس میں بہت سی ایسی اہم اور مفید چیزیں لوگوں کے سامنے آگئیں کہ اگر یہ سفر کی روداد مرتب نہ ہوئی ہوتی تو

---

[۱] سفرنامہ برما ص ۱۵

حضرت حکیم الاسلام کے ملک و بیرون ملک کے ہزاروں اسفار کی تفصیلات بس صرف سینوں ہی میں محفوظ رہ کر مشاہدین کے ساتھ دفن ہو جاتیں۔

ایک اہم بات حضرت کی سفر میں مشغولیت اور ہر نو وارد سے الگ الگ ملاقات، ان کی پریشانیاں اور تکالیف کو سننا، پھر ان کا مناسب حل تجویز فرمانا، مزید برآں لوگوں کے دلوں میں پیدا شدہ سوالات کے مقنع جوابات دینا، پھر ہر علاقہ کے الگ الگ ذمہ داران سے ملاقات، پھر ان کی خواہشات اور جذبات کا احترام، مزید برآں خطابات عمومی اور بیانات خصوصی، مدارس کے دورے پھر ان میں بیانات اور علمی مجالس وغیرہ کا الگ اہتمام، اسی میں ذاتی اوقات کا بھی خیال فرماتے اور کچھ وقت تصنیف وتالیف کے لئے بھی مختص فرماتے، مدت قیام انتہائی مصروفیات کے ساتھ گذری، اس سفرنامہ سے اتنا اندازہ ہوگیا کہ حضرت جہاں بھی سفر میں جاتے کم وبیش یہی حالات سامنے آتے، بیک وقت ان تمام ضروریات کی تکمیل کوئی آسان کام نہیں، بغیر توفیق من اللہ کے یہ سب ممکن نہیں۔

میں عموماً سبھی نوجوانان امت اور خاص طور پر طلباء عزیز سے خصوصاً درخواست کروں گا کہ اس سفرنامہ برما کا ضرور مطالعہ فرمائیں، بے شمار چیزیں سیکھنے کو ملیں گی۔ ذہنی وسعتیں پیدا ہوں گی، دعوتی کاموں کا سلیقہ اور قرینہ بھی آئے گا۔ اس کے علاوہ اداروں کے چلانے بلکہ اداروں کو شان استغناء کے ساتھ چلانے کا سلیقہ بھی آئے گا۔

مزید برآں یہ بات بھی سمجھ میں آئے گی کہ امت نے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کو حکیم الاسلام جیسا مؤقر لقب کیوں دیا۔

اس سفر میں سب سے اہم چیز حضرت حکیم الاسلام کا وہ خواب ہے جو حضرت حکیم الاسلام اور حضرت خطیب الاسلام کے لئے سعادت عظمیٰ کا ذریعہ ہے، وہ خواب درج ذیل ہے، حضرت حکیم الاسلام تحریر فرماتے ہیں:

سفر رنگون سے واپسی میں ۲۴؍رجب ۱۳۷۶ھ، ۲۵؍فروری ۱۹۵۷ء یوم دوشنبہ کو اخیر شب میں جہاز ہی میں حضرت قبلہ مدظلہ نے یہ خواب دیکھا جو احقر کو صبح ہی سنایا۔ فرمایا کہ

''میں نے دیکھا کہ میں اور تم یعنی احقر محمد سالم کسی دوسرے شہر میں ہیں، مجھے معلوم ہوا کہ اس شہر میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ موجود ہیں۔ یہ سن کر میں تنہا ان کو تلاش کرتا ہوا، ان تک پہنچا یا، ملاقات ہوئی تو نہایت بزرگانہ شفقت سے پیش آئے۔ ملاقات کے بعد یہ یقین خواب ہی میں ہوگیا

کہ میں ’’تابعی‘‘ بن گیا، چوں کہ عیاناً ایک صحابی ومقرب کی زیارت سے مشرف ہوگیا۔ اس پر اللہ کا شکرادا کیا، اور ساتھ ہی دل میں یہ داعیہ بھی پیدا ہوا کہ تمہیں: محمد سالم کو بھی ملاؤں، تو قیام گاہ واپس آیا، اور تم سے کہا اس شہر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود ہیں، میں نے زیارت کرلی، اور الحمد للہ! تابعی بن گیا، تم بھی شرف حاصل کرلو۔ یہ سن کر تم بڑے شوق سے میرے ساتھ چلنے کو تیار ہوگئے۔ اب معلوم ہوا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا تو مکان بھی یہیں ہے تو میں اور تم ان کے مکان پر ہی حاضر ہوئے، وہاں جا کر دیکھا، تو وہ ہمارا ہی قدیم جدی مکان ہے، حضرت نانوتوی رحمہ اللہ والا اور وہاں اماں عائشہ رضی اللہ عنہا بھی موجود ہیں، اور ان کی والدہ بھی، یعنی بڑی دادی۔ یہ دیکھ کر ہمیں اور بھی زیادہ خوشی ہوئی اور اماں عائشہ رضی اللہ عنہا نے بھی یہی کہا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ یہاں رہتے ہیں، اور ابھی تشریف لانے والے ہیں۔ تھوڑی ہی دیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ تشریف لے آئے، تو میں نے نہایت ادب سے ملاقات کی تو پھر انتہائی شفقت فرمائی۔ اس کے بعد میں نے کہا: حضرت! یہ ’’سالم‘‘ آیا ہے، یہ بتلانے پر تم سے ملاقات کے لئے اس طرح بڑھے، جیسے منتظر ہی تھے۔ تم نے ادب سے جھک کر ملاقات کی، تو میں نے کہا کہ معانقہ کرو، تم بڑھے اور ادب کی وجہ سے رک گئے، تو فرمایا کہ بس ٹھیک ہے اور خود سے انہوں نے ہی معانقہ کیا اور سر پر ہاتھ پھیرا۔

اس کے بعد معلوم ہوا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا بھی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر سے جاتا تھا، تو میں نے حضرت قبلہ سے عرض کیا کہ: حضرت! ہمیں ان برتنوں کی زیارت کرا دیجئے، جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کھانا جاتا تھا۔ فرمایا: بہت اچھا، اور یہ فرما کر اندر سے ایک مونجھ کا پیالہ لایا گیا، جس میں اندر بال سے کھڑے ہوئے ہیں، اور فرمایا: اس میں حضور ﷺ کا کھانا جاتا تھا۔ تو ہم نے اس پیالہ کو چوما اور ادب سے سر پر رکھا، اور دیر تک اس سے اکتساب فیض کیا، اس کے بعد آنکھ کھل گئی۔ حق تعالیٰ کا شکر ہے۔

احقر سے بعد میں حضرت قبلہ نے فرمایا کہ: یہ خواب میرے اور تمہارے حق میں ان شاء اللہ فالِ نیک ہے اور فرمایا: اماں عائشہؒ اور دادی بو کی مقبولیت کا بھی اس سے اندازہ ہوتا ہے۔ (محمد سالم قاسمی)

اس خواب سے ان دونوں حضرات کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان حضرات کو شہرت نہیں بلکہ منجاب اللہ مقبولیت عطا ہوئی تھی۔

اس سفر نامہ برما کا آخری عنوان ’مجلس اصلاح نسواں کا ایک دینی اور تاریخی اجتماع‘ ہے جو

۱۸ / جنوری ۱۸۵۷ء کو ہوا۔ پھر آخری صفحہ پر کلمات تشکر بعنوان 'تجویز شکریہ مسلمانان برما' پیش کئے گئے اور اسی پر اس 'سفرنامہ برما' ختم ہوا۔

یہ کتاب یا سفرنامہ برما، حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند سے بڑی عمدہ طباعت سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آئی ہے۔ جو مولانا شکیب صاحب قاسمی کی علمی ودعوتی فکر کی غماز ہے۔

(۳) کتاب ''ایک عظیم تاریخی خدمت''

یہ کتاب دراصل ادارۂ'' تاج المعارف'' کی علمی خدمات کا ایک تعارف ہے جس کی شروعات حضرت نے اکابرین سے مشورہ کے بعد علمائے دیوبند کی علمی وتصنیفی خدمات کا تعارف کرانے کے لئے ۱۹۴۹ء میں کی تھی، حضرت فرماتے ہیں:

بزرگان دارالعلوم دیوبند کی تصنیفات کی مجموعی تعداد ہزاروں سے زائد ہے۔ اس قدر کثیر اور مفید تصانیف کا ذخیرہ ہندو پاک کے کسی دوسرے علمی طبقے کے یہاں موجود نہیں ہیں۔ اسلامی فنون میں سے کوئی فن ایسا نہیں ہے کہ جس پر'' اکابر دیوبند'' کی کوئی تفیف نہ ہو۔ ادارہ'' تاج المعارف'' علمی طبقوں میں نہایت مقبول سترہ ۱۷ کتابوں کی پیش کش کے بعد اب ''علماء دیوبند'' کی تمام تصانیف کا علیحٰدہ دعلیحٰدہ مفصل تعارف پیش کرنے کا نہایت اہم پروگرام پیش خدمت کر رہا ہے۔ اس ''تعاون'' سے آپ کو بزرگان دیوبند کی ہر ہر کتاب کا ''نقطۂ فکر'' ''مقصد تصنیف'' ''علمی مرتبہ'' ''فن'' ''نتائج'' ''زبان و بیان'' ''ظاہری حیثیت'' اور مصنف کے مختصر حالات وسوانح کی تفصیلی معلومات حاصل ہوسکیں گی۔ اس عظیم ووقیع کام کی کما حقہ انجام دہی کے لئے ایک سہل اور نتیجہ خیز پروگرام اس پمفلٹ میں پیش کیا جارہا ہے۔ اس کتاب میں آپ کو حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ سے لے کر دور حاضر تک کے'' جماعت دیوبند'' کے تمام ''مصنفین'' کی ہر چھوٹی بڑی کتاب کا علیحدہ علیحدہ مکمل ومفصل تعارف ملے گا۔

مثلاً اگر آپ یہ معلوم کرنا چاہیں کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ ''بانی دارالعلوم دیوبند'' کی مشہور کتاب ''تقریر دل پذیر'' کیسی کتاب ہے؟ کس فن میں لکھی گئی ہے؟ کس درجہ کی کتاب ہے؟ مضمون کتاب کا خلاصہ کیا ہے؟ زبان کیا ہے؟ انداز بیان کیا ہے؟ کتاب کی ظاہری حیثیت کیا ہے؟ مصنف کے حالات زندگی کیا ہیں؟ اور مصنف کی کل تصانیف کی

تعداد کیا ہے؟ تو ان تمام سوالات کا مکمل جواب آپ کو ''تاج المعارف'' کی پیش کردہ کتاب سے بڑی سہولت کے ساتھ مل جائے گا۔

اس کے بعد حضرت نے ایک عنوان ''بالفاظ دیگر'' قائم فرمایا جس میں ''ادارہ تاج المعارف دیوبند'' کی خدمات پر ایک نوٹ لکھا۔ وہ فرماتے ہیں:

''ادارہ تاج المعارف دیوبند'' اس کتاب کے ذریعہ درحقیقت ''جماعت حقہ دیوبند'' کی ''تصنیفی خدمات'' پیش کررہا ہے، جن میں ایک بے نظیر ''کشف الظنون'' مرتب ہے، جو اپنے انداز کی بالکل نئی اور انتہائی مفید خدمت ہوگی، انشاءاللہ تعالیٰ۔''[1]

اس کے بعد حضرت نے ایک عنوان قائم کیا ''اکابر کے علوم کے تعارف کی ضرورت پروگرام کی تفصیلات اور اس کا پس منظر'' اس عنوان کے تحت حضرت تحریر فرماتے ہیں:

''احقر ''ناظم ادارہ'' نے سب سے پہلے بنام خدا ''جماعت علمائے دیوبند'' کی بیشمار علمی و اصلاحی تصانیف کے مکمل ''تعارف'' کا ایک عظیم ''پروگرام'' مرتب کیا ہے، جسے ''سرپرست ادارہ'' حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ، مہتمم دارالعلوم اور دیگر مفکرین نے پسند فرما کر ضروری قرار دیا ہے۔

اس کے بعد حضرت نے بعنوان ''ادارہ تاج المعارف کی سابقہ شاندار خدمات'' کے ضمن میں اس کی مطبوعات اور سن طباعت کا تذکرہ فرمایا۔ پھر حضرت نے مختلف عنادین تمہیداً ذکر فرما کر حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کا تذکرہ فرمایا اور مختصراً حضرت شاہ صاحب کی خدمات اور حضرت شاہ صاحب کے عظیم مشن اور اس کی ترقی کا بھی تذکرہ فرمایا۔

اس کے ضمن میں حضرت شاہ صاحب کے نسبی اور روحانی فرزندان کا تذکرہ فرمایا جن میں حضرت شاہ صاحب کے فرزند ارجمند حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ سے شروع فرما کر الگ الگ پانچ طبقات کا تذکرہ فرمایا اور آخری طبقہ میں حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب کا تذکرہ سرفہرست لاکر یہ بتایا کہ جو نسبت حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ سے ان کے روحانی فرزندوں میں منتقل ہوئی اس کی آخری کڑی حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمتہ اللہ علیہ ہیں۔

---

[1] ایک عظیم تاریخی خدمت، ص ۸

پھر حضرت خطیب الاسلام نے صفحہ ۱۶ پر ایک عنوان ''خدمات کی جامعیت'' قائم فرمایا کہ گذشتہ دوسوسال کے عرصہ میں اس جماعت کی خدمات کسی ایک دائرے میں محدود نہیں رہیں، بلکہ تمام علوم و فنون جیسے تفسیر، تاریخ، حدیث، اصول تفسیر، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، تصوف، اصلاح عقائد، کلام، منطق، فلسفہ، حکمت، بلاغت، ادب، سیاست، اجتماعیات اور اخلاقیات وغیرہ کے اہم موضوعات پر نہایت سلجھے ہوئے اور معقول انداز میں ہزاروں کتابیں اس جماعت کے مصنفین نے تصنیف فرمائی ہیں، جنہیں ہر دور کے علماء نے بنظر قبول دیکھا ہے، **فللہ الحمد و المنته.**

اس کے بعد حضرت نے ادارہ تاج المعارف کے مختلف اہم اقدامات کا تذکرہ فرمایا ہے، ان ہی اقدامات میں سے ایک اقدام یہ بھی ہوگا یہ ''اکابر بزرگان دیوبند'' کی بہترین ومفیدترین کتابوں کے ''عربی'' اور ''انگریزی'' ترجمے شائع کئے جائیں گے تاکہ ہدایت وبصیرت کے ان علمی خزانوں سے پوری دنیا فائدہ اٹھا سکے۔

ان ہی اقدامات میں سے ایک اہم اقدام اکابرین کی مشکل ترین کتابوں اور عبارتوں کی تسہیل کا ہوگا۔ پھر آخر میں حضرت نے ایک عنوان ''اس عظیم خدمت کے لئے ضروری انتظامات کی تفصیل'' لگایا جس میں حضرت نے تمام ضروری وسائل واسباب کی فراہمی کی تفصیلات دے رکھی ہیں اور ۲۲ صفحہ سے ۳۱ صفحہ تک ان تمام وسائل کا تذکرہ فرمایا جو اس عظیم الشان کام کی انجام دہی میں معین ومددگار ثابت ہوں گے۔

حضرت کا یہ پورا بنایا ہوا پروگرام ایک رسالہ کی شکل میں ''ادارہ تاج المعارف دیوبند'' سے شائع ہوا ہے۔ ادارہ تارج المعارف نے ۱۹۵۰ء میں فطری حکومت، اسلامی آزادی کا مکمل پروگرام، کلمات طیبات، اصول دعوت اسلام، مسئلہ تقدیر وغیرہ کتابیں شائع کیں، اس ادارے کے قیام کے جو مقاصد تھے اور جو ضرورت تھی، وہ ضرورت ابھی بھی باقی ہے، اور اسی نہج پر کام کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ علمائے دیوبند کی علمی ودعوتی ودینی تصنیفات کا مکمل تعارف پورے عالم اسلام میں ہو سکے۔

(۴) عربی کتاب ''مبادئ تربیۃ الأطفال الأساسیہ''

حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ کو دعوتی اسفار اور ادارہ جاتی وانتظامی امور کی انجام دہی کی وجہ سے بڑی علمی تصنیف کرنے کا کوئی خاص موقعہ نہیں مل سکا، اس کے باوجود جن موضوعات پر قلم اٹھایا

حق موضوع کو ادا کرنے کی مکمل کوشش فرمائی، حضرت کی ان تالیف شدہ کتابوں میں سے ایک کتاب عربی زبان میں ''مبادی تربیة الأطفال الأساسية'' ہے جس میں حضرت نے اس موضوع پر اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے تربیت اطفال کے اصول کو انتہائی جامع انداز میں بیان فرمایا۔

کہ انسانیت اور تمام انسانوں پر بنیادی اور اہم ترین ذمہ داریوں میں سے ایک اہم ذمہ داری بچوں کی تربیت ہے۔

اور اس سلسلے میں بطور استشہاد ایک مرفوع روایت حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے نقل فرمائی کہ: ''لأن يُوَدِبَ الرجل وَلَدَه خير له من أن يتصدق بصاع'' (رواه الترمذی فی السنن)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد کی تربیت کس قدر اہمیت کی حامل ہے۔ اس کے بعد حضرت نے تربیت کے عوامل اساسیہ کو بیان فرمایا کہ انسان کی تخلیق حق تعالی شانہ نے اس طرح فرمائی کہ اس کے اندر ہر خیر اور ہر طرح کی فضیلت کو حاصل کرنے کی صلاحیت رکھ دی۔ جس کو حاصل کرنے کے لئے مختلف دلائل و براہین کی ضرورت پڑے گی، جبکہ اس کے برعکس برائی کے حصول کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں پڑتی۔

اس کے بعد حضرت نے ایک عنوان قائم فرمایا: ''العيوب الأربعة للطبيعة الإنسانية''

اس عنوان کو قائم فرما کر حضرت نے انسان کے ان چار عیوب کو بیان فرمایا جو تمام عیوب کا سرچشمہ ہیں، چنانچہ سب سے پہلا عیب جس کے ہوتے ہوئے بے شمار عیوب انسان میں پیدا ہوتے ہیں وہ تکبر ہے۔

دوسرا عیب خود حرص ہے جس کی وجہ سے بہت سے رذائل انسان میں پیدا ہوجاتے ہیں۔

تیسرا عیب اعجاب نفس اور خود رائی و خود ستائی ہے، جس کی وجہ سے عدم مساوات جیسی بیماری انسان میں داخل ہوکر اس کو ظلم پر مجبور کرتی ہے۔

چوتھی مذموم صفت بخل ہے، جو بے شمار بیماریوں کی جڑ ہے۔ ان چار عیوب سے ہی تمام عیوب جڑ پکڑتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت نے ایک مزید عنوان قائم فرمایا: ''أربعة أسس للنظام التربوي الاسلامي''، یعنی اسلامی نظام تربیت کے چار بنیادی اصول۔

ان میں سے پہلا اصول تواضع ہے، یہ پہلی عمدہ خصلت ہے جو انسان میں سے بے شمار عیوب کو ختم

کر دیتی ہے، اور اسلامی عبادات میں اس کا مظہر اتم نماز ہے جو انسان میں تواضع پیدا کر دیتی ہے۔
دوسری صفت قناعت ہے، جو انسان سے حرص کو ختم کر دیتی ہے اور عبادات میں اس کا مظہر اتم روزہ ہے، کہ روزہ سے یہ صفت پیدا ہوتی ہے۔
تیسری صفت مساوات ہے جس کی وجہ سے انسان تکبر اور ظلم وستم سے محفوظ رہتا ہے اور عبادات میں اس صفت کا مظہر اتم حج ہے، جہاں امیر وغریب، عزیز وذلیل سب برابر ہیں۔
چوتھی صفت سخاوت ہے جس سے انسان بخل جیسی بیماری سے محفوظ رہتا ہے اور اس صفت کا مظہر اتم عبادات میں زکوۃ ہے، جس سے انسان میں ایثار وعزیمت پیدا ہوتے ہیں۔
اس کے بعد حضرت نے خلاصۃ القول کے طور پر فرمایا کہ چھوٹے، بڑے فرد اور جماعت کی تربیت کے لئے مذکورہ بالا اصولوں پر عمل لازم ہے۔ یعنی جن سے بچنے کی تاکید کی گئی ان سے بچا جائے اور جن پر عمل کرنے کے لئے کہا گیا ان پر عمل پیرا ہو جائے۔
اس کے بعد حضرت نے اخیر میں ایک عنوان لگایا: ''**الأصول الاساسية لتربية الأطفال**'' ''بچوں کی تربیت کے بنیادی اصول، اس عنوان کے تحت حضرت نے بچوں کی تربیت کے ۱۳ بنیادی اصول بیان فرمائے اور ان کو ترتیب سے بیان فرمایا اور کتاب کے اخیر میں خلاصہ کتاب اس طرح فرمایا کہ دین اسلام صرف ایک ایسا مذہب ہے جس نے پوری انسانیت کی زندگی کے ہر ہر مرحلے میں خیر کی طرف رہنمائی فرمائی ہے اور کوئی گوشہ حیات ایسا نہیں چھوڑا جس میں صحیح رہنمائی نہ فرمائی ہو۔
یہ رسالہ تقریباً ۲۳ صفحات پر مشتمل ہے، اس کو دارالاہتمام دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۹۷ھ مطابق ۱۹۷۷ء میں شائع کیا گیا ہے۔

(۵) کتاب ''حقیقت معراج''

''حقیقت معراج'' یہ حضرت خطیب الاسلام کا ایک مختصر رسالہ ہے، جو سید ابوالاعلی مودودی کی تصنیف ''معراج کی رات'' پر ایک ناقدانہ نظر کے ساتھ اس موضوع پر ایک علمی تبصرہ بھی ہے۔
حضرت خطیب الاسلام نے یہ رسالہ اپنے استاذ مکرم حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کی فرمائش پر تحریر فرمایا تھا۔ اس رسالے میں سورہ نجم میں معراج کے تعلق سے جوابات ہیں ان کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے، اور نماز کی حقیقت کو واضح کیا گیا ہے، یہ کتاب ادارہ نشر واشاعت دارالعلوم دیوبند نے ۱۹۵۲ء میں شائع کی، رسالہ ۴۹ صفحات پر مشتمل ہے۔

(۶) مردانِ غازی

یہ بیس صفحات پر مشتمل ایک مطبوعہ رسالہ ہے جس کو حضرت نے ۱۹۴۷ء میں جو ہمارے ملک کا انتہائی پر اشوب اور ہنگامہ خیز دور ہے جس میں شومئ قسمت سے ایک انتہائی نا خوشگوار واقعہ تقسیم ہند و پاک کا پیش آیا جس کے نتیجہ میں شہر کے شہر اجڑ گئے، آبادیاں اور بستیاں بن ہو گئیں، عبادت گاہیں اور ان کا تقدس پامال ہو گیا، لاکھوں لوگوں کو سر راہ اور گھروں میں گھس گھس کر قتل کر دیا گیا، ماؤں بہنوں کی عزتوں کا ننگا ناچ ناچا گیا، اس ملک کی دیوار آہن میں تقسیم کی شکل میں ایسا نقب لگا کہ اس کی طاقت کو چکنا چور کر دیا، اور اس کمزوری کو ہر ملت و مذہب کے لوگوں نے نہ صرف محسوس کیا بلکہ اس سے دو چار بھی ہوئے، ان پر آشوب حالات کو حضرت خطیب الاسلام نے بچشم خود دیکھا ہے، اور باہوش دیکھا تو طبیعت کا متاثر ہونا یقینی طور پر امر واقعی تھا، اس لئے حضرت نے ان حالات میں مایوسیت کے بجائے وہ کام کیا جو تاتاری فتنہ کے وقت عین جوانی کے عالم میں امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا تھا کہ امت کو از سر نو بیدار کیا جائے، جذبہ ایمان سے سرشار کیا جائے۔ خوابیدہ روحوں کو جگا کر اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت ان کے دلوں میں پیدا کی جائے، ان کو حضرات صحابہ کرام اور اسلاف کی قربانیاں یاد دلا کر ان کے دماغوں کو جھنجھوڑا جائے۔

اور جو کام حضرت خطیب الاسلام کے جد امجد حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی نے ہندوستان پر سفید فام قوم انگریز کے تسلط کے بعد کیا، اور ملت اسلامیہ ہندیہ کو دشمن کے شکنجہ سے چھوڑا کر اس کی دینی و ایمانی آبیاری کی۔

ایک مرتبہ پھر جب آزادی ملک کے وقت ملت اسلامیہ ہندیہ پر تقسیم وطن کی شکل میں ناگہانی مصائب کا پہاڑ ٹوٹا تو ان ٹوٹے ہوئے دلوں کو سنبھالنے کے لئے ان کو جذبہ ایمان سے سرشار کرنے کے لئے اور ان میں ایمانی روح پھونکنے کے لئے اپنے اسلاف کے نہج کو سامنے رکھتے ہوئے یہ رسالہ ”مردان غازی کے نام سے تحریر فرمایا، جس کے لکھنے کا مقصد جناب سعید الرحمٰن صاحب شیر کوٹی جنرل سیکرٹری شمع ادب جالندھر۔

”میرے محترم دوست مولوی محمد سالم صاحب قاسمی صاحبزادہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ، مہتمم دارالعلوم دیوبند کا افسانہ مردان غازی اس وقت آپ کے سامنے ہے، قابل فسانہ نگار نے ان مایۂ افتخار ہستیوں کی زندگی کے تین پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔

۱۔ انہوں نے اپنی زندگیاں خدا کا بول بالا کرنے کے لئے وقف کر دی تھیں۔

۲۔ وہ عزم و ہمت کے پتلے تھے۔

۳۔ انہیں اپنی کامیابی کا یقین محض اس لئے ہوتا کہ ان کا ہر قدم باطل کو مٹانے کے لئے ہوتا۔

جہاں تک مرا خیال ہے، ہم میں وہ اوصاف نہیں، ہمیں چاہئے کہ اسلاف کے واقعات سے سبق حاصل کریں اور بجا طور پر مسلمان کہلانے کے حقدار ہو جائیں۔

یہ وہ عزم اور یقین ہی تھا کہ ساٹھ لوگوں کا حضرت خالد بن الولید نے انتخاب فرمایا اور ساٹھ ہزار لوگوں کی جنگجو فوج کو ہتھیاروں سے لیس حضرت خطیب الاسلام لکھتے ہیں:

''ہر سپاہی سرتا پا لوہے میں غرق ہے، موٹی موٹی زنجیروں سے بنی ہوئی زرہیں زیب تن ہیں اور اونچی اونچی کلغی دار خودیں سروں پر جگمگا رہی ہیں۔ ترکشوں میں بے شمار تیر ہیں، میانوں میں تلواریں ہیں، پرتلوں میں آتشیں نیزے ہیں۔ صبا رفتار جنگی گھوڑے ہیں، ان کے بالمقابل وہ چند افراد پر مشتمل پاکباز جماعت ہے وہ بھی رسمی فوجی لوازم سے بے نیاز۔''

زرہ بکتر کی قید سے آزاد! تیر و تفنگ سے بری! چند شکستہ تلواریں، کچھ پرانے خنجر، ہاتھوں میں لئے امیر المجاہدین خالد ابن الولید کی زیر سرکردگی اس عظیم مقصد کے لئے پا بر کاب ہے، مشہور اسلامی جنرل خاد بن الولید نے تین سو میں صرف تیس کا انتخاب فرمایا، ساٹھ ہزار دشمن فوج کے مقابلے میں، پیکر حریت ابوعبیدہ بن الجراح نے سفارش کر کے اس تیس کی تعداد کو دوگنی کروائی، یعنی ساٹھ تک پہنچائی، آخر وہ کیا چیز تھی جس نے ساٹھ کو ساٹھ ہزار کا مقابلہ کروا دیا، وہ مذکورہ بالا تین باتیں تھیں، یعنی اپنی زندگیاں خدا کا بول بالا کرنے کے لئے وقف کر دیں، عزم و ہمت اور ثابت قدمی اور استقامت کا پہاڑ بنے رہے، اپنی فتح و کامیابی پر غیر معمولی یقین کی کیفیت اور ان کا ہر قدم غارت گر باطل تھا۔

حضرت خطیب الاسلام اس رسالے سے امت کے ہر فرد کو یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ اگر تم آج بھی اپنے اندر وہی صفات پیدا کر لو تو تمہارا ایک فرد ایک ہزار دشمنوں پر بھاری اور غالب ہوگا۔

---

[۱] مردانِ غازی ص ۱۰

اس رسالہ کا اختتام

حضرت خطیب الاسلام اس رسالہ کا اختتام مندرجہ ذیل الفاظ میں فرماتے ہیں:

''اللہ والوں نے اللہ کا بول بالا کیا ''حــمــص'' پر اسلامی پرچم لہلہایا اور اپنے اس فرض سے سبکدوشی حاصل کی جو آج بھی ہر کلمہ گو کا مقصد حیات ہے۔

شہید اس دارفانی میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں
زمین پر چاند تاروں کی طرح تابندہ رہتے ہیں
اسی رنگت کو ہے ترجیح اس دنیا کی زینت پر
خدا رحمت کرے ان عاشقان پاک طینت پر

اس رسالہ کو حضرت نے ۱۶ جنوری ۱۹۴۷ء بروز پنج شنبہ ختم فرمایا اور یہ رسالہ ۲۱ سال کی عمر میں تحریر فرمایا تھا۔ رسالہ ادارہ مطبوعات شمع ادب جالندھر شہر سے سب سے پہلے شائع ہوا۔

حضرت خطیب الاسلام کے مقالات

لکھے گا وقت آب و زر سے ان کے کارناموں کو
مسلماں یاد رکھیں گیں ان زریں مقالوں کو

حضرت خطیب الاسلام کے عظیم علمی کارناموں میں حضرت کے لکھے ہوئے بیش بہا اور گرانقدر مقالات ہیں جو علم وفکر کا بڑا اہم سرمایہ ہے، ان مقالات کے سلسلوں میں سب سے معتبر شہادت حضرت خطیب الاسلام کے جانشین حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی مدظلہ العالی مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند کی ہے جو حضرت ہی کے پروردہ اور تربیت یافتہ ہیں، وہ فرماتے ہیں: خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی (مہتمم دارالعلوم دیوبند وقف) کے مقالات گرانقدر وہ سرمایۂ علم وفکر ہیں کہ جن کی اشاعت ملک و بیرون ملک میں حضرت والا کے علم وفکر کے قدرشناس محبین کی ایک قدیم آرزو کی تکمیل ہے، حضرت والا کو جہاں کہیں کوئی مقالہ پیش کرنے کی نوبت آئی اس کے بارے میں محبین نے اسی مقالے کی بعجلت طباعت پر اصرار کیا، اس قابل احترام اصرار کی بروقت تعمیل اولاً تو اس وجہ سے مؤخر ہوتی رہی کہ ایک یا دو مقالات کی اشاعت اس طلب کو پورا نہیں کرسکتی تھی، دوسرے یہ کہ کئی مقالے ایسے بھی تھے جو پیش آمدہ ضرورت کے تحت حضرت نے قلم برداشتہ تحریر فرما کر پیش فرما

دیئے، لیکن اشاعت کے لئے ضروری معلوم ہوتا تھا کہ اس پر صاحب مقالہ کی نظر ثانی ہو جائے۔ مقالات کی افادیت اور معلومات آفرینی یقیناً علم دوست حضرات کے لئے انشاء اللہ ایسی ہی ثابت ہوگی جیسا کہ خود حضرت والا کے شرکاء مجالس علمیہ کے لئے آپ کی تقریر ہوتی ہے اس لئے کہ حضرت موصوف کا تحریر وتقریر میں پر داز کلام یکساں افادیت کا حامل ہوتا ہے۔[1]

درج ذیل میں ان مقالات کی فہرست دی جارہی ہے جو زیور طبع سے آراستہ ہو چکے۔

(۱) مدارس اسلامیہ میں کمپیوٹر اور انٹرنیٹ کا استعمال

(۲) قدیم دینی مدارس اور جدید عصری تعلیم مسئلہ کا ایک حل

(۳) علم ایک ترقی پذیر متحرک حقیقت کا نام ہے

(۴) عبادات کے ذریعہ تزکیہ اخلاق مذاہب عالم میں اسلام کا مربیانہ امتیاز

(۵) عبادت حج انسان کے روحانی امراض کا میاب علاج

(۶) سیرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے لئے اللہ کا ہدیۂ رحمت

(۷) حضرت حکیم الاسلام کی عالمگیر فکر اسلامی

(۸) حضرت حکیم الاسلام اور مولانا آزاد مرحوم

(۹) والدہ ماجدہ غفر اللہ لہا

(۱۰) علماء کرام کے لئے غرض مندانہ مشوروں کا تجزیہ

(۱۱) اجتماعی رہنمائی میں اسلام اور عیسائیت کا بنیادی فرق

(۱۲) حدود اختلاف نامی کتاب میں بیان کردہ تاریخی غلط فہمیوں کا ازالہ

(۱۳) نئی مسلم نسل کی مستقبل ساز دینی تربیت

(۱۴) طلبائے مدارس اسلامیہ کے نام ایک اہم پیغام

(۱۵) شہید کربلا کا موقف نصوص کی روشنی میں

(۱۶) خنزیر نجس العین کیوں؟ منکوحات کی چار میں تحدید کیوں؟

(۱۷) ازالہ حدث اکبر کے لئے غسل کیوں؟

(۱۸) ساؤتھ افریقہ کے ریڈیو اسلام کے ذریعہ نومسلموں کیلئے ایک ابدی پیغام

---

[1] مقالات خطیب الاسلام، تقریظ مولانا محمد سفیان قاسمی

ان کی تفصیلات اگر کسی کو دیکھنی ہوں تو مقالات خطیب الاسلام کے نام سے ادارہ تاج المعارف دیو بند نے شائع کی ہیں۔ یہ ایک رسالہ جو تقریباً ۱۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

ابھی تک حضرت کے یہ چند مقالات ہی شائع ہو پائیں ہیں، بے شمار مقالات غیر معمولی اہمیت کے حامل ایسے ہیں جو ابھی تک باقاعدہ شائع نہیں ہو سکے، ان کی اشاعت کی ضرورت ہے۔

حضرت کے علمی و تعلیمی کارنامے تو اس قدر ہیں کہ ان کو شمار یا ان کا احاطہ اس مختصر سوانح میں ناممکن ہے کیونکہ شاید ہی کوئی جگہ ایسی ہو جہاں حضرت تشریف نہ لے گئے ہوں اور وہاں واقعات علمیہ، لطائف ادبیہ اور حقائق و معارف کے موتی نہ بکھیرے ہوں۔ خود ایک مستقل حضرت کی شخصیت کے تعلق سے یہ ایک عنوان ہے، جس پر تحقیقی کام کی علیحدہ ضرورت ہے، حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیو بند سے امید کرتا ہوں کہ اس سلسلے میں کوئی نہ کوئی قدم ضرور اٹھائے گی اور حضرت کی زندگی کے ان بکھرے اور منتشر حقائق و معارف کو صفحہ قرطاس پر لا کر یکجا کر دے گی۔

حضرت کی شخصیت اس قدر جامع اور اپنے اندر اتنے کمالات رکھتی ہے کہ ان کی زندگی کا ہر پہلو ایسا ہے کہ اس پر تحقیق کی جائے، ایسی موسوعی شخصیات پر لکھنے والا ضرور بالضرور اس کشمکش کا شکار ہوتا ہے کہ ان کی زندگی کی کون سی چیز شامل کتاب کروں اور کس کو نظر انداز کروں، کیونکہ جس جانب یا پہلو کو بھی اٹھا کر آپ دیکھیں گے تو وہ اتنا ہی اہمیت کا حامل نظر آئے گا، اگر کسی پہلو کو اس نے چھوڑا یا اس کا سرسری تذکرہ کر کے آگے نکلا بھی تو راقم کے ذہن میں مستقل یہ بات آتی رہی کہ حضرت کی زندگی کی بہت سی اہم باتیں ضبط تحریر میں نہیں آسکیں، بطور نمونہ حضرت کی ایک تقریر نقل کرنے پر اکتفا کرتا ہوں۔ حضرت لکھتے ہیں۔

قرآنی لطائف

حضرت خطیب الاسلام کے مزاج میں ندرت و جودت، لطافت و تخلیقیت بچپن ہی سے تھی اور غیر معمولی ذہانت وقوت حافظہ رب کریم کے یہاں سے عطا ہوا تھا، اس لئے لطائف و معارف اور اشارات و کنایات مزید برآں ضرب الامثال سے بھی بچپن ہی سے دلچسپی رہی، جس کی گواہی بے شمار لوگوں نے دی، ایک مرتبہ راقم الحروف دیو بند کی مشہور شخصیت اور محبوب پریس کے مالک جناب حضرت مولانا قاضی انوار صاحب دامت برکاتہم کے دولت کدہ پر حاضر ہوا، تو بر سبیل تذکرہ حضرت

خطیب الاسلام کا ذکر خیر آ گیا قاضی صاحب فرمانے لگے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان میں بے پناہ اور بلا کی ذہانت ہے، اس کے بعد فرمایا کہ یہ بات طے شدہ ہے کہ ذہانت میں ان کا ہمسر کوئی نظر نہیں آتا، اس پر انہوں نے حضرت خطیب الاسلام کی ذہانت کا ایک واقعہ بھی سنایا تھا جو پوری طرح مجھے یاد نہیں رہا، بہرحال حضرت خطیب الاسلام کو علمی لطائف سے بڑا شغف تھا، اس سلسلے میں حضرت نے ''قرآنی لطائف'' کے عنوان سے چند اہم واقعات بیان فرمائے ان کا ذکر مفید ہوگا۔

قرآنی لطائف

حضرت اپنے ایک مقالے میں لکھتے ہیں: مضارب ابن ابراہیم نے حسن بن مفضل سے عرض کیا کہ آپ کا یہ امتیاز بذات خود ایک ضرب المثل بن چکا ہے کہ آپ عربی اور عجمی ضرب الامثال کی اصل اپنی خداداد ذہانت وذکاوت سے کتاب اللہ سے نکال لیتے ہیں، کیا آپ اس مشہور عوام وخواص عربی ضرب المثل کے کسی مآخذ کی قرآن کریم سے نشاندہی فرمائیں گے ''خَیْرُ الاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا'' (تمام چیزوں میں درمیانہ درجہ بہتر ہوتا ہے)۔

حسن ابن مفضل نے جواباً برجستہ فرمایا کہ اس ضرب المثل کے چار مآخذ قرآن کریم میں موجود ہیں جو یہ ہیں۔

(۱) قوم موسیٰ علیہ السلام کو جب ایک مقتول کے قاتل کا پتہ معلوم کرنے کے لئے ایک بچھڑا ذبح کر کے اس کا گوشت مقتول کے بدن سے لگانے کا حکم دیا گیا تا کہ وہ باذن خداوندی زندہ ہو کر اپنے قاتل کا مکمل پتہ بتائے تو قوم موسیٰ علیہ السلام نے ابتداء تو اس غیر مقید حکم کی تعمیل سے گریز کرتے ہوئے بچھڑے کے اوصاف متعین کرنے کا سوال کیا تو جواباً حق تعالیٰ نے اس ''خَیْرُ الاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا'' کی جانب رہنمائی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ بچھڑا ایسا معتدل ہو کہ ﴿لاَ فَارِضٌ وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَالِكَ﴾ (البقرہ: ۶۸)

نہ بالکل بوڑھا ہو نہ بہت بچا ہو (بلکہ) دونوں عمروں کے وسط میں ہو۔

(۲) قرآن کریم میں اپنے برگزیدہ بندوں کے اوصاف و امتیازات خصوصی میں ان کے ''خَیْرُ الاُمُوْرِ اَوْسَطُهَا'' ہونے کی وصف کو امتیازی حیثیت دے کر ارشاد فرمایا۔ ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذَالِكَ قَوَاماً﴾ (سورۃ الفرقان: ۶۷)

اور اطاعت مالیہ میں ان کا یہ طریقہ ہے کہ وہ جب خرچ کرتے ہیں تو نہ اصراف کرتے ہیں اور نہ تنگی کرتے ہیں اور ان کا خرچ کرنا اس (افراط وتفریط) کے درمیان اعتدال پر ہے۔

(۳) قرآن کریم نے "خَیرُ الاُمُورِ اَوسَطُھَا" کے اصول فطرت کی نشاندہی فرماتے ہوئے بخل اور اسراف کو ناپسندیدہ قرار دیا، ارشاد ربّانی ہے ﴿وَلَا تَجعَلْ یَدَکَ مَغْلُوْلَۃً اِلیٰ عُنُقِکَ وَلَا تَبْسُطْ کُلَّ الْبَسْطِ﴾ (سورۃ بنی اسرائیل: ۲۹)

اور نہ تو اپنا ہاتھ گردن سے ہی باندھ لے اور نہ بالکل ہی کھول دے۔

(۴) نماز میں قرآن کریم کی تلاوت کو اسی "خَیرُ الاُمُورِ اَوسَطُھَا" کے دائرہ میں محدود رکھنے کا امر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿وَلَا تَجْھَرْ بِصَلَاتِکَ وَلَا تُخَافِتْ بِھَا وَابْتَغِ بَیْنَ ذَالِکَ سَبِیْلًا﴾ (سورۃ بنی اسرائیل: ۱۱۱)

اور اپنی نماز میں نہ تو بہت پکار کر پڑھئے اور نہ بالکل ہی چپکے چپکے پڑھئے اور دونوں کے درمیان ایک طریقہ اختیار کر لیجئے۔

مضارب نے عرض کیا کہ "من جھل شیئا عاداہ" جس شئے سے آدمی ناواقف ہوتا ہے تو اس کا دشمن بن جاتا ہے۔

اس ضرب المثل کا مآخذ قرآن کریم میں کیا ہے؟

علامہ حسنؒ نے فرمایا: کہ اس کا مآخذ قرآن میں دو آیتیں ہیں۔

(۱) ﴿بَلْ کَذَّبُوْا بِمَالَمْ یُحِیْطُوْا بِعِلْمِہٖ﴾ (سورہ یونس: ۳۹)

(بلکہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے (جس کے صحیح وسقیم ہونے) کو اپنے احاطہ علم میں نہ لائے یعنی جس چیز کو سمجھ نہ سکے تو اس کا دشمن ہو گئے اور تکذیب شروع کر دی)۔

(۲) ﴿وَاِذْ لَمْ یَھْتَدُوْا بِہٖ فَسَیَقُوْلُوْنَ ھٰذَا اِفْکٌ قَدِیْمٌ﴾ (سورۃ احقاف: ۲۶)

اور جب ان لوگوں کو قرآن سے ہدایت نصیب نہ ہوئی تو یہ کہیں گے کہ یہ قدیمی جھوٹ ہے۔

یعنی بوجہ قرآن کریم میں غور وفکر نہ کرنے کے اس کی ہدایت کو نہ سمجھ سکے تو از راہ عناد اس کو جھوٹ قرار دے دیا۔

مضارب نے عرض کیا کہ "احذر شر من احسنت الیہ" اس کے شر سے بچنے کی بطور خاص کوشش کرو جس کے ساتھ تم نے حسن سلوک اور احسان کیا ہے۔

جواباً علامہ حسن نے فرمایا اسکی اصل بھی قرآن کی اس آیت میں موجود ہے۔

﴿وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّا اَنْ اَغْنَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ (سورۃ توبہ: ۷۴)

(اور یہ صرف انہوں نے اس بات کا بدلہ دیا ہے کہ ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے اپنی مہربانی سے بے نیاز بنا دیا) یعنی اللہ اور اس کے رسول کی عطا و بخشش پر بجائے شکرگزاری کے جب انہوں نے مخالفانہ راہ اختیار کی تو مخالفت کی انتہا کر دی کہ دین حق ہی کے منکر ہو گئے۔

مضارب نے عرض کیا کہ لیس الخبر کالمعائنۃ (سنی ہوئی بات آنکھوں دیکھی حقیقت کے برابر نہیں ہوتی) اسکا قرآنی مآخذ کیا ہے؟

علامہ حسن نے جواب دیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے حق تعالیٰ سے سوال کیا کہ "رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی" (اے میرے پروردگار مجھے دکھلا دیجئے کہ آپ مردوں کو کس کیفیت سے زندہ کریں گے) حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ﴾ (سورہ البقرہ: ۲۶۰)

(ارشاد فرمایا کہ کیا تم یقین نہیں لائے، ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ یقین کیوں نہ لاتا (لیکن اس غرض سے یہ درخواست کرتا ہوں) تاکہ میرے قلب کو سکون ہو جائے، لفظ بلٰی میں اس کا اعتراف ہے کہ آپ کی قدرت کاملہ کی خبر پر میرا ایمان کامل ہے لیکن "لیس الخبر کالمعائنۃ" کے مطابق مشاہدہ کا درجہ خبر سے بڑھا ہوا ہے اسلئے میں اسے بھی حاصل کرنا چاہتا ہوں۔

مضارب نے عرض کیا کہ مثل مشہور ہے "فی الحرکات برکات" (حرکت میں برکت ہے) اس کا قرآنی مآخذ ارشاد فرمایئے۔

شیخ حسن نے فرمایا قرآن کریم نے "فی الحرکات برکات" کی واضح نشاندہی اس آیت کریمہ میں فرمائی ہے۔

﴿وَمَنْ یُّهَاجِرْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ یَجِدْ فِی الْاَرْضِ مُرَاغَماً کَثِیْراً وَّسَعَةً﴾ (سورۃ النساء: ۱۰۰)

(اور جو شخص اللہ کی راہ میں ہجرت کرے تو اس کو روئے زمین پر جانے کی بہت جگہ ملے گی اور بہت گنجائش) یعنی زمین پر پھیلی ہوئی اللہ کی رحمتیں اور برکتیں جب ہی حاصل ہوں گی کہ جب اللہ کیلئے تم زمین پر چلو پھرو گے گھر بیٹھے نہیں یعنی حرکت ہی میں برکت ہے۔

مضارب نے سوال کیا کہ "کما تدین تدان" (جیسا کرو گے ویسا پاؤ گے) کی قرآنی اصل کیا ہے؟

شیخ حسن نے فرمایا اس بارے میں قرآنی رہنمائی یہ ہے کہ ﴿مَن يَّعْمَلْ سُوْءً يُّجْزَ بِهٖ﴾

(سورہ نسآء : ۱۲۳)

(جو کوئی برا کام کرے گا اس کو اس کے عوض میں سزا دی جائے گی) یعنی دنیا میں بدعملی پر اچھے بدلے کی توقع فضول ہے بلکہ جیسے اعمال اس دنیا میں کروگے ویسی ہی سزا اس عالم میں مرتب ہوگی۔

مضارب نے عرض کیا کہ ایک مثل ہے "حين تقلى تدرى" (جب تم کسی چیز سے نفرت کرنے لگتے ہو تو تمہیں اس میں برائیاں ہی برائیاں نظر آنے لگتی ہیں)

شیخ حسن نے فرمایا اس مثل کی قرآنی اصل اس آیت میں موجود ہے

﴿وَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ حِيْنَ يَرَوْنَ الْعَذَابَ مَنْ اَضَلُّ سَبِيْلًا﴾ (سورة الفرقان: ۴۲)

(اور مرنے کے بعد) جلدی ہی ان کو معلوم ہو جائے گا جب عذاب کا معائنہ کریں گے کہ کون شخص گمراہ تھا۔

یعنی دنیا میں تم نے دین برحق سے اپنے دلوں میں نفرت پیدا کر لی تو اسکی ہر چیز تمہیں بری نظر آنے لگی، لیکن جب اس کی بتلائی ہوئی حقیقتیں سامنے آئیں گی تو اس وقت ان کے اقرار پر مجبور ہوں گے لیکن اس وقت کا اقرار کارآمد نہیں ہوگا۔

مضارب نے عرض کیا کہ "لا يلدغ المؤمن من جحرٍ مرتين" (ترمذی)

(مومن ایک سوراخ سے دومرتبہ ڈسا نہیں جاتا) اس محاورہ کا قرآنی مآخذ کیا ہے؟

شیخ حسن نے فرمایا: اس کا قرآنی مآخذ اس آیت میں موجود ہے۔

﴿هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَا أَمِنْتُكُمْ عَلٰى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ﴾ (سورة وسف: ٦۴)

(بس رہنے دو میں اس کے بارے میں بھی ویسا ہی اعتبار کرتا ہوں جیسا کہ اس سے پہلے اس کے بھائی (یوسف) کے بارے میں تمہارا اعتبار کر چکا ہوں۔

یعنی یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ یوسف کے بارے میں ایک بار میں تم پر بھروسہ کر کے اس کا نتیجہ دیکھ چکا ہوں اب دوسرے بیٹے بن یامین کے بارے میں تمہارا اعتبار کیسے کر سکتا ہوں۔

مضارب نے عرض کیا کہ "من اعان ظالماً سلط عليه" (جو کسی ظالم کی مدد کرتا ہے تو ظالم اس پر مسلط کر دیا جاتا ہے) کی قرآنی اصل ارشاد فرمایئے۔

شیخ حسن نے فرمایا اس کی اصل اس آیت میں ہے ﴿كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ﴾ (سورة الحج: ۴)

جس کی نسبت (خدا کے یہاں) یہ بات لکھی جا چکی ہے کہ جو شخص اس سے (یعنی شیطان سے) تعلق رکھے گا (یعنی اس کا اتباع کریگا) تو اس کا کام ہی یہ ہے کہ وہ اسکو (راہ حق) سے بے راہ کر دے گا اور اس کو عذاب دوزخ کا راستہ دکھائے گا۔

یعنی اللہ سے بے راہی اختیار کرنے والا ظالم ہے جو اس ظالم (شیطان) کی اطاعت کرے گا تو نتیجتاً وہ اس کو بھی بے راہی پر لگا کر بدانجام بنادے گا۔

شیخ نے فرمایا اس کے مآخذ کی جانب یہ آیت اشارہ کرتی ہے ﴿وَلَا يَلِدُوْا اِلَّا فَاجِراً كَفَّاراً﴾ (سورة نوح-:۲۷)

اور (آگے بھی) ان کے محض فاجر اور کافر ہی اولاد پیدا ہوگی) یعنی بنظر عام ان کفار کی اولادیں بھی کافر و فاجر ہی ہونگی کیونکہ آباء واجداد کے افکار واعتقادات وراثتاً اولاد میں منتقل ہوتے ہیں۔

مضارب نے پوچھا کہ "للحيطان آذان" (دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں) اس ضرب المثل کی قرآنی اصل کیا ہے؟

شیخ حسن نے فرمایا کہ یہ آیت اس کی اصل قرار پاسکی ہے ﴿وَفِيْكُمْ سَمَّاعُوْنَ لَهُمْ﴾ (سورة التوبة: ۴۸) (اور (اب بھی) تم میں ان کے جاسوس موجود ہیں) یعنی تم میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ تم ان پر نگہ اعتبار ڈال کر اپنے راز کھول دیتے ہو حالانکہ وہ دشمن ہوتے ہیں اور تمہارے راز دار بن کر نقصان کا باعث بنتے ہیں۔

مضارب نے عرض کیا کہ "الجاهل مرزوق والعالم محروم" (جاہل کو بہت کچھ ملتا ہے اور عالم محروم ہوجاتا ہے) اس مثل کی اصل کیا ہے؟

شیخ نے فرمایا کہ اس کی اصل یہ آیت ہے ﴿قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا﴾ (سورة مریم: ۷۵)

(جو گمراہی میں پڑ جاتا ہے تو اللہ اس کو زیادہ ڈھیل دیدیتا ہے) یعنی کافر پر دنیوی مال ومتاع کی فراوانی اتمام حجت کے لئے ہوتی ہے تاکہ وہ اپنی اختیار کردہ بے راہ روی کی زیادہ سے زیادہ سزا بھگتے۔

مضارب نے عرض کیا کہ اس مثل کی اصل قرآن میں ملتی ہے ”الحلال لا یأتیک الا قوتاً والحرام لا یأتیک الا جزافاً“ (حلال طریق پر تمہیں بقدر ضرورت ملتا ہے اور حرام طریقے پر بے روک ٹوک ملتا ہے)

شیخ حسن نے جواباً فرمایا کہ اس کی اصل بھی قرآن کریم میں موجود ہے اور وہ یہ ہے ﴿اِذْ تَأْتِیْهِمْ حِیْتَانُهُمْ یَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعاً وَیَوْمَ لَا یَسْبِتُوْنَ لَا تَأْتِیْهِمْ﴾ (سورۃ الاعراف:۱۶۳) (جب آنے لگیں ان کے پاس مچھلیاں ہفتہ کے دن پانی کے اوپر اور جس دن ہفتہ نہ ہو تو نہیں آتی تھیں) یعنی یہود (باشندگان ایلاء) پر ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار حرام تھا تو اس دن پانی کے اوپر بے حد مچھلیاں آتی تھیں اور بعد کے دنوں میں شکار حلال تھا تو مچھلیاں بہت کم آتی تھیں، انہوں نے ممنوعہ دنوں میں شکار شروع کر دیا تو بطریق حرام خوب مچھلیاں شکار کیں اور دوسرے ایام غیر ممنوعہ بقدر ضرورت ہی ملتی تھیں۔

ایک حجازی عالم نے اپنا واقعہ سنایا کہ ایک عیسائی ڈاکٹر نے مجھ سے سوال کیا کہ کیا قرآن کریم میں بجلی کی اس مخصوص لہر کی بھی نشاندہی موجود ہے کہ جس کے ذریعہ دور حاضر کے ڈاکٹر مریض کے اندورونی حصوں کے امراض کا پتہ لگا لیتے ہیں (یہ بظاہر دور حاضر کے ایکسرے سسٹم کی جانب اشارہ ہے) حجازی عالم نے ڈاکٹر سے پوچھا کہ آپ کے خیال میں بجلی کی اس لہر کی کوئی مخصوص نوعیت ہے کہ جس کی بناء پر وہ اندورن بدن کے امراض کا انکشاف کرتی ہے۔

ڈاکٹر نے جواب دیا کہ جی ہاں اس کی نوعیت مخصوص ہے اور اسکو ہم عام الفاظ میں مخصوص آگ کی ایک مخصوص لپٹ کہہ سکتے ہیں جو عالم بجلی میں خاص آلات کی مدد سے پیدا کر کے استعمال میں لائی جاتی ہے۔

حجازی عالم نے فرمایا کہ بجلی کی اس نوعیت مخصوصہ کی جانب قرآن کریم کی اس آیت میں رہنمائی موجود ہے ﴿نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَی الْأَفْئِدَة. اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُؤْصَدَةٌ فِیْ عَمَدٍ مُمَدَّدَة﴾ (سورۃ الهمزہ: ۹،۸،۷،۶) (ایک آگ ہے جو اللہ کی سلگائی ہوئی، وہ جھانک لیتی ہے دل کو، ان کو اس آگ میں موند دیا لمبے لمبے ستونوں میں) حجازی عالم کی زبان سے اس قرآنی رہنمائی کو سن کر مسیحی ڈاکٹر نے غیر معمولی حیرانی کے ساتھ قرآن کریم کی عظمت کا بے ساختہ اعتراف کیا۔

دھویں کو عربی میں دخان کہتے ہیں اور حقہ یا سگریٹ وغیرہ کی صورتوں میں تمبا کو نوشی یا دھواں

اڑانے کیلئے تدخین کا لفظ اہل عرب استعمال کرتے ہیں اسکا عمومی رواج دسویں صدی کے اخیر سے ملتا ہے، کسی عالم سے سوال کیا کہ قرآن کریم نے کیا دھواں اڑانے کے اس عالمگیر انسانی مرض کی جانب بھی کوئی اشارہ فرمایا ہے؟

عالم نے جواب دیا کہ تفکر وتدبر کرنے والوں کو قرآن کریم مایوس نہیں کرتا اور اس کے بعد انہوں نے قرآنی آیت کے یہ تین کلمات تلاوت کئے ''یو تأتی السَّماء'' اس سے اشارہ ہے اس پوری آیت کریمہ کی جانب ''یوم تأتی السَّماء بِدُخَان مُّبِنٌ'' عالم نے سوال وجواب کو ایک عربی قطعہ کی صورت میں منظوم پیش کرتے ہوئے ایک تاریخی نکتہ کی جانب اشارہ کیا ہے۔

یا خلیلی عن الدخان اجنبی

هل له فی کتابنا ایماء

قلت ما فرط الکتاب بشئ

ثم ارخت یوم تأتی السماء

(اے میرے دوست مجھے بتلاؤ کہ ہماری کتاب قرآن کریم نے دھواں اڑانے کے انسانی مرض کی جانب بھی کوئی اشارہ کیا ہے؟ تو میں نے کہا کہ اس کتاب مقدس نے چھوڑا کسی بات کو نہیں اور پھر قرآنی الفاظ ''یَوْمَ تَأتِی السَّمَآءُ'' سے میں نے اسکی تاریخ کی جانب اشارہ کیا) ''یَوْمَ تَأتِی السَّمَآءُ'' کے از روئے ابجد کل اعداد ایک ہزار ہوتے ہیں اور آیت میں آگے لفظ دخان صراحتاً موجود ہے۔ یعنی ﴿یَوْمَ تَأتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِین﴾ (سورہ دخان : ۱۰) جس سے بطور لطیفہ علمی کے یہ ارشارہ نکل سکتا ہے کہ دسویں صدی ہجری سے علی الاعلان دھواں اڑانا لوگوں میں عام ہو جائے گا اور تاریخ سے اس اشارہ کو مزید تقویت بایں طور حاصل ہوگئی کہ دھواں اڑانے کے رواج کی عمومی ترقی دسویں صدی ہجری سے معلوم ہوتی ہے۔[1]

اس طرح کی علمی لطائف و واقعات نقل کرنے سے بقول حضرت خطیب الاسلام تین فائدے ہوتے ہیں (۱) اول یہ کہ جن لوگوں کے واقعات قلم بند کئے جاتے ہیں ان کی ذہنی فراست معلوم ہو جاتی ہے۔

[1] قرآن کریم کا معجزانہ پیغام از خطیب الاسلامؒ

(۲) دوسرے یہ کہ ان واقعات کو پڑھ کر آدمی میں بشرط استعداد نکتہ افرینی کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور ایسے واقعات مثل صحبت کے مؤثر ہوتے ہیں۔

(۳) تیسرا فائدہ یہ ہے کہ ایسے عجیب وغریب اور حیرت انگیز واقعات پڑھ کر اس شخص کی بھی اصلاح ہوگی جس کا ذہن بات کی تہ تک تو نہیں پہنچ پاتا مگر وہ خود رائی کے زعم میں مبتلا ہے۔

حضرت نے یہ تین فائدے ایک مجلس میں راقم الحروف کو ایک واقعہ سنانے کے بعد بیان کئے تھے، واقعہ یہ ہے کہ: ''محمد بن عبدالرحمٰن نے ذکر کیا کہ ایک گویّے نے ایک مرتبہ اپنے گھر اپنے بھائی کو بلایا، پھر اس کو عصر تک بٹھائے رکھا اور کھانے کو کچھ نہ دیا۔ اب اس پر بھوک کا غلبہ ہوا اور شدت میں جنون کی حد تک پہنچ گیا۔ اب صاحب خانہ نے عود سنبھالا اور اس سے کہا تمہیں میری جان کی قسم کون سے لے پسند ہے جو میں سناؤں اس نے کہا مجھے تو بس ہنڈیا بھننے کی آواز پسند ہے۔ حضرت نے یہ واقعہ سنا کر کھانے کے لئے فرمایا اور بہت ہنسے۔

حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ کا ایک عظیم دینی، تعلیمی کارنامہ

جامعہ دینیات اردو دیوبند کا قیام

۱۹۶۶ء میں مراسلاتی طریقہ تعلیم کی بنیاد پر اسلامی علوم و معارف کو عصری جامعات کے طلبہ و طالبات کے لئے آسان بنانے کی غرض سے جامعہ دینیات دیوبند کا قیام عمل میں آیا، جس میں حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ‘ نے دینی فاصلاتی تعلیم کا ایک چار سالہ نصاب تیار فرمایا، جس کا مقصد یہ تھا کہ جو لوگ مستقل مدارس میں داخلہ لے کر دینی تعلیم حاصل نہیں کر سکتے وہ اس فاصلاتی تعلیم کے ذریعے دینی تعلیم حاصل کر سکیں۔ خاص کر خواتین اسلام جن کے لئے اس وقت دینی تعلیم کا کوئی معقول انتظام نہیں تھا۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب حضرت کے اس تجدیدی کارنامے کے بارے میں فرماتے ہیں:

''تاریخ کا یہ پہلا دینی جامعہ ہے جو مراسلاتی طریقۂ تعلیم پر قائم کیا گیا ہے، اور مختلف یونیورسٹیوں سے منظوری کے ذریعے ہر طبقے کے لڑکے اور لڑکیوں کے لئے گھر بیٹھے دینی و دنیاوی تعلیم کی بے مثال تاریخی سہولت فراہم کر رہا ہے۔

اسکولوں، کالجوں اور دینی تعلیم گاہوں کے ذمہ دار حضرات اپنے اداروں میں جامعہ کے سینٹر قائم فرمائیں اور نئی مسلم نسل کو جامعہ کے ذریعہ بین الاقوامی پیمانے پر دینی تعلیم کی سہولت مہیا فرما کر اجر عظیم حاصل فرمائیں۔''[1]

جامعہ دینیات کے بارے میں حضرت خطیب الاسلام کی صاحبزادی عظمیٰ ناہید صاحبہ اپنے تاثراتی مضمون میں تحریر فرماتی ہیں:

''تعلیمی میدان میں ہونے والے کاموں میں بہت دلچسپی تھی، وہ سید حامد کے مداحوں میں تھے۔ خود انہوں نے ۱۹۶۶ء میں جامعہ دینیات کے نام سے مراسلاتی کورس کے لئے ایک دینی نصاب تیار کیا جس کے تحت ہندوستان بھر میں امتحانات کے مراکز قائم کئے گئے اور

---

[1] قواعد و نصاب امتحانات جامعہ دینیات (اردو) دیوبند، ص ۳

ہزاروں بچوں اور بچیوں نے اس سے دینی تعلیم حاصل کی۔ یہی نہیں اس نصاب کو ہندوستان کی کئی یونیورسٹیز میں رجسٹر کرانا بھی ان کا بڑا کارنامہ تھا۔

مصنف سوانح جناب قاری ابوالحسن اعظمی صاحب بعنوان ’تونے سیارے تراشے ہیں چراغِ شام سے‘ جامعہ دینیات کے تعلق سے رقم طراز ہیں:

’’ملی تعلیمی مسائل سے خصوصی دلچسپی کے تحت مسلمانوں کی نئی نسل کی دینی تعلیم کے لئے پانچ سال کی طویل کاوش ومحنت کے بعد مراسلاتی کورس سسٹم کو اپناتے ہوئے مکمل دینی تعلیم کا نظام مرتب کیا۔ اور جنوری ۱۹۶۶ء میں جامعہ دینیات اردو دیوبند کی بنیاد ڈالی جس میں آٹھویں کلاس سے ایم اے تک زیر تعلیم طلباء اور طالبات کی دینی تعلیم کے لئے چار کورسز ابتدائی دینیات، عالم دینیات، ماہر دینیات اور فاضل دینیات کا مراسلاتی نظم ہے۔ یہ کورسز تمام دینی مضامین یعنی تفسیر، حدیث، فقہ، عقائد، سیرت، تاریخ اسلام اور دعوت وتبلیغ پر حسب ترتیب درجات پر مشتمل ہیں اور ملک بھر میں جامعہ کے قائم شدہ، امتحان سینٹروں میں ہر سال یہ چاروں امتحانات منعقد ہوتے ہیں۔ جامعہ دینیات کے یہ امتحانات علی گڑھ، کشمیر، کاشی ودیا پیٹھ اور عثمانیہ یونیورسٹیوں سے باضابطہ منظور شدہ ہیں اور الحمد للہ مسلمانوں کی نئی نسل اپنی جدید تعلیم کے ساتھ جامعہ دینیات کے ذریعہ گھر گھر مستعد ومکمل دینی تعلیم سے مستفید ہو رہی ہے۔‘‘[۱]

حضرت خطیب الاسلام نے ’’جامعہ دینیات اردو دیوبند‘‘ کو قائم فرما کر ہمیں فاصلاتی ومراسلاتی طریقہ تعلیم کا نظام اس وقت دیا تھا جب عصری جامعات میں بھی اس طرح کے طریقۂ تعلیم کا کم ہی رواج تھا، مدارس اسلامیہ اور دینی اداروں کی بات ہی کیا، حضرت خطیب الاسلام نے یہ فاصلاتی و مراسلاتی نظام تعلیم قائم فرما دنیا بھر کے مسلمانوں کو عام طور پر اور برصغیر کے مسلمانوں کو خاص طور پر ان کے اصل مرض کی نشاندہی فرمادی کہ اگر تم عالمی سطح پر فکری، تعلیمی، تہذیبی، ثقافتی اور مذہبی غلبہ چاہتے ہو تو خواتین کی تعلیم اتنی ہی ضروری ہے جتنی نماز ضروری ہے، روزہ ضروری ہے، جیسے بے نمازی اور روزہ خور گنہگار ہیں اسی طرح خواتین کو جاہل رکھنے والے بھی ایسے ہی گنہگار ہیں ان سے اس سلسلے میں باز پرس ہوگی، کیونکہ یہ ایسا گناہ ہے جو صرف اس کی اپنی ذات تک محدود نہیں بلکہ متعدی ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ خواتین کو جاہل رکھنا اپنی آنے والی نسل کو جاہل بنا دینا ہے، ان حالات

[۱] تونے سیارے تراشے ہیں چراغ شام سے ص ۱۷۰، ۱۷۱۔

میں حضرت خطیب الاسلام کا خواتین کی تعلیم کے سلسلہ میں ''جامعہ دینیات کا قیام'' اپنی نوعیت کا بالکل منفرد تجدیدی کارنامہ ہے، جس سے حضرت خطیب الاسلام کی نگاہ ثاقب کا پتا چلتا ہے، کہ حضرت کی دوررس نگاہ نے دیکھ لیا تھا، اس امت کا اصل مرض جہالت ہے، اس کا قلع قمع جب تک ممکن نہیں جب تک کہ اس امت کی مائیں بہنیں تعلیم یافتہ نہیں ہوں گی۔ اس کے لئے حضرت نے یہ فاصلاتی نظام تعلیم قائم فرمایا تھا۔ اگر آج ہم یہ چاہتے ہیں کہ دنیا میں اسلامی نظام فکری، دینی، تہذیبی اور ثقافتی اعتبار سے غالب ہو تو ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنے بچیوں کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر ان کو عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم بھی دلوائیں جو ان کے لئے بھی اور آنے والی نسلوں کے لئے بھی معرفت حق کا ذریعہ بنے اور جگہ جگہ اس طرز کے ادارہ اور مراکز قائم کریں جن میں ہماری پردہ نشین خواتین تعلیم حاصل کر سکیں اور جہالت کے دبیز پردوں کو اٹھا سکیں۔

آج کل اس فاصلاتی نظام تعلیم کی بڑی اہمیت ہے اور اس سلسلے میں جامعات، ادارے تنظیمیں قائم ہو رہی ہیں اور مختلف علاقوں کے اعتبار سے مختلف تجربات سامنے آ رہے ہیں اور انہی تجربات کی بنیاد پر اس کے نظام میں تبدیلی واقع ہو رہی ہے، اس فاصلاتی نظام تعلیم کے فروغ کی ایک وجہ لوگوں کی حد درجہ بڑھتی ہوئی مصروفیت اور ان کا عدیم الفرصت ہونا ہے۔

مگر یہ نظام باقاعدہ ہمارے ہندوستان میں ۱۹۹۰ء کے بعد ہی شروع ہوا، اس اعتبار سے سلام کرنے کو طبیعت چاہتی ہے حضرت خطیب الاسلام کی عبقریت اور ان کی بلندیٔ فکر کو کہ جب کسی کے وہم وگمان میں بھی یہ فاصلاتی نظام تعلیم نہیں تھا، اس وقت حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے ذہن میں یہ خیال آیا اور اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اس نظام تعلیم کو دینی نظام تعلیم سے مربوط فرما کر ۱۹۶۶ء میں ادارہ ''جامعہ دینیات اردو'' دیوبند میں قائم فرمایا، جس کے ذریعہ غریب و نادار گھرانوں اور پردہ نشین بچیوں کی دینی تعلیم کے زبردست مسئلے کے حل کی صورتیں نکالیں۔

حضرت خطیب الاسلام کے کتابوں پر مقدمات وتقریظات

حضرت خطیب الاسلام کے تعلیمی وعلمی کارناموں میں ایک بہت اہم اور بڑا علمی کارنامہ برصغیر کے اسلامی مؤلفین کی مؤقر تالیفات پر آپ کے وہ بیش قیمت علمی، دینی ودعوتی مقدمات وتقریظات ہیں جو''مقدمۃ الکتاب'' کی حیثیت سے ان موضوعات اوران کتابوں کا خلاصہ ہیں جن میں آپ کو غرض کتاب، عنوان کتاب، منفعت کتاب، (اس کتاب کو لکھنے کا فائدہ کیا ہے؟ مرتبۂ کتاب، (یہ کتاب عقلی ہے، نظری ہے یا تطبیقی ہے) صنعتِ کتاب (کس فن سے متعلق ہے) اور موضوع کے مختلف گوشوں کا تجزیہ اور صحۃ الکتاب جیسی اہمیت کی حامل معلومات قاری کو نظر آئیں گی۔

یہ بات اپنی جگہ مسلم ہے کہ اہل علم و دانش اور علمائے کرام اپنی نگارشات پر یا اپنی لکھی ہوئی کتابوں پر انہی لوگوں سے مقدمات یا تقریظات لکھواتے ہیں، جو شخصیات علمی اعتبار سے نہایت متفوق اور علمی وعملی اعتبار سے مرجع کی حیثیت رکھتی ہیں، کہ ان کا نام آجانا ہی کتاب کی اہمیت اور افادیت کو دوبالا کردیتا ہے، حضرت خطیب الاسلام کی عظیم ترین و بلند پایہ شخصیت اس اعتبار سے برصغیر کے علمی حلقوں میں خصوصا اور عالمی حلقوں میں عموما بالکل مسلم اور مرجع کی حیثیت رکھتی ہے، اس لئے پچھلی نصف صدی میں جو بھی شخص حلقہ دیوبند میں میدان تصنیف وتالیف میں قدم رکھتا وہ اپنی کتابوں کے لئے تقریظات لکھوانے کے واسطے آستانہ قاسمی کا رخ کرتا، اور حضرت خطیب الاسلام اس پر چند سطر میں لکھ دینا ہی اس کے لئے میدان تالیف کے اسرار کھولنے کے لئے کافی ہوجاتا اور لوگ ان کی شہادت علمیہ کو معتبر مانتے، اس لئے حضرت خطیب الاسلام جس بستر پر آرام فرماتے اس کے آدھے حصہ میں مؤلفین کے مسودے رکھے رہتے تھے۔

حضرت کی تمام تقریظات ومقدمات کا یہاں احاطہ تو ممکن نہیں اور نہ ہی مقصود ہے، کیونکہ وہ اتنا بڑا علمی ومعلوماتی ذخیرہ ہے جس کے احاطہ کرنے کے لئے الگ سے مستقل تصنیف کی ضرورت ہے۔ اور متوسلین اور محبین خطیب الاسلام کے لئے خصوصاً اور امت مسلمہ ہندیہ کے لئے عموماً یہ عظیم علمی، دعوتی اور دینی سرمایہ ہے۔ بعض تقریظات اور مقدمات تو ایسے ہیں جن کو دینی و دعوتی راہ نمائی اور

اسلامی ذہن سازی کے لئے الگ اور مستقل چھوٹے چھوٹے کتابچوں میں شائع کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

حضرت کے تحریر کردہ مقدمات اور تقریظات کی چند اہم خصوصیات

راقم الحروف ودیگر مؤقر مؤلفین کا تجربہ ومشاہدہ یہ رہا کہ جن کتابوں پر حضرت خطیب الاسلام نے مقدمات، پیش لفظ یا تقریظات لکھدی ہیں وہ کتابیں قارئین کی نظر میں لائق اعتناء وقابل اعتبار ہوگئیں اوران کتابوں کی علمی وقعت میں اضافہ ہوگیا۔

ان ہی تقریظات ومقدمات میں سے ایک وہ مقدمہ ہے جو حضرت نے راقم الحروف کی پہلی باقاعدہ تصنیف ''تاریخ انسانی کا ایک مظلوم کردارِقوم کی بیٹی عزت مآب شہیدۂ اسلام مسعودہ بیگم رحمۃ اللہ علیہا'' پرتحریرفرمایا، جس سے کتاب کی اہمیت دوبالا ہوگئی اس مقدمہ کوافادہ عامہ کے لئے مکمل نقل کیا جارہاہے۔

تاریخ انسانی کا ایک مظلوم ترین کردارقوم کی بیٹی شہیدۂ اسلام مسعودہ بیگم رحمۃ اللہ علیہا

انسانی فطرت سلیمہ کے عین مطابق ''نورایمان'' جس طرح ہر دور میں عالمی پیمانے پرنور پاش رہا ہے، اسی طرح فوزوفلاح اُخروی کا یقینی وسیلہ بن کرحق پسندانسانیت کے لئے ذریعہ مغفرت ومقبولیت بھی بنتا رہاہے، اس کے متقابل ظلمت کفروشرک ہر دور میں محروم وشیطانی پونجی رہی ہے کہ جوصرف دولت واقتدار کے بل بوتے پرغالب ہونے کی صورت میں پنپ کرگمراہی عظیم کا سبب بنتی رہی ہے۔

اس تقابلی ظلمت کفر کی برقراری وترقی حق ناشناس سرمایہ داروں اورنفس وشیطان کی ہمنوائی سے اہل کفر کے لئے انتہائی آسان بنتی رہی ہے اوراس کے متقابل سرچشمۂ ہدایت عقیدۂ توحید ''**هو الله احـــد**'' کے صداقت مآب اعلان حق نے تمام متقابل مشرکانہ قوتوں کو بوکھلا دیا اورانہوں نے اپنے جہل مسلط سے اس صدائے حق پرسرنگوئی کے بجائے ظالمانہ ومتکبرانہ تقابل کی راہ اختیار کی جس نے حق وباطل کی نبردآزمائیوں کی تاریخ میں نہ صرف بدترین باب کا اضافہ ہی کیا بلکہ انہیں قبول حق کے سرمایہ سعادت سے بھی ہمیشہ کے لئے محروم کردیا۔

اس کے متقابل دوسری تابدار تاریخی حقیقت یہ ہے کہ حق و باطل کی اس آویزش میں فدا کاران ''لا الہ الا اللہ'' نے کلمۂ حق کی سربلندی کی راہ میں جان و مال کے تحفظ کے ادنی احساس تک کو کبھی حائل ہونے نہیں دیا، اسی کے ساتھ ملت اسلام کے لئے لائق فخر اور قابل عزت یہ امتیاز بھی ہے کہ جان مال کی قربانیوں کے تاریخ کے شجاعانہ عمل میں مردوں کے دوش بدوش وہ بے شمار بہادر خواتین بھی ہیں کہ جنہوں نے ضرورت پڑنے پر صفحات تاریخ پر وہ نقوش ثبت کئے کہ مؤرخ کے لئے ان سے مجال انکار باقی نہیں چھوڑی، چنانچہ دشمنان اسلام و مسلمین کی انسانیت کش شقاوتوں کے بے پناہ ہجوم کے اس دور میں کہ جس میں مردوں کی مردانہ طاقتیں آتشناک ہتھیاروں کے بالمقابل بے بس ہوکر رہ گئیں ہوں اور نا قابل بیان وحشت ناک ایذا رسانیوں، ظلم وستم کی تمام حدود پار کر چکی ہوں، ایسی المناک بےبسی کی حالت میں یہ واقعہ ہمدرد انسانیت اہل نظر پر غم والم کے پہاڑ توڑ دینے کے لئے کافی ہے کہ اس نا گفتہ بہ حالت میں ایک نوعمر صاحب ایمان خاتون ''مسعودہ بیگم'' کو ایمانی استقامت کا رب قدیر نے بے مثال نمونہ بنایا اور شہادت کی عزت سے نواز کر حق تعالیٰ ملت پر پڑے ہوئے پردہ غفلت کو اتمام حجت کی مقراض سے چاک کر دیا، جس کی یہ تعبیر قرین صواب زیادہ محسوس ہوتی ہے کہ اس ظاہری حرماں نصیبی میں یہ ابدی خوش بختی پنہاں تھی کہ اللہ رب العزت کی الوہیت مطلقہ محمد رسول اللہ کی نبوت خاتمہ اور اسلام کی دینی قطعیت مقدسہ، کی امانتوں سے قلب و دماغ کو آراستہ کر کے، رب کریم نے مسعودہ کو اپنے حضور میں حاضری کی سعادت ابدی سے نوازا ہے۔

دوسری جانب اس یقین کو بھی کوئی پہلو مشکوک بنانے والا نہیں، کہ اس مومنہ مخلصہ کے مدمقابل ایمان وانسانیت کے دشمن بالیقین اسی نحوست متوقعہ سے حقدار ہیں کہ:

ازل میں یہ نہ ہوتے صلب آدم میں تو پھر ہرگز
نہ ہوتا راندۂ درگاہ شیطان سجدہ کر لیتا

جس کے معنی یہ ہیں کہ سراپا صداقت وسعادت اس مسعودہ کو قدرت نے مومنہ مخلصہ کی حیثیت سے تاریخ انسانیت کی ابدی زینت بنا دیا ہے کہ جس کو شداد ان وقت نے اپنے آتش کدۂ فکر نمرودی کی پرسوز لپٹوں میں خاکستر کر دینے کے لئے دھکیلا، لیکن اللہ نے پیغام خلیل کی حامل اس مؤمنہ کے لئے ان لپٹوں کو عالم باقی میں نا آشنائے خزاں صورت گل گلزار بصورت رضا عطا فرما دی اور عالم فانی میں حق شناس دلوں میں اس کی انمٹ تقدیس جاگزیں فرما دی۔

ان آلام بے کراں میں مبتلا ہونے والی مسعودہ کو بدترین درندگی کے ساتھ دین فطرت اسلام کو ترک کردینے پر مجبور کرنے والی ظالمانہ دعوت ارتداد پر اس نے صدیقیت کی بے کراں ہمت وقوت سے ٹھوکر ماردی اور اس پر دشمنوں کی طرف سے انتقاماً سر پڑنے والی آفات عظیمہ کو من اللہ عزت، مصائب الیمہ، کو ایمانی نعمت اور شدائد شدیدہ کو رب کریم کی بے کراں نعمت قرار دے کر جان جان آفریں کے سپرد کرکے: عاشت سعيده، وماتت شهيدة کا مثالی مصداق بن گئی۔

اس شہیدۂ اسلام کی عبرتناک حیات مظلومیت اور لائق رشک موت مقبولیت، ملت اسلام کے لئے اس بھولے ہوئے سبق کی ناقابل فراموش یاددہانی ہے، کہ جو آج کتب تاریخ کی زینت تو ہے لیکن عبرت آموز دلوں سے حرماں نصیبی اس کا مقدر بنی ہوئی ہے۔

مسعودہ پر بے نہایت ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جانے کی المناک عبرت ناک تفصیلات پیش نظر شہادت نامۂ مسعودہ میں پڑھ کر صرف خون کے آنسوں بہالینا کسی مقصدیت کا حامل نہیں ہوگا بلکہ بانی دارالعلوم دیوبند سید العلماء حجۃ الاسلام حضرت الامام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ العزیز اور ان کے رفقا وتلامذہ مقدسین کی اتباع سنت پر مبنی روشن روایات کی حامل زندگیوں کی اس قابل قدر ترجمانی کو حرز جان بنانا ہی حصول مراد کا باعث بنے گا، کہ جس کو مفکر ملت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاںؒ نے اجلاس صد سالہ دارالعلوم دیوبند میں اس طرح ارشاد فرما کر ناقابل فراموش بنادیا کہ:

> ''اس ملک کو تنہا آپ بچا سکتے ہیں، اس لئے کہ آپ کے پاس ''عقیدۂ توحید'' ہے اور انسانی مساوات کا اصول ہے، آپ کے پاس ''اجتماعی عدل'' کا مکمل نظام موجود ہے، آپ ہی ہیں جو ہر چیز سے بالاتر ہیں اور آپ ہی ہیں جن کے پاس ایمان بالآخرت ہے اور ''العاقبۃ للمتقین'' پر یقین رکھتے ہیں، آپ ان لوگوں میں سے نہیں کہ جن کی نظر طاقت وقوت پر رہتی ہے اور ان کی نگاہوں میں مال ومتاع اور اکثریت ہی سب کچھ ہے، میں پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ان کی روح کا یہی پیغام ہے، حضرت شیخ الہند اسی فکر میں پگھلتے اور گھلتے رہے۔ حضرت تھانویؒ اور مولانا مدنیؒ (اپنے خاص طرز اسلوب سے) اسی کے لئے ہمیشہ سوزاں وکوشاں رہے کہ ہندوستانی مسلمان اپنی خصوصیات اور ملی تشخصات کے ساتھ اس ملک میں باقی رہیں اور قرآن وسنت کو سینے سے لگائے رکھیں۔''[1]

---

[1] خطاب برموقع صد سالہ اجلاس دارالعلوم دیوبند از مفکر اسلام مولانا علی میاں ندویؒ

اس عملی پیغام اکابر رحمہم اللہ کا عملی نمونہ بحمد اللہ بمشیت ربانی اور بتوفیق الٰہی شہیدۂ اسلام محترمہ ملت ''مسعودہ بیگم'' رحمۃ اللہ علیہا نے راہ اسلام میں جان سپاری کے ساتھ پیش کر کے بتلا دیا کہ ''قائلین لا الٰہ الا اللہ'' کی گردنیں باطل کے بالمقابل کٹ تو سکتی ہیں مگر جھک نہیں سکتیں، وہ موت کو گلے لگا کر ملت کو یہ درس حیات یاد دلا گئی کہ:

﴿ولا تقولوا لمن يقتل في سبيل الله اموات بل احياء ولكن لا تشعرون﴾

(سورة البقرة: ۱۵۴)

اس کی روح ملت اسلامیہ کو یہی زندہ تابندہ فلاح ہمیشہ دیتی رہے گی کہ:

دیکھے اس تہذیب نمرودی کو پیغام خلیل
آؤ اس آتشکدے میں گلستاں پیدا کریں

عزیز مکرم مولانا محمد اسامہ نانوتوی سلمہ اللہ نے شہیدہ اسلام مسعودہؒ کی عبرت وموعظت سے بھر پور سبق آموز کربناک سوانح کو قلم آشنا بنا کر ملت کے دردمند اہل نظر کو شکر گزاری کے ساتھ اپنا قدردان بنالیا ہے۔

راقم الحروف بصمیم قلب دعاء گو ہے کہ حق تعالیٰ مصنف سلمہ کو صحت وسلامتی اور ایمان وعمل صالح کے ساتھ خدمت علم ودین کی عزتمندانہ توفیق ارزانی فرمائے اور ان کو اور ان کے والدین محترمین کو تا دیر عمر واقبال میں برکتوں کے ساتھ سعادت مند اولاد کی مسرتوں سے شاد کام رکھے۔

ایں دعاء از من و از جملہ جہان آمین باد[1]

(مولانا) محمد سالم قاسمی (صاحب)
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند
۲۳/شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ
۱۵/اگست ۲۰۰۹ء

یہ مقدمہ حضرت خطیب الاسلام نے عشاء کی نماز کے بعد ایک مجلس میں موممانی جان (حضرت کی اہلیہ مرحومہ) کی فرمائش پر لکھا اور اس مقدمہ میں حضرت نے پوری کتاب کا ایسا خلاصہ پیش فرمایا کہ اس میں سب چیزیں ''مقدمۃ الکتاب'' کے زیر عنوان آ گئیں، اسی وجہ سے راقم نے اس مقدمے

[1] مقدمہ تاریخ انسانی کا ایک مظلوم کردار قوم کی بیٹی مسعودہ بیگم کی سوانح از خطیب الاسلام۔

کے اقتباس پر اکتفا نہ کر کے پورے مقدمے ہی کو شامل کتاب کیا۔
ان کو مکمل پڑھ لینے کے بعد آیئے ان مقدمات وتقریظات کی ان چند خصوصیات کا تذکرہ کریں۔

۱) کتاب کے موضوع پر آیات قرآنیہ اور سیرت نبوی ﷺ سے برمحل استشہاد

خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ کے تحریر کردہ مقدمات کی ایک بہت ہی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ حضرت موضوع کتاب کی تقدیم کے سلسلے میں جگہ جگہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے استشہاد فرماتے۔ ملاحظہ فرمائیں بھائی جان کی تالیف ’تدریس کی اسلامی ذمہ داریاں‘‘ کا مقدمہ اس کتاب کا نام بھی خود حضرت ہی نے تجویز فرمایا تھا اور غالباً بھائی جان کی باضابطہ یہ پہلی تصنیف تھی۔ حضرت لکھتے ہیں:

’’جملہ تعلیمات وہدایات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس انفرادی اختصاص کی حامل ہیں کہ زندگی کے ہر چھوٹے بڑے، انفرادی اور اجتماعی دائرہ کا کوئی فکر وعمل ایسا نہیں ہے کہ جس کے بارے میں جامع اور زمان ومکان پر حاوی تعلیمات موجود نہ ہوں۔ تہذیب وتمدن کے طبعی ارتقاء کے نتیجے میں افکار ونظریات میں تبدیلی ناگزیر ہوتی ہے اور یہی تبدیلیاں انسانی ذہنوں میں ماضی کو مختلف ومتنوع سوالات، اعتراضات، شبہات اور تلبیسات کا محور بنا دیتی ہیں۔ اور اس کے نتیجہ میں معاشرت، معیشت، قرابت وراثت، دوستی، اخوت، روابط، تجارت، تعلیم اور تربیت وغیرہ کے انداز و پرداز میں اگرچہ تبدیلیاں ہوتی ہیں لیکن ان تمام مراحل حیات میں اتباع سنت ملحوظ رہے تو وہ سوالات واعتراضات اور شبہات وتلبیسات پیدا ہی نہیں ہوتیں اور بالفرض اگر ہو بھی جائیں تو ان میں ہر ایک کے بارے میں ہدایات نبوی اطمینان بخش فکر سلیم، ایمان محبت وعقیدت کے ذریعہ ماحول کو کسی بغض وعناد سے دوچار ہونے نہیں دیتی اس کے برخلاف عدم اتباع سنت کے نتیجے میں ہر قسم کے روابط میں بغض وعناد باہمی ضرر شامل و داخل ہو جاتا ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے:

’’عن أبی ھریرۃ رضؓ انه سمع رسول الله ﷺ يقول ما نهيتكم عنه فاجتنبوه وما أمرتكم فافعلوا منه ما استطعتم فانما أهلك الذين من قبلكم كثرة مسائلهم و اختلافهم على انبيائهم‘‘ (مسلم ج۶، ص ۵۴۰)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کام سے تم کو منع کردوں، اس سے باز رہو اور جس کام کا حکم دوں، جہاں تک تم سے ہوسکے اس کی تعمیل کرو، کیونکہ تم سے پہلے لوگ بہت زیادہ سوال کرنے اور اپنے پیغمبروں سے اختلاف کرنے کی وجہ سے تباہ ہوئے ہیں۔

اس حدیث کا ثانی الذکر یعنی کثرت سوال اور انبیاء کی ہدایات سے اختلاف کو اُمم سابقہ کی بر بادی کی علّت قرار دیا گیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ اول مرحلہ میں جب کوئی دینی حکم انبیاء کرام کے ذریعہ دیا جاتا ہے تو طبعی طور پر سہولت و آسانی پر مشتمل ہوتا ہے۔ لیکن جب اس کے مخاطبین میں ذوق اطاعت وفرماں برداری کم سے کمتر ہوتا ہے تو وہ اس حکم پر بتکلف عقلی اشکالات وضع کر کے پیش کرتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں حکم میں مخاطب کی رعونت کو ملحوظ رکھ کر شدتوں اور سختیوں میں اضافہ ہوجاتا ہے۔"[۱]

دوسری اہم خصوصیت: خوبصورت الفاظ کا انتخاب

تقریظات اور مقدمات کے لئے لکھی گئی تحریروں کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی عبارتیں خوبصورت معانی سے پر خوبصورت الفاظ پر مشتمل اور نہایت مستحکم ہوتی تھیں، اور جملے نہایت طویل ہوتے، جن سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ لکھنے والی ذات سمندر علم سے موتی چن چن کر کنارے پر لاکر رکھ رہی ہے اور علمائے متقدمین کی طرح لکھنے والے کے ذہن ودماغ پر بے شمار معانی کے چشمے ابل رہے ہیں، ملاحظہ فرمائیں "حیات طیب" کے مقدمہ کی یہ عبارت:

"حق تعالیٰ نے شیخ العرب والعجم عارف باللہ جامع علوم ومعرفت قطب ارشاد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ العزیز سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کی ذات گرامی کو لاتعداد علمی طبقات کے برابر لافانی ولاثانی دینی خدمات کے شرف سے مشرف فرمایا، حضرت والا نے اپنے زبان سے کتاب وسنت کی روشنی میں تعلیمات اسلام کے عالم گیر وآفاقی حقائق کی وہ صحیح اور مؤثر ترین ترجمانی فرمائی کہ جس نے ایشیاء، افریقہ، یورپ اور امریکہ کے ایک سو سے زائد ممالک کے کروڑوں سے متجاوز افراد کو دین کا صحیح فہم اور اس پر استقامت عطا

[۱] تدریس کی اسلامی ذمہ داریاں ص ۱۰

کی ہے، اور مسلک حق دار العلوم دیوبند کو فکر ولی اللہی وقاسمی پر اس جامعیت کے ساتھ پیش فرمایا کہ جو بقول علامہ اقبال ہر صحیح المسلک مسلمان کا مسلک قرار پایا۔ حضرت والا نے اپنے وقیع و وسیع علم ومعرفت اور مؤثر ترین اصلاح وہدایت کے لحاظ سے گذشتہ صدی کی وہ تاریخ ساز و عہد آفرین شخصیت ثابت ہوئے کہ جن کی عالمی دینی راہ نمائی، بیکراں علم ومعرفت، روحانی انقلاب آفریں پرداز اصلاح وہدایت، مثالی دیانت وامانت، بین الاقوامی فکر قاسمی پر دار العلوم کا نظم واہتمام، مردم ساز تعلیم وتدریس، عالمی مرجعیت، مدلل ترین تحریر وکتابت، مؤثر ترین تقریر وخطابت، ملت اسلامیہ کی دینی نشأۃ ثانیہ دار العلوم دیوبند کو عالمی دینی دانش گاہ بنا دینے والی بے مثال خدمات اور کارناموں کے حوالے سے انیسویں صدی کی ایک مثالی شخصیت تھے۔“[1]

اس اقتباس کے آخری پیراگراف سے مذکورہ بالا خصوصیت خوب عیاں ہو کر سامنے آتی ہے۔

(۳) مؤلفین کی نہایت خوبصورت الفاظ میں حوصلہ افزائی

تقریباً تمام ہی مقدمات، تقریظات اور پیش لفظ جو کتابوں کے حضرت نے تحریر فرمائے، ان سبھی میں یہ خصوصیت بہت عیاں ہو کر سامنے آتی تھی کہ مؤلفین کتب کی نہایت عمدہ کلمات اور اعلیٰ الفاظ میں حوصلہ افزائی فرماتے تا کہ ان کے اندر مزید کام کرنے کا حوصلہ پیدا ہو، بلکہ ان کلمات عالیہ کو جو کوئی بھی مؤلف کا متعلق سنتا یا پڑھتا تو اس کے اندر بھی کام کرنے کا جذبہ پیدا ہو جاتا ان کلمات مقبولہ عالیہ کو پڑھ کر یہ اندازہ لگانا کسی بھی ذی ہوش کے لئے مشکل نہ ہوتا کہ ان کلمات عالیہ کو لکھنے والے اپنے اندر نہایت اعلیٰ ظرفی اور وسیع المشربی رکھتے ہیں، بقول شاعر:

بڑے وہ ہیں جو عزت اپنے چھوٹوں کی بڑھاتے ہیں
کہ دنیا میں مقام ان کا ہی اعلی ہونے والا ہے

حضرت خطیب الاسلام میدان تالیف وتصنیف میں نئے قدم رکھنے والے لوگوں کی اس طرح حوصلہ افزائی فرماتے کہ ان کی خوبیاں ابھر کر سامنے آ جاتیں، یہ اعلی ظرفی اور مثبت سوچ اتباع ہے رسول اکرم ﷺ کی کہ آپ صحابہ کرام کی چھوٹی چھوٹی دعوتی اور تعلیمی کوششوں کو سراہتے، ان کو

[1] احیات طیب ص ۲۰

دعائیں دیتے اور کلمات عالیہ سے بھی نوازتے، جیسا کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے ان صحابی رسول کا واقعہ نقل کیا ہے جو شراب بھی پیتے تھے اور حضور ﷺ سے محبت کا اظہار بھی فرماتے تھے، حضور ﷺ نے ایک دوسرے صحابی کو ان کو لعن طعن کرنے سے منع فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ ان کو ملامت مت کرو، میں تو ان کے بارے میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتے ہیں، یعنی ان کا اچھا پہلو ابھارا اور زندگی کے برے پہلو کو نظر انداز فرمایا، یہی طریقہ حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ کا تھا۔ ملاحظہ فرمائیں ایک ایسی تقریظ جو بھائی جان کی کتاب ''تدریس کی اسلامی ذمہ داریاں'' پر حضرت والا نے تحریر فرمائی، بھائی جان کے بارے میں ان کلمات عالیہ کو سن کر مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہمارے گھرانے میں اور بہن بھائیوں میں ایک ایسی خوشی کی لہر دوڑی تھی جس نے ہم سب کے اندر احیائے سنت اور اعلائے کلمۃ الحق کا جذبہ پیدا کر دیا، دیکھئے حضرت خطیب الاسلام نے کن خوبصورت کلمات سے خوردنوازی فرمائی، رقم طراز ہیں۔

''مؤلف کتاب فاضل علوم دینیہ وعصریہ عزیزم محترم مولوی محمد اویس صدیقی سلمہ اللہ (نانوتوی) نے الحمدللہ ہر دو تعلیمی تقاضوں کو بحسن وخوبی بدرجہ کمال پورا کیا ہے، جس میں قدم قدم پر فکری رفعت اور خاندانی ذہانت کی جھلک موجود ہے۔ پھر موضوع کتاب کے جملہ ذیلی عنوانات پر دلکش وجاذب نظر اشتہارات نے کتاب کو غیر معمولی اہم بنا دیا ہے، ارباب تدریس کے لئے یہ کتاب انشاء اللہ تعلیم وتدریس کے بے شمار گوشوں کے انکشاف کا ذریعہ ثابت ہوگی، حق تعالیٰ مؤلف سلمہ کے لئے دنیا میں موجب عزت وعظمت اور آخرت میں وسیلہ قبولیت ومقبولیت فرمائے۔''[1]

ابتهل إلى الله عز و جل أن يبارك في جهوده العلمية و أن يديم عليه نعمه ظاهرة و باطنة، ويسدد خطاه إلى كل ما يحبه و يرضاه، و أن يجزيه خير الجزاء في الدنيا و الآخرة، إنه سميع قريب مجيب و صلى الله على محمد و على آله و صحبه اجمعين.

محمد سالم قاسمی

---

[1] مقدمہ تعلیم وتدریس کی اسلامی ذمہ داریاں، از خطیب الاسلام

چوتھی خصوصیت: کم الفاظ میں موضوع کا احاطہ اور تعارف

مجالس حکیم الاسلام پر حضرت نے اپنے کلمات عالیہ بہ عنوان ''تعارف شخصیت حکیم الاسلام'' تحریر فرمایا جو مندرجہ ذیل ہیں:

حامداً و مصلیًا!

حکیم الاسلام حضرت اقدس قدس سرہٗ العزیز کی ذات گرامی اپنی جامعیت علم وعمل اور جامعیت نسبتہائے اکابر رحمہم اللہ کی وجہ سے جماعت اہل حق میں ایک ایسے امتیاز کی مالک تھی کہ جس کا انتہائی قدر شناسی کے ساتھ تذکرہ حضرات اکابر رحمہم اللہ نے بھی فرمایا ہے حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کی خدمت میں وفات سے ایک روز قبل بغرض عیادت تھانہ بھون تشریف لے گئے ایک دو روز کا قیام کا ارادہ تھا لیکن بوجہ اجلاس مجلسِ شوریٰ دارالعلوم دیوبند دوسرے روز ہی واپسی پر مجبور ہوئے جس کی حضرت تھانوی نے اجازت بھی مرحمت فرمائی اور بوقت رخصت انتہائی ضُعف کی حالت میں حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا ہاتھ پکڑ کر پہلے اپنے سر پر رکھا پھر آنکھوں سے لگایا اُسکے بعد اُسے چوما جب کہ حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ اپنے شیخ کے اس عمل سے غیر معمولی طور پر محجوب ہو رہے تھے لیکن حضرت حکیم الامتؒ نے حضرت حکیم الاسلام کی اس دست بوسی کے بعد آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ مجھے اس وقت اپنے تمام حضرات اکابر رحمہم اللہ کی دست بوسی نصیب ہوگئی اور اب میں اپنے اس آخری وقت میں اس دست بوسی کو اپنے لئے باعثِ سعادت سمجھتا ہوں۔ شیخ وقت کا اپنے مرید باصفا کے ساتھ یہ عمل حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی علمی عظمتوں اور روحانی رفعتوں کو کسی مزید دلیل کا محتاج رہنے نہیں دیتا اور اب اس مردِ باخدا اور فرشتہ سیرت بزرگ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے مقبول عند اللہ کلمات مقدسہ کے بارے میں یہ کہنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی کہ اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ استفادہ کرنے والوں کیلئے ان شاء اللہ یہ کلمات انابت و رجوع الی اللہ کا ایک یقینی وسیلہ ثابت ہوں گے۔ حق تعالیٰ حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کی زبان مبارک کے ان ملفوظات کو روحانی صدقۂ جاریہ بنا کر قبولیت ومقبولیت ارزانی فرمائے اور ان کے لئے ذریعہ ترقی درجات فرمائے اور محترم حبیب اللہ قاسمی

کی حسنات میں اس فیض امین کی اشاعت کو اجر بے حساب کا ذریعہ بنائے یہ ملفوظات عالیہ وہ ہیں کہ جو حضرت حکیم الاسلامؒ کی شب وروز کی طاعت وعبادت کی طرح ان لازمی مجالس میں ارشاد ہوتے تھے کہ جو زندگی بھر منعقد ہوتی رہیں اور علماء وطلباء کا ایک معتد بہ مجمع ان مجالس سے دائماً مستفیض ہوتا رہا یہ مجلس شروع سے عصر بعد ہوتی تھیں لیکن استاذ الکل حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں جب بعد عصر مجلس شروع ہوگئی تو اپنے استاد محترم کی ان مجالس میں حضرت حکیم الاسلامؒ نے بذات خود پورے اہتمام سے شرکت فرمانی شروع کردی اور اپنی بعد عصر کی مجلس کو اپنے استاد محترم کی مجلس کے احترام میں بعد مغرب منتقل فرمادیا جو ان کی زندگی سے جاری ہے اور بحمد اللہ لاتعداد وہ افراد ہیں کہ جن کو حق تعالیٰ نے ان کی مجالس مبارکہ کے فیض سے بددینی اور بے دینی کی ظلمتوں سے نکال کر دین کے صحیح ذوق سلیم سے بہرہ مند فرمادیا اور وہ اعمال صالحہ اور فرائض لازمہ کی ادائیگی کی توفیق سے موفق ہوگئے فالحمد اللہ علیٰ احسانہ[۱]

فقط

محمد سالم

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

۱۲ / ربیع الاول ۱۴۱۶ھ، ۱۰ / اگست ۱۹۹۵ء

یوم الخمیس

حضرت کی اس تحریر سے حضرت حکیم الاسلام کی شخصیت کا جو خاکہ ابھر کر سامنے آیا ہے اگر مجھ جیسا ناتجربہ کار شخص حضرت پر ۲۰ صفحات بھی لکھتا تو شاید وہ تأثر ذہن میں ابھر کر نہ آتا، اسی طرح حضرت خطیب الاسلام اپنے والد مرحوم حکیم الاسلام کی مشہور زمانہ کتاب ''دینی دعوت کے قرآنی اصول'' پر مقدمہ میں فرماتے ہیں:

''تمام عالم انسان کو مخاطب بنانے والے کی نظام کی صداقت و واقعیت کی حقیقی اور واحد بنیاد اس کے سوا دوسری نہیں ہوسکتی کہ وہ ہمہ گیر فطرت انسانی کے ساتھ مکمل مطابقت رکھتا ہو۔

ارشاد خداوندی ہے ﴿فطرة الله الذي فطر الناس عليها لا تبديل لخلق الله﴾ (سورة

---

[۱] تقریظ، مجالس حکیم الاسلام

الروم: ۳۰) اللہ کی دی ہوئی قابلیت کا اتباع کروں جس پر اللہ نے لوگوں کو پیدا کیا ہے اللہ کی اس پیدا کردہ چیز کو بدلنا نہ چاہئے۔ کے تحت فطرت انسانی منصوص طور پر ایک نا قابلِ تردید اور نا قابلِ تغیر وہ اصل ہے کہ جس سے وجود انسانی میں متولد ہونے والے بے شمار دواعی وجذبات حرکات وسکنات اور اقوال وافعال وغیرہ نہ صرف ہر آن تغیر پذیر رہی ہیں بلکہ اشرف المخلوقات ہونے کے منصبِ عظیم پر انسان کا فائز ہونا بھی انہی تغیرات پر دائر وسائر ہیں پس فطرت انسانی کا مخلوق ہونے کے باوجود جس طرح غیر متغیر ہونا حق تعالیٰ شانہ کی ذاتِ قدیم وواجب الوجود کے غیر متغیر ہونے کو نا قابلِ انکار بنا دیتا ہے اس طرح فطرت انسانی سے کائناتِ میں پیدا ہونے والے بے شمار تغیرات کو سمجھنے کے لئے کسی دلیل کا محتاج نہیں رہنے دیتے لہٰذا غیر متغیر ذات خداوندی کا مختلف حیثیات سے اپنی لامحدود تغیر پذیر مخلوقات کو درو بست اپنے احاطۂ قدرت میں رکھنا منطقی طور پر اس حقیقت کو بے غبار بنا دیتا ہے کہ انسانیت کے لئے کامل ومکمل نظام صرف وہی ہوسکتا ہے کہ جو انسان کی ذات میں اُس کی فطرتِ غیر متغیر سے پیدا ہونے والے مختلف الانواع تغیرات پر درو بست محیط ہو اور ظاہر ہے کہ ایسا نظام کامل انسان کی محدود عقل تخلیق نہیں کرسکتی بلکہ اس نظام وقانون کا مقنن انسان کے خالق کے علاوہ کوئی دوسرا قطعاً نہیں ہوسکتا۔

اسی لئے بلاخوفِ تردید دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ کا آخری دین اسلام غیر متغیر فطرتِ انسانی کی مطابقت کے ساتھ انسان کے تمام تغیر پذیر احوال وکیفیات پر محیط ہونے کے لحاظ سے ومنفرد یکتا اور کامل ترین نظام ہے کہ ادیان ومذاہب اور افکار ونظریات کا کوئی نظام نہ کبھی اس کا ہم قدم بن سکا ہے اور نہ کبھی بن سکے گا۔

اسلام کا نظام اس اصول کی روشنی میں دنیا کے مختلف خطوں میں بسنے والی اقوام وملل کو اگر ان کے خطۂ ارض کی ماحولی خصوصیات اور معاشرتی روایات کو ملحوظ رکھ کر اُن کو اس دین فطرت کی دعوت دی جائے تو اس کی اثر آفرینی تردد وتأمل سے بالاتر ہوکر یقین ہے کہ قطعی طور پر متیقن ہوجائے گی۔''[1]

پیش نظر کتاب ''دینی دعوت کے قرآنی اصول'' حکیم الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد طیب

[1] دینی دعوت کے قرآنی اصول

صاحب قدس سرہٗ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کی اسلام کے مزاج اجتماعیت ودعوت پر اُس عمیق ترین نگاہ بصیرت کی غماز ہے کی جس نے اُن کو جماعت علمائے کرام میں ایک منفرد اور مسلّم مقام عظمت پر فائز فرمایا اس لئے دعوتِ دین کے لئے موفق علمائے کرام کیلئے یہ کتاب ایسا متن ہے کہ جو حسبِ ظروف واحوال دنیا کے تمام ملکوں، تمام قوموں اور تمام ادیان وملل کے سامنے مؤثر ترین اسالیب پر مشتمل ابلاغ دین کی انشاء اللہ ایک مکمل راہ نما ثابت ہوگی حق تعالیٰ حضرتِ مصنف قدس سرہٗ کے لئے اس عالمگیر دینی خدمتِ عظیم کو قبولیت عطاء فرمائیں اور بے حساب ترقی درجات کا وسیلہ بنا کر قبول فرمایا۔ آمین یارب العالمین۔

کتب خانہ رحیمیہ دیوبند کی نشاۃ ثانیہ میں عالم گیر فیضان پر مشتمل اس کتاب عظیم کی شمولیت امید ہے کہ بے حساب برکات وترقیات کا وسیلہ ثابت ہوگی۔

فقط
حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی
مہتمم وقف دارالعلوم دیوبند
۱۴/۵/۱۴۱۵ھ ۲۰/۱۰/۱۹۹۴ء
یوم الخمیس

حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ تحریر کردہ تقریظات اور مقدمات کی بہت ساری خصوصیات ہیں، چند ایک کا تذکرہ کردیا گیا ہے، باقی مزید ان کتابوں پر لکھی گئی تقریظات کو پڑھنے ہی سے اندازہ ہوگا، حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ نے نہ صرف اردو کتابوں پر تقریظات لکھیں، بلکہ مؤلفین کی حسب فرمائش عربی میں بھی کتابوں پر مقدمات اور تقریظات لکھیں جیساہ حضرت رحمۃ اللہ نے ۲۰۱۰ء میں بھائی جان محترم کی مشہور عربی تالیف، الإمام الکبیر محمد قاسم النانوتوی وجهوده فی إعلاء کلمۃ اللہ اور محترم جناب مولانا شکیب صاحب قاسمی کی گراں قدر تالیف الشیخ المفتی محمد شفیع العثمانی فقیہاً للنوازل والواقعات پر تحریر فرمایا۔

بہر حال حضرت کی حیات مبارکہ کا یہ بھی ایک بہت اہم پہلو ہے جس پر الگ سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔

حضرت خطیب الاسلام بحیثیت شارح فکر قاسمی

کسی بھی نظام یا تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے یہ لازم ہے کہ اس فکر یا نظام یا تحریک کو آگے بڑھانے والا اس فکر، نظام اور تحریک کے بانیان اور قائدین کی فکر و مزاج اور ان کے طریقہ کار سے فکری اور مزاجی طور پر ہم آہنگ ہو، ہم آہنگ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ فکری، علمی، مزاجی اور عملی طور پر ان کے ہم مرتبہ و ہم پلہ ہو، اگر ''ہم آہنگی'' نہیں تو ایسا شخص اس نظام کو اس تحریک کو، اس فکر کو آگے نہیں بڑھا سکتا، ہوسکتا ہے کہ وہ اس تحریک سے بحیثیت ایک کارندہ وابستہ ہو جائے مگر یہ ممکن نہیں کہ وہ کوئی قائدانہ کردار اس نظام کو آگے بڑھانے میں ادا کر سکے، قائدانہ کردار اگر ادا کرنا ہے تو اس شخص کو اپنے آپ کو بے شمار صلاحیتوں سے مزود کرنا ہوگا۔ خاص طور پر فکری وسعت علمی عظمت اور قوی الحوصلہ ہو تب کہیں جا کر وہ کسی نظام کو آگے بڑھانے میں قائدانہ کردار ادا کر سکتا ہے۔

حضرت خطیب الاسلام کو جہاں اللہ نے فکری وسعت، علمی عظمت اور قوی الحوصلہ بنایا، وہیں حکمت آفرینی، عالمینی فکر اور اتباع سنت رسول اللہ کے امتیازی اوصاف بھی عطا فرمائے تھے جس نے ''دارالعلوم وقف دیوبند کی معنویت کو درجۂ کمال تک پہنچا دیا۔

حضرت خطیب الاسلام شارح علوم قاسمی کیسے بنیاس کے لئے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ بانی دارالعلوم دیوبند حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی کون تھے، ان کی فکر کیا تھی، ان کی شخصیت کیا تھی، تیرھویں صدی میں ان سے اللہ نے کیا کام لیا، ان کی شخصیت عہد ساز کیسے تھی، ان تمام پہلوؤں پر غور کرنا ہوگا، ان کی فکر کا جائزہ لینا ہوگا، ان تمام سوالوں کا جواب دیتے ہوئے حضرت خطیب الاسلام ''کمالات حکیم الاسلام حصہ ششم میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''ملت اسلامیہ کے محسن اکبر حضرت الامام محمد قاسم النانوتوی قدس سرہ (بانی دارالعلوم دیوبند) کی ذات گرامی، آپ کی علمی رفعت، گیرائی فکر اور ندرت استدلال سے غیر معمولی طور پر متاثر ایک وسیع النظر عرب عالم فضیلۃ الشیخ علامہ عبد الفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ علیہ دارالعلوم دیوبند میں تشریف لائے اور حضرت الامام النانوتوی کے علوم کے ترجمے کے ذریعہ تھوڑے سے استفادہ

کے بعد حضرت حکیم الاسلام رحمہ اللہ سے کمال تاثر، قدردانی سے شکایتاً فرمایا کہ حضرت الامام النانوتوی کی بعض مصنفاتِ وقیعہ کے چند مختصر مفاھیم عالیہ کا ترجمہ سن کر میں نے ایک پوری کتاب جسے بار بار پڑھنے کے بعد مجھے علماء دارالعلوم دیوبند سے یہ بجا اور برمحل شکایت پیدا ہوئی کہ حضرت الامام کے یہ بیش قیمت علوم نادرہ ہیں کہ ان سے مستفید ہونے والے کو ''رازی'' اور ''غزالی'' سے بے نیازی نصیب ہوسکتی ہے۔ لیکن اس بیش بہا ذخیرہ کو عربی زبان میں منتقل نہ کر کے آپ حضرات نے ہم غیر اردو دانوں کے ساتھ بڑی ناانصافی ہی نہیں بلکہ مجھے معاف فرمائیں اگر یہ کہوں کہ زبردست زیادتی فرمائی ہے تو بے جا نہیں ہوگا۔ یہ ندرت استدلال پر مشتمل الہامی علوم چونکہ انسانیت کو رہنمائی دینے والے ابدی علوم نبوت سے مستنبط ہیں، اس لئے یقین ہے کہ ان علوم قاسمیہ کی روشنی عالم کو منور کرنے والی شخصیات بھی ہر دور کو حق تعالی اسی طرح عطا فرماتا رہے گا جیسا کہ حضرت شمس تبریز کو ان کے علوم کا ترجمان بنا کر جلال الدین رومیؒ دیے گئے، حافظ ابن تیمیہ کو ابن قیم دیے گئے، حافظ حدیث ابن حجر عسقلانیؒ کو علامہ سخاوی دیے گئے، حافظ ابن ھمام کو قاسم ابن قطلو بغا دیے گئے۔ مسندِ ہند شاہ ولی اللہ کو شاہ عبدالعزیز دیے گئے۔ سید الطائفہ حاجی امداد اللہ کو امام محمد قاسم نانوتوی دیئے گئے، حضرت الامام محمد قاسم النانوتوی کو شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیے گئے، شیخ الہند کو شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی اور جامع المعقول والمنقول علامہ محمد ابراہیم بلیاوی دیے گئے اور علامہ بلیاوی اور علامہ عثمانی کے توسط سے علوم قاسمیہ کی عالمگیر ترجمانی کے شرف سے فضیلۃ الشیخ حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب کو منجانب اللہ مشرف فرمایا گیا''۔[1]

یہ تھے حضرت خطیب الاسلام کے وہ تاثرات جو حجۃ الاسلام کے مقام کو متعین کرتے ہیں۔ حجۃ الاسلام کے اس عالمینی فکری نظام کو انہی امتیازات وخصوصیات کے ساتھ جن پر حجۃ الاسلام نے اس کی بنیاد رکھی تھی پہلے حضرت حکیم الاسلام نے پروان چڑھایا اور ان کی تشریح کی، اور پھر اسی حکمت قاسمیہ کی عصری تقاضوں کے مطابق نصف صدی سے زائد حضرت خطیب الاسلام توضیح وتشریح کرتے رہے، اور حکمت قاسمیہ کو دنیا کے کونے کونے میں تقسیم کرنے کے لئے اپنی حیات مستعار وقف کردی۔

[1] کمالات حکیم الاسلام حصہ ششم ''تاثرات از: خطیب الاسلام، ص ۳۱-۳۲۔

حجۃ الاسلام کی عہد ساز شخصیت

حضرت خطیب الاسلام حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی کے بارے میں اپنے ایک بیان میں فرماتے ہیں (یہ بیان اخبار ''الخیر''، پاکستان، میں شائع ہوا) کہ:

''مردان حق عہد نبرد نہیں عہد ساز ہوتے ہیں وہ گردو پیش میں نہیں گھرتے، حالات کو نیا رخ دیتے ہیں، وہ بہاؤ کے رخ نہیں بہتے بہاؤ کے الٹ تیرتے ہیں، دنیا سراسر طوفان بن جائے حق کے چراغ نہیں بجھتے، ایسے لوگ تاریخ میں عہد ساز شخصیتیں کہلاتی ہیں وہ دنیا کو اثر دیتے ہیں اس سے اثر لیتے نہیں۔''[1]

اگر گیتی سراسر باد گیرد
چراغِ مقبلاں ھرگز نمیرد

اس موقع پر حضرت خطیب الاسلام نے ایک حدیث بیان فرمائی جس کو علامہ بیہقی نے ''دلائل النبوۃ'' میں نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اِنَّـهُ سَيكُوْن فِي آخر هذه الأمة قوم أجورهم مثلُ اُجور أولهم يأ مرون بالمعروف و ينهون عن النكر ويقاتلون أهل الفتن.'' (دلائل النبوۃ، ج۶ص۵۱۳)

کہ اس امت کے آخری دور میں کچھ ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کو پہلے لوگوں جیسا اجر ملے گا وہ لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ساتھ اہل باطل سے مقابلہ کرنے والے بھی ہوں گے۔

حضرت خطیب الاسلام کے اس حدیث کو یہاں بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم النانوتوی، اسی طرح حضرت گنگوہی، یہ حضرات وہ ہیں جو اس حدیث کا مصداق ہیں۔

حجۃ الاسلام کی عبقریت

حضرت خطیب الاسلام بحیثیت شارح علوم قاسمی حجۃ الاسلام کی عبقریت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''بارھویں صدی میں ہندوستان میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور تیرھویں صدی میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی عبقری شخصیتیں پورے عالم اسلام میں حجۃ الاسلام تسلیم کی

[1] خطبات خطیب الاسلام، ص۴۰۸

گئیں ہیں۔ یہ دونوں حضرات اسلامی علوم کے اسرار وحکم کے بے تاج بادشاہ ہوئے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب سے دہلی کی مسند علمی نے شہرت پائی اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی (متوفی ۱۲۹۷ھ) سے دیوبند کی نہضت علمی قائم ہوئی۔"[1]

حضرت خطیب الاسلام حجۃ الاسلام کے اس نازک وقت کے حالات کو بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں جس میں حجۃ الاسلام نے برصغیر ہند و پاک کے مسلمانوں کی دینی، مذہبی اور ملی طور پر آبیاری فرمائی، وہ فرماتے ہیں:

"حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ نے ۱۲۹۷ھ جب شعور کی آنکھ کھولی تو آپ نے اپنے اردگرد عجیب مذہبی ماحول پایا، ہندو مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی تعداد سے خوفزدہ ہوکر اپنے پرانے دھرم (سناتن دھرم) کو زندہ کرنے کی کوشش کررہے تھے، اوران میں آریہ سماج کے نام سے ایک نئی تحریک اٹھ چکی تھی۔ انگریز حکومت کے زیرسایہ مسلمانوں میں آزادخیال اور جدت پسندی تیزی سے سر اٹھارہی تھی، انگلستان، فرانس اور یوروپ سے آنے والی عیسائی مشنریوں کی ایک قطار لگی ہوئی تھی۔ چھاپہ خانے نئے نئے لگے تھے اوراب پتھروں پر طباعت ہونے لگی تھی۔ مسلمانوں پر یہ وقت ایسا آن پڑا تھا کہ اسلام کی کشتی کو منجدھار میں کھینا اور کنارے تک پہنچانا خاصا مشکل کام تھا اس کے لئے ایک ایسے مردآہن کی ضرورت تھی جو بیک وقت چومکھی لڑائی لڑ سکے اور اپنی نظروفکر میں وہ سرمو محدثین دہلی سے متجاوز نہ ہو۔ محدثین دہلی کی آخری صف کے لوگ مولانا مملوک علی (۱۲۶۷ھ) مولانا عبدالغنی (۱۲۹۶ھ) اور مولانا احمد علی سہارنپوری (۱۲۹۷ھ) وہ حضرات ہیں جن سے حضرت نانوتوی نے علم دین پایا اور یہ حضرات مولانا شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی (۱۲۶۲ھ) کے شاگرد تھے۔ یہ وہ دور تھا جب ہندوستان کی قدیم دینی درسگاہ جامعہ رحیمیہ دہلی کا چراغ انگریزی بادِصرصر کے شدید جھٹکوں کی زد میں تھا، علم الٰہی میں مقدر ہوا کہ اب یہ علمی مرکزیت حضرت نانوتوی کی عبقریت میں ابھرے اور تاریخ گواہ ہے کہ پھر ایسا ہی ہوا۔ شاہین کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا۔"[2]

---

[1] اخبار "الخیر" پاکستان عنوان ایک عہد ساز شخصیت بانی دارالعلوم دیوبند

[2] اخبار "الخیر" پاکستان، خطبات خطیب الاسلام ج۲، ص ۴۰۸

حضرت نانوتوی کی بصیرت افروز نگاہ اور باطل قوتوں سے چومکھی لڑائی

حضرت حجۃ الاسلام نے باطل قوتوں سے چومکھی لڑائی کس طرح لڑی اس کو بیان کرتے ہوئے حضرت خطیب الاسلام اپنی ایک مجلس میں فرماتے ہیں:

''حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان تمام فتنوں (خطیب الاسلام نے زمانہ صدیق اکبر میں اٹھنے والے فتنوں کا تذکرہ کیا اس کے بعد یہ فرمایا) کہ پوری قوت ایمانی سے کسی مصلحت کو آڑے نہ آنے دیا اور آپ نے ان تمام محاذوں کے خلاف چومکھی لڑائی لڑی اور ہر قدم پر فتح نے آپ کا استقبال کیا اور اللہ کی مدد ہمیشہ آپ کے شامل رہی۔ صدیق فطرت لوگ بہت کم ہوئے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہیں کوئی مصلحت اور اندیشہ اپنے عمل سے نہ روک سکے۔ حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند اس پہلو سے ایک صدیق فطرت انسان تھے، جنہوں نے اسلام پر کئے جانے والے ہر متوازی حملے کا پوری دلجمعی سے مقابلہ کیا، آپ حضرت ابوبکر صدیق کی اولاد میں سے تھے صرف نسباً نہیں نسبتہً بھی آپ انہی کی راہ پر چلے اور تاریخ نے اس کی شہادت محفوظ کر لی۔ علم الٰہی میں تھا کہ چودھویں صدی ھجری میں ختم نبوت کے اسلامی معنی کے انکار میں ایک الحادی تحریک اٹھے گی، ختم نبوت کے تیرہ سو سال سے یہی معنی سمجھے گئے تھے کہ حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہوگا، ملحدین یہ نئے معنی لے کر اٹھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کا کوئی نبی نہ ہوگا آپ پر تمام مراتب نبوت ختم ہو چکے، یہ اسی طرح ہے جیسے کوئی کہے غالب پر شاعری ختم ہے، یعنی اس مرتبہ کا کوئی شاعر نہ ہوگا یہ نہیں کہ اب شاعر نہ ہوگا، ان دو معنی کو تقابلی مطالعہ میں اس طرح لیجئے۔

لا نبي بعدی میں بعد زمانی مراد ہے کہ آپ کے بعد اب کوئی نبی پیدا نہ ہوگا۔

لا نبي بعدی میں بعد مرتبی مراد ہے کہ اب آپ کے مرتبہ کا کوئی نبی نہ ہوگا۔

پہلے معنی تیرہ سو سال سے امت میں متوارث چلے آرہے تھے اور امت پورے تواتر سے اس پر جمع تھی، لیکن یہ نئے معنی عام جاہلوں کے لئے زیادہ جاذب اور ظاہری پیرایہ میں حضور کی شان کا عنوان ہو سکتے تھے اور جذباتی پیرایہ میں کہا جا سکتا تھا کہ یہ معنی زیادہ اچھے ہیں۔''[1]

---

[1] مجالس خطیب الاسلام

اس تمہید کو بیان کرنے کے بعد حضرت خطیب الاسلام حضرت حجۃ الاسلام کے بارے میں فرماتے ہیں کہ وہ ایک صدیق فطرت انسان کس طرح تھے، فرماتے ہیں:

''ابھی چودھویں صدی ظہور میں نہ آئی تھی اور نہ یہ دوسرے معنی دنیا میں کہیں عام ہوئے تھے کہ اللہ تعالی نے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے دل میں یہ بات ڈالی کہ یہ دوسرے معنی پہلے معنی سے کہیں متصادم نہیں انہیں پہلے معنی کے ساتھ جمع کرلیا جائے اور عقیدہ حضور کی ختم نبوت اور ختم نبوت مرتبی دونوں کا ہو تو اس سے اسلام کا کوئی اصول نہیں ٹوٹتا، نہ اس کا کسی نص سے تصادم لازم آتا ہے۔ آپ نے تیرھویں صدی میں ہی یہ بات اٹھا دی کہ ختم نبوت مرتبی ختم نبوت زمانی سے ہرگز منافی ہے۔ تاکہ ختم نبوت مرتبی کے عنوان سے کوئی شخص ختم نبوت کا انکار نہ کرسکے۔ ختم نبوت مرتبی کے اقرار سے ختم نبوت زمانی کا انکار کرنا سفاہت کے سوا کچھ نہیں اور یہ کھلے بندوں زندقہ اور الحاد ہے۔ کیونکہ اس میں ایک متواتر چلے آنے والے معنی کا انکار ہے۔

اللہ کی شان دیکھئے کہ ابھی مرزا غلام احمد قادیانی کا یہ الحادی فتنہ سامنے نہ آیا تھا کہ اللہ تعالی نے اس کا توڑ پہلے سے حضرت الامام حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم کے دل میں ڈال دیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل بجا فرمایا کہ ''مومن کی فراست سے ڈر کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ اللہ تعالی کی قدیم سنت رہی ہے کہ ہر پیدا ہونے والے شر سے بچاؤ کی راہ وہ کسی ولی کے دل میں اتار دیتا ہے، اور دنیا میں کوئی بھی ایسی بیماری نہیں آئی مگر یہ کہ اللہ نے اس کا علاج پہلے سے پیدا نہ کر دیا ہو۔ حضرت الامام حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند نے ختم نبوت مرتبی کو ختم نبوت زمانی کے ساتھ جوڑ کر جو الہامی تقریر فرمائی ہے وہ تحذیر الناس میں اس طرح موجود ہے''[1]

اس کے بعد حضرت نے اس سلسلے میں دی گئی تحذیر الناس کی عبارات کا خلاصہ پیش فرمایا اور حضرت حجۃ الاسلام کی عبارتیں نقل فرمائیں۔[2]

---

[1] خطبات خطیب الاسلام ۴۱۵۔ اخبار ''الخیر'' پاکستان

[2] تحذیر الناس صفحہ ۲۵ پر دیکھیں

اس مضمون کو مدلل ومبرھن بیان کرنے کے بعد حضرت خطیب الاسلام فرماتے ہیں:

''اسلام کے پہلے دور میں اللہ تعالی نے عقیدہ ختم نبوت کے تحفظ کی جو خدمت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لی اس دور آخر میں اس عقیدہ کے تحفظ کے لئے آپ کے خاندان کے فرزند جلیل اور اسلام کی حجت حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم کو بیشتر اس کہ کہ مرزا غلام احمد قادیانی دعویٰ نبوت لے کر اٹھے، ختم نبوت مرتبی کے اثبات کے لئے ہندوستان میں پیدا کر دیا، تاکہ آئندہ جو ہتھیار قادیانیوں نے ختم نبوت زمانی کے خلاف استعمال کرنا تھا حضرت مولانا رحمتہ اللہ علیہ نے اس ہتھیار کو ختم نبوت زمانی کا پہرہ دار بنا دیا۔ یہ حرم نبوت کا اعجاز ہے کہ ابھی اس پر دور ابتلاء نہ آیا تھا کہ اس کا غلیظ وغلط ابہام سے کلی انخلاء ہو گیا۔

میں نے تحدیز الناس کو دیکھا ہے مولانا محمد قاسم صاحب کو اعلی درجہ کا مسلمان سمجھتا ہوں۔ مجھے فخر ہے کہ میری حدیث کی سند میں ان کا نام موجود ہے۔ خاتم النبیین کے معنی بیان کرتے ہوئے جہاں مولانا کا دماغ پہنچا ہے وہاں معترضین کی سمجھ نہیں گئی، قضیہ مرضیہ کو قضیہ واقعیہ حقیقتاً سمجھ لیا گیا ہے۔[1]

اس تقریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت خطیب الاسلام حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کے نہ صرف علوم وفکر کے وارث تھے بلکہ امین وترجمان بھی تھے۔ اللہ نے آپ کو اور آپ کے والد بزرگوار حضرت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کو وہ صالحیت اور صلاحیت عطا فرمائی تھی کہ آپ نسباً ہی نہیں بلکہ نسبتاً بھی علوم وفکر قاسمی کے امین، شارح اور ترجمان تھے۔

میں نے بیشمار پروگراموں میں علماء کو ان حضرات کا تعارف کراتے ہوئے سنا کہ یہ حضرات حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی کی فکر کے نہ صرف شارح ہیں بلکہ آپ کے علوم کے ترجمان بھی ہیں۔

ایک جگہ حضرت خطیب الاسلام تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''حضرت الامام النانوتوی نے دفاع عن الحق سے آگے بڑھ کر اقدام کے لئے بھی زمین اس لئے ہموار کی کہ اپنی صفوں کو استحکام وثبات بخشنے کے بعد ہی مقابل ومعارض سے نمٹنا آسان ہوتا ہے، اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ قاسمی فکر بھی بدلے ہوئے حالات میں دعوت حق ہی کا

[1] ماخوذ از مقدمہ تحذیر الناس، خطبات خطیب الاسلام ۴۲۷۔ اخبار الخیر پاکستان

مقدمہ تھا'' [۱]

ایک جگہ حضرت خطیب الاسلام حضرت حجۃ الاسلام کی شخصیت کا تعارف کراتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''حجۃ الاسلام حضرت الامام النانوتوی قدس اللہ سرہ ان خوش قسمت اور صاحب سعادت اکابرین میں کہ ان کی علمی اور فکری عظمت شناس ارباب علم ہی نے ان کی شخصیت کے بے شمار فکری عزیمتوں پر قلم اٹھانے کی جرآت کی ہے، اسی لئے ان کے علمی نوادر اور فکری بصائر آج اہل علم کے لئے جتنے زبانوں پر ہیں اتنے قلموں پر نہیں آ سکے، جب کہ ان کا قرار واقعی حق یہ ہی تھا کہ یہ نوادر آشنائے قلم ہوتے، حضرت والد کے عالم دنیا سے پردہ کناں ہو جانے کے کافی دیر بعد ارباب علم کا یہ موضوع فکر بنے، لیکن بہر حال علم پر زمانے کی جدت وقدامت اثر انداز نہیں ہوئی اس لئے یہ نوادر علم جب بھی منصۂ شہود پر آ جائیں ان کی عالمگیر افادیت کسی فرق سے دو چار نہیں ہوگی۔

اس بارے میں اولین ایسی سراپا امتیاز ذات بابرکات کا علمی تعارف اولیت کا متقاضی ہوتا ہے، اس کے بعد ہی اسکی عظمت علم وفکر سے ذوق استفادہ میں قوت پیدا ہوتی ہے۔

حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتوی کی ذات سراپا برکات کے فضل وکمال کا عالمگیر تعارف تو ''دارالعلوم دیوبند'' ہے کہ جس کا عالم گیر فیضان علم بحیثیت بانی حضرت اقدس مولانا محمد قاسم النانوتوی کے بے نہایت وہ علوم ہی ہیں کہ وقت نے جن کی عظمت درفعت پر مہر لگا کر ان کی عالمگیری کو ایک انمٹ حقیقت بنا دیا ہے۔'' [۲]

اسی مقدمہ میں حجۃ الاسلام کے دل میں تاسیس دارالعلوم دیوبند کے داعیہ اور اخلاص وللّٰہیت کو بیان کرتے ہوئے خطیب الاسلام لکھتے ہیں کہ:

''اس عالمگیر فیضان علم ودین کا حقیقی سرچشمہ تو درحقیقت خود بانی دارالعلوم حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد قاسم النانوتوی کی ذات مبارکہ ہے کہ جن کے قلب کو رب العزت نے سرچشمہ علوم بنا کر ان کے ذریعہ اس علم بے نہایت کی عالمگیری کیلئے ان کے قلب مبارکہ پر تاسیس

---

[۱] خطبات خطیب الاسلام، ص ۳۸۱

[۲] مقدمہ خطیب الاسلام، برسوانح قاسمی انگلش غیر مطبوعہ، مولانا محمد اویس صدیقی نانوتوی

دار العلوم کا داعیہ پیدا فرما کر اس کو وجود عطا فرما دیا، اور آج تک ان کے عمل ربانی سے جو عالمگیر فیضان علم ودین جاری ہے، وہ ان کے مخلصانہ عمل کی عند اللہ مقبولیت پر شاہد عدل ہے، آج دنیا میں جتنے بھی صلاح وفلاح دین کے کام جاری ہیں ان کے لئے حق تعالی نے کسی صاحب اخلاص کو موفق فرمایا ہے اور اسی اخلاص کی برکت سے اس میں شان قراری پیدا ہوئی، اس لئے ہر عمل خیر میں اولین بنیاد اخلاص ہے اگر وہ ہے تو اس کی بقا اور پائیداری شکوک کی حدود سے نکل کر عند اللہ مقبولیت کے مقام پر فائز ہو جاتی ہے۔''[1]

تاسیس دار العلوم دیوبند حضرت نانوتوی قدس سرہ العزیز کا ایسا بابرکت عالمگیر عمل ہے جس سے پوری امت مسلمہ آج تک مستقل مستفید ہو رہی ہے اور مستقبل میں بھی یہ امت حضرت کے لگائے ہوئے اس شجرہ طوبی سے انشاء اللہ برابر مستفیض ہوتی رہے گی، حضرت کا اخلاص اس درخت کو سرسبز و شاداب ثمر آور ''تؤتی اکلھا کلَّ حِیْنٍ باِذنِ رَبّہاَ'' کا مصداق بنائے رکھے گا۔ مدینہ منورہ سے آئے محدث کبیر شیخ محمد محمد العوامہ دار العلوم اور اس کے عالمگیر فیضان علمی اور دعوتی فیض کو دیکھ کر فرماتے تھے، **الإخلاص یصنع العجائب** کہ اخلاص سے عجائبات کا ظہور ہوتا ہے، انہوں نے مزید کہا کہ مجھے دنیا بھر میں جانے کا اتفاق ہوا، میں جس جگہ بھی گیا میں نے یہ بات لوگوں کو بتائی کہ اخلاص سے عجائبات کا ظہور ہوتا ہے، اور اپنے اس دعوی کی دلیل کے طور پر حضرت نانوتوی قدس اللہ سرہ کا نام لیتا ہوں کہ ان کا اخلاص ہی اصل تھا۔

حجۃ الاسلام کی جرأت وحوصلہ اور حضرت مولانا یعقوب نانوتوی کی چشم دید گواہی

حضرت خطیب الاسلام نے یہ واقعہ مجھے حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کے حوالے سے سنایا جس کو مولانا یعقوب نانوتویؒ نے ''سوانح عمری مولانا محمد قاسم نانوتویؒ میں نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں:

''حاصل یہ کہ اس طوفان بے تمیزی میں (یعنی ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں) جب لوگ گھبراتے تھے، ہم نے کبھی مولانا (نانوتوی) کو گھبراتے نہ دیکھا۔ خبروں میں اس وقت چرچا تھا، جھوٹی، سچی ہزاروں گپ شپ اڑا کرتی تھی، مگر مولوی صاحب اپنے معمول کے کام (معمولاً جو کام

---

[1] مقدمہ بر سوانح قاسمی انگلش از خطیب الاسلام (غیر مطبوعہ)

کرتے) یہ دستور انجام فرما دیتے تھے۔ چند بار مفسدوں سے نوبت مقابلے کی آ گئی، اللہ رے! مولوی صاحبؒ ایسے ثابت قدم، تلوار ہاتھ میں بندوقچیوں کا مقابلہ"۔ (نگارشات اکابر صفحہ ۴۹۔۵۰) اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کو غیر معمولی جرات، حوصلہ، ہمت اور قوت ایمانی حاصل تھی کہ سخت ترین حالات میں پائے ثبات ذرا بھی متزلزل نہ ہوے، اوران حالات میں جب ہوش ٹھکانے نہ ہوں اپنے مقصد سے غافل نہ ہوکر مقصد براری کے لئے لگے رہنا، یہ کام وہی انجام دے سکتا ہے جو قوت حوصلہ اور عزم کی پختگی میں پہاڑ کی طرح اپنے موقف پر قائم رہے، حالات کیسے بھی سخت آئیں جھٹکے کتنے بھی شدید ہوں، مگر وہ مرد آہن اپنے موقف پر اٹل رہے۔ معارف الأ کابر غالبًا یہ استقامت اور قوت حوصلہ حضرت خطیب الاسلام کو وراثت میں حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی سے ملی۔"

اس عاجز کو حجۃ الاسلام کی خدمات کو سامنے رکھنے کے بعد یہ لکھنے اور کہنے کا پورا حق ہے کہ حضرت حجۃ الاسلام کی شخصیت تاریخ اسلامی کا وہ بلند و بالا پہاڑ ہے جس نے کم سے کم برصغیر پاک و ہند میں اسلام کو اس کی اصل صورت میں قائم رکھا۔ جس طرح اللہ رب العزت نے زمین کو تھامنے کے لئے پہاڑوں کو میخیں بنا دیا۔ اسی طرح اللہ رب العزت نے حجۃ الاسلام بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کو بھی اسی کام کے لئے قبول کیا، اور حضرت نے حق کی ایسی میخ گاڑی کہ گذشتہ ڈیڑھ سو سال سے تمام باطل قوتیں اس کو اکھاڑنے کی کوشش میں لگی رہیں اور ناکام ہوتی رہیں۔

حضرت حجۃ الاسلام نے پچاس سال بھی اپنی زندگی کے مکمل نہیں کیئے کہ اللہ رب العزت کی طرف سے بلاوا آ گیا۔ آپ نے اس مختصر سی زندگی میں بہت اہم کارنامے انجام دیے جن میں انگریز سامراج کے خلاف جہاد املاک کے غاصبانہ قبضہ سے ملک کو آزاد کرانے کے لئے جدوجہد، اسلام پر اعتراضات کرنے والے ہندو پنڈتوں اور عیسائی پادریوں سے مناظرے، دارالعلوم دیوبند جیسی عظیم الشان درسگاہ کا قیام، اس کے علاوہ حضرت کی قیمتی تصانیف جو رد شیعیت، رد بدعات، رد غیر مقلدیت کے علاوہ قرآن وحدیث کے لیے بے شمار اسرار و رموز کو کھولنے والی تحریریں ہیں۔

حضرت حجۃ الاسلام کے علوم

حضرت خطیب اپنی مجلس میں حضرت کے علوم کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ:

''حضرت نانوتوی کا ایک وعظ سہارنپور میں ہوا جس میں مولانا محمد مظہر صاحب نانوتویؒ بھی شریک تھے، چنانچہ ختم وعظ پر فرمانے لگے کہ بھلا ان کے ہوتے ہوئے کوئی واعظ وعظ کہہ کر کیا ایسی تیسی کھائے گا۔ یہ علوم کہاں سے لائے گا اور یہ اثر کہاں سے آئے گا۔''[۱]

علم ان کا عمل میرا

حضرت خطیب الاسلام حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی کے علوم کے بارے میں حضرت مولانا رفیع الدین صاحب کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ مولانا رفیع الدین صاحب فرماتے تھے کہ مجھے حضرت نانوتوی سے کچھ ایسی مناسبت تھی کہ جو کچھ مولانا کے قلب پر وارد ہوتا تھا اسی کا خیال مجھے گزرتا تھا اور حضرت والد ماجد حکیم الاسلام نے اس واقعہ کو یوں بیان فرمایا کہ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب فرماتے تھے کہ حضرت نانوتوی نے دارالعلوم دیوبند کا اہتمام کبھی خود نہیں فرمایا بلکہ اہتمام کے لئے مجھے طلب فرمایا اور میں وہی کرتا ہوں جو انہیں مکشوف ہوتا ہے علم ان کا ہے عمل میرا ہے ان کے منشاء علمی و کشفی کو سمجھ کر فوراً عمل درآمد کرتا ہوں۔

حضرت خطیب الاسلام بھی حقیقت یہ کہ اپنے جد امجد حضرت حجۃ الاسلام کی کسی بڑی اہم دعا کا ثمرہ تھے، کہ اللہ نے علم و فضل اور کشف و معرفت، قوت گویائی، ندرت استدلال، فکری وسعت و ہمہ گیریت، علمی عظمت و ذہنی رفعت کے ساتھ ساتھ حکمت آفرینی، عالمینی فکر اور اتباع سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتیازی اوصاف بھی غیر معمولی طور پر مرحمت فرمائے تھے۔

علم و فضل کا حال یہ تھا کہ تقریر ہو، یا تحریر ہو یا تدریس ان تینوں میدانوں میں خاص طور پر ایسا محسوس ہوتا کہ یہ مولانا سالم نہیں بلکہ مولانا قاسم بول رہے ہیں۔ ایک واقعہ مجھے یاد آیا (جس کو غالباً پہلے بھی نقل کر چکا) ناگپور کامپٹی میں حضرت خطیب الاسلام کے تلمیذ رشید حضرت مفتی عبدالقیوم صاحب مدظلہ العالی، سابق امام وخطیب جامع مسجد کامپٹی ہیں، انہوں نے یہ واقعہ مجھے بتایا کہ حضرت مولانا فخر الدین صاحب سابق شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی میں چھتہ مسجد میں ایک اجلاس

---

۱ مجالس خطیب الاسلام، ص ۳۶۵

منعقد ہوا جس کی صدارت حضرت مولانا فخر الدین صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ سابق شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند خود فرما رہے تھے۔ مقررین نے تقریریں کیں، حضرت مولانا فخر الدین صاحب سے پہلے حضرت خطیب الاسلامؒ کا نمبر آیا، حضرت خطیب الاسلام نے کسی موضوع پر تقریر فرمائی۔ حضرت نے اس قدر جامع تقریر فرمائی کہ کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس عمر میں اس قدر عمدہ بیان فرمایا۔ مجمع ہمہ تن گوش ان عالی مضامین کو سن رہا تھا اور وہاں پر موجود علماء کا مجمع زبان حال سے اس کا اعتراف کر رہا تھا کہ ہو نہ ہو یہ تو نسبتوں کا انتقال ہے، مولانا سالم نہیں بلکہ مولانا قاسم کی روح بول رہی تھی۔ چنانچہ جب حضرت خطیب الاسلام بیان سے فارغ ہوئے اور حضرت مولانا سید فخر الدین صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند خطاب کے لئے تشریف لائے تو حمد وصلوٰۃ کے بعد فرمایا کہ جو مجھے کہنا تھا وہ سب کچھ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نے فرما دیا، کوئی بات اب ایسی نہیں جو مجھے یہاں کہنی تھی اور وہ کہہ دی نہ گئی ہو۔ یہ دراصل مولوی سالم قاسمی نہیں مولانا قاسم نانوتوی کی روح بول رہی تھی، اب ان کے بیان کے بعد مزید کسی بیان کی گنجائش باقی نہیں بس سب ملکر اب دعا کرلو۔ چنانچہ حضرت نے بیان نہیں فرمایا اور دعا کرادی۔

حضرت خطیب الاسلام علوم قاسمی کے امین اور شارح تھے اس کی گواہی کسی ایک دو نے نہیں دی، بلکہ زمانے بھر کے علماء وصلحاء اس کے معترف تھے، حضرت خطیب الاسلام کو ان کے والد حضرت حکیم الاسلام کے بعد جو بھی دیکھتا وہ اس نظر سے دیکھتا کہ یہ فکر دیوبند، فکر قاسمی جو بحمد اللہ مستفاد ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مقدسہ سے، کے ترجمان ہیں، اپنے جد امجد حضرت نانوتوی کے علوم کے امین ہیں، چنانچہ اس سلسلہ میں آپ کے ہمعصر مفسر قرآن حضرت مولانا سید محمد اخلاق حسین صاحب قاسمی رحمتہ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ: ”مولانا محمد سالم صاحب مدظلہ العالی نہ صرف دارالعلوم دیوبند کے ایک مایہ ناز عالم، فقیہ اور مفسر ہیں، بلکہ خانوادۂ قاسمی کے (علم ونسب دونوں کے لحاظ سے) ایک کامیاب ترجمان وشارح کی حیثیت بھی رکھتے ہیں اور موصوف کے اندر ان کے والد محترم کی تربیت نے اپنا پورا کام کیا ہے اور اپنی پوری قوت کا مظاہرہ کیا ہے۔ کیونکہ قدرت کا یہ فیصلہ معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ دور قحط الرجال میں مولانا موصوف قاسمی سلسلے کے آخری یادگار کے طور پر پہچانے جائیں۔[1]

---

[1] خطبات خطیب الاسلام پر تقریظ، از مولانا سید اخلاق حسین قاسمیؒ

اسی طرح فکر قاسمی کی ترجمانی کرنے کا صحیح حق اسی کو ہے جس کے مزاج میں فطری اعتدال ہو اور افراط وتفریط کی بے راہ روی سے پاک ہو، کیونکہ حجۃ الاسلام رحمتہ اللہ علیہ فطری طور پر سلیم الطبع اور معتدل المزاج واقع ہوئے تھے۔ جس کے اثرات ہمیں حضرت کی زندگی، آپ کے علوم، آپ کی تقاریر اور آپ کی تحریروں میں جابجا نظر آتے ہیں، تو ان کے علوم کی امین بھی کوئی ایسی ہی شخصیت ہونی چاہئے جو اعتدال وتوسط کے اعتبار سے سلیم الفطرت ہو، چنانچہ اس ذمہ داری اور ترجمانی) کا حضرت حق خطیب الاسلام کے والد محترم حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہ نے ادا کیا۔ اسی لئے پوری جماعت دیوبند متفقہ طور پر حضرت کو بحیثیت شارح علوم حجۃ الاسلام وترجمان فکر قاسمی، دیکھتی ہے، پھر ان کے بعد اس وصف اعتدال سے متصف حضرت خطیب الاسلام کی شخصیت کو دیکھنے لگے، آپ کے یہاں بھی بڑا اعتدال تھا اور مزاجاً اپنے خاندانی بزرگوں سے ہم آہنگ تھے۔ چنانچہ حضرت خطیب الاسلام کے بارے میں حضرت مولانا سید اخلاق حسین قاسمی تحریر فرماتے ہیں اور ان کی یہ گواہی بڑی معتبر ہے کہ:

> ''اسلام کی بین الاقوامی قدروں کی تشریح وتعبیر میں افراط وتفریط نے جگہ پالی ہے۔ مولانا (خطیب الاسلام) نے دونوں انتہاؤں سے بچ کر اعتدال وتوسط کی راہ اختیار کی ہے۔ ''امت کے منصور من اللہ'' طبقہ کے عنوان کے تحت مولانا نے مذہب اور سائنس کے باہمی تعلق پر نہایت مدبرانہ تبصرہ کیا ہے۔ یہاں بھی افراط وتفریط پیدا ہوگئی ہے لیکن مولانا سالم صاحب نے اس اہم موضوع کی تشریح میں نہ صرف قدامت پرستی کا مظاہرہ کیا ہے اور نہ ہی جدت پرستی کی راہ اختیار کی ہے۔ مولانا نے عصری علوم کی ضرورت کا اعتراف نہایت وسیع ذہن وکشادہ فہم کے ساتھ کیا ہے اور دین ودنیا کی غلط تقسیم کی نفی کرتے ہوئے جامع درس گاہوں کے قیام کو وقت کی ضرورت قرار دیا ہے۔[1]

مولانا موصوف نے ان عنوانات کے تحت موجودہ نظریہ کے مطابق انسان کے بنیادی حقوق اور اسلام کے موضوع پر خوب وضاحت سے کام لیا ہے اور بیسوں صفحات پر پھیلی ہوئی بحث کو ان چند جملوں میں اس طرح سمیٹ دیا ہے۔

---

[1] خطبات خطیب الاسلام پر تقریظ، از مولانا سید اخلاق حسین قاسمیؒ

''اسلام عالم گیر مساوات انسانی کا وہ واحد عادل علم بردار ہے جس نے اپنی راہ مساوات میں حائل ہونے والی خاندانیت، قبائلیت، علاقائیت، انسانیت، تہذیب اور تمدنیت، معاشرت و معیشت کی من گھڑت بنیادوں پر انسانیت کو غیر فطری تقسیم سے ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے''۔

رونق بزم تھی وابستہ تمہارے دم سے
تم نہ ہوگے تو بہت یاد کرے گی دنیا

حضرت خطیب الاسلام بحیثیت ایک جلیل الشان محدث

حضرت خطیب الاسلام کی حیات مبارکہ کا یہ بہت اہم پہلو ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ نے چالیس سال سے زیادہ حدیث نبوی ﷺ کا درس دیا، اور احادیث کی کتابوں میں سب سے زیادہ مستند کتاب جس کو امت نے أصح الکتب بعد کتاب اللہ کی زریں شہادت سے سرفراز کیا، اور تقریباً تیرہ صدیوں سے اس کو امت میں تلقی بالقبول حاصل ہے اور نہ جانے کتنے بڑے بڑے علمائے امت نے اس کو پڑھایا اور اس کی شروحات لکھیں، اس عظیم الشان کتاب حدیث کو حضرت رحمۃ اللہ نے پہلے از ہر ہند دارالعلوم دیوبند میں پڑھایا پھر اس کے بعد قیام دارالعلوم وقف دیوبند کے بعد یہ کتاب مستقل آپ کے زیر درس رہی۔ بغیر کسی تامل کے یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ حدیث مبارک کے ان مستند مجموعوں کا درس دینا کسی بھی انسان کے لئے بہت بڑا اعزاز ہے۔ حضرت خطیب الاسلام کے درس حدیث کی خصوصیات جاننے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اکابر دیوبند کے طریقہ تدریس حدیث کے بارے میں مختصراً چند باتیں جان لی جائیں۔

ہندوستان میں باقاعدہ حدیث کے نظام کو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ نے عام کیا، اس سے پہلے بھی ہندوستان میں مختلف مقامات پر محدثین نے کوششیں فرمائیں مگر جو مقبولیت حضرت شاہ صاحب کے درس حدیث کو ملی وہ کسی اور کے حصہ میں نہیں آئی، چنانچہ مولانا عبداللہ معروفی اپنی کتاب ''حدثِ اور فہم حدیث'' میں لکھتے ہیں:

> ''الغرض جب شاہ صاحب ہندوستان آئے تو ان کے سامنے ایک ہی نصب العین تھا، جسے سامنے رکھ کر شاہ صاحب نے علم حدیث کا ایک شجرہ طوبی لگایا اور تمام مسلمانوں کے گھروں میں بالواسطہ یا بلا واسطہ اس کی شاخوں کو پہنچایا، مفتی عنایت احمد کاکوروی کا تاثر ''نزھتہ الخواطر'' میں یوں منقول ہے:
>
> ''شاہ صاحب کی مثال اس شجرہ طوبی کی سی ہے جس کی جڑ ان کے گھر میں ہے اور اس کی شاخیں مسلمانوں کے ہر گھر میں پھیلی ہوئی ہیں، لیکن اکثر لوگوں کو معلوم نہیں کہ اس کی جڑ کہاں

ہے"۔[1]

حضرت شاہ صاحب نے حدیثوں کو پڑھانے کا ہندوستان میں وہی طریقہ اختیار فرمایا جو عرب میں رائج تھا، عرب میں درس حدیث کے تین طریقے رائج تھے:

۱۔ پہلا طریقہ سرد روایت: یعنی طالب علم اپنے نسخے سے روانی کے ساتھ پڑھتا ہوا چلا جائے گا اور شیخ اپنے نسخہ سے اس کا مقابلہ کرتا رہے، نہ سند پر کوئی کلام، نہ متن کی کوئی تشریح۔

۲۔ دوسرا طریقہ بحث وحل کا: کہ کوئی مشکل مقام، پیچیدہ ترکیب یا سند میں کوئی غیر معروف نام یا ایسے سوالات جو خود بخود پیدا ہوتے ہوں تو ان کی مختصر وضاحت کرتے ہوئے آگے بڑھ جانا۔

۳۔ تیسرا طریقہ امعان وتعمق کا تھا، بایں طور کہ سند کے رجال کا تفصیلی درس، جرح وتعدیل کے اعتبار سے راوی کا مقام، سند کے اتصال اور انقطاع کی تشریح، اسی طرح الفاظ حدیث کے لغوی اور مرادی معنی کی وضاحت، "ماسیق الکلام لا جلہ" (غرض شارع) کی تعیین فقہ حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے متعارض حدیثوں میں تطبیق، ترجیح اور ناسخ ومنسوخ کا فیصلہ کرنا وغیرہ، غرض ہر کلمہ کے مالہ وماعلیہ کو تفصیل سے بیان کرنا۔

شاہ صاحب نے ہندوستان میں آ کر دوسرے اور تیسرے طریقِ پر درس حدیث کے سلسلہ کو جاری فرمایا اور جن ابواب میں بحث کی ضرورت نہ ہوتی ان کی سرداً قراءت پر اکتفاء فرماتے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کے علوم کی وراثت ان کے فرزند ارجمند شاہ عبدالعزیز (متوفی ۱۲۳۹ھ) کی جانب منتقل ہوئی، آپ علوم عقلیہ اور علوم نقلیہ پر مکمل عبور رکھتے تھے اور حنفیت کے پر جوش ترجمان تھے، آپ کے فتاویٰ اور تفسیر "فتح العزیز" اس کے شاہد ہیں۔ شاہ عبدالعزیز کے علوم کی میراث آپ کے نواسہ شاہ اسحٰق (متوفی ۱۲۶۲ھ) کے حصہ میں آئی اور شاہ اسحٰق کے ذریعہ علم حدیث کا سلسلہ خوب پھیلا، شاہ اسحٰق کے بہت سے لائق شاگردوں میں شاہ عبدالغنی مجددی (متوفی ۱۲۹۶ھ) اور میاں نذیر حسین تھے۔

شاہ اسحٰق کے مکہ مکرمہ ھجرت کر جانے کے بعد دہلی میں حدیث کی مسندیں بچھ گئیں، ایک میاں صاحب کی اور ایک شاہ عبدالغنی کی، شاہ عبدالغنی کے شاگردوں میں مولانا محمد قاسم نانوتوی (متوفی ۱۲۹۷ھ) مولانا یعقوب نانوتوی (متوفی ۱۳۰۰ھ) مولانا محمد مظہر نانوتوی (متوفی ۱۳۰۲ھ) اور مولانا رشید احمد گنگوہی (متوفی ۱۳۲۳ھ) ہیں جو فکر دیوبند کے اولین پیشوا اور امام ہیں۔

---

[1] حدیث اور فہم حدیث ص: ۱۲۵

محرم ۱۲۸۳ھ میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور ان کے رفقاء کے ذریعہ دیوبند میں ایک مدرسہ اسلامیہ (دارالعلوم) کا قیام عمل میں آیا اور اسی سال ماہ رجب میں سہارنپور کے محلّہ قاضی میں بھی مولانا مظہر نانوتوی اور مولانا سعادت علی سہارنپوری (متوفی ۱۲۸۶ھ) کے ہاتھوں ایک عربی مدرسہ کی بنیاد پڑی، اللہ تعالی نے ان مدرسوں کو وہ مقبولیت عطا فرمائی کہ متحدہ ہندوستان میں مدارس اسلامیہ کا ایک جال بچھ گیا اور سرزمین ہند کی فضا ''قال اللہ'' اور ''قال الرسول'' کے نغموں سے گونجنے لگی۔

علوم شرعیہ بالخصوص علم حدیث کے میدان میں دارالعلوم مظاہر علوم اور ان کے نہج پر قائم مدارس کی خدمات روز روشن کی طرح عیاں نظر آنے لگیں، نہ صرف تدریس حدیث بلکہ تصنیفی میدان بھی دبستان دیوبند کو امتیازی مقام حاصل ہوا، اور آج دنیا کا شاید ہی کوئی ملک ہوگا جہاں اس دبستان دیوبند کا فیض بالواسطہ یا بلاواسطہ نمایاں نظر نہ آتا ہو۔

چنانچہ شاہ عبدالغنی کا یہ ذوق خاص آپ کے شاگردان رشید مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا محمد مظہر نانوتویؒ کی جانب منتقل ہوا۔ دارالعلوم دیوبند میں مولانا یعقوب نانوتوی اور حضرت شیخ الہند نے اس طرز کو عام فرمایا۔ حضرت شیخ الہند کے بعد ان کے شاگرد علامہ انور شاہ کشمیری (متوفی ۱۳۵۲ھ) شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی (متوفی ۱۳۷۷ھ) حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی (متوفی ۱۳۶۹ھ) اور حضرت علامہ ابراہیم بلیاوی (متوفی ۱۳۸۷ھ) کا بھی یہی ذوق تھا اور اسی نہج ان حضرات نے اپنے تلامذہ، جن میں ایک نام سرفہرست حضرت خطیب الاسلام کا بھی شامل ہے کی بھی تربیت فرمائی، حضرت نے تا زندگی اپنے اکابرین کے نہج کا خاص خیال رکھا اور حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے رائج کردہ تینوں طریقوں یعنی سرد روایت، بحث وحل اور امعان وتعمق کا حسب ضرورت خیال رکھ کر درس حدیث دیا، بخاری شریف کے درس میں حضرت عقیدہ اہل سنت والجماعت کی دعوت وتبلیغ ،فکری اعتدال، اور مسائل کو نصوص قرآن وحدیث پر منطبق کر کے دلائل عقلیہ ونقلیہ کی روشنی میں حدیث شریف کا درس دیتے۔ حدیث میں مذکور مسئلے سے متعلق ائمہ اربعہ کے مسالک کا ذکر فرماتے اور پھر مسلک حنفی کے ترجیحی دلائل ذکر کرتے، مسائل فقیہہ سے زیادہ حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ حدیث کے معنی اور ''ماسیق الحدیث لأجلہ'' پر کلام کرتے۔

فجزاہ اللہ عنا خیر ما جزبیت بہ عبادک الصالحین.

ا۔قلوب کی بے انتہا پاکیزگی اور شفافیت

اگر قلب میں پاکیزگی نہیں اور یہ دل جس کو ''مرکز الرحمٰن'' علماء نے لکھا ہے، گندگیوں اور آلائشوں کا مجموعہ ہے تو پھر وہ شخص الفاظ تو نقل کرسکتا ہے لیکن اس کے معنوی و روحانی اثرات مرتب ہوجائیں یہ ممکن نہیں ہے، حدیث کا ایک نور ہوتا ہے، اس نور سے بھی محروم کردیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ محدثین نے تزکیہ باطن اور صفائی قلب کو ایک محدث کے لئے لازم قرار دیا، قلب کا تزکیہ اور اس کی صفائی گرچہ بڑے بڑے مجاہدوں اور ریاضتوں کے بعد حاصل ہوتی ہے، کیونکہ اس کو ''مرکز الرحمٰن'' بنانے کے لئے اس میں سے دنیا کی محبت حرص و ہوس، لالچ وطمع، نفس پرستی و جاہ پرستی، حسد، کینہ، بغض وعداوت، تکبر اور نفاق جیسے مہلک امراض کو کھرچ کر نکالنا پڑتا ہے، تب کہیں جاکر یہ دل پاکیزہ اور مرکز الرحمٰن'' بنتا ہے۔

چنانچہ تمام صحابہ کرام نبی کریم ﷺ کی صحبت کی برکت سے اس صفت سے متصف تھے۔ جس کی گواہی سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دی وہ صحابہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

أَبَرَّهَا قُلُوْباً: کہ ان کے قلوب سب سے زیادہ پاکیزہ تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت بابرکت نے ان قلوب کو آئینہ کی طرح صاف وشفاف بنادیا تھا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ امت میں مستقل چلا آرہا ہے کہ فیض یافتگان اپنے بعد والوں میں اپنے تلامذہ، اپنے متوسلین میں اس فیض معنوی کو صحبت دے کر مستفیض فرماتے رہے، اور یہ سلسلہ بحمد اللہ آج تک امت میں جاری و ساری ہے، حضرت خطیب الاسلام نے بھی اپنے اسلاف کے نقشہ قدم پر چل کر پہلے کاملین کے سامنے اپنے آپ کو پامال کیا، ان کی صحبتوں سے مستفید ہوئے، ان کے سامنے ریاضتیں کیں، مجاہدے کئے، مزاج میں حلم پیدا کیا، اپنے دل کا تزکیہ فرمایا، دل کو عوائق و آلائشوں سے پاک وصاف اور مصفا کیا اس کو اس کا اہل بنایا کہ حدیث پڑھا سکیں تب جاکر بخاری شریف جیسی اہم ترین کتاب پڑھانی شروع کی، حضرت کا دل ان تمام آلائشوں سے پاک وصاف تھا، جن میں عام طور پر لوگ الجھ جاتے ہیں۔ آپ ہر طرح کے حسد، کینے، دل میں بغض وعداوت، نفاق و تکبر جیسے مہلک امراض سے محفوظ تھے، چنانچہ اپنے آپ کو ان گندگیوں سے اس قدر بچاتے کہ اگر آپ کی مجلس میں کوئی ایسی بات کرتا جس سے حسد یا کینہ کی بو بھی آجائے تو انتہائی ناگواری کا اظہار فرماتے بلکہ حسب ضرورت اس کی اصلاح بھی فرماتے۔

ایک واقعہ یاد آیا، میں حضرت کی خدمت میں حاضر تھا ایک صاحب غالبًا کوئی پروگرام کی تاریخ لینے کے لئے آئے ان کے ساتھ دو شخص اور تھے، حضرت نے خیریت دریافت فرمائی کہاں سے تشریف لائے، انہوں نے مقام اور جگہ کا نام بتایا۔انہوں نے مقصد بیان کرنے سے قبل تمہیداً دارالعلوم دیوبند کے قضیہ کا تذکرہ چھیڑ دیا، حضرت نے ان کو منع فرمایا، اور قدرے ناگواری کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ مقصد کی بات کریں، انہوں نے فوراً اپنے ارادہ میں پروگرام کی تاریخ لینے کی بات کہی، حضرت نے پروگرام کی ڈائری اٹھائی، جن تاریخوں میں انہوں نے درخواست کی تھی وہ تاریخیں پہلے سے مقرر تھیں، اس لئے ان کے لئے دوسری تاریخیں متعین فرمائیں اس کے بعد فرمایا لایعنی باتوں سے اجتناب ضروری ہے۔ اگر حضرت ان کو منع نہ فرماتے تو بلا وجہ وقت کا ضیاع ہوتا، دوسروں کی غیبت ہوتی، دل میں دوسروں کی طرف سے میل آتا، اسی طرح شیطان کدورتوں اور نفرتوں کی دل میں تخم ریزی کر دیتا ہے۔ اور جب انسان اپنے آپ کو ان گندگیوں سے بچانے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالی اس کو نہ صرف بچاتا ہے بلکہ اس کے حق میں علم ومعرفت کے دروازے کھول دیتا ہے۔

حضرت خطیب الاسلام کو اللہ نے ان سب نفرتوں وعداوتوں سے بہت آگے پہنچا دیا تھا، میں نے کبھی حضرت کی زبان سے کسی بڑے سے بڑے دشمن کے لئے بھی کوئی غیر مناسب لفظ ایسا نہیں سنا جو حضرت کے اس اعلی مقام کے منافی ہو، چنانچہ اسی اعتبار سے اللہ نے حضرت پر علم ومعرفت کے دروازے کھول رکھے تھے۔

۲۔ دوسری صفت علم میں تعمق اور گیرائی

علم ومعرفت کے دروازے کسی بھی انسان پر جب ہی کھلتے ہیں جب وہ اپنے آپ کو باطنی امراض سے پاک وصاف کر لیتا ہے، اگر شفافیت نہیں تو قلب پر فیضان علم نہیں ہوتا بلکہ محروم ہی ہو جاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی محدث صحیح معنوں میں محدث کہلانے کے لائق جب ہی ہوتا ہے جب اس کے علم میں گہرائی ہو، اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ مظروف یعنی قلب میں شفافیت نہ ہو۔ حضرت خطیب الاسلام کے علم میں جو تعمق تھا وہ شفافیت قلب کی وجہ ہی سے تھا، اس تعمق في العلم کے اثرات زندگی کے ہر پروگرام، آپ کی تحریرات اور آپ کی تقاریر اور درس وتدریس

کے وقت واضح طور پر نظر آتے، اور قاعدہ یہ ہے کہ جس کا قلب جتنی شفافیت لئے ہوئے ہوگا اتنا ہی تعمق فی العلم اس کو حاصل ہوگا، جب انسان کو قلبی غذا ذکر وفکر کی وجہ سے مل گئی تو دماغی غذا یعنی علم بھی ملجاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے حضرات صحابہ کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا: وَأعْمَقَهم عِلْماً. کہ علمی درک، تعمق فی العلم اور گیرائیت سب سے زیادہ حضرات صحابہ کو ملا تھا۔ ہر زمانہ میں بڑے صاحب علم وفضل گزرے، مگر حضرات صحابہ جیسا علم ومعرفت کسی کو نہیں ملا کیونکہ ان کے قلوب میں جو شفافیت اللہ کے نبی کی صحبت سے پیدا ہوئی تھی اس درجہ کی شفافیت بعد میں آنے والوں کو نہیں ملی۔ بہرحال ایک محدث کے لئے تعمق فی العلم اور علمی گیرائی انتہائی ضروری ہے اور یہ بغیر شفافیت قلب کے پیدا نہیں ہوتی۔

۳۔ تیسری صفت: تواضع اور سادگی

جب پاکیزگی، قلب تعمق فی العلم کسی میں پیدا ہوگیا تو شخصیت کے نکھار میں تیسری بنیادی صفت تواضع وسادگی ہے، جتنی صفائی قلب، تعمق فی العلم ہوگا، اسی قدر خلوص وللٰہیت تواضع وسادگی پیدا ہوگی۔ چنانچہ محدثین حضرات خلوص وللٰہیت اور تواضع وسادگی کے اعلی مرتبہ پر فائز رہے، ان کی سیرتوں کے بے شمار واقعات تواضع کتابوں میں مذکور ہیں، اس سلسلے میں حضرات صحابہ وتابعین رضوان اللہ تعالی علیہم اجمعین کی جماعت کے بعد یہ امتیاز وشرف جماعت علماء دیوبند کو بخشا کہ خلوص وللٰہیت اور سادگی وتواضع میں کوئی جماعت جماعت علماء دیوبند کے ہم پلہ نظر نہیں آتی۔ اللہ رب العزت نے حضرت خطیب الاسلام کو غیر معمولی سادگی وتواضع بخشی تھی۔ آپ بچوں میں جب ہوتے تو اتنا نزول فرماتے کہ بچوں کی طرح ان سے ان کے مزاج کی رعایت رکھ کر گفتگو فرماتے، اپنے سے چھوٹوں سے ملتے ان کے مزاج کا بڑا خیال فرماتے، یہ عاجز ایک مرتبہ اپنے برادرزادوں عزیزم حسن سلمہ وعزیزم ھٰی سلمہ کو لے کر حضرت کی خدمت میں بغرض دعا حاضر ہوا، حضرت خطیب الاسلام کی طبیعت میں بچوں کو دیکھ کر بڑا انبساط ہوتا، اور اسی انبساطی کیفیت میں بچوں سے اس طرح کی گفتگو فرماتے کہ بچہ اس کا جواب دے اور پھر اس کا جواب سن کر بہت محظوظ ہوتے۔ حسب عادت حضرت نے ان دونوں بچوں سے مختلف سوالات فرمائے اس وقت ان کی زبان ٹوٹ رہی تھی اور بڑی معصومانہ زبان بول رہے تھے، خیر آخر میں میں نے بچوں سے کہا کہ تم حضرت سے سر پر ہاتھ رکھوالو۔

توھی سلمہ نے سلام کر کے حضرت کے سر پہ اپنے دونوں ہاتھ رکھ دیے، حضرت نے اپنا سر مزید جھکا لیا اور یہ جملہ بہت ہنس کر ارشاد فرمایا کہ آج ہم بھی کامل ہو گئے اور تم بھی۔

اسی طرح اس عاجز کے ساتھ ایک واقعہ پیش آیا کہ حضرت اپنے دیوان (مسہری نما تخت) پر تشریف رکھتے تھے، میں جا کر نیچے بیٹھ گیا، حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ آپ کی جگہ وہاں نہیں بلکہ میرے سامنے اس دیوان پر تشریف رکھیں۔ اور آج سے آپ یہیں بیٹھا کریں گے، اس کے بعد جو گفتگو فرمائی، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کوئی چھوٹا (جو عمر میں علم وعمل میں بچہ) مجھ سے محو گفتگو ہے، اور ایسی بے تکلفی سے گفتگو فرما رہے تھے کہ جیسے کوئی ہمراز دوست اپنے دوست سے گفتگو کر رہا ہو۔ یہ بے تکلفی ایسی بے تکلفی تھی جس سے میرے دل میں حضرت کے وقار میں مزید اضافہ ہو رہا تھا۔

ایک محدث علوم ومعرفت کا پہاڑ ہوگا مگر ساتھ ساتھ متواضعانہ کردار کا حامل بھی ہوگا۔ تکلفات کی زندگی سے عاری ہوگا، حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے بارے میں سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "كانو أقلهم تكلفا". بہت ہی کم تکلف کرنے والے تھے۔

۴۔ محدثین سب سے بہترین رہنمائی کرتے ہیں

محدثین عظام کے سامنے ارشادات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذخیرہ ہوتا ہے اس لئے وہ کسی بھی انسان کی ان ارشادات عالیہ کی روشنی میں یا کسی بھی مسئلہ کی بہترین اور سب سے عمدہ رہنمائی کرتے ہیں۔ حضرت خطیب الاسلام کو حدیث پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لمبے عرصہ تک خاص شغف رہا اس بنیاد پر حضرت کے سامنے جب بھی کوئی ذاتی، یا ملی یا دینی مسئلہ رکھتے تو حضرت ایسی رہنمائی فرماتے جو اس مسئلہ کا سب سے بہترین حل ہوتا، وہ تجویز فرما دیتے۔ اس عاجز کے بہت سے ایسے تجربات حضرت کے ساتھ ہیں کہ جب بھی مجھے کوئی مسئلہ درپیش ہوتا حضرت کی خدمت میں جا کر عرض کرتا کہ حضرت یہ مسئلہ درپیش ہے، حضرت ہر وقت اس کا ایسا مناسب حل تجویز فرماتے کہ سکون قلب ہو جاتا۔

ابھی ۲۰۱۷ء کا واقعہ ہے کہ حکومت کی طرف سے مدرسوں پر شکنجہ کسا گیا اور غلط طریقہ سے مدرسوں کی تفتیش کرائی گئی، یہ نظام میرٹھ، مظفر نگر، سہارنپور تک آ گیا، مختلف مدارس کو حکومت کی طرف سے نوٹس جاری کئے گئے، بہرحال یہ ایک لمحہ فکریہ تھا، یہ عاجز حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس

طرح مدرسوں کے تئیں حکومت کے غیر مناسب رویہ کا تذکرہ کیا کہ مدرسوں کے اعتبار سے حالات سخت چل رہے ہیں، دعا فرما دیجئے، حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ تمہیں یا ہمیں اس کی فکر کی ضرورت نہیں، اللہ ان کا محافظ ہے، ہاں البتہ اپنی عوام سے درخواست کرو کہ کثرت سے استغفار کریں، اس کے بعد فرمایا کہ یہ لوگ (حکومت والے) ان اداروں کی طرف غلط قدم بڑھا رہے ہیں۔ان اداروں کا کچھ نہیں بگڑنے والا، ہاں البتہ غلط قدم بڑھانے والا یا غلط نظروں سے دیکھنے والا خود چکنا چور ہو جائے گا، اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿حَتّٰىٓ اِذَا اسْتَيْئَسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ مَنْ نَّشَآءُ.﴾ (سورہ یوسف: ۱۱۰)

حضرت خطیب الاسلام کا ایک خواب اور حدیث پڑھانے کی بشارت

مجالس خطیب الاسلام میں حضرت کا ایک خواب اور اس کی تعبیر نقل فرمائی ہے، وہ درج ذیل ہے۔حضرت فرماتے ہیں:

''میں ابتدائی زمانے میں جب پڑھتا تھا خواب دیکھا کہ میں ریل سے جانے والا ہوں کہیں، میں داخل ہوا ریل میں، وہاں ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے، بہت مکلّف لباس صاف ستھرا، بڑے مزین قسم کے آدمی ہیں، ایک سیب پلیٹ میں ان کے سامنے رکھا ہوا ہے، اور چاقو رکھا ہوا ہے، سیب کاٹا انہوں نے، میں نے ان کو سلام کیا، میں نے ان سے بڑھ کر ملاقات کی پھر میں نے کہا کہ حضرت آپ سے مل کر خوشی ہو رہی ہے۔

میں نے کہا کہ حضرت میں نے آپ کو پہچانا نہیں، انہوں نے چاقو بیگ میں رکھ دیا اور مسکراتے ہوئے کہنے لگے، پہچانا نہیں میں بیہقی ہوں ''محدث ہیں جلیل القدر'' میں نے عرض کیا حضرت مجھے اس کا موقع دیجئے کہ معانقہ کرلوں اس پر ہنسے اور کھڑے ہوئے میں نے معانقہ کیا اور غالبًا میں نے پہل کی، چنانچہ وہ بیٹھے اور ان کے چہرے پر بہت بشاشت تھی، پھر سیب مجھے دیا، اس کو میں نے کھایا۔ پھر میری آنکھ کھل گئی، میں نے اس خواب کا ذکر حضرت والد ماجد سے کیا، تو والد صاحب نے فرمایا اس کی تعبیر یہ ہے کہ حدیث پڑھانے کی نوبت آئے گی انشاءاللہ۔اللہ کی مدد شامل حال ہوگی اور اس میں محدثین کی توجہات بھی شامل ہوں گی۔ برکت بھی رہیگی، ابتدائی

دور میں اس کا خیال بھی نہیں تھا کہ حدیث پڑھانے کی نوبت آئے گی اللہ کی مدد شامل حال ہوئی اور میرے پاس بخاری شریف آئی۔''[1]

حدیث کا ایک درس

حضرت خطیب الاسلام دارالعلوم وقف دیوبند مورخہ ۱۴ شعبان المعظم ۱۴۱۸ھ میں بخاری شریف کا آخری درس دیتے ہیں اور اس میں حمد وثنا کے بعد آیت۔

﴿وَإِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ آدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَتَهُمْ وَاَشْهَدَ هُمْ عَلٰی أَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بِلٰی شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ الْقِیَامَةِ إِنَّا کُنَّا عَنْ هٰذا غَافِلِیْنَ.﴾

(سورة الاعراف: ۱۷۲)

حضرت نے سب سے قبل اس آیت شریفہ کا ترجمہ فرمایا۔اس کے بعد حضرت نے تمہیدی گفتگو فرمائی۔اور طلبہ دورۂ حدیث کو خاص طور پر مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''حق تعالی نے کچھ خصوصیات سے آپ کو نوازا ہے، جس میں آپ سب شامل ہیں، بحمد اللہ۔ جس میں پہلی خصوصیت یہ سمجھئے کہ آپ جس دین کو لئے ہوئے ہیں یہ دین اللہ کا آخری دین ہے، جس شریعت کے آپ حامل ہیں یہ اللہ کی آخری شریعت ہے، جس کتاب کو آپ سنبھالے ہوئے ہیں یہ اللہ کی آخری کتاب ہے اور جس ذات مقدس نے لا کر یہ پیغام کامل آپ کے سامنے پیش فرمایا وہ ذات نبوت کے اعتبار سے آخری پیغمبر ہیں۔اس کے معنی یہ ہیں کہ ان سب چیزوں کی آخریت نے آپ کو بھی آخری بنا دیا۔آپ آخری الامم ہیں، دنیا کے اندر کوئی امت آنے والی نہیں ہے اب جو امت ہے وہ امت محمد رسول اللہ ﷺ ہے۔''

اس کے بعد حضرت نے تاریخ کے حوالے سے طلبہ کو بتایا کہ یہ دین جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تک پہنچایا بعینہ ہو بہو اس کو بغیر کسی حرف اور نکتہ کی تبدیلی کے امت کے علما'' فقہا اور محدثین عظام نے ہم تک پہنچایا، فجز اهم اللّٰه خیراً.

حضرت فرماتے ہیں:

''اور اپنی تاریخ پر نگاہ ڈالیں آپ تو کوئی لمحہ تاریخ کا ایسا نہیں ہے کہ جس کے اندر وہ لوگ

---

[1] مجالس خطیب الاسلام، صفحہ ۱۹۳۔۱۹۴ مرتب محمد یامین صاحب

موجود نہ رہے ہوں کہ جنہوں نے ذرہ برابر اس دین کے ادنی تغیر کو برداشت کیا ہو۔ اور دین کو اسی امر حق کے طور پر باقی رکھا، اس کی حقیقت کے ساتھ، اس کی کیفیات کے ساتھ کمیات کے ساتھ اللہ کے اس دین کو باقی رکھا اور یہ اسی انداز پر آج دین باقی ہے کہ جس طرح عہد اول کے اندر موجود تھا۔ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے جس دین کو لاکر پیش کیا تھا وہ ایک نقطہ کی کمی بیشی کے بغیر بحمد اللہ دین قائم ہے اور انشاء اللہ قائم رہے گا۔''

اس کے بعد حضرت نے طلبہ حدیث کو مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''شخصیات آتی ہیں اور اٹھ جاتی ہیں، دنیا سے جب انبیاء علیہم السلام اٹھ جاتے ہیں تو ظاہر ہے کہ بقیہ کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن حق تعالی نے اس کے لئے اس راستہ کو بھی اختیار فرمایا کہ شخصیات بھی حفاظت کریں اور شخصیات کے لئے تین طبقے پیدا فرمائے، حق تعالی نے تین طبقات پر اس کو مشتمل فرمایا۔

پہلا طبقہ وہ ہے کہ ہر صدی کے آغاز میں اللہ تعالی مجدد دین کو بھیجے گا۔ یہ مجدد دین کا طبقہ وہ ہے کہ جو حاملین دین ہوں گے اور آنے کے بعد منشاء درحقیقت ان کا یہ ہوتا ہے کہ نئی صدی کے اندر نئی انسانی نسل جب آتی ہے تو انسانی شکل کے اندر جدت پسندی ہوتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ ہم اپنی تہذیب میں اپنے تمدن میں اپنے کلچر میں، اپنی معاشرت میں اپنے رہن سہن میں ان تمام چیزوں کے اندر دوسروں سے آگے بڑھ جائیں۔ وہ پچھلوں کے طریقے پر چلنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، جب ہر چیز میں جدت پیدا ہو رہی ہے، تہذیب وتمدن کے اندر کلچر اور معاشرہ کے اندر تو اس کا ذوق کہیں ادھر نہ آجائے کہ دین کے اندر بھی جدت پسندی کو پیدا کردے۔ اور دین میں جدت پسندی کا پیدا ہو جانا ظاہر ہے کہ دین کا ختم ہو جانا ہے اس لئے اللہ تعالی نے اس خطرہ کے وقت میں مجدد دین کا انتخاب فرمایا، ارشاد فرمایا کہ ''إِنَّ اللّٰهَ يَبعَثُ عَلَى رأس كُلّ مائة سنة مَنْ يَجَدِدُ لَهَا دِينَهَا.'' حق تعالی اس امت کے لئے ہر سو سال کے بعد مجدد دین بھیجے گا جو اس دین کی تجدید فرمائیں گے۔[1]

یعنی دین کے تجدید کے یہ معنی نہیں کہ وہ کوئی نیا دین پیش کریں گے بلکہ مراد اس کے اندر یہ کہ وہ دین قدیم کو بدلائل جدید دنیا کے سامنے پیش کریں گے۔

[1] خطبات خطیب الاسلام جلد دوم بعنوان درس بخاری شریف

۲۔ دوسرا طبقہ وہ ہے جو ان مجددین کے فیض یافتہ ہیں جو تلامذہ ہیں جن کو حق تعالی نے مجدد تو نہیں بنایا، لیکن مجددین کا فیض یافتہ ضرور بنایا۔ جن کے بارے میں حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**یأخُذُ ھذا العلم مِنْ کُلِّ خلفٍ عَدُوْلُهُ یُنْفَوْنَ عَنه تحریف الْغالِیْنَ وانتھال المبطلین وتأویل الجاھلین.**''

ان مجددین سے یہ لوگ دین کو حاصل کریں گے اور تین کام ان کے ذمہ ہوں گے۔

ا۔ سب سے پہلا کام وہ یہ کریں گے کہ دین کے اندر غلو کرنے والوں کی زبانوں کو روک کر رکھ دیں گے۔

۲۔ دوسرا کام انتہال مبطلین یعنی باطل پسندوں کی روشوں کو دیکھیں گے تو ان کا راستہ روک کر رکھ دیں گے۔ یعنی باطل پسند مختلف راستے پیدا کریں گے دین سے نکلنے کے، ان سب کو ختم کر دینا ان کا کام ہوگا۔

۳۔ تیسرا کام یہ ہوگا وہ لوگ جن میں جہالت کا غلبہ ہوتا ہے وہ دین کے اندر نئے نئے راستے پیدا کرتے ہیں، اپنی باطل خواہشات کو پورا کرنے کے لئے تاویلیں گھڑتے ہیں، تو یہ لوگ ان خواہشات نفس کو پورا کرنے سے روکیں گے۔ یہ امت کا بڑا محسن طبقہ ہوگا مگر یہ بھی ہمیشہ نہیں رہے گا، اس کے بعد ان کے فیض یافتگان آئیں گے اور یہ فیض کا سلسلہ مسلسل جاری رہے گا۔

ارشاد فرمایا: ''**لاتزال طائفة من امتی مَنْصُوْرِیْن عَلَی الْحَقِّ لایَضُرُّھُمْ مَنْ خَذَلَھُمْ وَلا مَنْ خَالَفَھُمْ حَتّٰی یَأْتِی أمْرُ اللّٰهِ**''

میری امت میں ہمیشہ حق کے بارے میں اللہ کی مدد یافتہ ایک ایسی جماعت موجود رہے گی کہ جو نہ کسی کی پھبتی کی پرواہ کرے گی اور نہ کسی کی مخالفت کی یہاں تک کہ قیامت کی صورت میں اللہ کا حکم آجائے گا۔ ان کی زندگی کا مقصد دین صحیح شکل میں دنیا کے سامنے پیش کرنا ہوگا'' بقول شاعر:

میری زندگی کا مقصد تیرے دین کی سرفرازی
میں اسی لئے مسلماں میں اسی لئے حجازی۔

اس کے بعد حضرت نے طلبہ سے فرمایا کہ آپ لوگ محافظ دین نہیں ہیں، محافظ دین خود حق تعالی شانہ ہیں، ارشاد باری ہے ﴿**إنا نحن نزلنا الذکر وإنا له لحافظون**﴾ (سورۃ الحجر: ۹)

بہر حال اگر حق تعالیٰ آپ کو وسیلہ بنالیں تو درحقیقت یہ آپ کی سعادت ہوگی، آج میرا دل چاہتا ہے کہ میں مبارک باددوں ان طلبہ کو جن کو حق تعالی نے فراغت نصیب فرمائی کہ آپ کو حق تعالی نے انہیں لوگوں کے اندر شامل فرمالیا۔ اگر شامل فرمانا مقصد نہ ہوتا تو اس درسگاہ مقدس کے اندر آپ کے قدم نہ پہنچتے یہ اللہ کی طرف آپ پر درحقیقت فضل ہے، اللہ تعالی آپ کو مبارک فرمائے۔''[1]

اس کے بعد حضرت فرماتے ہیں:

''یہ طبقہ کبھی قیامت تک ختم ہونے والا نہیں ہے آپ کے اسلاف کی تاریخ گواہی دے رہی ہے اس بات کے پر کہ ہر دور کے اندر آپ نے ان بزرگوں کی ترجمانی کی ہے اور دین کے بارے میں وہی روش اختیار کی ہے۔ (جو ان بزرگوں کی تھی) اور نہ توقع ہم آپ سے کرتے ہیں۔

آپ منصور من اللہ بن کر دنیا کے سامنے جائیں گے اور یہاں سے نکلیں گے تو نصرۃ خداوندی آپ کے ساتھ ہوگی انشاء اللہ، لیکن دلوں کو ٹٹولنے کی ضرورت ہے وہ یہ کہ آپ کے قلب کے اندر اخلاص موجود ہے اللہ کے لئے، تو ظاہر ہے کہ نصرت کہیں جانے والی نہیں ہے اور اگر آدمی کے اندر اخلاص نہیں تو نصرت نہیں ملتی۔''

یہ تھا حضرت کے بخاری شریف کے آخری درس کا خلاصہ، اس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے طلبا کی کس قدر ذہن سازی فرمائی اور عمل میدان میں جن اہم باتوں سے سابقہ پڑنے کا امکان ہے ان کی وضاحت فرما کر نشاندہی فرمادی۔

انشاء اللہ یہاں سے نکلنے کے بعد آپ جہاں بھی جائیں گے آپ یقین کیجئے کہ آزمائشوں سے گذرنا پڑے گا جب آپ ان مراحل سے گذر جائیں تو عزتوں کا تاج آپ کے سر پر رکھا ہوا ہوگا، عزتیں آپ کو تلاش کریں گی، آپ کو عزت تلاش کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ عزت ہمارے یا آپ کے ہاتھ میں نہیں عزت دینا یہ اللہ کا کام ہے

﴿**ولله العزة ولرسوله وللمؤمنين ولكن المنافقين لايعلمون**﴾ (سورة المنافقون: ۸)

---

[1] خلاصۂ خطاب خطیب الاسلام، خطبات خطیب الاسلام جلد دوم، ص ۱۳۸ تا ۱۴۲

اجازت حدیث اور حضرت خطیب الاسلام

حضرت خطیب الاسلام کو حدیث کی مختلف کتب جن میں صحاح ستہ، مسانید، معاجم، جوامع وغیرہ شامل ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل اسانید کے ساتھ اجازت حدیث حاصل ہے، اور آپ کی سند عالی ہے۔ اس لئے حضرت جہاں تشریف لیجاتے صاحب علم وفضل حضرات کی یہ خواہش رہتی کہ حضرت نے جن شیوخ سے اجازت حدیث حاصل کی ہمیں بھی حضرت کے توسط سے ان سے نسبت اور اجازت حدیث حاصل ہوجائے۔ یہاں قبل اس کے ان جگہوں یا مقامات کا تذکرہ کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جہاں پر آپ نے بہت سے علماء کو اجازت حدیث دی، حضرت کی ان اسناد کا تذکرہ کروں جن اسناد سے اور جن محدثین سے آپ کو اجازت حدیث حاصل ہے۔

(۱) آپ کو سب سے پہلے اجازت حدیث حضرت مولانا حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ سے حاصل ہے، جس کی سند یہ ہے:

أَجَازنِیُ المحدث الجلیل سماحة الشیخ حسین أحمد الفیض آبادی ثم المدنی عن سماحة شیخ الهند محمود حسن الدیوبندي عن جدی الکبیر حجة الله فی الارض الامام الأکبر مولانا محمد قاسم النانوتوی (مؤسس دارالعلوم دیوبند) یہ سند حضرت عبدالغنی اور شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی کے توسط سے حضرت شاہ ولی اللہ تک پہنچتی ہے۔

(۲) دوسری اجازت حدیث حضرت خطیب الاسلام کو اپنے والد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی سند سے حاصل ہے، سند یہ ہے آپ کو اجازت حدیث ملی اپنے والد قاری محمد طیب صاحب سے، ان کو حضرت علامہ انور شاہ کشمیری سے ان کو حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی سے اور پھر اوپر حضرت شاہ ولی اللہ تک وہی سلسلہ ہے۔

(۳) تیسرا سلسلہ اجازت حدیث کا آپ کے والد سے اجازت پھر ان کو اپنے والد حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند سے انہوں نے حدیث پڑھی اور اجازت حاصل کی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ سے انہوں نے حضرت شاہ عبدالغنی کے واسطے سے حضرت شاہ ولی اللہ تک وہی سلسلہ ہے۔

(۴) چوتھا سلسلۂ اجازت حدیث خطیب الاسلام کو اپنے والد حضرت مولانا قاری محمد طیب

صاحب سے تمام کتب متداولہ اور مسلسلات کا حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ کے واسطے سے حاصل ہے اور یہ سلسلہ حضرت شاہ ولی اللہ کے واسطے سے نبی کریم ﷺ تک پہنچا۔

(۵) پانچواں اجازت حدیث کا سلسلہ آپ کو اپنے والد حکیم الاسلام کے توسط سے شیخ ابو محمد عبد اللہ محدث کا ہے اور ان کی اپنی سند ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہے۔

(۶) چھٹا سلسلہ آپ کو اجازت حدیث کا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی سے حاصل ہے، آپ نے ان سے مدینہ منورہ میں حدیث کی تمام متداولہ کتب حدیث اور اربعین امام نووی کی اوائل حدیث کی اجازت حدیث حاصل ہے اور حضرت شیخ الحدیث کا سلسلہ حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری کے توسط سے شیخ عبدالقیوم بڈھانوی تک اور ان سے حضرت شاہ ولی اللہ تک۔

(۷) ساتواں سلسلہ حضرت کو اجازت حدیث جدہ کے ایک بہت بڑے عالم محدث شیخ عبداللہ بن احمد الناخبی سے حاصل ہوئی مگر اس شرط کے ساتھ کہ انہوں نے فرمایا کہ پہلے آپ مجھے حدیث کی اجازت دیں پھر میں آپ کو اجازت پہلے اپنی تمام سندوں سے دوں گا چنانچہ حضرت خطیب الاسلام نے ان کو اجازت حدیث مرحمت فرمائی پھر انہوں نے حضرت کو اجازت دی۔

ان سات طرق اور سلسلوں سے حضرت خطیب الاسلام کو اجازت حدیث حاصل ہے، اس عاجز کو بھی حضرت نے اپنے اُن تمام سلسلوں سے حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی، اس اجازت حدیث کی سند کی ہو بہو نقل اگلے صفحہ پر دی جا رہی ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيدنا ومولانا محمد المبعوث الى كافة الورى والمبين للناس ما نزل اليه
بكمال الصدق والامانة وبعد فاقول انا العبد المفتقر الى رحمة الله محمد سالم القاسمي بن سماحة الشيخ محمد طيب بن المحدث العظيم
مولانا محمد احمد بن حجة الله في الارض سماحة الشيخ محمد قاسم النانوتوي المؤسس لاكبر الجامعات في قارة آسيا جامعة دار العلوم ديوبند
غفر الله لهم ولجميع مشائخي ان الاخ في الله [illegible] وفقه الله
الى ما يحبه ويرضاه استجاز لي لرواية الكتب المتداولة وغيرها من الحديث الشريف فاجزته باسانيدي التالية المحصلة من مشائخي الكرام
باسانيدهم المتصلة الى رسول الله صلى الله عليه وسلم وعلى آله واصحابه اجمعين ان يروي عني الصحاح الستة والمسانيد والمعاجم والجوامع وغيرها
بكل ما تحصلت لي الاجازة به قراءة وسماعا بشرط الضبط والاتقان في الالفاظ والمعاني في الرواية والتثبت في المقاصد والمباني في الدراية واستقامة
العقائد والاعمال على طريقة الصحابة رضي الله عنهم وعلى ما كان عليه ائمة اهل السنة والجماعة اولها اجازني المحدث الجليل سماحة الشيخ حسين احمد
الفيض آبادي ثم المدني عن سماحة شيخ الهند محمود حسن الديوبندي عن جدي الكبير حجة الله في الارض الامام الاكبر مولانا محمد قاسم النانوتوي،
(مؤسس دار العلوم) عن المحدث الكبير سماحة الشيخ الشاه عبد الغني المجددي الدهلوي ثم المدني عن المحدث الجليل سماحة الشيخ محمد اسحق الدهلوي عن
سماحة الشيخ عبد العزيز الدهلوي عن الامام الهمام الفقيه المحدث العظيم سماحة الشيخ الشاه ولي الله الدهلوي قدس الله اسرارهم باسانيده المتشعبة المتصلة
الى رسول الله صلى الله عليه وسلم. ثانيها اجازني والدي الماجد حكيم الاسلام سماحة الشيخ محمد طيب (المدير العام واستاذ الحديث بجامعة دار العلوم ديوبند)
عن الامام المحقق سماحة الشيخ السيد محمد انور شاه الكشميري عن سماحة الاستاذ الاكبر شيخ الهند مولانا محمود حسن الى الشاه ولي الله. ثالثها اجازني
والدي الماجد عن والده سماحة شيخ الاسلام محمد احمد الديوبندي عن فقيه الاسلام سماحة الشيخ الاكبر رشيد احمد الكنكوهي عن الشيخ الشاه عبد الغني الدهلوي
الى الشاه ولي الله الدهلوي. رابعها اجازني والدي الماجد بجميع كتب الحديث المتداولة وطائفة من الاحاديث المسلسلة القولية والفعلية وغيرها
قراءة وعملا بها، لا سيما الحديث المسلسل بالماء والتمر مع الضيافة والمسلسل بالمصافحة عن المحدث الجليل سماحة الشيخ خليل احمد السهارنفوري باسانيده المتطرقة
المتصلة الى رسول الله صلى الله عليه وسلم عاليها عن سماحة الشيخ عبد القيوم بدهانوي عن سماحة الشيخ محمد اسحق الدهلوي الى الشاه ولي الله الدهلوي. خامسها
اجازني والدي الماجد عن الشيخ ابو محمد عبد الله بسنده المتصل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم. سادسها اجازني في المدينة المنورة سماحة الشيخ
محمد زكريا كاندهلوي رئيس هيئة التدريس بجامعة مظاهر علوم سهارنفور المعروف بشيخ الحديث بعد قراءتي عليه اوائل الاحاديث من اربعين
كتب الحديث المتداولة وغيرها عن سماحة الشيخ خليل احمد السهارنفوري عن سماحة الشيخ عبد القيوم بدهانوي الى الشاه ولي الله الدهلوي
باسانيده المتشعبة المتصلة الى رسول الله صلى الله عليه وسلم. سابعها اجازني في البلدة "جدة" المملكة العربية السعودية "صاحب
الفضيلة المحدث الجليل الشيخ عبد الله بن احمد الناخبي استجازني اولا فاجزته ثم اجازني فيما اجاز شيوخه الكرام من حديث وفقه وتفسير
اجازة خاصة وعامة مع وصيتي اليه بتقوى الله تعالى وان لا ينساني في دعواته الصالحة وصلى الله على سيدنا ومولانا محمد وعلى آله واصحابه اجمعين.

الرئيس العام وأستاذ الحديث
بدارالعلوم وقف ديوبند (الهند)

حضرت نے یہ سند حدیث شہادت حدیث کے ساتھ راقم کو مرحمت فرمائی اور تمام کتب حدیث پڑھانے کی اجازت دی۔

مختلف مقامات پر علماء کو اجازت حدیث

امت نے بالکل ابتدائی زمانے ہی سے حضور ﷺ کی احادیث مبارکہ کی حفاظت کا اہتمام فرمایا، علمائے اسلام میں یہ طریقہ رائج ہے کہ وہ اپنی سند کو عالی کرنے کے لئے، اور اپنے درمیان اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان واسطوں کو کم کرنے کے لئے ان علماء سے حدیث کی اجازت لیتے ہیں جن کی سندان کے مقابلے عالی ہے، اور علمائے محدثین بھی علم حدیث کی اشاعت کے لئے اور برکت کے حصول کے لئے اپنی اپنی عالی سندوں سے اجازت دینے کا اہتمام کرتے ہیں۔ آج جو علماء مدارس اسلامیہ میں حدیث کا درس دے رہے ہیں، ان کے اعتبار سے حضرت خطیب الاسلام کی سند حدیث عالی تھی، اور حضرت کو مختلف طرق سے حدیث کی اجازت حاصل تھی اس لئے جہاں بھی حضرت تشریف لے جاتے، تو وہاں کے علماء اور فضلاء اس بات کا اہتمام فرماتے کہ حضرت سے حدیث کی اجازت لے لیں، دنیا بھر میں بہت ساری جگہوں پر اجتماعی وانفرادی طور پر حضرت خطیب الاسلام نے علماء کو حدیث کی اجازت دی۔ ان میں سے چند اہم جگہوں کا ذکر قرین قیاس ہے جہاں حضرت خطیب الاسلام نے لوگوں کو اپنے تمام مبارک سلسلوں سے حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی ہے۔

(۱) جامعہ اشرف المدارس کراچی میں اجازت حدیث

حضرت خطیب الاسلام کا جب پاکستان میں کراچی کا سفر ہوتا تو حضرت ہر سفر میں یہ اہتمام فرماتے کہ وہ خانقاہ اور امدادیہ اشرفیہ (واقع گلشن اقبال، کراچی) تشریف لیجاتے، میزبان خواہ کوئی بھی ہوں، پروگرام کہیں پر بھی ہو، کراچی کے سفر میں خانقاہ امدادیہ اشرفیہ ضرور تشریف لیجاتے، لیکن آخری دو سفروں میں کراچی میں قیام کے دوران انہوں نے رہائش کے لئے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کا انتخاب فرمایا اور بہت سی مرتبہ ان اسفار میں آپ نے جامعہ اشرف المدارس میں بے شمار فارغین علماء کو اجازت حدیث مرحمت فرمائی چنانچہ جامعہ اشرف المدارس کے مہتمم جناب حضرت مولانا شاہ حکیم محمد مظہر صاحب دامت برکاتہم اپنے تعزیتی مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ: کئی مرتبہ جامعہ اشرف المدارس کراچی واقع گلستان جوہر تشریف لائے اور اساتذہ کرام اور طلبہ کو خود دستخط فرما کر اجازت

حدیث کی سند عطا فرمائی۔[1]

اس طرح حضرت کے پاکستان کے بے شمار مدارس کے اسفار ہیں، حضرت کو آغاز بخاری شریف کے لئے مختلف مدارس میں دعوت دی جاتی اور حضرت تشریف لیجاتے اور بخاری کا پہلا درس دیتے، اسی طرح ختم بخاری کے لئے بھی بہت سے مدارس اور جامعات سے دعوت نامے آتے، جہاں بحدامکان پہنچ سکتے وہاں تشریف لیجاتے اور ختم بخاری اور آخری حدیث بخاری شریف کی پڑھاتے اور اگر شعبان المعظم میں بیرون ملک کا سفر ہوتا تو وہاں بے شمار جامعات میں حضرت کو بخاری شریف کے ختم کے لئے دعوت دی جاتی اور حضرت آخری حدیث پڑھاتے اسی موقع پر بے شمار علماء واساتذہ اور دیگر فارغین کو اجازت حدیث بھی مرحمت فرماتے، چنانچہ ایک مرتبہ شعبان المعظم میں حضرت کا سفر افریقہ کا ہوا، وہاں مفتی عبدالجلیل صاحب کی دعوت پر ''ڈربن'' کا سفر ہوا، اسی موقع پر دارالعلوم زکریا جوہانس برگ میں ختم بخاری کا حضرت نے درس دیا اور وہاں پر علماء اور فارغین طلباء کو اجازت حدیث مرحمت فرمائی۔

سفر زامبیا، ختم بخاری شریف اور اجازت حدیث

حضرت کا ایک سفر ۲۰۱۴ء میں زامبیا کا مولانا بویا دصاحب اور مولانا ایوب صاحب کی دعوت پر ہوا، یہ دونوں حضرات اس سفر میں میزبان تھے، وہاں پر بھی حضرت نے الجامعۃ الاسلامیہ، لوساکا، زامبیا میں ختم بخاری شریف کرائی اور فارغین حضرات کو اجازت حدیث مرحمت فرمائی (اس سفر کی تفصیلات مجھ سے مخدوم ومکرم جناب حافظ اقبال صاحب جوگیشوری ممبئی، رکن مجلس مشاورت دارالعلوم وقف دیوبند نے بتائیں۔

مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور وقف میں اجازت حدیث

مخدومی ومکرمی حضرت مولانا شاہد صاحب دامت برکاتہم کے نے بتایا کہ:

''۲۰۱۴ء میں حضرت نے مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور وقف کی دعوت پر سہارنپور کا ماہ شعبان المعظم میں سفر فرمایا، وہاں پر آپ نے بخاری شریف ختم کرائی تمام اساتذہ وذمہ داران اور آس پاس سے آئے ہوئے دیگر بہت سے علماء حضرات اس مجلس میں موجود تھے، حضرت نے آخری حدیث پڑھائی اس کے بعد ان حضرات علماء واساتذہ عظام اور دیگر فارغین طلبہ کو اجازت حدیث مرحمت فرمائی۔''

---

[1] تعزیتی مکتوب جامعہ اشرف المدارس کراچی

مدرسہ نور الاسلام میرٹھ میں اجازت حدیث

مدرسہ نور الاسلام میرٹھ میں ہمیشہ حضرت خطیب الاسلام ہی بخاری شریف ختم فرماتے اور حدیث کی اجازت فارغین طلباء دورہ حدیث کو مرحمت فرماتے، اس طرح نہ جانے کتنے حضرات ہیں جن کو حضرت نے اجازت حدیث مرحمت فرمائی اور ان کی سند حضرت کے توسط سے عالی ہوئی۔

حرمین شریفین میں اجازت حدیث

حضرت خطیب الاسلام حرم مکی میں بغرض حج تشریف فرما تھے، جس ہوٹل میں حضرت کا قیام تھا بقول مخدومی ومکرمی حضرت مولانا محمد شاہد صاحب ''بہت سے عرب علماء کو معلوم ہوا کہ ہندوستان کے مؤقر ادارہ دارالعلوم وقف دیوبند کے جلیل القدر محدث وشیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سالم القاسمی فلاں ہوٹل میں تشریف فرما ہیں، چنانچہ بہت سے عرب علماء ہوٹل میں کئی مرتبہ آئے اور حضرت خطیب الاسلام سے الگ الگ مجلسوں میں انہوں نے آکر حدیث کی اجازت حاصل کی۔

علماء مدینہ منورہ اور حضرت سے اجازت حدیث

دیار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت کی مشتاقانہ وعاجزانہ حاضری ہوئی، بقول حافظ اقبال صاحب جوگیشوری جو اس سفر میں حضرت کے ساتھ تھے'' حضرت کا قیام حرم کے سامنے والے ہوٹل میں ''غالباً''اراک'' ''یا طیبہ'' میں تھا۔ حضرت کا قیام ہوٹل میں تھا کہ ایک مجلس ہوئی جس میں بہت سے مدینہ منورہ کے عرب علماء بھی شامل تھے، اسی مجلس میں حضرت مولانا پیر ذوالفقار صاحب نقشبندی اور ان کے ساتھ مزید کچھ علماء بھی تشریف لائے تھے، ان سب حضرات نے حضرت سے اجازت حدیث کی درخواست کی، اس پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس مجلس میں شریک علماء کو اجازت حدیث مرحمت فرمائی۔

مدینہ منورہ میں مقیم ایک شامی عالم ومحدث شیخ محمد محمد العوامۃ کو اجازت حدیث دینا اور اجازت لینا

حضرت خطیب الاسلام نے مدینہ منورہ (زادھا اللہ شرفاً وتعظیماً) میں اجازت حدیث دینے کے واقعہ کا تذکرہ عاجز سے کیا کہ شیخ محمد محمد العوامۃ نے ہماری مدینہ منورہ میں دعوت فرمائی اس موقع پر میں

نے ان سے درخواست کی کہ وہ مجھے اجازت حدیث مرحمت فرما دیں، انہوں فوراً مجھ سے فرمایا کہ بے شک میں آپ کو اپنی اسانید سے اجازت حدیث دیدوں گا مگر اس شرط پر کہ پہلے آپ اپنے تمام سلاسل سے مجھے اجازت حدیث مرحمت فرمائیں گے، میں نے ان کی شرط قبول کر لی اور پھر پہلے میں نے ان کو حدیث کی اجازت دی، پھر انہوں نے مجھے اپنے سلسلوں سے حدیث کی اجازت دی۔

مفتی الدیار المصریہ شیخ علی جمعہ[1] کو اجازت حدیث

حضرت خطیب الاسلام کا تقریبا ہر سال ہی مصر کا سفر ہوتا، مخدومی ومکرمی جناب حضرت مولانا شاہد صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے مجھے بتایا کہ ہمارا مصر میں ایک ہوٹل میں قیام تھا، جامعہ از ہر کے علماء کو معلوم ہوا کہ ہندوستان کے بڑے جلیل القدر محدث اور عالم اسلام کے مشہور ومؤقر ادارہ دارالعلوم وقف دیوبند کے سرپرست مصر تشریف لائے ہیں اور فلاں ہوٹل میں مقیم ہیں، چنانچہ اس دوران بہت سے علمائے از ہر انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی شکل میں بھی حضرت خطیب الاسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ آپ اپنی سند سے ہمیں اجازت حدیث مرحمت فرما دیں، حضرت نے ان کی درخواست کو قبول فرماتے ہوئے ان حضرات علماء کو اجازت حدیث دی، ان ہی آنے والوں میں مفتی الدیار المصریہ شیخ علی جمعہ بھی تھے، انہوں نے حضرت سے درخواست کی کہ آپ مجھے اجازت حدیث مرحمت فرما دیں، حضرت نے بھی ان سے اجازت حدیث کی درخواست فرمائی، غرض دونوں حضرات نے ایک دوسرے کو اجازت حدیث دی، پہلے حضرت خطیب الاسلام نے ان کو اجازت دی پھر انہوں نے اپنی سند سے حضرت کو اجازت حدیث مرحمت فرمائی۔

اوپر چند جگہوں کا تذکرہ بطور مثال کر دیا گیا، ورنہ نہ جانے کہاں کہاں اور کن کن محدثین کو حضرت نے حدیث کی اجازت دی اور دنیا بھر کے مشہور محدثین نے حضرت کو بھی اجازت حدیث مرحمت فرمائی۔

---

[1] شیخ علی جمعہ مصر کے بڑے علماء میں ہیں، اور آج کل مفتی الدیار المصریہ ہیں، ان کو شیخ نصر فرید واصل کے بعد مفتی الدیار المصریہ بنایا گیا تھا، شیخ نصر فرید واصل میرے بھائی جان کے بھی استاذ ہیں۔
شیخ علی جمعہ ایک خدا ترس انسان ہیں، اور از ہر کے علمائے متقدمین کی شان ان کے علم اور فضل وکمال سے ظاہر ہوتی ہے، عرب ممالک میں اور مصر میں ان کے بے شمار شاگرد ہیں۔ بہت ساری وقیع کتابوں کے مصنف ہیں، مصر کی مساجد اور مدارس میں ان کی مجلسیں ہوتی رہتی ہیں اور اس وقت مرجع خلائق ہیں، ان کی زندگی کی تفصیلات اور کارناموں کا تعارف انٹرنیٹ پر موجود ہے۔

اوپر دیے گئے چند حضرات کے نام جنہوں نے حضرت سے اجازت حدیث لینا اپنی زندگی کے لئے سرمایۂ افتخار سمجھا، وہ کوئی معمولی حضرات نہیں بلکہ وہ عالم اسلام کی مشہور ومعروف شخصیات ہیں، اس سے حضرت خطیب الاسلام کی محدثانہ شان کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے، اللہ رب العزت نے حضرت کو کس قدر عالی مرتبہ اور بلند مقام عطا فرمایا تھا۔ **ذلک فضل یؤتیہ من یشاء.**

حضرت خطیب الاسلام اور دارالعلوم وقف دیوبند میں بخاری کا آغاز

۲۰۱۱ء میں یہ عاجز اپنے والد محترم حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی نانوتوی کی معیت میں دارالعلوم وقف دیوبند میں حاضر ہوا آخری گھنٹہ میں دارالحدیث میں حضرت کو بخاری شریف کے درس کا آغاز کرنا تھا، چند باتیں اس درس کی میرے ذہن میں تھیں ان کو شامل کتاب کرنا اپنے لئے سعادت تصور کرتا ہوں۔ حضرت نے سب سے پہلے بیان کیا کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح بخاری کو کیوں تالیف کیا یعنی سبب تالیف بیان فرمایا کہ مجھ سے اسحٰق بن راھویہؒ نے کہا: کاش تم احادیث کی ایسی کتاب لکھتے جس میں صرف اور صرف صحیح احادیث ہوتیں، اس پر امام بخاری فرماتے ہیں کہ میں نے اس کا عزم مصمم کرلیا، چنانچہ چھ لاکھ احادیث سے منتخب کرکے سات ہزار سے کچھ زائد احادیث کا مجموعہ سولہ برس کی مدت میں اس طرح تیار کیا ایک ایک حدیث درج کرنے سے قبل غسل فرماتے اور دو رکعت نماز پڑھ کر استخارہ کرتے۔ اپنی اس مؤقر ومقدس کتاب کے تراجم ابواب ریاض الجنۃ میں بیٹھ کر لکھے، اسی اعتبار سے اللہ نے اس کو غیر معمولی مقبولیت عطا فرمائی۔

دوسری بات حضرت نے امام بخاری کے تعلق سے یہ بیان فرمائی کہ خود امام بخاری سے صحیح بخاری کو نوے ہزار لوگوں نے پڑھا۔

تیسری بات بخاری شریف کا پورا نام اور اس نام کی وضاحت بیان فرمائی۔ حضرت نے فرمایا کہ بخاری شریف کا پورا نام ہے "**الجامع المسند الصحیح المختصر من أمور رسول الله صلى الله عليه وسلم وسننه وأيامه**"

الجامع: یعنی تمام ابواب دین سے متعلق احادیث پر مشتمل یہ کتاب جامع ہے۔

المسند: یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک اس کی سند اتصال کے ساتھ پہنچتی ہے۔

الصحیح: اس کی احادیث شرائط صحت کی پانچ صفات کی جامع ہیں، وہ پانچ صفات یہ ہیں رواۃ ثقہ ہوں، راوی اور مروی عنہ کا سماع ولقاء آپس میں ثابت ہو، شذوذ سے بھی اس کی احادیث محفوظ ہوں اور علت بھی نہ ہو۔

المختصر: یعنی جتنی حدیثیں حضرت امام کے نزدیک صحت کی شرط پر پوری اترتی ہیں ان سب کو جمع نہیں کیا بلکہ ان ہی احادیث کو جمع کیا جو ترجمۃ الباب کا مقصد متعین کرنے میں معین ومددگار رہوں۔

من امور رسول اللہ الخ: اس کتاب کا مضمون اور موضوع آں حضرت کے امور یعنی افعال و اقوال اور احوال کا مجموعہ ہے۔

چوتھی بات مصنف علام نے اپنی کتاب صحیح بخاری کا آغاز جس حدیث سے فرمایا یعنی ''انما الأعمال بالنیات'' یہ کیف ما تفق نہیں ہے بلکہ امام کا مقصد یہ ہے کہ جو اس کتاب کو پڑھے، سب سے قبل اپنی نیت کی تصحیح کرلے، بدنیتی اور بے نیتی سے کام نہ کرے بلکہ ہر کام کو عبادت کے طور پر کرے اور یہ جب ہی ہوگا جب ہم اور آپ اپنی نیت کی اصلاح اور اس کی تصحیح کرلیں گے، یہاں تک کہ مسلمان کا کھانا، پینا، سونا، جاگنا، گفتگو کرنا، ملنا جلنا، لین دین، رہن سہن ہر چیز عبادت ہے بشرطیکہ نیت صحیح کرلے، اس وقت غالباً حضرت عبداللہ بن عباس کا ایک قول اور معمول بھی سنایا تھا وہ فرماتے ہیں: ''وانی لأحتسب نومتی کما أحتسب قولتی'' کہ میرا سونا بھی عبادت ہوجاتا ہے کہ میں ثواب کی نیت کرلیتا ہوں کہ میرا بدن آرام پائے گا تو عبادت میں نشاط ہوگا اور یہ میرا سوتے ہوئے نیت کرلینا ایسا ہی ہے جیسا کہ میں نماز میں قیام بنیت ثواب کرتا ہوں، اسی طرح سوتے ہوئے بھی نیت کرلیتا ہوں تو سونا بھی عبادت ہوگیا۔ یہ چند باتیں مجھ کو اس درس کی یاد رہیں اس کے علاوہ بھی حضرت نے بہت سی باتیں آغاز درس میں بطور تمہید بیان فرمائیں۔

مذکورہ بالا چند باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت کو علم حدیث میں کس قدر درک حاصل تھا، بہر حال یہ چند باتیں سرسری طور پر اس عنوان ''خطیب الاسلام بحیثیت ایک محدث'' کے تحت ذکر کردی گئیں، ورنہ جس نے چالیس سال بخاری شریف کا درس دیا ہو، اس کے کمالات، اس کے تعمق فی الحدیث اور ان کی ذات سے مستفید ہونے والے حضرات اور وہ موتی جو انہوں نے چار دہائیوں تک بکھیرے اور نہیں معلوم کہ آپ نے کن کن عقامات پر یہ گوہر افشانی کی ہوگی، جس کا صحیح ریکارڈ تو ہمارے پاس نہیں صحیح بات تو حضرت کے وہ تلامذہ ہی بتا پائیں گے جنہوں نے حضرت سے کتب احادیث پڑھیں، یہ خود ایک ریسرچ اور تحقیق کا موضوع ہے، اس سلسلے میں مزید اگر کسی کے پاس کچھ ایسی معلومات موجود ہو جو حضرت کے درس حدیث سے متعلق ہوں تو برائے کرم راقم کو یا حجۃ الاسلام اکیڈمی کو وہ معلومات ضرور ارسال کردیں یہ آپ کی طرف سے اہم علمی تعاون ہوگا۔

حضرت خطیب الاسلام بحیثیت شاعر

جس طرح علمی اور دعوتی و دینی ذوق حضرت خطیب الاسلام علیہ الرحمہ کو خاندانی طور سے ورثہ میں ملا تھا اور پھر حضرت خطیب الاسلام نے اپنے اس علمی و دعوتی ذوق کو پروان چڑھانے میں دن و رات ایک کردئے تھے، اسی طرح آپ کو شعر گوئی کا ذوق بھی ورثہ میں ملا تھا، کہ آپ کے پردادا حجۃ الاسلام امام نانوتوی بھی نہایت قادرالکلام شاعر تھے، اور انہوں نے نعتیہ وغزلیہ کلام کہا تھا، اور مختلف موقعوں کی نظمیں کہیں تھی، ان کے بعد حضرت خطیب الاسلام کے والدگرامی حضرت حکیم الاسلام بھی نہایت قادرالکلام شاعر تھے، اورنہوں نے بھی مختلف اصناف سخن اور کئی زبانوں میں شاعری کی تھی، اسی طرح یہ خاص ذوق حضرت خطیب الاسلام میں بھی منتقل ہوا تھا، اور حضرت خطیب الاسلام زمانۂ طالبعلمی ہی سے اشعار کہنے لگے تھے، بلکہ نہ صرف اردو میں طبع آزمائی فرماتے تھے، فارسی میں بھی اشعار کہنے لگے تھے، جیسا کہ خود حضرت خطیب الاسلام نے اپنی بیاض خاص میں اس کی صراحت کی ہے کہ فارسی خانہ میں طالبعلمی کے دوران میں بلاتکلف فارسی کے اشعار کہہ لیتا تھا، حضرت خطیب الاسلام کو جہاں شعر گوئی کا ذوق اپنے والد سے ورثہ میں ملا تھا، وہیں حضرت خطیب الاسلام کی والدہ محترمہ کو بھی شعر گوئی کا اور برجستہ اشعار پڑھنے کا اور اچھے تعمیری اشعار یاد کرنے کا اچھا خاصا ذوق تھا، جیسا کہ اس کی تفصیلات راقم الحروف کو جناب اعظم قاسمی صاحب (علی گڑھ) نے اپنی والدہ کے حوالے سے بتائیں، علاوہ ازیں خود حضرت کی ننیہال والے بھی شعر گوئی کا اچھا ذوق رکھتے تھے، اور ان کے یہاں فی البدیہہ اشعار کہنے کا عام رواج تھا۔ اس لئے بھی حضرت خطیب الاسلام کے اندر شروع ہی سے یہ ذوق نہایت صاف ستھرا تھا، اور حضرت موقعہ بموقعہ اشعار کہتے رہتے تھے، اور اگر حضرت والا شعر گوئی کو ہی اپنا میدان بناتے تو آپ کی یہ پہچان سب سے نمایاں ہوتی، لیکن آپ نے شعر گوئی کو اپنا مستقل میدان نہیں بنایا، بلکہ موقعہ بموقعہ ہی اشعار گوئی کی عادت تھی اور تخلص ندیمؔ قاسمی فرماتے تھے، بیاض میں حضرت کی کہی ہوئی جو نظمیں موجود ہیں، ان میں اکثر اسی نام سے لکھی ہوئی ہیں، جناب ڈاکٹر اعظم قاسمی صاحب مدظلہ العالی نے راقم الحروف کو یہ بات بڑی تفصیل سے بتلائی

کہ ہمارے بھائی میاں میں شعر گوئی کے علاوہ اچھے اور تعمیری اشعار اردو، عربی اور فارسی کے یاد کرنے کا انتہائی اہتمام تھا، جن میں اکثر سنجیدہ اور مزاحیہ اشعار ہوتے تھے، اور جب تمام اہل خانہ جمع ہوتے اور گھر میں محفل ہوتی تو انتہائی سنجیدہ اشعار بھی سناتے اور درمیان میں مزاحیہ اشعار بھی سنا دیتے جس سے محفل گل گلزار ہو جاتی، بیاض لکھنے کا اہتمام بچپن سے تھا، وہ اشعار ان بیاضوں میں لکھے جاتے تھے، اور اس بیاض اور شخصی مذکرات کی بے حد حفاظت کرتے اور اپنے ساتھ سفر وحضر میں رکھتے۔

جناب ڈاکٹر اعظم قاسمی صاحب نے راقم الحروف کو یہ بھی بتایا کہ لکھنؤ کے ایک سفر سے علی گڑھ صبح ہی صبح تشریف لائے، (علیگڑھ میں وہیں قیام ہوتا تھا) چہرہ پر انتہائی افسردگی کے آثار تھے، جو خلاف معمول تھا کہ بھائی میاں بڑے سے بڑے حادثے پر بھی صبر کرتے تھے، اور صبر کرنا اور صبر کی اپنے لوگوں کو تلقین کرنا ان کی طبیعت کا حصہ تھا۔ میں نے معلوم کیا کہ بھائی میاں کیا بات ہے، آپ پریشان لگ رہے ہیں، پہلے تو خاموش رہے، پھر فرمایا کہ آج سفر سے واپسی میں ہمارا بیگ چوری ہو گیا، جس میں میری پرانی بیاض تھی، اور کپڑے تھے، اس بیاض میں ان کی تصریح کے مطابق سو سے زائد نظمیں ان کی کہی ہوئی تھیں، اسی بیاض کے کھو جانے کی وجہ سے طبیعت میں اضمحلال تھا۔ اسی طرح مولانا شکیب قاسمی صاحب نے بھی بتایا کہ انتقال سے چند ماہ قبل میں نے کچھ چیزیں دیکھنے کے لئے ان سے معلوم کر کے وہ بیاض اندر رکھی، ایک دن گذرنے کے بعد تقاضہ کیا کہ وہ بیاض واپس کر دو، میں نے بغرض حفاظت اندر رکھ لیں تھیں، لیکن پھر دوبارہ تقاضہ فرمایا تو میں نے وہ بیاض لے جا کر سرہانے رکھدی کہ پھر اٹھا لوں گا۔

جناب اعظم قاسمی صاحب مدظلہ العالی نے حضرت کی طبعی ظرافت کا تذکرہ فرماتے ہوئے اور اشعار یاد کرنے کے سلسلے میں بحر طویل کا خاص طور پر تذکرہ فرمایا، اور ہمیں اس کے کچھ اشعار بھی جو ان کو یاد تھے وہ سنائے اور فرمایا کہ اس بحر طویل کو بھائی میاں بڑے لطف لیکر سنایا کرتے تھے، اور میں نے اس کو جو کچھ یاد کیا ہے وہ انہی سے سنکر یاد کیا ہے، الگ سے یاد کرنے کی کوشش نہیں کی، انہوں نے یہ بھی بتایا کہ جب سب لوگ جمع ہوتے تو سب بھائی میاں سے باصرار بحر طویل سنا کرتے تھے، حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے بھی اپنے تعزیتی خط میں اس بحر طویل کا تذکرہ کیا ہے کہ حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ نے حضرت مفتی رفیع صاحب اور حضرت مفتی تقی عثمانی کے اصرار پر اپنے ایک پاکستانی سفر کے دوران دارالعلوم کورنگی میں سنائی تھی۔

بحر طویل کا مختصر تعارف

یہ بحر طویل، شاعر بے عدیل، موسوم بخلیل، رحمہ اللہ الجلیل یعنی خلیل لکھنوی کی آٹھ مصرعوں پر مشتمل ہے، یہ علمی سرمایہ ضائع ہو جاتا اگر حضرت خطیب الاسلام نے اس کو محفوظ نہ فرمایا ہوتا۔

راقم الحروف کو ۱۴ محرم الحرام ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۵ اکتوبر ۲۰۱۷ء حضرت کی خدمت اقدس میں حاضری کا شرف ملا (گذشتہ نو دس سال میں راقم الحروف کو حضرت کی خدمت میں حاضری کا بحمد اللہ بہت شرف ملا جب بھی دیوبند حاضر ہوتا حضرت کی خدمت میں ضرور حاضری ہوتی اور نانوتہ سے دیوبند تقریباً مستقل ہی جانا آنا رہتا اور ہمارے حضرت مولانا شاہد صاحب خادم خاص سے بھی اکثر و بیشتر ملاقات ہوتی اور میری خوش نصیبی کہ مخدوم و خادم دونوں ہی مجھ ناچیز پر شفقت فرماتے، اللہ رب العزت حضرت مولانا شاہد صاحب کو جزائے خیر عطا فرمائے) حضرت نے راقم الحروف سے واقعہ بیان فرمایا کہ

> ''ابا جی یعنی حضرت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کو غالباً لکھنؤ کے سفر میں خلیل لکھنوی نے یہ بحر طویل سنائی تو حضرت حکیم الاسلام کو ایک مرتبہ سننے کے بعد یاد ہوگئی، اس کے بعد حکیم الاسلام نے گھر پر آ کر اس کو مجھے (خطیب الاسلام کو) سنایا تو دو تین مرتبہ میں میرے بھی یاد ہوگئی پھر کسی موقع پر مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب کو حضرت خطیب الاسلام نے سنائی ہوگی تو پاکستان کے سفر میں دار العلوم کراچی میں ناشتے پر مفتی محمد رفیع عثمانی نے باصرار فرمایا کہ حضرت اس کو سپرد قرطاس فرما دیں ورنہ ہم لوگ مستفید نہیں ہوسکیں گے تو میں نے اپنے حافظہ کی بنیاد پر اس کو محفوظ کیا''۔[1]
>
> درج ذیل میں بحر طویل کو نقل کیا جا رہا ہے۔

[1] مجلس حضرت خطیب الاسلام ۱۴ محرم الحرام ۱۴۳۹ھ ۱۵ اکتوبر ۲۰۱۷ء

بحرِ طویل

از: شاعر بے عدیل، موسوم بخلیل رحمہ اللہ الجلیل

پہلا مصرعہ

اسے کیوں ہم نے دیا دل، جو ہے بے مہری میں کامل، جسے عادت ہے جفا کی، جسے چڑھ ہے مہر وفا کی، جسے آتا نہیں آنا، غم وحسرت کا مٹانا، جو ستم میں ہے یگانہ، جسے کہتا ہے زمانہ، بُتِ بے مہر و دغا باز، جفا پیشہ فسوں ساز، ستم خانہ برانداز، غضب جس کا ہر ایک ناز، نظر فتنہ مژدہ تیر، بلا زلف گرہ گیر، جو غم ورنج کا بانی، قلق و درد کا موجد، ستم وجور کا استاذ، جو جفا کاری میں ماہر، جو ستم کیش ستم گر، جو جفا پیشہ ہے دلبر، جو تسلّی کو نہ جانے، جو تشفّی کو نہ سمجھے، جو کرے قول نہ پورا، کرے کام ادھورا، یہی دن رات تصور ہے، کہ ناحق اسے چاہا، کہ جو نہ آئے، نہ بلائے نہ کبھی پاس بیٹھائے، نہ کوئی بات بتائے، نہ لگی دل کی بجھائے، نہ غم ورنج گھٹائے، نہ رہ ورسم بڑھائے، جو کہو کچھ تو خفا ہو کہے، شکوے کی ضرورت؟ جو یہی ہے تو نہ چاہو، جو نہ چاہو گے تو کیا ہے؟ نہ نبھاؤ گے تو کیا ہے؟ بہت اتراؤ نہ دل دے کے، یہ کس کام کا دل ہے، غم واندوہ کا مارا، ابھی چاہوں تو میں رکھدوں، اسے تلووں سے مسل کر، ابھی منھ دیکھتے رہ جاؤ کہ ہیں! ان کو ہوا کیا، کہ انھوں نے میرا دل لے کے، میرے ہاتھ سے کھویا۔

دوسرا مصرعہ

بس اسی دھیان میں ہم تھے، کہ ہوئی پاؤں کی آہٹ، نظر اٹھی تو یہ دیکھا کہ چلا آتا ہے، وہ ماہ مبیں لُعبتِ چیں، زہرہ جبیں، دشمن دین، بانئ کہیں، پردہ نشیں، ساتھ مگر کوئی نہیں، دھک سے ہوا دل، کہ یہ اس وقت کہاں؟ اس سے جو پوچھا کہ بتا خیر تو ہے، کیوں ادھر آیا، تو جواب اس نے دیا، ہنس کے یونہی، تیرا کیا کام ہے، جو پوچھ رہا ہے، تو کوئی قاضی ہے، کہ مفتی ہے؟ تیرا کیا آتا ہے دنیا، جو مجھے ٹوک رہا ہے، یہ کہا بیٹھ گیا داب کے زانو، سوا دھر دیکھ، میرے دل کو ٹٹولا تو وہاں دل کا پتہ کب تھا، جو ملتا اسے ناچار کہا کیوں جی، کوئی اور بھی دل ہے؟ ہمیں خواہش ہے، جلا نیکی، ستا نیکی، کڑھا نیکی، اگر دو تو بڑا کام کرو، تو کہا میں نے، اک دل تھا سو تو لے ہی گیا، دو کہیں ہوتے بھی ہیں دنیا میں، جو تو لینے کو آیا، تو کہا اسنے اجی جاؤ، ذرا جی میں تو شرماؤ، بھلا حکم اٹھایا، کہ میری بات ہی کاٹی کہیں دیتے بھی ہیں، دنیا میں جواب ایسا ٹکا سا، ہٹو بیٹھو بھی، محبت کا بھلا نام ڈبویا۔

تیسرا مصرعہ

کبھی ان کو جو سنایا غم دل، سن کے وہ بولے بڑے جھوٹے ہو کہ توبہ! وہ سناتے ہو کہانی کہ یقیں جس پر نہ آئے، جو ذرا جی کو نہ بھائے، تم چھوڑ دو یہ بات، کہ گھڑ گھڑ کے سناتے ہو فسانے، ابھی دس اور سنیں اس کو، تو کیا جی میں کہیں، تم تو بڑے وہ ہو، خدا تم سے بچائے، چلو چٹخو ہمیں نیند آئی ہے، چولھے میں گئیں آپ کی باتیں، مرا دل ہو گیا مضطر، مجھے آنے لگے چکر، نہیں سننے کو ہوا کیا؟ سبھی سنتے ہیں کہانی، مگر ایسا بھی غضب کیا، کہ کہیں سر اور نہ کہیں پیر، وہی ہانک دی جو آ گئی دل میں، نہ سر کم سخی ہے، نہ غم دل شکنی ہے، جو ٹھنی ہے سو ٹھنی ہے، کہیں ان باتوں میں تم کھاؤ گے منھ کی، نہ ملے گا کوئی ثمرہ، سب لوگ کہیں گے یہ وہی ہے، جسے ضبط کا یارا نہیں، خموشی گوارا نہیں، جب جائیگی یہ تشہیر تو ہو جاؤ گے ہلکے، نہ کہے گا کوئی راز اپنا، کہ ایسا ہو کہدے کہ بنی بات بھی بگڑے۔

چوتھا مصرعہ

یہ سنا میں نے تو تلووں سے لگی، سر پہ بجھی، بھٹ سے کہا جہرے بت عیّار، تجھے پیار سے مطلب نہ محبت سے سروکار، الفت سے علاقہ نہ مروّت کا خریدار، تری نظروں میں چمن دشت ہے، گل خار، تجھے اپنی ہی صورت، پہ ہے یہ ناز کہ رکھتا ہی نہیں، پاؤں زمین پر، ارے یہ ہی ہوگا کہ عزازیل کو اللہ نے سجدے کے نہ کرنے پہ کیا مورد لعنت، وہ ملک ہو کے بنا مفت میں شیطان، تو تیری او بت کافر نہیں کچھ خاک بھی ہستی، یہ جوانی لئے جو پھرتی ہے اترائی ہوئی، تجھ کو، یہ گزر جائے گی جس طرح دم صبح کا جھونکا، تجھے اس وقت کروں گا میں سلام، او بت کافر کہ کہاں ہے وہ تکبر، وہ تبختر وہ حراست وہ شرارت، وہ غضب ناز وہ انداز وہ شوخی، وہ عشوہ وہ تری قہر ادائیں، وہ تیری زہر جفائیں، وہ قیامت کی نگاہیں، وہ تیرا روپ وہ رنگت وہ تیرا حسن، وہ چھل بل، جو گئے یہ تو نہ آئیں گے، دوبار تو رہے سو جان سے جو یا۔

پانچواں مصرعہ

یہ تماشہ ہے کہ الٹی ہوئی مجھ سے، انہیں الفت، مجھے نفرت، انہیں رغبت مجھے کلفت، وہ مرے عشق میں روتے ہیں، میں ہنستا ہوں ہے، وہ کرتے ہیں شکایت، مجھے ہوتا ہے تکدّر، وہ وفاؤں کے

ہیں طلبگار، میں اس رسم سے بیزار، انہیں چاہ کا ارمان، مجھے ظلم کی خواہش، کہ ستاؤں مجھے جس طرح ستایا ہے، یونہی ان کو جلاؤں مجھے جس طرح جلایا ہے، یونہی ان کو رلاؤں مجھے جس طرح رلایا ہے، یونہی ان کو کڑھاؤں، مجھے جس طرح کڑھایا ہے، جو خوشی چاہیں تو غم دوں، جو سخن چاہیں تو دم دوں، جو کروں وعدۂ فردا تو مہینوں نہ خبر لوں، جو کروں آج کا اقرار تو برسوں میں ہو پورا، تو وہ پورا بھی ہو کیسے کہ میں ملوں، ملکے جلاؤں قلق و رنج بڑھاؤں، جو خوشی چاہے تو غم دوں، جو سخن چاہیں تو دم دوں، جو کہیں کچھ تو خفا ہوں، کہوں رہنے دو فرصت نہیں سننے کی، جو سنوں بھی تو بس اس کان سنوں اس کان اڑا دوں، وہ کہیں بہر خدا رحم کرو، مجھ سے مصیبت نہیں اٹھتی، یہ نیا رنگ زمانہ ہے، کہ میں تم پہ فدا ہوں، کرو تم یاد، وہ گھڑیاں کہ میری چاہ میں تم رہتے تھے گریاں، یہ ستم کیا ہے کہ معشوق سے رہتے ہو کشیدہ و کبیدہ۔

چھٹا مصرعہ

نہیں شک اس میں ذرا بھی، نہیں شک اس میں ذرا بھی، وہ مثل سچ ہے کہ آتا ہے کیا، اپنے ہی آگے انہیں دیکھو کہ جلاتے تھے، رلاتے تھے، ستاتے تھے، کڑھاتے تھے، ستم مجھ پہ وہ ڈھاتے تھے، نیا روز وہ طوفان اٹھاتے تھے، مہینوں صفت شمع گھلاتے تھے، نہ آتے تھے، نہ جاتے تھے، فقط دور سے باتیں ہی بناتے تھے، اب ایسے ہی کہ میں ان کو جلاتا ہوں، ستاتا ہوں، کڑھاتا ہوں، رلاتا ہوں، مہینوں صفتِ شمع گھُلاتا ہوں، ستم ان پہ میں ڈھاتا ہوں، نیا روز میں طوفان اٹھاتا ہوں، نہ آتا ہوں نہ جاتا ہوں فقط دور سے باتیں ہی بناتا ہوں، نہ وفاؤں کی طلب ہے، نہ محبت کی خبر ہے، جو اِدھر حال تھا پہلے، وہی اب حال اُدھر ہے، جو بنا پھرتا تھا قاتل، وہی اب سینہ سپر ہے، یہ عجب رنگ محبت ہے، کہ جو روتا تھا وہ ہنستا ہے، جو ہنستا تھا وہ رویا۔

ساتواں مصرعہ

گزرا اپنا جو ہوا کوچہ خوباں میں تو دیکھا کہ بڑی دھوم مچی ہے، نئی اک بزم سجی ہے، مجھے جیسے کہ تعلق ہے محبت ہے، لگاوٹ ہے میں بیٹھ رہا ایک طرف کو، بس اتنے میں نمودار ہوا وہ گل رعنا، جسے خسرو نے کہا تازہ جواں، موئے میاں راحت جاں، جانِ جہاں، روز رخے زلف شبے، لعل لبے یوسف چہرے گل، بلکہ خراماں چمن صید کن و تیز ہش و سرو قدے، گل بے زحمت خارے مئے بے رنج خمارے، سخن جملہ مسیح بہ زباں جملہ فصیح، بہ نظر جملہ فنون، آہوئے ضغیم فگن، زلف دوتا ابرو کشادہ پئے

کیں، خلیل آ کے بصد ناز وہ اترے، گل وبلبل ہیں ہوا شور کہ ہاں آیا ہے، وہ جو راحت و رونق ہے چمن کا، یہ گلستاں میں خوشیاں کہ تیم آئے میری رونق کو بڑھائے، میرے پھولوں کو ہنسانے، میرے نزدیک نہیں اس میں ذرا شک، کہ تم ہی جان چمن ہو، جو چمن جسم ہے، اس جسم کی تم ہی میری جاں جان ہو گویا۔

آٹھواں مصرعہ

پئے گل گشت گلستاں جو گئی، ان کی سواری تو، چلی باد بہاری، کھلی پھولوں کی کیاری، کہیں کلیاں ہوئیں ظاہر، کہیں غنچے ہوا پیدا، کہیں سوسن، کہیں شبّو، کہیں جوئی، کہیں لالہ، کہیں بیلا، کہیں نسرین، کہیں نرگس، کہیں لالے ہوئے شاخوں پر نمودار، شاخیں بھی برنگ سر تسلیم جھکیں ہیں، کہ ہے گل نورستۂ خوبی، جسے کہتے تو شایان کہ خورشید نظر و رشک قمر، غیرتِ گلہائے چمن سیم بدن، غنچہ دہن، دیکھ لیں گر اس کی پھبن، پھول ہوں شمع فگن، یہ اسی کیلئے سامان مہیا ہیں، یہ اسی کیلئے اسباب فراہم، کہیں سبزے کا بچھا فرش، کہ سوئے وہ گل تر کہیں پانی سے بھرے حوض کہ پی لے وہ سمن بر، کہیں پٹڑی کی تمنا کہ قدم اس کے میں چوموں، کہیں مہندی کی یہ خواہش کہ مجھے پیس ہی ڈالے، کہیں پھولوں کی یہ حسرت کہ ہمیں توڑ ہی ڈالے، کہیں پانی کی تمنا کہ یہاں آ کے نہالے، کہیں شاخوں کا یہ ارماں کہ ہم ہی سایہ فگن ہوں، کہیں قمری کو لگی دھن، کہ کئے جاتی ہے کُو کُو، کہیں بلبل تلاشی کہ کہاں ہے بتِ گل رو، بتِ گل رو، بتِ گل رو۔

یہ بحر طویل اردو زبان کا ایسا علمی وادبی شہ پارہ ہے کہ اگر حضرت خطیب الاسلامؒ کے پاس محفوظ نہ ہوتا اور حضرت مفتی رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے سامنے حضرت نے نہ سنایا ہوتا تو یہ بہت بڑا ادبی شہ پارہ اور ایک علم ہم سے دیگر علوم کی طرح جو سینہ بسینہ منتقل ہوتے چلے آ رہے تھے کہ ذرا سی لاپرواہی سے ہم محروم ہو جاتے، حضرت مفتی صاحب کی فرمائش پر حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو اپنی قوت حافظہ سے لکھ کر چھپوایا اور آنے والی نسلوں کی طرف منتقل فرما دیا۔

بحر طویل کو اس طرح محفوظ کر دینا جہاں سلسلہ امانت علمیہ کو اگلی نسلوں کی طرف منتقل کر دینے کے متعلق حضرت کی غیوریت کو بتا رہا ہے وہیں حضرت کے شعری ذوق، اشعار یاد کرنے کے اہتمام اور سخن وری پر کمال قدرت کا بھی پتا چلتا ہے۔

بہر حال حضرت نے یہ پورا واقعہ راقم الحروف کو سنانے کے بعد حضرت مولانا شاہد صاحب کو حکم فرمایا کہ ''بحر طویل'' کی ایک کاپی مجھے دیدیں اور حضرت نے مولانا شاہد صاحب کو اس الماری کی چابی دی جس میں حضرت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کی بیاض اور دیگر خاندانی دستاویزات رکھی ہیں اور اس الماری سے بحر طویل کا ایک نسخہ نکلوا کر مجھے عطا فرمایا، جو راقم کے پاس کتابت شدہ شکل میں موجود ہے۔

حضرت کے اشعار کے نمونے

جذبات الم: بر وفات حسرت آیات رفیقۂ حیات امت الاکرام نور اللہ مرقدھا

مؤرخہ: ۳ر محرم الحرام ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۱ر دسمبر ۲۰۰۹ء بوقت ۸ر بجکر ۴۵ منٹ صبح، بروز پیر

یہ اشعار اگر چہ اس سے قبل بھی نقل کیے جا چکے ہیں لیکن ان کی پر تاثیری اور حضرت کے شعری ذوق کی جھلک بتلانے کے لئے ان کو دوبارہ یہاں نقل کیا جا رہا ہے کہ ان اشعار میں شعری جملہ عناصر موجود ہیں کہ خیالات بھی پاکیزہ ہیں، جذبات اور قلبی کیفیات کی سچی ترجمانی بھی اہلیہ محترمہ سے تعلق کا اظہار اور اس کی ایک طویل زمانے تک معیت اور ان کی وفاؤں کی داستان بھی ہے۔ جس سے پڑھنے والے کو یہ احساس ہوتا ہے کہ شاعر نے اپنے دلی جذبات کی بڑے ہی خوبصورت اور سادہ الفاظ میں عکاسی کی ہے۔

نہیں معلوم تھا فرقت میں دل پہ کیا گذرتی ہے
تمنا دل میں آنے سے جھجھکتی ہے لرزتی ہے
نہیں تھی آشنائی میری ان آنکھوں کو اشکوں سے
ان آنکھوں کو اگر اب چین ملتی ہے تو اشکوں سے
مرے اشکوں کے سچے موتیوں کا یہ نیا جھومر
سجے گا خوب یہ سجدوں کے عادی تیرے ماتھے پر
عطاء کرتی تھی ٹھنڈک تیری صورت خوش نگاہی کو
تری سیرت تھی درس عاجزی ہر کج کلاہی کو
تمنا تھی کہ برزخ میں تجھے لبیک میں کہتا
جدائی کے کڑے لمحے نہ اس دنیا میں میں سہتا
یہ تیرے واسطے تیری لحد گلزار جنت ہے

ترا مرقد مگر میرے لئے ایوان حسرت ہے
میں تجھ سے تھا مقدم عالم دنیا کی بستی میں
مگر عجلت سے نوحہ تو نے چھیڑا ساز ہستی میں
فدا کاری میں تونے زندگی ساری بتائی ہے
دم آخر وفا کی آخری اک رونمائی ہے
ترے اخلاق کی ہر ہر ادا میں اک تجلی تھی
تکلم سے دل بے چین کو ہر دم تسلی تھی
محبت سے تری دنیا میں منزل آشنا میں تھا
سفینہ تو تھی اسکی اور اسکا ناخدا میں تھا
سفینہ اپنا بحر عشق میں ایسا رہا جاری
تصور بھی نہ تھا چلنے سے یہ ہوجائے گا عاری
یہ بحر عشق اپنا معدن لؤ لؤ و لالہ تھا
کہاں سے لاؤں وہ موتی کہ جن کو تونے چاہا تھا
تو وہ سورج تھی نور آگیں تھی جس سے زندگی اپنی
خبر کیا تھی شب تاریک ہوجائے گی باقی زندگی اپنی
نگاہیں ڈھونڈتی ہیں گمشدہ رخشندگی اپنی
نہ تھا یہ وہم ہوگی زندگی شرمندگی اپنی
وہ تیری ذات تھی جس نے الم نا آشنا رکھا
تری فرقت نے مجھ کو تو کہیں کا بھی نہیں رکھا
تری قرآن خوانی توشئہ عرفان بنتی تھی
صلوۃ و صوم تیری دعوت عرفان بنتی تھی
احادیث نبی پڑھنے کا تجھ کو شوق وافر تھا
درودوں کے بکثرت ذوق پردل تیرا شاکر تھا
مسافر ہوں مگر ایسا کہ منزل ہی نہیں میری
زباں تو ہے مگر وہ ترجماں دل کی نہیں میری

تری شیریں زباں تھی جو سراپا گوش کرتی تھی
مروت سے تو گرد و پیش کو باہوش رکھتی تھی
تھی وابستہ تجھی سے زندگی رخشندگی اپنی
اور اب تو بن گئی ہے زندگی شرمندگی اپنی
تبسم بھی تکلم بھی امین راہ الفت تھے
بالفاظ دگر کہئے یہ معراج محبت تھے
بتوفیق الٰہی صبر پر سر خم نہ ہوجاتا
تو تیرے غم کا طوفاں کشتی ہستی ڈبو جاتا
غموں سے پر ہے اپنی زندگی تیری جدائی سے
خوشی ہے مغفرت کی جو ملی تجھ کو خدائی سے
گئی دربار حق میں تو بہت ہی سرخ رو ہوکر
یہاں ہم بھی ہیں لیکن اشک خوں سے سرخ رو ہوکر
تری رفعت کا اندازہ نہ تھا اپنے گمانوں میں
تصور بھی نہ کہ مسکن ترا ہوگا خیالوں میں
الم زدگی ملی سلمان و سفیاں کی آنکھوں کو
ذرا سن عاصم و عدنان کی ان سرد آہوں کو
یہ کیوں اسماء و عظمی رو رہی ہیں دل گرفتہ سی
مسلّط کیوں ہے ان پر یادِ ایّام گذشتہ کی
یہ آہیں نارسا ہو کر بھی وابسطہ یقیں سے ہے
حیات سرمدی ہے جو بنی ایمان و دیں سے ہے
معیت وہ رہی دنیا میں اپنی جو مثالی تھی
جدائی کے کسی ادنی تصور تک سے خالی تھی
تری خاموشیاں غمّاز ہیں جس کامرانی کی
سنادی وہ خبر ہاتف نے سب کو شادمانی کی

(محمد سالم قاسمی)

نذرا میر علمائے ہند

از محمد سالم قاسمی

مندرجہ ذیل اشعار حضرت نے والد گرامی حکیم الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی وفات پر کہے۔[1]

آفتاب دین حق کی ہے ضیائے علم و فن
حق نے بخشا ہے تجھے اسلاف کا ذوق سخن
شاہد عدل ہیں اس پر یہ زمین ویہ زمن
کلمہ طیب سے سرنگوں باطل رہا
زندہ رکھا ذوق حق ملت میں تونے عمر بھر
اس کے پشتیباں کتنے ہی ہیں گنگ و چمن
حق رسا ہے تیرے نغموں کی صدائے دلنشیں
داد کا طالب نہیں ہے تیرا ذوق فکر و فن
کر دیا تیرے معارف نے دلوں کو حق شناس
جن کی پر تاثیری نے گویا کر دیا سب کو مگن
شعر کو صرف حسن معنی ہی سے ملتا ہے دوام
حسن لفظی لاش ہے جس میں نہیں روح سخن
درد دل سے نغمۂ بیتاب بن جاتا ہے شعر
یہ نہ ہو تو شعر رہ جاتا ہے ایک بے جان تن
تھی رفیق زندگی، توفیق حق گوئی تری
تجھ پر قربان تاکہ ہوں دنیا کے تن من اور دھن
رحمت رب سے رہے روشن سدا تربت تری
یہ دعا دیتا ہے تجھ کو سالم مخلص کامن

---

[1] احیات طیب ج اول ص ۴۴۶/۴۴۷

تعمیری اشعار یاد کرنے کا اہتمام

مذکورہ بالا کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خطیب الاسلام کو متعدد اصناف سخن پر قدرت حاصل تھی۔ فن شعر گوئی میں حضرت نے مستقل طبع آزمائی نہیں فرمائی، بلکہ گاہ بگاہ تفنن طبع کے طور پر حضرت اشعار کہتے تھے۔ موقعہ اور مناسبت کے اعتبار سے بھی حضرت خطیب الاسلام اشعار کہتے تھے، جیسا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا سفیان صاحب کے پہلی مرتبہ قرآن کریم سنانے پر مندرجہ ذیل اشعار کہے:

اسی طرح حضرت نے اپنے برادر مکرم جناب مولانا اسلم صاحب قاسمی کے نکاح کے موقعہ پر تہنیتی اشعار کہے جو مندرجہ ذیل ہیں، حضرت مولانا اسلم صاحب کا نکاح مؤرخ اسلام حضرت مولانا محمد میاں صاحب کی صاحبزادی سے ہوا تھا۔

اسی طرح حضرت نے ایک نظم ۱۹۹۷ء میں حج بیت اللہ سے واپسی پر لکھی تھی، جس کا تذکرہ حضرت کے اسفار حج کے درمیان گذر چکا ہے، اور وہ نظم وہاں نقل کردی گئی ہے۔

اسی طرح حضرت نے ایک نظم اور بھی کہی، جو حضرت نفیس کے کسی شعر پر تضمین ہے۔ ان اشعار کے نیچے حضرت نے ایک نوٹ لکھا ہے، لکھتے ہیں:

"یہ ترانہ مظلومین خاص طور پر بچوں میں قوت ایمانی اعتماد علی اللہ اور جذبہ حب الوطنی کے ساتھ ہمتوں اور حوصلوں کو بلند رکھنے کے لئے مرتب کیا گیا ہے، اس لئے یہ ترانہ بچوں کو یاد کرانے کا خصوصی اہتمام فرمائیں۔"

ترانہ مظلومین کے اشعار مندرجہ ذیل ہیں:

بحمد اللہ حق کا بول بالا ہونے والا ہے
سیاہی چھٹ رہی ہے اب اجالا ہونے والا ہے
خدا کے گھر کے دشمن سن ندائے غیب آتی ہے
کہ تو برباد اب تو لا محالہ ہونے والا ہے
دیار دل شیطاں کو کوئی جا کر یہ بتلا دے
تہہ و بالا تیرا ایوان بالا ہونے والا ہے

تو کرے ظلم تجھ سے مومنو پر ہوسکے جتنا
ترا اے روسیاہ منھ اور کالا ہونے والا ہے
شہیدوں کا لہو پیتے ہی ذرے بول اٹھتے ہیں
یہ خطہ آج کل میں کشت و لالہ ہونے والا ہے
شہادت پانے والوں مبارک وقت آپہنچا
تمہارے زیب تن خلدی دوشالہ ہونے والا ہے
مجاہد تاڑ کر اپنے مقدر پر کہ توکل کو
شہیدان احد کا ہم پیالہ ہونے والا ہے
مبارک ہو ندائے ھائف غیبی مبارک ہو
کہ تم سے کارنامہ ایک نرالا ہونے والا ہے
دلائل سے جو خالی ہاتھ ہوں وہ کیوں نہ گھبرائیں
کہ منھے ان کا عدالت میں بھی کالا ہونے والا ہے
جو حق پر جم کے اس پر جان تک قربان کرتے ہوں
تو دنیا میں مقام ان کا اعلیٰ ہونے والا ہے
مرا قرآن کہتا ہے مرا ایمان کہتا ہے
ظہور و نصرت باری تعالیٰ ہونے والا ہے

اس کے علاوہ حضرت کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ ہر موقع اور اس کی مناسبت سے حضرت کو اس قدر اشعار یاد تھے اور تین زبانوں میں یعنی اردو، عربی اور فارسی میں شعراء کے دیوان کے دیوان یاد تھے اور اشعار بھی ایسے برمحل ہوتے کہ جو سنتا حضرت کی عظمت کا قائل ہوئے بغیر نہ رہتا، برمحل اشعار سنانے پر ایک دو واقعے یاد آرہے ہیں ان کا تذکرہ کرتا چلوں۔

''حضرت خطیب الاسلام اپنے وطن نانوتہ تشریف لائے بہت کچھ واقعات اپنے سفر کے سنائے۔

جب صبح ناشتے کے بعد تشریف لیجانے لگے تو والدہ کو بلایا، کچھ ہدیہ پیسوں کی شکل میں عنایت فرمایا جن کو والدہ محترمہ نے بطور تبرک لیا، اس کے بعد فرمایا بیٹے اجازت اور یہ شعر والدہ کے نام کیا!

گلستاں میں آئے سیر کیا شاد رہے
باغباں جاتے ہیں ہم گلشن ترا آباد رہے

والدہ اور دیگر گھر والوں نے اس پر آمین کہا اور پھر رخصت ہو گئے۔

ابھی تقریباً تین سال قبل کی بات ہے راقم الحروف حضرت کی خدمت میں صبح نو بجے در دولت پر حاضر ہوا، حضرت مطالعہ فرما رہے تھے، دوران گفتگو ''مسلم نو جوانوں'' کا تذکرہ آ گیا، اس پر نے علامہ اقبال کی وہ نظم جس کا عنوان ہے ''خطاب بہ جوانانِ اسلام'' سنائی، اس وقت حضرت نے تکیہ پر ٹیک لگا رکھا تھا اٹھ کر بیٹھ گئے، جیسے کسی نے دل کے تار چھیڑ دئے ہوں، نہیں معلوم کہ کب سے نوجوانانِ اسلام کے تئیں اپنے دل غمگیں میں یہ راز چھپا رکھا تھا، فرمایا: کاش ہماری قوم کے نوجوان اپنے اسلاف کی اقدار وقیم کے ترجمان ہوتے، جب میں نے اشعار سنائے تو آواز بھرا آئی، قریب تھا کہ آنکھوں سے آنسوں ٹپک پڑتے، بقول شاعر:

ٹپک اے شمع آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
سراپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستاں میری

اس پر حضرت نے راقم کو اکبرالہ آبادی کی ایک نظم سنائی جس کو میں نے بعد میں ''کلیات اکبر'' میں آ کر تلاش کیا تو وہ پوری نظم مل گئی میں نے ڈائری میں نوٹ کر کے اس نظم کو لکھ لیا، اقبال اور اکبرالہ آبادی کی دونوں نظموں کو مندرجہ ذیل لکھا جا رہا ہے۔

علامہ اقبال کی وہ نظم جو راقم الحروف نے حضرت کو سنائی تھی، اس کا عنوان ہے خطاب بہ جوانانِ اسلام، اس کے چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

کبھی اے نو جواں مسلم! تدبّر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا، تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
تجھے اس قوم نے پالا ہے آغوشِ محبت میں
کچل ڈالا تھا جس نے پاؤں تاجِ سرِ دارا
تمدّن آفریں، خلّاقِ آئینِ جہاں داری
وہ صحرائے عرب، یعنی شتربانوں کا گھوارا
سماں اَلْــــفَــــقْــــرُ فَــــخْــــرِیْ کا رہا شانِ امارت میں

بآب و رنگ و خال و خط چہ حاجت روئے زیبارا
گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا
غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دارو جہانبان و جہاں آرا

اقبال کے ان اشعار پر برجستہ حضرت نے مجھے اکبرالہ آبادی کی ایک مشہور نظم کے چند اشعار سنائے جن کو انہوں نے جناب نواب محسن الملک کی حسب فرمائش لکھا تھا۔

مسلمانو بتاؤ تمہیں اپنی خبر کچھ ہے
تمہارے کیا مدارج رہ گئے اس پر نظر کچھ ہے
اگر کچھ ہے تو سوچو دل میں بھی اس کا اثر کچھ ہے
حریفوں کی تعلّی باعثِ سوزِ جگر کچھ ہے
تمہیں معلوم ہی کچھ رہ گئے ہو کیا سے کیا ہو کر
کدھر آ نکلے ہو راہِ ترقی سے جدا ہو کر
کوئی آگے نہ تھا تم سے ترقی کی تگ و دو میں
کوئی دس میں چمکتا تھا تو تم ممتاز تھے سو میں
تمہیں نے فرق بتلایا تھا سب کو گندم و جو میں
تمہیں سے سیکھ کر بنتی تھیں عالمِ مغربی قومیں
شرف پایا تھا تم نے امتیازِ حق و باطل سے
مخالف بھی تمہاری قدردانی کرتی تھی دل سے
تمہاری عزتیں تھیں اوج تھا رتبہ تھا شانیں تھیں
تمہاری بات تھی احکام تھے کہنا تھا آنیں تھیں
تماری ذکر میں سرگرم دنیا کی زبانیں تھیں
تمہیں تم تھے زمانہ میں تمہاری داستانیں تھیں[1]

[1] اکبرالہ آبادی مرحوم کی اس نظم کا عنوان ہے "نظم قومی" اس کے بقیہ اشعار کلیات اکبر ص ۱۹۹ سے ۲۰۱ تک ملاحظہ فرمائیں۔

یہ مشہور نظم سنانے کے بعد حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے غیر معمولی کرب و بے چینی کا اظہار فرمایا۔ امت کی زبوں حالی پر غیر معمولی کرب کا اظہار فرمایا۔ امت کی تڑپ اور اس کی زبوں حالی پر بے چین رہنا اہل اللہ اور وارثین انبیاء کی طبیعت اور مزاج بن جاتا ہے، کیونکہ یہ سنت نبوی ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی سیرت بیان کرتے ہوئے یہ کہہ کر واضح فرمایا ﴿لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ أن لا يكونوا مُؤ مِنِيْن﴾ کیونکہ یہ کڑھن اور لگن اور مستقل انسانیت کی فکر میں گھلنا کار رسالت کی بنایۃ انجام دہی کرنے والوں کو بطور انعام اللہ کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔

اس کے بعد اس نظم کے بارے میں فرمایا کہ مسلمانوں کو چاہئے اس کو خود بھی یاد کریں، مائیں بہنیں اپنے گھروں میں بچوں کو لٹا کر سنائیں اور ان کو یاد کروادیں، اہل مدارس مدرسوں میں اپنے طلبہ کو یاد کروائیں اور مکتب چلانے والے اپنے اپنے درجات میں اس نظم کو داخلِ نصاب کریں۔

جو حضرات اس کتاب کو پڑھیں وہ حضرت کی اس وصیت کو دوسروں تک ضرور پہنچائیں، اس کے بعد حضرت نے فرمایا کہ:

''مجھے امید ہے کہ اس سے بڑی ذہن سازی ہوگی اور آج کے حالات میں نسل نو کی اسلامی و دعوتی ذہن سازی کی بڑی شدید ضرورت ہے۔''

حضرت خطیب الاسلام کو جس طرح اردو شعر وشاعری اور سخن دانی وسخن سنجی کا ذوق خاص تھا، اسی طرح فارسی زبان میں شعر وشاعری اور اس کے ادب پر کامل دسترس حاصل تھی اور کبھی کبھی فارسی زبان میں طبع آزمائی بھی فرما لیتے، درجہ ذیل آپ کا ایک قصیدہ اور دیگر چند اشعار بطور نمونہ پیش خدمت ہیں، حضرت نے یہ قصیدہ علماء کی کسی مجلس میں خود ہی سنایا تھا۔

مولانا محمد سالم صاحب ابن حضرت مہتمم صاحب نے اپنا فارسی قصیدہ سنایا جو درج ذیل ہے:

بیا اے گوہر تابان ملت
خوشا اے حاصل ارمانِ ملت
بیا اے طوطئ بزم معانی
سرا، تا دل زسینہا ستانی
بیا اے دردمندِ نوع انساں
خوشا اے نازشِ ارباب ایمان

بیا اے نورِ راہِ رہ روا یاں
خوشا اے مرجعٔ مابے نوا یان
بیا اے زبدۂ بحرِ فصاحت
خوشا اے قدوۂ اہل سیاست
بیا اے چارہ گر نباض فطرت
خوشا غوّاص بحرِ علم و حکمت
بیا اے صاحب افکار عالی
خوشا اے واقفِ اسرار عالی

....

بیا انگیز کُن یادِ ہلالی
درو نم رابدہ سوزِ بلالیؓ
نہ پو یم تابہ کے راہِ خیالی
مرا در دیست نے حالی نہ قالی
زفکرِ آتشین سوزِ دروں دہ
بقول شکریں تابِ بروں دہ
زتمثال خودت درس عمل دہ
کلیدِ فتح دلہائے ملل دہ

اسی طرح حضرت کی چند رباعیات فارسی زبان میں بھی ہیں، جن سے حضرت کی قادرالکلامی اور حضرت کی فکری بلندی کا اندازہ ہوتا ہے وہ رباعیات درج ذیل ہیں:

زور ہائے عزائم پردہ واکُن
سن افتادہ را، راہِ نما کُن
ز پرواز بلندت آشنا کُن
نگاہِ مشفقانہ سوئے ما کُن

....

بفرما چیست کردار معظم
چگو نہ ہست افکار مکرم
یمے بودم ولے پایاب گشتم
دُرے بودم ولے نایاب گشتم

....

چناں آیم بسطح آبِ حیواں
چگوں بستم سرِ انساں بہ یزداں
کدائم لغزشے بر گشت دوران
بگوتا کے رَوَمَ افتاں و خیزاں

....

چہ شُدا اے محترم خیرالامم را
کجایا بیم باب ہمم را
کہ بُرد از دست من عالی علم را
چرا بشکستہ شد دست و قلم را
مرا شغلے بجز تزیئن تن نیست
یقین دارم کہ ابن تقدیر من نیست
مبا ہاتم بماضی، ہیچ فن نیست
پیئے این نعش گویا ہم کفن نیست

بہر حال یہ چند اشعار اور چند رباعیات راقم الحروف نے بطور نمونہ کے پیش کر دیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کو شعری اصناف سخن پر دسترس حاصل تھی، لیکن حضرت خطیب الاسلام نے اپنا میدان عمل دعوت دین، تعلیم وتدریس اور اسلامی تہذیب وتمدن کی آبیاری کو بنایا، اسی طرح خطابت آپ کی زندگی اور نام کا جزء لاینفک بن گیا، اور آپ نے جو کلام میں حضرت مولانا نانوتوی کی فکر کی ویسی ہی ترجمانی فرمائی جیسی وقت کو ضرورت تھی، اور ان کے نقش قدم پر چل کر وارثت نبوی تقسیم فرمانے میں اپنی زندگی کے لمحات گذارے، اور کار رسالت کی انجام دہی کو فرمان خداوندی کے مطابق

مقصد زندگی بنایا، اور دنیا کو یہ بتلایا کہ انسانی زندگی کے فطری دو تقاضے ہیں، ایک بشری اور مادے تقاضے اور دوسرے ایمانی تقاضے، انہی ایمانی تقاضوں کی تشریح وتوضیح میں در در پہنچے، شہر شہر اور قریہ قریہ اسلامی ذہن سازی اور دعوتی فکر کی آبیاری کے لئے مدارس اسلامیہ اور مراکز دین قائم کرنے کی مسلسل سات آٹھ دہائیوں تک محنت فرماتے رہے، جن کی تفصیلات کافی حد تک کتاب میں آپ کے سامنے ہیں۔

خطیب الاسلام اور اپنے اکابرین کے تعارف کے لئے ایک لائحہ عمل

حضرت خطیب الاسلام نے فکر قاسمی اور علوم قاسمی کی ترجمانی کے لئے جس طرح اپنی تقاریر اور تحریروں کو ذریعہ بنایا اسی طرح ایسے ادارے بھی قائم فرمائے جن سے علوم قاسمی اور اکابرین دارالعلوم دیوبند کے فکر کی ترجمانی ہو، چنانچہ حضرت نے اس پروگرام کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک اہم ادارہ جنوری ۱۹۴۹ء میں ''تاج المعارف دیوبند'' قائم فرمایا جس کا مقصد بقول حضرت خطیب الاسلام: ''احقر ''ناظم ادارہ'' نے سب سے پہلے بنام خدا ''جماعت حقہ دارالعلوم'' کی بیشمار علمی اور اصلاحی تصانیف کے مکمل ''تعارف'' کا ایک عظیم ''پروگرام'' مرتب کیا ہے، جسے ''سرپرست ادارہ'' حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم اور دیگر مفکرین نے پسند فرما کر ضروری قرار دیا ہے''۔

حضرت آگے تحریر فرماتے ہیں کہ: ''ادارہ ھذا نے ۱۹۴۹ء اور ۱۹۵۰ء میں مندرجہ ذیل چھ کتابیں پیش کیں، جن کو ہندو پاک کے علمی طبقوں نے بنظر قبول دیکھا اور ادارہ کی خدمات کو سراہا۔ کتابوں کے نام یہ ہیں۔ (۱) فطری حکومت (۲) اسلامی آزادی کا مکمل پروگرام (۳) کلمات طیبات (۴) کلمہ طیبہ (۵) اصول دعوت اسلام (۶) مسئلہ تقدیر۔

یہ ادارہ ۱۹۵۱ء میں بعض وجوہ کی وجہ سے بند کر دیا گیا اور تین سال بعد دوبارہ جنوری ۱۹۵۴ء سے دوبارہ اس کو کھولا اور ۱۹۵۴ء میں اس ادارہ سے چار کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہوئیں ان کتابوں کے نام یہ ہیں۔ (۱) اسلام اور فرقہ واریت (۲) مشاہیر امت (۳) روایات الطیب (۴) شان رسالت۔ اسی طرح حضرت ہی کی نگرانی میں ۱۹۵۵ء میں چار مطبوعات (۱) فلسفہ نماز (۲) سائنس اور اسلام (۳) شرعی پردہ (۴) داڑھی کی شرعی حیثیت۔ اسی طرح ۱۹۵۶ء میں درج ذیل چار کتابوں

کی اشاعت ہوئی۔ (۱) التشبہ فی الاِ سلام (جلد اول) (۲) التشبہ فی الاسلام (جلد دوم) (۳) سوانح ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ (۴) علماء دیو بند کے بہترین مقالات۔

یہ کتابیں اس ادارہ سے چھپیں، بقول حضرت خطیب الاسلام:

''ان خدمات سے ادارہ کی ''صلاحیت کار'' کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے، حالانکہ گذشتہ تین سالوں میں ''تاج المعارف'' کو بہت کافی مالی زیر باری پیش آئی''۔[۱]

مسلمانوں کی آج کی اہم ذمہ داری

حضرت خطیب الاسلام مذکورہ بالا عنوان کے تحت اپنے رسالے ''ایک عظیم تاریخی خدمت'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''نقل وحمل اور علم وخبر کے وسیلوں کو زیادہ تر ایسی چیزوں میں استعمال کیا جارہا ہے کہ جنہوں نے پوری دنیا کو امن و عافیت سے محروم کر دیا ہے۔ لیکن آپ کا فرض ہے کہ: ''اسلام'' (جو امن و سلامتی کا پیغامبر اور رشد و ہدایت کا نقیب ہے) کا پیغام ان وسیلوں کے ذریعہ ساری دنیا کو پہنچا دیں کہ جس سے ایک مرتبہ نہیں، ہزاروں مرتبہ اور ایک قوم نہیں بلکہ متعدد قومیں ہدایت وعافیت اور امن وسلامتی کی روشنی حاصل کر چکی ہیں''۔

پوری امت کے اسی اسلامی فرض اور علمی طبقات کی اسی مبارک ومقدس آرزو کی تکمیل کے لئے ''ادارہ تاج المعارف دیو بند'' نے ارادہ کیا ہے کہ آج کے بہترین وسائل نشر واشاعت کو اختیار کر کے حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ سے لے کر موجودہ دور تک کے بزرگان دیو بند'' میں سے جملہ مصنفین کی تمام چھوٹی بڑی، علمی، اصلاحی تاریخی، ادبی، سیاسی، تصوفی اور اخلاقی تصانیف کا علیحدہ علیحدہ مکمل تعارف کتابی صورت میں مرتب کر کے شفاء روحانی کا یہ ''مجرب نسخہ'' عالم انسانی کے سامنے پیش کرے، انشاء اللہ''۔

دوسرا اقدام حضرت مزید تحریر فرماتے ہیں:

''ان کتاب کو صاف وسلیس اردو زبان میں مرتب کر کے شائع کیا جائے گا، اوراس کے بعد اس کو عالم اسلامی کے لئے ''عربی زبان'' اور ''یورپ وایشیا'' کے دیگر مما لک کے لئے ''انگریزی

---

[۱] ایک عظیم تاریخی خدمت از خطیب الاسلام ص ۱۱

زبان'' کا جامہ پہنا کر پیش کیا جائے گا۔

تیسرا اہم اقدام یہ ہوگا کہ ''اکابر بزرگان دیوبند'' کی بہترین ومفید ترین کتابوں کے ''عربی'' اور ''انگریزی'' ترجمے شائع کئے جائیں گے، تاکہ ہدایت وبصیرت کے ان علمی خزانوں سے پوری دنیا فائدہ اٹھا سکے۔

چوتھا اقدام ''بزرگان دیوبند'' کی مشکل تصانیف، جو سخت الفاظ اور مشکل عبارتوں کی وجہ سے عام لوگوں کے لئے فائدہ مند نہیں ہوتیں، ان کی آسانی کے پیش نظر اردو میں تشریحات کرا کے ازسرنو شائع کیا جائے گا، جس سے یہ علمی اور خاموش تبلیغ کا دائرہ وسیع اور عالمگیر ہو جائے گا۔''[1]

اس طرح حضرت خطیب الاسلام نے فکر قاسمی کو ملک وبیرون ملک قریہ قریہ بستی بستی جا کر یہ بتایا کہ ''فکر قاسمی مستفاد ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ سے'' چنانچہ آپ جہاں جاتے بحیثیت دارالعلوم وقف دیوبند کے سرپرست کے علاوہ بحیثیت شارح علوم وفکر قاسمی اور ترجمان فکر دیوبند جاتے۔ پھر حضرت وہاں بیان فرماتے اور اپنے اکابرین دیوبند اور خاص طور پر حضرت حجۃ الاسلام کے علوم کو اور ان کے عظیم الشان علمی، دعوتی، دینی کارناموں کو عوام الناس کے سامنے لاتے۔ جو ایک مرتبہ حضرت کا بیان سن لیتا وہ اس جماعت حقہ کا قائل ہو کر رہ جاتا۔

میری فطرت میں ہے خدمت کا فریضہ شامل
کوئی ڈوبے تو سہارے کو میں تنکا ہو جاؤں

---

[1] ایک عظیم تاریخی خدمت از خطیب الاسلام۔ ص ۱۹۔۲۰

باب ششم

قال اللہ تعالیٰ:

﴿اَفَمَنْ یَعْلَمُ اَنَّمَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ الْحَقُّ کَمَنْ هُوَ اَعْمٰی اِنَّمَا یَتَذَکَّرُ اُوْلُوْا الْاَلْبَابِ. اَلَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ. وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ اَنْ یُّوْصَلَ وَیَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ. وَالَّذِیْنَ صَبَرُوْا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوْا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً وَّیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ اُولٰٓئِکَ لَهُمْ عُقْبَی الدَّارِ. جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِکَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ کُلِّ بَابٍ. سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ﴾

(سورۃ الرعد)

قال رسول اللہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم:

''من کان آخر کلامہ لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ''

شعر

ہے خدا تجھ سے یہ سالم کی دعاء
کر اسے منظور بحرِ مصطفیٰ

اس پہ ہر دم رحمتِ باری رہے
فیض اس کا تاابد جاری رہے

باب ششم کے مشمولات

- ☆ حضرت کے ساتھ چند یادگار لمحات
- ☆ ایوارڈس
- ☆ سپاس نامے
- ☆ ختامہ مسک
- ☆ آخری سفر کی تیاری

حضرت خطیب الاسلام کے ساتھ چند یادگار لمحات

یوں تو احقر کا قریبی عزیز داری کی وجہ سے حضرت سے بچپن ہی سے تعلق ہے، اور بہت سے یادگار لمحے حضرت کے ساتھ احقر کے گذرے اور ہر خوشی اور غمی کے موقع پر حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو وطن مالوف نانوتہ میں تشریف دیکھا، اسی طرح جب اہل خاندان آموں کے موسم میں دعوت کرتے تو بھی حضرت تشریف لاتے، لیکن گذشتہ سالوں میں حضرت نے ہمارے گھر کو اپنی متعدد بار تشریف آوری سے نوازا، والحمد اللہ، اس تقریباً ۳۵ سال کے دوران حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ احقر کے جو یادگار لمحات گذرے ان میں چند ایک کا تذکرہ کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے، اس لئے کہ ان تمام واقعات اور یادوں کا تذکرہ کرنے کے لئے الگ سے مستقل تصنیف کرنے کی ضرورت ہے، اور اگر اللہ نے موقعہ دیا تو پھر کسی وقت ان تمام کو جو میرے پاس لکھے ہوئے محفوظ ہیں الگ سے کتابی شکل میں لکھنے کا اہتمام کروں گا، انشاءاللہ۔

بات بہت پرانی ہے، اس وقت بچپن کا ابتدائی زمانہ تھا، میری والدہ اور نانی مرحومہ ہم بہن بھائیوں کی تربیت اور تعلیم کے لئے ذہن بنانے کے لئے جن حضرات کا بہت تذکرہ کرتیں ان میں سرفہرست نام حضرت خطیب الاسلام، حضرت مولانا عامر صاحب انصاری رام پوری، مولانا اسلم قاسمی وغیرہ کا تذکرہ کرتیں، اوران کے علمی ودعوی واقعات سناتیں، اور یہ بھی بتلاتیں ہ ان کے علم کی پتنگ بہت اونچی اڑ رہی ہے، تمہیں بھی اپنے علم کی پتنگ ان سے اونچی اڑانی ہے۔ اس ی لئے ہمارے سامنے جب بھی کسی عالم کا تذرہ ہوتا تو حضرت خطیب الاسلام نوراللہ مرقدہ ہی کا سراپا ذہن میں ابھرتا، اور ہم یہ تصور کرتے کہ عالم تو ایسی ہی شکل اور صورت کے ہوتے ہیں، اس کے بعد ذرا اور شعور بیدار ہوا تو حضرت کو ان سیرت پاک کے جلسوں میں نانوتہ میں دیکھا جو کبھی کبھی ہمارے اہل خاندان دینی جذبے کے تحت کراتے تھے، اوراس کی بہت تیاریاں ہوتی تھیں۔

اس کے بعد احقر کا داخلہ دارالعلوم میں ہوگیا، اس وقت میرے بھائی جان دارالعلوم میں زیر تعلیم تھے، اور ہم حضرت خطیب کی زیارت کرنے کے لئے کبھی کبھی جمعہ کی نماز جامع مسجد دیوبند میں پڑھتے تھے، حضرت اپنے مخصوص انداز میں چھڑی ہاتھ میں لئے تشریف لاتے اور خطبہ دیتے اور پھر

جمعہ کی نماز پڑھاتے، اور اکثر تلاوت مسنونہ فرماتے۔ دارالعلوم سے فراغت کے بعد اگرچہ تعلق اسی طرح تھا، لیکن احقر اپنی تعلیمی مصروفیات کی وجہ سے بہت زیادہ حاضری نہ دے سکا، لیکن والد محترم کے حکم پر اور اپنے قلبی میلان پر غالباً ۲۰۰۸ء میں حضرت کے دست حق پرست پر بیعت ہونے کی سعادت حاصل کی اور ہر اس کے بعد الحمدللہ کثرت سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت اقدس میں حاضری کی سعادت نصیب ہوئی۔

مارچ ۲۰۰۹ء کی بات ہے کہ میں اور بھائی جان مولانا محمد اویس صدیقی اپنی سب سے پہلی تصنیف ''تعلیم وتدریس کی اسلامی ذمہ داریاں'' کا ٹائپ شدہ مسودہ لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اس کتاب کا مسودہ پیش کیا، اور یہ درخواست کی کہ ماموں صاحب! اس پر بطور مقدمہ آپ چند وقیع کلمات تحریر فرما دیں، تو حضرت نے انتہائی خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا اور حضرت کے ساتھ ہم لوگ ممانی جان (حضرت کی اہلیہ) سے ملے اور اس کے بعد حضرت نے ممانی جان سے اس مسودہ کا تذکرہ فرمایا اور یہ فرمایا کہ ماشاءاللہ پہلی ہی کتاب ہے اور اس قدر اہم موضوع کا انتخاب جس کی امت کی اصلاح میں شدید ترین ضرورت ہے، کیونکہ اسکولوں اور مدرسوں میں جیسے مدرس ہوں گے، آنے والی نسلیں بھی ویسی ہی ہونگی۔ کتاب کے عناوین کو سرسری دیکھ لینے کے بعد فرمایا کہ ذیلی عناوین اور ترتیب بھی عمدہ ہے، مزید فرمایا کہ ابھی جلدی تو نہیں ہے، میں اس کتاب سے استفادہ کروں گا اور بتوفیق من اللہ چند کلمات بھی تحریر کردوں گا، اور اطلاع بھی کرادوں گا، پھر حسب معمول میری والدہ کے بارے میں معلوم کیا اور میری والدہ کی اولاد کی تربیت کے سلسلے میں نہایت عالی کلمات اہلیہ محترمہ کے سامنے کہے، جس کی انہوں نے بھرپور تائید کی، اور میری امی سے انتہائی درجے کے تعلق کا اظہار فرمایا۔ اسی طرح اپنے حکیمانہ انداز اور نرم گفتاری کے ساتھ تعلیمی کام کرنے کے لئے حوصلہ افزائی فرمائی، پھر تقریباً ایک ماہ کے بعد حضرت مولانا شاہد صاحب کے ذریعہ اطلاع فرمائی کہ کتاب پر ضروری تحریر میں نے لکھ دی ہے، بھائی جان اس وقت دہلی میں تھے، میں اور بھائی صاحب حاضر خدمت ہوئے، تو وہ تحریر ہمیں عطا فرمائی، وہ تحریر لے کر ہم گھر آئے اور کتاب پر لکھے ہوئے عظیم کلمات کو سب کے سامنے پڑھ کر سنایا، جس سے ہمارے گھر میں عید کا سا سماں بنا رہا، کیونکہ حضرت نے مقدمے کے اخیر میں میرے بھائی جان کا نہایت ہی خوبصورت الفاظ میں تعارف کرایا تھا۔ وہ کلمات عالیہ نہ صرف یہ کہ کتاب کا جامع تعارف ہیں بلکہ مؤلف اور قائین کو اسلام کے لئے مسلسل جدوجہد کا جذبہ عطا کرتے ہیں۔

حضرت کی خدمت میں حاضری اور خاندانی شجرہ مرتب کرنے کا حکم

۲۰۱۰ء میں حضرت کی خدمت میں حاضری ہوئی، مخدوم ومکرم حضرت مولانا شاہد صاحب بھی تشریف فرما تھے، حضرت نے خاندانی سلسلہ اور مرتب شجرہ خاندان حضرت مولانا مفتی محمود صدیقی نانوتوی کا بھی ذکر فرمایا کہ ابّا جی (حضرت حکیم الاسلام) نے حضرت مفتی صاحب سے ایک مرتبہ فرمایا کہ خاندانی صدیقی کا شجرہ مرتب ہو جانا چاہئے، اس پر حضرت مفتی محمود صاحب نے خاندان صدیقی نانوتہ کا شجرہ اب سے تقریباً ساٹھ سال قبل مرتب فرمایا تھا، جس میں اس وقت تک موجود افراد کے نام اس میں درج تھے، حضرت مفتی صاحب کا بڑا کارنامہ ہے، لیکن ہمارے خاندانی شجرہ کو دوبارہ مرتب کرنے کی ضرورت ہے اور یہ کام میں تمہارے سپرد کرتا ہوں، مجھے ایک لمحہ تو یقین سا نہیں آیا، کیونکہ یہ ایک بڑی ذمہ داری تھی جو مجھ جیسے کم علم شخص کو سونپی گئی تھی مگر چونکہ حضرت کا حکم تھا اس لئے اس حکم پر سر تسلیم خم کئے بغیر کوئی چارہ بھی نہ تھا، میں نے حضرت سے درخواست کی کہ حضرت دعاء فرمایئے مجھ جیسے نااہل کو اس ذمہ داری کو پورا کرنے کا اہل بنادے، حضرت نے دعائیں دیں اور فرمایا کہ کام کرو انشاء اللہ اہلیت بھی پیدا ہو جائے گی، چنانچہ میں نانوتہ آیا اور حضرت نور اللہ مرقدہ کے اس حکم کا تذکرہ اپنے والد محترم اور بھائی جان سے کیا کہ حضرت خطیب الاسلام نے مجھ کو ''خاندانی شجرہ مرتب کرنے کی ذمہ داری دی ہے، ان دونوں نے بھی میری حوصلہ افزائی کی۔ کام چونکہ تحقیق طلب تھا اس لئے اتنا آسان بھی نہ تھا، ان ایام میں کچھ لوگوں کی طرف سے اس قدر پریشان کن حالات پیدا کئے گئے تھے کہ ذہنی طور پر یکسوئی نہ ہو سکی، مگر اس ذمہ داری کا احساس برابر رہا۔

تقریباً دو ماہ تک طرح طرح کی ذہنی الجھنوں کا شکار رہا، چنانچہ ۲۷ دسمبر ۲۰۱۰ء میں باقاعدہ دو رکعت صلاۃ الحاجۃ پڑھ کر اس تحقیقی کام کا آغاز کیا۔ اس شجرہ کے صفحہ ۹ پر راقم نے لکھا ہے: ''اس ناچیز کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ کا فضل خاص، بزرگوں کی خصوصی توجہات، والدین کی دعائیں اور میرے مشفق ومربی سیدی وسندی سید العلماء واستاذ الاساتذہ حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی دامت برکاتہم العالیہ کی شفقت اور خصوصی نظر رہی کہ جس کی وجہ سے میں یہ جسارت کر سکا کہ اپنے بزرگان دین کے قائم کردہ خاندانی نسب نامہ کی ترتیب کو آگے بڑھاؤں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں اس کی اہلیت تو نہیں رکھتا مگر میرے مربی وشیخ حضرت دامت برکاتہم العالیہ کے حکم، والد محترم کی قلبی خواہش اور

خاندان والوں کے اصرار پر یہ جرأت کرسکا کہ اس خاندانی سلسلہ کو مزید آگے بڑھا سکوں۔ چنانچہ تین سال کی مسلسل محنت کے بعد یہ تحقیقی کام حضرت کی دعاؤں کی برکت سے مکمل ہوا۔

جس وقت تین سال کے بعد اس شجرہ کو مکمل کر کے حضرت کی خدمت میں پیش کیا تو حضرت ٹیک لگائے ہوئے تھے اٹھ کر بیٹھ گئے اور یہ جملہ ارشاد فرمایا:

''ہر زمانی تبدیلی میں کوئی ایک ہی باکمال اس آبائی عظمت کی برقراری کا وسیلہ بن کر خانوادے کی عظمتوں کو انمٹ بنادیتا ہے۔''

مزید برآں اس ''شجرہ'' کے مقدمہ میں حضرت دامت برکاتہم کی طرف سے جو کلمات عالیہ اس ناچیز کے لئے تحریر کئے گئے وہ میری زندگی کا اہم ترین سرمایہ ہے، حضرت مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''موجودہ وقت میں اس اہم ترین ضرورت کا احساس اللہ تعالی نے عزیز مکرم مولانا محمد اسامہ صدیقی نانوتوی سلمہ اللہ کو عطا فرمایا کہ انہوں نے غیر معمولی جدوجہد سے مختلف ملکوں اور مقامات میں بسنے والے صدیقیان نانوتہ کا بحد امکان تجسس کر کے بڑی حد تک مکمل شجرہ مدون کر دیا ہے۔ یہ شجرہ ان صدیقیان نانوتہ کے لئے غیر معمولی رہبر نسب ہوگا کہ جو ملک کے اندر دور دراز شہروں میں قیام پذیر ہیں، یا دیگر مما لک میں منتقل ہو گئے ہیں، یہ شجرہ ان کی نسبی عظمت کے لئے ایسا دستاویزی ثبوت ہوگا کہ نسلاً بعد نسلٍ ان کے لئے نہایت مفید و کارآمد ثابت ہوگا، اور وہ اس میں ان افراد کے ناموں کا اضافہ کرلیں گے کہ جو مرتب کے علم میں نہیں آسکے، حق تعالیٰ مرتب نسب نامہ کو بہتر جزائے خیر عطا فرمائے''۔[1]

حضرت کا مختلف موضوعات پر محاضرات تیار کرنے کا حکم

راقم الحروف کے مستقل برادران وطن میں اسلام کی دعوت کے تعلق سے اسفار ہوتے تو اکثر و بیشتر میں اپنی روداد سفر اور اس میں پیش آنے والے دعوتی واقعات کا تذکرہ حضرت سے کرتا، غالباً ۲۰۱۰ء ہی کا واقعہ ہے کہ میں نے اپنے ایک ملکی دعوتی سفر کی مکمل روداد حضرت کو سنائی، اس دعوتی کارگزاری کو سن کر حضرت بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں، اسی مجلس میں میں نے دریافت کیا کہ حضرت! اکثر و بیشتر بہت سے پڑھے لکھے لوگوں میں بولنے کا موقع میسر آتا رہتا ہے اور ہر جگہ حالات

[1] شجرۂ خاندان صدیقی نانوتہ ص۹

اور مقامات کے اعتبار سے الگ الگ موضوعات پر بولنے کا اتفاق ہوتا ہے، مگر مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ صحیح طرح اس موضوع کو بیان نہیں کر پایا اور اس کا حق ادا نہیں کر پایا، اس پر حضرت نے فرمایا کہ تم ایسا کرو کہ مختلف دینی ودعوتی موضوعات پر محاضرات تیار کرلو، انشاء اللہ احساس شرمندگی ختم ہوجائے گا۔

اس کے لئے اول وہلہ میں کم ازکم ۳۰ محاضرات تیار کرلیں، جن میں ہر محاضرہ کم ازکم ایک گھنٹہ کا ہونا چاہئے۔

چھوٹے چھوٹے رسائل تیار کرنے کا حکم

اس عاجز نے دوران قیام علی گڑھ ایک کتاب ''قرآن کریم میں انسانی اقدار وقیم'' کے عنوان پر تالیف کی، میں اس کے مسودہ کو لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت نے مجھے گجک اور حیدرآبادی بسکٹ کھلائے پھر میں نے حضرت کے ساتھ چائے نوش کی، حضرت نے فرمایا کہ جلدی تو نہیں، ''یعنی فوری تو نہیں لکھنا'' حضرت ان حضرات سے جو اپنی تصنیفات تقریظ یا مقدمہ لکھوانے کے لئے آتے ان سے معلوم کر لیتے کہ کتاب چھپنے میں جلدی تو نہیں، اگر کسی کو بہت جلد کتاب چھاپنے کا تقاضہ ہوتا تو فوری تحریر لکھ دیتے ورنہ کم ازکم پندرہ یا بیس روز کا وعدہ فرماتے اور اسی مدت میں اس کتاب پر جو لکھنا ہوتا لکھ کر عنایت فرمادیتے۔

بہرحال میں نے عرض کیا کہ ابھی کوئی جلدی نہیں آپ حسب سہولت تحریر فرمادیں، میں یہ مسودہ دے کر نانوتہ آگیا۔ پندرہ دن بعد حضرت نے خود ہی مطلع فرمادیا کہ اس کتاب پر آپ کی فرمائش پر لکھدیا ہے۔ حضرت کی انتہائی درجہ کی خردنوازی کی بات ہے کہ مجھ جیسا نااہل بے بضاعت اور کم علم شخص تک کا اپنی گوناگوں مصروفیات کے باوجود خیال فرماتے۔

بہرحال اس مقدمے کو لینے کے لئے میں اور برادر مکرم مولانا محمد اویس صدیقی نانوتوی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نے حضرت مولانا شاہد صاحب کو فرمایا کہ وہ مقدمہ کہاں ہے، مولانا نے وہ مقدمہ حضرت کو دیا، جو آپ نے مجھے دیتے ہوئے فرمایا کہ یہ کتاب کئی جلدوں میں اگر چھپ جائے یا چھوٹے چھوٹے رسائل کی شکل میں چھپ جائے تو بہتر ہوگا۔ اس پر مزید ایک بات ارشاد فرمائی: ''مختلف موضوعات پر چھوٹے چھوٹے رسائل تیار کئے جائیں، بڑی اور ضخیم کتابوں کے مقابلے میں ان کی آج کے دور میں معنویت زیادہ ہوگی''۔

رائپور معمولاً حاضری کا راقم سے تذکرہ

۲۰۱۲ء غالباً اکتوبر کا مہینہ تھا راقم الحروف نانوتہ سے حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اور ارادہ یہ تھا کہ حضرت کے پاس جاؤں گا اور حضرت کو چھوٹا سا ہدیہ دوں گا، ہدیہ کیا بس ایک جگہ سے اچھا اور اصلی شہد منگوایا تھا، آج کل اصلی شہد نایاب سا ہوگیا، حدیث میں قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ بھی بیان فرمائی گئی کہ دنیا سے جو سب سے پہلی نعمت قیامت کے قریب اٹھے گی وہ نعمت شہد ہوگی، بہرحال میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، حضرت نے شہد کو دیکھ کر خوشی کا اظہار فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ اس کو کھولو یہ میرے وطن کا ہدیہ ہے، پھر حضرت نے ایک چمچہ اس میں سے تناول فرمایا۔ اسی دوران راقم نے حضرت سے حضرت کے سلسلۂ تصوف کے بارے میں معلوم کیا اور شاہ عبدالقادر رائپوری رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت کے اصلاحی تعلق کی تصدیق کی، اس پر حضرت نے اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ اباجی نے مجھے زمانۂ طالبعلمی ہی میں حضرت رائپوری کی خدمت میں جانے اور ان سے بیعت ہونے کا حکم فرمایا، اس لئے میں حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ سے جا کر بیعت ہوگیا، اور اس کے بعد پھر ہر جمعرات کو میرا معمول یہ تھا کہ میں دیوبند سے سہارنپور اور پھر رائپور حضرت کے پاس جاتا اور اگلے دن واپسی ہوتی، اس معمول پر کئی سال تک بحمداللہ کاربند رہا۔ اس کے بعد حضرت خطیب الاسلام نے فرمایا، پہلے اپنے بزرگوں میں ایک عالم کے لئے باقاعدہ یہ لازم تھا کہ وہ فراغت کے بعد کسی شیخ کامل کی صحبت میں رہے تاکہ علم وعمل کا صحیح امتزاج ہوجائے، شیخ کامل کی صحبت کے بغیر علم سے نہ صرف محروم ہوتا ہے بلکہ اکثر وبیشتر وہ علم اس کے لئے غیر نافع بن کر وبال جان بن جاتا ہے۔ اسی مجلس میں حضرت نے فرمایا کہ:

> ''ہمارے مدارس اسلامیہ کے اساتذہ کرام سمجھتے ہیں کہ صرف کتب بینی ہی میں محنت کرنا بڑی کامیابی ہے جبکہ ہمارے اسلاف کسی طرح بھی باطن کی اصلاح کے لئے ظاہر کو بنانے میں سے کم محنت نہیں کرتے تھے؟ مگر اب ظاہر کے لئے تو کسی درجے میں محنت کی اور کرائی جاتی ہے مگر باطنی اصلاح کی طرف دھیان باقی نہیں رہا۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے دور میں علماء تو ہوتے ہیں مگر عمل کی جیسی دولت چاہئے نصیب نہیں ہوتی۔ اب ہمارے مدارس اسلامیہ میں "**یعلّمھم الکتاب**" کے ساتھ تعلق ہے۔ ''یزکیھم'' کو اہل مدارس بھول گئے ہیں، جس کا کافی نقصان ہوا۔''[1]

---

[1] یہ بات حضرت خطیب الاسلام نے اس وقت فرمائی جب ۲۰۱۲ء میں راقم حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔

بہرحال حضرت خطیب الاسلام کا ہر ہفتہ جمعرات میں بحکم والد اپنے شیخ کی خدمت میں جانا لازم تھا اور یہ معمول حضرت رائپوری رحمۃ اللہ علیہ کے وصال تک باقی رہا۔

محاسبہ نفس کی خاص طور پر تلقین

دسمبر ۲۰۱۳ء (تاریخ ذہن میں نہیں) حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت نے اپنا دست شفقت سر پر رکھا، خیر و عافیت دریافت فرمائی، والدین کے بارے میں معلوم کیا، میں نے حضرت سے طبیعت کے بارے میں معلوم کیا، فرمایا کہ طبیعت تو بالکل ٹھیک ہے، بس کمزوری اور ضعف ہے، حضرت کی خدمت میں جب بھی حاضر ہوا (اور الحمدللہ اکثر و بیشتر حاضری کا موقع ملتا رہا) اور طبیعت معلوم کی کہ آپ کی طبیعت کیسی ہے تو یہی جملہ فرمایا کہ طبیعت تو ٹھیک ہے، ہاں البتہ کمزوری اور ضعف ہے، یہ جملہ ایسا سچ ثابت ہوا کہ اخیر ایام تک ڈاکٹر اور تمام معالجین یہی کہتے رہے کہ بس بیماری تو کچھ نہیں کمزوری، ضعف اور نقاہت ہے، ورنہ تمام اعضا اپنی اپنی جگہ پر صحیح کام کر رہے ہیں، وفات والے دن بھی راقم الحروف نے دیکھا کہ ہر عضو اپنی جگہ صحیح کام کر رہا ہے، نہ بی پی ہے، نہ ہارٹ متاثر ہے، نہ شوگر ہے اور نہ کوئی ایسا قابل ذکر مرض، بس کمزوری اور ضعف تھا اور وہی کمزوری اور ضعف مرضِ وفات بنا جس کا ذکر آگے آرہا ہے۔ بہرحال میں حضرت کے پاس بیٹھا ہوا تھا، حضرت نے محاسبہ نفس کی اس ناچیز کو خاص تاکید فرمائی اور یہ فرمایا کہ: شرحِ صدر اور سعادتِ قلب کے اسباب میں ایک عظیم سبب مستقل انسان کا اپنا محاسبہ نفس کرنا ہے، کیونکہ محاسبہ سے بندۂ مؤمن کو اللہ کی محبت اور اس کی رضا نصیب ہوتی ہے، حضرت خطیب الاسلام نے اس موقعہ پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی سنایا کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ”حَاسِبُوْا أَنْفُسَكُمْ قبل أن تحَاسَبُوْا وزنوا أعمالكم قَبْلَ أَنْ تُوْزَنُوْا. وَتَزَيَنُوْا لُلعَرْضِ الأكْبَرِ، يَوْمَ تُعْرِضُوْنَ، لاَ تخَفىٰ مِنْكُمْ خَافِيَةَ.“

اس سے قبل کہ تمہارا حساب ہو تم اپنا محاسبہ خود کرلو اور قبل اس کے کہ تم کو ناپا تولا جائے تم اپنے آپ کو ناپ تول لو، اور ایک بڑی پیشی کے لئے تم اپنے آپ کو (اعمال سے) آراستہ کرلو، اس دن جب تمہاری پیشی ہوگی اور تم سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہوگی۔[1]

---

[1] اس پوری ملاقات کی تفصیلات راقم نے باب چہارم میں ذکر کردی ہیں۔ بہرحال حضرت اس پر خاص تاکید فرماتے۔

لوگوں کی ایذاءرسانی پرصبر کی تلقین

غالباً جنوری ۲۰۱۴ء (تاریخ متعین طور پر ذہن میں نہیں) حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا، مخدوم مکرم حضرت مولانا شاہد صاحب سے ملاقات ہوئی، مولانا غالباً دارالعلوم وقف جانے کے لئے تیار تھے، بہر حال میں حضرت کے پاس بیٹھ گیا طبیعت معلوم کی، والدہ اور والد صاحب کے متعلق سوال فرمایا اور دونوں کی علیحدہ علیحدہ خیریت دریافت کی، میں نے عرض کیا کہ حضرت! لوگ بہت پریشان کرتے ہیں، میں نے بارہا اپنے آپ کو ٹٹولا، ہوسکتا ہے کہ کوئی مجھ سے ایسی غلطی ہوگئی، مگر سوائے حسد کے اور کوئی وجہ بظاہر معلوم نہیں ہوتی، حضرت بہت پریشان کر رکھا ہے۔ حضرت نے پہلے تو بہت ہی خوبصورت کلمات میں تسلی دی اور یہ فرمایا، صبر کرو، لوگوں کی طرف سے بر بنائے حسد تکالیف کا پہنچنا تقرب الی اللہ اور ترقی مدارج کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ مزید انبیا علیہم الاسلام کی سنت بھی ہے، حدیث میں ارشاد فرمایا گیا:

"اِنَّ أَشَدِ الناس بلاء اً اَلْأَ نبیاء ثُمَّ الاُمَثَلُ فَاْ لاَمْثَلُ."

سب سے زیادہ مصائب اور تکالیف کا شکار حضرات انبیاء علیہم الاسلام ہوئے ہیں پھر درجہ بدرجہ جو ان کے طریقوں کے جس قدر قریب ہوتا ہے وہ اتنا ہی باری تعالیٰ کا مقرب بنتا چلا جاتا ہے، پھر اس کے بعد حضرت نے صبر کی تلقین کے ساتھ درج ذیل آیت تجویز فرمائی کہ اس کا ورد مستقل بغیر کسی تعداد کے چلتے پھرتے جب یاد آئے رکھا جائے، آیت ہے:

﴿رَبِّ اِنِّی لِمَاَ أَ نْزَلْتَ اِلَّيَ مِنْ خَيْرٍ فَقِيرً﴾ (سورۃ القصص: ۲۴)

میں نے محسوس کیا کہ حضرت کے چہرہ پر میری اس پریشانی کو سن کر افسوس اور غم کی ایک خاص کیفیت طاری تھی، اس کے بعد فرمایا: نہیں معلوم کہ لوگ دین کا چولا اوڑھ کر چرب لسانی کر لیتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں بلکہ ظلم تک کرنے لگتے ہیں، یقین نہیں آتا، بہر حال حضرت نے بڑا اظہار تشویش فرمایا اور تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ میں دعا کروں گا تم پریشان نہ ہونا۔

پھر ۲۰۱۴ء جنوری میں دوبارہ حاضری ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ انشاء اللہ ظالموں سے نجات مل جائے گی، ہاں البتہ اپنے مقصد اور ہدف پر نگاہ رکھنا، ان مسائل میں الجھ مت جانا، کیونکہ مسائل میں الجھ کر ہدف اور مقصد سے ہٹ جانا یہ نبی کریم ﷺ کی سیرت کے خلاف ہے، پھر اس پر حضرت

حاجی امداد اللہ اور حضرت تھانوی کا یہ واقعہ سنایا کہ: ”جب حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے کام کرنے کا باقاعدہ ارادہ فرمایا تو بالقصد حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت اقدس میں ایک خط اور عریضہ بھیجا جس میں یہ لکھا تھا کہ حضرت کچھ کام کرنے کا احقر ارادہ رکھتا ہے، مجھے نصیحت فرمادیجئے تو شیخ نے جواب میں لکھا، قابل مبارکباد ہو کہ اللہ نے دین کا کام کرنے کی توفیق عطا کی ہے۔ اس راہ کے مسافر کو کبھی کبھی مصائب وتکالیف اور مشقتوں کا سامنا اور مخالفین کی طرف سے مسائل سے دوچار ہونا پڑتا ہے، جو مسافر منزل پر نظر رکھ کے آگے نکل گیا تو مطلوب ومقصود کو پہنچ گیا اور جو الجھ کر رہ گیا تو وہ منزل سے ہٹ کر راہ کی گمراہ وادیوں میں بھٹک جاتا ہے۔ تم اپنے ہدف پر نظر رکھنا اور مسائل میں مت الجھنا۔“

اکابر دیوبند کے اظہار عبدیت کا عجیب واقعہ

فروری ۲۰۱۴ء میں حضرت کی خدمت میں جانا ہوا مقصد دراصل اس حاضری کا ایک دعوتی سفر کی اجازت لینی اور دعاء کی درخواست کرنی تھی، میں حضرت کی خدمت میں حاضر تھا، غالباً مولانا شاہد صاحب بھی وہاں تشریف فرما تھے، میں حضرت سے مختلف موضوعات پر سوالات کرتا رہتا، میں نے معلوم کیا کہ حضرت جو لوگ بیمار ہوتے اور وہ بہت ہائے ہُلّا مثلاً ہائے مرگیا ہائے مرگیا، اس طرح کہنا درست ہے کہ نہیں، یہ شان عبدیت کے خلاف تو نہیں؟ اس پر حضرت خطیب الاسلام نے اپنے دادا، حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی، حضرت حاجی صاحب کا ایک واقعہ سنایا۔ اس واقعہ کو حکیم الاسلام کی مجلس میں بھی نقل کیا گیا ہے۔ حکیم الاسلام کی زبانی نقل کرتا ہوں:

> ”میرے والد صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی عام عادت تھی کہ تھوڑی سی تکلیف پر ہائے ہائے کرتے تھے۔ ہم لوگوں کو تعجب ہوتا تھا کہ کوئی بڑی تکلیف ہو تو ٹھیک مثلاً زکام ہو گیا اور ہائے ہائے شروع کر دیتے معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کوئی بڑی تکلیف ہو اور بعض بڑی بڑی تکلیف پر بھی ساکت وصامت رہتے تھے مگر عام حالت یہ تھی کہ ہائے ہائے کرتے تھے۔
>
> مجھ سے ایک مرتبہ صبر نہ ہو سکا معمولی زکام تھا اور کچھ حرارت تھی ہم لوگ پیر دبا رہے تھے۔ اور ان کے یہاں ہائے ہائے ہو رہی تھی، ان کا رعب بہت غالب تھا اور ہم لوگ بہت ڈرتے تھے۔ مگر میں نے ڈرتے ڈرتے عرض کیا کہ ابّا جی: یہ تو تسلیم ورضا کے خلاف معلوم ہو رہا ہے کہ

ذرا سی تکلیف آئی اور آپ نے بہت زیادہ شور مچا دیا۔ ہنس کر کہنے لگے کہ نالائق ہم کو نصیحت کرنے آئے ہو، بیٹھ جاؤ میں بیٹھ گیا۔ فرمایا کہ میں نے بہت سے بزرگوں کو دیکھا ہے، لیکن تین ایسے بزرگ ہمارے سامنے تھے کہ ان کو صرف دیکھا ہی نہیں بلکہ ان کی زندگی میرے سامنے ہے۔

حاجی امداد اللہ صاحبؒ کا اظہار عبدیت

ایک تو حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ ان کے یہاں معمول تھا کہ تھوڑی سی تکلیف آئی تو کڑھنا کراہنا اور ہائے ہائے بہت زیادہ کرتے تھے تو کسی نے عرض کیا کہ حضرت یہ تو بظاہر تسلیم و رضا کے خلاف ہے اور بے صبری کا اظہار ہے۔ تقدیرات الٰہیہ پر صبر ہونا چاہئے۔ یہ تو خلاف معلوم ہوتا ہے فرمایا کہ آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اپنے اللہ کے سامنے بہادر بنوں اور باور کراؤں کہ میں بڑا طاقت ور ہوں۔ مجھے آپ جس ابتلاء میں ڈالیں گے اس کو اٹھالوں گا، بلکہ میں اپنے ضعف کا اظہار کرتا ہوں کہ اے اللہ! میں ابتلاء کے قابل نہیں ہوں۔ میرے اندر طاقت ہے ہی نہیں آپ تو مجھے بلا ابتلاء اور آزمائش ہی کے بخش دیں تو میں اپنی فروتنی اور عجز و نیاز پیش کرتا ہوں۔ اور فرمایا کہ اپنی فروتنی اور عجز و نیاز کا اظہار کرنا، ہی عبدیت ہے تو عبدیت یہی ہے کہ آدمی اپنی عجز اور بیچارگی کو ظاہر کرے کہ میرے اندر کوئی طاقت نہیں ہے۔

حضرت مولانا قاسم صاحبؒ کا اظہار عبدیت

اور فرمایا کہ دوسرے بزرگ میرے والد ماجد یعنی حضرت نانوتویؒ ان کو میں نے دیکھا ہی نہیں۔ بلکہ ان کی زندگی میرے سامنے ہے۔ ان کے یہاں معمول یہ تھا کہ بڑی سے بڑی تکلیف آتی مگر پتہ ہی نہیں دیتے تھے کہ کوئی تکلیف آئی تھی آپ تحمل کرتے تھے۔ مہینوں کے بعد کبھی فرماتے کہ فلاں تکلیف آئی تھی تو معلوم ہوتا کہ بڑی شدید تکلیف تھی ظاہر نہیں کرتے تھے اور فرمایا کہ ہر چہ از دوست می رسد نیکواست، یعنی اللہ کی طرف جو کچھ آئے آدمی صبر و رضا سے کام لے۔ بیماری آئے تو صبر کرے کوئی دوسری مصیبت آئے تو صبر کرے اور فرمایا کہ یہی ہے عبدیت۔ ان کے یہاں اظہار عبدیت کا یہ طریقہ تھا۔ یعنی تسلیم کہ جو کچھ اُدھر سے آئے وہی میرے لیے حکمت ہے تو یہاں ہائے ہائے نہیں تھی بلکہ رضا و تسلیم سے گردن جھکا دیتے تھے۔

حضرت مولانا گنگوہیؒ کا اظہار عبدیت

اور فرمایا کہ تیسرے مولانا گنگوہیؒ ہیں جو میرے مربی بھی ہیں اور استاذ بھی، وہاں یہ تھا کہ تھوڑی سی تکلیف آتی تو ہائے وائے کچھ نہیں ہوتا۔ بلکہ دوا کا اہتمام ہوتا۔ طبیب کو بلاؤ۔ ڈاکٹر کو بلاؤ دوا دو۔ پھر غذا کیا ہوگی۔ پرہیز کیا ہوگا۔ ڈاکٹر آرہے ہیں اطبّاء آرہے ہیں تو لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت یہ تو بظاہر توکل کے خلاف ہے کہ تھوڑی سی بیماری آئی اور اس کے دفعیہ کے لئے آدمی اتنا اہتمام کرے کہ انتہاء کردے۔ یہ تو توکل کی شان کے خلاف ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ بدن سرکاری مشین ہے، اس کے مالک ہم نہیں ہیں، بلکہ مالک حق تعالیٰ شانہٗ ہیں البتہ اس کی حفاظت ہمارے اوپر فرض ہے یہ امانت ہے اس کی حفاظت کرو تا کہ خیانت نہ ثابت ہو۔ بندہ جب بیمار ہو تو طریقہ سنّت یہ ہے کہ علاج کرے تا کہ سرکاری مشین کی حفاظت ہو اور ہمارے ذمّہ حفاظت ہی کرنا فرض ہے اور فرمایا اتباع سنت ہی اصل عبدیت ہے۔ تو عبدیت کے ان کے یہاں یہ معنی تھے پھر والد صاحب فرمانے لگے کہ میں نے ان تین بزرگوں کو دیکھا ہے۔

بعض ہائے ہائے کرتے جیسے حاجی صاحبؒ اور بعض سکوت کرتے جیسے حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور بعضے دفعیہ کے لئے تدارک کرتے تا کہ اتباع سنت ظاہر ہو۔ تو ایک جگہ اظہار عجز ہے اور ایک جگہ تفویض ہے اور ایک جگہ مرض کا دفعیہ ہے۔ یہ ساری چیزیں عبدیت ہیں تو فرمایا کہ میں بیماری میں کبھی اپنے پیرومرشد حضرت حاجی صاحبؒ کی اتباع کرتا ہوں۔ تھوڑی بیماری میں ہائے ہائے کرتا ہوں تا کہ میرا عجز ظاہر ہو جائے اور بعض مرتبہ اپنے والد بزرگوار کے نمونہ پر عمل کرتا ہوں کہ بڑی سے بڑی بیماری میں پتہ تک نہیں دیتا تا کہ تفویض واضح ہو جائے۔

اور بعض مرتبہ علاج کے اندر تھوڑا سا غلو کرتا ہوں اور اہتمام کرتا ہوں تا کہ اپنے استاذ حضرت گنگوہیؒ کے اُسوہ پر عمل ہو اس کے بعد ہم کو معلوم ہوا اور بات کھلی کہ یہ ہے قصّہ، بہرحال عبدیت کے مختلف طریقے ہیں۔ ایک تو ظواہر سنت کا اتباع کرنا ہے کہ ہم نہیں جانتے کہ اس کی علت کیا ہے؟ حکم ہے کرنے کا اس لیے کرتے ہیں اور یہی عبدیت ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی سر اور علت اور راز معلوم کر کے اس پر چلو اور یہ فقہ باطن ہے یہ بھی اتباعِ سنت ہے اور بعض

دفعہ اظہار عجز ہے یہ بھی اتباع سنّت ہے۔ فرمایا کہ مختلف بزرگوں کے مختلف نمونوں پر مختلف اوقات میں عمل کرتا ہوں۔ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ حضرتؒ کو سخت دورہ پڑا۔ سردی کا زمانہ تھا مگر کسی کو اطلاع نہیں دی۔ ہمارا بچپن تھا والدہ مرحومہ کے سامنے جب اس واقعہ کا ذکر آیا تو کہا کہ آپ نے مجھے کیوں نہ اٹھالیا۔ بس بگڑ گئے اور فرمایا کہ یہ تمہارے ساتھ مشغول ہونے کا وقت تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ یہ ہمارا آخری وقت ہے تو ایسے وقت میں حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا۔ یا تمہاری طرف متوجہ ہوتا۔ میں نے توجّہ الی اللہ کی اور ذکر شروع کر دیا کہ شاید یہ وقت اخیر ہو۔

چنانچہ حیدرآباد میں یہی ہوا کہ جب لوگ مایوس ہوگئے اور حالت آخری ہوئی تو بعض لوگوں نے کہا کہ کیا طیّب اور طاہر کو تار دے کر بلالیں فرمایا...... ہرگز نہیں۔ کیا یہ طیب وطاہر میں مشغول ہونے کا وقت ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف توجہ کرنے کا وقت ہے۔"[1]

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ ان بزرگوں کے عمل کے رنگ مختلف ہیں۔ لیکن مقصد ایک ہی ہے۔ اکابر اہل اللہ کے عمل کے ڈھنگ الگ ہیں۔ مگر سب سے اخیر میں آ کر یہی اتباع سنت اور اتباع شریعت نکلتی ہے۔ ظاہر میں عمل کے نمونے مختلف ہیں۔ واقعی معلوم یہ ہوا کہ جب تک اہل اللہ کا طرز عمل سامنے نہ ہو مختلف اوقات میں کیا ڈھنگ اختیار کرتے تھے بعض اپنے عقلی گھوڑے دوڑانے اور محض اپنی رائے سے اصل بات کھلتی نہیں نمونہ سامنے آنے سے کھلتی ہے۔

حضرت نانوتوی کی عربی سوانح حیات اور حضرت خطیب الاسلام کا اظہار مسرت

۱۰ جولائی ۲۰۱۱ء کا غالبًا واقعہ ہے کہ میں اور بھائی جان حضرت حجۃ الاسلام کی سوانح کا عربی مسودہ لے کر حاضر خدمت ہوئے، میں نے اس کتاب کے متعلق بتایا حضرت بہت خوش ہوئے، بھائی جان نے کتاب کا مسودہ حضرت کی خدمت میں پیش کیا اور کتاب کا عنوان دکھایا، عنوان کتاب تھا ''الإمام الکبیر محمد قاسم النانوتوی رحمہ اللہ''

اور حضرت سے اس عنوان کے بارے میں مشورہ کیا، حضرت نے بڑی خوبصورت ایک ترمیم فرما کر اصلاح فرمائی کہ بجائے ''الإمام الکبیر'' کے ''الإمام الأکبر'' اگر کر دیں تو جامعیت زیادہ

[1] مجالس حکیم الاسلام

ہوگی، بقول بھائی جان جو مفہوم میں ادا کرنا چاہتا وہ حضرت کی اس ترمیم اور اصلاح سے ادا ہوگیا اس کے بعد حضرت نے فرمایا: ''حضرت حجۃ الاسلام کا جو قرض پوری جماعت دیوبند کے ذمہ تھا اس کی ادائیگی اللہ نے تم سے کرائی ہے، حق تعالیٰ شانہ اس کو قبولت عامہ وتامہ عطا فرمائے۔ (اس واقعہ کا تذکرہ میں اوپر بھی کر چکا) اس کے بعد حضرت نے اس کتاب پر ایک جامع اور مبسوط مقدمہ تحریر فرمایا جس میں حضرت نانوتوی کی شخصیت اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے ان کی ہمہ گیر کوششوں کا مختصر تعارف کرانے کے بعد چیدہ چیدہ اس زمانے کے پرآشوب حالات پر بھی روشنی ڈالی، اوراس حقیقت کا بھی اظہار فرمایا کہ حضرت الامام النانوتوی پر اب تک ڈیڑھ سو سال میں کوئی بھی کتاب عربی زبان میں نہیں لکھی گئی، یہ سعادت من جانب اللہ آپ کے مقدر میں لکھی ہوئی تھی۔ اور بڑے ہی عالی کلمات میں مؤلف محترم کی حوصلہ افزائی فرمائی اور مؤلف کو اور مؤلف کے والدین کو ابدی سعادتوں اور کامرانیوں کی دعائیں مرحمت فرمائیں۔

حضرت نانوتوی کی سوانح عمری (عربی) کا نانوتہ میں اجراء اور اجلاس عام سے حضرت کا خطاب

۱۹/اکتوبر ۲۰۱۱ء مطابق ۲۰ ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ کو حضرت خطیب الاسلام کے ایما پر ہی حضرت حجۃ الاسلام (مولانا قاسم صاحب نانوتوی) کے وطن مالوف میں جامع مسجد نانوتہ کے سامنے بعد نماز مغرب متصلاً ایک عظیم الشان اجلاس اراکین جمعیۃ الامام محمد قاسم النانوتوی نے منعقد کیا، جس میں مشاہیر امت، علماء وصلحاء اتقیاء اور دانشوران قوم نے شرکت فرمائی، اور ہندوستان کے مختلف کونوں سے لوگ اجلاس میں شرکت کے لئے تشریف لائے، پروگرام کی مقبولیت علماء کی شرکت اور عوام الناس کے ایک جم غفیر کی موجودگی کو دیکھ کر اکثر ہماری ہمشیر کہتی ہے کہ ۱۹۸۰ء میں تو دیوبند میں صد سالہ ہوا تھا اور ۱۹/اکتوبر ۲۰۱۱ء کا یہ عظیم الشان اجلاس نانوتہ اور اہالیان نانوتہ کے لئے صد سالہ کی حیثیت رکھتا ہے، ایسا کوئی علمی ودینی اجلاس اس سے قبل حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے وطن مالوف میں منعقد نہیں ہوا تھا، اس عظیم الشان اجلاس کی صدارت بھی حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ نے فرمائی۔

اس عظیم الشان اجلاس میں شرکت فرمانے کے لئے آپ کی معیت میں جانشین خطیب الاسلام حضرت مولانا سفیان صاحب قاسمی، مولانا شاہد صاحب اور مولانا عبداللہ ابن القمر صاحب بھی تشریف

لائے۔ اگر چہ حضرت کی پیرانہ سالی تھی، لیکن وطن مالوف اور خاندان صدیقی میں اس علمی و دعوتی اجلاس اور اس کاوش کو دیکھتے ہوئے طبیعت بہت ہشاش بشاش تھی، کیونکہ حضرت کا مزاج علمی اور دعوتی تھا، اس لئے جہاں بھی علمی و تعلیمی اور دعوتی پیش رفت ہوتی طبیعت میں تازگی آجاتی۔ طبیعت کی اس تازگی کی وجہ سے آواز بھی بالکل صاف تھی۔ احقر نے اخیر کے چند سالوں میں اتنی صاف آواز حضرت کی یا تو اس موقعہ پر دیکھی یا پھر اس وقت طبیعت نہایت تازہ دم تھی، جس روز دارالعلوم وقف دیوبند کے احاطے میں حیات طیب اور عکس احمد نامی کتابوں کے ساتھ ساتھ حجۃ الاسلام اکیڈمی کی دیگر مطبوعات کا اجراء عمل میں آیا تھا۔ حضرت کے استقبال کے لئے ایک جم غفیر نانوتہ بس اسٹینڈ پر تھا اور گاڑی آہستہ آہستہ جلسہ گاہ کی طرف رواں تھی اور ہزاروں فرزندان توحید اس نورانی منظر کا نظارہ کررہے تھے۔ حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے محلے میں جیسے ہی حضرت نے قدم رنجہ فرمایا، چاروں طرف سے نعرۂ تکبیر بلند ہوا، اور حجۃ الاسلام محمد قاسم النانوتوی کے وطن مالوف کی فضائیں زمین سے لے کر آسمان تک غلغلہ توحید سے گونجنے لگیں، اور پھر یہی سماں اس وقت تک جاری رہا جب تک حضرت اسٹیج پر نہیں پہنچے، اسٹیج پر موجود تمام بڑے بڑے علمائے کرام نے حضرت والا کا انتہائی والہانہ استقبال فرمایا۔

والد محترم اور احقر کی طرف حضرت کی محبت آمیز اور شاباش دینے والی نظریں ہمارے جذبوں اور حوصلوں کو اوج ثریا تک پہنچا رہی تھیں اور دل میں یہ جذبات انگڑائیاں لے رہے تھے کہ جس طرح آج حجۃ الاسلام کا وطن مالوف توحید کے غلغلوں سے معمور ہوا ہے، پوری دنیا بھی اسی طرح توحید کے غلغلوں سے معمور ہوجائے اور ہمیں اس کا ذریعہ بنا دے۔ ان ایمانی اور مسرت انگیز کیفیات کا ادراک اسی کو ہوسکتا ہے جس نے اپنی آنکھوں سے اس یادگار تاریخی اجلاس کا نورانی، عرفانی، علمی اور دعوتی منظر اور ماحول دیکھا۔ احقر اپنے لئے ان لمحات کو زندگی کا سرمایہ سمجھتا ہے کہ اس نورانی محفل کی نظامت بھی احقر کو کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، دارالعلوم دیوبند کے استاذ محترم عالی مرتبت شیخ القراء اور استاذ الأساتذہ حضرت مولانا قاری عبدالرؤف صاحب بلندشہری مدظلہ العالی کی خوبصورت تلاوت سے اجلاس کا افتتاح ہوا، اور پھر چند منٹ کے لئے ہمارے مخلص دوست جناب مولانا قاری ارشاد صاحب استاذ تجوید وقرأت دارالعلوم دیوبند نے بھی انتہائی خوش الحانی کے ساتھ چند آیات تلاوت کرنے کی سعادت حاصل کی، فجزاھم اللہ کل خیر.

تلاوت کے بعد حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں مختلف لوگوں نے نعتیں پیش کیں، جن میں ایک نہایت مقبول نام جناب قاری احسان محسن صاحب دامت برکاتہم کا بھی ہے۔ جنہوں نے نہ صرف نعت پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے سامعین کو محظوظ کیا، بلکہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خطیب الاسلام کی شان اقدس میں برجستہ اشعار پڑھے۔ دارالعلوم وقف دیوبند کا ترانہ طلبائے دارالعلوم وقف دیوبند نے پڑھا۔ دارالعلوم کے موجودہ مہتمم جناب مولانا ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ[۱] نے اظہار خیال فرمایا، اور مؤلف محترم کی اس محنت اور کاوش کو عالی کلمات سے سراہا، اسی طرح دیگر علمائے دین ودانشواران نے بھی خطاب کیا، جن میں حضرت مولانا راشد کاندھلوی صاحب دامت برکاتہم[۲]، حضرت مولانا جمال الدین صاحب دہلوی[۳]، مولانا احترام الحسن صاحب کاندھلوی[۴]، مولانا کامل صاحب رحمۃ اللہ علیہ[۵] حضرت مولانا زکریا

۱؎ حضرت مفتی ابوالقاسم صاحب نعمانی کا اصل تعلق بنارس صوبہ یوپی سے ہے، آپ دارالعلوم کے فارغ التحصیل اور جید عالم دین ہیں، ضلع بنارس اور اس کے اطراف میں مفتی صاحب کی بڑی دینی خدمات ہیں، ۲۰۱۰ء میں حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کے انتقال کے بعد آپ کو دارالعلوم دیوبند جیسے ادارے کا مہتمم بنایا گیا، اور اس کے بعد مسلسل ادارے کی مادی ومعنوی ترقی کے لئے سرگرم عمل ہیں، مفتی صاحب حضرت مفتی محمود صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کے اجل خلفاء میں سے ہیں۔

۲؎ مولانا راشد کاندھلوی صاحب دامت برکاتہم، مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی کے سب سے بڑے صاحبزادے اور جید عالم دین ہیں، مظاہر علوم سے فارغ التحصیل ہیں، انتہائی علم دوس انسان ہیں، علمی تحقیق اور جستجو آپ کا خاص ذوق ہے، آپ کے جیسا صاف ستھرا تحقیقی ذوق رکھنے والے اصحاب علم وفضل نایاب نہیں تو کم یاب ضرور ہیں، کئی کتابوں کے مصنف ہیں، مولانا مملوک العلی، مولانا مظہر نانوتوی کی حیات وعلمی خدمات پر ان کی مستقل تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں، نادر اور نایاب کتابیں اور تحقیقات پر ان کی لائبریری کاندھلہ میں ہے۔

۳؎ مولانا جمال الدین صاحب اصل میں بہارے رہنے والے ہیں، اور مولانا مناظر احسن گیلانی کے بھتیجے ہیں، ایک لمبے زمانے سے جامع مسجد دہلی میں روزانہ قرآن کریم کی تفسیر بیان کرتے ہیں، صاحب ورع وتقویٰ ہیں، اور آج کل دہلی ہی میں مقیم ہیں۔

۴؎ مولانا احترام الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ مولانا الیاس صاحب کاندھلوی کے خاندان سے تعلق رکھنے والی ایک بزرگ شخصیت تھے، اور مولانا افتخار الحسن صاحب کاندھلوی کے داماد تھے اور اچھا علمی ذوق رکھتے تھے، ابھی دو تین سال قبل حضرت کا انتقال ہوگیا، کاندھلہ واطراف میں ان کی اچھی دینی خدمات تھیں۔

۵؎ آئندہ صفحہ پر

صاحب سنبھلی[۱] استاذ حدیث دارالعلوم ندوہ العلماء، پروفیسر اختر الواسع[۲] جناب عزیز برنی[۳] سابق ایڈیٹر راشٹریہ سہارا وغیرہ کے اسمائے گرامی قابل ذکر ہیں۔ اسی دوران حضرت نانوتوی کی عربی سوانح، ''الامام الأکبر محمد قاسم النانوتویؒ'' وجهوده في إعلاء كلمة الله'' کا اجراء حضرت خطیب الاسلام کے دست مبارک سے عمل میں آیا۔ کتاب کا اجراء ہونے کے بعد حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا انتہائی جامع اور بصیرت افروز خطاب ہوا اور خطاب اس آیت مبارکہ سے شروع فرمایا:

﴿هو الذی بعث في الاميين رسولاً منهم يتلو عليهم آياته و يزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وإن كانوا من قبل لفى ضلال مبين﴾ (سورۃ الجمعہ: ۲)

خطاب کی ابتداء میں مؤلف کتاب جناب مولانا اویس صدیقی صاحب کی اس علمی کاوش کو سراہا اور نہایت حوصلہ افزاء کلمات ارشاد فرمائے، اور فرمایا کہ حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ

(حاشیہ۵صفحہ گذشتہ) مولانا کامل صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے جید عالم دین اور خدا ترس انسان تھے، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے خدام میں سے تھے، اور ان کے دست گرفتہ تھے، حضرت ہی کے حکم سے آپ نے موضع گڑھی دولت میں ایک مدرسہ قائم فرمایا، ان کی شبانہ روز کوششوں سے مدرسے نے بہت جلد ترقی کی، وہاں اب دورہ تک اچھی تعلیم ہوتی ہے۔ گوجروں کی برادری میں مولانا کی بڑی دینی خدمات ہیں، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

[۱] مولانا زکریا صاحب سنبھلی دامت برکاتہم دارالعلوم ندوۃ العلماء کے کامیاب ترین اور مقبول اساتذہ میں سے ہیں، آپ مولانا منظور نعمانی صاحب کے بھتیجے ہیں، میرے والد محترم کے درسی ساتھیوں میں سے ہیں، دارالعلوم دیوبند سے سند فضیلت حاصل کرنے کے بعد سے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بحیثیت استاذ حدیث خدمات انجام دے رہے ہیں، آپ کے ہزارہا شاگرد پوری دنیا میں موجود ہیں، تقریر وتحریر کا بہت اچھا ذوق ہے۔ مولانا نانوتوی اور خانوادۂ قاسمی سے خاص لگاؤ رکھتے ہیں۔

[۲] پروفیسر اختر الواسع صاحب ایک نہایت فعال اور علم دوست انسان ہیں، علم اور تعلیم کے میدان میں آپ کی نمایاں علمی خدمات کا ایک زمانہ معترف ہے۔ علیگڑھ سے تعلق رکھتے ہیں، اور علیگڑھ ہی سے تعلیم حاصل کی ہے، اس کے بعد جامعہ ملیہ اسلامیہ میں ایک لمبے عرصے سے تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، آپ کی علمی خدمات کے اعتراف میں آپ کو پدم شری ایوارڈ سے نوازا گیا ہے، اس وقت آپ جودھپور میں واقع مولانا آزاد یونیورسٹی کے مؤقر وائس چانسلر اور جامعہ ملیہ اسلامیہ شعبہ اسلامک اسٹڈیز میں پروفیسر ایمریٹس ہیں۔

[۳] عزیز برنی صاحب ہندوستان کے مشہور اور صحافی ہیں، پہلے کافی سالوں تک راشٹریہ سہارا اردو اخبار کے مؤقر ایڈیٹر ہے، پھر آپ نے اپنا روز نامہ، عزیز الہند کے نام سے جاری کیا جو تقریبا دو سال مسلسل نکلتا رہا، اور بڑا مقبول ہوا، آپ کا تعلق ضلع اعظم گڑھ سے ہے، اور اردو زبان اور تحریر پر اچھی دسترس ہے، کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔

علیہ کی خاندان صدیقی سے عایت درجہ تعلق اور محبت کا یہ عجیب اتفاقی ثبوت ہے کہ حضرت حجۃ الاسلام کی سب سے پہلی اردو سوانح لکھنے کی سعادت اسی خاندان صدیقی کے مرد جلیل، عالم ربانی دارالعلوم کے پہلے صدر المدرسین حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ کو حاصل ہوئی، اور پھر تقریباً ڈیڑھ صدی گذر جانے کے بعد عربی کی ضخیم سوانح بھی اسی خاندان کے ہونہار عالم عزیزم مولوی اویس سلمہ اللہ تعالی کو حاصل ہوئی، یہ ان کے لئے ان کے والد گرامی اور پورے گھرانے کے لئے انتہائی اعزاز کی بات ہے۔اس کے بعد حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ کے عظیم الشان علمی ودعوتی اور ہمہ گیر کارناموں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اسلام تین چیزوں کا نام ہے، شریعت، طریقت اور سیاست، حضرت نانوتوی علیہ الرحمہ کی حیات مبارکہ ان تین چیزوں سے عبارت تھی، جس کا ثبوت دارالعلوم اور فضلائے دارالعلوم کا فکری، علمی اور عملی اسلوب اور منہج ہے جس میں شریعت بھی ہے، طریقت بھی ہے اور سیاست بھی ہے۔

حضرت خطیب الاسلام نے مزید فرمایا کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا علمی، عملی، دعوتی اور عرفانی فیض پوری دنیا میں واسطہ اور بلا واسطہ جاری وساری ہے، ایک طرف تو یہ فکری پرواز تھی کہ پوری دنیا کو نور توحید سے روشن کر دیا، اور دوسری طرف زندگی تواضع اور سادگی میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ تھی، کہ صرف تین ہی کپڑوں پر زندگی کا گذر بسر تھا، اور اتباع سنت میں فقر اضطراری نہیں اختیاری تھا۔حضرت نانوتوی کی رفعت شان کا ذکر کرتے ہوئے ان کے عالی مرتبت شیخ العرب والعجم حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی علیہ الرحمہ کا یہ ملفوظ بھی حضرت نے اسی موقعہ پر سنایا کہ حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے:

''میرے اوپر جو علوم ومعارف کا اس طرح فیضان ہوتا ہے وہ مولانا محمد قاسم نانوتوی کے علوم و معارف کا فیضان ہے۔''

اللہ اکبر کیا شان ہے کہ شیخ ومربی نے اپنے دست گرفتہ شخص کے لئے اس قدر عالی کلمات ارشاد فرمائے۔خطاب کے اخیر میں پھر دوبارہ مؤلف محترم اور ان کے والد گرامی کو دعاؤں سے نوازا اور مبارکباد پیش فرمائی۔

اس پروگرام کی تفصیلی رپورٹ ۲۱ اکتوبر ۲۰۱۱ء کو ملک کے اکثر قومی اردو وھندی اخبارات نے بڑے ہی اہتمام کے ساتھ شائع کی، اور پھر اس پروگرام کا لائیو کوریج ETV اردو، حیدرآباد سے نشر کیا

گیا۔ غالباً ۱۲ اکتوبر ۲۰۱۱ء کو راشٹریہ سہارا کے سابق ایڈیٹر جناب عزیز برنی صاحب نے اپنے اخبار عزیز الھند کے اداریے میں اس پروگرام میں اپنی شرکت اور پروگرام کے تعلق سے اہم باتیں ذکر کیں۔اس کے بعد ملک کے مؤقر جرائد اور رسالوں میں بھی اس عظیم الشان اجلاس کی تفصیلی رپورٹیں شائع ہوئیں، پروگرام کی انتہائی مقبولیت زبان زد خاص و عام تھی جس کی اصل وجہ حضرت نانوتوی علیہ الرحمہ کا فیض اور حضرت خطیب الاسلام کی احقر اور میرے والدین کے لئے مسلسل دعائیں تھیں۔

حضرت خطیب الاسلام کی نانوتہ تشریف آوری اور حضرت نانوتوی کے مکان کی زیارت

حضرت خطیب الاسلام ۲۰۱۲ء میں نانوتہ تشریف لائے۔ والد محترم نے آم کی دعوت کر رکھی تھی، حضرت کو آم بہت مرغوب تھا، ساڑھے دس بجے حضرت نانوتہ تشریف لا چکے تھے، پہلے مختلف اقسام خاص طور پر دیسی آم حضرت نے بڑی رغبت اور اہتمام کے ساتھ تناول فرمائے، فرمایا کہ وطن کے آم کا مزہ ہی الگ ہے۔اس دوران مختلف شاعروں کے اشعار بھی آم کے بارے میں سنائے۔

اس کے بعد حضرت نے الائچی کا ٹھنڈا دودھ نوش فرمایا۔ پھر حضرت کو ان کے آبائی مکان پر جو راقم الحروف کے گھر کے قریب ہی ہے وہاں لے گئے۔ حضرت نے اپنے جد امجد کے مکان کی بڑے اشتیاق اور غایت درجہ محبت بلکہ والہانہ عقیدت کے ساتھ زیارت فرمائی، راقم حضرت خطیب الاسلام کے ساتھ ساتھ تھا، حضرت نانوتویؒ کے مکان کی اس حصہ کی بھی زیارت کرائی جو اس مکان میں مردانہ حصہ ہے اور جس میں مردوں کا نظم مکمل طور پر باہر کے باہر ہی رہتا، وہ زینہ بھی دکھایا جو دروازے میں داخل ہوتے ہی اوپر جاتا ہے اور حضرت حجۃ الاسلام جب اوپر ہوادار انٹاری میں تشریف رکھتے تو ملاقات کرنے والے باہر کے باہر ہی دروازے والے زینے سے اوپر جاتے اور ملاقات کر لیتے، وہ چھوٹا سے کنواں بھی دکھایا جس کا پانی اوپر ہوادان انٹاری پر پہنچ جاتا اور اوپر ہی سے پانی کنویں سے نکال لیا جاتا۔ پھر اس کے بعد اندر حرم سرا (زنانہ مکان) کی زیارت کی، الگ الگ مکان کے تمام حصوں کو دیکھا، باورچی خانہ دیکھا، برآمدہ دیکھا، سامنے کا بڑا کمرہ دیکھا، حضرت کے گھر کا حجرہ دیکھا، جس میں حضرت حجۃ الاسلام عبادت و ریاضت میں مشغول رہتے، راقم الحروف ہی ان جگہوں

کی زیارت کرار ہا تھا، اس کے بعد راقم حضرت کو لے کر اس باغیچہ میں گیا جو بڑے کمرہ کے پیچھے تھا اور جس میں حضرت نانوتویؒ اپنے مخصوص اوقات میں تشریف فرما ہوتے تھے۔ وہاں سے واپس آئے ظہر کی نماز کے بعد، کھانا تناول فرمایا اور یہ فرمایا کہ آم کے زمانہ میں بس کھانا آم ہی ہوتا ہے، والدہ محترمہ نے بیڑی کی روٹی (دال بھری روٹی) بنا رکھی تھی۔ ہمارے یہاں اس روٹی کو مخصوص لوازمات کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے، ان لوازمات میں اصلی گھی، لہسن مرچ کی چٹنی، سرکے کے پیاز اور آم کو نچوڑ کر اس کا اچار ان کے ساتھ بیڑی کی روٹی کا استعمال کیا جاتا ہے جو ہمارے حضرت کو بہت پسند اور مرغوب تھی۔ یہ واقعہ اگست ۲۰۱۲ء کا ہے۔

بھائی جان سے بر سبیل مزاح فرمایا کہ استاذ الاساتذہ بن گئے

ایک مرتبہ حضرت نانوتہ تشریف لائے، بھائی جان دہلی سے نانوتہ تشریف لائے تھے، والد محترم حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی حضرت کی خدمت میں دیوبند تشریف لے گئے، حضرت نے فرمایا کہ وطن جانے کو طبیعت چاہ رہی ہے، وہیں تاریخ مقرر کی اور حضرت کو نانوتہ آنے کی دعوت دی، حضرت اس مقررہ تاریخ پر نانوتہ تشریف لائے، حضرت نے بھائی جان سے معلوم کیا کہ آج کل کیا کر رہے ہو، بھائی جان نے بتایا کہ ماموں صاحب میں جامعہ میں ٹی ٹی آئی (ٹیچرس ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ) میں پڑھا رہا ہوں۔ وہاں کیا پڑھاتے ہیں؟ بھائی جان نے جواب دیا کہ ماموں صاحب، وہاں اساتذہ کی تدریس کے لئے ٹریننگ ہوتی ہے، حضرت نے بر سبیل مزاح فرمایا: ماشاء اللہ استاذ الاساتذہ بن گئے۔ راقم کی والدہ وہاں پر تشریف فرما تھیں، کہنے لگیں ماموں جان دعا فرما دیجئے اس کے حق میں، اللہ آپ کی زبان مبارک فرما دے۔

حضرت کی ایک خاص بات یہ تھی کہ حضرت ہمیشہ ایسے لوگوں کی ملاقات سے بہت خوش ہوتے تھے جن کا مزاج تعلیمی ہوتا اور علمی گفتگو کرنے والے سے تو حضرت کو خاص انس اور لگاؤ ہو جاتا، میں نے تو ایک خاص بات یہ محسوس کی کہ ایسے حضرات سے حضرت از خود مخاطب ہوتے، تاکہ کوئی مزید علمی بات سامنے آئے جس کا علم اب تک نہیں ہو سکا۔

حضرت کو اپنے معمولات سے باخبر رکھنا اور ہر عمل کی اجازت لینے کا التزام

میں جب بھی حضرت کے پاس جاتا تو کوشش کرتا اپنی اصلاح کی غرض سے اپنے احوال ظاہری

وباطنی کا تذکرہ کروں، چنانچہ میں حضرت کی بتائی ہوئی تسبیحات اور صبح وشام کے معمولات اکثر وبیشتر ذکر کرتا تو حضرت بشرط مداومت ان ہی پر اکتفار کھنے کا حکم فرماتے، اکثر وبیشتر تو ایسا ہی ہوتا مگر جہاں ضرورت محسوس فرماتے وہاں مزید کچھ اور بھی اوراد کا اضافہ فرمادیتے، اور چھوٹے چھوٹے عمومی جملوں کے ذریعہ اصلاح طلب امور کی طرف توجہ دلاتے، شریعت کے احکامات پر استقامت کا حکم فرماتے، اور ہر حال میں اتباع سنت کو ملحوظ خاطر رکھنے کی تاکید فرماتے۔ لعن طعن نہ کرتے اور نہ ہی کسی خلاف ادب بات کو دیکھ کر ٹوکتے تھے، البتہ اس پر بڑے ہی خوبصورت انداز میں نکیر فرماتے اور توجہ دلادیتے۔ ابھی حضرت کے وصال سے ڈیڑھ سال قبل کی بات ہے میں حاضر خدمت تھا اور اپنے پڑھنے پڑھانے کے معمولات کا ذکر کررہا تھا، تو میں نے عرض کیا کہ حضرت میں نے روزانہ قرآن کریم کی ایک منزل پڑھنے کا ارادہ کیا ہے، آپ سے اجازت چاہتا ہوں، حضرت نے فرمایا کہ مبارک ہو معمول بہت اہم ہے اللہ اس پر استقامت نصیب فرمائے، پھر مجھ سے معلوم کیا کہ کیا اس کو مواظبت سے کرلوگے، میں نے عرض کیا کہ حضرت دعاء فرمادیجئے کہ اس معمول پر مستقیم ہوجاؤں، حضرت نے دعائیں دیں، ایک مجلس میں میں نے عرض کیا کہ حضرت فجر کے بعد نانوتہ خانقاہ میں ذکر جہری کا معمول ہے اور کافی حضرات ذکر اللہ کی مجلس میں پابندی سے شرکت کرتے ہیں، حضرت نے فرمایا کہ بہت عمدہ معمول ہے، اس کو جاری رکھنا، انشاء اللہ بستی کے لوگوں کو فیض پہنچے گا اور یہ آیت تلاوت فرمائی:

﴿فَسُبْحَانَ اللّٰهِ حِينَ تُمْسُونَ وَحِينَ تُصْبِحُونَ. وَلَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظْهِرُونَ﴾ (سورة الروم: ۱۸،۱۷)

اس میں صبح کو بھی ذکر کا حکم ہے اور شام کو بھی ذکر کا حکم ہے۔ اس کے بعد حضرت نے ذکر اللہ کے چند شرائط وآداب بیان فرمائے منجملہ ذکر اللہ کی شرائط یہ ہیں کہ افضل الذکر نفی اثبات (**لا الٰہ إلا اللّٰہ**) پر مواظبت کرے۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اے ایمان والو! تقویٰ اختیار کرو اور قول سدید کہو، اور قول سدید کی تفسیر کلمہ طیبہ سے کی گئی ہے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **لا الٰہ إلا اللّٰہ** کہو تاکہ فلاح پاؤ، نیز یہ بھی شرط ہے کہ ذکر کرنے والا اپنے بدن، کپڑے اور اپنی جگہ کو پاک کرے اور وضوو غسل سے طہارت کاملہ حاصل کرے، چارزانو رُو بقبلہ بیٹھے اور دونوں ہاتھ اپنی رانوں کے سرے پر رکھے، یا داہنے ہاتھ کی پشت کو بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے تھامے اور دائیں ہاتھ کے انگوٹھے کا بیرونی

حصہ بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے اندرونی حصہ سے پکڑے، یہ طریقہ حضرت نے علامہ علمی کے حوالے سے بیان کیا کہ علامہ علمی نے اپنی کتاب میں فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل اور طریقہ بیان کیا۔ ایک روز حضرت سے میں نے اسم ذات کے ذکر کے بارے میں معلوم کیا، تو حضرت نے بیان فرمایا کہ جب تم اسم ذات کا ذکر کیا کرو تو ایک تسبیح میں کم ازکم تین مرتبہ ''اَللّٰہُ حَاضِرِیْ اَللّٰہُ ناظری الله مَعِیْ'' کہہ لیا کرو۔

فرمایا: زبانی ذکر کے ساتھ فکر، یعنی اعمالِ فکر نہایت ضروری ہے تا کہ ذکر کامل نصیب ہو۔

الحمدللہ راقم باطمینان قلب یہ بات کہہ سکتا ہے کہ جو میرے معمولات رہے ان کو من وعن حضرت سے ضرور بیان کرتا۔ حضرت کے علم میں لائے بغیر کسی بھی یومیہ معمول میں کمی یا زیادتی نہ کرنا۔

جامع مسجد نانوتہ میں تفسیر قرآن کریم کا آغاز اور شجرۂ خاندان صدیقی نانوتہ کا اجراء

۱۴ مارچ ۲۰۱۴ء بروز جمعہ کو نانوتہ جامع مسجد میں حضرت خطیب الاسلام نے صبح دس بجے خاندان صدیقی نانوتہ کے شجرہ کا اپنے دست مبارک سے اجراء فرمایا، یہ اجراء ہمارے نانوتہ کے مشہور چوک میں ہوا اس میں حضرت خطیب الاسلام نے تمام اہل خاندان کے سامنے ایک تقریر فرمائی جس میں شجروں کی حفاظت اور اس کی افادیت اور موجودہ دور میں اس کی اہمیت اور ضرورت پر روشنی ڈالی۔ اس سے قبل اہل خاندان اور میرے والد گرامی کی طرف سے حضرت خطیب الاسلام کو ایک سپاس نامہ پیش کیا گیا جس کو راقم الحروف ہی نے پڑھ کر سنایا تھا۔ سپاس نامہ حضرت کی خدمت میں پیش کیا گیا تو انتہائی محبت اور وفور شوق کے ساتھ قبول فرما کر سر پر رکھ لیا اور یہ فرمایا کہ خاندان والوں کی طرف سے سپاس نامہ پیش کیا جانا میری سعادت مندی ہے، اس کے بعد جمعہ کی نماز سے اپنے جد امجد کے مکان کے سامنے جامع مسجد نانوتہ میں تفسیر کا آغاز فرمایا، خطاب کی ابتداء میں سورہ فاتحہ تلاوت فرمائی پھر حضرت نے اس پر بیان فرمایا اور سورہ فاتحہ کی تفسیر میں یہ حدیث بیان فرمائی کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کا فرمان ہے کہ میں نے نماز کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کر دیا ہے۔ اور میرا بندہ مجھ سے جو مانگتا ہے وہ میں دیتا ہوں جب بندہ کہتا ہے الحمدللہ رب العالمین تو اللہ تعالی فرماتا ہے حمدنی عبدی میرے بندے نے میری تعریف کی، پھر بندہ کہتا ہے الرحمٰن الرحیم اللہ تعالی فرماتا ہے أثنی علي عبدِی میرے بندے نے میری ثنا بیان کی، پھر بندہ کہتا ہے مالک یوم

الدین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجدنی عبدی یعنی میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی، پھر بندہ کہتا ہے ایّاکَ نعبد و ایاک نستعین اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان کا معاملہ ہے اور میرا بندہ مجھ سے جو مانگے گا میں دونگا۔ اس حدیث پر حضرت نے جامع اور مبسوط کلام فرمایا۔ اس وقت سے بعد نماز عشاء جامع مسجد نانوتہ میں دوران قیام قرآن کریم کی تفسیر کرنے کی سعادت عاجز کو میسر آرہی ہے، حضرت کے فیوض و برکات اور دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ ابتداء سے پونے چار پارے مکمل ہوگئے ہیں، اللہ اس مبارک سلسلہ کو قبول فرما کر اخلاص عطا فرمائیں اور پایہ تکمیل تک پہنچائیں۔ اس مبارک پروگرام کی تفصیلی رپورٹ اردو کے تمام اخبارات میں شائع ہوئی، جن میں ''راشٹریہ سہارا''، ''عزیز الہند''، ''صحافت''، ''ہمارا سماج'' اور ''انقلاب'' وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ یہ رپورٹیں ۱۵مارچ ۲۰۱۴ء بروز شنبہ شائع ہوئیں۔

حضرت نانوتوی کی سوانح انگریزی میں لکھنے کا حکم

جیسا کہ اس سے قبل ذکر کیا جاچکا کہ حضرت خطیب الاسلام نے حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی عربی سوانح عمری کا نانوتہ میں اجراء فرمایا تھا، اس کے چند دن گذر جانے کے بعد میں اور بھائی جان حضرت کی خدمت اقدس دیوبند میں حاضر ہوئے، تو پھر دوبارہ حضرت نے پروگرام کی کامیابی اور حضرت نانوتوی کی عربی سوانح عمری کا نہایت اچھے الفاظ میں ذکر فرمایا، اور بھائی جان محترم کو یہ حکم فرمایا کہ اس کام کے لئے من جانب اللہ آپ کا انتخاب ہے، میری خواہش ہے کہ تم حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح عمری انگریزی زبان میں بھی تیار کرو جس میں نہ صرف حضرت نانوتوی کا جامع تعارف ہو بلکہ اہل یوروپ کے جدید ذہنوں کو سامنے رکھتے ہوئے جماعت اہل حق کا بھی تعارف ہوجائے، اور جو ہمہ گیر خدمات فروغ انسانیت اور فروغ تعلیم اور انسانیت کی فلاح و بہبود میں علمائے دیوبند نے انجام دی ہیں ان کو آشکارا کردیا جائے، تاکہ اقوام مغرب ان عظیم الشان کارناموں کا علم ہوسکے جو ہندوستان میں علمائے حق نے انجام دئے اور علم دوست تحقیق کی دلدادہ مغربی اقوام کے لئے دعوتی راہیں کھل سکیں۔ اور وہ قریب آسکیں۔ بھائی جان محترم نے کہا حضرت یہ بات کبھی ذہن میں نہیں آئی تھی، لیکن آپ دعا فرمادیں میں انشاء اللہ کام شروع کرتا ہوں، اور بھائی جان نے کام شروع کردیا۔ تقریباً دوسال کے عرصے میں انگریزی سوانح مکمل کرلی، اور ۲۰۱۴ء میں راقم بھائی جان

کی معیت میں سوانح کا مسودہ لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے، حضرت نے معلوم کیا کونسی کتاب ہے، بھائی جان نے عرض کیا کہ حضرت نانوتوی کی انگریزی زبان میں سوانح ہے، حضرت نے بڑی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ آج کے حالات کے اعتبار سے اس کی بڑی ضرورت ہے اور پھر بر سبیل مزاح فرمایا کہ ''زبان یار من ترکی ومن ترکی نمی دانم'' اس کے بعد بھائی جان نے عرض کیا کہ حضرت اس پر آپ مقدمہ تحریر فرمادیں گے تو اس کتاب کی وقعت دوبالا ہو جائے گی۔ حضرت نے فرمایا کہ اس کی فہرست کہاں ہے؟ بھائی جان نے فہرست دکھائی فہرست کو دیکھ کر فرمایا، مسودہ یہیں چھوڑ دو، کتاب کا مسودہ حضرت کو دے کر ہم لوگ آ گئے، حضرت نے مخدومی ومکرمی جناب مولانا شاہد صاحب سے فرمایا کہ مجھے یاد دلا دینا۔ مجھے اس پر لکھنا ہے پھر اس کتاب پر بھی حضرت نے بڑا وقیع مقدمہ تحریر فرمایا، اور پھر چند دن گذرنے کے بعد بھائی جان کو بلا کر دیا اور فرمایا کہ کتاب حجۃ الاسلام اکیڈمی سے چھپ جائے تو بہتر ہو، بھائی جان کے لئے اس سے زیادہ آسان بات کیا ہوسکتی تھی، بھائی جان نے کہا کہ میں ذرا اس کتاب پر نظر ثانی کرلوں اور پھر حجۃ الاسلام اکیڈمی کو دے دوں گا، پھر اس پر نظر ثانی کا کام شروع کیا، تو کچھ نئے پہلوؤں کی طرف ذہن منتقل ہوا، ان کے حذف واضافہ میں وقت تیزی سے گذرتا رہا، ادھر بھائی جان کچھ ایسے علمی ودعوتی کاموں میں مشغول ہوئے کہ پھر اس پر کام رک گیا اور پھر دوبارہ شروع کرنے کی نوبت نہ آئی، اور حضرت کی حیات مبارکہ میں یہ علمی کام پایہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکا، اب انشاء اللہ جلد ہی اس کی تکمیل کا ارادہ ہے اور حضرت کے حکم کے مطابق کتاب کو طباعت کے لئے حجۃ الاسلام اکیڈمی کے سپرد کر دیا جائے گا، إن شاء اللہ۔

حضرت خطیب الاسلام کا نانوتہ میں قیام

حضرت خطیب الاسلام ۲۰۱۴ء میں نانوتہ تشریف لائے اور ہمارے یہاں قیام فرمایا، بعد نماز مغرب کھانا تناول فرمایا اس نادر موقعہ پر ہمارے تمام اہل خانہ موجود تھے۔ حضرت نے کئی واقعات سنائے، ایک واقعہ حضرت حکیم الاسلام کا سنایا کہ کسی جگہ پر حضرت حکیم الاسلام کھانا کھا رہے تھے اور ایک صاحب ضیافت میں تکلیف مالا یطاق کر رہے تھے اور اپنی مرضی سے کھانا کھلانے کو ضیافت سمجھ رہے تھے، اس پر حضرت حکیم الاسلام نے فرمایا کہ: بھائی کھانا رغبت سے کھایا جاتا ہے ترغیب سے نہیں۔

صبح کو ناشتے کے بعد حضرت جب رخصت ہونے لگے تو حضرت نے والدہ محترمہ کے لئے مندرجہ ذیل شعر پڑھا

بہت دل خوش ہوا اے ہمنشیں آج آپ سے ملکر
ابھی اگلی شرافت کے نمونے پائے جاتے ہیں

شعرسن کر میری والدہ بہت خوش ہوئیں اور مہینوں ان ساعتوں سے محظوظ ہوتی رہیں، اور فرماتی رہیں کہ آج تو ہماری ننیہال کا پرانہ زمانہ یاد آ گیا۔

مقدمہ سوانح مسعودہ بیگم اور حضرت کی خدمت میں حاضری

جب میں نے قوم کی بیٹی مسعودہ بیگم رحمتہ اللہ علیہ کی سوانح لکھی اور ٹائپنگ کے مراحل سے فراغت ہوگئی تو میں والد محترم حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی نانوتوی کے ہمراہ حضرت خطیب الاسلام رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس کتاب کا مسودہ میرے ساتھ تھا۔ ملاقات پر حضرت بڑے خوش ہوئے، والدہ کے بارے میں معلوم کیا، اس کے بعد حضرت ہمیں لے کر اندر ممانی جان کے پاس گئے وہاں پر راقم، والد صاحب، ممانی جان اور خود حضرت تشریف فرما تھے، گھر کا کونہ کونہ اس طرح چمک رہا تھا کہ دانہ بکھیر کر چن لیا جائے، صاف شفاف۔ ممانی جان کی طبیعت میں نظافت بہت تھی، بہر حال شہید اسلام مسعودہ بیگم کی سوانح والد محترم نے حضرت کے سامنے رکھی کہ حضرت اس پر چند کلمات عالیہ تحریر فرمادیں۔ ممانی جان اور حضرت اس کتاب کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور یہ فرمایا کہ ایسی صاحب ایمان خواتین کے تذکروں سے ایمان میں تازگی پیدا ہو جاتی ہے چہ جائیکہ کسی کو یہ سعادت ملے کہ ان کی سوانح لکھے یہ کتاب اس زمانے میں خواتین کی ایمانی ضرورتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک اہم تصنیف ہے، جو یقیناً خواتین اسلام کے ایمان میں اضافہ اور غیرت ایمانی کے بیدار کرنے کا سبب ہوگی۔ اس کے بعد چائے آ گئی اور چائے پر آدھے گھنٹہ تک بس مسعودہ بیگم کا تذکرہ ہوتا رہا، حضرت نے معلوم کیا کہ جلدی تو نہیں، اس پر ممانی جان فرمانے لگیں، آپ سب کام کو مؤخر کر دیجئے اور آپا مسعودہ کی مومنانہ حیات مبارکہ پر لکھی گئی اس کتاب پر آج ہی رات کو مقدمہ لکھدیں، ان کا ہم سب پر قوم کی بیٹی ہونے کی حیثیت سے اور قرابتداری کی وجہ سے ڈبل حق بنتا ہے، چنانچہ حضرت نے وعدہ فرمایا کہ آج رات کو انشاء اللہ مسعودہ بیگم رحمۃ اللہ علیہا کی ایمان افروز داستان

حیات پر حسب استطاعت لکھوں گا۔ ممانی جان فرمانے لگیں میں اس کتاب کی شدت سے منتظر ہوں جب چھپ کر آئے گی تب ہی دیکھوں گی، اس کے بعد ہم سب لوگوں نے کھانا کھایا، قیمہ، خشکہ، دال اور کچھ چیزیں بنی ہوئی تھیں، کھانے کے بعد ہم لوگ نانوتہ واپس آ گئے۔

جامعۃ الامام محمد قاسم النانوتوی کا سنگ بنیاد اور حضرت کی نانوتہ تشریف آوری

حضرت خطیب الاسلام ۱۳؍جون ۲۰۰۹ء کو نانوتہ جامعۃ الامام محمد قاسم النانوتوی کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے تشریف لائے، صبح نو بجے سے پروگرام تھا، علاقے کے ائمہ مساجد، اور کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی، حضرت رحمۃ اللہ علیہ ٹھیک پونے نو بجے مولانا عبدالسلام منزل تشریف لے آئے، معیت میں مخدومنا المکرّم جناب مولانا شاہد صاحب اور دیگر حضرات تھے، حضرت نے حسب معمول انتہائی عمدہ لباس زیب تن فرمایا ہوا تھا، اس مبارک دعوتی ادارہ کی بنیاد دیگر اکابرین علماء کی موجودگی میں حضرت خطیب الاسلام نے اپنے دست مبارک سے رکھی، بنیاد رکھنے کے بعد حضرت اسٹیج پر جلوہ افروز ہوئے پروگرام کی صدارت فرمائی اور بہت جامع تقریر فرمائی اور یہ آیت

﴿وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاهِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمَاعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾ (البقرہ:۱۲۷)

تلاوت فرما کر جامع بیان فرمایا، آیت مبارکہ میں اللہ رب العزت نے کعبہ کی تعمیر اور اس کی مبارک بنیادیں بھرنے کا ذکر فرمایا ہے، جامعۃ الامام محمد قاسم النانوتوی کے حضرت نانوتوی کے وطن مألوف میں قیام کو نسبت دی اس بنائے ابراہیمی سے کہ جس کے فیض ہدایت سے سارے عالم منور ہیں، کہ اللہ تعالیٰ ہم بھی قاسم العلوم والخیرات کے وطن میں اس دعوتی ادارے کی بنیاد رکھ رہے ہیں اور بنیادیں اٹھا رہے ہیں کہ جس طرح آپ نے بنائے ابراہیمی کو قبولیت کا شرف بخشا، اللہ تعالیٰ اس ادارے کی بناء کو بھی قبولیت کا شرف بخش کر بانیان کی کوششوں کو شرف قبولیت عطا فرما اور اس کے فیض کو پورے عالم میں پہنچا کر ذریعہ ہدایت بنا۔

کعبہ کی بناء کے بعد دارالعلوم دیوبند اور بانیٔ دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ کے اخلاص اور اس عالمی ادارہ کے قیام کے پیچھے ان کے مقاصد کو بیان فرمایا اور یہ بھی بیان فرمایا کہ جب تک ادارے ان اکابرین کے منہج کو سامنے رکھ کر چلائے جائیں گے ان کے فیوض سے خلق

خدا مستفید ہوگی اور جب بانیان کو ان کے نہج سے الگ ہٹ کر کسی اور نظام پر چلائیں گے تو وہ بے روح جسم ثابت ہوں گے۔

مسلک ومشرب قابل ترجیح تو ہوسکتا ہے قابل تبلیغ ہرگز نہیں

میں حضرت کی خدمت میں ۲۰۱۷ء فروری میں گیا، میں نے حضرت کو اپنی دعوتی سفر کی کارگذاری سنائی، حضرت نے بہت دعائیں دیں اور فرمایا کہ تبلیغ تو یہی ہے کہ غیر ایمان والوں کو اسلام کی دعوت پہنچائی جائے۔ اسی کار رسالت کی تبلیغ امت کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ آج کل امت مسلک ومشرب کی تبلیغ کرنے میں لگ گئی ہے حالانکہ مسلک ومشرب قابل ترجیح تو ہوسکتا ہے قابل تبلیغ ہرگز نہیں، اس مضمون کو حضرت نے مختلف مجالس اور کانفرنسوں میں بھی بیان فرمایا، چنانچہ ڈاکٹر خالد جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی حضرت کے وصال کے بعد اپنے تعزیتی پیغام میں لکھتے ہیں کہ:

”آپ کو میں نے یکم نومبر ۱۹۹۵ء میں ایس آئی او کی شمالی ہند پٹنہ کانفرنس میں دیکھا اور سنا تھا ،آپ کا ایک جملہ آج بھی ذہن پر نقش ہے، آپ نے بہت دردمندی کے ساتھ کہا تھا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ نے دین کی دعوت دی۔ تابعین کے زمانے میں مسلک کی تبلیغ ہونے لگی، پھر تبع تابعین کے زمانہ میں مشرب کو ترجیح دی جانے لگی اور آج لوگ اپنے اپنے ذاتی ذوق کی اشاعت کررہے ہیں۔ لوگو! آؤ مسلک، مشرب اور ذوق کے بجائے دین کی دعوت دو۔“[1]

حضرت نے اس سلسلے میں امت کے علماء کے بڑے طبقے کی رہنمائی فرمائی۔

کتاب (سوانح خطیب الاسلام) کو اشاعت سے قبل دکھالینا

آج ۲۵ ذی الحج ۱۴۳۸ھ بروز یک شنبہ مطابق ۱۷ستمبر ۲۰۱۷ء راقم الحروف حضرت خطیب الاسلام کی خدمت اقدس میں ساڑھے گیارہ بجے دن حاضر ہوا۔ محترم ومکرم حضرت مولانا شاہد صاحب (خادم خاص حضرت خطیب الاسلام) تشریف رکھتے تھے، حضرت سے ملاقات ہوئی، حضرت نے خیر وعافیت دریافت کی۔ پھر میں نے حضرت سے حضرت کی سوانح عمری لکھنے کے ارادے کا اظہار کیا کہ حضرت احقر یہ چاہتا ہے کہ آپ کی سوانح مرتب کردوں اس سے قبل میں نے اس خیال کا تذکرہ والد

[1] تعزیتی مکتوب از ڈاکٹر خالد صاحب، جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ یہ مکتوب کتاب کے باب ہفتم میں شامل ہے۔

گرامی سے کیا تھا، تو والد گرامی نے اس خیال کی حوصلہ افزائی فرمائی، اور فرمایا کہ میری دلی خواہش ہے کہ ماموں صاحب کی سوانح عمری ان کی حیات مبارکہ میں طبع ہوکر منظر عام پر آجائے لیکن تم پہلے جا کر حضرت سے اجازت لے لو، اگر وہ اجازت دے دیں تو فورا کام شروع کردو۔ میں دیوبند حاضر خدمت ہوا اور میں نے جا کر اس خیال کا تذکرہ حضرت سے فرمایا، حضرت نے نہ صرف مجھے اس کی اجازت دی، بلکہ فرمایا کہ یہ تو اچھا خیال ہے، البتہ جو کچھ لکھو اس کو دکھا لینا۔ میں نے عرض کیا کہ ''حضرت ٹائپ ہونے کے بعد مسودہ سب سے پہلے آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔'' آپ دعا بھی فرما دیجئے تا کہ قابل اصلاح مقامات کی نشاندہی ہو سکے، اس طرح حضرت کی زندگی میں تقریبا تین سال قبل مواد جمع کرنے کا کام شروع کردیا، اور اس بابت بہت سی باتیں براہ راست خود حضرت سے دریافت کیں۔ دوران تصنیف میں نے اس کتاب میں یہ کوشش کی کہ جونئی بات مجھے حضرت کے متعلق معلوم ہوتی تو میں اس کی تصدیق خود حضرت خطیب الاسلام سے کر لیتا، یا حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب دامت برکاتہم سے اور ابتدائی دور سے متعلق حضرت سے معلوم کرتا، اس سلسلے میں مخدوم مکرم حضرت مولانا محمد شاہد صاب خادم خاص حضرت خطیب الاسلام نے بھی بہت علمی تعاون فرمایا۔ مگر اسفار کی کثرت اور حرم مقدس کی حاضری، پھر وہاں سے آنے کے بعد لگاتار سفر میں ہی رہنا ہوا اسلئے یہ کتاب حضرت کی زندگی میں گرچہ مکمل نہ ہوسکی جس کا قلق مجھے تازندگی رہے گا، مگر کاتب تقدیر کے اس نظام 'ماشاء اللہ کان و مالم یشأ لم یکن' کے سامنے سر جھکانا ہی عین ایمان ہے اس لئے دل کو قرار آجاتا ہے، ادھر حضرت کی سوانح کا اختتام ہوا چاہتا تھا، ادھر حضرت کی کتاب زندگی کے اوراق بھی پلٹتے جارہے تھے اور اس کا بھی اخیر ہی ہورہا تھا، تقدیر کا فیصلہ غالب آیا اور سوانح عمری کی تکمیل سے قبل ہی کتاب زندگی کے اوراق مکمل ہوگئے۔ **إنا للّٰہ وإنا الیه راجعون**

نانوتہ جانے کو طبیعت چاہتی ہے

ایک حاضری کے موقعہ پر فرمایا کہ وطن نانوتہ جانے کو طبیعت چاہ رہی ہے اور مجھے اپنے وطن اصلی یعنی نانوتہ سے طبعی مناسبت ہے اور وطن سے موانست طبعی اور فطری عمل ہے۔

پھر حضرت مولانا شاہد صاحب کو بلا کر چابی مرحمت فرمائی اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے حجرہ خاص کی میں نے زیارت کی اور مولانا شاہد صاحب نے حضرت کے حکم پر حضرت حکیم الاسلام کی

بیاض سے ایک خواب بھی نقل کروایا، جس میں نبی کریم ﷺ کی زیارت کی بشارت ہے۔اس کے بعد جناب مولانا محمد شکیب قاسمی سلمہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ مرثیہ بھی دیا جو حضرت نے اپنی اہلیہ کی وفات پر رقم فرمایا تھا۔

راقم کو اجازت حدیث

۱۴/محرم الحرام ۱۴۳۹ھ بروز جمعرات مطابق ۱۵/اکتوبر ۲۰۱۷ء میں راقم الحروف نے حضرت خطیب الاسلام سے حضرت مولانا محمد شاہد صاحب کی موجودگی بلکہ ان کی درخواست پر اجازت حدیث حاصل کی، حضرت کے سامنے راقم الحروف نے بخاری شریف کی پہلی حدیث 'إنما الأعمال بالنیات وإنما لإمر مانوی فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ الخ پڑھی، حضرت نے مجھے صحاح ستہ کے ساتھ ساتھ تمام جوامع، مسانید، وسنن کی خاص طور پر اجازت مرحمت فرمائی اور مختلف اسانید اور طرق سے اجازت دے کر ایک سند بھی اپنے دستخط کے ساتھ مرحمت فرمائی، فلہ الحمد أولاً وآخراً.

اس کیفیت کو بیان کرنے کے لئے میرے پاس الفاظ نہیں، جب میں بخاری شریف کھولے حضرت کے سامنے بیٹھا ہوا تھا، حضرت نے فرمایا پڑھو، چنانچہ میں نے سند پڑھنی شروع کی، اس وقت ایک عجیب سی کیفیت مجھ پر طاری تھی، وہ کیفیت کیا تھی، جلالت علم کی ہیبت تھی، ایک محدث کے علم کا رعب تھا، اس حدیث کو میں نے بارہا پڑھا مگر کبھی اس طرح کی کیفیت طاری نہیں ہوئی۔میرے لئے یہ ایک عظیم سرمایہ تھا جو مجھے ایک جلیل القدر محدث کی طرف سے عطا ہوا تھا۔حدیث کی اجازت مرحمت فرماتے وقت جو کلمات حضرت کی زبان سے ادا ہوئے تھے وہ کلمات میرے کانوں میں مستقل گونجتے رہتے ہیں۔

والد گرامی اور مجلس مشاورت دارالعلوم وقف دیوبند کی رکنیت

مورخہ ۱۸/شوال ۱۴۳۵ھ مطابق ۱۵ اگست جناب مولانا سفیان صاحب دامت برکاتہم کا احقر کے نمبر پر فون آیا کہ ذرا بھائی سے فورا میری بات کرادیں، میں نے تھوڑی دیر بعد والد گرامی سے مولانا کی بات کروادی، تو مولانا نے فرمایا کہ بھائی کل آپ نانوتہ ہی میں موجود ہیں، کہیں کا سفر تو نہیں ہے، میں بھائی صاحب کا ایک پیغام لے کر آنا چاہتا ہوں، والد گرامی نے فرمایا، بھائی آپ

ضرور تشریف لائیں، البتہ میں شام پانچ بجے دہلی کے لئے روانہ ہورہا ہوں، آپ اس سے قبل تشریف لے آئیں، مولانا نے فرمایا، جی میں کل مدرسہ کے اوقات کے بعد آؤں گا، ان شاء اللہ۔ اگلے روز حضرت مولانا سفیان صاحب تشریف لائے، اور والد گرامی قدر حضرت خطیب الاسلام کا والا نامہ پیش فرمایا، جس میں والد گرامی کو اس بات سے مطلع فرمایا گیا تھا کہ آپ کو دارالعلوم وقف دیوبند کی مؤقر مجلس مشاورت کا رکن منتخب کیا گیا ہے، آپ کے تحریری مثبت جواب کا انتظار ہے تاکہ ماہ ستمبر میں پہلی باقاعدہ مجلس مشاورت کا اجلاس منعقد کیا جاسکے۔ حضرت خطیب الاسلام اس خط میں تحریر فرماتے ہیں:

”گرامی قدر محترم المقام جناب مولانا زکریا صاحب، زید مجدہ، نانوتہ

امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوں گے۔

آنمحترم کی وسعت فکر ونظر سے یہ حقیقت یقیناً پوشیدہ نہیں ہے، کہ دارالعلوم وقف دیوبند اپنی عظمت وشہرت، مقبولیت اور حسن کارکردگی کی بنیاد پر نہ صرف اندرون ملک، بلکہ بین الأقوامی سطح پر ایک منفرد اور ممتاز حیثیت عرفی کا حامل ادارہ ہے۔ بہ تعبیر دیگر دنیا میں جہاں جہاں بھی مسلک صحیح کے مطابق دین مبین کی خدمات انجام دی جارہی ہیں خواہ وہ کسی نوعیت کی ہوں وہ فخر امت حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی قدس سرہ، بانی دارالعلوم دیوبند کے اخلاص نیت، للّٰہیت اور ان کے فکر آفاقی کے زیر اثر عظیم ترین انقلابی وتعلیمی تحریک کا ہی فیض ہے، اس تحریک کے اسباب وعوامل، اھداف ومقاصد اور اس کے تاریخی پس منظر کا بیان آنجناب کے وسیع تر علم وخبر کے پیش نظر محض طول بیان کے ہی مترادف ہوگا، البتہ اس حقیقت کو بالإجمال تعارف کے طور پر اسلاف واکابر رحمہ اللہ کی زریں وتابناک علمی وتاریخ ساز خدمات اور مثل آفتاب روشن ترین اصول دین کے تحفظ کا عنوان اور اس کے تاریخی تسلسل سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔“[1]

حضرت نے اپنے اس مکتوب گرامی میں دارالعلوم وقف کی مسلسل علمی تعلیمی، دعوتی اور اصلاحی جدو جہد اور ادارے کی مسلسل ترقی اور قانونی حیثیت کا بھی ذکر فرمایا، اس کے بعد حضرت رقم طراز ہیں:

”حق تعالی نے آنمحترم کو علمی وفکری رفعت کی بنیاد پر بین الخلائق جس مقام عزت واقبال پر

---

[1] مکتوب گرامی حضرت خطیب الاسلام بنام مولانا محمد زکریا صدیقی نانوتوی۔

سرفراز فرمایا ہے اس کے پیش نظر دارالعلوم وقف دیو بند جیسے باعظمت ادارہ کی بحیثیت ممبر مجلس مشاورت ورکن مجلس عاملہ آنمحترم کی سرپرستی جہاں ایک طرف جملہ وابستگان ومحبان ادارہ کے لئے باعث صد مسرت وافتخار ہوگی، وہیں دوسری جانب (وأمرھم شوری بینھم) کے قرآنی اصول کے تحت روشن تاریخی روایت سلف کا بھی ان شاء اللہ احیاء ثابت ہوگی۔ لہٰذا اسی غرض وغایت کے ساتھ مولانا سفیان قاسمی صاحب نائب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند کے بدست عریضۂ ھذا ارسال خدمت کر رہا ہوں، تاکہ آنمحترم کی تحریری منظوری کے بعد مجلس مشاورت کی ابتدائی میٹنگ کو ستمبر پہلے ہفتے میں منعقد کیے جانے کے خیال کو حتمی شکل دی جاسکے۔ اس سلسلے میں راقم السطور آنجناب کی جانب سے مثبت جواب کا متوقع ومنتظر ہے۔''[1]

والسلام

محمد سالم قاسمی

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

مؤرخہ، ۱۹ شوال المکرّم ۱۴۳۵ھ

مطابق ۱۶ اگست ۲۰۱۴ء

والد محترم مولانا زکریا صدیقی صاحب نے والا نامہ لیکر سر پر رکھ لیا، اور خود والد محترم اور تمام اہل خانہ کی مسرت کی انتہا نہ رہی کہ الحمد للہ دارالعلوم سے خاندان صدیقی کا جو رشتہ اور تعلق دارالعلوم کے یوم تاسیس سے چلا آرہا تھا، اس کی بالفعل تجدید ہوگئی کہ اس سے قبل والد گرامی کے تائے محترم جناب مولانا محمد محمود صاحب نانوتوی مفتی مالوہ بھی تاحیات دارالعلوم دیوبند کی مجلس شوری کے رکن رکین رہے۔

پھر فوراً اس کے بعد والد گرامی نے حضرت کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے والا نامے کا مثبت جواب اور کلمات تشکر اور خوردنوازی کے احسان مندانہ جذبات کے ساتھ ارسال فرمادیا۔ اور بایں طور پر والد گرامی دارالعلوم وقف دیوبند کی مجلس مشاورت کے مستقل رکن بنا دیے گئے، اگرچہ حضرت کے بعد بہت سے ایسے یادگار مواقف ہیں، جن کا تعلق میری ذاتی زندگی سے ہے، اسی طرح بعض دیگر معاملات کے تعلق سے بھی حضرت نے احقر کو بہت سی باتیں بتلائی تھیں، لیکن طوالت کے خوف سے ان کو اس وقت ذکر نہیں کیا جاسکتا۔

---

[1] مکتوب گرامی حضرت خطیب الاسلام

مناصب اور دینی معاہد و مدارس کی سر پرستی

حضرت کی شخصیت کو حق تعالی شانہ نے نہایت ممتاز بنایا تھا کہ ان کی ذات والا صفات کا کسی منصب اور عہدے کو قبول کر لینا اس منصب کی اور اس عہدے کی قدر و قیمت میں اضافہ کرتا تھا، علاوہ ازیں خانوادہ قاسمی کا ہمیشہ ہی سے یہ امتیاز رہا ہے کہ اس خانوادہ کے افراد نے ہمیشہ ہی منصب اور عہدوں سے اوپر اٹھ کر قوم اور امت اسلامیہ کی مسلسل خدمت اور راہ نمائی فرمائی ہے، جس کا سلسلہ بحمد اللہ جاری ہے، طبیعتوں میں شان استغنائی ایسی ہے کہ صحابہ کرام اور خیر القرون کے لوگوں کی یاد تازہ ہوجاتی ہے، اور اسی شان و استغناء کو یہ لوگ اپنے لئے ہر دور میں اپنا سب سے بڑا اثاثہ اور سرمایہ تصور کرتے آئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ منصب اور عہدے ان کے پیچھے پیچھے رہے ہیں، ان حضرات نے دین وملت کی خدمت کرنے کے لئے مناصب اور عہدوں کا سہارا نہیں لیا بلکہ ہر حال میں ان کا اعتماد و ذات وحدہ لاشریک پر رہا کہ جس کا سہارا ہی اصل سہارا ہے، اس کی واضح دلیل دارالعلوم وقف دیوبند کا قیام اور انتہائی قلیل عرصے میں تعلیمی، تعمیری اور ادارہ جاتی ترقی ہے۔ مجھے اس وقت وہ واقعہ یاد آرہا ہے جس کا تذکرہ حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ نے انتہائی عاجزی کے ساتھ احقر سے فرمایا، حضرت فرماتے ہیں: کہ مرکز میں کانگریس کی حکومت تھی، کانگریس کی صدر سونیا گاندھی کی طرف سے یہ پیش کش ہوئی کہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ کو اعزازی طور پر .M.P ممبر پارلیمینٹ بنادیا جائے، آپ ہماری اس پیش کش کو قبول فرما کر ہم سب کو مشکور فرمائیں۔ یہ مضمون اور یہ پیش کش پارٹی کی صدر سونیا گاندھی کی طرف سے دی گئی۔

حضرت نے فوراً جوابی عریضہ لکھا کہ آپ کی یاد فرمائی کا شکریہ، البتہ مجھے اس منصب اور عہدہ کی کوئی حاجت نہیں، ویسے بھی ہم اپنے خاندانی روایات کے اعتبار سے اس کے متحمل نہیں ہیں۔

بہر حال حضرت نے صاف منع فرما دیا، اوپر مسلم پرسنل لاء بورڈ کی صدارت کا جب معاملہ سامنے آیا، پہلے اپنے شاگرد رشید قاضی مجاہد الاسلام صاحب کے حق میں دستبردار ہو گئے، پھر ان کے انتقال کے بعد حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے حق میں اپنا ووٹ دے کر صحابہ

کرام والی مثال قائم کی کہ جن کی اللہ تعالیٰ نے انتہائی پر تاثیر لہجے میں تعریف فرمائی، ارشاد فرمایا ﴿ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصة﴾ (سورة الحشر) جو ذمہ داری منصب کے بعد انسان پر عائد ہوتی ہے حضرت بغیر منصب پر فائز ہوئے اس کو بحسن وخوبی نبھاتے اور اس کی سرپرستی بھی فرماتے۔ حضرت کے سامنے اپنے اسلاف کا کردار ہے کہ سیدنا حضرت خالد بن الولید کو جب حضرت عمر نے عہدے اور کمانڈری سے معزول کردیا تو کمانڈر سے سپاہی بن گئے مگر جب دشمنوں سے لڑے تو پہلے سے زیادہ جانبازی کے ساتھ لڑے، کسی نے پوچھا کہ آپ کمانڈر سے معزول ہوئے اور سپاہی بنادئے گئے آپ کی طبیعت پر کچھ تأثر نہیں ہوا تو فرمایا تأثر کیسا؟ میں پہلے بھی اللہ کے لئے لڑ رہا تھا اور اب بھی اللہ ہی کے لئے لڑ رہا ہوں۔ یہ کردار ہے حضرت خطیب الاسلام کے سامنے کہ کام عہدوں اور مناصب کے لئے نہیں اللہ کے لئے کرو۔

خاندانی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ بھی رہی کہ عہدوں اور مناصب کو کبھی خاطر میں نہیں لائے، راقم نے ایک جگہ لکھا ہے:

''اس خاندان یعنی شیخ میراں بڑے کی اولاد میں نانوتہ اور اطراف نانوتہ کی قضات اور دیگر عہدے رہے، مگر مغلوں کے زوال کے وقت جب چاروں طرف سے شیعیت کو فروغ ہو رہا تھا، اس وقت خاندان صدیقی پر عہدہ قضا اس شرط پر پیش کیا گیا کہ تم کو شیعہ ہونا پڑیگا، مگر خاندان کی اس شاخ نے جس میں عہدہ قضاء تھا شیعہ ہونے سے انکار کردیا اور عہدۂ قضا سے سبکدوش ہو کر اس منصب جلیل سے علیحدہ ہوگئے''۔[1]

بہر حال جہاں آپ مناصب سے دور رہنے ہی کو گوشۂ عافیت سمجھتے وہیں کچھ ذمہ داریاں اور ضروریات بھی تھیں جن کو سامنے رکھنا بھی وقت کی اہم ضرورت تھی، چنانچہ اس ضرورت کو سامنے رکھ کر اورارباب مدارس ومعاہد کی باصرار درخواست پر آپ نے چند معاہد کی سرپرستی بھی فرمائی، اور ملت کی مؤثر قیادت کے لئے ملک میں موجود ملی و اسلامی غیر حکومتی تنظیموں اور مجالس کے صدر اور سرپرست بھی رہے۔ حضرت خطیب الاسلام کی سرپرستی فرمالینا ہی ان اداروں کے لئے باعث خیر و برکت ہے، ان میں سے چند کا تذکرہ درج ذیل ہے۔

(۱) مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند ۱۹۸۳ء تا ۲۰۱۴ء

[1] خاندان صدیقی نانوتہ۔ از راقم الحروف ص ۲۲-۲۳۔

(۲) صدر مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند ۲۰۱۴ء تا حین حیات ۱۴/اپریل ۲۰۱۸ء مطابق ۲۶ رجب المرجب ۱۴۳۹ھ

(۳) مسلم پرسنل لاء بورڈ کی باوقار رکنیت۔

(۴) سینئیر نائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ۔

(۵) سابق صدر و موجودہ سرپرست آل انڈیا مجلس مشاورت

(۶) سرپرست مجلس شوریٰ مظاہر علوم وقف سہارنپور

(۷) رکن مجلس انتظامیہ وشوریٰ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

(۸) سابق رکن علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ

(۹) سرپرست ششماہی عربی مجلّہ محکمہ ''وحدۃ الأمۃ''

(۱۰) سرپرست اردو ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم وقف دیوبند

(۱۱) سرپرست سہ ماہی انگریزی مجلّہ ''وائس آف دارالعلوم وقف''

ملک و بیرون ملک کے مختلف دینی وملی اداروں اور مدارس اسلامیہ کی بھی حضرت نے سرپرستی فرمائی اور بہت سارے مدارس اپنے والد کے طرز پر قائم فرمائے۔جن میں چند کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) مدرسہ نورالاسلام شاہ پیر گیٹ میرٹھ قائم کردہ حکیم محمد اسلام صاحب، حضرت خلیفہ حکیم الاسلام نور اللہ مرقدہٗ

(۲) جامعۃ الامام محمد قاسم النانوتوی، نانوتہ۔قائم کردہ حضرت مولانا زکریا صاحب نانوتوی

(۳) سرپرست فقہ اکیڈمی

(۴) جامعہ عثمانیہ دارالعلوم ہلدوانی قائم کردہ مفتی ذوالفقار صاحب

(۵) جامعۃ الابرار امدادیہ اشرفیہ مدن پور EXT اوکھلائی دہلی

(۶) جامعہ اسلامیہ حسینیہ اغوان پور میرٹھ (یوپی)

(۷) جامعہ اسلامیہ سراج العلوم ہلال سرائے سنبھل قائم کردہ مولانا محمد میاں صاحب سنبھلی

(۸) مدرسہ کاشف العلوم سرائے خام بریلی، مفتی محمد میاں صاحب بریلوی

(۹) مدرسہ ضیاء القراان سیال نگلہ میرٹھ، مولانا حامد صاحب

(۱۰) دارالعلوم قاسمیہ اسراہا در بھنگہ بہار، مولانا محمد اشرف علی قاسمی

(۱۱) معہد طیب مقام پوسٹ نور چک ضلع مدھوبنی بہار، قاری حکیم الدین قاسمی

ان کے علاوہ بہت سے دینی وملی اداروں کی سرپرستی فرمائی جن کا احاطہ کرنا اس وقت مقصود نہیں۔

یہ ایک مختصر فہرست آپ کے سامنے پیش کردی گئی ہے، بے شمار دینی وملی ادارے ومعاھد اور تنظیمیں ایسی ہیں کہ جن کی آپ نے مستقل سرپرستی اس طرح فرمائی کہ جب بھی کوئی ذمہ دار آپ کی خدمت میں اپنے ادارہ یا کسی علاقے کے جلسے وغیرہ کے لئے وقت لینے آتا تو کبھی ان کو انکار نہیں فرماتے بلکہ سب سے پہلے پروگرام کی ڈائری اٹھاتے اور پروگرام کی تاریخیں دیکھتے، اگر ان تاریخوں میں پہلے سے پروگرام ہوتا تو پھر فرماتے کہ اس تاریخ میں تو ممکن نہیں کوئی اور تاریخ متعین کرلیں اوراس کے بعد جو تاریخیں خالی ہوتیں ان کو بتا دیتے تو اکثر وبیشتر جو حضرات پروگرام لینے کے لئے آتے ان کو مایوس نہ بھیجتے،ایک مرتبہ ایک صاحب حضرت کا پروگرام لینے کے لئے آئے، جس تاریخ میں درخواست کی تھی اس تاریخ میں کسی اور جگہ پروگرام تھا تو حضرت نے منع نہیں فرمایا، بلکہ اپنی خالی تاریخیں بتادیں، پھران صاحب نے حضرت کی تاریخوں کے اعتبار سے پروگرام طے کر لیا۔ جب وہ صاحب چلے گئے تو حضرت نے مجھ سے فرمایا کہ جو شخص بھی پروگرام لینے کے لئے آئے، کوشش یہ ہونی چاہئے کہ وہ مایوس نہ جائے، کیونکہ وہ آپ کے پاس بڑی امیدوں سے پیسہ خرچ کر کے اپنا وقت نکال کر باقاعدہ آیا ہے۔سبحان اللہ کیا بات فرمائی۔

اعزازات اور ایوارڈس

عام طور پر ایسا ہوتا ہے کہ جو شخصیات للہ و فی اللہ اسلام کی خدمت کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ مخلوق کے دلوں میں ان کی احسان شناسی کا جذبہ پیدا فرما دیتے ہیں، اس احسان شناسی کے جذبات کے اظہار کے لئے اور ان کی بے لوث خدمات کے اعتراف میں حکومتیں اور مؤقر مجالس و تنظمیں ان کو علمی ایوارڈ اور انعامات و اعزازات سے نوازتی ہیں۔ چونکہ حضرت خطیب الاسلام زندگی بھر میدان دعوت، میدان تعلیم اور اصلاح و تربیت انسانیت کے میدانوں میں خالصۃ لوجہ اللہ مسلسل جدو جہد فرماتے رہے، آپ کی انہی خدمات کے اعتراف میں آپ کو ملکی و غیر ملکی سطح پر اعزازات و اکرامات سے نوازا گیا۔ جن میں چند اہم کا تذکرہ برمحل ہے۔

۱) مصر میں ''نوط الامتیاز'' نامی ایوارڈ سے سرفراز

مصر کی وزارت اوقاف کئی سالوں تک حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ کو اپنی سالانہ کانفرنسوں میں مدعو کرتی رہی، حضرت کے خادم خاص حضرت مولانا شاہد صاحب ۱۹۹۷ء میں حضرت کے ساتھ تھے، اسی سال حکومت نے آپ کی عالمگیر و ہمہ گیر علمی، دعوتی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اپنے یہاں کے مؤقر ایوارڈ 'نوط الامتیاز' سے ایک باوقار تقریب میں سرفراز کیا۔ جس کی وجہ سے ہندوستان کے علمی حلقوں، خاص کر دیوبندی حلقوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور بہت سارے اخبارات نے اس خبر کو بڑے اہتمام سے شائع کیا۔

۲) شاہ ولی اللہ ایوارڈ

شاہ ولی اللہ اکیڈمی، دہلی کی طرف سے حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ کو 'شاہ ولی اللہ ایوارڈ'' سے سرفراز کیا گیا، دینی و علمی حلقوں میں اس فیصلے کا پرزور خیر مقدم کیا گیا۔

(۳) جائزہ الامام محمد قاسم النانوتوی

۲۰۱۴ء میں حضرت کو عالمی ایوارڈ ''جائزۃ الامام محمد قاسم النانوتوی'' سے نوازا گیا اس ایوارڈ کے اصل محرک حلب کے بہت بڑے محدث مقیم حال مدینہ منورہ شیخ محمد محمد العوامۃ تھے، جنہوں نے یہ فیصلہ کیا کہ دنیا کے چند بڑے عالم اور محدثین کا انتخاب کر کے ان کو ہر سال ایک عالمی ایوارڈ دیا جائے، اس عالمی ایوارڈ کا نام انہوں نے ''جائزۃ الامام محمد قاسم النانوتوی'' رکھا۔ ان ہی عالمی شخصیات میں سے ۲۰۱۴ء میں حضرت خطیب الاسلام کے نام کا انتخاب کیا گیا اور حضرت کو اس ایوارڈ سے نوازا گیا، اس عالمی ایوارڈ کی کمیٹی میں ایک اہم نام شیخ محمد محمد العوامۃ حفظہ اللہ کے صاحبزادے ڈاکٹر شیخ محی الدین العوامۃ کا بھی ہے، حضرت کو جائزۃ الامام محمد قاسم النانوتوی ایوارڈ سے ایک ایسی نورانی تقریب میں سرفراز کیا گیا جس میں تقریباً بقول خطیب الاسلام ''۹۰ ممالک کے کے نمائندہ علماء حضرات نے شرکت فرمائی'' حضرت خطیب الاسلام نے راقم کو بتایا کہ پروگرام ختم ہو جانے کے بعد وہاں پر سبھی حضرات نے مجھ سے درخواست کی کہ ہم سب کو آپ اجازت حدیث مرحمت فرمائیں، پھر حضرت نے سبھی حضرات کو عمومی طور پر اجازت حدیث دی۔ راقم اگر چہ اس محفل میں تو شرکت نہیں کر سکا تھا مگر جب میں چند دن کے بعد حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے وہ ایوارڈ بھی دکھایا اور تحریری شہادت بھی دکھائی۔ حضرت کو یہ عالمی ایوارڈ ملنے پر ملک کے تمام ہی علمی حلقوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی، اور ملک کے مختلف اردو روز ناموں نے اس خبر کو بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیا، روز نامہ انقلاب میں یہ خبر شائع ہوئی۔ چنانچہ سعید ہاشمی صاحب اس ایوارڈ کی خبر کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''عالمی شہرت یافتہ دینی درسگاہ دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم وجید عالم دین مولانا سالم قاسمی کی دینی، علمی وملی خدمات کے اعتراف میں آج جنوبی افریقہ کے مشہور شہر جوہانسبرگ کے مشہور دینی ادارے دارالعلوم آزادویل میں **مؤتمر عالمی لخدمة الانسانية** ''کے زیر انتظام اسی نمائندگی پر مشتمل کانفرنس میں ''امام نانوتوی عالمی ایوارڈ'' ملنے کی خبر ملتے ہی ارباب مدارس اور علمی دانشگاہوں سمیت علمی ودینی حلقوں میں فرحت ومسرت کی لہر دوڑ گئی۔
>
> کانفرنس کی صدارت شیخ محمد عوامہ شامی اور نظامت ڈاکٹر محي الدین عوامہ نے کی، اس تقریب

میں مفتی محمد رفیع پاکستان، مفتی ابوالقاسم نعمانی، شیخ عبدالرحمٰن حبیب مغربی، شیخ عمر مسعود التیجانی، ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی لکھنؤ،[۱] مولانا سید ارشد مدنی[۲] سمیت بہت سارے ممالک کی علمی و مذہبی شخصیات نے شرکت کی، قابل ذکر امر یہ ہے کہ اس سے قبل یہ ایوارڈ عالم اسلام کے نامور عالم دین ترکی کے رہنے والے شیخ محمود آفندی کو ان کی سو سالہ علمی خدمات کی بنیاد پر ۲۰۱۱ء میں ترکی کے شہر استنبول میں پیش کیا گیا تھا، یہ اتفاق ہی ہے کہ اس نوعیت کا ایوارڈ پہلے بار ہی کسی ہندوستانی عالم دین بالخصوص خانوادہ قاسمی کے ممتاز عالم دین کو دیا گیا۔

تمہیدی خطاب میں ملیشیا کے سابق وزیر اعظم عبداللہ البدوی نے مولانا سالم قاسمی کی ملی وسماجی اور علمی خدمات پر روشنی ڈالی، محدث عصر شیخ محمد عوامہ،[۳] صدر شعبہ تخصص فی الحدیث، جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ نے از ہر ہند دارالعلوم دیوبند کی ڈیڑھ صدی پر محیط علمی ودعوتی خدمات پر روشنی ڈالی، اور اس کو امام نانوتوی کے اخلاص کا نتیجہ قرار دیا، نیز کہا کہ مولانا سالم قاسمی کی ادارہ کے تئیں خدمات نا قابل فراموش ہیں، انہوں نے کہا کہ حجۃ الاسلام الامام النانوتوی کی علمی و دعوتی تحریک بشکل دارالعلوم دیوبند مستند حیثیت رکھتی ہے، جس سے پورا عالم مستفید ہو رہا ہے،

---

[۱] حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی برصغیر کی انتہائی مؤقر شخصیت ہیں، اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم ہیں، دارالعلوم وقف کی مجلس مشاورت کے نہایت مؤقر رکن ہیں۔ عربی اور اردو دونوں زبانوں کے ماہر اور بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں، ندوۃ العلماء سے نکلنے والے عربی ماہنامہ ''البعث الإسلامی'' کے ایڈیٹر ہیں، اور تقریباً ۴۰ سال سے زائد پابندی کے ساتھ اس کو نکال رہے ہیں۔ وقت کی پابندی آپ کی انتہائی اہم خصوصیت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر تا دیر قائم فرمائے۔

[۲] حضرت مولانا سید ارشد مدنی حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ کے صاحبزادے ہیں، رابطہ عالم اسلامی کے مستقل رکن ہیں اور جمعیۃ علماء ہند کے نہایت مؤقر صدر ہیں۔ ملک گیر پیمانے پر دینی، ملی وسماجی کارہائے نمایاں انجام دے رہے ہیں۔ ایک عرصۂ دراز سے دارالعلوم دیوبند میں ترمذی جلد ثانی پڑھاتے ہیں، اس وقت عالم اسلام کی نہایت مؤقر شخصیت ہیں۔ حضرت والا راقم کے استاذ ہیں کہ راقم نے حضرت دامت برکاتہم سے ترمذی شریف جلد ثانی پڑھی ہے۔

[۳] ڈاکٹر محی الدین محمد عوامہ، حلب کے رہنے والے مشہور محدث جناب شیخ محمد محمد عوامہ کے صاحبزادے ہیں، انہوں نے ہی ''جائزۃ الإمام محمد قاسم النانوتوی'' کا سلسلہ شروع کیا۔

ان کی ولادت مدینہ منورہ کی ہے، انہوں نے علم حدیث میں پی ایچ ڈی کی ہے، اور علم حدیث کے مختلف مجموعوں پر اپنے والد کی نگرانی میں کام کر رہے ہیں۔

مفتی اعظم پاکستان مولانا محمد رفیع عثمانی[۱] نے کہا کہ امام قاسم ایوارڈ کے لئے یہ انتخاب انتہائی موزوں ہے، میں اس کا خیر مقدم کرتا ہوں، انہوں نے کہا کہ صحیح معنوں میں مولانا سالم صاحب کی ذات اس نوعیت کے ایوارڈوں سے بلند تر ہے، ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی نے کہا کہ یہ ایوارڈ کا سلسلہ فکر قاسمی کی ترویج واشاعت میں اہم کردار ادا کرے گا۔ کیونکہ مولانا سالم قاسمی کا علمائے دیوبند میں منفرد مقام ہے، وہ خاندان قاسمی کا چشم و چراغ ہیں، کانفرنس کی آخری نشست میں دارالعلوم وقف دیوبند میں قائم علمی وتحقیقی شعبہ حجۃ الاسلام اکیڈمی کے عربی ششماہی مجلہ محکمہ ''وحدۃ الأمۃ'' کی اس پروقار تقریب میں رونمائی عمل میں آئی، مجلس کی ادارت میں ۱۶ ماہرین قلمکاروں کو شامل کیا گیا ہے، مجلس کی ادارت اکیڈمی کے فاضل ڈائریکٹر جناب مولانا شکیب قاسمی فرما رہے ہیں، جس کی علمی کاوشوں کو شرکائے کانفرنس نے قابل تحسین اور مساعی جمیلہ کو لائق ستائش قرار دیا۔''[۲]

یہ چند ایوارڈس تھے جن کا مختصر تذکرہ کر دیا گیا ہے، ورنہ حضرت خطیب الاسلام کے لئے اصل ایوارڈس تو وہ بے شمار مدارس دینیہ ہیں جو دین کی مسلسل آبیاری کر رہے ہیں، اسی طرح وہ ہزاروں لاکھوں شاگردان ہیں جو دارالعلوم دیوبند سے اور پھر دارالعلوم وقف دیوبند سے وارثت نبوت لے کر اٹھے، اور پھر سارے جہاں پر اپنی اپنی استطاعت کے مطابق نور نبوت کی کرنیں بکھیر رہے ہیں۔

---

[۱] مفتی رفیع صاحب حضرت مولانا محمد شفیع صاحب کے صاحبزادے ہیں، اور شیخ الاسلام حضرت مولانا محمد تقی عثمانی کے بڑے بھائی ہیں، اور نہایت جید عالم ہیں، ایک لمبے زمانے سے دارالعلوم کورنگی پاکستان میں حدیث کے استاذ ہیں، اور کئی کتابوں کے مصنف ہیں، نہایت متواضع اور سادہ طبیعت کے انسان ہیں، اور اکابر دیوبند کے طرز پر زندگی گزارتے ہیں۔ پاکستان میں بہت سے مدارس اسلامیہ کے سرپرست بھی ہیں۔

[۲] روزنامہ انقلاب ماہ نومبر ۲۰۱۴ء

سپاس نامے

حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ کو جہاں مختلف اعزازت سے نوازا گیا، وہیں ان کی علمی و دعوتی ہمہ گیر خدمات کے اعتراف میں ہندوستان کے مختلف شہروں میں اور دارالعلوم وقف دیوبند میں قائم اصلاحی و دعوتی انجمنوں نے بہت سارے سپاس نامے بھی پیش کئے ہیں، جن میں کچھ منظوم بھی ہیں اور کچھ منثور ہیں۔ درج ذیل چند سپاس نامے شامل کتاب کیے جارہے ہیں جو حضرت خطیب الاسلام کو مختلف جگہوں پر مختلف اوقات میں لوگوں نے اور طلبہ نے پیش کئے ہیں۔

نذرانۂ عقیدت

بخدمت اقدس حضرت مولانا محمد سالم صاحب مدظلہٗ العالی مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

السلام اے حضرت طیب کے فرزند جلیل
شارح اسرار ایمان و یقیں مرد بطیل
داعیٔ رشد و ہدایت اے مجسم نیک خو
تیری ہستی علم و دانش کے چمن کی آبرو
اے امام آگہی اے عالم روشن صفات
دیں کی تبلیغ و اشاعت تیرا ہر درس حیات
ترے نطق دل نشیں سے عالم ذی افتخار
علم قاسمؔ ، فہم احمدؔ ، طیب آشکار
تیرے نوک کلک گوہر بار سے اے ذی وقار
پھوٹتی ہے حکمت و دانش کی شیریں آبشار
تیری سنجیدہ خطابت کا جو ایک انداز ہے
اس پہ ہر شیریں بیانی کو سراپا ناز ہے

جلوہ فرما ہے جہاں تو اے بہار انجمن
ہے ریاضؔ احمد کی دلکش آرزوں کا چمن
فیض اقدس سے انہیں کی یہ چمن آباد ہے
ہر کلی شاداب ہے ہر لالہ و گل شاد ہے
چھیڑا اس انداز سے ایسی نوارنگیں نوا
ہر آبِ گل برگ سے پھوٹے شمیم جاں فزاں
ہے یہ وارث کی دعا اے نازش ہندوستاں
ہر طرح سالم تجھے رکھے خدائے مہرباں

سپاس نامہ

آمد بر مکان محمد شاہد قاسمی (خادم خاص حضرت خطیب الاسلام) مقام بھگورا ضلع مدھوبنی (بہار)

حضرت مولانا شاہد صاحب حضرت کے خادم خاص ہیں، حضرت ان کے مکان پر گئے تو ان کی طرف سے یہ منظوم سپاس نامہ پیش کیا گیا۔

وہ کون ہیں کہ فاضل دوراں کہیں جسے
افضل ہر اک مہماں سے مہماں کہیں جسے
ہے فخر جس کی ذات پر دارالعلوم کو
طیب کے پاک قلب کا ارماں کہیں جسے
روشن ہے جس کے نور سے بیرون ملک بھی
ہندوستان کا مہر درخشاں کہیں جسے
گلزار علم و فن کے گلابوں میں ایک گلاب
رنگِ نشاط بوئے گلستاں کہیں جسے
اس دور پر فتن میں بھی روشن ہے یہ چراغ
طوفاں کے زد پہ شمع فروزاں کہیں جسے
ہستی ہے جس کی شہرۂ آفاق کون میں
وہ کون ہیں کہ رشکِ بہاراں کہیں جسے
ملت بھی ناز کرتی ہے جسکی حیات پر
بیمار قوم کیلئے درماں کہیں جسے
کیوں نہ شاہدؔ کو ہو شادمانی
جس کی محنت درخشاں کہیں جسے
ناصر جو سپاس نامہ لکھا آپ نے
سالم کے فیض ہی کا یہ ساماں کہیں جسے

بخدمت حضرت مولانا محمد سالم صاحب استاد دارالعلوم دیوبند

ازاحقر الزماں محمد محفوظ الرحمٰن

مرحبا اے ملت اسلام کے روح رواں
حضرت سالمؔ حقیقت اور صداقت کے نشاں
ناز فرما آپ پر ہے مادرِ ہندوستاں
اے محبّ قوم ناموس وطن کے پاسباں
خاندانِ قاسمؔی کے آپ ہیں چشم و چراغ
گلستانِ حضرتِ نانوتوی کے باغباں
مرحبا اے شیخ تفسیر و حدیث دیوبند
راز ہائے علم باطن کے حقیقی رازداں
نیک صورت نیک سیرت عالم دین مبیں
پیکرِ خلق کریمانہ خطیب خوش بیاں
اے نبی کی سیرت پاکیزہ کے راز آشنا
اے سحاب فیض بار و آفتاب ضو فشاں
مرحبا اے ابن طیبؔ آپ کی تشریف سے
فرش رہ ہیں دیدہ و دل اے معزز مہماں
کیا بتائیں آپ کو اس مدرسہ میں پائے ہم
کسقدر نازاں ہیں خود پر کسقدر ہیں شادماں
مدرسہ رحمانیہ گرچہ ابھی کم عمر ہے
پر یہاں ہے روز شب فیض کا دریا رواں
کر رہا ہے رات دن یہ خدمت دین مبیں
ہو رہے ہیں سیر حضرت علم کے پیا سے یہاں
چل رہا ہے شان سے ابتک بفضل ایزدی

حادثاتِ وقت سے ہے گرچہ بے تاب و تواں
آپ کا تشریف لانا کاش فالِ نیک ہو
دور ہو جائیں ہماری مشکلات درمیاں
اور گھٹا رحمت کی چھائیں بارش انعام ہو
لوٹ آئے اس دبستاں میں بہار بے خزاں
کاش پھر تشریف لائیں پھر کرم فرمائیں آپ
پھر اسی انداز سے ہوں آپ نغمہ خواں

گلہائے عقیدت

نتیجہ فکر:۔ محمد کبیر الدین قاسمی چمپارنی (مورخہ ۸ جنوری ۱۹۹۲ء)

یہ سپاس نامہ مولانا کبیر الدین قاسمی صاحب نے لکھا، اوراس کو مدرسہ عربیہ سراج العلوم بالکنڈی بلگام کرناٹک کی طرف سے پیش کیا گیا۔

بخدمت اسلام جانشین حکیم الاسلام استاذ نا حضرت مولانا محمد سالم صاحب وقف دار العلوم دیو بند
وبخدمت اقدس خطیب بے نظیر وارث علوم علامہ انور شاہؒ استاذ حضرت مولانا محمد انظر شاہ صاحب
کشمیری شیخ الحدیث دار العلوم دیو بند

بہار آئی چمن میں بلبل خوشتر کی آمد پر
منور ہے فضا مہرومہ اختر کی آمد پر
کریں شمس و قمر بھی رشک تو اس پہ تعجب کیا
فقیروں بے کسوں کے درمیاں بر تر کی آمد پر
ہزاروں علم والے جوتیاں سیدھی کریں جن کی
چمک اٹھا مقدر سرور و رہبر کی آمد پر
عقیدت کا تقاضا ہے کریں جھک کر قدم بوسی
شہ عالی صفات و علم کے پیکر کی آمد پر
ذرا تشنہ لبو ٹھیرو یقیناً ہوگی سیرابی
مکرم نائبین ساقی کوثر کی آمد پر
زباں شیریں بیاں دلکش ادا ہر ایک ملکوتی
گل گلزار طیب سالم اشہر کی آمد پر
امیر درس تفیر و حدیث و ماہر قرآں
امین ثروت انور شہ انظر کی آمد پر
دعا ہے رب اکبر سے رہے حاصل اکابر کا
یوں ہی سایہ ہمیشہ خاص کر محشر کی آمد پر

پیش کنندگان:۔ خدام مدرسہ عربیہ سراج العلوم بالیکندری (بزرگ) بلگام (کرناٹک)

نذرانۂ عقیدت

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

کاوش قلم: وارث ریاضی، مدرس دارالعلوم بستی

السلام اے حضرت طیبؒ کے فرزند جلیل
پیکر صدق وصفا، مہروفا، مرد نبیل
السلام اے مردِ حق آگاہ، فخر روزگار
تجھ سے قائم آج ہے گلزارِ قاسمؒ کی بہار
آئینہ دارِ شریعت تیرا کردار جمیل
تیری ہستی عظمت اسلام کی روشن دلیل
تیری آمد باعثِ صد رشکِ شیراز کہن
تیرے دم سے نازشِ بغداد ہے یہ انجمن
فخر کرتے ہیں تری تشریف ارزانی پہ ہم
شاد ہیں لطف و محبت کی فراوانی پہ ہم
تو جہاں تشریف فرما ہے بلاشبہ ذی احترام
یہ چمن دیوراج سے منسوب ہے بَیْنَ الاَنام
لوگ کہتے ہیں کبھی رہتے تھے دوراجہ یہاں
ہوگیا ''دوراج'' سے ''دوراج'' پھر یہ گلستاں
یہ چمن جہاں اے رونق صد انجمن
ایک بھائی کی طرح رہتے ہیں شیخ و برہمن
اس چمن میں ایک بد نامی سے وابستہ ہیں ہم
تو بھی سُن لے یہ ہماری داستانِ پُر اَلَم
روز افزوں ہے ترقی پر تلک لینے کا روگ
بیچتے ہیں بر سرِ بازار فرزندوں کو لوگ

باپ ہے مجبور و بے کس ہوگئی لڑکی جواں
کس طرح شادی کرے نوشہ کی قیمت ہے گراں
گھر کا ہر سورا جو پنساری سے لیتا ہے اُدھار
اس کے لڑکے کی ہے قیمت نقد زر ستر۷۰ ہزار
رورہی ہے اپنی بد بختی پہ ہر صنفِ بتولؓ
الفتِ سلمیٰؓ کی باتیں لوگ کرتے ہیں فضول
عصمتِ سیتا چلی جائے نہیں کچھ اس کا سوگ
دے رہے ہیں دعوتِ عصمت دری راون کو لوگ
آ رہا ہے لڑکیوں کے دفن کرنے کا رواج
پھر وہ تاریخِ عرب دہرا رہا ہے دیوراج
مبتلا اس رسم میں عالم بھی ہیں جاہل بھی ہیں
حاجی بیت الحرم بھی، عارف کامل بھی ہیں
رہنمائے قوم بھی ظلم و ستم ڈھاتے ہیں آج
راہبر کے بھیس میں رہزن نظر آئے ہیں آج
کیا ترقی کر سکے گی تا قیامت وہ سماج
جس میں بیسوں سال سے ہو روز افزوں یہ رواج
خیر اس انداز سے ایسی نواہ رنگیں نوا
اس چمن میں پھر سے آجائے بہارِ جانفزا
ہے یہی وارث ریاضی کی دعا اے مہرباں
تجھ کو سالم ہر گھڑی رکھے خدائے دوجہاں

منجانب: اراکین مجلس استقبالیہ کانفرس

سپاس نامہ

بخدمت اقدس بن حضرت مولانا محمد سالم صاحب القاسمی دامت برکاتہم

استاذ حدیث جامعہ اسلامیہ دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور

منجانب: ذمہ داران مدرسہ رشیدیہ حسینیہ، دمیا، صفی پور، پورنیہ

الحمد اللّٰہ و کفٰی وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی. امابعد

مہمانِ مکرم! مدرسہ رشیدیہ حسینہ دمیا، صفی پور ضلع پورنیہ (بہار) کے اساتذہ طلبہ اور کارکنان کیلئے یہ ساعت مسعود بے انتہا مسرت بخش ہے کہ سالہا سال کی آرزو اور تمنا کے بعد خانوادہ قاسمی کے چشم و چراغ نے ہم جیسے محبت کرنے والوں کی دعوت قبول فرمائی اور ہزاروں میل کا سفر اور اسکی زحمتیں برداشت کر کے یہاں تشریف لائے اس موقع سے ہم ارباب مدرس اور اساتذہ وطلبہ جس قدر بھی خوشی کا اظہار کریں کم ہے، انشاء اللہ یہ ذرّہ نوازی کبھی فراموش نہ ہوسکے گی۔

استاذ محترم! یہ ایک حقیقت ہے کہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ نانوتوی قُدس سرہ بانی دارالعلوم دیوبند نے ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد دارالعلوم دیوبند کی داغ بیل ڈال کر برصغیر کے گرتے ہوئے مسلمانوں کو تھام لیا اور کتاب وسنت کی تعلیم وترویج کا سامان فراہم کیا اگر دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں نہیں آیا ہوتا تو بلا شبہ برصغیر میں قال اللہ اور قال الرسول کا جو غلغلہ ہے دیکھنے میں نہیں آتا اور برصغیر کے مسلمان مذہبی تعلیمات میں بہت پس ماندہ ہوتے یہاں کا کوئی مسلمان نہ حضرت نانوتویؒ کے اس احسان عظیم کو فراموش کرسکتا ہے اور نہ اس سے سبکدوش ہوسکتا ہے۔

عالم ربانی! یہ مدرسہ جہاں حضرت تشریف فرما ہیں اور دیگر مدارس دینیہ دراصل دارالعلوم دیوبند کے ہی فیوض وبرکات کے نتائج ہیں کہ وہ برصغیر میں اسلامی عقائد واعمال اور دینی احکام ومسائل کی اشاعت اور ساتھ ہی انکے بقاء وتحفظ کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، مدرسہ رشیدیہ حسینہ گو اس علاقہ کا ایک بہت چھوٹا مدرسہ ہو مگر اس کے قیام کے بعد علاقہ کے مذہبی حالات بحمد اللہ ترقی پذیر ہیں اور اطراف کے مسلمانوں کا دین قیم سے شغف اور تعلق بڑھتا جارہا ہو یہاں کے مسلمان بچوں اور

نوجوانوں میں اسلامی اسپرٹ جو دیکھنے میں آرہی ہیں میں مدرسہ موصوفہ کی جدّ و جہد کا بڑا حصہ ہے جس طرح یہاں بیٹھ کر اساتذہ درس وتدریس کے فرائض انجام دیتے ہیں اس طرح خواص و عام کی دعوت پر مختلف آبادیوں میں جا کر رب العالمین کا پیغام لوگوں تک پہنچاتے ہیں اورانہیں راہ راست پر مضبوطی سے قائم رہنے کی تلقین کرتے ہیں، دعاء فرمائیں اللہ تعالیٰ ہماری خدمات قبول فرمائیں اور مدرسہ اپنے مقاصد میں زیادہ سے زیادہ کامیابی سے ہمکنار ہو۔ استاذ دارالعلوم دیوبند! ہمیں شدت سے احساس ہو کہ حضرت والا کے شایان شان ایسا انتظام نہ کر سکے جس سے حضرت والا راحت و عافیت محسوس کرتے امید کہ ہماری اس کوتاہی سے صرف نظر فرمائینگے اور ہمارے مدرسہ کیلئے دعاء کرینگے کہ وہ ترقی کی منزلیں جلد طے کرلے اوراس سے مسلمانوں کی بیش ازبیش خدمات انجام پذیر ہوں۔ اخیر میں پھرایک دفعہ ہم حضرت والا کے شکرگذار ہیں کہ آپ نے ہماری حقیر دعوت قبول فرمائی اور یہاں قدم فرما کر ہماری حوصلہ افزائی کا سامان فراہم کیا، اللہ تعالیٰ آپکی عمر صحت وسلامتی کے ساتھ دراز فرمائیں اورہمیں آپکی ذات سے بار بار مستفید ہونے کا موقع میسر فرمائے۔ آمین

سپاس نامہ

بعالی خدمت حکیم المسلمین حضرت مولانا محمد سالم صاحب مدظلہ

استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند

مخدومنا المحترم! ہم جمیع اراکین انجمن امدادیہ جناب کی خدمت بابرکت میں تہ دل سے ہدیہ تشکر پیش کرتے ہیں، کہ باوجود قلت وقت اور کثرتِ مشاغل کے جناب والا نے ہماری دعوت پر نہایت خندہ پیشانی سے لبیک کہتے ہوئے مسند صدارت کو زینت بخشی اور ہم خدام انجمن کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ آنمحترم کی اس کرم ونوازش پر جس قدر بھی شکریہ ادا کریں اور جتنا بھی اظہار مسرت کریں کم ہے کیونکہ آج ہم ایک ایسی ہستی کو اپنے درمیان پارہے ہیں کہ جن کا نور علم رشد وہدایت بن کر نہ صرف سرزمین ہند کو منوّر کررہا ہے بلکہ ساری دنیا میں ضوافشانی کرتے ہوئے تشنگان رشد و ہدایت کو سیراب کررہا ہے۔ حضرت والا! ہم خدام انجمن امدادیہ جناب والا کی اس کرم فرمائی اور ذرّہ نوازی پر عقیدت کے پھول پیش کرتے ہیں اور مکرر ہدیہ تشکر نذر کرتے ہیں۔

لائق صد احترام! حضور والا کا دورۂ آسام کی طرف ہے ہم حضرت والا سے یہ درخواست کرنے کی جسارت کرینگے کہ آنجناب اپنے مشاہدات کی روشنی میں ہمارے نقائص کی نشاندہی فرما کر مفید مشوروں سے نوازیں تاکہ ہم اپنے وطن جاکر اسلاف کا صحیح نمونہ بن سکیں۔

حضرت والا! ہماری یہ انجمن آپ جیسی ہستی کے معارف سے فیض حاصل کرنے پر فخر کرتی ہے ہمیں امید ہے کہ حضرت والا اپنے ارشادات گرامی اور اقوال زرّیں سے ہمیں بہرہ اندوز ہونیکا موقع عنایت فرمائیں گے۔

تاکہ انجمن امدادیہ کے یہ خدام دنیائے اسلام کیلئے سچے جاں باز اور سپاہی ثابت ہوں۔

ایں دعاء از من واز جملہ جہاں آمین باد

ہم ہیں آپ کے خدام

انجمن امدادیہ طلباء آسام دارالعلوم دیوبند

سپاس عقیدت

بخدمت عالیجناب خطیب العصر حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

مخدوم مکرم! ہم اراکین بزم طیب آج بیحد فخر ومسرت کے ماحول میں آنجناب کے سفر اور اس سے واپسی پر مبارک باد پیش کرتے ہیں اور باری تعالیٰ سے دعاء گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ وقف دارالعلوم کو آپ کے اہتمام میں ترقیات اور کامرانیوں سے سرفراز فرمائے۔(آمین)

حضرت والا: بزم طیب طلبۂ صوبہ بہار وقف دارالعلوم دیوبند کی ایک ایسی انجمن ہے جسے حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے نام سے منسوب ہونے کی سعادت حاصل ہے، صاحبزادۂ محترم جناب مولانا محمد اسلم صاحب قاسمی جیسے اساتذہ کی نگرانی میں طلبہ میں اتحاد و یگانگت بنا کر نہ صرف تقریری وتحریری مشق کی منزلیں طے کر رہی ہے بلکہ یہ انجمن وقف دارالعلوم کی نیک نامی اور اسکی شہرت کا ذریعہ بننے کیلئے کوشاں ہے، آج انجمن کے پروگرام میں باعث سعادت ہے کہ جانشین حکیم الاسلام یعنی آنجناب کی شخصیت جلوہ افروز ہے۔

عالیجاہ! ہندو بیرون ہند مسلمانوں پر خاندان قاسمی کے جو علمی احسانات ہیں وہ تاریخ کے اوراق میں ثبت ہیں، دارالعلوم دیوبند کی تاسیس اور اس کی عالمگیریت اس کا بین ثبوت ہے۔حضرت نانوتویؒ کے قائم کردہ اس ادارہ نے جو کردار ادا کیا ہے وہ اظہر من الشّمس ہے۔ پھر حضرت حکیم الاسلامؒ نے ۶۰ سال تک مسلسل اس ادارہ کی ترقی اور تعارف کیلئے جو جہد و جہد کی اور سینکڑوں اسفار کئے جو تاریخ دارالعلوم کا زریں باب ہے۔آپ کا سفر حضرت حکیم الاسلام کے روایات کا ایک نمونہ ہے اور ہمیں یقین ہے کہ آنجناب وقف دارالعلوم کی ترقی اور تعارف کیلئے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طرح مختلف ممالک کے اسفار میں اور اپنے دعوتی وتبلیغی اجتماعات میں نمایاں کردار ادا کریں گے اور اندرونی طور پر ہم طلبہ کے فلاح و بہبود اور تعلیم وتربیت کے لئے نظر کرم فرمائیں گے۔

گرامی قدر! آج کا یہ اجتماع بزم طیب کا افتتاحی اجلاس ہے جس میں ہم آپ کے تاثرات سفر اور حکیمانہ خطاب سے مستفید ہونے کے لئے جمع ہیں، جو ہمارے لئے خوشی اور سعادت کا موقع ہے۔سفر

امریکہ سے واپسی پر ہم دوبارہ مبارکباد پیش کرتے ہوئے اس بات کے لئے بیحد مشکور ہیں کہ آنجناب نے اپنی تشریف آوری سے ہماری حوصلہ افزائی فرمائی اور ہمیں اپنے علوم ومعارف سے استفادہ کا موقع عنایت فرمایا۔

پیش کش

اراکین بزم طیب طلبہ صوبہ بہار دارالعلوم وقف دیوبند

تہنیت نامہ

بخدمت اقدس سیدی وسندی ومرشدی، استاذ الاساتذہ، سید العلماء،

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی دامت برکاتہم العالیہ

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

بموقعہ انتخاب برائے 'جائزۃ الامام محمد قاسم النانوتوی'،

واجرائے ''شجرۂ خاندان صدیقی نانوتہ''

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

نسبت قاسمی کے حاملین وخانوادۂ قاسمی کے لئے یہ بہت ہی مبارک ومسعود موقع ہے کہ حال ہی میں حضرت خطیب الاسلام کو 'جائزۃ الامام محمد قاسم النانوتوی' سے سرفراز کیا گیا۔ الحمد للہ! اس مبارک اور پرمسرت موقع پر میں حضرت دامت برکاتہم کی خدمت میں اپنے قلبی جذبات کا اظہار تہنیتی کلمات کی شکل میں پیش کرنے سے قبل عالم اسلام کے نسبت قاسمی رکھنے والے تمام برادران کو خاص طور پر اور برصغیر ہندوپاک کے مسلمانوں کو عموماً صمیم قلب سے مبارکباد پیش کرتا ہوں کہ موجودہ دور میں نسبت قاسمی کے امین اور روح رواں خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی کے نام گرامی کا اس عالمی ایوارڈ کے لئے انتخاب 'جائزۃ الامام محمد قاسم النانوتوی کمیٹی' کا ایسا فیصلہ ہے جو خود اس کے لئے قابل صد افتخار ہے، حقیقت یہ ہے کہ حضرت کے مقام، آپ کی عند اللہ وعند الناس مقبولیت تامہ نے آپ کو ان تمام چیزوں سے بالاتر کردیا ہے۔ یہی وہ نفوس قدسیہ ہیں جن کے پاس دنیا فرمان نبوی صلی اللہ علیہ والسلام کے مطابق ذلیل ہوکر آتی ہے، أتتہ الدنیا وھی راغمۃ کہ دنیا ان کے قدموں میں ہمیشہ ذلیل ہوکر آتی رہی ہے...... اخلاص ایسی ہی چیز ہے کہ وہ مشک کی طرح مستور نہیں رہ سکتا اس امت کے پاس چودہ صدی کے مخلصین حضرات کی ایک طویل فہرست ہے جنہوں نے ہمیشہ اپنے آپ کو نام ونمود، شہرت وریاء سے بچا کر اخلاص واخفائے حال کا طریق اختیار کیا ہے، مگر جیسا کہ 'جائزۃ الامام محمد قاسم النانوتوی' کمیٹی (مدینہ منورہ) کے عالی وقار صدر و روح رواں محدث کبیر شیخ محمد محمد عوامہ دامت برکاتہم نے اپنی نانوتہ تشریف آوری کے موقعہ پر فرمایا۔ الاخلاص

یصنع العجائب' (اخلاص کی بنیاد پر عجائبات رونما ہوتے ہیں) اخلاص نے مخلصین کے احوال کو امت پر منکشف کر کے دوامی مقبولیت کی مہر ثبت کر دی کہ

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ نے مخلصین کے بند حجروں کو عالمینی مرکز بنا دیا، اوران کے ناموں کو قیامت تک آنے والی نسلوں کے سینوں میں محفوظ کر دیا...... برصغیر کے ان منتخب من اللہ خاندانوں میں سے ایک خاندان قصبہ نانوتہ کا یہ صدیقی خاندان ہے جس کے جدامجد سیدنا حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں، جن کی اولاد میں شیخ قاسم بن محمد، اور بارہویں اور تیرہویں صدی میں استاذ الکل حضرت مولانا مملوک العلی نانوتوی، حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، بانی دارالعلوم دیوبند، حضرت مولانا مظہر نانوتوی، بانی مظاہر علوم سہارنپور اور حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی جیسے علم ومعرفت کے ائمہ اور جبال العلم پیدا ہوتے رہے، جن کے فیوض وبرکات سے ایک عالم مستفیض ہوا اور بحمد اللہ ہو رہا ہے......اس صدیقی خاندان کے خانوادۂ قاسمی پر حق تعالیٰ شانہ نے علم وعمل، معرفت وحکمت، اخلاص وللّٰہیت اور عالمینی فکر کے ایسے دریچے وا کئے کہ گذشتہ تقریباً ڈیڑھ سو سال سے اس خانوادہ کے افراد برصغیر میں غیرت حق کے ترجمان اور قصر ایمان کے پاسبان بنے ہوئے ہیں، (ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء)...... چنانچہ ملت اسلامیہ کی ذمہ داری جب قاسم کے کندھوں پر ڈالی گئی تو اس مرد حق پرست نے ملک وملت کو شعور زندگی اور معرفت کا سوز وساز دے کر اس طرح آگے بڑھایا کہ تہذیب وشرافت اور فہم وفراست کا مرکز دارالعلوم دیوبند معرض وجود میں آ گیا، جو تقریباً ڈیڑھ صدی سے مسلسل فکر ولی اللہی کی آبیاری کر رہا ہے جس کے ملہم من اللہ ہونے اور مزاج نبوی کا صحیح ترجمان ہونے پر برصغیر کے علماء کا تقریباً اتفاق ہے۔ پھر یہ عظمت وکردار کی وراثت، جب احمد نے سنبھالی تو قاسم کے لگائے ہوئے حکمت وعرفان کے چمن کی تقریباً نصف صدی تک بڑی خاموشی سے آبیاری فرمائی، پھر یہی نور دیدۂ احمد سے نکل کر جب طیب وطاہر میں منتقل ہوا تو ان کا کلام، خطیبانہ انداز میں کتاب علم کی تفسیر، ملت کے حسیں جذبات کا ترجمان اور حسن تدبیر کی دلیل بن گیا......مزید برآں ان حضرات نے اسلامی افکار واخلاق کی اس قدر شائستہ پیرائے میں ترجمانی کی کہ تصوف کے صبح وشام اور جمال وجلال کی معراج کو سمجھا کر یہ پیغام دیا کہ تصوف ہی وہ حقیقت ہے جس کے ذریعہ دلوں پر حکومت کی جا سکتی ہے اور شریعت وطریقت کا جامع وحسین امتزاج ہی فاتح قلوب ہے......پھر جب

اس معرفت وعرفان کی کشتی پر سالم واسلم سوار ہوئے تو عصری تقاضوں کو سامنے رکھ کر کتاب وسنت کی سلف صالحین کے افکار کی روشنی میں ایسی تشریح فرمائی جس میں مسلمانان عالم کے لئے پیغام حق، ماضی کی یاد، مستقبل کا تصور، زندگی کا احساس اور عمل کا جوش پیدا کر دیا۔

میں حضرت کو ان کی خدمات پر مبارک باد دیتا ہوں جو حضرت نے بتوفیق من اللہ اپنے اسلاف کے طریق کار کو سامنے رکھ کر انجام دیں، مبارک باد پیش کرتا ہوں آپ کے اس عزم راسخ اور سعی وپیہم کو جس کا مشاہدہ میں نے بارہا اپنی زندگی میں کیا، مبارک ہو آپ کو آپ کا مزاج حلیمانہ اور پیکر صدق وصفا ہونا، مبارک ہو تجھ کو اے شمع محفل علم امین اسوۂ خیر الانام اور ہمدرد وغمگسار ملت احمد ہونا......اے میر کاروان چمنستان قاسمی مبارک ہو تجھ کو وہ قوت وکردار اور پیار کی گفتار جو بیکسوں کے درد کا درماں اور ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑنے کا ذریعہ بنی۔

اے نشان خلوص مہر ووفا، اے وارث انبیاء، اے نمونہ اسلاف، اے عالی مقام، اے اداشناس حیات دوام، اے رونق گلزار قاسم، اے بادۂ عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں مخمور، اے مثال شمع سرراہ جلنے والے، ہم سب خاندان صدیقی کے افراد 'جائزۃ الامام محمد قاسم النانوتوی' عالمی ایوارڈ ملنے پر صمیم قلب سے مبارک باد اور مرحبا صد مرحبا کہتے ہیں اور میں اپنی جانب سے ان سب خوش نصیب حضرات کو مبارک باد پیش کرتا ہوں جن کو ایسی مرکزی شخصیت کے فیوض وبرکات سے مستفیض ہونے کا موقع ملا، بقول شاعر

تیری صورت، تیری سیرت، تیرا نقشہ، تیرا جلوہ
تبسم، گفتگو، بندہ نوازی، خندہ پیشانی

میں اور تمام اہل خاندان، جمعیۃ الامام محمد قاسم النانوتوی کے جملہ اراکین دست بدعا ہیں کہ حضرت دامت برکاتہم کے سایۂ عاطفت کو ہم سب پر بصحت وعافیت تا دیر قائم رکھے۔ امین، بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔ والسلام

منجانب
احقر محمد زکریا صدیقی نانوتوی خادم جامع مسجد، رکن مجلس مشاورت دارالعلوم وقف دیوبند
وجملہ اراکین جمعیۃ الامام محمد قاسم النانوتوی، نانوتہ

بخدمت گرامی حضرت مولانا محمد سالم صاحب القاسمی

استاذ حدیث دار العلوم دیوبند

بسلسلہ اجلاس سالانہ ۹۶ھ انجمن تہذیب الافکار در بھنگہ

حضرت صدر محترم!

ہم آج بے پناہ خوش ہیں، ہمارا دل پھولے نہیں سما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم بے بضاعتوں پر آپ جیسی عظیم ترین شخصیت جن کے کلمات زریں سے نہ صرف ہند بلکہ بیرون ہند اور ایشیاء سے یورپ تک سارا جہاں مستفید ہوتا ہے، جن کی آوازوں سے خوابیدہ دل بیدار ہوجاتے ہیں، اور سوتا ہوا ضمیر جاگ اٹھتا ہے اور جن کے مواعظ حسنہ سے نہ جانے کتنے بھٹکے ہوؤں کو روشنی ملی ہے آپ کی صدارت میں اپنی سال بھر کی تقریری اور تحریری کاوشوں اور محنتوں کو پیش کرنے کا موقعہ ملا اور آپ اپنی گرانقدر مشغولیات اور مصروفیات سے وقت نکال کر ہماری حوصلہ افزائی کے لئے تشریف لائے۔

آپ اگرچہ زمین کی مسافت کے لحاظ سے ہمارے وطن سے بہت دور ہیں لیکن دارالعلوم دیوبند کا رشتہ تعلیم اور حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کے روحانی و عملی تعلق اور بے پناہ عقیدت و محبت نے ہمارے اور آپ بزرگوں کے درمیان کوئی بعد اور دوری باقی نہیں رکھی ہے ہم اپنے وطن سے ہزار میل کی دوری پر ماں باپ، بھائی، بہنوں سے چھوٹ کر، اعزاء واقربا سے علیحدہ ہوکر اس مقدس درسگاہ میں زندگی گذار رہے ہیں لیکن یہ وہی مضبوط رشتہ ہے کہ آپ جیسے مشفق ومہربان سرپرست اور اساتذہ کی موجودگی میں اپنی مادر علمی کی آغوش میں بننے والے مخلص بھائیوں کا سہارا پاکر ہم اپنے آپ کو بے وطن اور پردیسی محسوس کرتے ہیں اور نہ کبھی یہ سوچتے ہیں کہ یہاں ہمارے ماں باپ اور بہن بھائی نہیں ہیں۔ ہمیں جس طرح مادر وطن کی سرزمین سے محبت ہے بالکل اسی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ مادر علمی کے ہر ذرے سے پیار ہے۔ اس مضبوط اور گہرے تعلق کے بعد آپ کی امداد آپ کی نوازش سے ہمیں کتنی اور کس قدر مسرت ہے یہ ناقابل بیان ہے اور نہ محتاج بیان۔

در بھنگہ کی سرزمین کا رشتہ دارالعلوم دیوبند سے بڑا گہرا اور بہت پرانا ہے۔ اور ہر سال اور ہر دور میں بہار کے طلبہ میں در بھنگہ کو اکثریت اور اولیت حاصل رہی ہے۔ یہیں سے علامہ عبدالوہاب فاضل بہاری، مولانا عبدالحفیظ، مولانا عبدالرحیم صاحب، مولانا رؤف صاحب ہرسنگھ پوری، جیسے علماء اور

مصلحین قوم پیدا ہوئے اور آج بھی مولانا عثمان صاحب مدظلہ مہتمم مدرسہ رحمانیہ سوپول جن کو علامہ انورشاہ کشمیریؒ سے تلمذ کا شرف حاصل ہے اور مولانا مجاہد الاسلام قاضی امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کی سند گیر شخصیت اسی سرزمین علم خیر کی دین ہے ہمیں بے احد اور بجا فخر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس شرف سے نوازا ہے۔ فالحمد للہ غایۃ الحمد

اب ہم اخیر میں ایک بار پھر تہہ دل سے آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اپنے اپنے گرانما اوقات سے کچھ قیمتی وقت نکال کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائی اور جب آپ ہی حضرات ہمارے بزرگ، رہنما اور سب کچھ ہیں تو آخر ان موقعوں پر ہماری حوصلہ افزائی اور کون کرسکتا ہے ہم آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے کچھ حکیمانہ ارشادات ونصائح سے نوازیں اور ہمارے لئے فلاح دارین انجمن کی علمی وعملی ترقی اور کامیابی کے لئے دعا فرمائیں۔

ہم ہیں آپ کے مخلصین

راقم نوراللہ دربھنگوی

نذرانۂ عقیدت

بجناب خطیب العصر حضرت مولانا محمد سالم صاحب

خلف الرشید حکیم الامت مولانا قاری محمد طیب صاحب مدظلہ عالیٰ

منجانب

نوجوانان سیرت کمیٹی، مادھوپور، ترولیا، مشرقی چمپارن

محترم مہمان!

آج اپنے درمیان آپ کو پاکر ہمارے دلوں میں جو پیش وخوش کی گنگا اُمڈ رہی ہے۔ قسمت مسکرا رہی ہے، ہمت جوان انگڑائیاں لے رہی ہے۔ آپ نے ہماری دعوت قبول فرما کر اور ہماری مجلس میں شریک ہوکر ہمیں اور ہماری سرزمین کو جو اعزاز بخشا ہے ہم اس احسان عظیم کی بابت میں کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتے

لطف ہے عیش ہے مسرت ہے
آپ آئے ہماری قسمت ہے

امت کے پیشوا!

آپ نے تمام برصغیر ہندوستان کے طول وعرض میں کتاب وسنت کا بھولا ہوا سبق رقت آمیز انداز میں قوم کو یاد دلا کر نئے سرے سے امت کی شیرزاہ بندی کا جو اہم فریضہ انجام دیا ہے، رب کعبہ کی قسم ’کملی والے آقا کی مکی زندگی‘ کا سچا خاکہ فرزندان توحید کی آنکھوں میں سما گیا ہے۔ آپ کی جادوانی نے غفلت کے متوالے کلمہ خوانوں کو خواب خرگوش سے بیدار کیا ہے۔ ان کے بے جان دلوں کو ملی جوش اور امنگ سے معمور کیا ہے۔ ان کو مدہوشی وخرمستی سے نکال کر طریقہ محمدی کی جادہ وپیمائی پر مستقیم کیا ہے۔ امت آپ کی اس رہبری سے سعادت دارین کا حصہ دار بنی ہے اور بن رہی ہے۔

علم ومعرفت کے گنجینہ بے بہا!

آپ کو لاریب علم وحکمت کے خزانہ میں اسلوب بیان وراثت میں، اسلاف سے ملا ہے باتیں دل کی گہرائیوں میں اتارنا دنیا آپ ہی کو آتا ہے۔ آپ کے ذہن اطہر سے نکلتے ہوئے فقرے ایک

طرف کانوں میں رس گھولتے ہیں تو دوسری طرف دلوں میں گرمی اور گدگدی پیدا کرتے ہیں وہ یقیناً دل نہیں جس نے آپ کے میٹھے بول میں لذت نہ پائی اور آپ کے کلمات حکمت پر دھڑکن محسوس نہ کی۔

نوجوانوں کے رہنما!

آپ کی تبلیغی جدوجہد سے پوری امت مسلمہ نے عموماً اورنوجوان طبقہ نے خصوصاً استفادہ کیا ہے۔آپ نے جوانوں کوعزم لے کر دیا ہے۔رحمت و پامردی بخشی ہے۔ذوق مستی عطا کی ہے۔ہم نوجوانان چمپارن آپ سے دلی عقیدت رکھتے ہیں۔آپ کی رہبری پرہمیں کافی اعتماد ہے۔خدا آپ کا سایہ بہت دنوں تک ہمارے سروں پر باقی رکھے۔آمین

باسمہٖ تعالیٰ

اظہار عقیدت وحقیقت

پیش خدمت جانشین حکیم الاسلام نبیرۂ قاسم العلوم والخیرات حجۃ الاسلام،

حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مدظلہ

مہتمم دارالعلوم (وقف) دیوبند

حضرت والا ایک طویل مدت کے بعد آپ نے اپنے قدوم میمنت لزوم سے مرہٹواڑہ کی سب سے قدیم دینی درسگاہ ام المدارس جامعہ اسلامیہ دارالعلوم ناندیڑ کربلا روڈ کومشرف فرمایا۔ ہم ارباب دارالعلوم کے لئے انتہائی خوشی ومسرت کا مقام ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ افسوس بھی ہوتا ہے کہ حضرت والا کے ورود مسعود کی خبر فرحت اثر کی اطلاع اس وقت پہنچی جب کہ دارالعلوم طلبہ عزیز سے یکسر خالی ہے۔ آج اساتذۂ کرام طلبۂ عزیز حضرت والا کی ملفوظات عالیہ سے مستفید ہونے سے محروم رہے۔

نازش قوم وملت! آپ کے جد محترم حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا قاسم صاحبؒ نے مادر علمی دارالعلوم دیوبند قائم کر کے عالم اسلام پر جو احسان عظیم فرمایا وہ اظہر من الشمس ہے۔ یہ مدرسہ جامعہ اسلامیہ دارالعلوم ناندیڑ اسی مادر علمی کی ایک شاخ کی شکل میں آج تقریباً نصف صدی سے مرہٹواڑہ کی بنجر سرزمین کی علمی آبیاری کر رہا ہے۔ اس نصف صدی کے اندر بے شمار علماء وحفاظ وقراء اس ادارہ سے اپنی علمی تشنگی دور کرنے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ مدرسہ کاشف العلوم اورنگ آباد میں مولانا محمد مجیب صاحب قاسمی، نظام آباد، آندھرا پردیش میں مولانا عطاء الرحمٰن صاحب جامی، مدرسہ دارالعلوم محمد حمایت نگر میں مولانا محمد مجیب الدین صاحب قاسمی، مدرسہ مرکز العلوم ناندیڑ میں مولانا محمد معین الدین صاحب قاسمی اور جامعہ اسلامیہ دارالعلوم ناندیڑ کے اکثر اساتذۂ کرام اسی ادارہ سے خوشا چینی کے بعد صوبہ وبیرونی صوبہ کے مختلف مقامات پر علمی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ حضرت والا آپ کا خاندان ایک خالص علمی وروحانی خاندان ہے اور ایک علمی تاریخ ہے جس پر قیامت تک دنیا اسلام ناز کرتی رہے گی۔ آپ کے والد محترم حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ نے مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی خدمات جلیلہ کے علاوہ اپنے مواعظ حسنہ وتقریر وروحانی کل جونقشہ لازوال چھوڑا ہے قیامت

تک عالم اسلام اس کو فراموش نہیں کرسکتا۔آپ سے پہلے ۱۳؍شعبان ۱۳۹۶ھ مطابق ۱۰ اگست ۱۹۷۶ء بروز سہ شنبہ آپ نے اس عظیم دینی درسگاہ کی سنگ بنیاد اپنے دست مبارک اور خصوصی دعاؤں کے ساتھ ساتھ رکھا تھا۔جس کی تاریخ دارالعلوم پر نقشہ دیوار ہے۔اور دارالعلوم کی یہ جو دومنزلہ عمارت آپ کے دعاؤں کا ثمرہ ہے۔بحمد اللہ! آج اس دارالعلوم میں دیوبند کے نصاب کے مطابق درجہ پنجم تک کی تعلیم انتہائی احسن طریقہ سے ہورہی ہے۔اور ساتھ ہی ساتھ مسلم بچیوں کو عالمہ بنانے کی نہایت نظم ونسق کے ساتھ مسلم معلمات کے ذریعہ تعلیمات کا سلسلہ جاری ہے اور عصری تقاضہ کے مطابق فن خطاطی کی تعلیم بھی انتہائی ذمہ داری کے ساتھ اس ادارہ کی ذمہ داریوں میں شامل ہے جس کا مشاہدہ حضرت والا اپنی آنکھوں سے فرمائیں گے۔

زعیم ملت ومفکر قوم وقت کی تنگی کا احساس ہے اس لئے بصد احترام اتنا ہی عرض ہے کہ حضرت والا کی تشریف آوری کے بعد ہمیں بہت کم موقع ملا۔اس لئے ہم جناب والا کا شایان شان استقبال نہ کرسکے اس لئے ہم بصمیم قلب معذرت طلب ہیں۔امید کہ العذر عندکرام الناس مقبول) کے پیش نظر ہمیں معذور سمجھ کر معاف فرما جائے گا۔ ہمارے اخلاص ومحبت میں کمی نہیں ہم نے حضرت والا کو آنکھوں کی کھڑکیوں سے دل کے قیام گاہ میں اتارا ہے۔اور یہ سچی حقیقت ہے کہ خاندان قاسم العلوم والخیرات نے شاہ ولی اللہ کے خاندان کی علمی وروحانی میراث کو جس وسعت قلب کے ساتھ عالم اسلام کو تقسیم کیا ہے۔اس احسان کا حق ادا کرنے کی ہم ہی نہیں بلکہ عالم اسلام میں سکت نہیں ہے اور اب ہم اس کے بعد حضرت والا کی پرخلوص دعاؤں اور زریں نصائح کے طلبگار رہیں۔

فقط حکیم محمد سلیم، گلبرگوئی، معتمد جامعہ اسلامیہ دارالعلوم ناندیڑ کربلا روڈ، ناندیڑ

وصدر ودیگر اراکین دارالعلوم ناندیڑ

۱۳؍شعبان ۱۴۱۷ھ ۲۴؍دسمبر ۱۹۹۲ء

نذرانہ تہنیت

بخدمت عالی جناب خطیب العصر لسان الامام

حضرت مولانا محمد سالم صاحب مدظلہم العالی

استاذ الحدیث دار العلوم دیوبند

برموقع افتتاح رحمانی کلینک جناب ڈاکٹر عقیل الرحمٰن صاحب رحمانی، محلّہ ابوکا تھبٹہ شہر غازی آباد

نتیجہ فکر: مولانا حکیم محمد عمر صاحب نظمی قاسمی، ہاپوڑ

وہ آج تشریف لائے ادھر — قدم جن کا نظمی سعادت اثر

وہ ہر فتنہ و شر سے سالم بھی ہیں — مقدس ہیں، غازی ہیں عالم بھی ہیں

مفسر، محدث، فقیہ و ادیب — مقرر ہیں لیکن عجیب و غریب

سیاست کی آلودگی سے بری — جبیں سے عیاں جلوہ رہبری

وہ ہیں زہد و تقویٰ کے آئینہ دار — دل مرد مومن ہیں جن کا وقار

خدا دولت علم دے لازوال — عمل سے نکھر جائیں سارے کمال

رہے ضوفشاں ان کی سیرت کا نور — حریصوں کی چشم عداوت سے دور

قطعہ افتتاح

افتتاح از دست سالم مرحبا صد مرحبا — نکلی ہر لب سے صدا اہلا وسہلا مرحبا

کوچہ بکوچہ ہر طرف بالخیر پہ تشہیر ہو — اے دوستوں ہوگیا رحمانیہ دارالشفا

پیش کنندگان

قاری عبدالرحمٰن صاحب مہتمم مدرسہ رحمانیہ ہاپوڑ — جناب شیخ عبدالقدیر صاحب موٹر والے دہلی

جناب عبدالمجید صاحب روغن گر رئیس غازی آباد — جناب ڈاکٹر علاؤالدین صاحب (ایم بی بی ایس سہارنپور)

جناب مولانا مفتی جمیل الرحمٰن صاحب قاسمی رحمانی، ہاپوڑ — جناب حافظ محمد یعقوب صاحب ہاپوڑ

[جناب محمد نعیم صاحب رئیس مرادآباد — ماسٹر جمیل احمد صاحب کھیکڑہ

مولوی قاری فضل الرحمٰن صاحب ہاپوڑ — ۴؍اکتوبر ۱۹۸۰ء شنبہ

باسمہ تعالیٰ

سر سے پاؤں تک حضرت طیب ہی سا لگتا ہے تو
خاندان قاسمی کا گوہر یکتا ہے تو

ہدیہ سپاس

بخدمت فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی حفظہ اللہ

مدرس دارالعلوم دیوبند (وقف)

بموقع جلسہ تکمیل درس بخاری شریف دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد

بتاریخ ۲۸؍رجب المرجب ۱۴۱۹ھ بروز جمعرات

از: سید مسرور احمد مسرور

کاشفِ اسرارِ قرآن اے امیر کارواں
ہیں روایات سلف کے آپ تابندہ نشاں

مرحبا صد مرحبا علم و عمل کے آفتاب
آپ کی نظریں ہیں روشخال مثل آفتاب

کاوشوں سے آپ کی روشن سلف کا نام ہے
علم وعرفاں کا سدا گردش میں رہتا جماع ہے

آپ کی ہستی اکابر کی حسیں تصویر ہے
دل کے ارماں اور خوابوں کی کھلی تعبیر ہے

ہے عیاں واللہ تمثیل و بیاں سے آپ کی
آب کوثر سے دھلی شاید زبان ہے آپ کی

حضرت سالم کی نرالی آپ کی تقریر ہے
میر و مومن کی غزل سے آپ کی تحریر ہے

بحر ونخوت سب ہی کہتے ہیں تری عادت نہیں
حضرت مومن و خالد بھی ہیں تیرے خوشہ چیں

سر سے پا تک حضرت طیب ہی سا لگتا ہے تو
خاندان قاسمی کا گوہر یکتا ہے تو

کامرانی کا تری سرگرمیوں میں راز ہے
افتخارِ دین و ملت، تجھ پہ ہم کو ناز ہے

غم نہیں محرمیوں کا جب کہ تیرا ساتھ ہے
ڈوبتی نبضوں پہ ملت کی جو تیرا ہاتھ ہے

کاروانِ علم کا سرخیل کہلاتا ہے تو
راہ سے بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھلاتا ہے تو

لطف خاص و عام پہ تیرا ہے یوں سایہ فگن
دور بے حدود تیری بزم سے رنج و محن

تو جنوں کے دور میں اکثر رہا چارہ ساز
تجھ کو راس آتا نہیں اہل ہوس سے ساز باز

رنگ لائے گی یہ کاوش دین اور ایمان کی
تو نے جو بازی لگادی اپنے جسم و جاں کی

انجمن سے تیری علم و فن اجاگر ہوگیا
غنچۂ علم و عمل سے دل منور ہوگیا

خوئے تعلیم و تعلم دل کو گرمانے لگی
بوئے گل پھر مہکی مہکی فکر پہ چھانے لگی

سو رہے ہوتے ہیں سب تو جاگتا رہتا ہے تو
عالم اسلام کے حق میں دعا کرتا ہے تو

قاسمِ نانوتویؒ کے باغ کا بلبل ہے تو
خارزادوں میں جو خندہ زن ہے وہ گل ہے تو

اے خوشا کہ پالیا تونے سراغ زندگی
دعوت تحقیق ہے تیرا شعار زندگی

فیض تیرے عزم کا فضل خدا سے عام ہو
تیر چرچا علم کی دنیا میں صبح و شام ہو

ہو تیرا حسن عمل دونوں جہاں میں باثمر
خضر کی سی زندگی پائے رہے تو با اثر

الغرض کو ہے دل کا مسرور کا یہ مدعا
تو رہے تابندہ تر سب دل سے کرتے ہیں دعا

حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی مدظلہ

رئیس اہتمام دارالعلوم وقف دیوبند

محترم حضرت الحاج قاری عبدالرحمٰن صاحب قدس سرہٗ بانی جامعہ رحمانیہ ہاپوڑ

شمعِ حق شمعِ وفا شمعِ منور سالم
دین کی روح ہیں اسلام کا پیکر سالم
دل سے اک بار دعا دی تھی مجھے وقتِ سفر
آپ سے جو بھی ملے کیسے وہ تنویر نہ ہو
زندگی آپ نے کی میری منور سالم
آپ کی پاک دعاؤں میں ہے گوہر سالم
شمعِ حق شمعِ وفا شمعِ منور سالم
دین کی روح ہیں اسلام کا پیکر سالم
کسی شیطان کے دھوکہ میں نہیں آئیں گے
آپ للہ ہمیں دل سے دعا دیجئے گا
چن لیا آپ کو اب قوم نے رہبر سالم
ہم نے دیکھے ہیں بڑے درد کے منظر سالم
شمعِ حق شمعِ وفا شمعِ منور سالم
دین کی روح ہیں اسلام کا پیکر سالم
اس کا دنیا میں کوئی روکنے والا نہ ہوا
لاالٰہ کا سبق آپ نے دنیا کو دیا
آپ کی نظر کرم اٹھ گئی جس پر سالم
آپ کے نام کا ہے تذکرہ گھر گھر سالم
شمعِ حق شمعِ وفا شمعِ منور سالم
دین کی روح ہیں اسلام کا پیکر سالم

تم کو سرکارِ مدینہؐ کی ہے قربت حاصل
وارثِ علمِ نبیؐ رہبرِ دینِ حق ہیں
تم سا ملتا ہے بھلا کس کو مقدر سالم
امتِ شاہِ اممؐ کا ہیں گوہر سالم
شمعِ حق شمعِ وفا شمعِ منور سالم
دین کی روح ہیں اسلام کا پیکر سالم
دل سے کر دیجئے دعا نام محمدؐ لے کر
جتنے حاسد ہیں اسی سوچ میں گم ہیں لوگوں
بس چمک جائے مدرسہ کا مقدر سالم
دیکھئے کیا کہتے ہیں راشدؔ کی غزل پر سالم

سپاس نامہ

بخدمت گرامی قدر استاذ الاساتذہ، متکلم اسلام، محدث دوراں، فقیہ زماں، ادیب عہد رواں،

یادگار اکابر حکیم العصر حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب دامت برکاتہم

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند و نائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ

منجانب: دارالعلوم سعادت دارین سپتون بھروچ گجرات،

بموقع اجلاس تکمیل حفاظ قرآن مجید

مؤرخہ ۱۵ر جنوری ۲۰۱۳ء، ۲ر ربیع الاول ۱۴۳۴ھ منگل

مخدومنا المکرّم! آج ہمارے قلوب فرحت ومسرت اور عقیدت ومحبت کے ملے جلے جذبات سے لبریز ہیں کہ ہمیں چمنستان قاسمی سے وابستہ اس سدا بہار گلشن سعادت کے روح پرور اجلاس میں عصر حاضر کے ایک ایسے مربی عظیم، خطیب شہیر، ادیب جلیل، محدث بے مثیل، فقیہ بے عدیل، یگانہ روزگار عالم ربانی کو خوش آمدید کہنے کا شرف حاصل ہو رہا ہے۔ جن کا روحانی ہی نہیں بلکہ روحانی اور نسبتی دونوں رشتہ حجۃ الاسلام حضرت الامام محمد قاسم نانوتویؒ سے جڑا ہوا ہے۔

مرحبا آمد تری اے نازش دارالعلوم
جاں فزا آمد تری اے تابش دارالعلوم
زیب دیتا ہے تمہیں کو آج تاب انتظام
ذات تیری ہوگئی زیبائش دارالعلوم
تیری راہوں میں او آنے والے
ہم تو آنکھیں بچھائے ہوئے ہیں
تا کی چاروں طرف روشنی ہو
شمع دل ہم جلائے ہوئے ہیں

محترم ما! خانوادۂ قاسمی سے ہمارا قدیم روحانی رشتہ ہے، اشاعت وحفاظت دین کے تئیں اس خانوادے کی زرین خدمات آپ زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ ملت اسلامیہ کا ہر فرد اس خانوادے کے احسانات سے گرانبار ہے۔ آپ کا یہ محبوب ادارہ بھی درحقیقت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ،

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، مولانا ذوالفقار وحاجی عابد دیوبندی اور دیگر پاکباز اسلاف دیوبند کے دیرینہ خوابوں کی ہی ایک حسین تعبیر، پورے علاقے کے لئے، رشد وہدایت کا مینارۂ نور، ماورا اپنی نرالی تعلیم و تربیت کے لئے خاصا معروف ہے۔ بفضلہٖ تعالیٰ اساتذہ کرام کی جانکاہ مساعی، انتظامیہ کی بےلوث خدمات، محسنین کے مخلصانہ تعاون اور اکابر واحباب کی مستجاب دعاؤں کی برکت سے صرف ۲۴ سال کی قلیل مدت میں اس نوخیز جامعہ کا شمار گجرات کے ممتاز مدارس میں ہونے لگا ہے اور بحمدہ تعالیٰ قریب ساڑھے تین سو تشنگانِ علم ومعرفت اس روحانی چشمہ فیض سے سیراب ہورہے ہیں جس میں درجات حفظ وفارسی سے لےکر دورۂ حدیث شریف تک کی تعلیم کا مکمل نظم ہے۔

کرم فرمائے آنمحترم کی خصوصیات و امتیازات احصاء سے ماوراء ہیں، خالص علمی و عرفانی گھرانہ میں آنکھیں کھولی، فخر روزگار اکابر کی گود میں پرورش پائی، ابتدائی دینیات و حفظ سے دورۂ حدیث شریف تک دارالعلوم دیوبند کے نورانی ماحول میں جنید وشبلی وقت رازی وغزالی جیسے روشن ضمیر اساتذہ کرام سے علوم وفنون کی تکمیل کی، کمال شوق وطلب کو داد دیجئے کہ تھانہ بھون میں ایک ماہ قیام فرما کر حضرت حکیم الامت سے میزان ومنشعب پڑھی، گویا آپ اس وقت روئے زمین پر حضرت تھانویؒ کے شاگردوں کی آخری یادگار ہیں، تحصیل عربی جدید کے جذبے سے صحرا عرب کی خاک چھانی اور مکہ مکرمہ میں ایک سالہ قیام کے دوران عربی زبان وادب میں مہارت واختصاص حاصل کیا۔ رب قدیر کی مہربانیوں سے آپ کی خدمات کا دائرہ بھی بڑا وسیع ہے۔ چھیاسٹھ سالہ طویل تدریسی دورانیہ، نیابت اہتمام کا مختصر زمانہ، وقف دارالعلوم کا تیس سالہ اہتمام ہو یا صدر ارشاد ومشیخت مجلس مشاورت کی صدارت ہو یا مسلم پرسنل لاء بورڈ، فقہ اکیڈمی کی رکنیت اور صدر عالی قدر کی نیابت، ہر میدان میں اپنی خداداد صلاحیت اور حذاقت وقابلیت کی گہری چھاپ چھوڑی، ایسا لگتا ہے کہ کسی نے آپ ہی کے لئے کہا ہے

وما انتم ممن یھنی ء منصب
ولکن بکم حقا تھنی ء المناصب

آپ کی زندگی کا ایک اہم اور قابل قدر کارنامہ ۱۹۶۶ء میں 'جامعہ دینیات اردو' کا قیام ہے۔ جس کے تحت آٹھویں کلاس سے لےکر ایم اے تک کے طلبہ وطالبات کے لئے عقائد، تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، سیرت اور دعوت وتبلیغ جیسے ضروری مضامین دینیہ پر مشتمل مراسلاتی کورس کا نظام مرتب

ہے۔جس کے ذریعہ مسلمانوں کی نسل نو جدید عصری تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم سے بھی بہرہ ور ہو رہی ہے، امتحان سینٹروں میں چاروں کورس کے سالانہ امتحانات ہوتے ہیں، جو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، کشمیر یونیورسٹی، کاشی یونیورسٹی، ودھیاپیٹھ یونیورسٹی اور عثمانیہ یونیورسٹی سے منظور شدہ ہیں۔

عزت مآب، اخلاق عالم نے جس طرح حضرت والا کو قادر الکلام شاعر اور میدان خطابت کا شہسوار بنایا ہے۔آپ کی پرتاثیر تقریروں سے ہزاروں مردہ دل نفوس کو روح حیات ملی، کتنے ہی گم گشتہ راہ ہدایت کی راہ پر گامزن ہوئے، آل انڈیا ریڈیو، دہلی سے نشر ہونے والی آپ کی عربی تقاریر بہتوں کے لئے آب حیات ثابت ہوئیں۔دست قدرت نے اسی طرح آنجناب کو تحریر و کتابت میں بھی حظ وافر سے نوازا ہے۔دسیوں کتابوں پر منفرد انداز میں لکھی گئی تقریظات اور عربی اردو زبان میں مرتب کئے گئے متعدد مقالات سے آپ کی تحریری قابلیت کی منہ بولتی تصویر ہیں۔مصر میں پیش کیا گیا 'مبادی التربیۃ الاسلامیہ' نامی عربی مقالہ آپ کے قلم کا ایسا شاہکار ہے کہ اس پر ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا۔کسی نے سچ کہا ہے

وليس على الله بمستنكر أن يجمع العالم في واحد.

فدا ہوں آپ کی کس کس ادا پر
ادائیں لاکھ ہیں اور بے تاب دل ایک

ممنون المعظم! جناب والا نے شبانہ روز بے پناہ مصروفیت، ستاسی سالہ عمر، ضعف ونقاہت اور گوناگوں امراض کے باوجود طویل سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے اپنی تشریف آوری کے ذریعہ جامعہ ہٰذا کی کلاہ عظمت ورفعت پر چار چاند لگایا، ہماری ہمت وحوصلہ کو مہمیز کیا، اس کرم فرمائی پر ہم خدام جامعہ واہلیان ستوپان دل کی گہرائی سے آپ کے شکر گزار ہیں اور شایان شان خدمت نہ کر سکنے پر دست بدستہ معافی کے خواستگار ہیں۔امید قوی ہے کہ دامن عفو میں جگہ عطا فرمائیں گے۔ہماری دلی آرزو اور دعا ہے کہ مولائے کریم حضرت والا کے سایہ شفقت عافیت کو بصحت وسالمیت پوری امت کے سروں پر تادیر سالم وقائم فرمائے۔آمین یارب العالمین۔بحرمۃ حبیب سید المرسلین ﷺ

والسلام مع الاحترام
محمد مشتاق ستپونی غفرلہ (مہتمم)

ختامہ مسک

آئی جو یاد ان کی تو آتی چلی گئی
ہر نقش ماسوا کو مٹاتی چلی گئی

۵/اپریل ۲۰۱۸ء ۱۷/رجب المرجب ۱۴۳۹ھ کو ناگپور کے ایک دعوتی سفر میں تھا وہاں بذریعہ فون مجھے اطلاع ملی کہ حضرت کی طبیعت ناساز ہے اور کمزوری برابر روزافزوں ہے، اس سے قبل حضرت مولانا شاہد صاحب مدظلہ سے ۲/اپریل ۲۰۱۸ء ۱۴ رجب ۱۴۳۹ھ کو رابطہ ہوا تو انہوں نے بتایا کہ طبیعت ذرا ناساز ہوگئی تھی، مگر آج الحمدللہ قدرے افاقہ ہے، حضرت مولانا محمد شاہد صاحب سے یہ عاجز دوسال سے مستقل رابطے میں تھا اور حضرت کی طبیعت کے بارے میں معلومات کرتا رہتا تھا، حضرت مولانا عام طور پر تسلی بخش جواب دیدیتے تو ذرا قلبی اطمینان ہوجاتا۔ بہرحال ۵/اپریل ۲۰۱۸ء کو ناگپور میں اطلاع موصول ہوئی کہ حضرت کی طبیعت ناساز ہے، میں نے وہاں سے حضرت کے صاحبزادے، محترم جناب حافظ عاصم قاسمی سے رابطہ کیا، انہوں نے مجھے صحیح صورتحال سے آگاہ فرمایا کہ اچانک کمزوری میں اضافہ ہوگیا تھا، مظفرنگر دکھایا ڈاکٹر نے کہا کہ کمزوری زیادہ ہے اس لئے آہستہ آہستہ ہی کمزوری دور ہوگی، میں نے معلوم کیا کھانے میں کیا دے رہے ہیں تو عاصم بھائی نے بتایا کہ ہلکا پھلکا دلیا لے رہے ہیں ایک دودن کچھ طبیعت سنبھلی سی رہی اور سب لوگوں کے ذہن میں یہ تھا کہ گذشتہ دوسالوں سے اس طرح کئی مرتبہ طبیعت ناساز ہوئی مگر سنبھل گئی، اس مرتبہ بھی یہی ذہن میں تھا کہ ذرا کمزوری بڑھ گئی ہے افاقہ ہوجائے گا، مگر ۵/اپریل ۲۰۱۸ء ۱۷ رجب ۱۴۳۹ھ سے ہی کھانا بالکل نا کے برابر ہوگیا، طیب ہوسپٹل دیوبند سے مستقل ڈاکٹروں کی آمدورفت کا سلسلہ جاری رہا، مگر طبیعت افاقہ کے بجائے مزید ناساز ہوتی چلی گئی، چنانچہ ۷/اپریل ۲۰۱۸ء ۱۹/رجب ۱۴۳۹ھ کو دیوبند کے مشہور مقامی ڈاکٹر! ڈی، کے، جین کو دکھایا گیا، سانس اکھڑ سا گیا تھا، سانس لینے میں کافی دشواری محسوس ہورہی تھی، حضرت کو کمزوری کے علاوہ اور کوئی بیماری نہیں تھی مگر چونکہ کمزوری حد درجہ بڑھ گئی اس لئے سانس لینے میں کافی دشواری پیش آرہی ہے، ڈاکٹر نے مشورہ دیا کہ کمزوری

زیادہ ہے، ان کو ادھر اُدھر لیجانے کے بجائے ان کو گھر پر ہی رکھا جائے اور وہیں پر ان کو ضرورت کے مطابق طبی سہولیات فراہم کی جائیں، ان سب حضرات نے مشورے کے بعد حضرت کو گھر منتقل کر دیا اور حضرت کے خاص کمرہ میں اطباء و معالجین کے مشورہ سے ''کارڈی اک مانیٹر'' (Cardiac Moniter) لگا دی جائے جس سے سانس اور دل کی دھڑکن کو مربوط رکھا جائے چنانچہ گھر پر ہی یہ مشین اور دیگر طبی سہولیات فراہم کر دی گئیں۔

بقول عاصم بھائی ''ڈاکٹر نے کہا کہ اگر آپ ان کو میرٹھ یا دہلی یا دیگر مشہور ہسپتالوں مثلاً چندی گڑھ، یا دھرہ دون وغیرہ دکھائیں گے ڈاکٹر سوائے ''وینٹی لیٹر'' (Venti Later) لگانے کے اور کچھ نہیں کریں گے مریض کو مزید تکلیف ہوگی اور اندر کسی کو آنے جانے بھی نہیں دیں گے، آپ الگ ان کی خدمت سے محروم ہوں گے ان کو گھر پر لیجا کر ان کی خدمت کریں ہر اعتبار سے ان کو اور آپ کو وہاں بڑی سہولت ہوگی'' اور یہی رائے ''طیب ہوسپٹل'' کے ڈاکٹروں کی بھی تھی چنانچہ حضرت کو ۸/ اپریل کو گھر پر ''طیب منزل'' میں لے آئے اور حضرت کے خاص کمرہ میں ایمرجنسی بیڈ کا انتظام کر دیا گیا اور جو سہولت طبی اعتبار سے فراہم ہو سکتی تھیں ان تمام سہولیات کا انتظام گھر پر ہی کر دیا گیا۔

میں ۷/اپریل شام بذریعہ ہوائی جہاز دہلی آ گیا اور صبح ہی نظام الدین تا دیوبند جانے والی بس سے تقریباً پونے گیارہ بجے دیوبند پہنچا اور سیدھا حضرت کی خدمت میں پہنچا، حضرت کے پاس اس وقت حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی، محترم جناب عاصم قاسمی، محترم مولانا شاہد صاحب، عزیزم مولانا شکیب قاسمی، جناب بھائی اسماعیل (مولانا شاہد صاحب کے چھوٹے بھائی) اور دیگر اہل خانہ موجود تھے، تھوڑی دیر میں نانوتہ سے والد محترم حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی اور عزیزم قاری عبدالرحمان سلمہ اللہ بھی بغرض عیادت تشریف لائے۔

جب میں حضرت کے پاس پہنچا تو حضرت کی کیفیت یہ تھی کہ سانس لینے میں پریشانی سی محسوس کر رہے تھے اور آکسیجن رساں مشین کے ذریعہ مصنوعی تنفس دیا جا رہا تھا، حضرت پر غنودگی سی طاری تھی اس میں کبھی آنکھیں کھول لیتے اور کبھی آنکھیں بند فرما لیتے مگر شناخت اور ہوش وحواس بدستور باقی تھے، بس کمزوری کی وجہ گاہ بگاہ آنکھیں بند ہو رہی تھیں، اسی کیفیت میں جب ذرا آنکھ کھلی تو میں نے حضرت کو سلام کیا، حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی نے ذرا جھک کر میرے بارے میں بتایا کہ ''نانوتہ'' سے اسامہ ہیں، حضرت نے اشارہ سے فرمایا کہ میں نے پہچان لیا اور پھر میرے سر پر دونوں

ہاتھ رکھے جب تھوڑی دیر میں والد محترم نانوتہ سے تشریف لائے تو ان کو بھی پہچانا اور جس طرح زندگی بھر سروں پر دست شفقت رکھتے آئے والد صاحب کے سر پر بھی دست شفقت رکھا میں نے محسوس کیا کہ کچھ کلمات دعائیہ بھی کہنا چاہتے تھے مگر طاقت تاب سخن نہ تھی مگر ہاتھوں کے اشارہ سے خیر وعافیت اور دعاء کا مفہوم ادا کر دیا تھا پھر تین چار منٹ بعد آنکھیں بند ہوگئیں۔

حضرت کی خدمت میں ''طیب ہوسپٹل'' سے مستقل ایک ڈاکٹر دن رات مامور ایک لمحہ کے لئے بھی جدا نہیں ہوئے، ان معالجین میں محترم جناب ڈاکٹر نوید صاحب، جناب ڈاکٹر نریش کمار، ڈاکٹر عتیق صاحب اور ڈاکٹر دانش صاحب وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ یہ تمام حضرات دن رات الگ الگ اوقات میں حضرت کے پاس رہے۔(اللہ رب العزت ان کو ہماری طرف سے جزائے خیر عطا فرماوے) اپنی سعادت سمجھ کر حضرت کی خدمت میں مصروف تھے، نہ صرف مسلم ڈاکٹرس بلکہ غیر مسلم ڈاکٹرس بھی، ان میں ایک ڈاکٹر ایسے بھی تھے جنہوں نے حضرت کے آخری ایام کا اور بہت سی مخصوص کیفیات کا بذات خود مشاہدہ کیا جن کا نام جناب نریش کمار تھا۔

انہوں نے حضرت کی ان آخری ایام کی جو کیفیات مشاہدہ کیں وہ حضرت سے بے حد متأثر ہوئے، مجھے موقع ملا میں نے ان کو وہیں اسلام کی دعوت دی، انہوں نے کہا کہ قبول کرنے کے لائق مذہب اسلام ہی ہے، اللہ ان کو مکمل طور پر کفر کی ظلمت سے نکال کر ایمان میں داخل فرمادے (آمین)

مثل مشہور ہے کہ خدمت کو عظمت ہے خواہ وہ کسی کی بھی ہو اور اگر وہ خدمت کسی خوش نصیب کو کسی ایسے بزرگ کی کرنے کی سعادت ملے جو صاحب نسبت بزرگ، صاحب علم وفضل اور اپنے وقت کا بڑا محدث بھی ہو تو بلا تأمل یہ کہا جائے گا کہ اس کو سعادت کبری ملی اور اس کا نصیب چمکا، مخدومی حضرت مولانا شاہد صاحب مدھوبنی مدظلہ ان ہی صاحب نصیب لوگوں میں ہیں جن کو حضرت خطیب الاسلام کی خدمت اور خادم خاص بننے کا شرف ملا، مولانا حضرت کے ساتھ سفر وحضر میں مستقل بحیثیت خادم ساتھ رہتے اور اخیر تک حضرت کے ساتھ رہے، اس خدمت کا صلہ میں نے مولانا کی زندگی میں بہت جگہوں پر دنیوی اعتبار سے دیکھا چنانچہ اس خدمت کا صلہ مولانا کو حضرت کی تعلق نوازی اور خصوصی محبت کی شکل میں ملا چنانچہ حضرت نے آخری گفتگو جو فرمائی ہے وہ حضرت مولانا شاہد صاحب سے فرمائی وہ گفتگو مولانا نے ریکارڈ بھی کرلی تھی، اس کو میں یہاں نقل کر رہا ہوں:

حضرت نے آخری گفتگو کی، آواز میں بڑی نقاہت ہے۔ فرمایا:

’’کہاں کہاں کے رہنے والے مگر اتنے قریب ہو گئے کہ چین نہیں آتا ایک دوسرے کے بغیر، مولانا شاہد نے فرمایا کہ دعا کیجئے ہمارے لئے (حضرت نے دعا دی) اللہ تعالیٰ دارین کی ترقیات عطا فرمائے۔‘‘

یہ تھی حضرت کی آخری گفتگو ’’خطیب الاسلام‘‘ لقب پانے والی شخصیت جس نے زندگی بھر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ کے دین کو انسانوں تک پہنچایا ہو اور ان کی زبان سے جب بھی کلمات نکلے وہ کلمات خیر ہی نکلے، آج وہ زبان کسی انسان سے آخری گفتگو کر رہی ہے اس کے بعد حضرت کی کسی سے کوئی گفتگو نہیں ہوئی، گویا کہ زبان کا رابطہ مخلوق سے ختم ہوا، زندگی کے آخری ایام میں صرف یہ زبان یادالٰہی وذکر الٰہی میں مشغول رہی، ذکر بھی عجیب وغریب ذکر لسانی وذکر قلبی معاً جاری رہا۔

حضرت خطیب الاسلام کا آخری کلام

اس گفتگو کے بعد حضرت کی زبان پر جو ذکر جاری ہوا وہ یاد حق کا ایک اعلیٰ نمونہ تھا زبان بھی اسم ذات کے ذکر میں مشغول اور سانس کی دھڑکنیں بھی وحدہ لاشریک ہونے کی گواہی دے رہی تھیں حضرت کی زبان کی حرکت اور سانس کی دھڑکنیں اس قدر واضح تھیں کہ ہر آنے والے نے محسوس کیا کہ ان کی زبان پر اللہ اللہ جاری ہے، یہاں تک کہ غیر مسلم ڈاکٹر بھی کہہ گئے کہ یہ اب دوسری دنیا میں ہیں اور مالک کی یاد میں مصروف ہیں، ان کو کسی طرح کی کوئی بیماری نہیں اور قلب کی حرکت اپنی جگہ بالکل صحیح کام کر رہی ہے، ہاں بس کمزوری ہے وہ ڈاکٹر کہہ رہے تھے کہ ان کے قلب کو کسی طرح کی کوئی بیماری نہیں، میں ڈاکٹر کے الفاظ کھڑا ہوا سن رہا تھا اور دل میں کہہ رہا تھا، جس کے ذکر کا یہ حال ہو اس کا دل بیمار ہو یہ ناممکن ہے، مجھے حدیث کا مضمون یاد آرہا تھا کہ حدیث میں ذاکر اور غیر ذاکر کے بارے میں فرمایا گیا کہ ذاکر کی مثال زندہ شخص کی ہے اور غیر ذاکر کی مثال مردہ شخص کی ہے بہر حال حضرت کی زبان پر زندگی کے آخری لمحات تک ذکر کا یہ سلسلہ جاری رہا۔

اور حدیث پاک میں بیان کردہ ’’مَنْ کَانَ آخِرُ کلامِهٖ لَا اله الا الله دَخَلَ الْجَنَّةَ‘‘ کی بشارت عظمیٰ سے مشرف ہو کر حسن خاتمہ جیسی سعادت کبریٰ نصیب ہوئی۔ ان شاء اللہ

اللهم ادخله برحمتک في عبادک الصالحين

اساتذہ وطلبا اوراہل تعلق کی آمد کا غیر منقطع سلسلہ

حضرت کی طبیعت کی ناسازی کی خبر بہت جلد ہندوستان کے کونے کونے اور دیگر ممالک میں پھیل گئی، لوگوں کے فون جانشین خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی مدظلہ العالی اور مولانا شکیب صاحب قاسمی کے پاس آنے لگے، مستقل محبین اور متوسلین کے فون آرہے تھے، لوگ فون پر حضرت کی عیادت کررہے تھے اور یہ حضرات مستقل ان کے جوابات دینے میں لگے ہوئے تھے۔ راقم نے دیکھا کہ ان دونوں حضرات کو اس درمیان میں ذرا فرصت نہ ملی ایک فون ختم نہ ہوتا کہ دوسرے کا آجاتا اس طرح چھ دن تک دور ودراز علاقوں، دانشوروں معززین شہر کے الگ الگ شہروں سے اور مدارس اسلامیہ کے ذمہ داران کے، ملک بھر میں پھیلے ہوئے تلامذہ کے، حضرت کے متوسلین اوراعزہ و اقرباء کے، اسی طرح دنیا بھر کے ملکوں سے فون آنے کا ایک مستقل سلسلہ جاری رہا، حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی کو دیکھا کہ چند جملے تو ان کی زبان پر مستقل تھے، مثلاً کسی کے فون آنے پر فرماتے: حضرت کی طبیعت ابھی اطمینان بخش نہیں کمزوری حد سے زیادہ ہے، آپ دعاء فرمایئے، اسی طرح اساتذہ دارالعلوم وقف دیوبند اور اساتذہ دارالعلوم دیوبند اور طلباء کی آمد کا اور حضرت کی عیادت کو اپنے لئے باعث سعادت سمجھ کر آنے والوں کا غیر منقطع سلسلہ ان آخری ایام میں جاری رہا۔

دن میں آنے والے حضرات کا یہ حال تھا کہ دو آرہے ہیں چار جارہے ہیں، یہاں تک کہ گھر کی خواتین کو دن میں اتنا موقع میسر نہ آسکا کہ وہ حضرت کے پاس چند لمحات باطمینان بیٹھ سکیں دو چار مرتبہ دن میں پردہ کروا کر خواتین کو حضرت کے پاس بلایا گیا مگر چند منٹ بعد ہی باہر سے تقاضا ہوا کہ مہمان آگئے ہیں، آپ لوگ پردہ کرلیں، ایک مرتبہ خود میں نے پردہ کروا کر حضرت کی صاحبزادیوں اور گھر کی دیگر خواتین کو اندر بلوایا کہ فوراً ہی حضرت کے چھوٹے صاحبزادے محترم جناب حافظ عاصم قاسمی مدظلہ نے مجھ سے فرمایا کہ باہر مہمان آگئے آپ اندر پردہ کروالیں بہرحال آنے والے حضرات کا بغرض عیادت تانتا بندھا ہوا تھا اس لئے نظام ان چھ سات دن میں اس طرح رکھا گیا کہ شب بھر ساڑھے گیارہ سے لے کر ڈھائی تین بجے رات اہل خانہ حضرت کے پاس رہتے۔

۹، ۱۰ اور ۱۱/ اپریل میں تو اس عاجز کو شب بھر حضرت کی خدمت کی سعادت ملی، اس کے بعد حضرت کی صاحبزادی محترمہ عظمی ناہید صاحبہ، جناب حافظ عاصم قاسمی صاحب اور حضرت مولانا محمد

سفیان قاسمی صاحب نے مجھ سے آرام کے لئے کہا کہ آپ بھی آرام کرلیں تو باقی تین دن میں ۱۲ سے لے کر ۳ بجے شب تک میں اوپر مہمان خانہ میں آرام کے لئے چلا جاتا مگر دل دماغ حضرت کے پاس رہتا کبھی نیند آئی اور کبھی حضرت کی بیماری اور تکلیف کا تصور بندھ جاتا تو نیند نہ آتی۔ میں نے تین بجے شب کا الارم لگا رکھا تھا، اس کے بعد حضرت کی خدمت میں راقم، حضرت مولانا شاہد صاحب اور جانشین خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی اور حضرت کے دوسرے صاحبزادے محترم جناب عدنان قاسمی صاحب فجر کے بعد تک رہتے۔

عیادت کے لئے آنے والے چند مخصوص حضرات

یوں تو حضرت کے پاس آنے والے حضرات کا مستقل ایک سلسلہ تھا مگر چند نام یہاں قابل ذکر ہیں، عصر کی نماز کے بعد میں ذرا تاخیر سے مسجد قدیم سے حضرت کے دولت کدہ پر جا رہا تھا کہ راستے میں حضرت مفتی ابوالقاسم نعمانی صاحب دامت برکاتہم سے مہمان خانہ دارالعلوم دیوبند کے سامنے ملاقات ہوئی، میں نے حضرت سے سلام دعاء کی اور حضرت کے لئے صحت کی درخواست کی، حضرت مہتمم صاحب نے بتایا کہ میں ابھی حضرت ہی کے پاس سے آرہا ہوں۔

حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند اور دیگر کچھ حضرات ان کے ساتھ حضرت کی عیادت کے لئے تشریف لائے حضرت کی حالت اور کیفیت کو دیکھ چہرہ پر ایک غم کی سی کیفیت طاری تھی، اسی طرح حضرت مولانا عبدالخالق صاحب سنبھلی معاون مہتمم دارالعلوم دیوبند بھی کچھ حضرات کے ساتھ حضرت کی عیادت کے لئے تشریف لائے اور حضرت مولانا سفیان صاحب قاسمی سے اطباء ومعالجین کی رائے کے بارے میں دریافت فرمایا، اسی طرح حضرت مولانا قاری ابوالحسن صاحب مدظلہ العالی بھی اپنے استاذ محترم کی عیادت کے لئے تشریف لائے حضرت کی طبیعت دریافت فرمائی اور کچھ دیر بالکل خاموش بیٹھے رہے، جیسے یاد ماضی اور حضرت کے ساتھ بیتے درس کے لمحات کو یاد کر رہے ہوں، اسی طرح حضرت مولانا احمد خضر شاہ صاحب شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند بارہا عیادت کے لئے تشریف لائے اور کافی دیر تک بیٹھے رہے، اسی طرح حضرت مولانا نسیم اختر شاہ قیصر استاد دارالعلوم وقف دیوبند اس ربط قلبی کی بنیاد پر جو ان کو حضرت خطیب الاسلام سے تھا بار بار تشریف لاتے رہے۔

اسی طرح اس دوران بار ہا تشریف لانے والوں میں راقم کے والد محترم حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی نانوتوی رکن مجلس مشاورت دارالعلوم وقف دیوبند بھی بار بار تشریف لاتے۔

دارالعلوم دیوبند کے استاذ ادب عربی راقم کے استاذ محترم حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی صاحب دامت برکاتہم العالیہ اپنی طبیعت کی ناسازی کے باوجود ''طیب منزل'' خدمت اقدس میں بغرض عیادت تشریف لائے، حضرت خود ہی اپنی حاضری بغرض عیادت کو لکھتے ہیں:

''جمعرات: ۲۴؍رجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۲اپریل ۲۰۱۸ء کو کوئی ۱۰ بجے راقم الحروف جامعہ انور دیوبند کے استاذ عزیز مکرم مولانا وصی احمد قاسمی کے ہمراہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دولت کدے پر عیادت کے لئے پہنچا اور لرزیدہ قدم ان کے مکان کے دروارے میں داخل ہوا تو معلوم ہوا کہ ''نانوتہ'' (ان کے آبائی وطن سے کچھ مرد وخواتین ان کی عیادت کو آئی ہوئی ہیں۔ ان کے ہمہ وقت کے خادم مولانا شاہد مدھوبنی بغل کے کمرے میں دو چار منٹ انتظار کرنے کے لئے ہمیں بیٹھنے کی دعوت دے ہی رہے تھے کہ اندر کسی ذریعے سے مولانا سفیان قاسمی کو راقم کی آمد کی خبر ہوگئی۔ وہ اور ان کے صاحب زادے مولانا شکیب قاسمی ڈائرکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف لپک کر ہماری طرف کو آنے اور مذکورہ مرد وخواتین کو کسی اور کمرے میں کر کے فوراً حضرت مولانا کے کمرہ میں بلا لیا (راقم الحروف حضرت کی تشریف آوری کے وقت حضرت ہی کی خدمت میں تھا) جیسے ہی ان کے چہرے پر نظر پڑی ایسا لگا کہ مسافر جنت لیٹا ہوا اپنی راہ تک رہا ہے اور رفیق سفر فرشتے انتظار میں بے چین لمحوں کو بمشکل گزار رہا ہے۔''[1]

یہ تھا حضرت کا اقتباس، جب حضرت استاذ محترم حضرت مولانا نور عالم خلیل امینی دامت برکاتہم العالیہ اندر کمرہ میں حضرت خطیب الاسلام کی عیادت کے لئے تشریف لائے تو میں حضرت کے پاس بیٹھا ہوا قرآن کریم پڑھ رہا تھا اور سورہ یسین مکمل ہوگئی تھی، میں نے حضرت کو دیکھا کہ حضرت کے ہاتھ میں بینت ہے اور قدم واقعی لرزیدہ تھے۔ میں نے حضرت کو سلام کیا، حضرت نے اس طرح شفقت کا اظہار فرمایا کہ نہ صرف سلام کا جواب دیا بلکہ سر پر دست شفقت بھی رکھا اور دعاء دی۔

اسی طرح عیادت کرنے والوں میں ایک نام حضرت مولانا ندیم الواجدی صاحب مدظلہ العالی کا بھی ہے، جو حضرت کے پاس کئی مرتبہ تشریف لائے، حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی اور محترم جناب

[1] حضرت مولانا کا نور عالم خلیل امینی کے حضرت پر لکھے ہوئے مضمون کا اقتباس ص ۲

حافظ عاصم قاسمی صاحب سے حضرت کی طبیعت اور اطباء ومعالجین کی رائے معلوم کی مگر کمزوری میں حد درجہ روز بروز اضافہ ہی ہوتا رہا، کچھ اور حضرات بھی وہاں پہلے سے موجود تھے، حضرت مولانا ندیم الواجدی کے تعلق سے حضرت مولانا سفیان صاحب نے راقم کو بتایا کہ مولانا کے بھی کچھ مخصوص تجربات ہیں ان سے بھی رابطہ کر سکتے ہیں مگر حضرت کے انتقال سے قبل تو کوئی ملاقات کا موقع نہیں تھا اور حضرت کے وصال کے بعد ایک بڑا صدمہ، مزید دعوتی اسفار، اُدھر رمضان المبارک کی آمد، پھر حضرت کی سوانح حیات لکھنے میں مصروف رہا بہر حال حضرت مولانا ندیم الواجدی صاحب مدظلہ سے کوئی ملاقات کا موقع میسر نہ آسکا اُدھر مولانا کا مضمون بھی حضرت خطیب الاسلام پروہاٹس اپ پر نظر سے گذرا، اللہ رب العزت آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

اسی طرح عزیز مکرم جناب مولانا دلشاد صاحب صدیقی بن جناب قاری اخلاق صاحب صدیقی رحمۃ اللہ علیہ بھی دارالعلوم وقف دیوبند کے تعلیمی اوقات کے علاوہ روزانہ ہی حضرت کی خدمت میں تشریف لاتے اور ہمارے ساتھ حضرت کی خدمت میں کافی دیر رہتے، میں نے ایک دو مرتبہ ان کی طبیعت کی ناسازگی کی وجہ سے ان سے درخواست کی کہ آپ آرام فرمالیں ہم لوگ حضرت کے پاس موجود ہیں مگر پھر بھی کافی دیر تک بیٹھے رہتے۔ اسی طرح طیب ٹرسٹ سے بھائی فاروق بن اشفاق صاحب مرحوم بھی مستقل آتے جاتے رہے دارالعلوم وقف دیوبند کے تقریبا تمام اساتذہ و دیگر اراکین الگ الگ اوقات میں تقریباً حضرت کی عیادت کے لئے آتے رہے، غرض یہ کہ دارالعلوم وقف دیوبند اور دارالعلوم دیوبند کے اکثر اساتذہ حضرت کی عیادت کے لئے تشریف لائے، اُدھر دونوں اداروں کے طلباء کی غیر منقطع آمد کا سلسلہ جاری رہا۔ کا بھی غیر منقطع عیادت کا سلسلہ جاری رہا۔ گھر میں شہر کی خواتین حضرت کی عیادت کے لئے مستقل آتی رہیں تقریباً چھ سات روز تک مستقل یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا۔

کچھ حضرات حضرت سے تعلق رکھنے والوں میں ایسے بھی تھے جو ہندوستان کے مختلف شہروں سے حضرت کی علالت کی خبر سن کر اپنی گوناگوں مصروفیات کو نظر انداز کر کے فوراً حضرت کی خدمت میں تشریف لائے، ان ہی لوگوں میں حضرت کے خلیفہ و مجاز محترم جناب حافظ اقبال صاحب جوگیشوری رکن مجلس مشاورت دارالعلوم وقف دیوبند، حضرت مولانا مبین صاحب ٹانڈا خلیفہ و مجاز حضرت خطیب الاسلام اور وجے واڑہ سے حضرت مولانا فاروق صاحب دامت برکاتہم خلیفہ و مجاز

حضرت خطیب الاسلام، محترم جناب حضرت مولانا عاصم قاسمی علی گڈھ خاص طور پر اس لئے تشریف لائے کہ حضرت کی زیارت ہوجائے گی چنانچہ مولانا عاصم نے مجھے بتایا کہ یہ میری سعادت ہے کہ مجھے حضرت کی زندگی ہی میں زیارت کا شرف نصیب ہوگیا۔ جب سے میں نے سنا کہ حضرت کی طبیعت علیل ہے تو کسی طرح سرزمین علی گڈھ میں قرار نہ تھا، اس لئے میں نے فوراً سفر کیا، مولانا کی آواز بھرارہی تھی اور یہ فرمارہے تھے کہ: ہمارے پاس اپنے بزرگوں کی اپنے اسلاف دیوبند کی ایک نشانی باقی تھی، شاید رخصت ہوا چاہتی ہے پوری جماعت حضرت کے جانے سے یتیم ہوجائے گی، اب اس انداز سے علم وادب کی مجلسیں نہ مل پائیں گی۔ کسی شاعر نے کہا ہے:

لَیْسَ الیَتِیْمُ الَّذِیْ قَدْمَاتَ وَالِدُہٗ

بَلِ الْیَتِیْمُ یَتِیْمُ الْعِلْمِ وَالْأَدَبِ

حسن ظن اور اشتیاق ملاقات رب

۹ نواپریل ۲۰۱۸ء ہی کو مجھے محسوس ہوگیا تھا کہ اب حضرت پر وہ کیفیات ہیں جو ایک مؤمن کامل پر زندگی کے آخری لمحات میں ہوتی ہیں، یعنی اشتیاق ملاقات رب اور اپنے رب سے حسن ظن اور یہ کیفیات آخری وقت میں جب ہی پیدا ہوتی ہیں جب اس کے قلب میں اللہ کی محبت پہلے سے موجود و موجزن ہو کیونکہ اخیر لمحات میں مؤمن سے مقصود یہ ہے کہ وہ اپنے اللہ سے اس طرح ملاقات کرے کہ اللہ کی محبت سے اس کا دل سرشار ہو، اس کے دل میں محبت کے فوارے پھوٹ رہے ہیں چنانچہ شریعت مطہرہ نے اسی کا حکم ہر صاحب ایمان کو دیا، ارشاد فرمایا گیا:

"وَلَاتَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ" اسی طرح حدیث میں ارشاد فرمایا گیا: "وَلَایَمُوْتُنَّ اَحَدُکُمْ اِلَّا وَھُوَ یُحْسِنُ الظَّنَّ بِرَبِّہٖ" (رواہ مسلم) تم میں کسی کی موت نہ آوے مگر یہ کہ وہ اپنے رب سے حسن ظن قائم رکھے۔ حضرت پر یہ کیفیات طاری تھیں اور اس عالم سے گویا کہ تعلق ختم سا ہی کرلیا تھا چنانچہ بے شمار علماء نے اس کا اظہار راقم سے بھی کیا کہ حضرت پر اب اشتیاق لقائے رب اور حسن ظن کی کیفیات طاری ہیں چنانچہ جانشین خطیب الاسلام مولانا سفیان صاحب نے اس عاجز سے فرمایا کہ "ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب دوسرے عالم کی کیفیات شروع ہوگئیں"۔

چنانچہ حضرت کی زبان وقلب مستقل ذکر اللہ میں مشغول تھے اور جنت کا مسافر اپنی زندگی کے

آخری مرحلے سے گذر کر منزل مقصود کا بے قراری و بے تابی سے منتظر بھی تھا اور مشتاق بھی۔

زندگی جس ذکر وفکر کے ساتھ گذاری آج زبان وقلب پر حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "کماتحیون تَمُوْتُوْنَ وَكَمَا تَمُوْتُوْنَ تُحْشَرُوْن" کے مطابق ذکر الٰہی جاری ہے اور اس طرح ذکر وفکر میں مشغول ہونا علامت ہے اس بات کی کہ حضرت کے ذہن میں ہے کہ میری ملاقات اب اس رب کریم آقا سے ہونے جارہی جو رحمٰن بھی ہے اور رحیم بھی۔ دنیا میں اس نے مجھ پر بے شمار انعامات کئے، تا زندگی اس کے احسان وکرم کی بارشیں مجھ پر ہوتی رہیں، اب جب کہ میری ملاقات اس کریم ذات سے ہونے والی ہے تو مجھ کو اپنی آغوش رحمت میں لینے سے کیسے انکار کرے گا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف احادیث میں اس بات کی تائید فرمائی کہ بندہ اپنے اللہ سے حسن قائم رکھے جیسا کہ امام مسلم نے حضرت جابر سے حدیث نقل کی ہے:

"أَنَّهُ سَمِعَ النبيَّ صلى الله عليه وسلم قبل موته بثلاثة أيَّام يَقُوْل لَا يَمُوْتُنَّ اَحَدُكُمْ اِلَّا وَهُوَ يُحسِنُ الظَّنَّ بالله عز و جل" حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو آپ کی وفات سے تین دن قبل یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں سے کسی کو موت نہ آئے مگر یہ کہ اللہ رب العزت سے اس کا حسن ظن قائم ہو۔

قرآن کریم کی تلاوت اور مرض وفات

حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی، محترم جناب حافظ عاصم قاسمی صاحب، محترم جناب عدنان قاسمی صاحب محترم جناب مولانا شاہد صاحب، عزیزم مولانا شکیب قاسمی اور احقر مستقل حضرت کی خدمت میں موجود تھے۔ ۱۹ اپریل ۲۰۱۸ء ۲۱ رجب المرجب ۱۴۳۹ھ کو ۱۰ بجے بوقت صبح اس عاجز نے حضرت خطیب الاسلام کو سب سے قبل یٰسین شریف سنائی اور کئی مرتبہ یسین شریف پڑھنے کی سعادت میسر آئی اور اس کے بعد حضرت کے پاس قرآن کریم پڑھنے والوں کا جو سلسلہ شروع ہوا تو پھر شنبہ ۲۶؍رجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۴؍اپریل ۲۰۱۸ء کو ۲ بج کر ۱۷ منٹ پر انتقال تک یہ دن رات مسلسل قرآن کریم اور خاص طور پر سورہ یٰسین پڑھنے والوں کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا، بڑے بڑے علماء، حضرت کے تلامذہ، متوسلین، دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ وقراء حضرات بغرض عیادت تشریف لاتے اور قرآن کریم اور خاص طور پر سورہ یسین پڑھتے، باقاعدہ دو تین کرسیاں حضرت کے دائیں اور بائیں

رکھی ہوئی تھیں علماء وحفاظ کرام تشریف لاتے اور حضرت کو قرآن کریم سنا کر چلے جاتے دن میں علماء اور طلباء آتے اور قرآن کریم پڑھتے جاتے اور رات میں اہل خانہ مستقل حضرت کے پاس قرآن کریم کی تلاوت اور دیگر ذکر واذکار میں مشغول رہتے، ایسا محسوس ہوتا تھا کہ حضرت کے تمام اعضاء و جوارح قلب کے تابع بن کر جیسے ذکرواذکار میں مصروف ہوں چنانچہ قرآن کریم کی تلاوت کے وقت حضرت کا حال یہ تھا کہ قلب بھی ذکر میں مشغول، زبان بھی مسلسل ذکر الٰہی سے تر اور کان قرآن کریم کی تلاوت سننے میں محو، حقیقت یہ ہے کہ آخری چند دنوں میں جو واقعات پیش آئے اور جو کیفیات محسوس کی گئیں وہ عام آدمی نے بھی محسوس کر لیں مثلا پورے کمرہ میں ایک ایسی عجیب وغریب خوشبو کا پھیل جانا کہ ہم سب لوگ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ کسی نے کوئی خوشبو تو نہیں لگائی مولانا شاہد صاحب اور دیگر حضرات نے یہاں تک کہ غیر مسلم ڈاکٹر جو طیب ٹرسٹ کی طرف سے وہاں پر موجود تھے سب نے محسوس کی کہ بالکل عجیب خوشبو تھی اس طرح کی خوشبو اس عاجز نے تو کبھی نہیں سونگھی۔

اہل خانہ میں سب ہی حضرات تھوڑی تھوڑی دیر حضرت کے دائیں اور بائیں جانب پڑی ہوئی کرسیوں پر بیٹھ کر قرآن کریم سناتے اور پھر دوسرے کو موقع دیدیتے۔ میں بھی دائیں جانب والی کرسی پر بیٹھ کر تلاوت کلام اللہ خاص طور پر سورہ یٰسین پڑھ رہا تھا، میں نے تلاوت ختم کی اور اس کرسی پر سے اٹھنا چاہا لیکن محترمہ عظمیٰ ناہید صاحبہ صاحبزادی حضرت خطیب الاسلام نے منع فرمایا کہ تم وہیں بیٹھے رہو بہر حال میں حضرت کی دائیں جانب والی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا کہ محترم حافظ عاصم قاسمی دامت برکاتہم نے سامنے والی کرسی پر بیٹھ کر سورہ "یٰسین" پڑھنی شروع کی، قرآن کریم کا سرور اور خانوادۂ قاسمی کی آواز کہ ایک سماں بندھ گیا، قرآن کریم جیسے نازل ہو رہا ہو، سبحان اللہ، میں خود ان کی تلاوت سننے میں اس قدر محو ہوا کہ بعد میں یہ خیال آیا کہ کاش میں ان کی تلاوت کو ریکارڈ کر لیتا۔

۲۵ رجب المرجب مطابق ۱۳ راپریل میں جب کمزوری حد درجہ بڑھی تو تلاوت کلام اللہ کی ساتھ ساتھ عزیزم مولانا شکیب قاسمی سلمہ اللہ، مولانا شاہد صاحب خود یہ عاجز تلقین شہادتین کرنے لگے اور **اشھد ان لا الہ الا اللہ و اشھد أن محمد رسول اللہ** اسی طرح کلمہ طیبہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** اور **اللھم باالرفیق الاعلی.** جیسے کلمات حضرت کے قریب جھک کر پڑھتے مگر حضرت کی زبان خود مستقل اسم ذات "اللہ اللہ" میں مصروف تھی، اس کثرت ذکر کی وجہ سے زبان پر

خشکی کی پپڑی جم گئی، پپڑی اتاری دوبارہ پھر پپڑی جم گئی مگر مستقل زبان ذکرالٰہی میں مشغول تھی، میں بار بار حضرت کے منہ میں چمچہ سے زمزم ڈالتا، جمعہ کے دن صبح ہی سے حالت یہ ہوگئی تھی کہ بس اب جدائیگی کا وقت بالکل قریب آ گیا اور چند لمحات اب اس دار فانی سے رخصت ہونے کے باقی رہ گئے مگر موت کا وقت ایسا مقرر ہے کہ﴿اِذَاجَاءَ أَجَلُهُمْ فَلَايَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ.﴾(سورۃ یونس: ۴۹)
چنانچہ اسی کشمکش میں جمعہ کا وقت ہوگیا، جانشین حضرت خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی نے فرمایا کہ کچھ حضرات جمعہ کی نماز ایک بجے مسجد قدیم دارالعلوم دیوبند میں پڑھ لیں اور کچھ حضرات بعد میں پڑھ لیں چنانچہ حضرت مولانا سفیان قاسمی صاحب، محترم جناب عدنان قاسمی صاحب، محترم جناب حافظ عاصم قاسمی صاحب، عزیزم مولانا شکیب قاسمی، عزیزم جناب صہیب قاسمی، یاسر قاسمی اور راقم ہم سب نے دارالعلوم دیوبند کی مسجد قدیم میں نماز جمعہ ادا کی اور نماز کے بعد ہم لوگ حضرت کے پاس پہنچ گئے باقی ماندہ لوگوں نے پھر نماز جمعہ ادا کی۔ دہلی اور نانوتہ سے اور بہت سی جگہوں سے میرے پاس فون آرہے تھے حضرت کی طبیعت معلوم کرنے کے بارے میں برادر مکرم حضرت مولانا محمد اویس صاحب مستقل حضرت کی طبیعت کے بارے میں مجھ سے رابطے میں تھے۔ ادھر نانوتہ سے والد مکرم حضرت مولانا زکریا صاحب دامت برکاتہم کے مستقل فون آرہے تھے اور حضرت کی طبیعت کے بارے میں مجھ سے معلومات لے رہے تھے، حضرت کو سانس لینے میں پریشانی تھی وہی مرض مزید بڑھتا رہا، آخر کے دو دن جمعہ اور ہفتہ میں خشکی میں بھی اضافہ ہوگیا تھا اس لئے دس منٹ کے وقفے سے یہ عاجز حضرت کے ایک چمچہ یا دو چمچے زمزم کے پلاتا رہا، حضرت کو سانس کی تکلیف ضرور تھی مگر چہرہ پر ایک عجیب سا سکون وقرار تھا۔

کسی طرح کی بیقراری و بے چینی نہیں تھی، ایسا قرار واقعی تھا جیسے کوئی مسافر منزل مقصود پر پہنچ کر ایک طرح کا قرار حاصل کرتا ہے۔ جمعہ کا پورا دن اس کشمکش میں گذرا کہ بس حضرت اب چند لمحوں کے مہمان ہیں عنقریب ہم سے رخصت ہو جائیں گے، مگر جمعہ کے دن بھی مکمل گذر گیا یہ رات حضرت کی آخری رات تھی، رات میں تمام اہل خانہ متفکر تھے اور حضرت کے ارد گرد جمع تھے، رات بھر مولانا محمد سفیان قاسمی حضرت ہی کے پاس بیٹھے رہے، ڈھائی بجے کے قریب راقم نے کہا کہ آپ تھوڑا آرام فرما لیں، کیونکہ مستقل مہمانوں کی آمد رفت کا سلسلہ جاری ہے آپ کو کل شاید آرام نہ مل پائے، آپ نے ایک چھوٹے کی درخواست کو قبول کرتے ہوئے سامنے حضرت والے کمرہ ہی میں آپ لیٹ گئے۔

حضرت کی زندگی کا آخری دن

جمعہ کا دن اور ہفتہ کی شب گذر گئی اور جو کیفیت حضرت کی جمعہ کے دن ۱۳ اپریل ۲۵ رجب ۱۴۳۹ھ کوتھی وہی کیفیت اگلے دن بروز شنبہ میں باقی رہی، قرآن کریم کی تلاوت کا مستقل معمول جاری تھا، ہر پندرہ منٹ بعد میں ایک چمچہ حضرت کو زم زم پلا رہا تھا۔ ۱۱ بجے دن میں قلب کی حرکت کم ہوگئی اور اہل خانہ میں سب لوگ حضرت کے ارد گرد جمع ہو گئے، مگر دس منٹ بعد پھر وہ حرکت معمول پر آ گئی۔ آج بھائی جان چھٹی کی وجہ سے دہلی سے دیوبند تشریف لا رہے تھے، تقریباً ۱۱ بجے وہ حضرت کے پاس پہنچ گئے، حضرت کو دیکھ کر بے قابو سے ہو گئے اور اوپر مہمان خانہ میں جا کر رونے لگے۔ مجھ سے روتے ہوئے فرمایا کہ حضرت کے بعد ہم سب یتیم سے ہو جائیں گے۔ سانس اسی طرح اکھڑ اکھڑ کر آ رہا تھا، اس کے بعد دو بجے تک اسی طرح حرکت قلب کا نظام چلتا رہا، کبھی کم ہو جاتی اور کبھی معمول پر آ جاتی، اسی طرح دو بجے تک حرکت قلب کا نظام اوپر نیچے تک چلتا رہا کہ ۲ بج کر ۱۳ منٹ پر قلب کی حرکت آہستہ آہستہ کم ہوتی چلی گئی اور حضرت کے چہرہ پر ہلکی سی کپکپاہٹ ہوئی، راقم نے زم زم پلایا، تین گھونٹ زم زم پینے کے بعد حضرت نے خود سے سر کو دائیں کروٹ کر لیا، سب لوگ اہل خانہ حضرت کے ارد گرد جمع ہو گئے اور بآواز بلند کلمہ طیبہ وکلمہ شہادت پڑھنے لگے، اس عاجز کی زبان پر ”**اللھم باالرفیق الاعلی**“ کے کلمات کا ورد تھا، سب لوگ اہل خانہ اس مسافر جنت کو تلقین شہادتین کے ساتھ رخصت کر رہے تھے، چنانچہ ۲ بج کر ۱۷ منٹ پر حضرت خطیب الاسلام نے اپنے دولت کدہ پر جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

رحمہ اللہ رحمتہ واسعتہ، وادخلہ برحمنک فی عبادک الصالحین، واسکنہ الجنہ جنۃ الفردوس مع النبیین والصدیقین والشھداء والصالحین.

اس عاجز نے حضرت کے چہرہ پر ہاتھ رکھا تو حضرت کا وصال ہو چکا تھا، میں نے حضرت کے چہرہ پر بوسہ دیا، حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی، محترم جناب عدنان قاسمی، محترم جناب حافظ عاصم قاسمی، عزیزم مولانا شکیب قاسمی، حضرت مولانا شاھد صاحب اور بھائی جان ودیگر اہل خانہ سب کے سب اشکبار تھے۔ انتقال کے بعد محسوس ہوا کہ ہم دینی وروحانی اعتبار سے واقعی یتیم ہو گئے۔ اور مجھے اس شخص کی بات بار بار یاد آتی کہ جس نے ۱۲؍ اپریل ۲۰۱۸ء بروز جمعرات بعد نماز ظہر سعیدیہ ہوٹل میں

بیٹھ کر کہا تھا کہ ''مولانا محمد سالم قاسمی صاحب کی طبیعت ناساز ہے آپ کے انتقال کے بعد پورا دیو بند نہیں بلکہ پورا علاقہ یتیم ہو جائے گا۔'' اور یہی بات آپ کے وصال سے تین گھنٹہ قبل مجھ سے بھائی جان نے کہی تھی۔

وصال کے فوراً بعد ہی میں نے، مولانا شاہد صاحب نے حضرت کے سر پر پٹی باندھی، اور ایک لال چادر لائی گئی وہ حضرت کو اوڑھا دی گئی، وصال کی خبر برق رفتاری کے ساتھ پورے دیو بند بلکہ پورے ملک میں پھیل گئی۔ فوری طور پر اسٹریچر لایا گیا اور حضرت کو ''طیب منزل'' قدیم میں منتقل کر دیا گیا یہ سب کام تقریباً چار یا پانچ منٹ میں ہو گئے، جب ہم حضرت کو لے کر باھر نکلے تو طلباء کا ایک ھجوم باھر منتظر تھا، بڑی تیزی سے راستہ بنا کر حضرت کے جنازے کو اُدھر منتقل کیا گیا۔ حضرت کے جنازے کو ابھی گھر میں لیجا کر رکھا ہی تھا تا کہ اہل خانہ زیارت کر لیں، معلوم ہوا کہ دارالعلوم دیو بند کے ذمہ داران تشریف لائے ہیں۔ فوری طور پر پردہ کرایا گیا اور ان کو اندر ہی بلا لیا گیا، حضرت مفتی ابوالقاسم صاحب دامت برکاتہم نے حضرت کو دیکھا، حضرت بہت روئے، اسی طرح حضرت مولانا عبدالخالق مدراسی دامت برکاتہم نے بھی حضرت کی زیارت کی۔ معززین شہر طیب منزل کی طرف رواں دواں تھے، اور دیو بند میں پڑھنے والے طلبہ جوق در جوق طیب منزل کے ارد گرد جمع ہونا شروع ہو گئے، دارالعلوم کی قدیم مسجد سے وصال کا اعلان کیا گیا اسی طرح جامع مسجد دیو بند سے مسلسل اس اندوہناک خبر کا اعلان ہوتا رہا، ہندوستان اور بیرون ملک سے تعزیتی پیغامات آنے کا سلسلہ شروع ہو گیا، اور آس پاس کے علاقوں سے جو لوگ پہنچ سکتے تھے، وہ سب دیو بند کی طرف رواں دواں تھے، ذمہ داران مدارس اسلامیہ، ملی اور سیاسی تنظیموں کے نمائندے تعزیت کے لئے آنے لگے، دارالعلوم وقف دیو بند اور دارالعلوم کے اساتذہ یکے بعد دیگرے آنے لگے، تمام ہی حضرات نے جسد خاکی کی زیارت کی۔

اس کے بعد تجہیز و تکفین کے متعلق مشورہ ہوا، جانشین خطیب الاسلام حضرت مولانا سفیان صاحب نے اس عاجز کو غسل کی ذمہ داری دی، میں نے کفن کے بارے میں معلوم کیا تو مجھے بتایا کہ کفن حضرت خطیب الاسلام نے خود ہی تیار کروا کر رکھ رکھا تھا، جس میں دو چادر حج کے احرام کی بھی ہیں، اسی طرح حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی مدظلہ نے مجھے الگ لیجا کر ایک کالے کپڑے کا ٹکڑا اور ایک پڑیا دی جس میں مٹی تھی، راقم نے اس مٹی کے متعلق دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ وہ عظیم

تبرک ہے، وہ مٹی روزہ اقدس میں اندر قبر اطہر کی ہے، جو حضرت خطیب الاسلام کو پاکستان کے کسی انجینئر نے دی تھی جن کو روضۂ اقدس میں اندر جانے کا شرف حاصل ہوا تھا، بڑی خوش نصیبی کہ جانشین خطیب الاسلام نے مجھے یہ شرف بخشا کہ اس عظیم امانت کو راقم کے سپرد کیا کہ غسل کے بعد بھائی صاحب (حضرت خطیب الاسلام) کی وصیت کے مطابق اس مٹی کو سینے پر رکھ دینا۔

مولانا اویس صاحب صدیقی نانوتوی نے عزیز مکرم جناب صہیب قاسمی صاحبزادے حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب سے پانی گرم کروانے کے لئے کہا۔ عزیزم جناب صہیب قاسمی صاحب نے گرم پانی کا انتظام کیا، اور عزیزم یاسر قاسمی صاحبزادے محترم جناب عدنان قاسمی صاحب نے غسل کے لئے دیگر انتظامات کئے، بہرحال وقت مقررہ پر حضرت کو غسل دیا، بحمداللہ غسل دینے کا شرف بھی اس عاجز ہی کو حاصل ہوا، دیگر معاونین اور موجودین میں وہاں مولانا محمد سفیان قاسمی دامت برکاتہم، والد مکرم حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی نانوتوی، جناب عدنان قاسمی، محترم جناب حافظ عاصم قاسمی صاحب، عزیزم جناب صہیب قاسمی صاحب، عزیزم مولانا شکیب قاسمی صاحب، مولانا شاہد صاحب، بھائی جان مولانا محمد اویس صدیقی نانوتوی، عزیزم جناب قاری عبدالرحمان صاحب نانوتوی، محترم جناب مفتی واصف صاحب وغیرہ موجود تھے۔

مکمل تیار کرنے کے بعد جنازہ کو اندر صحن میں رکھا گیا، وہاں پر میں نے حضرت کے کفن میں غلاف کعبہ کا ٹکڑا اور روزہ اقدس کی مٹی حسب وصیت رکھدی، پھر گھر میں خواتین میں پندرہ بیس منٹ جنازے کو رکھ کر جنازہ کو باھر لے آئے ایک جم غفیر حضرت کے دیدار کے لئے طیب منزل کے باہر کھڑا ہوا تھا۔ اس کے بعد طالبان علوم نبوت حضرت کے آخری دیدار کے لئے بالترتیب آتے رہے اور گھنٹوں یہ سلسلہ مسلسل جاری رہا۔

حضرت کے چہرے کو جو بھی دیکھتا اس کے دل کی یہی آواز ہوتی کہ ایک جنت کا مسافر لیٹا ہوا ہے جو چند گھنٹوں بعد اپنی آخری آرام گاہ اور طویل سفر کے بعد اپنی منزل مقصود تک پہنچ جائے گا۔

چہرہ اس قدر روشن اور منور تھا کہ جو بھی دیدار کرتا وہ اس کی شہادت دیتا:

جہاں سے بٹ رہی ہے دولتِ عقبیٰ زمانے کو
خود اپنی آنکھوں سے وہ گنج گوھر دیکھ آئے ہو

اور چہرہ اس قدر تاباں ونورانی تھا کہ محسوس ہی نہیں ہو رہا تھا کہ آپ کا وصال ہو گیا۔ بلکہ مجھے تو ایسا لگ رہا تھا

کہ جیسے آپ سو رہے ہوں بقول مولانا اخلاق صاحب دیوبندی۔

جگاؤ نہ حضرت کو نیند آ گئی ہے۔

جناب وقت مقررہ پر دارالحدیث کے تحتانی میں لایا گیا اور عام زیارت کے لئے وہیں رکھا گیا، دس بجے کا چونکہ اعلان تھا، اس لئے ہم لوگوں نے نماز عشاء دارالحدیث میں پڑھی، ٹھیک دس بجے جنازے کو احاطۂ مولسری میں لایا گیا، جہاں ہزاروں محبین ومتوسلین حضرت خطیب الاسلام اور طالبان علوم نبوت علماء اور صلحاء ذمہ داران مدارس، معززین دیوبند سراپا انتظار تھے، بس فوراً ہی نماز جنازہ شروع ہوگئی، صاحبزادۂ خطیب الاسلام مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی، اور پھر جنازہ باب قاسم سے قبرستان قاسمی لے جایا گیا، پھر حضرت مولانا سفیان صاحب قاسمی، جناب بھائی عدنان قاسمی اور مولانا شکیب قاسمی نے جسد خاکی کو قبر میں رکھا اور اس طرح تقریباً سوا گیارہ بجے تدفین ہوگئی۔

ایام علالت سے متعلق چند اہم باتیں

حضرت کے اخیر کے ایام میں راقم الحروف کو بفضلہٖ تعالیٰ حاضر باش رہنے اور حضرت کے قدموں میں کھڑے رہنے کی سعادت میسر آئی، حضرت کو گرچہ مصنوعی سانس دیا جارہا ہے اور کمزوری بھی حد درجہ کی ہے مگر دل ودماغ کے اعتبار سے بالکل مطمئن، بی پی صحیح اور نارمل، اس دوران راقم الحروف، حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی، جناب عاصم قاسمی، حضرت کے خادم خاص حضرت مولانا شاہد صاحب، عزیز مکرم مولانا شکیب صاحب قاسمی اور حافظ اقبال صاحب جوگیشوری ممبئی ہم سب لوگ مستقل حضرت کی خدمت میں رہے ہم سب نے شدید ترین علالت کے باوجود مشترکہ طور پر جو باتیں محسوس کیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔آکسیجن لگنے کے باوجود زبان پر مستقل لفظ اللہ کا ورد تھا، زبان اسم ذات سے مستقل متحرک ہے اور سانس کا اتار چڑھاؤ بھی ذکر قلبی کی طرف مشیر تھا، نبی کریم ﷺ کا جو معمول حدیث میں بیان کیا گیا ہے 'کان یذکر اللہ علی کل أحیانہ' اس ذکر قلبی اور ذکر لسانی کا مشاہدہ راقم الحروف اور دیگر یہاں موجود حضرات نے کیا، ذکر قلبی وذکر لسانی معا بڑی ریاضتوں کے بعد کسی کو نصیب ہوتا ہے، حضرت خطیب الاسلام کی آخری پانچ دن کی کیفیات کو دیکھتے ہوئے حدیث 'کما تحیون

تـمـوتـون و کـمـا تموتون تحشرون" کوسامنے رکھتے ہوئے بلا تامل یہ کہہ سکتا ہوں کہ حضرت خطیب الاسلام کا ذکر لسانی و ذکر قلبی کا مستقل معمول رہا جس کے اثرات حدیث کی روشنی میں ہم جیسے نااہلوں پر بھی آخری وقت میں ظاہر ہوئے۔

دوسری بات آخری چھ ایام میں جو مجھ جیسے نااہل تک کو محسوس ہوئی کہ شہادت کی انگلی کو تشہد کی حالت کی طرح رکھی اور پھر بار بار انگلی کو اٹھاتے، بار بار اس انگلی کو اٹھانا بلا وجہ یا بے مقصد نہیں کہا جا سکتا، اس لئے کہ جس طرح ہم لوگ تشہد کی حالت میں اشھد ان لا الـه الا اللّٰه پر انگلی اٹھاتے ہیں بالکل اسی کیفیت اور اتنے ہی وقت کے لئے انگشت شہادت کو اٹھا کر گرا دینا خود بتا رہا ہے کہ نہ صرف قلب ہر طرح کے شیطانی وسوسوں سے پاک ہے بلکہ اعضاء و جوارح بھی حق جل مجدہ کی وحدانیت میں قلبی شہادت کے مؤید و تابع تھے، اور اعضاء و جوارح کا باری تعالیٰ کی وحدانیت کے سلسلے میں قلب کا تابع بن جانا اس امر کی دلیل ہے کہ زندگی میں ظاہر و باطن میں یکسانیت اور اعضاء و جوارح اور قلب میں مستقل ہم آہنگی رہی۔ اس کے معنی مذکور بالا حدیث "کـمـا تـحـیـون تـمـوتـون و کما تـمـوتـون تحشرون" کے مضمون کو سامنے رکھتے ہوئے یہ ہیں کہ زندگی بھر دل نفاق سے پاک رہا، نفاق جیسی مذموم خصلت سے کسی کے دل کا پاک ہونا صالحین، متقین اور اولیاء اللہ کا شیوہ رہا۔

تیسری بات جس کو ہم سب لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا وہ یہ کہ بظاہر حضرت خطیب الاسلام پر غنودگی کی کیفیات رہیں، مگر اس غنودگی کے عالم میں اتنا با ہوش کہ مستقل یہ عمل رہا کہ اپنے تمام اعضا کی قوتوں کو مجتمع فرما کر آپ دونوں ہاتھوں کو کانوں تک لے جاتے اور پھر ناف کے نیچے بالکل اسی طرح نیت باندھتے جیسے ہم لوگ نیت باندھتے ہیں، حالانکہ ایک ہاتھ میں ڈرپ لگی ہوئی ہے اور دوسرے ہاتھ میں 'وائٹیل مونٹیل' (سانس لینے کا آلہ) لگا ہوا ہے مگر نماز کا اس قدر استحضار اگر ہم لوگ ان دونوں ہاتھوں کو سیدھا کرتے بھی تو پھر نیت باندھ لیتے، اس حدیث 'قـرة عینی الصلاة' کا عملی نمونہ حضرت خطیب الاسلام کی ذات میں دیکھنے کو ملا کہ مستقل نیت پر نیت باندھ رہے ہیں۔ میرا ذہن بار بار منتقل ہو رہا تھا کہ نبی کریم ﷺ کی زندگی کے آخری لمحات اور امت کے نام آپ کی آخری وصیت کی طرف کہ آپ نے امت کو دو باتوں کی خاص طور پر تاکید فرمائی کہ کسی بھی حال میں ان دو باتوں سے غافل مت ہو جانا، ان میں ایک وصیت نماز قائم کرنے اور حفاظت کرنے کی کی ہے۔ اپنی نمازوں کی حفاظت کرنا، غفلت مت برتنا اور دوسری بات اپنے ماتحتوں پر ظلم نہ کرنا۔ حضرت

خطیب الاسلام چونکہ وارث نبی کریم ﷺ تھے اور زندگی بھر ہوگئی نبی کریم ﷺ کی وارثت کو تقسیم کرتے ہوئے جب زبان بند ہوگئی تو ہم جیسے نااہلوں کو اپنے عمل سے گویا بتا رہے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی ایک عظیم ترین آخری وصیت سے کسی بھی حال میں غافل مت رہنا۔ علماء نے یہ بات لکھی ہے کہ اولیاء اللہ کا کوئی عمل کسی بھی وقت اور کسی بھی حال میں لایعنی نہیں ہوتا، یہ تو ممکن ہے کہ فوری طور پر لوگ اس کی حکمت سمجھ نہ پائیں اور بعد میں کچھ دن گذرنے کے بعد سمجھ میں آئے، مگر یہ ممکن نہیں کہ ان کا عمل یا ان کی بات لایعنی اور بے سود ہو۔ مجھے بارہا ایسا محسوس ہوا کہ حضرت خطیب الاسلام ہم میں سے ہر ایک سے گویا اپنی زبان حال سے یہ فرمارہے ہیں کہ زندگی کی ہر خیر کو اللہ رب العزت نے نماز سے وابستہ کردیا ہے۔ یہ تمہارا متاع عزیز ہے اس کو ضائع مت کردینا۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ 'من ضیع الصلاۃ فهو لما سواها اضیع' اور قاعدہ یہ ہے کہ ضیاع نعمت کے بعد کفران نعمت کی سیاہ مہر قلب پر لگ جاتی ہے، اس مہر کے لگنے کے بعد انسان کی زندگی میں پھر کوئی خیر باقی نہیں رہتی۔ اسی وجہ سے اللہ کے نبی نے اخیر میں ایک ایسی چیز کی وصیت فرمائی جو تمام خیر کی جامع ہے، یعنی نماز۔

چھوتھی بات جو اس آخری پانچ دن میں محسوس کی گئی کہ حضرت کو اپنے رب سے ملاقات کا اشتیاق تھا، کیونکہ ہوش و ہواس سب باقی ہیں مگر اشتیاق الی لقاء الرب میں محویت اس قدر ہے کہ طعام وکلام سب کچھ ترک ہے بس سوال پوچھنے پر اشارۃً جواب ہے ورنہ ذات رب میں فنائیت ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جس کو اصطلاح میں ''فنافی اللہ'' کہا جاتا ہے اس مقام پر پہنچنے کے بعد حق تعالیٰ شانہ اس کے نفس کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں

'یا ایتها النفس المطمئنه، ارجعی الی ربک راضیة مرضیه فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی.

پانچویں اہم بات اس پانچ روز میں حضرت کے تمام فرزندان صلبی ہوں یا روحانی کی حاضر باشی جس کو قرآن کریم نے 'وبنین شهودا' سے تعبیر فرمایا یعنی حاضر باش بیٹے، ہم نے دیکھا کہ حضرت کے پاس حاضر باش فرزندان صلبی وروحانی کا غیر منقطع سلسلہ رہا، جو آتا تھا قرآن کریم سنا کر چلا جاتا تھا۔

چھٹی چیز اس دوران حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب سے ایک روز فرمایا کہ سب لوگ

میری وجہ سے پریشان ہورہے ہیں جس پر مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب نے فرمایا کہ یہ ہم سب کے لئے عین سعادت، اس حالت میں بھی اپنی اولاد سے فرمایا کہ میری وجہ سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے تو حالت صحت میں کیا کسی کو تکلیف دی ہوگی۔

بات مستقل اسم ذات کا ذکر ہے اور چہرہ پر انتہائی سکون اور اطمینان ہے، کسی طرح کی گھبراہٹ ہے نہ پسینہ ہے بلکہ غیر معمولی طور پر زادِ سفر ساتھ ہے اور سفر آخرت کے لئے پا بہ رکاب ہیں۔

۸۔آخری چار دن سے خاص طور پر گذشتہ دو دن سے کلام اللہ کی مستقل تلاوت ہورہی تھی، بڑے اور چھوٹے اپنے مخصوص لب ولہجہ میں سورہ یٰسین سناتے تھے اور چلے جاتے تھے۔

۹) اپنی بیماری اور علالت کے درمیان کوئی ایک کلمہ بھی زبان سے ایسا نہیں نکلا جو مقام عبدیت کے خلاف ہو اور نہ ہی زبان پر ایسا کوئی کلمہ آیا جو کلمہ شطحیہ ہو، مکمل تسلیم ورضا کے پیکر بنے رہے، زندگی بھر اس حدیث

ان رضیت بما قسمتة لک ارحت قلبک وبدنک وکنت عندی محمودا

پر عمل پیرا رہے، اور اپنی علالت کے دوران بھی اسی قدر تحمل، برداشت، راضی بتقدیر خالق اس حدیث پر عمل کرنے والوں کو تین بشارتیں بیک وقت ہیں (۱) سکون دل اور راحت قلب میسر آجائے گی (۲) بدن اور اعضا وجوراح (قلب کے تابع بن کر) قرار مل جائے گا۔(۳) اللہ رب العزت کے یہاں محمودیت کا مقام مل جائے گا۔ یہ درجات مذکورہ حضرت خطیب الاسلام میں بدرجہ اتم حاصل ہیں۔ایسا محسوس ہوتا تھا کہ جیسے آنکھ لگی ہوئی ہے اور پر سکون نیند کی آغوش میں ہیں۔

۱۰) ایک فارسی کا شعر ہم نے کثرت سے اپنے اساتذہ سے اور گھر میں اپنے بزرگوں کی زبانی سنا تھا، مگر کبھی اس کا عملی مصداق دیکھنے میں نہیں آیا تھا، حضرت خطیب الاسلام کے زندگی کے آخری چھ ایام میں اس شعر کا صحیح عملی مصداق ان کی ذات کی شکل میں نظر آیا کہ جب تمام اعضاء جوارح نے کام کرنا بند کردیا اور ہر چیز متاثر ہوگئی مگر ان کا دل اسے قرار نہ تھا کہ وہ مستقل ذکر اللہ میں مشغول اور اعضاء میں زبان اس کی تابع وہ بھی ذکر اللہ میں مشغول ذکر قلبی اور ذکر لسانی کا ایک ساتھ اجتماع۔ میں نے سنا تھا مگر دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا وہ مشہور شعر مندرجہ ذیل ہے:

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

عشق کی سلگتی ہوئی انگیٹھی نے جس قلب کو گرما دیا وہ قلب مرتا نہیں ہے بلکہ اپنے سوز و گداز کی کیفیات سے آس پاس کے ماحول کو بھی گرما دیتا ہے۔ راقم الحروف کو یہ سعادت ان آخری چھ ایام میں ملی کہ حضرت کے بالکل قریب رہنے کا موقع میسر آیا، میں نے دیکھا کہ آخر تک قلب اپنی تمام حرکات وسکنات کے ساتھ اپنا کام کرتا رہا، نہ اس کی حرکت میں کمی آئی۔

بلکہ میری ہمشیرہ ڈاکٹر سارہ صدیقی عیادت کے لئے آئیں تو انہوں نے بتایا کہ عجیب بات ہے کہ دل کس قدر صحیح کام کر رہا ہے۔ اتنا نارمل دل تو کسی تندرست وتوانا کا بھی نہیں ہوتا، دراصل یہ سکون اور یہ اطمینان قلب اس ذکر وفکر کی وجہ سے تھا جو حضرت خطیب الاسلام کو زندگی بھر حاصل رہا اور جس کا تذکرہ خود قرآن کریم نے کیا ارشاد فرمایا

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب

حقیقت یہ ہے کہ زندگی کے وہ آخری لمحات میں جو میں نے حضرت کے پاس گذارے وہ میری زندگی کا قیمتی سرمایہ اور متاع عزیز ہے جس کی کوئی قیمت نہیں بقول ظفر بجنوری

ہیں کتنے عزیز اس محفل کے انفاس حیات افروز ہمیں
اس سازِ معانی کے نغمے دیتے ہیں یقیں کا سوز ہمیں

باب ہفتم

قال اللہ تعالیٰ:

﴿یا اَیَّتُھَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّۃُ. ارۡجِعِیۡ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَرۡضِیَّۃً. فَادۡخُلِیۡ فِیۡ عِبَادِیۡ. وَادۡخُلِیۡ جَنَّتِیۡ. ﴾

(سورۃ الفجر: ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰)

قال اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم:

"إن في الله عزاء من كل فائت"

(الحدیث)

شعر

نگاہ دل میں رہیں گے تمام عمر مرے
اتر سکے گا نہ احسان لطف پیہم کا
ملے مقام وہ جنت میں آپ کو اے شیخ
کہ جس میں قرب ہو حاصل رسول اکرم کا

حضرت خطیب الاسلام فرماتے ہیں:

’’علم تو ہم کتابوں سے حاصل کرلیں اور عشق شخصیات سے حاصل کریں، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند نے کیا خوب فرمایا کہ:

اگر کتابیں نہ ہوں تو علم رخصت
اگر شخصیتیں نہ ہوں تو عشق رخصت

(خطبات خطیب الاسلام، ج۱،ص ۲۵۷)

باب ہفتم اس اعتبار سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ اس سے حضرت خطیب الاسلام کا لوگوں کی، اداروں اور تنظیموں کی نظر میں مقام ومرتبہ اور اداروں کے ساتھ حضرت کی مسلسل وابستگی اور دینی، علمی، روحانی اور دعوتی تعاون وسرپرستی کا اندازہ ہوگا، اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ حضرت کی ذات والا صفات کے اندر کس قدر وسیع المشربی اور اعلیٰ ظرفی تھی اور حضرت خطیب الاسلام نے کس قدر ہمہ جہت دعوتی، دینی، ملی، قومی اور تعلیمی خدمات بیک وقت انجام دیتے ہوئے زندگی کے ہر شعبے میں اعتدال وتوازن کو برقرار رکھا، جو شریعت اسلامیہ کی خاصیت اور جامع اسوۂ رسول اکرم ﷺ کی انتہائی اہم اور زریں خصوصیت ہے، جس کے رہتے ہوئے انسان صالح بھی ہوتا ہے اور مصلحیت کی بھی شان اس کے اندر اللہ تعالیٰ پیدا فرما دیتے ہیں، اور پھر اس کا نفع عام وتام ہوکر اس سے اللہ کے بندوں، اللہ کی مخلوقات کو نفع اور راحت پہنچتی ہے اور یوں وہ مرجع خلائق بن جاتا ہے، اللہ کی طرف سے مقبولیت عامہ کے فیصلے ہوتے ہیں، اور چھوٹے وبڑے ان سے یکساں طور پر مستفید ہوتے ہیں، نہ صرف ان کو اخروی فائدہ پہنچتا ہے، بلکہ ان کو دنیوی واخروی فائدہ پہنچتا ہے۔ عوام الناس اور لوگوں میں یہ مقبولیت جب ہی ہوتی ہے جب اللہ کی طرف سے مقبولیت کا محبوبیت کا اعلان ہوتا ہے، اور پھر ان کی محبت اہل آسمان میں عام ہو جاتی ہے، اور پھر پوری دنیا میں لوگوں کے دل اس کی طرف کھنچ کھنچ آتے ہیں، کیونکہ اس کی محبت کا حکم اللہ تعالیٰ اہل آسمان اور اہل زمین کو دیتے ہیں۔ ان تعزیتی خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت خطیب الاسلام رحمہ اللہ کو عوام الناس، اہل علم صلحاء اور اتقیائے امت میں کیسا عظیم مقام حاصل ہے کہ ہر آدمی آپ کی محبت اور جذبۂ احسان مندی سے سرشار ہے۔

اس باب کے تین الگ حصے ہیں، پہلے حصے میں تمام نثریہ اجتماعی وانفرادی تعزیتی پیغام اور مکاتیب ہیں جو ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش اور دوسرے یورپی ممالک، یا پھر ہندوستان کے اندر موجود مختلف ملکوں کے سفارت خانوں، مدارس اسلامیہ کے ذمہ داران، قومی وملی تنظیموں اور سیاسی جماعتوں کے راہ نماؤں کی طرف سے وفات کے فوراً بعد موصول ہوئے۔ جن میں ان تمام افراد اور تنظیموں نے ان کی دینی، دعوتی، ملی خدمات کو نہ صرف سراہا ہے، بلکہ حضرت کی وفات پر گہرے رنج وغم کا اظہار ہے، تقریباً سبھی مکاتیب اور تعزیتی خطوط حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی جانشین خطیب الاسلام کے نام ہیں، اور بعض خطوط میں دیگر برادران اور عزیز مکرم جناب مولانا شکیب قاسمی کا بھی تذکرہ ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ اکثر خطوط میں جانشین خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب کو یہ اطلاع بھی دی گئی ہے کہ، اہل مدرسہ نے ان کے انتقال کی اطلاع ملتے ہی قرآن خوانی اور تعزیتی نشستوں اور جلسوں کا انعقاد کیا ہے۔ جس سے یہ معلوم ہوا کہ دنیا کے ہر گوشے میں جہاں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے متوسلین اور محبین ہیں، سب نے اجتماعی قرآن خوانی کا نظم کرایا اور ایصال ثواب کیا، اس سے معلوم ہوا کہ حضرت نوراللہ مرقدہ کے لئے دنیا کے گوشے گوشے میں محبین واہل تعلق نے ایصال ثواب کیا جو اپنے آپ خود عنداللہ وعندالناس مقبولیت کی دلیل ہے۔ تمام تعزیتی خطوط میں اس بات کا بھی اظہار ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس دور قحط الرجال میں حضرت قاسم العلوم والخیرات اور اکابر علمائے دیوبند کے امین و وارث تھے، اور آپ کے انتقال پر ملال سے دارالعلوم کی عظیم الشان، علمی، دعوتی، دینی، اصلاحی کوششوں کے ایک زریں عہد کا خاتمہ ہوگیا، اس لئے حضرت کی وفات کسی ایک خانوادہ کا علمی ودعوتی نقصان نہیں، بلکہ پوری امت کا بڑا خسارہ ہے، اللہ تعالیٰ نعم البدل عطا فرمائے۔

میرے بھائی جان، حضرت رحمۃ اللہ علیہ اور متکلم اسلام مولانا اسلم قاسمی رحمۃ اللہ علیہما کے بارے میں ایک بات کہتے ہیں، کہ ہمارے سامنے بچپن ہی سے جب کسی عالم کا تذکرہ ہوتا تھا تو ذہن میں عالم وداعی اور سچے وارثین انبیاء کا جو خاکہ ابھرتا وہ حضرت مولانا سالم اور حضرت مولانا اسلم صاحب رحمہما اللہ کا ابھرتا ہے کہ عالم دین ایسا ہوتا ہے یعنی ان دونوں حضرات کی شکل وسورت دیکھتے ہی لوگوں کو عالم دین اور سچے وارث نبی کا تصور بندھ جاتا، عالمانہ وقار، محدثانہ شان، نبوی اخلاق، رحمت و رأفت خوش لباسی وخوش مذاق سب کچھ ان کے منور چہروں سے چھلکتی ہوئی محسوس ہوتی اور صرف ایک نظر دیکھ کر ہی سر عقیدت ومحبت کے جذبات سے جھک جاتا۔ مسلمان تو مسلمان غیر مسلم بھی چہرہ دیکھتے ہی نظریں عقیدت سے جھکا دیتے، کیونکہ ان کا سراپا اور منور چہرہ اسلام کی شفافیت اور صداقت کا آئینہ دار تھا۔

تعزیتی مکاتیب میں ملک و بیرون ملک کے مختلف علاقوں کے ذمہ دار علمائے کرام نے اپنے اپنے مکاتیب میں اپنے اداروں کی سر پرستی، اور حضرت کی متعدد بار تشریف آوری کا بہت ہی عقیدت اور محبت کے ساتھ تذکرہ کیا ہے، اسی طرح اس بات کا بھی تذکرہ ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تمام احادیث کے سلسلوں سے علمائے کرام کو مختلف جگہوں پر حدیث کی اجازت مرحمت فرماتی ہے۔

ان تعزیتی خطوط میں یہ بات بھی کہیں کہیں ملتی ہے کہ متعلقہ حضرات میں سے حضرت کے متعلقین اور محبین نے کئی جگہوں پر حضرت کی غائبانہ نماز جنازہ بھی ادا کی ہے۔

اس باب کا دوسرا حصہ ان تمام منظوم تعزیت ناموں پر مشتمل ہے جو کتاب کا مواد جمع کرتے وقت ہم تک آسکے، ورنہ بہت سارے منظوم تعزیت نامے لوگوں نے لکھے جو اخبارات ورسائل نے لکھے اور واٹس اپ وغیرہ پر آئے۔

باب ہفتم کا تیسرا حصہ ان تاریخی منثور ومنظوم قطعات پر مشتمل ہے جن میں حضرت کا سن وفات نکالا گیا، اسی طرح سب سے اخیر میں علمائے امت کی آراء بھی شامل کتاب ہیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد جو تعزیت نامے آئے، وہ سب کتاب میں شامل نہیں ہیں، بلکہ چند منتخب تعزیتی خطوط کو ہی طوالت کتاب کے خوف سے شامل کتاب کیا گیا ہے۔ آیئے ان تعزیتی خطوط کی تفصیلات کا مطالعہ کریں۔

حضرت خطیب الاسلام فرماتے ہیں:

جو علم نافع نہ ہو وہ عذابِ الٰہی ہے

''واقعات میں ہے بزرگوں نے فرمایا کہ علم دین اور دعوت حق میں اشتغال رکھنے والا یا تو اصول صحیحہ کا تابع اور مہلک خطرات سے مجتنب رہ کر سعادت ابدی حاصل کرلیتا ہے یا پھر اس مقام سے گرتا ہے تو شقاوت ابدی کی طرف جاتا ہے، اس کا درمیان میں رہنا بہت مستبعد ہے، کیونکہ جو علم نافع نہ ہو عذاب ہی ہے۔

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: ''**اشد الناس عذابا یوم القیامة عالم لم ینفعه الله بعلمه.**''

(مجالس خطیب الاسلام: ص۲۲۹)

دینی درسگاہوں، ملی تنظیموں

اور مشاہیر امت کے

تعزیتی پیغامات

دارالعلوم دیوبند کی طرف سے تعزیتی مکتوب

باسمہ تعالیٰ

عزیز مکرم جناب مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی زید لطفکم
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی کے سانحۂ وفات کی خبر معلوم ہوکر قلبی رنج وافسوس ہوا، حضرت مرحوم، عالمی شہرت کے حامل جید عالمِ دین اور خطیب ومتکلم تھے۔ وہ دارالعلوم دیوبند کے معروف فاضل اور متعدد اہم اداروں کے سربراہ تھے۔ آپ خاندان قاسمی کے چشم و چراغ اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی، سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے جانشین تھے۔

آپ ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۳ء میں دارالعلوم میں داخل ہوئے اور پوری تعلیم یہیں حاصل کی۔ ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء میں شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی ودیگر اساتذۂ کرام سے دورۂ حدیث کی تکمیل کی۔ ۱۳۷۰ھ/۱۹۵۱ء سے دارالعلوم میں تدریس کا آغاز کیا اور ترقی کرتے ہوئے درجۂ علیا تک پہنچے۔ دارالعلوم دیوبند میں تین دہائیوں تک تدریسی وانتظامی خدمات انجام دیں اور ابتدائی درجات سے دورۂ حدیث تک کی کتابیں کامیابی کے ساتھ پڑھائیں۔ پھر دارالعلوم وقف میں پہلے مہتمم اور پھر صدر مہتمم کے عہدوں پر فائز رہے۔ علاوہ ازیں، آپ مسلم پرسنل لا بورڈ کے نائب صدر، آل انڈیا مجلس مشاورت کے صدر، اسلامک فقہ اکیڈمی کے سرپرست اور فقہ کونسل از ہر مصر کے مستقل رکن بھی رہے۔ آپ نے متعدد کتابیں بھی لکھیں اور قاسم المعارف نام کی ایک اکیڈمی قائم کی اور اس سے متعدد اہم اور تحقیقی کتابیں شائع کیں۔ اللہ عزوجل حضرت مولانا کی علمی وملی خدمات کو قبول فرمائے۔

دارالعلوم دیوبند کے اساتذۂ کرام، کارکنان اور طلبہ کی طرف سے تعزیت مسنونہ قبول فرمائیں۔
ہماری دعا ہے کہ اللہ جل شانہ دارالعلوم وقف کو مرحوم کا نعم البدل عطا فرمائے اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور آپ تمام حضرات کو حضرت کے نقوش پر گامزن فرمائے۔ آمین

(مولانا مفتی) ابوالقاسم نعمانی
مہتمم دارالعلوم دیوبند

۱۴۳۹/۷/۲۶ھ مطابق ۲۰۱۸/۴/۱۴ء

مظاہرِ عُلوم سہارنپور کی جانب سے تعزیتی مکتوب

باسمہ سبحانہ و تعالی

محترم ومکرم حضرت مولانا محمد سفیان صاحب، مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کل گذشتہ دوپہر ہی آپ کے والد بزرگوار خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب نوراللہ مرقدہ کے سانحۂ ارتحال کی خبر موصول ہوئی، انا للّٰہ و انا الیہ راجعون، اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائے۔

مولانا مرحوم اس دورِ قحط الرجال میں علماءِ دین اور بزرگانِ ملت کی ایک یادگار تھے، اللہ تعالیٰ نے دین وملت کی فلاح و بہبود کے لئے ان سے بہت کام لئے، اللہ رب العزت اپنی بارگاہ سے ان کی خدماتِ علمیہ، دینیہ اور ملّیہ کا اجر عطا فرمائے۔

وفات کی خبر ملتے ہی مدرسہ کے مکاتب میں قرآن خوانی، دعائے مغفرت اور ایصال ثواب کا سلسلہ جاری کر دیا گیا ہے، اور آئندہ بھی جاری رہے گا (ان شاء اللہ) اللہ تعالیٰ اپنی شایان شان حضرت مولانا مرحوم کو اپنی رحمت وغفران سے نوازے۔

گھٹنوں کی معذوری کی وجہ سے جنازہ اور تجہیز وتکفین میں بندہ خود تو شریک نہ ہوسکا جس کا افسوس بھی ہے لیکن اکابر اساتذۂ مظاہر علوم کا ایک وفد من جانب مدرسہ شریک ہوا۔

اللہ تعالیٰ آپ کو اور جملہ متعلقین کو صبر وسکون کی دولت سے نوازے اور امت کو حضرت مولانا مرحوم کا نعم البدل عطا فرمائے۔ فقط والسلام

محمد سلمان

ناظم مدرسہ مظاہر عُلوم سہارنپور

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کی جانب سے تعزیتی مکتوب

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ

عزیزِ مکرم ومحترم مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی زید لطفہ

فرزندِ ارجمند مولانا محمد سالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

امتِ مسلمہ ہندیہ کی عظیم القدر شخصیت اور خاندان قاسمی کے مقبول ومعروف جانشین مولانا محمد سالم صاحب قاسمی کی وفات کی خبر باعثِ رنج اور علماء برصغیر میں خسارے کا باعث ہوئی۔﴿إنا لله و إنا إليه راجعون﴾ اللہ رب العزت ان کو مغفرت ورحمت سے نوازے اور درجات بلند فرمائے، آمین۔

وفات سے کچھ ذرا پہلے آپ سے فون پر بات ہوئی تھی، اور آپ نے علالت کی نوعیت کا ذکر کرتے ہوئے خطرے کا اظہار کیا تھا، اس سے اندیشہ ہو گیا تھا۔ علم ہونے پر فون کی کوشش کی لیکن وہ نہ ہوسکا۔ میں نے اپنا تاثر اخبار کو دیا ہے اور اپنے اور ندوۃ العلماء کی طرف سے برائے تعزیت تین محترم استادوں کو تجویز کر رہا ہوں: مولانا فخر الحسن ندوی، مولانا محمد اسلم مظاہری اور مولانا مشہود السلام ندوی۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ ہمارے ندوے کی مجلسِ انتظامی کے رکن تھے اور اس کے جلسوں میں شرکت بھی فرماتے تھے۔ مجھ سے ان کا رابطہ شخصی بھی تھا، مجھے ان کی ہم درسی کا شرف بھی حاصل ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے اور آپ سب بھائیوں واعزہ کو اجر وثواب عطا فرمائے۔ والسلام

شریکِ غم

محمد رابع حسنی ندوی

ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

۲۷/۰۷/۱۴۳۹ھ

۱۵/۰۴/۲۰۱۸ء

نوٹ: میری یہ تعزیت ذاتی ہونے کے ساتھ بحیثیت ناظم ندوۃ العلماء اور بحیثیت صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے بھی ہے جس کے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نائب صدر تھے۔

مکتوب گرامی حضرت مولانا سعد صاحب کاندھلوی دامت برکاتہم
بنگلہ والی مسجد، مدرسہ کاشف العلوم حضرت نظام الدین، نئی دہلی

باسمہ سبحانہ

مکرمین ومحترمین! حضرت مولانا سفیان صاحب قاسمی و حافظ عاصم صاحب و حافظ سلمان صاحب وحافظ عدنان صاحب ومولانا فاروق صاحب قاسمی ومولانا شکیب صاحب قاسمی ودیگر اہل خانہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ابھی ابھی یہ خبر سنکر انتہائی افسوس ہوا کہ ہمارے اور سب کے بڑے حضرت مولانا سالم صاحب قاسمی اس دنیا فانی سے رحلت فرما گئے، إنا للّٰه و إنا إلیه راجعون. اللہ تعالیٰ حضرت کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ آپ سبکو اور ہم سبکو اور تمام محبان حضرتؒ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

حضرت رحمتہ اللہ علیہ کی شخصیت کوئی ایسی نہیں تھی کہ جس میں بعض مخصوص احباب کی تعزیت کافی ہو بلکہ عمومی تعزیت کی ضرورت ہے۔ حضرت کا انتقال علمی دنیا کا بہت بڑا خسارہ ہے جس کا پُر ہونا آسان نہیں اگر چہ اللہ کی قدرت کاملہ سے باھر بھی نہیں۔ اللہ تعالی حضرت کو پوری امت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور آپ کے فیض کو عام وتام فرمائے۔ میں خود حاضر ہوتا لیکن اس وقت بنگلہ دیش کے احباب اپنی کارگزاری سنانے اور اپنے مسائل کے حل کے لئے ہدایات لینے بڑی تعداد میں آئے ہوئے ہیں جس کی مشغولی کی وجہ سے میں حاضر نہ ہوسکا۔

تمام اہل خانہ کو سلام مسنون اور دعا کی درخواست ہے۔

بندہ سعد غفرلہٗ
از بنگلا والی مسجد، مدرسہ کاشف العلوم
حضرت نظام الدینؒ، نئی دھلی ۱۳

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی غیر معمولی صفات وخصوصیات کے مالک تھے!

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

ندوۃ العلماء کے ناظم اور آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے اپنے تعزیتی پیغام میں کہا: حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی جو دارالعلوم دیوبند کے مؤسس حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پوتے، حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی کے صاحبزادے ہونے کے ساتھ علوم دینیہ اور اصلاح وارشاد کا کام مؤثر ڈھنگ سے انجام دے رہے تھے، وہ دارالعلوم دیوبند کے سابق دور میں استاذ اور نائب مہتمم رہے تھے، اور دارالعلوم کے دوسرے دور میں اس کے وقف کے مہتمم رہے۔ ان کو اس برصغیر میں بڑی علمی دینی حیثیت سے شہرت حاصل تھی، اور ان کے خطابات بہت توجہ اور پسندیدگی سے سنے جاتے تھے، وہ اپنی ان خصوصیات میں اپنے عظیم والد حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کے صحیح جانشین کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے، اور ان کو اپنی صفات وخصوصیات کی وجہ سے بلند مقامی حاصل تھی، وہ کچھ دنوں مریض رہ کر اس دنیا سے رخصت ہو کر اپنے مالک و پروردگار سے جا ملے، إنا للّٰہ و إنا إلیہ راجعون.

مولانا محمد سالم قاسمی صاحب سے میری واقفیت شروع ہی سے رہی ہے، دارالعلوم دیوبند میں مجھے طالبعلمی کا ایک سال کا موقع ملا، اس میں دو کتابوں میں میرا روزانہ چار گھنٹے ان کا ساتھ رہا، اور درس میں رفاقت حاصل رہی، یہ کتابیں ہدایہ اور تفسیر جلالین تھیں، اس وقت میرا ان کا قریبی رابطہ رہا، اور مجھے ان کے اخلاق ومحبت کا بھی ربط حاصل رہا۔

ان کے دنیا میں نہ رہ جانے پر مجھے افسوس اور رنج فطری بات ہے، لیکن ہر ایک کی زندگی کی مدت پیدائش سے پہلے ہی مقرر ہو چکی ہوتی ہے، اور اس کا وقت آ جانے پر کوئی اس میں تبدیلی نہیں کر سکتا، لیکن صاحب تعلق کا جدا ہونا رنج کا باعث ہوتا ہے، اور اس پر اظہار تاثر کے ساتھ مغفرت و رحمت کی دعا پیش کی جاتی ہے، اللہ تعالی ان کو اپنے مقربین میں شامل فرمائے اور رحمتوں سے نوازے۔ وہ ہمارے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے نائب صدر تھے، اور ہمارے ندوۃ العلماء کی مجلس

انتظامی کے مؤقر رکن تھے، اور جب تک صحت رہی میٹنگوں اور جلسوں میں شرکت فرماتے رہے، کئی میٹنگوں میں صدارت بھی فرمائی۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی نے کہا: مولانا محمد سالم قاسمی ایک معتبر عالم دین اور باکمال خطیب تھے، خاندانی خصوصیات کے امین اور علمی وراثت کے حامل تھے، پوری زندگی اخلاص وللّٰہیت کے ساتھ گذاری اور عالم اسلام پر اپنے گہرے نقوش ثبت کئے، مولانا محمد سالم قاسمی کی علمی وعملی کوششیں لائق صدافتخار ہیں، انہوں نے پوری زندگی نسل نو کی تربیت اور دین اسلام کی تبلیغ میں گذاری، ان کا انتقال عالم اسلام کے لئے ایک بڑا خسارہ ہے۔ اللہ تعالی اپنے اس مقبول بندے کی مغفرت فرمائیں، اور جنت الفردوس کے اعلی سے اعلی مقام میں جگہ عطا فرمائیں۔

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی کا تعزیتی مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

گرامی قدر مکرم حضرت مولانا سفیان قاسمی صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ہم سب کے بزرگ یادگار اسلاف حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی شدید بیماری کی اطلاع بندہ کو اس وقت ہوئی جب بندہ برطانیہ میں تھا۔ وہاں سے ٹیلی فون پر حضرتؒ کی خیریت معلوم کرتا رہا۔ ہر مرتبہ یہی معلوم ہوتا کہ حالت نازک ہے۔ بالآخران کی وفات کی خبر ایک صاعقہ بن کر گری۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

اس کے بعد بندہ نے آپ سے اور مولانا شکیب صاحب سے فون پر رابطہ کرنے کی کوشش کی، لیکن ظاہر ہے کہ ان حالات میں آپ حضرات کی مشغولیت اتنی ہوگی کہ ٹیلی فون نہ مل سکا۔ البتہ بندہ نے اسی وقت واٹسپ پر آنجناب کے نام ایک مختصر تعزیتی پیغام ارسال کیا تھا، دیوبند کے بعض اعزہ نے ذکر کیا کہ وہ وہاں کے اخبارات میں بھی شائع ہوا۔

اس کے بعد سے اس سوچ میں رہا کہ آپ کو ایک مفصل عریضہ لکھوں، لیکن سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا لکھوں؟ حضرت قدس سرہ کی وفات پوری امت کے لئے ایک بڑا سانحہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے انہیں اپنے والد ماجد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قدس سرہ کا خلفِ رشید بنایا تھا۔ اب تو بظاہر روئے زمین پر مردوں میں سے ان کی شخصیت اس لحاظ سے منفرد تھی کہ ان کے سوا اب کوئی شخص ایسا نہیں تھا جسے براہ راست حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ سے بیعت اور تلمذ کا شرف حاصل ہو۔ ہمارے والدِ ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اور حضرت حکیم الاسلام قدس سرہما کے درمیان بچپن ہی سے اخوت ومحبت کا جو قابلِ رشک تعلق تھا، اس کی بنا پر بکثرت دونوں ایک ہی وقت میں خانقاہِ تھانہ بھون میں حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی صحبت سے فیض یاب ہونے کے لئے ہفتوں قیام فرماتے تھے۔ اس وقت ہمارے بھائی

جان جناب محمد زکی کیفی صاحبؒ اور حضرت مولانا محمد سالم صاحب رحمتہ اللہ علیہما بھی لڑکپن کے دور میں تھے، دونوں کے درمیان دوستی بھی تھی، اور پھر دونوں نے حضرت حکیم الامت قدس سرہ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ میں نے اپنے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ سے بارہا سنا کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کے علوم انتہائی دقیق تھے، اور ان کی مؤلفات سے اچھے اچھے علماء بھی بآسانی استفادہ نہیں کر پاتے تھے، کیونکہ اول تو علوم ہی نہایت دقیق تھے، دوسرے تعبیرات بھی انہی دقیق علوم کے مطابق دقیق ہوتی تھیں۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو دو زبانیں عطا فرمائیں، جنہوں نے ان کے علوم کو ہم جیسوں کے لئے قابلِ استفادہ بنا کر انہیں نشر فرمایا۔ ایک زبان حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی اور دوسری حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمتہ اللہ علیہما۔ ان حضرات نے حضرت نانوتویؒ کے علوم کو پانی کر کے اپنے مواعظ اور تالیفات کے ذریعے اہلِ علم اور عام مسلمانوں کو پہنچایا۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمتہ اللہ علیہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت نانوتویؒ کی زبان حکیم الاسلام قدس سرہ کی طویل صحبت سفر وحضر میں عطا فرمائی، اور حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ کے علوم سے طویل عرصے تک براہِ راست مستفید ہوئے، اور پھر ان علوم کا عکس ان کے مواعظ و خطبات میں واضح طور پر نظر آنے لگا، اور حضرت حکیم الاسلامؒ کی وفات کے بعد بھی انہوں نے ان علوم کو پھیلانے اور پھیلاتے رہنے کا مبارک سلسلہ جاری رکھا۔ چونکہ امت کی فکر انہیں اپنے والد ماجدؒ سے ورثے میں ملی تھی۔ اس لئے دارالعلوم دیوبند کی تقسیم کے بعد اختلاف کی جو ناگوار صورتِ حال پیدا ہوئی تھی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں جذبۂ وحدت وایثار کے تحت اسے ختم کر کے وحدت ویگانگت پیدا کرنے کا ذریعہ بنایا۔ ان کے ذریعے دارالعلوم وقف کے تحت دین کی قابلِ قدر خدمات اللہ تبارک وتعالیٰ نے عطا فرمائیں۔ اور اب بفضلہٖ تعالیٰ دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم وقف ہم آہنگی کے ساتھ اپنے کابر کے فیوض جاری رکھے ہوئے ہیں۔

مجھ ناکارہ اور میرے برادر معظم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم، صدر دارالعلوم کراچی کے ساتھ بھی حضرت مولانا محمد سالم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا انتہائی مخلصانہ محبت وشفقت کا تعلق تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں حافظہ بھی غیر معمولی عطا فرمایا تھا۔ اور اپنی مجلسوں میں جب سلف صالحین اور اپنے بزرگوں کے واقعات سنایا کرتے تو ہم نہال ہو جاتے تھے۔ میں نے حضرتؒ سے یہ درخواست بھی کی تھی کہ آپ ان واقعات کے امین ہیں اور اگر یہ باتیں قلم بند ہو جائیں تو نسلوں

تک کے لئے کارآمد ہوں گی، معلوم نہیں کہ پھر اس کا موقع مل سکا یا نہیں۔

علوم ومعارف کے ذخیرے کے علاوہ حضرت حکیم الاسلام قدس سرہ کی طرح ان کا شعر وادب کا بھی نہایت پاکیزہ اور ستھرا ذوق تھا، اور ان کے اشعار کے انتخاب میں بھی وہ ذوق پوری طرح جھلکتا تھا۔ لکھنو کے ایک شاعر کی ایک نظم، بحرِ طویل میں اردو ادب کا شاہکار سمجھی جاتی تھی۔ میں نے اس کے کچھ اشعار اپنے بھائی جان مرحوم سے سنے تھے، اور ایک شعر مجھے بھی یاد ہو گیا تھا، بھائی جان نے بتایا تھا کہ انہوں نے یہ اشعار حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب، قدس سرہ سے سنے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد سالم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کراچی تشریف لائے تو میں نے ان سے بحرِ طویل کے بارے میں پوچھا تو معلوم ہوا کہ انہیں بھی وہ پوری یاد ہے، میری فرمائش پر انہوں نے وہ سنائی اور ریکارڈ بھی کروائی۔ پھر دیوبند جا کر مجھے اس کی کمپوز شدہ کاپی بھی ارسال فرمائی۔

۲۰۱۰ء میں جب میں دیوبند حاضر ہوا تو اس وقت حضرت مولاناؒ سفر پر تھے۔ لیکن وہیں سے مجھے خط ارسال فرمایا کہ دیوبند کے قیام کے دوران دار العلوم وقف میں حاضری دوں۔ میرا پہلے ہی وہاں حاضر ہونے کا ارادہ تھا۔ الحمد للہ حضرت مولانا محمد اسلم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور آپ حضرات نے بڑی شفقت کا معاملہ فرمایا اور مختصر مدت میں دار العلوم وقف کی ترقیات دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔

تقریباً ایک سال پہلے حضرت مولانا محمد سالم صاحب قدس سرہ کی علالت کی خبر ملی، تو بندہ نے خیریت معلوم کرنے کے لئے ان کو فون کیا۔ اگرچہ صحت کمزور تھی لیکن ٹیلی فون پر بحمد اللہ کافی دیر گفتگو فرمائی اور یہ بندے کی ان کے ساتھ آخری بات چیت تھی۔

آج وہ وہاں پہنچ چکے ہیں جہاں ہم سب کو جانا ہے لیکن ان کی خدمات جلیلہ اور ان کے صدقاتِ جاریہ بفضلہٖ تعالیٰ زندہ وجاوید ہیں۔ آپ حضرات صاحبزادگان سے پوری امید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے مشن اور عظیم کام کو پوری قوت کے ساتھ جاری رکھیں گے۔ وفقکم اللہ تعالیٰ لکل خیر.

میری طرف سے تمام اہلِ خانہ کو پیغام تعزیت پہنچا دیں۔ اللہ تعالیٰ اس حادثے پر ان کو اور ہم سب کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائیں، اور حضرت مولانا قدس سرہ کو اپنے مقام قرب میں درجات عالیہ عطا فرمائیں۔ آمین۔

والسلام

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

دار العلوم کراچی

۱۴۳۹/۸/۱۶ھ

مولانا بدرالدین اجمل قاسمی
رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند ورکن پارلیمنٹ کا تعزیتی مکتوب

باسمہ تعالیٰ

برادر مکرم حضرت مولانا سفیان قاسمی صاحب دامت برکاتہم

مہتمم دارالعلوم (وقف) دیوبند السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ خبر یقیناً جان کن تھی کہ علوم نانوتوی کے وارث، خانوادۂ قاسمی کے ایک روشن چراغ، دارالعلوم وقف دیوبند کے صدر مہتمم جلیل القدر محدث، برصغیر کے نامور اور جید عالم دین، آپ کے والد گرامی اور ہم سب کے استاد محترم حضرت مولانا محمد سالم قاسمی نوراللہ مرقدہ نے دارفانی سے داربقا کی جانب کوچ کرلیا ہے۔ ان کی رحلت کی خبر سے قلبی صدمہ پہونچا ہے کیوں کہ حضرت ہمارے مشفق استاد اور قحط الرجال کے اس دور میں ہم سب کے لئے شجر سایہ دار کی حیثیت رکھتے تھے جس سے محرومی کا احساس ہورہا ہے۔ آپ یقیناً حضرت حکیم الاسلام کے علمی اور روحانی یادگار اور ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ دارالعلوم دیوبند اور دارالعلوم وقف دیوبند دونوں کے لئے حضرت نوراللہ مرقدہٗ کی درسی اور انتظامی خدمات، اسی طرح آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے نائب صدر، اور مسلم مجلس مشاورت کے صدر کی حیثیت سے آپ کی خدمات سنہرے الفاظ میں لکھے جانے کے قابل ہیں۔ حضرت کی وفات صرف ایک شخص کی رحلت نہیں بلکہ موت العالِم موت العالَم کا مصداق ہے نیز ایک زریں عہد کا خاتمہ ہے۔ یقیناً پوری امت ایک عظیم محدث اور جلیل القدر شخصیت سے محروم ہوگئی۔ غم واندوہ کی اس نازک گھڑی میں اللہ آپ حضرات کو صبر وحوصلہ عطا کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم سب تعزیت کے مستحق ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کے ذریعہ حضرت کی علمی وروحانی وراثت اور علومِ قاسمیہ کے فیض کا سلسلہ جاری وساری رکھے۔ بارگاہِ ایزدی میں دست بدعاء ہوں کہ اللہ حضرت کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور امت کو ان کا نعم البدل عطا کرے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

دعاؤں کا طلبگار

(مولانا) بدرالدین اجمل قاسمی، رکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند، ورکن پارلیمنٹ

مولانا اسرارالحق قاسمی، صدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاونڈیشن کا تعزیتی مکتوب

گرامی قدر حضرت مولانا سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم
مہتمم دارالعلوم (وقف) دیوبند (وقف)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاجِ گرامی بخیر ہوگا!

جماعتِ دیوبند کے بزرگ وسرپرست اور جلیل القدر عالم دین، آپ کے والد محترم اور میرے استاذ گرامی حضرت مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ کی وفات یقیناً آپ کے اہل خانہ کی طرح ہم سب کے لئے بھی سخت رنج والم کا باعث ہے، مگر ہر انسان کی ایک عمر متعین ہے اور موت سے ہر متنفس کو سابقہ پڑنا ہے لہذا ہمیں نہ چاہتے ہوئے بھی اس حقیقت کے سامنے سر تسلیم خم کرنا پڑ رہا ہے۔(إنا للّٰہ و إنا إلیہ راجعون.) حضرت مولانا میرے استاد تھے اور آپ علمی صلاحیتوں کے علاوہ بے شمار اخلاقی وعملی خوبیوں سے لیس تھے، آپ نے پوری زندگی ملک کے نامور اور مرکزی علمی، سماجی ورفاہی اداروں کی سرپرستی ورہنمائی کی اور آپ کی قیادت میں ان اداروں نے بے شمار کارنامے انجام دیے۔ حضرت رحمۃ اللہ سے طالب علمی کے زمانہ میں استفادہ کرنے کے علاوہ عملی زندگی میں بھی مختلف مواقع پر استفادہ واستفاضہ کا سلسلہ قائم رہا اور متعدد ملی وسماجی معاملات میں آپ سے مشاورت و تبادلۂ خیال کی نوبت آئی، حضرت مولانا جب بھی ملے نہایت شفقت کا مظاہرہ کیا۔ حضرت مرحوم خالص علمی سرگرمیوں میں مصروف رہنے کے ساتھ ملی مسائل و معاملات سے خصوصی دلچسپی رکھتے تھے، انھیں ہمیشہ مسلمانوں کے حق میں نہایت مخلص اور امت مسلمہ کی مشکلات کے تئیں فکر مند پایا اور اسی فکرمندی کے زیر اثر آپ نے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور مسلم مجلس مشاورت جیسے قومی سطح کے اداروں کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کی سماجی خدمت بھی کی۔ آپ کے وجود سے لاکھوں تشنگانِ علوم سیراب ہوئے اور ہزاروں طالبانِ علوم نبوت نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا اور ان

گنت افراد نے آپ کی صحبت سے فیض حاصل کر کے اپنی زندگیوں میں صالح انقلاب برپا کیا، اس طرح ایک عالم حضرت کے روشن کارناموں اور مخلصانہ خدمات سے درخشاں ہے اوراس کا اجران شاء اللہ تا قیامت آپ کو ملتا رہیگا۔

مجھے یہ معلوم کر کے قلبی مسرت ہوئی کہ آں جناب کو حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا باضابطہ علمی وروحانی جانشین مقرر کیا ہے، میں اس مناسبت سے خوشی کا بھی اظہار کرتا ہوں اور دعاء بھی کرتا ہوں کہ جس طرح آپ اپنے والدگرامی کی حیات میں مختلف علمی وملی سرگرمیوں میں ان کے دست وبازو کے طور پر کام کرتے رہے، اب اور بھی مضبوطی اوراس خصوصیت کے ساتھ آپ کی دینی، علمی وملی سرگرمیاں سامنے آئیں گی جو آپ کے معزز خانوادۂ قاسمی کا طرۂ امتیاز رہا ہے اور جس کی وجہ سے پورا برصغیر آپ کے خانوادہ کا ممنون احسان ہے۔ اللہ پاک آپ کو اور تمام اہل خانہ کو مصیبت کی اس گھڑی میں صبر و استقامت عطاء فرمائے اور حضرت رحمۃ اللہ کے ذریعہ شروع کیے گئے تمام علمی کاموں اور اداروں کو پوری خوبی وافادیت کے ساتھ سرگرم عمل رکھے۔ (آمین)

محمد اسرار الحق قاسمی
ممبر آف پارلیمنٹ (لوک سبھا) کشن گنج، بہار
وصدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کا تعزیتی مکتوب

حضرت مولانا محمد سالم صاحب کی وفات ملت اسلامیہ کے لئے بڑا اخسارہ اور علمی نقصان

خانوادۂ قاسمی کے چشم و چراغ، متکلم اسلام، استاذ الأ ساتذہ حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کی وفات ملت اسلامیہ کے لئے بہت بڑا خسارہ اور علمی دنیا کے لئے ایک عظیم نقصان ہے، وہ نہ صرف ایک مقبول خطیب، باکمال استاذ، صاحب نظر مصنف اور زمانہ شناس مفکر تھے، بلکہ اپنی خاندانی روایات اور بلند اخلاق واوصاف کے حامل تھے، وہ اپنی قائدانہ صلاحیت، خلوص، انکساری اور زبان وقلم کے اعتدال کی وجہ سے ملت اسلامیہ کے تمام حلقوں میں مقبول تھے، اسی لئے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی تاسیس کے وقت سے ہی وہ اس کے رکن تھے، اور ایک عرصہ سے نائب صدر کے عہدہ پر فائز تھے، وہ مسلم مجلس مشاورت کے بھی صدر تھے، دارالعلوم وقف دیوبند کے صدر مہتمم ہونے کے علاوہ دارالعلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ) جامعہ مظاہر العلوم وقف سہارنپور اور ڈھیر سارے اداروں کی مجلس انتظامی کے رکن رکین تھے، اسلامی فقہ اکیڈمی انڈیا جیسے علمی وتحقیقی ادارہ کے وہ حین حیات سر پرست تھے، فکر رسا اور زمانہ آگہی کی وجہ سے ان کے مشوروں کو بڑی وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا، اس حقیر کے لئے یہ ایک ذاتی نقصان بھی ہے، کیوں کہ اس کو دارالعلوم دیوبند میں جن اساتذہ سے کسب فیض کا شرف حاصل ہوا، ان میں تنہا وہی باقی رہ گئے تھے، اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے، درجات بلند کرے اور جو خلاء پیدا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے پُر ہونے کی صورت پیدا ہو جائے۔

خالد سیف اللہ، ناظم
المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد

مفتی عبدالرزاق بھوپالی کا تعزیتی مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بگرامی خدمت عالی مرتبت حضرت مولانا محمد سفیان صاحب دام فیوضکم

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج اقدس بخیر وعافیت ہوں گے۔

حضرت استاذی مولانا محمد سالم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے انتقال کی خبر سن کر انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا اور مجھ پر سکتہ وسناٹا چھا گیا کیونکہ بندہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ کا شاگرد ہے۔ شرح وقایہ میں نے حضرت سے پڑھی۔ موجودہ وقت میں میرے صرف ایک استاذ باقی تھے جس پر میں فخر کرتا تھا اب میرے کوئی استاذ حیات نہیں رہے۔ دوسال قبل بندہ دیوبند حاضر ہوا تھا حضرت نے مجھے خلافت بھی تحریری عنایت فرمائی تھی۔ فی الحال اب کوئی استاذ نہیں رہے آپ ہی میرے استاذ کے صاحبزادے ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ میری درخواست پر دومرتبہ بھوپال تشریف لا چکے تھے اور مجھ پر شفقتوں اور محبتوں کا اظہار فرماتے رہتے تھے۔ بغیر میری طلب کے مجھے خلافت سے سرفراز فرمایا۔ میں نے مولانا مرحوم کے لئے مدرسہ میں تعزیتی جلسہ اور قرآن خوانی کرا کر ایصال ثواب کیا اللہ قبول فرمائے آمین ثم آمین۔

آنجناب سے بھی تعلق رکھوں گا فون نمبر نہیں ہے ورنہ گفتگو ہو جاتی، آئندہ بات ہوتی رہے گی اور آپ کو بھوپال کی دعوت بھی انشاء اللہ دوں گا۔ میری جانب سے خاندان کو اور احباب کو سلام عرض ہے اور دعائے مغفرت بھی کرتا ہوں، امید ہے کہ میری درخواست قبول فرمائیں گے۔ فقط والسلام

دعا گو

(مفتی) عبدالرزاق خاں غفرلہ

رئیس جامعہ اسلامیہ عربیہ مسجد ترجمہ والی موتیا پارک، بھوپال

نائب صدر جمعیۃ علماء ہند وصدر جمعیۃ علماء مدھیہ پردیش

جامعہ اشرفُ العُلوم ''رشیدی'' گنگوہ ضلع سہارنپور کی طرف سے تعزیتی مکتوب

باسمہ تعالی

مطاعی ومحترمی عالی قدر حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی دامت برکاتہم
مہتمم دارالعلوم دیوبند وقف

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عافیت خواہ بخیر وسلامت ہے۔

کل جیسے ہی مخدومنا المکرّم، استاذ الاساتذہ، عالم بے بدل، ترجمان دیوبند اور خانوادۂ قاسمی کی یادگار شخصیت خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی علیہ الرحمہ کے سانحۂ وفات کی دلخراش اطلاع ملی تو قلب وجگر بھی صدمات سے دوچار ہوکر رہ گیا، **اللھم اغفر له وارحمه واعف عنه وادخله في جنات النعيم والهم أهله وذويه الصبر والسلوان فانا لله وانا اليه راجعون،** نماز جنازہ میں ناچیز اور اساتذہ جامعہ کے ایک بڑے وفد نے بھی شرکت کی۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ اپنے علم وکمال، فیضانِ رشد وخطابت، تبلیغ دین متین اور شارح دیوبند کے طور پر امت کے ان محبوبین میں سے تھے جن کے اقوال وافعال کو سرمۂ بصارت سمجھا جاتا، بنابریں خواص کا طبقہ بھی ان کی تشریحات وتعبیراتِ دین سے استفادہ کرتا تھا، دین وملت کے مسائل میں ان کی پیش کردہ توجیہات سے ان کے تعمق فی العلم رسوخ فی الدین اور اعتدال سے بھرپور ایک ہمہ جہت میر کارواں کا تصور ابھرتا ہے، حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد قاسم النانوتویؒ سے نسلاً بعد نسلِ علم وفکر کا جو ذہبی سلسلہ ہے بجا طور پر آپ اس کی حسین کڑی تھے، تشت وافتراق کی برق و باد جب اپنے ہی نشیمن خاکستر کر رہی تھی تو حضرت مولانا بھی اپنے نام و روالد کی طرح صبر و استقامت کی تصویر بنے ہوئے تھے، کاتب الحروف کے لئے اس حادثہ کی کسک اس لئے بھی زیادہ

ہے کہ والد گرامی مرتبت حضرت مولانا قاری شریف احمد گنگوہی قدس سرہ کے آپ تھوڑے سے تقدم و تاخر کے ساتھ تقریباً ساتھی بھی شمار ہوتے تھے اور والد صاحب کی فرمائش پر بسلسلۂ امتحان یہاں متعدد بار تشریف بھی لائے، ان کے حادثۂ رحلت سے دیوبند کے ایک بابرکت اور روشن عہد کا خاتمہ ہوگیا، اللہ حضرت کے درجات بلند فرمائے، خدمات کو مقبول فرمائے اور امت کو ان کا بہتر متبادل موفق فرمائے، آمین۔

میری طرف سے اساتذۂ جامعہ اور طلبہ کی طرف سے تعزیت مسنونہ قبول فرمائیں۔ والسلام

شریکِ غم
خالد سیف اللہ گنگوہی نقشبندی
(مدیر) جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ سہارنپور
۲۷/۷/۱۴۳۹ھ/ ۱۵/۴/۲۰۱۸ء

جَامِعۃُ اَشْرَفُ الْمَدَارِسْ کَراچِیْ
کی جانب سے موصول شدہ تعزیتی خط

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم

بخدمت جناب مولانا سفیان قاسمی صاحب زیدلطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے والد ماجد خطیب الاسلام حضرت مولانا سالم قاسمی رحمہ اللہ کی وفات کے حادثۂ فاجعہ کی خبر بندے نے رنج وغم کے ساتھ سنی۔

ان للہ ما اٰخذ ولہ مااعطی وکل شئ، عندہ بأجل مسمی فلنصبر ولنحتسب

بےساختہ وہ تعزیت بھی یاد آئی جو ایک بدوی نے حضرت عباس بن عبدالمطلب کی وفات پر ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں پیش کی تھی۔

وخیر من العباس أجرک بعدہ
واللّٰہ خیر منک للعباس

اللہ تعالیٰ بےحساب مغفرت فرمائیں، اللھم لا تحرمنا أجرہ ولا تفتنا بعدہ. اورہم سب کو موت سے پہلے موت کی تیاری نصیب فرمائیں۔ سب ہی کو اپنے اپنے وقت پر رخصت ہونا ہے، ”آنا دلیل ہے جانے کی“۔

انسان کو چاہئے کہ خیال قضا رہے
ہم کیا رہیں گے جب نہ رسولِ خدا ﷺ رہے

حضرت رحمہ اللہ کو بندے سے اور بندے کے والد ماجد رحمہ اللہ سے، جامعہ اشرف المدارس کراچی اور خانقاہ امدادیہ اشرفیہ سے جو تعلق تھا اس کا اندازہ صرف اسی بات سے بآسانی لگایا جاسکتا ہے کہ ویسے تو اپنے ہر سفر میں وہ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ (واقع گلشن اقبال، کراچی) تشریف لایا کرتے

تھے لیکن آخری دوسفروں میں کراچی میں قیام کے دوران انہوں نے رہائش کے لیے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کا انتخاب فرمایا۔ کئی مرتبہ جامعہ اشرف المدارس کراچی واقع گلستان جوہر تشریف لائے اور اساتذہ کرام اور طلبہ کو خود دستخط فرما کر اجازت حدیث کی سند عطا فرمائی، ایک مرتبہ ان کا سفر ایک ایسے وقت پر ہوا جب ہمارے یہاں دستار بندی کا جلسہ تھا، انہوں نے اپنے دست مبارک سے طلبہ کی دستار بندی فرمائی اور نصائح سے نوازا، یہی وجہ ہے کہ جامعہ اشرف المدارس کراچی کے اساتذہ کرام اور طلبہ ان سے خوب واقف تھے۔ ان کی وفات کے اگلے روز جامعہ اشرف المدارس کراچی کی مسجد میں بعد نماز فجر اساتذہ کرام اور طلبہ نے نیز اہل محلّہ نے ختم خواجگان کا اہتمام کر کے حضرت رحمہ اللہ کی مغفرت اور بلندی درجات کے لیے دعا کی۔

ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا بھی ہے اور مشاہدہ بھی کیا ہے کہ حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرّہ کو اللہ تعالی نے جو علوم عطا فرمائے تھے، انعام الٰہی سے ان علوم کے ترجمان دو حضرات بنے ایک آپ کے دادا حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ اور دوسرے شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ اور اس کے بعد ان علوم کے وارث آپ کے والد ماجد رحمہ اللہ بنے اور اب بجا طور پر آپ ان علوم کے امین ہیں دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالی آپ کے علوم میں مزید جلا عطا فرمائیں، آپ کے والد ماجد رحمہ اللہ کی کامل مغفرت فرمائیں، آپ کو صبر جمیل نصیب فرمائیں اور علوم قاسمی کی تقسیم کے لیے آپ کو اپنے والد ماجد رحمہ اللہ کا قائم مقام بنادیں۔ آمین بجاہ سید المرسلین

فقط والسلام
حضرت مولانا شاہ حکیم محمد مظہر عفا اللہ عنہ
مہتمم خانقاہ امدادیہ اشرفیہ جامعہ اشرف المدارس کراچی

الجامعۃ الاسلامیۃ الإمدادیۃ، فیصل آباد، پاکستان کی جانب سے موصول تعزیت

بخدمت محترم المقام جامع المحاسن حضرت مولانا محمد سفیان القاسمی صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جانشین حکیم الاسلام خطیب الاسلام جامع المحاسن حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ کے سانحہء ارتحال اور ٹھنڈا سایہ سر سے اٹھنے سے نہایت صدمہ ہوا، انا للہ وانا الیہ راجعون، اس عظیم صدمہ کے موقع پر بندہ، جملہ اساتذہ وارا کینِ جامعہ اسلامیہ امدادیہ اور تمام متوسلین غم میں آپ کے برابر کے شریک ہیں۔

ہمارے والد حضرت مولانا نذیر احمد رحمۃ اللہ علیہ (شاگردِ خاص حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ وخلیفہ خاص حضرت ڈاکٹر عبدالحئی صاحب عارفی رحمہ اللہ) کے زمانہ حیات میں اور حضرت والد ماجد کی وفات کے بعد متعدد بار جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد تشریف لا کر اور کئی کئی دن قیام فرما کر اہلیان فیصل آباد کو اپنے علوم وفیوض سے سیراب فرمایا اور ہم ناچیزوں کو شرفِ میزبانی بخشا۔

حضرت والا رحمہ اللہ علومِ ظاہری، فصاحت وبلاغت، اخلاص وللھیت اور باطنی فیوض میں اپنے اسلاف کی عظیم نسبتوں کے امین تھے، اور ظاہری وباطنی نسبتوں کے ساتھ خاندانی شرافت جمع ہو جائے تو کمالات میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیھم الصلوۃ والسلام، حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات کے ساتھ ان کی جو تواضع کتابوں میں پڑھی تھی اس کا حضرت میں کافی عکس نظر آتا تھا۔

جانے والی شخصیات کا خلا تو پُر نہیں ہو سکتا البتہ ہمارے اکابر ہمیشہ سے اپنے پیچھے الباقیات الصالحات چھوڑ کر جاتے ہیں جو بعد والوں کے لئے سرمایہ تسلی ہوتا ہے اور ان پر شکر کرنا واجب ہے،

اللہ تعالیٰ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تذکرہ کے بعد **وسیجزی اللہ الشاکرین** فرمایا۔

ہمارے حضرت رحمہ اللہ کی وفات جہاں ایک عظیم صدمہ ہے وہاں آپ جیسے علم وفضل اور نسب کے وارثین اور دنیا میں پھیلے ہوئے حضرت کے صدقاتِ جاریہ تسلی کا سامان ہیں، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ تمام اکابر اور خصوصاً خاندان قاسمی کے فیوض وبرکات آپ کے ساتھ رہیں اور ہمارے سمیت تمام متوسلین آپ کے فیوض سے متمتع ہوتے رہیں، ہم سب حضرت رحمہ اللہ کے رفع درجات اور تمام متعلقین کے صبر کے لئے دعا گو ہیں۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

محمد طیب

۳۰ رجب المرجب ۱۴۳۹ھ

مولانا عبدالجلیل صاحب، جنوبی افریقہ کا تعزیت نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مؤرخہ: یکم شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ

ان اللّٰہ ما اخذ و لہ ما اعطی و کل شیئ عندہ باجل مسمی

موت سے کس کو رستگاری ہے

آج وہ، کل ہماری باری ہے

محترم جناب حضرت مولانا سفیان صاحب قاسمی زید مجدہ السامی

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مؤرخہ ۲۷ رجب ۱۴۳۹ ہجری بمطابق ۱۴ اپریل ۲۰۱۸ء جنوبی افریقہ کے وقت کے حساب سے تقریباً ساڑھے گیارہ بجے صبح، خانوادہ قاسمی کے نامور چشم و چراغ، دارالعلوم وقف دیوبند کے صدر مہتمم، معارف قاسمیہ کے امین، خطیب الاسلام حضرت الاستاذ مولانا محمد سالم قاسمی صاحب کے سانحۂ ارتحال کی جانکاہ خبر ملی۔ إنا للّٰہ و إنا إلیہ راجعون.

وما کان قیس ھلکہ ھلک واحد

ولکنہ بنیان قوم قد تھدما

حضرت مولانا سالم صاحب کے انتقال پر ملال سے امت مسلمہ اور مدارس دینیہ کو بالعموم اور دارالعلوم دیوبند وقف کو بالخصوص نا قابل تلافی نقصان پہونچا ہے، حضرت الاستاد معارف قاسمیہ کے شارح وامین، علوم اسلامیہ میں کامل دستگاہ اور بصیرت رکھنے والے، اسلام کے عظیم ترجمان، علم وعمل کے جامع، نمونہ اسلاف، ہمہ جہت اوصاف وکمالات کے حامل، اور معاصرین اصحاب علم وفن میں امتیازی شان سے متصف تھے۔ بلاشبہ حضرت مولانا جیسی شخصیت کی وفات کو ہی ''موت العالم موت

العالم'' کہا گیا ہے۔ مولانا مرحوم کا سانحہ ارتحال خانوادۂ قاسمیہ ہی نہیں، بلکہ تمام اہل علم، بالخصوص آپ کے علوم ومعارف سے فیضیاب ہونے والے ہزاروں علما اور طالبین علم نبوت کے لیے حزن و ملال اور صدمہ کا باعث ہے۔ جنوبی افریقہ کے علما، مدارس اسلامیہ کے طلبا اور عوام وخواص بھی حضرت الاستاذ کی وفات سے غمزدہ ہیں۔ آپ کی بے پناہ شفقت ومحبت اور اخلاق کریمانہ کی وجہ سے جنوبی افریقہ کے عوام وخواص آپ کے گرویدہ تھے۔ آج ان سب پر رنج وغم طاری ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس دار فانی میں کس کو دوام حاصل ہے۔ ہر ایک جانے ہی کے لیے آیا ہے۔ باقی رہنے والی ذات تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔

دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت الاستاذ کی بال بال مغفرت فرمائے، اپنے قرب خاص سے نوازے، جنت الفردوس میں اعلی مقام نصیب فرمائے اور تمام متعلقین و پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق عنایت کرے۔ اللهم اکرم نزله و وسع مد خله و نور قبره و ابدله دارا خیرا من داره و أهلا خيراً من أهله، و بلغه الدرجات العلى من الجنة، آمین

طالب دعا
(حضرت مولانا مفتی) سید عبد الجلیل غفرلہ
مہتمم مدرسہ فاطمۃ الزہراء، ڈربن، جنوبی افریقہ

جامعہ عربیہ برکات الاسلام کھیروا، لچھمن گڑھ، ضلع سیکر، راجستھان کی طرف سے موصول شدہ تعزیتی خط

مکرمی جناب حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی - دامت برکاتہم العالیہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

کل مؤرخہ ۲۶؍رجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۴؍اپریل ۲۰۱۸ء بروز ہفتہ دو پہر قریب ۲؍ بجے بذریعہ فون یہ غمناک خبر موصول ہوئی کہ حضرت الاستاذ حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی -نور الله مرقده وبرد مضجعه- اس دارِفانی سے دار بقا کو رحلت فرما گئے۔ (إنا لله و إنا إليه راجعون.)

خبر سن کر یکدم بڑا رنج وغم اور افسوس ہوا، مگر سوائے افسوس کے انسان کے بس میں ہے بھی تو کچھ نہیں، کیوں کہ موت اور زندگی کا اختیار تو صرف رب ذوالجلال کے پاس ہے، وہ جسے جب چاہے اپنے پاس بلالے۔ حضرت -رحمہ اللہ- کی وفات کی خبر سن کر دلی صدمہ پہنچا۔

حضرت مولاناؒ کی وفات صرف ایک عام انسان کی وفات نہیں بلکہ امت اسلامیہ کے ایک عظیم قائدوراہ نما کی وفات ہے نیز مدارس اسلامیہ، اور دینی، ملی وسماجی جماعتوں اور تنظیموں کے لیے ایسا خسارہ ہے جو ناقابلِ تلافی ہے۔

جامعہ ہٰذا اور قرب وجوار کے مدارس اسلامیہ میں حضرتؒ کے لیے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت کا اہتمام کیا گیا اور ان شاء اللہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔

دعاء ہے اللہ تعالیٰ حضرت کو اپنی جوار رحمت میں جگہ نصیب فرمائے، اپنی مغفرت کی وسیع چادر میں چھپالے، جنت الفردوس عطا فرمائے، آپ کو اور آپ کے اہل خانہ کو یہ ناقابل تلافی نقصان برداشت کرنے کی ہمت وحوصلہ دے اور امت مسلمہ کو نعم البدل عطا فرمائے!! آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

حسن محمود القاسمی

رئیس الجامعۃ العربیۃ برکات الاسلام مقام کھیرو،

ورکن شوریٰ دارالعلوم دیوبند، یوپی

۲۷؍۷؍۱۴۳۹ھ

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹو اسٹڈیز، دہلی کی طرف سے تعزیتی مکتوب

بسم الله الرحمن الرحيم

برادر محترم مولانا محمد سفیان قاسمی!
مہتمم دارالعلوم دیوبند وقف

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

اللہ کرے آپ بخیر وعافیت ہوں۔

ابھی یہ اندوہ ناک خبر ملی کہ ملت اسلامیہ ہندیہ کے عظیم رہنما، بے مثال عالم دین، روشن دماغ مربی اور ہم سب کے مخدوم وسرپرست خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی اس دنیا سے رحلت فرما گئے۔إنا لله و إنا إليه راجعون.

یقیناً ہر شخص کو اس دنیا سے جانا ہے۔کوئی یہاں ہمیشہ رہنے کے لیے نہیں آیا ہے۔لیکن بعض شخصیات اس مقام ومرتبے کی ہوتی ہیں کہ ان کے جانے سے پوری ملت کو یتیمی اور بے یاری کا احساس ہوتا ہے۔حضرت مولانا محمد سالم قاسمی بھی انہیں عظیم شخصیات میں سے تھے۔قحط الرجال کے اس دور میں آپ کی شخصیت ہر ادارے اور ہر تنظیم کے لیے شجر سایہ دار کی حیثیت رکھتی تھی، جس کی چھاؤں میں ہر شخص اطمینان وسکون محسوس کرتا تھا۔افسوس! آج ہم سب اس سایے سے محروم ہو گئے۔

ذاتی طور پر حضرت مولانا سے میرے بہت اچھے مراسم تھے۔میں نے ہمیشہ ان کی ہدایات اور رہنمائی کو اپنے لیے قیمتی سوغات سمجھا اور انہیں حرز جاں بنانے کی کوشش کی۔انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز کے ساتھ بھی وہ بڑی شفقت ومحبت کا معاملہ فرماتے تھے۔انسٹی ٹیوٹ کی ۲۵ رسالہ تقریبات کی مناسبت سے انہوں نے اپنا وقیع پیغام بھی عطا فرمایا تھا۔اس پیغام کے اس ایک جملے نے اپنے اندر انسٹی ٹیوٹ کی پوری تاریخ سمیٹ لی ہے، فرمایا: ''یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ آئی او ایس نے گزشتہ ۲۵ ربرسوں میں جو کچھ کیا ہے وہ دراصل باعزت زندگی کا عملی درس ہے۔''

میں نے پکا ارادہ کیا تھا کہ ۲۰، ۲۱/اپریل ۲۰۱۸ کو دہلی میں ہونے والی انسٹی ٹیوٹ کی عالمی کانفرنس سے فارغ ہوتے ہی ۲۲/اپریل کو حضرت کی خدمت میں دیوبند حاضری دوں گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور نہیں تھا۔ اپنی اس محرومی کا افسوس مجھے تا دیر رہے گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی دینی، ملی، علمی، اصلاحی اور تعلیمی خدمات کو قبول فرمائے، انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے، آپ تمام اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ہم سب کو اپنے اندر ان جیسی کشادہ ظرفی اور دانش مندی پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

(ڈاکٹر محمد منظور عالم)

چیرٔ مین

دارالہدیٰ پانڈولی، ناگل، سہارنپور کی طرف سے موصول تعزیتی خط

باسمہٖ تعالیٰ

محترم المقام قابل صد احترام حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی
مہتمم دارالعلوم وقف، دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

امید ہے کہ آپ و دیگر اہل خاندان بخیر و عافیت ہوں گے، خاندانِ قاسمی کے چشم و چراغ فکر نانوتویؒ کے شارح اور اسلاف کے علمی و روحانی کارناموں کے امین و پاسبان خطیب الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ نائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ و سرپرست دارالعلوم وقف دیوبند کی وفات حسرت آیات کی اطلاع سے انتہائی دکھ اور صدمہ ہوا، اکابر پے بہ پے رخصت ہورہے ہیں، اور ہم لوگ ان کے سایۂ عاطفت سے محروم ہوتے جارہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے حال پر رحم فرمائے اور ہماری ناقدری کو معاف فرمائے۔ آمین

خدائے ذوالجلال کے فیصلہ کے آگے کیا کیا جاسکتا ہے، تسلی کے لئے ان دیہاتی بزرگ کے تعزیتی کلمات کافی ہیں، جو انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی خدمت میں ان کے والد حضرت عباسؓ کی وفات پر پیش کئے۔

خیر من العباس اجرک بعدہٗ
واللہ خیر منک للعباس

بندہ سفر حرمین شریفین کی وجہ سے شریک جنازہ نہ ہوسکا، جس کا ہمیشہ قلق رہے گا، البتہ اپنے دونوں ادارے مرکز دارالہدیٰ پانڈولی و خورشیدیہ محمودیہ اسکول پانڈولی کے اساتذہ و دیگر احباب شریک ہوئے۔ دل سے دعاء کرتا ہوں کہ حق تعالیٰ شانہٗ حضرت مرحوم کی مغفرت تامہ فرمائے، اور اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب فرمائے۔ آپ کو ان کا سچا جانشین بنائے، آمین......گھر کے دیگر افراد کو تعزیت مسنونہ پیش فرمادیں۔ فقط

یکم شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ

حسین احمد
ناظم مرکز دارالہدیٰ پانڈولی

جامعہ مرکز المعارف بٹھنڈی جموں (جموں وکشمیر)
کی طرف سے تعزیتی مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

محترم ومکرم جناب حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے والد ماجد نبیرہ حجۃ الاسلام صاحبزادہ حکیم الاسلام، خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی (رحمہ اللہ تعالیٰ) کے انتقال پر ملال کی خبر دلوں پر بجلی بن کے گری اور دل سے یہی حقیقت الفاظ کے لباس میں زباں پر آئی کہ: للہ ما اخذ، وللہ ما اعطی، و کل شیء عندہ بأجل مسمی، ''انا للہ وانا الیہ راجعون''

یوں تو دنیا میں بہت سوں کے چھوٹ جانے سے غم والم کے پہاڑ ٹوٹتے ہیں مگر ایسے بہت کم ہوتے ہیں کہ جن کے جانے سے پورا عالم سوگوار ہو جاتا ہے، اور جن کا آفتاب اگر مشرق میں غروب ہو تو مغرب والے بھی اندھیرا محسوس کریں۔ حضرت والا کی ذاتِ عالی اسی مقام ومرتبے کی حامل تھی، ایشیا کی عظیم دینی درسگاہ کے خوشہ چیں ہی نہیں بلکہ علوم قاسمی کے حقیقی وارث، اور ہزاروں فیض یافتگاں کے منبع ومحور، استاذ دوراں، شیخی مربی اور اپنے وقت کے واحد وہ شخص جن کا علمی استناد بلا واسطہ حضرت حکیم الامت سے جڑتا ہو۔ یہ آپ ہی کی مبارک ذات تھی۔ خیر آپ کی ذات کی خوبیوں اور بھلائیوں کو بیان کرنا مقصود نہیں، اس پر مستقل طور پر لکھنے والے لکھ رہے ہیں، اور لکھتے رہیں گے۔ اس وقت پیشِ نظر حضرت والا رحمہ اللہ کے فرزندوں، متوسلین، دارالعلوم وقف دیوبند کے تمام اساتذہ کارکنان، آپ کے تمام محبین ومتعلقین، وتلامذہ وطلبہ دارالعلوم خصوصاً آپ اور حضرت مولانا محمد شکیب صاحب نائب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند سے اظہار تعزیت ہے۔ جو کہ حضرت والا سے تعلق، آپ کے چشمۂ حیواں سے فیض یافتہ ہونے، اور آپکی عنایات کے تئیں جو مجھ عاجز پر تھیں، فرض ہے۔ آپ تمام حضرات کے غم میں شریک اور آپکے درد کی ٹیسوں کے احساس سے پر، مزید اس

عقیدے کے کہ دنیا کی ہر چیز فانی ہے اور اس دنیا کی ہر شخصیت خواہ وہ کتنی ہی دلکش، کتنی ہی پر بہار، کتنی ہی ہر دلعزیز کیوں نہ ہو بالآخر اسے اس دنیا سے جانا ہی ہے۔ حتی کہ آقائے دو جہاں کو بھی اس کلیے سے مستثنیٰ نہیں کیا گیا اور فرمایا گیا: ''**انک میت وانهم میتون**'' ان تمام حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے اور ان تمام بشری تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ ایسے مواقع پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں، درد کی ٹیسیں اٹھتی ہیں، کسی عزیز کے اٹھ جانے سے آدمی اپنے آپ میں ایک اجنبیت محسوس کرتا ہے حتی کہ غم یہاں تک بڑھ جاتا ہے کہ اولوالعزم پیغمبر بھی فرماتے ہیں: ''**القلب یحزن، والعین تبکی، وانا بفراقک یا ابراهیم لمحزونون**'' یہ سب بجا!! مگر جب واقعہ کو دوسری حیثیت سے دیکھتے ہیں تو یہ خوشی بھی ہوتی ہے کہ یہ انتقال کسی دنیادار کا انتقال نہیں ہے جس نے اپنی زندگی کا منشور یہ ٹھہرالیا ہو کہ:

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

اور جس کی نگاہ صرف اس جہانِ فانی پر ہو، بلکہ یہ انتقال ایک وارث نبی، عالم باعمل، داعی حق کا انتقال ہے جن کا طریقہ کار قرآن کریم یوں بیان فرماتا ہے:

﴿**ام کنتم شهداء اذ حضر یعقوب الموت اذ قال لبنیه ما تعبدون من بعدی قالوا نعبد الهک واله آبائک ابراهیم واسماعیل واسحاق الٰهاً واحداً، ونحن له مسلمون**﴾

الحمدللہ! حضرت والا کی مبارک ہستی اسی قرآنی پہلو کی آئینہ دار ہے اور آپ نے اپنے پیچھے اپنے مبارک ومسعود فرزندوں، اور اپنے متعلقین ومتوسلین کو جس رخ پر ڈال دیا ہے، یہ وہی طریق انبیاء ہے اور نہجِ صلحاء ہے جس کے ذریعہ آپکی روح مبارک ان شاءاللہ شاداں وفرحاں ہو رہی ہوگی۔

آسمان تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

مخدوم ومکرم ہم سب آپ کے غم میں شریک ہیں۔ اور جامعہ میں تعزیت کے لیے ایک مجلس بھی ہوئی جس میں کثیر تعداد میں شرکاء حاضر ہوئے۔ حق تو یہ تھا کہ میں خود آنجناب کی خدمت میں حاضر ہوتا مگر طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے حاضر نہ ہو سکا، لہٰذا جامعہ کے ناظم تعلیمات مفتی صغیر احمد صاحب قاسمی کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔

والسلام

فیض الوحید قاسمی

صدر المدرسین، جامعہ مرکز المعارف، بٹھنڈی جموں

جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا کی طرف سے تعزیتی خط

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

بخدمت گرامی حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی مدظلہم
السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ
حال طرفین یکساں ہے

وما کان قیس ہلکہ ہلک واحد
ولکنہ بنیان قوم تہدما

آنجناب کے والدگرامی عالم اسلام کی عظیم شخصیت اور ہمارے مخدوم بزرگ مبلغ اسلام دارالعلوم دیوبند (وقف) کے رئیس اور حصرت حکیم الاسلام قدس سرہ کے جانشین حضرت مولانا محمد سالم قاسمی رحمہ اللہ تعالیٰ کی وفات حسرت آیات سے شدید صدمہ ہوا، آں موصوف کی رحلت سے جو خلا پیدا ہوا وہ پر ہونے والا نہیں ہے۔

اس حادثۂ فاجعہ سے صرف آنجناب اور خاندان قاسمی ہی متاثر نہیں ہوا بلکہ پورا عالم اسلام متاثر ہے، یہ حادثہ موت العالم موت العالم کا مصداق ہے، حق تعالی حضرت والا کے درجات بلند فرمائیں، انہیں جنت میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائیں اوران کے تمام پسماندگان اور متوسلین کو صبر واجر سے نوازیں، آنجناب کوان کا صحیح جانشین اور دارالعلوم کوان کے لیے بہترین صدقہ جاریہ بنائیں، آمین۔

شریک غم
احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ
(ابن حضرت مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ، فاضل دارالعلوم دیوبند)

ایرانی کلچر ہاؤس، دہلی کی طرف سے تعزیتی مکتوب

بسم الله الرحمن الرحيم

موت العالم ۔ موت العالم

محترم عالی جناب مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مدظلہ العالی
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند یوپی

یہ ہمارے لئے رنج وغم کا باعث ہے کہ آپ کے والد محترم برصغیر کے مشہور علمی اور مذہبی قاسمی خاندان کے چشم و چراغ دارالعلوم وقف کے صدر مہتمم حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب اس دار فانی سے دار بقا کی طرف کوچ کر گئے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ہر نفس کو موت کو کا مزہ چکھنا ہے لیکن بعض شخصیات اس مقام ومرتبے کی حامل ہوتی ہیں کہ ان کے جانے سے پوری ملت کو یتیمی اور بے یاری کا احساس ہوتا ہے۔ حضرت مولانا سالم قاسمی بھی انہیں عظیم شخصیات میں سے تھے۔

۲۰۰۹ء میں ایران کلچر ہاؤس نئی دہلی کی جانب سے منعقد ہونے والے آل انڈیا حج سمینار میں حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب کے خطبہ سے ملت اِسلامیہ ہند استفادہ کر چکے ہیں، حضرت مولانا ایران میں منعقد ہونے والے ختم بخاری شریف کے عالمی کانفرنس دارالعلوم زاہدان ایران تشریف لے گئے تھے۔ آپ نے وہاں سامعین کو خطاب کیا۔

میں مرحوم کے خانوادۂ فرزندگان وتمام متعلقین خصوصاً آپ کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہوں ۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کی دینی، ملی، علمی، اصلاحی اور تعلیمی خدمات کو قبول فرمائے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور تمام اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

IRAN CULTURE HOUSE, Tilak Marg, NewDelhi-110001
TEL: 0091-11-23383232\34 FAX:+23387547
newdelhi@icro.k http:\\newdelhi.icro.

دارالعلوم جامعہ محمودیہ جموں وکشمیر کی طرف سے تعزیتی خط

قاسم نگر تحصیل مہینڈر، ضلع پونچھ، جموں کشمیر (الہند)

قابل صد احترام جناب صاحبزادہ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مدظلہ العالی
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حق سبحانہ وتعالی سے امید ہے کہ آنجناب بخیر ہوں گے۔

خطیب الاسلام صاحبزادہ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کے سانحہ ارتحال سے جہاں خانوادہ قاسمی رنج وغم کے حال میں ہے وہاں سارا عالم اسلام اس عظیم المرتبت محسنِ امت شخصیت کے اس دار فانی سے چلے جانے کے موقع پر رنجیدہ ہے، ایسے عالم میں پوری ملت اسلامیہ کے ساتھ ساتھ ریاست جموں کشمیر کا ایک چھوٹا ادارہ دارالعلوم محمودیہ قاسم نگر مہینڈر، اور اسکے جملہ اراکین وخدام بھی رنجیدہ ہیں اور آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں، تمام ملت اسلامیہ بالعموم اور مدارس اسلامیہ پر بالخصوص خانوادہ قاسمی کے بے شمار احسانات ہیں، دارالعلوم جو ریاست کے پسماندہ دور دراز سرحدی علاقہ میں واقع ہے، اس پسماندہ ضلع میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تشریف آوری کی برکت ہے کہ آج اس ضلع میں بیشتر دینی مدارس قیام پذیر ہوکر دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں، آپ کے عظیم المرتبت خانوادہ کے احسانات کیلئے ہم رب کریم کے حضور دعا گو ہیں کہ اللہ پاک آپ سب حضرات کو اپنے شایانِ شان اجر عظیم عطا فرمائے اور قدم قدم پر آپ سب حضرات کی حفاظت فرمائے اور حضرت خطیب الاسلام کی بال بال مغفرت فرمائے اور انکے درجات بلند فرمائے اور آپ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

جامعہ میں حضرت کے لئے قرآن خوانی کی گئی اور رفع درجات کے لئے دعائیں کی گئیں اللہ پاک آنجناب کو خانوادہ قاسمی کا سچا جانشین بنا کر بلند ہمتی عطا فرمائے کہ آپ انکے خوابوں کی سچی تعبیر بن سکیں اور جانشینی کا حق ادا کرسکیں۔ والسلام مع الاحترام

آپ کا دعا گو
(مولانا) فتح محمد غفرلہ
مہتمم دارالعلوم محمودیہ قاسم نگر مہینڈر ضلع پونچھ، جموں وکشمیر

جامعہ ضیاء العلوم جامعۃ الطیبات کی طرف سے تعزیتی مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قابل صد احترام صاحبزادہ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مدظلہ العالی

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدائے لم یزل سے امید ہے کہ آنجناب بخیر ہوں گے!

خطیب الاسلام صاحبزادہ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کے سانحہ ارتحال سے جہاں خانوادہ قاسمی رنج وغم کے حال میں ہے وہاں سارا عالم اسلام اس عظیم المرتبت اور نابغۂ روزگار شخصیت کے اس دارفانی سے چلے جانے کے موقعہ پر رنجیدہ ہے ایسے عالم میں پوری ملت اسلامیہ کے ساتھ ساتھ ریاست جموں وکشمیر کا قدیم دینی ادارہ جامعہ ضیاء العلوم، پونچھ اور اس کے جملہ اراکین بھی رنجیدہ اور غمزدہ ہیں اور آپ کے غم میں برابر کے شریک ہیں، ریاست جموں وکشمیر بالعموم اور جامعہ ضیاء العلوم پونچھ پر بالخصوص خانوادہ قاسمی کے ایسے بے شمار احسانات ہیں جن کی حق ادائیگی ہمارے لئے ناممکن ہے، جامعہ جو ریاست کے پسماندہ اور دور دراز خطہ میں ہے، ۱۹۷۴ء میں اپنے قیام کے صرف ایک سال بعد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس ادارہ میں تشریف آوری کی برکت ہے کہ آج یہ ادارہ قومی سطح پر متعارف ہے آپ کے عظیم المرتبت خانوادہ کے بیشمار احسانات کے لئے ہم رب کریم کے حضور دعا گو ہیں کہ اللہ پاک آپ سب کو آپ کے شایان شان اجر عظیم عطا فرمائے اور قدم قدم پر آپ سب کی حفاظت فرمائے۔ اور حضرت خطیب الاسلام کی بال بال مغفرت فرمائے اور ان کے درجات کو بلند فرمائے اور آپ تمام کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

جامعہ میں حضرت کے لئے قرآن خوانی اور دعاؤں کا سلسلہ جاری ہے اللہ پاک آنجناب کو اپنے آباؤ اجداد کا سچا جانشین بنائے اور آپ کے حوصلوں کو قوت عطا فرمائے کہ آپ ان کے خوابوں کی سچی تعبیر بن سکیں اور جانشینی کا حق ادا کر سکیں۔

والسلام مع الاحترام

آپ کا دعا گو

(مولانا) غلام سادر غفرلہ

مہتمم جامعہ ضیاء العلوم وجامعۃ الطیبات پونچھ (جموں وکشمیر)

جامعہ عربیہ صادقیہ جامع مسجد مہراج گنج (یوپی)
کی جانب سے موصول تعزیتی مکتوب

مکرم المقام واجب الاحترام حضرت مولانا محمد سفیان صاحب دامت برکاتہم،
مہتمم دارالعلوم (وقف) دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گذشتہ کل آنجناب کے والد محترم علماء دیوبند کے سرخیل خانوادۂ قاسمی کے عظیم چشم و چراغ جانشین حکیم الامت خطیب اسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی کی رحلت سے پوری علمی دنیا غم میں ڈوبی ہوئی ہے۔ حضرت کی علمی روشنی سے دشت و بیاباں بحر و بر آب و ہوا، قریہ وشہر مدارس مکاتب مساجد و خانقاہیں، اسکول، کالج، یونیورسٹیاں مقررین، مصنفین، مولفین، محررین، واعظین خطباء، رائٹرس مقالہ نگار، حفاظ، علماء فقہا ادبا، دینی و دنیوی علوم میں مہارت رکھنے والے سب آپ کے علمی و عملی قولی فعلی، ظاہری و باطنی، حسن اخلاق، بہتر کردار کے شاہد ہیں، اورآپ کے نورانی علم کی خشبو سے معطر ہیں۔

آپ دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم، مسلم پرسنل لاء بورڈ کے نائب صدر، ورکن مجلس مشاورت دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ و مظاہر علوم وقف سہارنپور، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کورٹ کے ممبر و سرپرست کل ہند رابطہ مساجد، اور برصغیر کے ممتاز عالم دین تھے۔

آپ نے درس وتدریس تصنیف وتالیف میں نمایاں خدمات انجام دی ہیں اور قوم مسلم کی ذھن سازی کے لیے، تاجدار ارض حرم کا پیغام، مرد غازی کتابیں تاریخی خدمات میں اہم ہیں۔ آپ کی قلم کی روانی دید کے لائق ہے، جو بیک وقت عربی دونوں میں کتابیں تصنیف کرتے تھے، آپ نے والد مرحوم کی بہت خدمت کی ہے، دعاء ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں اپنے مقام قرب میں درجات رفیعہ سے نوازے۔ **اللھم اکرم نزلہ و وسع مد خلہ و اسکنہ جنات النعیم.**

آپ کا یہ روحانی دینی علمی سلسلہ دارالعلوم وقف دیوبند کی شکل میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند، ان کے جانشین حضرت مولانا محمد احمد صاحب ان کے جانشین حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب ان کے جانشین، آپ کے والد محترم خطیب الاسلام حضرت مولانا

محمد سالم صاحب، ان کے جانشیں آپ ہیں، اللہ تعالی آپ کے وقت میں دارالعلوم وقف دیوبند و جملہ منسلک مدارس کو بام عروج پر پہونچائے اور یہ دینی علمی سلسلہ سلف صالحین کے لیے صدقہ جاریہ رہے اور آنے والی نسلوں کے لیے ہدایت کا شیریں چشمہ رواں دواں رہے، آمین۔ دعاء ہے کہ اللہ تعالی آنجناب کو اور پورے رشتہ دار اقرباء اہل خاندان مادر علمی دارالعلوم بلکہ ساری علمی و دینی برادری کو صبر جمیل عطاء کریں۔

فقط

شبیر احمد قاسمی

دارالعلوم الاسلامیہ ضلع بستی کا تعزیتی مکتوب

برادرِ مکرم ومحترم حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب دامت برکاتہم
مہتمم وقف دارالعلوم دیوبند، سہارن پور، یوپی۔

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

یہ اندوہناک خبر دل ودماغ پر بجلی بن کر گری کہ آپ کے نامور والد گرامی حضرت حکیم الاسلامؒ کے صلبی وعلمی جانشین، حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے صحبت یافتہ اور شاگرد، علوم نانوتویؒ کے امین و پاسبان اور اپنے زمانہ کے نامور خطیب، ممتاز عالم دین، خطیب الاسلام، استاذ محترم حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ کا ایک طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ إنا لِلّٰهِ و انّا إلَيْهِ رَاجعُون.

فوراً تحفیظ القرآن الکریم کے تمام درجات میں ختمِ قرآن کریم کرا کر حضرت مولاناؒ کی روح کو ایصالِ ثواب کیا گیا اور دعائے مغفرت کی گئی۔

بلاشبہ حضرت خطیب الاسلامؒ علم وکمال، حکمت وبصیرت، فہم وفراست، اخلاق واعمال، پاکیزگی اور تقدس کی ایک خوبصورت تصویر تھے، مسلک دیوبند کے ترجمان اور علمائے ربانیین کی سیرت و کردار کے عکسِ جمیل تھے اور اپنے علمی کمالات اور گوناگوں صلاحیتوں کی وجہ سے اکابر علمائے دیوبند میں ایک امتیازی شان کے مالک تھے اس وقت تو ان کی ذاتِ گرامی ہر خاص وعام کا مرجع تھی، یقیناً یہ ایک ایسا زبردست علمی سانحہ اور ناقابلِ تلافی نقصان ہے جس پر علمائے دیوبند کے ساتھ پوری علمی دنیا سوگوار ہے۔

حضرت خطیب الاسلامؒ کی وفات سے جو خلا پیدا ہوگیا ہے اس کا پُر ہونا بہت مشکل نظر آتا ہے۔ ملک و بیرونِ ملک پھیلے ہوئے ان کے ہزاروں تلامذہ ان کے لئے صدقۂ جاریہ ثابت ہوں گے۔ نیز ان کا قائم کردہ عظیم الشان ادارہ ''وقف دارالعلوم دیوبند'' بھی ان کے لئے ذخیرۂ آخرت ہوگا۔ ان شاء اللہ العزیز، دارالعلوم الاسلامیہ اور اس کے بانی والد ماجد حضرت مولانا محمد باقر حسین

قاسمیؒ اور ہم نیاز مندوں سے حضرت خطیب الاسلامؒ کو خاص تعلق تھا، اسی تعلق خاطر کی وجہ سے وہ متعدد بار دارالعلوم الاسلامیہ تشریف لائے اور طلبہ واساتذہ کے سامنے بڑا فکر انگیز اور بصیرت افروز خطابات فرمائے اور کتاب المعائنہ میں اپنے قیمتی تاثرات بھی تحریر فرمائے۔اس عظیم سانحہ پر راقم دارالعلوم الاسلامیہ کے تمام طلبہ، اساتذہ اور کارکنان کی طرف سے آپ کی، آپ کے برادران، برادرم مولانا محمد فاروق قاسمی، اور عزیز مکرم مولانا محمد شکیب قاسمی صاحبان اور تمام افرادِ خاندان قاسمی کی خدمت میں تعزیت پیش کرتا ہے اور بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہے کہ خداوند قدوس حضرت خطیب الاسلامؒ کی خدماتِ جلیلہ کو شرف قبولیت بخشے، جنت الفردوس میں مقام کریم سے نوازے اور وقف دارالعلوم کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے، آمین۔

دعواتِ صالحہ میں فراموش نہ فرمائیں۔ والسلام

(مولانا) محمد اسد قاسمی (صاحب)

ناظم دارالعلوم الاسلامیہ بستی، یوپی

مجلس دارالقضاء دہرہ دون کی طرف سے موصول تعزیتی مکتوب

باسمہٖ تعالیٰ شانہٗ

جناب مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے والد ماجد حضرت اقدس جناب مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر ملال کی خبر ڈاکٹر سید فاروق صاحب کے واسطے سے سن کر نہایت افسوس ہوا(**انا للہ وانا الیہ راجعون**)

ہم تمام اراکین منتظمہ کمیٹی مجلس دارالقضاء دہرہ دون آپ کے اس غم میں برابر کے شریک ہیں اور خداوند قدوس سے دست بدعاء ہیں کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مغفرت فرمائے اور انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا کرے اور آپ کو مع اہل خانہ اور دارالعلوم کے اساتذہ کرام وطلبائے عظام اور سبھی متعلقین کو اس غم کو برداشت کرنے کی ہمت دے اور صبر جمیل عطاء کرے۔ آمین

والسلام

(مفتی) محمد وصی اللہ قاسمی

معاون سکریٹری

دارالعلوم ملا محمود قصبہ منگلور کے ذمہ داران کی جانب سے تعزیت نامہ

باسمہ تعالی

مکرمی ومحترمی حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب
جانشین خطیب الاسلامؒ ومہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج عالی بخیر ہوں گے۔

جناب عالی! خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب کی رحلت کی خبر سے احقر کو دلی صدمہ پہنچا،لیکن خدائی نظام میں کیا دخل، جبکہ حضرت کا اس دار فانی سے کوچ کرنا امت مسلمہ کے لئے بڑا نا قابل تلافی نقصان ہے۔ خطیب الاسلامؒ ایک بلند پایہ عالم، علمی میدان کے سچے مجاہد، عظیم المرتبت بزرگ تھے۔ حضرتؒ ایک مدبر اور اعلیٰ انسان، بہترین مقرر، خطیب وادیب اور ملت پرست عالم، علم والوں کے قدرداں، فصاحت و بلاغت کے علمبردار، گلشن نانوتوی کے مہکتے ہوئے گل، حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی، اصلاحی، دینی اور مجاہدانہ کارناموں کو قریہ قریہ پھیلا رہے تھے۔ اللہ رب العزت نے مولانا مرحوم کو دینی اور اصلاحی خدمات کے سلسلہ میں جو عظمت و شوکت عطا کی تھی، وہ اس دور میں کسی دوسرے میں نظر نہیں آتی، اللہ نے انہیں زبردست خداداد صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ ان کی خدمات اہل علم کے لئے بصیرتوں کا خزانہ ہیں۔

مدرسہ دارالعلوم ملا محمود منگلور میں تعزیتی میٹنگ کا انعقاد کر کے حضرتؒ کے لئے ایصال ثواب کرایا گیا۔ اللہ رب العزت خطیب الاسلامؒ کو غریق رحمت فرمائے۔ آمین

فقط

ننگ اسلاف
(قاری) نسیم احمد منگلوری
ضلع ہردوار، اترا کھنڈ

مدرسہ جامع العلوم کے ذمہ داران کی جانب سے تعزیت نامہ

لائق صد عزت وتکریم حضرت اقدس مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند
متعنا الله بحياتكم الطيبة و ابقاكم الله حرز للإسلام
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۲۶/رجب المرجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۴/اپریل ۲۰۱۸ء کی صبح جامع المنقول والمعقول منبع اسرار ورموز مخزن شریعت وطریقت صدر مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند، نائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ وسرپرست مدرسہ جامع العلوم پڑکاپور کانپور کی انتہائی تشویشناک علالت کی خبرسن کر دلگیر ہوا، اور پونے تین بجے سانحۂ ارتحال کی اندوہناک خبرسن کرسکتہ طاری ہوگیا، فرط رنج وغم سے کلیجے منہ کو آ گئے اور بزبان حال یہ کہنے پر مجبور ہوگیا۔

اٹھتے جاتے ہیں اب اس بزم سے ارباب نظر
گھٹتے جاتے ہیں میرے دل کو بڑھانے والے

۲۷/رجب المرجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۵/اپریل ۲۰۱۸ء کو بعد نماز فجر حضرت کے لئے قرآن خوانی کی گئی اور ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا (انشاءاللہ یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا) پھر دس بجے صبح تعزیتی مجلس منعقد کی گئی جس میں طلباء واساتذہ اور ذمہ دارانِ مدرسہ وغیرہ نے والہانہ انداز سے شرکت کی، مقررین نے آپ کی حیات وخدمات اور اصلاحی کارناموں پر بصیرت افروز خطاب کیا۔

محترم! حضرت کی وفات حسرت آیات گویا ایک دور کا خاتمہ ہے اس سے تبلیغی واصلاحی، روحانی وعرفانی حلقوں میں اک خلاء پیدا ہوگیا ہے پوری ملت اسلامیہ اپنے ہر دل عزیز ملی قائد سے محروم ہونے کی وجہ سے صدمہ سے دوچار ہوچکی ہے۔

آپ یکتائے روزگار شخصیت کے مالک تھے، حسن درس وتدریس، سہل انگیز ودلنشیں طرز افہام و تفہیم موثر دعوت وتبلیغ اور سحر انگیز موعظت وخطابت میں آپ کو ملکہ حاصل تھا، علمی تبحر وفقہی تعمق میں

رازی زمانہ تھے، امانت و دیانت سلوک ومعرفت، احسان وتصوف، توکل وتقوی اور اتباع سنت میں امتیازی شان رکھتے تھے، وہ حسن اخلاق وحسن سلوک، تواضع خاکساری اور ملنساری اور مہمان نوازی میں ممتاز تھے، ان کی نورانیت اور روحانیت کی وجہ سے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان کا روئے انور جمال ربانی کا مظہر ہے، ان کے رعب وجلال سے ایسا منظر طاری ہوتا تھا کہ جیسے تجلیات ربانی کے شعلے ان کی نگاہوں سے چھن چھن کر نکل رہے ہیں، کسی کو نگاہ ملانے کی جرآت نہ ہوتی تھی وہ اپنی حالت سے کہہ اٹھتا تھا۔

نگاہ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں
تو آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

حضرت ۲۰۰۷ء سے تادم حیات اس تاریخی ومرکزی ادارے کے سرپرست رہے وہ اپنی باطنی اور روحانی توجہات اور دعائے نیم شبی وغیرہ سے فیضیاب وسیراب کرتے رہے۔

محترم! یقیناً اس پر عظمت و پر شفقت ہستی کی حیات آپ اور ہم سب کے لئے نعمت ورحمت تھی، ان کے دیدار سے ایمانی تازگی اور روحانی ترقی ہوتی تھی، ان کا احترام انسان تو انسان جنات بھی کرتے تھے، ایسا لگتا تھا کہ وہ قطب یا رجال غیب کے ممبر ہیں، ایسی مقدس ہستی کے دار فانی سے رحلت کر جانے کے بعد بھی ان کی یادیں تادم حیات قائم رہیں گی۔

آتی ہی رہے گی تیرے انفاس کی خوشبو
گلشن تیری یادوں کا مہکتا ہی رہیگا
دل کی بستی میں جلا کرتے ہیں یادوں کے چراغ
یوں تو جانے کو چلے جاتے ہیں جانے والے

اخیر میں دل کی اتھاہ گہرائیوں سے دعا گو ہوں کہ مولائے کریم ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ مرحمت کرے، ان کی تربت کو پر تو نور اور روضۃ من ریاض الجنۃ بناوے اور جنت الفردوس سے سرفراز فرما کر تمام متعلقین و متنسبین کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین یارب العالمین۔

والسلام

محی الدین خسرو تاج

مہتمم، مدرس جامع العلوم جامع مسجد پڑکا پور کان پور

جامعہ رحمانیہ عربیہ ہاپوڑ کے ذمہ داران کی جانب سے تعزیت نامہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ڈھونڈو گے ہمیں ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

۱۴/اپریل ۲۰۱۸ء بروز ہفتہ تقریباً ۲ بجے بوقت ظہر ایشیا کے دینی مرکز دارالعلوم وقف دیوبند کے رئیس، خانوادہ قاسمی کے اوصاف حمیدہ کے وارث، مکتبہ فکر دیوبند و اکابر علماء دیوبند کے علوم و معارف کے امین، فکر ولی اللہ کے ترجمان، عالم ربانی طبیب روحانی خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی قدس سرہ کی دارفانی سے عالم جاودانی میں منتقلی کی خبر ملی۔ انا للہ و انا الیہ راجعون موصوف کا نرم اندام سراپا اور پرکشش نورانی چہرہ نگاہوں کے سامنے تھا، ان کے لبوں سے قال اللہ وقال الرسول کی مشکبار صدائیں کانوں میں رس گھولنے لگیں۔ ملی، سماجی اور دینی جلسوں کے اسٹیج سے بے باک باوقار لہجہ میں عوام وخواص سے محو گفتگو نظر آئے، مشفق باپ کی طرح امت کی فکر میں کڑھتے اور ملت کی صلاح وفلاح کے تئیں بے چین ومضطرب آپ کی کتاب زندگی کے سنہرے اوراق یکے بعد دیگرے پلٹنے لگے کہ تبھی فون کی گھنٹی بجی اور یہ محو ٹوٹا۔۔۔قرب وجوار اور دور دراز سے فون کا سلسلہ شروع ہوا، ہر لب پر ایک ہی چرچا، ہر جا ایک ہی بات کہ حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی اللہ کے جوار رحمت میں پہونچ گئے۔ **اللھم اغفر لہ وارحمہ وادخلہ فی جنات النعیم مع النبیین و الصدیقین والشھداء والصالحین و حسن اولئک رفیقا.**

حضرت مولانا ممتاز کمالات کے مالک، بلند فکر، بالغ نظر اور غیر معمولی شخصیت کے حامل تھے، آپ ہمیشہ علمی کاموں کے محرک رہے، درس وتدریس، خطابت وتقریر اور تحقیق وتصنیف کی خدمات بحسن وخوبی انجام دیں، مصری حکومت کی طرف سے ''برصغیر کے ممتاز عالم دین کا نشان امتیاز'' جنوبی افریقہ میں ''حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ایوارڈ'' اور ''حضرت شاہ ولی اللہؒ ایوارڈ'' آپ کی خدمات جلیلہ کا قابل ذکر اقرار واعتراف ہیں۔ آپ کے الفاظ نپے تلے معانی سے لبریز، گفتگو چاشنی سے پر، حکمت وفلسفہ کا کارواں، کتاب وسنت کا سیل رواں اور انداز بیاں اتنا جاذب کہ ہر شخص کی توجہ اپنی طرف کھینچ لے:۔

وہ قربتیں کہ جہاں درس خلق ملتے ہیں
وہ صحبتیں کہ جہاں چاک دل کے سلتے ہیں
وہ کیسے لوگ تھے یا رب کہاں ملیں گے ہمیں
کہ جن کے نالوں سے دیر و حرم بھی ہلتے ہیں

حضرت والا کے اوصاف کریمہ میں ایک خاص وصف تصوف وسلوک کا ہے جو آپ کو عارفین و سالکین کی جماعت میں صف اول سے جوڑتا ہے دراصل یہ شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمیؒ کی توجہ و دعا اور فیضان تربیت کا ثمر خوش اثر ہے جو انھیں معرفت کی گہرائی اور تزکیہ کی گیرائی تک پہونچاتا ہے اس میدان میں آپ کی سیادت وامامت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کے پروردہ مجاز بیعت خلفاء متوسلین کی تعداد ۱۰۰ کے عدد کو متجاوز ہے۔

حضرت مولانا علیہ الرحمہ کو فراست مومن وراثتا ودیعت کی گئی، تدبر، تعمق، تحقیق اور تفقہ فی الدین آپ کی حیات فیض کے وہ روشن اوراق ہیں جن کے ایک ایک صفحہ پر کئی کئی کتابیں تصنیف کی جا سکتی ہیں آپ کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے الہامی علم سے نوازا تھا، تفسیر وحدیث کے بابت، فلسفہ وکلام کے ضمن میں اور علوم شرعیہ وفقہیہ کے تعلق سے متعدد اشکالات ومسائل کی حکیمانہ تشریح وتوضیح سے معلوم ہوتا جیسے علم کی بارش ہورہی ہے اور فراست مومن کی زندہ مثال میرے سامنے موجود ہے اور اس پر نور علی نور یہ کہ اسلوب بیان اتنا شستہ وشگفتہ ہوتا کہ لذت علم وحلم کی حلاوت حواس خمسہ کو اپنے آغوش میں لے لیتی اور وہاں سے اٹھنے کو جی نہ چاہتا۔

ہمارے والد ماجد حضرت مولانا مفتی جمیل الرحمٰن صاحب قاسمی علیہ الرحمہ جو حضرت کے شاگرد رشید اور مجاز بیعت ہیں اکثر فرماتے تھے کہ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی برصغیر کے چنیدہ علمائے دین میں سے ایک ہیں، ان کو بعد کے لوگ چراغ لے کر ڈھونڈیں گے اور ان کی مفارقت پر کف افسوس ملیں گے۔ آج والد محترمؒ کے الفاظ میرے وجود میں بازگشت کررہے ہیں اور کف افسوس داغ فرقت کی ضرب کاری اور خطیب الاسلام کی نایابی پر شاہد ہیں:۔

ڈھونڈوگے ہمیں ملکوں ملکوں ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

مولانا قاری ضیاء الرحمٰن قاسمی
مہتمم، جامعہ رحمانیہ عربیہ ہاپوڑ

مدرسہ تجوید القرآن سہارنپور کے ذمہ داران کی جانب سے تعزیت نامہ

تعزیتی اجلاس

آج بتاریخ ۱۷؍اپریل ۲۰۱۸ء بعد نماز ظہر مدرسہ تجوید القرآن محلّہ قاضی سہارنپور میں عالم اسلام کی باوقار شخصیت قاسمی خاندان کے روشن چراغ جلیل القدر محدث خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحبؒ سرپرست وصدر مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند کی وفات پر قرآن خوانی، ایصال ثواب اور تعزیتی پروگرام کا اہتمام کیا گیا جس میں ذمہ داران مدرسہ، اساتذہ اور طلباء نے بارگاہ الٰہی میں دعائے مغفرت اور ملت اسلامیہ کو بہتر نعم البدل عطا فرمانے کی دعا کی۔

برصغیر کے ممتاز عالم حضرت مولانا سالم قاسمی صاحبؒ کے انتقال سے جو خلاء پیدا ہوا ہے وہ ملت اسلامیہ کے لئے ایک عظیم نقصان ہے۔ مولانا موصوف جید عالم، دیوبندی مکتب فکر کے ترجمان اور بین الاقوامی شہرت کے حامل ملی رہنما وسربراہ تھے۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا سالم صاحبؒ نے جس حسن وانتظام اور خصوصی شعور کیساتھ دارالعلوم وقف کی آبیاری کی نیز تاحیات علمی خدمات وملی قیادت کی، وہ لائق تحسین ہے۔ مولانا موصوف میں اللہ رب العزت نے وہ ساری صفات بخشی تھیں جو ایک عالم دین اور خداترس انسان میں ہونی چاہئیں۔

عالی نسبت وضعداری اور شفقتوں کے امین حضرت مولانا سالم صاحبؒ کے لئے دعا ہے کہ اللہ رب العزت مولانا کو اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے اور سبھی متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

از

ڈاکٹر سید فاروق

بتاریخ: ۱۵؍اپریل ۲۰۱۸ء

باسمہٖ تعالیٰ شانہ

محترم جناب مولانا سفیان احمد قاسمی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے والد محترم رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پُر ملال کی خبر معلوم ہوئی یہ غم اندوہ خبر سن کر نہایت افسوس ہوا (**انا للہ وانا الیہ راجعون**)

حضرت والا رحمۃ اللہ ایک نیک صفت، خوش اخلاق، بردبار، سادہ طبیعت، منکسر المزاج اور بزرگ شخصیت تھے ہمیشہ ان کے چہرے سے خوشی کے آثار ٹپکتے تھے ان کا کھلتا ہوا چہرہ ہمیشہ ہمارے سامنے رہتا ہے۔ اللہ انہیں غریق رحمت کرے۔ حضرت والا نے دینی وملی خدمات انجام دینے کے لئے اپنی پوری زندگی وقف کردی تھی جس کا ثمرہ آج یہ دارالعلوم جیسا عظیم الشان ادارہ ہے جو الحمد للہ حضرت والا کی محنت وکاوش اور قلبی خواہش سے ترقی کے اس بام عروج پر پہنچا ہے۔

حضرت والا کی شفقت بارہا ہمیں ملتی رہی ہے اللہ رب العزت انہیں غریق رحمت کرے، ان کے درجات کو بلند کرے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا کرے۔ آمین

ہم اور ہمارے سبھی اہل خانہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے وفات پر آپ کے اس غم میں برابر کے شریک ہیں اور اللہ تعالی سے دعاء کرتے ہیں کہ وہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی مغفرت فرمائے اور دارالعلوم کے تمام اساتذہ کرام وطلبائے عظام اور آپ کے اہل خانہ اور متعلقین کو ہمت دے اور صبر جمیل عطاء کرے۔ آمین

والسلام

دعاؤں کا طالب

(ڈاکٹر سید فاروق)

مولانا خورشید حسن قاسمی کا تعزیتی مکتوب

علوم حضرت نانوتویؒ کے امین وترجمان
استاذ المکرّم خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ
صدر مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

حضرت نوراللہ مرقدہٗ کے خانوادہ سے راقم الحروف کے خانوادہ کا تعلق تقریباً ایک صدی پر محیط ہے۔ اس دیرینہ ترین تعلق کی مختصر سی وضاحت یہ ہے کہ حضرت خطیب الاسلامؒ کے جدمکرم حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند راقم الحروف کے جدالمکرّ حضرت مولانا نبیہ حسن صاحبؒ سابق استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کے اساتذہ میں سے ہیں جن کے تاریخی اور یادگار دستخط کی سند تقریباً نصف صدی کے زائد سے راقم الحروف کے پاس خاندان کے بزرگوں کے توسط سے محفوظ وموجود چلی آرہی ہے اس کے علاوہ حضرت خطیب الاسلامؒ کے والد ماجد حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہٗ راقم الحروف کے خانوادہ کی برگزیدہ ترین شخصیت فقیہ ملّت حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کے معاصرین میں سے ہیں (جدمکرم حضرت مولانا نبیہ حسنؒ کے اجل تلامذہ میں سے ہیں) اور خود حضرت خطیب الاسلام مولانا سالم صاحب قاسمیؒ راقم الحروف کے والد ماجد حضرت مولانا سیّد حسن صاحبؒ سابق استاذ حدیث دارالعلوم دیوبند کے مخصوص تلامذہ میں سے ہیں اور راقم الحروف کے حضرت آخری استاذ ہیں۔

دورانِ تعلیم راقم الحروف کے حضرتؒ سے علمی کسب فیض کے بعد مادر علمی دارالعلوم میں بھی حضرتؒ سے راقم کی طویل شعبہ جاتی رفاقت بھی رہی ہے، مادر علمی دارالعلوم کی سابقہ انتظامیہ کے دور میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحبؒ اور امیر شریعت حضرت مولانا سیّد منّت اللہ رحمانی کی تحریک وتجویز پر دارالعلوم دیوبند میں محکمہ عدلیہ شرعیہ دارالقضاء کا قیام ہوا جو کہ از سن ۱۳۹۶ھ تا تقریباً ۱۴۰۰ھ جس کا قیام رہا جس کے اراکین واساطین شیخ الحدیث حضرت مولانا شریف الحسن صاحب

دیوبندیؒ، حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحبؒ، حضرت مولانا خورشید عالم صاحبؒ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم وقف دیوبند، حضرت مولانا مفتی سیّد احمد علی سعید صاحب قاضی مقرر رہے اور راقم الحروف خورشید حسن قاسمی معتمد شعبہ دارالقضاء رہا اس طویل شعبہ جاتی رفاقت میں حضرتؒ کی ہمیشہ عنایات وخصوصی توجہات شامل حال رہیں یہی وجہ ہے کہ اس گونا گوں قسم کا حضرتؒ نے ہمیشہ لحاظ فرمایا اور دارالعلوم دیوبند کا نظام تبدیل ہونے کے بعد بھی حضرتؒ کی ہمیشہ شفقت وعنایت جاری و ساری رہی اور راقم کے یہاں تقریباً تمام ہی تقریبات میں حضرتؒ کی شرکت اور دعائیہ کلمات کا موقع ملتا رہا اس کے علاوہ حضرتؒ کی ہمیشہ غیر معمولی شفقت وعنایت رہی۔

ماضی قریب میں حضرتؒ کے دست مقدس سے راقم الحروف کے اشاعتی ادارے سے شائع شدہ کتاب جو کہ حضرت نانوتویؒ کی گرامی قدر شخصیت پر مشتمل تھی حضرت نے علالت ومعذوری کے باوجود مذکورہ کتاب کا تاریخی اجراء بھی فرمایا اور اس پیرانہ سالی وضعف نقاہت میں بھی حضرتؒ نے راقم الحروف کے فرزندار جمند مولوی واصف حسن سلمہٗ کی تقریباً تمام ہی کتب پر تقریظ ورائے گرامی میں خاص طور پر تحریر فرمائی۔

حضرت نوراللہ مرقدہٗ کے عظیم علمی یادگار کارناموں میں وقف دارالعلوم کے قیام کے علاوہ ادارہ تاج المعارف کا قیام اور ادارہ جامعہ دینیات کا قیام خاص طور سے قابل ذکر ہے۔

مادر علمی دارالعلوم دیوبند اور وقف دارالعلوم دیوبند میں حضرتؒ کی مجموعی خدمات تقریباً نصف صدی کے زائد سے عرصہ پر محیط ہیں۔ مشرق سے لے کر مغرب تک اور شمال سے لے کر جنوب تک حضرتؒ کے تلامذہ تدریسی، تصنیفی، ادبی وتاریخی خدمات میں مشغول ہیں۔

عالم اسلام کو حضرتؒ کی وفات حسرت آیات سے جو نقصان ہوا ہے اس کی تلافی مشکل ہے آج تمام ہی حلقے حضرتؒ کی وفات سے آہ بلب اور اشک بار ہیں۔

خداوند قدوس حضرتؒ کے درجات بلند فرمائے اور حضرتؒ کے جملہ ورثاء کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔ آمین

خورشید حسن قاسمی
دارالعلوم دیوبند

۱۶/اپریل ۲۰۱۸ء

مؤسسۃ النور لکھنؤ کے ذمہ داران کی جانب سے تعزیتی مکتوب

رفیع القدر، عظیم المرتبت، جانشین خطیب الاسلام، مخدومی ومکرمی جناب حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم،
مہتمم مادر علمی دارالعلوم وقف دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

سید الطائفہ خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی نوراللہ مرقدہ کے انتقال کی جاں گداز خبر ملی، غم کی انتہاء نہ رہی، دل رو پڑا اور آنکھیں بھی دل کا ساتھ دینے سے نہ رک سکیں، افسوس اس بات کا ہے کہ درمیان میں حائل فاصلے اور دیگر ناگزیر مشغولیات نے چاہتے ہوئے بھی حاضر نہ ہونے دیا اور حضرت کے آخری دیدار سے محرومی رہی جس کا تازندگی افسوس رہے گا۔

کائنات کی وسعتوں میں کسی شخص کی کمی کا احساس دیرپا نہیں ہوتا، دنیا کی ہلچل میں روزانہ کتنے جنازے اٹھتے ہیں، کتنی قبریں بنتی ہیں اور کتنے چاند تاروں کو اپنے آغوش میں سمیٹ لیتی ہیں، ہر موت بے شمار آنکھوں میں آنسو اور دلوں میں زخم چھوڑ جاتی ہیں، سوگواروں کی سسکیاں اور آہیں کتنے دلوں کو مجروح کرتی ہیں، پھر رفتہ رفتہ وقت کا مرہم زخم مندمل اور ماحول بحال کر دیتا ہے، یہ ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا، موت وزیست کی کہانی روز ازل سے کہی اور سنی جاتی رہی ہے اور ابد تک دہرائی جاتی رہے گی، لیکن بعض اموات ایسی ضرور ہوتی ہیں جن کی خبر بجلی بن کر گرتی ہے اور گردش زمانہ کو ساکت اور کائنات کو ویران واداس کر دیتی ہے، اور ایک کنبہ اور ایک خاندان ہی نہیں بلکہ پورے عالم کو بے قرار و بے چین کر دیتی ہے، یقیناً یہ موت انہیں میں سے ایک تھی۔

گزرتے وقت کے ساتھ یقیناً آنکھوں میں جھملاتے آنسو خشک ہو جائیں گے، آہیں اور سسکیاں معدوم ہو جائیں گی، کاروبار حیات معمول پر آ جائے گا، پھر وہی صبح وہی شام، وہی رواں دواں زندگی، وہی ہماہمی، وہی محافل طرب وغم، سب جوں کا توں۔

دارالعلوم میں علمی محفلیں سجیں گی، اکیڈمی سرگرم رہے گی، طلبہ کشاں کشاں آئیں گے، سب کچھ ہوگا لیکن خطیب الاسلام نہیں ہوں گے، تذکرہ ہوگا، لکھا جائے گا، پڑھا جائے گا، سنا جائے گا، لیکن نام کے ساتھ ''رحمتہ اللہ علیہ'' لگا ہوا ہوگا۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ حضرت کی قبر کو تاحد نگاہ وسیع کردے اور فردوس بریں میں حضرت کو اعلی سے اعلی مقام عطا کرے اور آپ سمیت پورے خانوادۂ قاسمی کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ آمین!

دنیا آنی جانی کا نام ہے، جو یہاں آیا ہے اس کو ایک دن جانا ہے (**لکل اجل مسمی**) ایسے موقعہ پر غم ہونا فطری ہے اور یقیناً اس وقت آپ کے غم کا اندازہ کرنا مشکل ہے، لہذا ہم آپ سے اظہار تعزیت کرتے ہیں، اور ہم خود کو آپ کے غم میں برابر کے شریک سمجھتے ہیں، آپ کے خاندان نے امت مسلمہ کو کیا دیا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، لہذا ہم یہ امید کرتے ہیں کہ خانوادۂ قاسمی کا وہ فیضان جو پوری دنیا میں عام تھا، جس کے اصل وارث و جانشیں اس وقت آپ ہیں، وہ یونہی اپنا فیض جاری رکھے گا، اور اپنی ضیاء بار کرنوں سے پوری دنیا کو منور کرتا رہے گا، اور بالخصوص اسلامیان ہند کی علمی وروحانی تشنگی کو بجھاتا رہے گا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالی آپ کے زیر اہتمام دارالعلوم کو یونہی ترقیات سے نوازتا رہے، جماعت دیوبند اور بالخصوص ''حجۃ الاسلام اکیڈمی'' کے عملہ کو علمی، تحقیقی اور تجدیدی کاموں کو انجام دینے کی مزید توفیق دے اور آپ کے فرزند لائق مند مولانا ڈاکٹر شکیب قاسمی کی زیر نگرانی ان علمی و تحقیقی سرگرمیوں کو سدا جاری وساری رکھے اور خاندان قاسمی کے علوم ومعارف کے تناور درخت کو ہمیشہ کے لیے شادابی عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

سیف الرحمٰن ندوی
مدیر مؤسسۃ النور لکھنؤ

مدرسۃ الباقیات الصالحات کے ذمہ داران کی جانب سے تعزیتی مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت گرامی! حضرت اقدس مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند وجانشین خطیب الاسلام مولانا محمد سالم صاحب نوراللہ مرقدہ
السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

دیگر عرض یہ ہے کہ ہم جامعہ باقیات صالحات، ویلور کے جمیع اساتذہ کرام وطلباء عزیز اور جمیع خدام جامعہ آنجناب کے والد گرامی حضرت مولانا محمد سالم صاحب صدر مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند کے سانحۂ ارتحال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے اسے ملک وملت کا عظیم خسارہ قرار دیتے ہیں۔

حضرت مولانا مرحوم خاندان قاسمی کے چشم و چراغ اور اسرۂ طیبہ کے علم وفضل کے امین وامیر تھے، وہ جانشین شیخ الاسلام حضرت مدنیؒ کے تلامذہ میں سے تھے وہیں دوسری طرف حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اور اپنے والد ماجد قاری محمد طیبؒ کے مجاز بیعت وارشاد ہوئے، مولانا مرحوم نے اپنے دور حیات میں ان دونوں نسبتوں کا حق ادا کر دیا، ایک طرف درس حدیث کے ذریعہ ہزاروں تشنگان علوم کو سیراب کیا وہیں بیعت وارشاد کے ذریعہ بھی سالکین کو فیض پہنچایا۔

ہمارے جامعہ میں بھی حضرت والاؒ کے لئے قرآن خوانی اور دعائیں ہوئیں۔

ہم جامعہ باقیات صالحات ویلور کے تمام خدام، اساتذہ وطلبہ برابر آپ کے غم میں شریک ہیں اور بارگاہ رب العزت میں دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت مرحوم کے فیض کو تمام عالم میں جاری وساری فرمائے، اور امت مسلمہ کو حضرت مرحوم کا نعم البدل عطا فرمائے، اور آپ کو حضرت کا خیر خلف بنالے، آمین۔

والسلام

شرح دستخط حضرت مولانا الحاج مفتی عثمان محی الدین صاحب دامت برکاتہم

DAILY ISLAM ONLINE EDITION
www.dailyislam.com

مولانا سالم قاسمی کی وفات سے ایک عہد کا خاتمہ ہوگیا

مولانا عبدالحلیم چشتی

کراچی (پ ر) حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے پڑپوتے اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ کے جانشین حضرت مولانا محمد سالم قاسمی، صدر مہتمم دارالعلوم دیوبند کی وفات سے ایک عہد کا خاتمہ ہوگیا، موصوف تدریس اور دعوت وارشاد کے ساتھ ساتھ شیخ وقت بھی تھے۔ مرحوم حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کے آخری شاگرد ہونے کے علاوہ اس وقت روئے زمین پر بھی حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے آخری شاگرد تھے۔ موصوف نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ سے بخاری شریف اور ترمذی شریف پڑھنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ مرحوم کے انتقال پر مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم چشتی، مولانا نعیم الدین مجلس احرار اسلام مولانا سید کفیل بخاری، مجلس یادگار شیخ الاسلام پاکستان ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری، قاری رشید احمد، مولانا تنویر احمد شریفی، مولانا حسن الرحمٰن، محمد نعمان ارشدی، حافظ محمد اشھد شریفی، مولانا شفیق احمد بستوی اور دیگر نے اظہار تعزیت کرتے ہوئے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان، تلامذہ ومریدین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ دارالعلوم وقف دیوبند اور دیگر خدمات کو شرف مقبولیت بخشے، دریں اثنا گزشتہ ہفتے مرحوم نے پاکستان کا ممتاز سالانہ مجلّہ یادگار اکابر کا حجۃ الاسلام نمبر دیوبند سے شائع کرایا اور اس پر اپنی انتہائی پسندیدگی کا اظہار کیا تھا یہ اشاعتی خدمت مرحوم کی یادگار رہے گی۔

جامعہ عربیہ، ہتھورا باندہ کے ذمہ داران کی جانب سے تعزیتی مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت جناب حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی
مہتمم وقف دارالعلوم دیوبند

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

علوم قاسمی کے امین شارح یادگار اسلاف واکابر تاجدار جماعت دیوبند حضرت حکیم الاسلام کے نور نظر حضرت شیخ الاسلام کے شاگرد رشید وقف دارالعلوم دیوبند کے بانی وسرپرست مہتمم حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی ۱۵/ اپریل ۲۰۱۸ء بعد زوال اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے اِنّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ.

کوئی کیسے بتائے کہ اس جانکاہ حادثہ کا دل ودماغ پر کیسا اثر ہوا، ایک شفیق مربی سے ملت ہندیہ محروم ہوگئی، مسلک حق کا ترجمان ہم سے دور جا بسا، میں کہاں سے وہ الفاظ لاؤں جن کو احساسات دل کی نمائندگی اور ترجمانی کا وسیلہ بناؤں! مرحوم کی ایک دید قلب حزیں کے غموں کا مداویٰ ثابت ہوتی تھی، وہ بزرگوں کی روایات کے پاسبان تھے ہم ان سے ملکر باغ باغ ہو جاتے تھے، اللہ مرحوم کو کروٹ کروٹ سکون نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے، ادارہ کو مخلص سرپرست ملے، میں آپکے حضور اپنی اور ادارہ کی جانب سے تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہوں۔

خادم جامعہ عربیہ ہتھورا باندہ

خدایا آرزو میری یہی ہے مرا نورِ بصیرت عام کردے

خواجہ معین الدین چشتی اردو، عربی-فارسی یونیورسٹی، لکھنؤ کے ذمہ داران کی جانب سے موصول شدہ تعزیت نامہ

گرامی قدر حضرت مولانا سفیان احمد قاسمی (حفظہ اللہ ورعاہ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ مزاج عالی بخیر ہوں گے۔

اللہ کے سوا کسی کو بقا نہیں ہے، ہوا وہی جو روز ازل سے ہوتا آیا ہے اور تقریباً سالہا سال عالم اسلام کے علمی اور روحانی قیادت کرنے والا قائد، قاسمی علوم و معارف کا امین، چمنستان دارالعلوم وقف کی تقریباً ۳۶ سالوں تک آبیاری کرنے والا خانوادۂ قاسمی کا چراغ ہمیشہ کے لئے گل ہو گیا۔

حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ جو دارالعلوم وقف دیوبند کے مؤسس حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے پڑپوتے، حضرت قاری محمد طیبؒ کے صاحبزادے ہونے کے ساتھ علوم دینیہ اور اصلاح وارشاد کا کام مؤثر ڈھنگ سے انجام دے رہے تھے، وہ دارالعلوم کے سابقہ دور میں استاذ اور نائب مہتمم رہے تھے۔ ان کو اس برصغیر اور اس کے علاوہ عالم اسلامی وعربی میں دینی وعلمی حیثیت سے شہرت حاصل تھی، انہوں نے پوری زندگی نسل نو کی تربیت اور دین اسلام کی تبلیغ میں گزاری، ان کا انتقال عالم اسلام کے لئے ایک بڑا خسارہ ہے، اللہ تعالیٰ اس مقبول بندے کی مغفرت فرمائے، اور جنت الفردوس کے اعلیٰ مقام میں جگہ عطا فرمائے اور پورے خانوادۂ قاسمی کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ آمین

دنیا آنی جانی ہے، جو یہاں آیا ہے اس کو ایک دن جانا ہے (لکل اجل مسمی) اس موقع پر غم ہونا فطری ہے اور یقیناً اس وقت آپ کے غم کا اندازہ کرنا مشکل ہے لہذا میں اپنی طرف سے اور شعبۂ عربی کے تمام اساتذہ (ڈاکٹر عبدالحفیظ، ڈاکٹر انور حفیظ، ڈاکٹر شہنواز، ڈاکٹر عائشہ شہناز فاطمہ، ڈاکٹر اعجاز احمد و ڈاکٹر سعود الظفر)، طلبہ و کارکنان کی طرف سے تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہوں اور میں خود کو آپ کے غم میں برابر کے شریک سمجھتا ہوں۔

فقط والسلام

(پروفیسر ڈاکٹر مسعود عالم فلاحی)

صدر شعبۂ عربی

خواجہ معین الدین چشتی اردو عربی فارسی یونیورسٹی، لکھنؤ

جناب خالد مبشر صاحب کا تعزیتی مکتوب

مولانا سالم قاسمی صاحب!

ایک تو یہ امت یوں ہی بے سہارا ہوتی جارہی ہے، آپ بھی چھوڑ کر چلے گئے۔

حق مغفرت کرے۔

آپ کو میں نے یکم نومبر 1995 میں ایس آئی او کی شمالی ہند پٹنہ کانفرنس میں دیکھا اور سنا تھا، آپ کا ایک جملہ آج بھی ذہن پر نقش ہے، آپ نے بہت دردمندی کے ساتھ کہا تھا کہ ''رسول اور صحابہ نے دین کی دعوت دی۔ تابعین کے زمانے میں مسلک کی تبلیغ ہونے لگی۔ پھر تبع تابعین کے زمانے میں ''مشرب کو ترجیح دی جانے لگی اور آج لوگ اپنے اپنے ذاتی ذوق کی اشاعت کر رہے ہیں۔ لوگو آؤ مسلک، مشرب اور ذوق کے بجائے دین کی دعوت دو آپ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے جشن عید میلا دالنبی کے جلسے میں تشریف لائے تو آپ نے کنیڈی ہال میں موجود سینکڑوں دانشوروں کے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے اپیل کی تھی کہ رسول کی سیرت کو عصر حاضر کے تمام مسائل کے حل کے لیے ایک تحریک کے طور پہ دنیا کے سامنے پیش کیا جائے۔

میرے ایک دوست مولانا عبدالسلام قاسمی صاحب جنہیں آپ کی شاگردی نصیب تھی انہوں نے نماز عصر کے بعد آپ کی مجلسوں میں آپ سے فیض اٹھایا تھا، انہوں نے ایک بار مجھے آپ کی گفتگو کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ آپ نے اس بات پہ زور دیا کہ علما فتوے پہ اکتفا نہ کریں، فتوے کے بجائے متبادل پیش کریں، آپ نے مثال دی تھی کہ پہلے جائز مشروبات دودھ، پانی، شربت وغیرہ پیش کریں پھر شراب کے حرام ہونے کا فتوی کارگر ہوگا۔

آہ مولانا اب آپ کی طرح روشن دماغ اور دردمند دل کہاں رہا، امت کو آپ کا نعم البدل عطا ہو۔ آپ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب ہو۔

ڈاکٹر خالد مبشر

جامعہ ملیہ اسلامیہ (نئی دہلی)

حق ایجوکیشن اینڈ ریسرچ فاؤنڈیشن کانپور کے ذمہ داران کی جانب سے تعزیت نامہ

باسمہ سبحانہ و تعالیٰ

قابل صد احترام جناب مولانا محمد شکیب صاحب قاسمی دامت برکاتہم
ڈائریکٹر حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت حکیم الاسلام نوراللہ مرقدہ کے علوم ظاہری و باطنی کے سچے ترجمان، خانوادۂ قاسمی کے امین حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کے سفر آخرت پر ہم سب خدام حق ایجوکیشن، اساتذہ وطلباء مغموم ہیں۔ اور اس عظیم سانحہ پر آپ اور آپ کے والد ماجد کی خدمت میں نیز تمام اعزاء واقرباء متوسلین ومحبین کو تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت کی وفات کسی ایک فرد اور کسی ایک خاندان کا نہیں بلکہ پوری امت کا سانحہ ہے، اور ایسا نا قابل تلافی خسارہ ہے کہ مستقبل قریب میں اس کی تلافی نظر بھی نہیں آتی۔ اس وقت کون کس کی تعزیت کرے، ہر فرد امت تعزیت کا مستحق ہے۔ اللہ سب کو صبر اور اجر نصیب فرمائے۔

دنیا کے پیدا کرنے والے خالق و مالک نے دنیا کا نظام ہی ایسا بنایا ہے کہ جو یہاں آیا ہے اسے ایک دن جانا ہے لیکن یہ عارضی جدائی ہے کچھ مدت کا وقفہ ہے ان شاء اللہ ایک دن سب سے ملاقات ہوگی اور وہ ایسی ملاقات ہوگی کہ اس کے بعد جدائیگی کا کوئی تصور بھی نہ ہوگا۔ پھر اس عارضی جدائی میں بھی انسانوں کے شفیق پروردگار نے اپنے متعلقین سے رابطہ کے طریقے بھی بتا دیے۔ ایصال ثواب کے ذریعہ ہم اپنے مرحومین سے رابطہ کر سکتے ہیں، فرشتے نام کے ساتھ ہمارا بھیجا ہوا ہدیہ مرحومین تک پہنچاتے ہیں۔ نیز کبھی خواب کے ذریعہ بھی اللہ تعالی دیدار کروا دیتے ہیں۔

حضرت مفتی شفیع صاحب نوراللہ مرقدہ کے والد ماجد مولانا یاسین صاحب نوراللہ مرقدہ کے انتقال پر علامہ ظفر احمد عثانی نوراللہ مرقدہ نے حضرت مفتی صاحب کو تعزیت پیش کرتے ہوئے فرمایا

تھا کہ **مـامات من خلف مثلک** جو آپ جیسا خلف چھوڑ جائے اس کی حقیقی موت نہیں ہوتی، اس لئے کہ خلف ان کے کاموں کو اور ان کے سلسلہ فیض کو رکنے نہیں دیتے۔ یہ عاجز علامہ کا یہی جملہ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ یقیناً آپ سر الاب والجد ہیں۔ اللہ رب العزت والجلال کی ذات سے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ فکر قاسمی کے فیوض و برکات سارے عالم میں جاری وساری فرمائیں گے، نیز حضرت کی وفات سے جو خلاء پیدا ہوا ہے اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا نعم البدل بنائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو مزید صلاح وفلاح سے مالا مال فرمائے۔

اللہ سے دعا ہے کہ حضرت کے لگائے ہوئے علمی اور روحانی باغ کو سرسبز وشاداب رکھے۔ حضرت کو جنت الفردوس میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام نصیب فرمائے۔ آمین

والسلام

حفظ الرحمٰن قاسمی

ڈائریکٹر حق ایجوکیشن اینڈ ریسرچ فاؤنڈیشن، کانپور

و جملہ اساتذہ وطلباء مورخہ ۲۹؍رجب المرجب ۱۴۳۹ھ

دہلی اقلیتی کمیشن

بسم الله الرحمن الرحیم

برادر محترم ومکرم جناب مولانا سفیان قاسمی صاحب
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

آپ کے والد ماجداور ہم سب کے بزرگ ورہنما مولانا محمد سالم قاسمی کے انتقال کی خبر میرے لیے بہت بڑا صدمہ ہے۔ مولانا مرحوم کے انتقال سے امت اسلامیہ ہند میں ایک بڑا خلاء پیدا ہوا ہے۔ مجھے حضرت مولانا مرحوم، آپ کے دادا مرحوم مولانا طیب صاحب اور خود آپ سے کچھ ربط رہا ہے جس کی وجہ سے اس خانوادے سے بڑی امیدیں اور عقیدت وابستہ ہیں۔ مولانا مرحوم کی مغفرت کی دعا کرتے ہوئے اللہ پاک سے دعا گو ہوں کہ حضرت کو جنت الفردوس میں جگہ دیں اور ان کے اخلاف کو اسی جادۂ حق پر چلنے اور امت کی رہنمائی کرنے کی سعادت عطا فرمائیں جس پر آپ کے اسلاف کرام چلتے رہے ہیں۔ تمام متعلقین کو میری طرف سے تعزیت قلبی پہنچا دیں۔ ان سب کے لئے اللہ پاک سے صبر وسلوان کی دعا کرتا ہوں۔ آمین۔ طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے فی الحال سفر سے معذور ہوں ورنہ خود حاضر ہوکر نماز جنازہ میں شرکت کرتا اور تعزیت بھی پیش کرتا۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ
ڈاکٹر ظفر الاسلام خان
صدر دہلی اقلیتی کمیشن

مدرسہ اسلامیہ کنز العلوم، سیتاپور کی جانب سے موصول شدہ تعزیتی مکتوب

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مکرمی ومخدومی جناب حضرت مولانا محمد سفیان صاحب
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

طالب عافیت بحمد اللہ بعافیت ہے

بعدہٗ بذریعہ فون اطلاع ملی کہ ہمارے مربی اور آپکے والد محترم خطیب الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد سالم صاحب قاسمی صدر مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند ونائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اس دارفانی سے رحلت فرما گئے۔انا للہ وانا الیہ راجعون

بے انتہا کرب ہوا اطلاع ملتے ہی حضرتؒ کے لئے مدرسہ ہذا کے تمام شعبوں میں اور بطور خاص تحفیظ القرآن کے جملہ درجات میں ایصال ثواب کیا گیا اور دعاء مغفرت کی گئی اور یہ سلسلہ انشاء اللہ آئندہ بھی جاری رہے گا، حضرت والاؒ کا حادثہ اگر چہ پوری ملت اسلامیہ کے لئے ایک عظیم حادثہ ہے لیکن جناب والا واہل خانہ کو جو صدمہ پہنچا ہے اس کا اندازہ مشکل ہے۔اللہ تعالی اپنے فضل وکرم سے آپ کے اہل خانہ اور ہم متعلقین کو صبر جمیل کی توفیق عطا فرمائے اور ہم سب کو حضرت والا کے طریقہ پر قائم رکھے اور حضرت والاؒ کو جوار رحمت وجنت علیا میں اعلیٰ مقامات سے سرفراز فرمائے۔(آمین)۔

ہم آنجناب کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

نوٹ: جناب حاجی محمد عثمان صاحب مالک ہلدیٔ وَوٹ فیکٹری جہانگیر آباد سیتاپور آپکی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش فرمارہے ہیں اور ہدیہ سلام بھی۔

تنظیم القرآن والحفاظ، پاکستان کی جانب سے موصول شدہ تعزیتی مکتوب

محترم المقام حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی مدظلہ
برادر مکرم مولانا شکیب صاحب قاسمی زادمجدہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۴/اپریل کو متکلم اسلام، شبیہہ حضرت حکیم الاسلامؒ، حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی (نور اللہ مرقدہ) کی وفات کی اطلاع سے ہم خدام دارالعلوم کو انتہائی رنج ہوا۔ اللہ تعالیٰ مولانا علیہ الرحمہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگانِ نسبی اور روحانی کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مولانا مرحوم کی خدماتِ دینیہ ہمیشہ یادرکھی جائیں گی۔ وفات کی اطلاع حضرت مولانا مرحوم کا وہ زمانہ آنکھوں میں آگیا جس وقت وہ اپنے گرامی قدر والد محترم حضرت حکیم الاسلامؒ کے ساتھ پاکستان تشریف لائے تھے، اور وہ ان کا جوانی کا دور تھا۔

ہمارے مدرسے میں ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا۔ درس قرآن کا ثواب بھی پہنچایا گیا اور حسب توفیق یہ سلسلہ جاری ہے۔ ہم سب آپ کے ساتھ غم میں شریک ہیں۔

یہاں اخبارات میں جو خبریں آئی ہیں، کوشش کرکے جناب کو ارسال کرتا رہوں گا، تاکہ ایک جگہ جمع ہوجائیں۔ دعاگو وعاجز!

والسلام
غم زدہ: تنویر احمد اشرفی عفی عنہ
۲۹/رجب المرجب ۱۴۳۹ھ
۱۷/اپریل ۲۰۱۸ء

جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے مہتمم مولانا مقبول ندوی کا تعزیتی مکتوب

حضرت مولانا سالم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی رحلت ملت کا بہت بڑا خسارہ

مؤرخہ ۲۶ رجب المرجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۶/اپریل ۲۰۱۸ء بروز پیر بعد نماز ظہر جامعہ اسلامیہ کی مسجد میں حضرت مولانا سالم صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ (مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند) کے سانحہ ارتحال پر ایک تعزیتی نشست کا انعقاد ہوا جس کا آغاز عزیزی انس حاجی فقیہ متعلم پنجم عربی کی تلاوت کلام پاک سے ہوا۔

اس کے بعد مہتمم جامعہ مولانا مقبول احمد صاحب ندوی نے حضرت کا تذکرہ کرتے ہوئے جامعہ اور بھٹکل سے آپ کے تعلق پر روشنی ڈالی اور مرحوم کی وفات پر نہات ہی رنج وغم کا اظہار کیا، نیز اس کو ملت کا بہت بڑا خسارہ بتایا۔

استاد تفسیر جامعہ مولانا الیاس صاحب ندوی نے تعزیتی نشست کے مقاصد کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ مرحومین کی خدمات اوران کی خوبیوں کا تذکرہ اس لیے کیا جاتا ہے تا کہ طلبہ ان کے احسانات کو یاد کر کے شکر ادا کریں اسی کا نام احسان شناسی ہے۔ نیز مولانا نے شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالعزیز، مولانا حسین احمد مدنی، حضرت سید احمد شہید اور حضرت نانوتویؒ کے خاندان کی تاریخ مختصراً بیان کی، حضرت قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت مولانا سالم صاحب ،حضرت قاری صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے علمی وروحانی جانشین تھے۔

نیز آپ نے یہ بھی بیان کیا کہ جامعہ اسلامیہ کی ترقی میں جن بزرگوں کی دعائیں ہیں ان میں مرحوم کا خاصا حصہ رہا۔ حضرت والا کو بھٹکل سے گہرا تعلق رہا ہے، اپنی پیرانہ سالی کے باوجود کئی اسفار آپ کے بھٹکل کے ہوئے ہیں۔ دارالعلوم دیوبند/مجلس مشاورت اور مسلم پرسنل لا بورڈ کے تعلق سے آپ کی خدمات ہمیشہ یادرکھی جائے گی۔

صدر جامعہ حضرت مولانا اقبال صاحب ملا ندوی نے بھی مرحوم کی خوبیوں کو گناتے ہوئے ان

کی رحلت پر اظہار افسوس کیا، اور فرمایا کہ ہمیں بھی ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اخیر میں حضرت مولانا ہی کی دعا پر مجلس برخواست ہوئی، جلسہ میں اساتذہ جامعہ وطلبائے جامعہ کے علاوہ ایک بڑی تعداد موجود تھی۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، ان کی خدمات کو شرف قبولیت سے نوازے، پسماندگان کو صبر جمیل اور امت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

مؤرخہ ۳ شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ بھٹکل کی تمام جمعہ مساجد میں آپ کی غائبانہ نماز جنازہ بھی ادا کی گئی۔

مولانا مقبول ندوی

علاقات عامہ

جامعہ اسلامیہ بھٹکل

مدرسہ ریاض العلوم ساٹھی مغربی چمپارن بہار (الہند)
کے ذمہ داران کی طرف سے موصول شدہ تعزیتی مکتوب

بخدمت حضرت مولانا محمد سفیان صاحب

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند دامت برکاتہم السلام علیکم ورحمتہ اللہ

خدا کرے مزاج اقدس مع متعلقین بہم وجوہ بخیر ہوں اللہ کا کرم ہے ہندو بیرون ہند میں پھیلے ہوئے علمائے کرام وخدام دین وملت کے مربیٔ اعظم - استاد الأ ساتذہ بقیۃ السلف اور گلزار قاسمی کے امین آنجناب کے والد بزرگوار کے انتقال پر ملال کی اندوہناک خبر سے مدرسہ ریاض العلوم ساٹھی ضلع مغربی چمپارن بہار اور علاقۂ ساٹھی کی پوری فضاء پر ایک عجیب اداسی چھا گئی۔ رنج وغم میں ڈوبے ہوئے اساتذہ وطلبہ نے قرآن خوانی کے سلسلہ کو جاری رکھا اور بعد نماز عصر تمام اساتذہ - طلبہ اور علاقۂ ساٹھی کے خواص پر مشتمل تعزیتی نشست میں مولانا مرحوم کی خدمات جلیلہ ذاتی اوصاف و کمالات اور نسبتی عظمت پر روشنی ڈالی گئی۔ پھر اجتماعی طور پر ایصال ثواب کے بعد حضرت کی مغفرت و ترقی درجات کے لئے دعاء کی گئی۔

ہمیں شدید احساس ہے کہ حضرت کی رحلت سے صرف خاندان قاسمی کے افراد ہی نہیں بلکہ پوری قوم اور اپنی ملت کے سارے افراد مولانا کے علم وفضل اور فیوض وبرکات کے ابلتے چشمہ سے فیضیاب ہوتے رہنے سے محروم ہو گئے۔

بلاشبہہ اس قومی وعلمی حادثہ کا درد ہم سبھی اسی طرح محسوس کر رہے ہیں جس طرح آپ حضرات محسوس کر رہے ہوں گے۔ تاحال قرآن خوانی کا سلسلہ جزوی وقت میں جاری ہے۔ ہماری دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے خاندان کے سارے افراد کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین

مدرسہ ریاض العلوم ساٹھی۔ مغربی چمپارن بہار کے ذمہ داران۔ اساتذہ۔ طلبہ اور علاقۂ ساٹھی کے افراد آپ کو اور پورے خاندان قاسمی کے افراد کو اپنی تعزیت پیش کرتے ہیں۔

شریک غم

انوار الحق

المدرسۃ الاسلامیۃ العربیۃ فیض العلوم، تھانہ ٹین، رامپور (الہند)
کے ذمہ داران کا تعزیتی مکتوب

جامع العلوم والفیوض ذوالمجد والکرم حضرت اقدس مولانا محمد سفیان صاحب زید مجدکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدمت عالیہ میں گزارش ہے کہ احقر اپنے رفقاء واحباب کی طرف سے آنجناب کے والد گرامی عظیم المرتبت خادم الملۃ والدین نمونہ اسلاف خانوادۂ قاسمیہ کے چشم و چراغ کے سانحہ ارتحال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کرتا ہے اور بصمیم قلب دعا گو ہے کہ باری تعالیٰ حضرت کی حسنات کو شرف قبولیت عطا فرمائے فیوض و برکات کو تا قیامت جاری رکھے۔ بلا شبہ حضرت مرحوم ہمارے درمیان نہیں رہے لیکن حضرت کا خلوص وللّٰہیت، خوش مزاجی، بلند اخلاقی علوم عقلیہ نقلیہ میں گہرائی و گیرائی، زہد وتقویٰ، توکل ووفاء ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔

باری تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ مرحمت فرمائے اور بافیض مقبول بندوں میں شامل فرما کر جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے اور قبر اطہر کو جنت کی کیاری بنائے۔ امت کو حضرت مرحوم کا نعم البدل عطا فرما کر متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

احقر کو اپنی مخصوص دعاؤں میں یاد فرما کر احسان فرمائیں۔ جزاکم اللّٰہ خیر الجزاء۔

والسلام
دعاؤں کا طالب

مولانا محمد طیب مظاہری بنارسی کا تعزیتی مکتوب

محترم ومعظم سامی وقار حضرت مولانا محمد سفیان صاحب
مہتمم دارالعلوم وقف مدظلہ عالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آن محترم کے والد معظم حضرت اقدس مولانا محمد سالم صاحب نوراللہ مرقدہ کے سانحہ فاجعہ کی خبر سن کر سخت صدمہ پہنچا۔ یہ اندوہناک حادثہ ملت اسلامیہ کے لئے عموما اور اہل ہند کے لئے خصوصاً بہت ہی المناک رہا۔ میرے والد ماجد مولانا محمد یونس صاحب بنارسی علیہ الرحمہ کا تعلق حضرت سے بہت ہی گہرا اور مخلصانہ تھا اور حضرت کو بھی میرے والد محترم سے خاص مناسبت تھی۔ احقر نے اپنے بچپن سے ہی حضرت اقدس نوراللہ مرقدہ کے کمالات وعظمت والد محترم کی زبان وکردار سے سنے اور دیکھے ہیں، اور حضرت کی بنارس تشریف آوری پر جو آداب واہتمام دیکھے ہیں وہ دوسرے اکابرین کے متعلق دیکھنے میں نہیں آئے، حالانکہ دوسرے اکابرین سے والد محترم کے تعلقات ہمیشہ خادمانہ و مخلصانہ رہے، حضرت جلال آبادی، حضرت ہردوئی، حضرت پرتاپ گڑھی، مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی علیہم الرحمہ اور انکے معاصر اکابرین سے والد ماجد کے روابط بکثرت رہے، لیکن خاندان قاسمی بالخصوص حضرت حکیم الاسلام اور حضرت استاذ العلماء مولانا محمد سالم صاحب نوراللہ مرقدہما سے جو مخلصانہ اور محبانہ تعلقات تھے وہ سب پر فائق اور مثالی تھے، اس لئے خاندان قاسمی بالخصوص مذکورہ دونوں بزرگوں کی غیر معمولی عظمت ومحبت احقر کے حواس کی بنیادوں میں داخل ہے، یہی وجہ ہے کہ حضرت کے وصال پر احقر کو جو قلبی صدمہ ہوا وہ کئی قرابتداروں کی وفات پر بھی نہ ہوا۔

حضرت اس وقت دنیا میں حضرت تھانوی علیہ الرحمہ کے واحد شاگرد تھے، قدرت فیاض نے حضرت کی ذات عالی میں علوم قاسمی کو اس کے صحیح فکر وتشریح کے ساتھ جمع فرما دیا تھا یہی وجہ ہے کہ اکابر علماء دیوبند کے فکر کی صحیح معنوں میں عکاسی کرنا آپ ہی کا وصف تھا، اکابر علماء دیوبند کے اوصاف و واقعات جو کتابوں میں پڑھے آپ ان کی جیتی جاگتی مثال تھے اور انکے مخلصانہ کردار اور مثالی

اوصاف کی آپ آخری کڑی تھے۔

اس اندوہناک حادثے پر ہم تمام اہل خانہ آپ کو تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کے تمام اہل خانہ کو اور حضرت کے جملہ مخلصین ومحبین اور متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور ملت کو حضرت کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین

(احقر تقریباً ۱۳/روز کے سفر سے لوٹا ہے اس لئے تعزیت میں تاخیر کے لئے معذرت خواہ ہے)

حضرت کی وفات کے غم والم سے متاثر، خادم

محمد طیب مظاہری بنارسی

۱۲/شعبان ۱۴۳۹ھ

مولانا محمد برھان الدین سنبھلی کا تعزیتی مکتوب

محترم ومکرم، مخدوم زادۂ من جناب مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب زید کرمکم
السلام علیکم ورحمہ اللہ وبرکاتہ

مزاج گرامی!

جناب کی طرف سے مخدوم اہل علم وفن جملہ اساطینِ امت حضرت خطیب الاسلام مولانا محمد سالم قاسمیؒ (آہ جنہیں آج رحمۃ اللہ علیہ لکھنے پر قلم مجبور ہو رہا ہے) ان کے سانحۂ ارتحال کی اطلاع اور آئندہ منعقد ہونے والے اجتماع کی دعوت پر مشتمل کرم نامہ موصول ہوا، یادفرمائی وعزت افزائی کا تہ دل سے شکریہ۔ ان شاء اللہ۔ تعمیل حکم میں مقررہ موضوع پر ٹوٹی پھوٹی زبان میں تحریری خراج عقیدت لیکر حاضر ہونے کا پختہ ارادہ ہے۔

دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کی توفیق دے، کیونکہ مسلسل وطویل علالت اور معذوری کے سبب کچھ نہیں کہا جاسکتا کہ کب فرمانِ خداوندی حاضری کے لیے موصول ہو جائے۔

والسلام

محتاجِ دعا

محمد برہان الدین قاسمی سنبھلی

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو

مدرسہ اسلامیہ عربیہ ضیاء القرآن، بوڑیہ (ہریانہ) کا تعزیتی مکتوب

آنکھ پھاڑے دیکھتا سارا زمانہ رہ گیا
اڑ گیا پنچھی چمن سے آشیانہ رہ گیا
دنیا سے ایک دین کا رہبر چلا گیا
افسوس آج حضرت طیبؒ کا جگر چلا گیا
سارا شہر ایک آن میں ماتم کدہ ہوا
جس نے بھی یہ خبر سنی وہ غمزدہ ہوا
ہر شخص کے لبوں پہ تھا افسوس یہ کیا ہوا
روحانی بھائی ہم سے ہمارا جدا ہوا

محترم المقام خطیب العصر ولئ کامل رہبر دین وملت حضرت الحاج مولانا محمد سالم صاحب قاسمی نور اللہ مرقدہ خانوادۂ قاسم کے چشم و چراغ اور حقیقی جانشیں تھے! اور اپنے دادا حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نور اللہ مرقدہ اور والد محترم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی علیہ الرحمہ کے طرز پر علوم دینیہ و اصلاح و ارشاد کا کام بحسن وخوبی انجام دے رہے تھے! آپ کافی عرصہ سے بیمار تھے اب اس دنیائے فانی کو الوداع کہکر دار البقا کی طرف کوچ کر گئے اور اپنے مالک حقیقی سے جا ملے (انا للہ وانا الیہ راجعون)

سانحہء ارتحال کی خبر سے قلبی رنج و افسوس ہوا حضرت علیہ الرحمہ اسلاف کا نمونہ تھے ملنساری خوش مزاجی اور خوش اخلاقی کے پیکر تھے! پوری دنیا میں حضرت کے روحانی فیضان سے خواص و عام مستفیض ہو رہے تھے! باری تعالیٰ حضرتؒ کی دینی اصلاحی علمی اور درسی خدمات کو قبولیت عطا فرمائے! اور اس کے صلہ میں اعلی علیین میں مقام عطا فرمائے اور ہم سب کو و جملہ متعلقین منسلکین اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے (آمین ثم آمین) مدرسہ ضیاء القرآن پوڑیہ میں جیسے ہی حضرتؒ کے وصال کی خبر موصول ہوئی ایصال ثواب کا اہتمام کر دیا گیا؟ بندہ اپنی ضعف طبیعت اور مسلسل علالت کی وجہ سے حضرت نور اللہ مرقدہ کی نماز جنازہ میں شرکت کے شرف کی سعادت سے محروم

رہا، البتہ میرے بیٹے مولانا عبدالجبار اور دیگر اساتذہ وطلبہ نے حضرتؒ کی نماز جنازہ میں شرکت فرمائی۔ حضرت علیہ الرحمۃ کی دینی وملی خدمات کا جو عظیم حلقہ اور وسیع دائرہ تھا! ظاہر ہے کہ وہ سارا ہی حلقہ آج سوگوار و ماتم کناں ہے: ان کی ذات ستودہ تمام امت مسلمہ کے لئے جس حد تک نافع اور مثمر برکات تھی اس حادثۂ ناگہاں کے سبب ان منافع اور برکات سے احساس محرومی سے تمام ہی امت مسلمہ باچشم وگریاں اندوہ وملال کی بے قرارانہ اور بے تابانہ کیفیات سے دوچار ہوگئی! بلاشبہ سب ہی لوگ اپنی جگہ مستحق تعزیت ہیں! ضرورت ہے کہ سبھوں کو تلقین صبر کیا جائے کیونکہ ایسے نافع خلائق اور عظیم خادم دین کی وفات حسرت آیات کسی ایک خاندان یا کسی ایک ادارہ کا خسارہ نہیں بلکہ تمام امت مسلمہ کا اجتماعی خسارہ ہے، اللہ تبارک وتعالی ہم سبکو انکا نعم البدل عطا فرمائے (آمین) **کل نفس ذائقة الموت** کے تحت ایک دن ہم سب کو اس راہ سے گذرنا ہے اور موت کا مزہ چکھنا ہے؟ تو محض غم وحسرت کی بدلیوں میں چہرہ چھپانا کوئی بلند ہمتی نہیں ہوگی بلکہ حضرتؒ کے ساتھ حقیقی محبت اور ان کی عزت وعظمت کے جو احساسات ہمارے دلوں میں ہیں اس کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم تمام لوگ ان کے چھوڑے ہوئے کاموں کو ان ہی کے نہج پر انجام دیں اور درجۂ کمال تک پہنچانے کی فکر وسعی کرتے ہوئے انہیں خراج عقیدت پیش کریں، اللہ رب العزت حضرتؒ کو اپنے خصوصی فضل میں چھپا کر غریق رحمت فرمائے ارفع درجات کے ساتھ انکی بے بہا دینی وملی خدمات کا اپنی شایان شان صلہ عطا فرمائے (آمین ثم آمین)

والسلام

احقر عبدالستار مفتاحی، خادم

مدرسہ اسلامیہ عربیہ ضیاء القرآن قصبہ بوڑیہ

ضلع یمنا نگر ہریانہ

دارالعلوم جامع الہدیٰ، مرادآباد (کے ذمہ داران کی طرف سے موصول شدہ تعزیتی مکتوب

محترم ومکرم حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی حفظہ اللہ
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے جلیل القدر والد، خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی علیہ الرحمۃ کے سانحہ وفات کا علم ہوکر نہایت رنج وافسوس ہوا۔(انا للہ وانا الیہ راجعون)

قحط الرجال کے دور میں ایسی نابغۂ روزگار ہستی کا اس دنیا سے چلے جانا پوری ملت اسلامیہ بالخصوص ارباب مدارس کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے۔

حضرت خطیب الاسلامؒ اسلاف کی نشانی اور اس علمی خاندان کے چشم و چراغ اور قابل فخر فرزند تھے کہ جنہوں نے ملک میں توحید وسنت کی شمع فروزاں کی جسکی روشنی سے ایک عالم نے رہنمائی حاصل کی۔ فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء.

حضرتؒ کا خود بندہ سے نیز ہمارے ادارہ جامع الہدی سے خصوصی تعلق تھا، وہ کئی بار ختم بخاری وغیرہ کے موقع پر مدرسہ میں تشریف لائے۔اور اپنے علمی فیضان سے تشنگان علوم نبوت کو مستفید فرمایا۔

راقم الحروف اور جملہ اساتذہ وکا کنان مدرسہ حضرت والا علیہ الرحمۃ کے اہل خاندان اور وقف دارالعلوم دیوبند سے دلی تعزیت اور صبر وسلامتی کی دعا دیتے ہیں۔

غفر اللہ لہ وأسکنہ فسیح جناتہ آمین

والسلام
محمد اعلم قاسمی غفرلہٗ
مقیم دارالعلوم جامع الہدی مرادآباد (الہند)

معہد طیب نور چک بہار کے ذمہ داران کی طرف سے تعزیتی مکتوب

قابل قدر عظیم المرتبت حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم العالیہ
جانشین خطیب الاسلام و مہتمم دار العلوم وقف دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید ہے کہ آپ بخیر ہوں گے، بعدہٗ عرض ہے کہ مورخہ ۱۴/اپریل ۲۰۱۸ مطابق ۲۷/رجب المرجب بروز شنبہ کی دوپہر کے بعد جیسے ہی جانکاہ حادثہ کی خبر بذریعہ فون موصول ہوئی کہ علوم قاسمیہ کی ممتاز شخصیت خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ اب اس دنیائے فانی سے رحلت فرما کر مسافر آخرت ہوگئے، علمی حلقوں کی فضا مغموم ہوگئی۔

حضرت خطیب الاسلام رحمۃ اللہ علیہ دور حاضر کے اخلاف اور اکابر واسلاف کے حقیقی وارث وامین تھے۔ آپ بہترین خطیب، باکمال مفسر ومحدث، عربی زبان وادب کے بہترین محقق اور تزکیہ سلوک کے امام تھے۔ حضرت کا سانحہ ارتحال پوری ملت کا سانحہ ہے اور ایک تابناک عہد کا خاتمہ ہے۔ حضرت والا بہت سی صفات کے حامل اور بہت سی خوبیوں سے متصف تھے۔

احقر بارگاہ رب العزت میں دعا گو ہے کہ باری تعالیٰ حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہٗ کو غریق رحمت فرما کر اعلیٰ علیین میں مقام عطا فرمائے آمین۔

اخیر میں یہ ناچیز حضرت والا کے اہل خانہ سے تعزیت پیش کرتا ہے۔ اور آپ کے غم میں برابر کا شریک ہے، رب ذوالجلال آپکو صبر جمیل عطا فرمائے اور حضرت والا اس ادارہ معہد طیب نور چک کے سرپرست تھے۔ اب آپ حضرت سے مودبانہ درخواست ہے کہ اس ادارہ کی سرپرستی قبول فرما کر ایک سرپرستی نامہ ارسال فرمائیں، نوازش ہوگی۔

آپ کی دعاؤں کا طالب
محمد جسیم الدین القاسمی
ناظم معہد طیب نور چک، بسفی مدھوبنی بہار

مدرسہ بیت العلوم مالیگاؤں کے ذمہ داران کا تعزیت نامہ

گرامئی قدر حضرت مولانا سفیان صاحب قاسمی صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون!

عرض خدمت یہ ہے کہ مورخہ ۱۴/اپریل ۲۰۱۸ء بروز سنیچر، دوپہر میں یعنی ظہر کی نماز کے بعد یہ خبر ملی کہ آپ کے والد بزرگوار خانوادۂ نانوتوی کے علوم کے امین، بے مثال واعظ وخطیب متکلم اسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب اپنے خاندان، بے شمار شاگردوں اور اہل تعلق کو چھوڑ کر داعئ اجل کو لبیک کہہ گئے۔(انا لله و انا اليه راجعون)

حضرت والا کا مدرسہ بیت العلوم، عبداللہ نگر، مالیگاؤں اور اس کے اراکین سے بالخصوص مدرسہ کے چیف ٹرسٹی جناب الحاج خالد عمر صدیقی صاحب سے بہت گہرا ربط وتعلق تھا۔ یہی وجہ ہے کہ مدرسہ بیت العلوم مالیگاؤں میں متعدد بار حضرت کی حاضری ہوئی۔ چند سال قبل دارالعلوم وقف میں تعمیر ہونے والی مسجد اطیب المساجد کی تعمیر کے سلسلے میں فراہمئ مال کیلئے حضرت والا کا جو دورہ مالیگاؤں کا ہوا تھا، اس وقت مدرسہ بیت العلوم عبداللہ نگر ہی کے چیف ٹرسٹی جناب الحاج خالد عمر صدیقی صاحب کے یہاں حضرت کا قیام تھا۔

حضرت والا کے انتقال پرملال کی وجہ سے جہاں خانوادۂ قاسمی اور دارالعلوم وقف کے اساتذہ و طلباء کو رنج اور صدمہ پہنچا، وہیں بیت العلوم سے گہرے ربط کی بنا پر بیت العلوم کا پورا عملہ اراکین اساتذہ سب اپنے گہرے دکھ اور رنج وغم کا اظہار کرتے ہیں اور اللہ کی بارگاہ میں دعا گو ہیں کہ اللہ حضرت والا کی مغفرت فرمائیں، جنت میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائیں، پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔

صدر المدرسین

مدرسہ بیت العلوم، عبداللہ نگر مالیگاؤں (ناسک) مہاراشٹر

مفتی احمد دیولوی، گجرات کا تعزیتی مکتوب

تاریخ: ۶؍شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ مطابق: ۲۳؍اپریل ۲۰۱۸ء

محترم المقام حضرت مولانا سفیان صاحب زید مجدہٗ
جانشین خطیب الاسلام مہتمم دارالعلوم وقف دیو بند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد التسلیم المسنون! امید ہے آنحترم وجملہ متعلقین واحباب واندرون خانہ عافیت، مسرت اور شادمانی سے ہم کنار ہوں گے، آمین۔ بعدہٗ: خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب ''رحمۃ اللہ علیہ'' کا سانحۂ ارتحال ملت اسلامیہ کے لئے عموماً اور ملت ہندیہ کے لئے خصوصاً ایک ناقابل تلافی سانحہ ہے۔ دارالعلوم دیو بند، دارالعلوم وقف، مسلم پرسنل لا بورڈ، اسلامک فقہ اکیڈمی اور ندوۃ العلماء جیسے دسیوں بھاری بھرکم ادارے جہاں آپ کی خدمت سے محروم ہو گئے وہیں ملت اسلامیہ جو اس وقت قیادت کی سخت محتاج تھی اپنے زمانے میں بہترین قائد سے محروم ہوئی۔ اصلاح وموعظت کی مجلس سونی ہوگئی، علم وادب کی محفل ماند پڑ گئی، خواص کا مقتدا رخصت ہوا، عوام کا مخلص رہبران سے بچھڑ گیا۔ پوری امت سوگوار ہے اور اس غم فراق میں جامعہ علوم القرآن، جمبوسر، گجرات بھی برابر شامل ہے، اس لئے کہ حضرت کی بے شمار یادیں جامعہ سے وابستہ ہیں، کئی بار حضرت جامعہ آکر جامعہ کے انتہائی اہم پروگرام میں شامل رہے ہیں، بالخصوص اسلامک فقہ اکیڈمی کے جامعہ میں منعقد ہونے والے سیمینار میں اور مجلس تحفظ مدارس گجرات کی جانب سے سورت میں منعقد ہونے والی دہشت گردی مخالف کانفرنس میں حضرت کا اہم رول رہا ہے، گجرات آمد کے موقع سے بھی آپ جامعہ میں حاضری کا اہتمام فرماتے تھے، المختصر جانے والا شجرۃ طیبۃ کا ثمر طیب تھا جس سے امت ایک زمانے تک مستفید ہوتی رہی، اللہ تعالیٰ پورے خانوادہ کی خدمت کو قبول فرمائے اور یہ سلسلہ اس گھرانے میں تادیر جاری ساری فرمائے، آمین۔

میں جامعہ کے اساتذہ، اراکین اور محسنین کی جانب سے تعزیت مسنونہ پیش کرتا ہوں، اعظم اللہ اجر کم و احسن عزاکم و غفر لمیتکم. اللہ تعالیٰ حسنات قبول فرمائے، لغزشوں کو حسنات سے مبدل فرمائے، جنت الفردوس میں جوار رسول ﷺ میں جگہ عنایت کرے۔ آمین

فقط والسلام
(حضرت مولانا مفتی) احمد دیولوی (دامت برکاتہم)
بانی رئیس: جامعہ علوم القرآن، جمبوسر، بھروچ، گجرات

عبدالغفور پاریک صاحب کا تعزیت نامہ

وکان امر اللّٰہ قدرا مقدورا اوراللہ کا امرواقع ہوکرہی رہتا ہے۔

اللہ کے فیصلے پر مومن کوراضی ہوناہی پڑتا ہے۔
جونہیں رہااس پر صبر۔ جوکچھ ہے اس پر شکر۔ بس یہی کچھ تو ہمارے بس میں ہے۔
اللہ رب کائنات حضرت مولانا سالم قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بال بال مغفرت فرمائے۔
اوراہل خانہ وخاندان ومتعلقین کوانتہا درجہ کا صبر عطا فرمائے۔
دارالعلوم دیوبند (وقف) کے ایک استاذ کے الفاظ ہیں۔
’’مولانا مرحوم صبر وضبط،قوت برداشت بے انتہا رکھتے تھے، بڑے سے بڑے مسائل کو چٹکیوں میں حل کردیا کرتے تھے۔‘‘
کتنی بڑی بات ہو اگر ہم کم مایہ لوگوں میں بھی یہ خوبیاں آجائیں۔
یوپی رابطہ کمیٹی کے ذمہ دار کے الفاظ ہیں:
’’وقت کی پابندی، غیبت سے پرہیز معاملات کی صفائی مولانا مرحوم میں بدرجۂ اتم موجود تھیں‘‘۔
ہم نااہل اگر حضرت مولانا مرحومؒ کی خوبیوں کو اپنی زندگی میں عملی طور پر لے آئیں تو یہ سب سے بڑا اخراج عقیدت ہوگا۔

وماتو فیقی الا باللّٰہ.
خاکسار محتاجِ دعا

مدرسہ احیاء العلوم کے ذمہ داران تعزیتی مکتوب

سراپا فضل وکمال حضرت مولانا سفیان صاحب دامت برکاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبراتہ

بعد تحیہ مسنونہ خیریت طرفین مطلوب ومعروض ہے۔

رئیس المتکلین خطیب الاسلام حضرت مولانا سالم صاحب کی وفات ایک زریں دور کا خاتمہ ہے وہ حضرت حکیم الامت قدس سرہ کے آخری شاگرد رشید اور علوم قاسمیہ کے امین ووارث تھے۔ حضرت رحمہ اللہ کے وصال سے امت مسلمہ اپنے اس عظیم رہنما سے محروم ہوگئی جو ۹ دہائی تک اپنے خون جگر سے نئی نسل کی صدیقی جذبہ کے ساتھ آبیاری کرتا رہا۔ وہ اب ایسے سفر پر روانہ ہو گئے جہاں سے لوٹ کر کوئی نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت کی تمام مساعیٔ جمیلہ قبول فرمائیں اور اعلی علیین میں جگہ عطا فرمائیں۔

یہ اہل مدرسہ حضرت کے تمام پسماندگان تلامذہ متوسلین مسترشدین اور اہل دارالعلوم وقف کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہیں۔

نیز اطلاعاً عرض خدمت ہے کہ مدرسہ میں ختم قرآن شریف اور ایصال ثواب کرایا گیا ہے۔

فقط والسلام

بندہ روح الأمین حاجی محمد شفیع مالونیا

خادم مدرسہ ھذا

لوناواڑہ ضلع مہی ساگر (گجرات)

مولانا اختر ریڑھی تاجپورہ کا تعزیتی مکتوب

محترم المقام حضرت مولانا محمد سفیان صاحب
خلف الرشید حضرت اقدس مولانا محمد سالم صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ
زیدت معالیکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

۱۴/اپریل ۲۰۱۸ء بروز شنبہ بوقت ۳/بجے بذریعہ فون یہ اندوہناک خبر ملی کہ نمونۂ اسلاف حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم ومعارف کے امین، حکیم الاسلام جناب حضرت اقدس مولانا قاری محمد طیب صاحب سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند کے لخت جگر حضرت اقدس حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید حضرت اقدس مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کا طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا، انا للہ و انا الیہ راجعون.

موت العالم موت العالم ایسے ہی اشخاص کیلئے منطبق ہے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ میں ربّ ذوالجلال نے بے حد کمالات وصفات ودیعت فرمائے تھے، دارالعلوم کے قضیہ نامرضیہ سے پہلے دارالعلوم میں مرحوم کی شناخت مقبول استاد اور بے مثال خطیب کے ساتھ ہوتی تھی، اسی لئے انکے مبارک نام کا ایک حصہ خطیب العصر بھی ہے، حضرت اقدس مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت نے انہیں کندن بنادیا تھا، اللہ تعالیٰ نے اسی لئے حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرح ہر میدان میں انہیں عروج بخشا تھا۔

مسلک دیوبند کی صحیح ترجمانی کا کمال اگر حضرت حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل تھا تو اسی میدان میں خطیب العصر مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کچھ کم نہ تھے، جو انکے وصال سے بظاہر خالی نظر آتا ہے۔

اخلاق کریمانہ تو اس درجہ اعلیٰ کہ ہر کس وناکس یہ محسوس کرتا کہ حضرت والا سے ہماری مدتوں کی شناسائی ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے قضیہ نامرضیہ کو جس خوش اسلوبی سے انہوں نے اقدام کر کے اختتام تک پہونچایا وہ اس دور کا یقیناً ایک اعجوبہ ہے، جس پر اللہ کی کتنی رحمتوں کے حضرت مرحوم مستحق ہوئے، اور علماء کے وقار کو کس حد تک مجروح ہونے سے بچایا اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

بہر حال حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا وصال وقف دارالعلوم، خانوادۂ حضرت نانوتوی ہی کیلئے سانحہ نہیں بلکہ امت مسلمہ کیلئے ایک عظیم سانحہ ہے، جسکی وجہ سے ہر ایک کا دل رنجیدہ ہے، مگر اللہ کے فیصلے اٹل ہیں، سوائے صبر کے اور کوئی چارہ نہیں، **انا للہ ما اخذ ولہ ما اعطی** ہم سب کیلئے تسکین کا باعث ہے، جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ ضلع سہارنپور میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کیلئے جامعہ کے تمام طلباء واساتذہ نے قرآن مجید کی تلاوت کر کے ایصال ثواب کیا اور دعا کی، اللہ رب العزت مرحوم کی مغفرت فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق فرمائے، اور انکی وجہ سے جو ملی نقصان ہوا ہے اللہ تعالیٰ غیب سے اسکی تلافی فرمائے، آمین

والسلام

(مولانا) محمد اختر (صاحب)

مہتمم جامعہ اسلامیہ ریڑھی تاجپورہ

جامعہ اسلامیہ دارالعلوم خلیل آباد سنت کبیر نگر کے ذمہ داران کا تعزیت نامہ

مخدوم گرامی قدر حضرت مولانا سفیان احمد صاحب قاسمی دامت برکاتہم
مہتمم دارالعلوم (وقف) دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عافیت خواہ بعافیت تمام ہے............ بقیۃ السلف خطیب الاسلام حضرت اقدس مولانا وسیدنا محمد سالم صاحب قاسمی نوراللہ مرقدہ کا سانحہ ارتحال ہم سب کے لئے نہایت ہی رنج والم کا سبب بنا۔ حضرت کی ذات اقدس تمام مسلمانان ہند کیلئے خاص طور پر امید کی آخری کرن تھی صد افسوس وہ بھی ٹوٹ گئی۔ خانوادہ قاسمی کے سچے جانشین اور حکیم الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی وارث دارالعلوم دیوبند کی کشتی کے کھیون ہار، ہم سب کے ماٰوی وملجأ اور خاص طور سے میرے اس حقیر دارالعلوم کے سرپرست وخیراندیش دعاؤں اور ڈھیر ساری برکتوں سے نوازنے والی ذات گرامی کی جدائیگی پر ہمارے اساتذہ طلبہ اور تمام خدام کے لئے ناقابل برداشت دکھ، تکلیف، اور کلفت کا پہاڑ ٹوٹ گیا، انسانی عاجزی وبے بسی کے ساتھ ہم سب خدام تعزیت کے لئے مسجد میں جمع ہو گئے۔

آج سے تقریبا بارے سال پہلے ڈاکٹر عبدالرحمان صاحب گورکھپور کے واسطے سے حضرت کی تشریف آوری ہم سب کے درمیان ہوئی تھی، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ڈھیر ساری دعاؤں سے نوازا اور تقریبا ڈیڑھ گھنٹہ وعظ ونصیحت کے انمول موتیوں اور جواہر پاروں سے نوازتے رہے۔ اطراف کے اہل بدعت کا بہت بڑا مجمع بھی شریک ہوا اور حضرت کی صورت وسیرت اور نصائح کو انمول موتیوں کی شکل میں اپنے دامنوں میں سمیٹ کر یہ کہتے ہوئے گئے کہ عالم ربانی کی صورت وسیرت اور ارشادات دارالعلوم دیوبند کے ترجمان کی حیثیت سے ایسی ہونی ہی چاہئے۔

ہم سب خدام نے نم آنکھوں سے ایصال ثواب اور دعاؤں کا اہتمام کیا اور کرتے رہیں گے، رسم ورواج کی حیثیت سے بھی اور اسلئے بھی کہ آپ محترم حضرت کے حقیقی جانشین ہیں یہ حقیر تعزیت پیش کرتا ہے۔

حق تعالی دارالعلوم دیو بند وقف کوتا قیام قیامت ثبات وقیام اور برکتوں سے مالا مال فرماتا رہے اور حضرت کے اس لگائے ہوئے پودے کو پھل پھول سے مالا مال فرماتا رہے اور آپ حضرت کو اور آپ کے اہل خانہ کو صبر جمیل کیساتھ حکمت قاسمیہ کی وراثت سنبھالنے، نبھانے اور پوری دنیا میں تقسیم کرنے کی توفیق ارزانی عطا فرمائے اور حضرت کے درجات عالیہ کو بلند سے بلند فرمائے اور اپنے جوار خاص اور اعلی علیین میں جگہ عنایت فرمائے۔ اور آپ سے بھی دعاؤں کی درخواست ہے۔

فقط والسلام

احقر وسیم احمد قاسمی

مہتمم جامعہ اسلامیہ دارالعلوم خلیل آباد سنت کبیر نگر یوپی

مدرسہ نورالاسلام کی طرف سے تعزیت نامہ

تعزیت نامہ بموقع وفات خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب

رحمة الله رحمة واسعه

صاحبزادۂ خطیب الاسلام حضرت مولانا سفیان صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

بعد سلام مسنون جانبین سے خیریت مطلوب ہے۔

بہت ہی رنج وغم کے ساتھ مدرسہ نورالاسلام گودھراپولن بازار کے جملہ اساتذہ و منتظمین تعزیت پیش کرتے ہیں کہ جانشین حکیم الاسلام خطیب الاسلام علوم نانوتوی کے امین و پاسباں خانوادۂ قاسمی کے چمکتے دمکتے چشم و چراغ فخرِ ہند، سرخیل علماء دیو بند محدثِ کبیر حضرت مولانا محمد سالم صاحب کا انتقال ملکِ ہندوستان ہی نہیں بلکہ پورے عالم کے لئے علمی و دینی خسارہ ہے۔ دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ حضرت کی بال بال مغفرت فرمائے، پسماندگان ومتوسلین ومحبین وشاگردان کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور امت کو نعم البدل عطا فرمائے۔ (آمین)

گلشنِ دین و شریعت پر رہی جس کی بہار
ہائے افسوس اک دنیا ہوئی پھر سوگوار
ناز تھا ملت کو جس کے طرز پر انداز پر
جھوم اٹھتا تھا زمانہ جس کی اک آواز پر
جس کے فیض عام سے معمور تھا دارالعلوم
خوشہ چیں جس بدر کامل سے رہے ہر پل نجوم
اے خدا سالم کو بھیج اب اعلی اعلیین میں
خوب تھی پرواز علم و فن کی اس شاہین میں
صرف کنبہ ہی نہیں عالم ہے صدمہ سے نڈھال
اے خدا نعم البدل دے کر تو صدمے سے نکال

دارالعلوم صفہ جودھپور کے ذمہ داران کا تعزیت نامہ

بخدمت اقدس مخدوم گرامی قدر حضرت مولانا سفیان صاحب دام ظلکم
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

تقدیر الٰہی کے سربستہ راز دنیا کو بتانا جنکا خاندانی پیشہ ہو، ان پر کوئی کیا تقدیر کی حکمتیں افشا کرے گا، سوائے اسکے کہ اس موقع پر ثواب کی نیت سے ایک حکمت آمیز آیت کریمہ کی تلاوت کرلی جائے: ﴿**ماأصاب من مصيبة فى الارض ولافى انفسكم الافى كتاب من قبل أن نبرأها ان ذلك على الله يسير، لكيلا تأسوا على مافاتكم ولا تفرحوا بما آتاكم.**﴾ البتہ طبعی صدمہ فطری چیز ہے، جس پر ہم ''پورے خانوادہ قاسمی'' کو قلبی تعزیت پیش کرتے ہیں، یہ مصیبت سب کے لئے مصیبت عظمی ہے، یہ درد تنہا آپکا درد نہیں ہم سب کا اور پوری ملت اسلامیہ کا درد ہے، اسوہ اسلاف، نمونہ اکابر علوم قاسمی کے وارث حضرت نوراللہ مرقدہ کے سانحہ ارتحال پر ہم سب کے دل زخمی ہیں، مگر ہم ان زخموں پر اسوہ نبوی اور حکم قرآنی کی اتباع میں یوں مرہم رکھ لیں گے: **انا لله وانا اليه راجعون، اللهم اجر نافى مصيبتنا واخلف لنا خيرا منها، اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه.**

حضرت مرحوم نوراللہ مرقدہ کی باقیات صالحات کی فہرست بہت طویل ہے، ذات، خاندان، مدارس، تحریکات، ملک عالم ہر سطح پر انکے کارنامے بے شمار ہیں، واقعی انکی زندگی کا ایک ایک لمحہ قابل رشک گذرا، صبر وثبات اور استقلال وعزیمت کا ایک نیا باب تاریخ میں رقم کر گئے، اس دور پرفتن میں اعتدال استقلال اور عزیمت کا حقیقی مفہوم دنیا کو بتا گئے، صرف قول سے نہیں بلکہ عمل سے بھی سمجھا گئے، زمانہ نے انکے ساتھ بہت کم وفا کی مگر وہ مسلسل عہد وفا کی داستانیں سناتے رہے اسی کو کہتے ہیں۔

اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہل دل
ہم وہ نہیں جن کو زمانہ بنا گیا

حالات وحوادث سے مجبور ہوکر نہ اپنا طرز فکر بدلا، نہ ادا بدلی، نہ انداز بدلا بلکہ خود حالات کو بدل کر نئے رخ پہ ڈال دیا اور زمانے کی مرمت کر کے آنیوالی نسلوں کو ایک پیغام جاوداں دے گئے:

ہم اپنی کیوں طرز فکر چھوڑیں ہم اپنی کیوں وضع خاص بدلیں
کہ انقلابات نوبہ نو تو ہوا کئے ہیں ہوا کریں گے

حضرت مرحوم نور اللہ مرقدہ کے ظل توجہات وعنایات سے پوری مخلوق نے فیض پایا، چناچہ ہمارے صوبہ راجستھان کو بھی یہ شرف حاصل ہے کہ حضرت نے اخیر عمر میں پیرانہ سالی اور ضعف و نقاہت کے باوجود تشریف آوری کے اعزاز سے سرفراز فرمایا، خصوصاً ادارۂ ھذا تا حیات انکے ورود مسعود کے احساس سے منور رہے گا، اور انشاء اللہ حضرت کی روحانی توجہ ہمیشہ ہم سب کے ساتھ رہے گی، ہم پر امید ہیں کہ حضرتؒ کے اخلاف انکے تمام نقوش قدم کو آباد رکھیں گے اور اہالیان راجستھان اور ادارہ ھذا کو کسی موقعہ پر فراموش نہ فرمائیں گے اور اپنی خصوصی دعوات صالحہ میں یاد رکھیں گے۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

اخوکم فی اللہ (مفتی) حبیب اللہ نعمانی ناظم اعلیٰ
دارالعلوم صفہ جوڑ تحصیل پھلودی ضلع جودھپور راجستھان
مورخہ: ۱۴۳۹/۸/۲ھ

جمعیت علماء کرناٹک کے ذمہ داران کی طرف سے تعزیتی مکتوب

محترم حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب دامت برکاتہم
مہتمم دارالعلوم وقف، دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہونگے!

آنمحترم کے والد بزرگوار حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمیؒ کی وفات صرف آپ کیلئے نہیں، ہمارے لئے بھی بڑا خسارہ ہے۔ آپ کے غم میں ہم بھی برابر شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرتؒ کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے۔ آمین۔ بڑی خوبیوں کے مالک تھے، بانی دارالعلوم دیوبند حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم کے وارث، حضرت تھانویؒ کے بحیثیت شاگرد آخری نشانی تھے۔ سب سے معمر اور بہت باوقار شخصیت کے مالک تھے۔ شہر بنگلور سے آپ کا گہرا تعلق تھا، خاص کر جمعیۃ علماء کرناٹک کی طرف سے ۲۰۰۵ میں منعقد فقہی سیمینار میں شرکت یادگار سفر رہا، لمبے عرصہ تک آپکی یاد تازہ رہے گی۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

الحمدللہ حضرتؒ کیلئے یہاں ایصال ثواب کیا گیا، ان شاء اللہ مزید کیا جائیگا۔

فقط

والسلام

عبدالرحیم رشیدی
صدر جمعیۃ علماء کرناٹک

جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم چھٹمل پور کی طرف سے تعزیتی مکتوب

مخدوم المکرّم جناب حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم
مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

السلام علیکم ورحمہ اللہ وبرکاتہ

دارالعلوم وقف دیوبند کے صدر مہتمم وآل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کے نائب صدر، خانوادۂ قاسمی کی یادگار شخصیت، ترجمان دیوبند، استاد محترم خطیب الاسلام حضرت اقدس مولانا محمد سالم صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ کے سانحۂ ارتحال نے اضطراب وقلق میں مبتلا کردیا ہے۔

حضرت کے انتقال سے صرف خانوادۂ قاسمی ہی نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ یتیم ہوگئی ہے، وہ اسلاف کی یادگار اور نمونہ تھے۔ یقیناً اس عظیم شخصیت کا ہمارے درمیان سے چلے جانا کسی عظیم سانحہ سے کم نہیں، حضرت علیہ الرحمہ میرے استاذ ہیں، میں نے حضرت کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیا ہے یہی وجہ ہے کہ میں ایک مرتبہ حضرت کی ملاقات کے لئے گیا لیکن خادم صاحب نے بالکل منع کردیا کہ حضرت سے ملاقات نہیں ہوسکتی، میں نے کہا کہ بھائی آپ صرف حضرت سے یوں کہہ دیجئے کہ چھٹمل پور سے محمد ہاشم ملاقات کے لئے حاضر خدمت ہوا ہے، حضرت کو مجھ سے اتنی محبت تھی کہ فوراً اجازت دے دی، اور اسی طرح اپنے ادارہ جامعہ اردو دینیات کی خدمت کے لئے لیٹر لکھ کر مجھکو باقاعدہ بلایا تھا، فرمایا کہ اس وقت آپ جامعہ دینیات میں کام کرلیں اس کے بعد موقع ملنے پر دارالعلوم دیوبند میں بھی خدمت کا موقع مل سکتا ہے، لیکن اپنی چند مجبوریوں کی وجہ سے میں خدمت سے محروم رہا اس کا زندگی بھر افسوس رہے گا۔

دیوبند میں پڑھتے ہوئے اکثر دیکھا ہے کہ حضرت ہروقت کتب بینی میں مشغول رہتے تھے آپ سراپا علم وتقویٰ وطہارت کے پیکر تھے، آپ کی پوری زندگی تعلیم وتعلم اور خدمتِ دین وملت ہی میں گزری ہے، آپ کا خطیبانہ انداز آپ کے والد محترم حضرت حکیم الاسلام علیہ الرحمہ کی طرح تھا، جچتہ

اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ سے نسلاً بعد نسلٍ علم وفکر کا جو سلسلہ جاری ہے آپ اسکی ایک عظیم اور حسین کڑی تھے۔

افسوس کہ ہم حضرت مولانا کی ذات سے محروم ہو گئے، جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم چھٹمل پور میں ایک تعزیتی پروگرام منعقد ہوا جس میں تمام اساتذہ اور طلباء نے شرکت کی اور حضرت مولانا محمد آصف صاحب قاسمی وندوی ناظم اعلیٰ جامعہ اسلامیہ کاشف العلوم نے ایک شاگرد ہونے کے ناطے بڑے دکھ اور تکلیف کا اظہار کیا اور حضرت علیہ الرحمہ کی خدماتِ جلیلہ پر روشنی ڈالی، حضرت کے لئے ایصالِ ثواب کیا گیا اور دعائے مغفرت کی گئی۔

باری تعالیٰ حضرت علیہ الرحمہ کو جوارِ رحت میں جگہ نصیب فرمائے۔ (آمین)

والسلام

ڈاکٹر تقی الدین الندوی کا تعزیتی مکتوب

عزیز گرامی قدر مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی
ناظم دارالعلوم وقف، دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی کے حادثۂ وفات کی خبر اچانک معلوم ہوئی، ان کی ذات گرامی سے ناچیز کا پچاس سال سے تعلق رہا ہے، اس خبر کو سن کر قلب ودماغ پر بہت اثر ہے، مرحوم کے انتقال سے ایک دور کا خاتمہ ہوگیا، ان کے لئے ناچیز نے شخصی طور پر بھی اور اپنے ادارہ جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ میں بھی ایصال ثواب کرایا، آپ کے والد مرحوم کا جو مقام ہندوستانی مسلمانوں کے قلوب میں رہا ہے اللہ کرے کہ آپ کی ذات سے وہ سلسلہ قائم ودائم رہے، میں اس وقت ابوظبی سے یہ تحریر سپرد قلم کررہا ہوں۔

آپ اور آپ کے خاندان کے تمام لوگوں کے لئے تعزیت پیش کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ مرحوم کی خدمات کو قبول فرمائے، ان کی ذات گرامی تو ایسی ہے کہ ان پر مستقل ایک مقالہ لکھا جائے جو ان شاء اللہ کسی موقع پر تحریر کروں گا۔

والسلام
مخلص
(مولانا ڈاکٹر) تقی الدین ندوی
بانی وسرپرست: جامعہ اسلامیہ مظفر پور
ورئیس مرکز الشیخ أبی الحسن الندوی

دار العلوم فلاح دارین ترکیسور (سورت)
کے ذمہ داران کا تعزیت نامہ

محترم حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مدظلہ اور جمیع افراد خاندان

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بعد سلام مسنون!

گذشتہ کل دوپہر کو یہ افسوس ناک اطلاع موصول ہوئی کہ آپ کے والد بزگوار خطیب الاسلام، جانشین حکیم الاسلام، محبوب العلماء استاذ الاساتذہ محترم حضرت مولانا محمد سالم صاحب ہم سب کو اشک بار چھوڑ کر دار آخرت کی طرف رحلت فرما گئے ہیں، انا لله و إنا اليه راجعون.

یہ اطلاع ملتے ہی یہاں پورا ماحول غمزدہ اور سوگوار ہو گیا۔

اللہ پاک نے آپ کے اجداد کی طرح والد مرحوم سے بھی دینی علوم کی اشاعت وخدمت کا بہت بڑا کام لیا یہ من جانب اللہ آپ کی مقبولیت کی علامت ہے، متوکلا علی اللہ دار العلوم وقف کی بنیاد رکھی جس سے تشنگان علوم نبوت کی بہت بڑی تعداد سیراب ہو رہی ہے جو یقیناً آپ سب کے ساتھ ساتھ مرحوم کے لئے صدقۂ جاریہ ہے۔

یہاں سب ہی سوگوار ہیں، کون کس کو تسلی دے؟ ہم سب ہی تسلی کے محتاج نظر آرہے ہیں، اللہ پاک مرحوم کی خدمات کو قبول فرما کر کروٹ کروٹ جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، اور آپ سب کو صبر جمیل سے نوازے، آمین۔

اپنے تمام ہی بھائی بہنوں اور اہل خاندان کو ہماری طرف سے تعزیت پیش فرمائیں، یہاں فجر میں قرآن خوانی کے بعد مرحوم کے لئے ایصال ثواب، دعائے مغفرت اور پسماندگان کے لئے صبر جمیل کی دعا کرائی گئی ہے نیز اساتذۂ کرام سے بھی اس کی گذارش کی گئی ہے۔

ہم سب آپ کے غم میں شریک ہیں، اللہ پاک ادارہ کو اور امت مسلمہ کو حضرت کا نعم البدل عطا کرے، آمین۔ دعاؤں میں یاد فرمائیں۔

احقر نے فون پر رابطہ کیا لیکن گھنٹی بجتی رہی۔ ہماری طرف سے بھی تعزیت قبول فرمائیں۔ ہم بھی آپکے غم میں برابر کے شریک ہیں۔

والسلام

آپ کے غم میں شریک

احقر: رشید احمد خانپوری

(محمد ارشد لولات)
نائب مہتمم دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر

دارالعلوم الاسلامیہ بستی کے ذمہ داران کا تعزیتی مکتوب

محترمی ومکرمی حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب دامت برکاتہم
مہتمم دارالعلوم (وقف) دیوبند السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امید کہ آپ کے مزاج گرامی بخیر وعافیت ہوں گے۔

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی (رحمۃ اللہ علیہ) کے انتقال پُر ملال کی خبر سے ہم سب کو شدید دلی صدمہ پہنچا، حضرت کی علالت کی خبر ہی سے ہم سب پریشان تھے، پھر بھی صحت کی آس لگائے ہوئے تھے، مگر مشیت الٰہی یہی تھی، **فإن للہ ما اعطیٰ ولہ ما أخذ وکل شئ عندہ بأجل مسمیٰ. انا للہ و إنا الیہ راجعون.**

حضرت کی وفات علمی، اصلاحی، دعوتی دنیا کا عظیم سانحہ ہے، تاریخ کا ایک زرّیں باب بند ہوگیا، حضرت والا بلاشبہ حضرت نانوتویؒ کے علوم ومعارف کے امین اور حضرت حکیم الاسلامؒ کے علوم ظاہری وباطنی کے صحیح جانشین تھے، ہم سب نے مسلک دیوبند کے ایک عظیم ترجمان کو کھودیا، تواضع وانکساری، کریمانہ اخلاق، وسعتِ ظرفی میں اپنے اسلاف کا بہترین نمونہ تھے، بلاشبہ ایسے لوگ صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں۔

حضرت کی وفات عالم اسلام اور تمام مدارس اسلامیہ کے لئے ایک بڑا سانحہ ہے، علماء دیوبند کی صفوں میں حضرت مرحوم اپنی ایک الگ شان رکھتے تھے، دارالعلوم الاسلامیہ بستی اور اس کے اساتذہ وکارکنان سے حضرت مولانا مرحوم کو دلی تعلق تھا۔ دارالعلوم الاسلامیہ بستی کو اپنی تشریف آوری سے بھی نواز چکے تھے۔

حضرت مولانا مرحوم کی وفات کا صدمہ پوری ملت کو ہے، دارالعلوم الاسلامیہ بستی میں قرآن کریم کا ختم کرا کے ان کے حق میں ایصالِ ثواب کرا دیا گیا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے، اور اپنی جوارِ خاص میں جگہ عنایت فرمائے، آپ صاحبزادگان اور دیگر پسماندگان ومتعلقین نیز ہم سب کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

سارے اساتذہ اور طلبہ اس غم میں برابر کے شریک ہیں۔

شریک غم
ظہیر انوار قاسمی
مہتمم دارالعلوم الاسلامیہ بستی

۱۷/اپریل ۲۰۱۸ء

مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، اعظم گڑھ کے ذمہ داران کی طرف سے موصول شدہ تعزیتی مکتوب

مکرمی ومحترمی! زید مجدکم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

خدا کرے مزاج عالی بخیر ہو۔

کل صبح سویرے جب حضرت مولانا محمد سالم قاسمی کے سانحۂ ارتحال کی خبر، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر پہنچی تو یہاں کی فضا سوگوار ہوگئی۔ ہر شخص مولانا کی یاد اور تذکرے میں مصروف ہو گیا۔ تقریباً گیارہ بجے مولانا کی یاد میں تعزیتی نشست منعقد ہوئی، جس میں مولانا کے حوالہ سے خانوادۂ نانوتوی کی علمی ودینی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے مولانا کو خاندانی روایات کا حقیقی حامل ونمائندہ قرار دیا گیا۔ اور مولانا کی علمی، دعوتی اور قومی وملی سرگرمیوں کو سراہتے ہوئے ان کو خراج تحسین پیش کیا گیا۔ اس مشکل دور میں جب ملت اسلامیہ ہند سخت آزمائش سے دوچار ہے مولانا کی وفات کو بہت بڑا خسارہ قرار دیتے ہوئے مغفرت اور بلندی درجات کی دعا کی گئی۔ اور درج ذیل تعزیتی قرارداد منظور کی گئی۔

''ہم اہل مدرسۃ الاصلاح سرائے میر'' معروف عالم دین، داعی وخطیب، قومی وملی رہنما، نائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ حضرت مولانا محمد سالم قاسمی کی وفات حسرت آیات پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کرتے ہیں۔ مولانا مرحوم خاندان نانوتوی کے چشم و چراغ، از ہر ہند دارالعلوم دیوبند کے علمی وفکری میراث کے سچے امین اور ترجمان تھے۔ درس وتدریس، دعوت وارشاد، تصنیف وتالیف اور قومی وملی خدمت سے ان کی زندگی عبارت تھی۔ متعدد قومی وملی اور تعلیمی وعلمی اداروں اور انجمنوں کے رکن رکین، صدر نشین اور سرپرست رہے۔ ان کا علمی وفکری فیض ملک و بیرون ملک ہر جگہ عام ہوا۔ مہر ومروت، شرافت وسنجیدگی، کریم النفسی، وضع داری اور رواداری میں نمونۂ سلف تھے۔ اس دور قحط الرجال میں ان کا وجود بسا غنیمت تھا۔ اس لئے ان کی رحلت قوم وملت کا بڑا خسارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ

مولانا مرحوم کی مغفرت فرمائے......ان کی خدمات جلیلہ کو شرف قبولیت سے نواز کر شہداء صدیقین کے زمرہ میں شامل کرے۔ نیز اہل خاندان اور قوم وملت کو ان کا نعم البدل عطا کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔'' آمین

محترمی! خاندان قاسمی کے اس غم میں ہم اہل مدرسۃ الاصلاح برابر کے شریک ہیں۔ اور بارگاہ رب العزت میں صبر جمیل کی دعا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کا حامی وناصر ہو اور مولانا کے درجات بلند کرے اور اپنی رضا سے نوازے۔

والسلام

شریک غم سیف الاسلام اصلاحی، قاسمی

صدر مدرس مدرسۃ الاصلاح سرائے میر

مدرسہ عالیہ عربیہ پتراٹولی کانکے رانچی، جھارکھنڈ کے ذمہ داران کا تعزیت نامہ

الحمد لو لیه و الصلوٰۃ علی نبیه، اما بعد!

محترمی ومکرمی قابل قدر جناب حضرت مولانا محمد سفیان صاحب قاسمی مدظلہ العالی
مہتمم دارالعلوم (وقف) دیوبند و جانشین خطیب الاسلام ورئیس المتکلمین حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی نوراللہ مرقدہ وسقی اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ

اللہ تبارک وتعالیٰ آپکو اور آپکے جملہ خاندان و متعلقین ومتوسلین اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائیں اور نعم البدل عطا فرمائیں۔

ایک ماہ قبل کل ہند رابطۂ مدارس کے موقع پر ہمارے مدرسہ عالیہ عربیہ کے اساتذہ نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت وعیادت کی تھی اس وقت سے مسلسل حضرت کی علالتِ طبع کی خبر موصول ہوتی رہی اور ہم سب شفایابی کی دعائیں کرتے رہے، لیکن ایک دن اچانک یہ اطلاع ملی کہ حضرت اس دار فانی سے دارالبقا کی طرف کوچ کر گئے تو اہل مدرسہ اور حضرت کے متعلقین ومتوسلین کو بڑا صدمہ ورنج ہوا، اور فوراً تمام طلبہ کو جمع کر کے حضرتؒ کی حیات اور تقریباً چالیس سالوں سے مدرسہ عالیہ کی سرپرستی کے بارے میں طلبہ اور حاضرین کو گوش گزار کیا گیا اور پھر حضرت کے حق میں ایصال ثواب ہوا۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ عالیہ کے سرپرست اعلیٰ تھے، کثرت اسفار اور بے پناہ مشغولیات کے باوجود ہر جلسہ دستار بندی میں شریک ہوتے تھے، مدرسہ واہل مدرسہ سے حد درجہ محبت کرتے حتی کہ رانچی سے ہر آنے والے مہمان سے مدرسہ کے احوال وکوائف دریافت کرتے تھے۔ خیر ہم سب کو بھی ایک دن دار فانی سے رخصت ہونا ہے اللہ حضرت کے درجات کو بلند فرمائے، آمین۔ فقط والسلام

یکم شعبان ۱۴۳۹ھ

اختر غفرلہ مظاہری
خادم مدرسہ عالیہ عربیہ، کانکے، رانچی

مولانا فاروق صاحب (یو، کے،) کا تعزیتی مکتوب
''موت العالم موت العالم''

حضرت مولانا سفیان صاحب قاسمی دامت برکاتہم العالیہ وجمیع اہل خانہ

بعد سلام مسنون

دیر سے بیٹھا ہوں ہاتھوں میں لئے اپنے قلم
کیا لکھوں کیسے لکھوں دل پر ہے طاری شام غم

بندہ نماز فجر کے لئے اٹھا تو اس اطلاع نے کہ آپ کے والد محترم حضرت مولانا سالم صاحب قاسمی اللہ کو پیارے ہو گئے، انتہائی حزن وملال کے ساتھ بے پایاں حیرت وافسوس میں ڈال دیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

حضرت مولانا مرحوم کی وفات دارالعلوم وقف دیوبند کے لئے ایک بہت بڑا خلا ہے اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں ایسے گوناگوں اوصاف جمع کر دیے تھے جو کسی ایک فرد میں کم ہی جمع ہوتے ہیں جس سے ان کی شخصیت میں جامعیت کی شان پیدا ہوگئی تھی جیسا کہ اگر آپ رسوخ فی العلم، قوت استنباط، سلاست بیان، فکر و تدبر، اصابت رائے، صبر وقناعت زھد واستغفاء، تقوی و پاک دامنی، خوش گفتار، ذھانت، ظرافت، کامل تواضع اعلی تدریس اور سادگی کا مجسم نمونہ دیکھنا چاہیں تو وہ مرحوم حضرت مولانا کی شخصیت تھی

تیرے بغیر رونقِ دیوار و در کہاں
شام و سحر کا نام ہے شام و سحر کہاں

موت تو ہر ایک کو آنی ہے اور آتی ہے مگر اللہ تعالی کے کچھ بندے ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی موت اکیلے کی نہیں بلکہ ایک آبادی اور ہری بھری دنیا کو ویران کر دیتی ہے، حضرت مولانا کی وفات حسرت آیات بھی ایسی ہی ایک رحلت ہے جس کی کسک ہر خاص وعام کو مدتوں رہے گی۔

کیا لوگ تھے کہ راہِ وفا سے گزر گئے
جی چاہتا ہے نقش قدم چومتے چلیں‘‘

اللہ تعالیٰ آپ کو اور جمیع اہل خانہ و متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے ہم سب آپ کے ساتھ غم میں شریک ہیں۔

فقط والسلام
بندہ محمد فاروق بن قاری اسماعیل سمنوی
خادم مدرسہ تعلیم القرآن بولٹن یو کے

ابو عاصم اعظمی کا تعزیتی مکتوب

برادرم سفیان صاحب! سلام ورحمت

آپ کے والدِ محترم حضرت مولانا محمد سالم صاحب قاسمی نور اللہ مرقدہ کے انتقال پُر ملال کی خبر سن کر انتہائی درجہ صدمہ ہوا۔ میں ہی کیا پورے عالم میں عقیدت مندانِ قاسمیہ ایک صدمہ جانکاہ سے گزرے۔ ان کی علمی صلاحیت اور عظیم المرتبتی کا ہر ایک قائل تھا اور ہر دور میں قوم مستفیض بھی ہوئی۔

ذاتی طور پر میری جب بھی ان سے ملاقات ہوئی ان کی شخصیت نے مجھے حد درجہ متاثر ومرعوب کیا۔ اب جبکہ وہ ہمارے درمیان نہیں رہے، لیکن ان کی خدمات اور قدم بہ قدم چھوڑے ہوئے انمٹ نقوش یونہی ہماری رہنمائی کرتے رہیں گے۔ باری تعالیٰ سے دعا ہے کہ بلندی درجات کے ساتھ انہیں غریقِ رحمت فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے نیز حضرت کے مشن کو آگے بڑھانے کی آپ لوگوں کو توفیق عطا فرمائے۔

(آمین یارب العالمین)

والسلام

شریک غم

ابو عاصم اعظمی (ایم ایل اے)

صدر سماج وادی پارٹی ممبئی ومہاراشٹر

OFFICE OF GURUDEV SRI RAVI SHANKAR

MESSAGE

Hazrat Maulana Muhammad Salim was a great scholar and a fine gumanitarian.

Gurudev and the Art of Living stand with his family and prays for their peace and inner strength.

Gurudev Sri sri Ravi shankar

عزت مآب جناب ملائم سنگھ یادو صاحب (سابق وزیر اعلیٰ، یوپی) کا تعزیتی مکتوب

मुलायम सिंह यादव
संसद सदस्य (लोकसभा)
नेता समाजवादी संसदीय पार्टी

पत्रांकः621

प्रिय मोहम्मद सुफियान कासमी जी,

आपके वालिद मौलाना हजरत मोहम्मद सालिम कासमी साहब के निधन से गहरा दुख हुआ। इस असहनीय दुख में हम आपके साथ हैं।

मौलाना हजरत मोहम्मद सालिम क़ासमी साहब मोहतमिम दारूल–उलूम देवबन्द एवं मुस्लिम पर्सनल लॉ बोर्ड के उपाध्यक्ष उनका इस्लामिक शिक्षा जगत में अहम योगदान है जिसको कभी भुलाया नहीं जा सकता। विश्व प्रसिद्व धर्मगुरूओं में इनका नाम आदर सहित लिया जाता है। मौलाना हज़रत मोहम्मद सालिम क़ासमी साहब से हमारा व्यक्तिगत सम्बन्ध था। मौलाना साहब के निधन से हमें व्यक्तिगत क्षति हुई है।

दिवंगत आत्मा की शान्ति, आपको और शोक–संतप्त परिवार को इस दुख को सहन करने की शक्ति प्रदान करने की कामना करता हूं।

आपका
मुलायम सिंह यादव

श्री मोहम्मद सुफियान कासमी
मोहतमिम
वक्फ दारूल उलूम देवबन्द
जिला सहारनपुर उत्तर प्रदेश।

نالۂ فراق

﴿حضرت الاستاد مولانا محمد سالم قاسمی کی رحلت پر﴾

الفراق اے ملتِ بیضا کے فرزند جلیل
عالم دیں، رہ برِ قوم و وطن مردِ نبیل
پیکر رشد وہدیٰ اے داعیِ دین نبیؐ
آب رو ملت کی تیرے دیدۂ پُر نم سے تھی
اس جہانِ علم و فن میں بجھ گئے لاکھوں دیے
تیری رحلت بھی خسارہ ہے زمانے کے لیے
حضرت طیب کے فکر و فن کی تو زندہ مثال
اے خطیب عصر نو اے صاحب فضل و کمال
اے ولی اللہ کے فکر و عمل کے ترجماں
اے امام علم و دانش، نازشِ ہندوستان
قاسمِ علمِ نبوت کے چمن سے فیض یاب
گیسوئے حکمت میں جس نے عمر بھر شانہ کیا
ہے کوئی ہندوستاں میں تجھ سا دیوانہ کیا؟
مرجع اہل نظر بنتا گیا تیرا چمن
رشکِ شیراز کہن ہے آج تیری انجمن
ساز دل پر نغمۂ صبر و رضا گاتا رہا
آیت لاتقنطوا سے دل کو بہلاتا رہا
اے کہ فقرِ بوذریؓ ہر دم رہا تیرا شعار

حلمِ عثمانِ غنیؓ تھا ہر ادا سے آشکار
ظلم کیا شے ہے ذرا مل کر کسی ظالم سے پوچھ
ڈر کی بات لیکن ہم نوا: سالم سے پوچھ
چودہ، انتالیس میں اے وارثِ نوحہ کناں
سالمِ شیریں بیاں بھی جا چکے سوے جناں

سوگوار: وارث ریاضی
کاشانۂ ادب لیکٹا دیوراج
پوسٹ۔ بسوریا، مغربی چمپارن

منظوم تعزیت نامہ

از: ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی

ہوگئے رخصت جہاں سے آج سالم قاسمی
مظہرِ حسنِ عمل تھی جن کی عملی زندگی
ضوفگن تھی ان کے دم سے محفلِ دارالعلوم
تھے چراغِ قاری طیب کی وہاں وہ روشنی
اہل ِ ایماں کر رہے تھے جن سے حاصل کسب فیض
کر رہے ہیں ان کی وہ محسوس شدت سے کمی
مٹ نہیں سکتے کبھی ان کے نقوشِ جاوداں
کم نہ ہوگا تاقیامت ان کا فیض معنوی
اپنے شاگردوں کے تھے وہ درمیاں ہر دلعزیز
اب وہ دیں گے کس کے در پر جا کے اپنی حاضری
ان کی صحبت میں جنہیں ملتا تھا روحانی سکوں
ہو گئی ہے آج غائب ان کے ہونٹوں سے ہنسی
آج مسلم پرسنل لا بورڈ بھی ہے غمزدہ
ان کے ارشادات کی جو کر رہا تھا پیروی
ان کے غم ہیں سبھی علماء و فضلاء سوگوار
ہر طرف سوزِ دروں سے چھائی ہے افسردگی
تھے وہ اپنے عہد کے قومی و ملی رہنما
در حقیقت شخصیت تھی ان کی برقی عبقری

نالۂ غم

بروفات حسرت آیات خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب نوراللہ مرقدہ

یہ منظوم تعزیت نامہ اس تعزیتی اجلاس میں بھی دارالعلوم وقف دیوبند کے ایک طالب علم نے پڑھنے کی سعادت حاصل کی جو دارالعلوم وقف دیوبند کے احاطہ میں واقع 'اطیب المساجد' میں حضرت کی وفات کے اگلے روز منعقد ہوا۔ جس میں ملک بھر سے آئے ہوئے مشاہیر علمائے امت، اساتذہ دارالعلوم (وقف) دیوبند اور تمام طلباء نے شرکت کی، اور مختلف جگہوں سے آئے ہوئے متوسلین ومحبین خطیب الاسلام نے اپنے تأثرات کا اظہار کیا۔

حضرتِ سالمؒ رہے ہیں عالموں کے تاجدار
وہ فدائے مصطفیٰ تھے، عاشقِ پروردگار
پیکرِ علم و عمل تھے، ماہرِ جملہ علوم
تھے نگہبانِ شریعت، دینِ حق کے پاسدار
قومِ مسلم کی لئے پھرتے تھے وہ فکر و کڑھن
خادم ملت رہے، اسلام کے تھے جاں نثار
عالموں کے درمیاں وہ معتبر مانے گئے
اور علمی سلطنت کے وہ رہے ہیں شہر یار
جس جگہ اسٹیج پر پہنچے، رہے ہیں کامیاب
وہ خطیبانِ زمانہ میں رہے ہیں نامدار
ان کی برکت سے تھی روشن علم وفن کی انجمن
وہ رہے دارالعلوم ِ وقف کی علمی بہار
ناز فرماتا تھا ان پر گلشنِ دارالعلوم

تھے چمن زارِ رسالت کے شگفتہ گلعذار
وہ تھے نبّاضِ زمانہ، عارفوں کے تھے امیر
عالمِ روحانیت کے تھے رئیسِ باوقار
مسندِ تدریس پر سلجھاتے علمی گتھیاں
برسرِ اسٹیج ہوتے تھے خطیب شاندار
موہ لیتے تھے دلوں کو پُر اثر تقریر سے
ان کی ہر تقریر ہوتی تھی بڑی ہی جاندار
ان کی ہستی مغتنم تھی، قابلِ صد حرزِ جاں
دیکھ کر حضرت کو حاصل ہوتا تھا صبر و قرار
پیش فرماتے تھے برجستہ وہ اقوالِ سلف
اور فرماتے تھے اسرار و معارف آشکار
عقل و دانش کے جہاں کے تھے امینِ معتبر
مینھ برساتی حِکَم کے تھی زبانِ درِ فشار
اک جھلک پانے کی خاطر ہوتے تھے بے چین لوگ
گھیر لیتے تھے، انہیں سب لوگ ہی پروانہ وار
ناز فرماتی رہے گی نسلِ نو تا زندگی
وہ رہے انمول موتی باعثِ صد افتخار
خاندانِ قاسمی کے وہ رہے چشم و چراغ
ملتِ اسلامیہ کے آفتابِ زرنگار
احمد نانوتوی کے تھے حفیدِ محترم
مادرِ علمی کے وہ تھے ایک ابنِ ہونہار
طیبِ مرحوم کے اصلی رہے ہیں جانشیں
عالمانِ عہد نو میں وہ تھے اہل اقتدار
تھے حکیمِ امتِ مرحوم کے شاگردِ خاص

آخری شاگرد ان کے یہ رہے ہیں نامدار
حضرتِ اسلم کی فرقت کا رہا ہے تازہ غم
حضرتِ سالم کی فرقت لائی ہے غم بے شمار
وائے ناکامی کہ وہ داغ جدائی دے گئے
اور رخصت ہو گئے وہ جانبِ پروردگار
خانداں والوں پہ رنج و غم کی بجلی گر پڑی
ہر کوئی چھوٹا بڑا غم سے ہوا سینہ فگار
حضرتِ سفیان کے سر پر ہے کوہِ غم گرا
والدِ مرحوم کی فرقت پہ ہیں وہ اشکبار
عاصم و اعظم کی خوشیوں کا گلستاں لٹ گیا
گونجی ہے عدنان و سلماں کی صدائے اضطرار
پتلۂ رنج والم ہیں یہ شکیب ڈاکٹر
یہ صہیب احمد خضر اب رو رہے ہیں بار بار
بحرِ غم میں آج ڈوبے ہیں یہ فاروق و ہشام
حضرتِ شاہد کو حاصل غم ہوا ہے پائیدار
اہل خانہ اور اہلِ خانداں غمگیں ہوئے
عالمِ اسلام سارا ہو گیا ہے اشکبار
سب دعائیں دے رہے ہیں حضرتِ مرحوم کو
مغفرت فرمائے ان کی حشر میں پروردگار
ہے ولی کی یہ دعائے دل اے رب مہر باں
حضرتِ سالم کو دینا قصرِ جنت شاندار

منجانب: طلبۂ دارالعلوم وقف دیوبند

نالۂ فراق

بہ سانحۂ ارتحال خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

دے گئے داغِ جدائی سالمِ اہلِ ہنر
وہ زمانے میں رہے عرفان کی نوری سحر
گردشِ دوراں مٹا سکتی نہیں ہے ان کا نام
کارنامے ہو گئے ہیں ان کے نقشِ کا الحجر
گلشنِ دارالعلومِ وقف کی روحِ بہار
جن کی محنت سے سجا تھا علم و فن کا لالہ زار
لذتِ گفتار کیا حاصل رہی مرحوم کو
استفادہ کر رہے تھے اہل دنیا بار بار
ان کے ہونٹوں پر رہا ہر آن وردِ لا الٰہ
اور وہ سیرت نگاروں کے رہے ہیں بادشاہ
عزت و اکرام سے اسٹیج پر آتے تھے وہ
ہوتے تھے علمی مجالس کے وہی تو سربراہ
ان کا نقشِ جاودانی ہو گیا دارالعلوم
وقف کی ہے سر زمیں جو گہہِ ماہ و نجوم
ساری دنیا میں لئے پھرتے تھے وہ پیغامِ حق
بادۂ علمِ نبوت بانٹتے تھے گھوم گھوم
خونِ دل دے کر جسے سینچا وہی گلشن ہے یہ
علم و فن کی موتیوں سے اک بھرا خرمن ہے یہ
اس ادارے سے چلی علمی ہوائے مشک بار
ٹوٹ کر دنیا پہ جو برسا وہی ساون ہے یہ
علم کی خلدِ بریں ہے گلشنِ دارالعلوم

قلعۂ شرعِ متیں ہے گلشنِ دارالعلوم
حضرتِ سالم کی محنت کا ثمر ہے یہ چمن
ضو فشاں شمعِ یقیں ہے گلشنِ دارالعلوم
سینۂ بیدار میں ان کے دلِ بیدار تھا
جو کہ اسرارِ دروں کا موجۂ ذخار تھا
عالمِ اسلام کے وہ تھے مسلم شخصیت
ان کی محنت سے مزیّن دیں کا یہ گلزار تھا
تھے ملنسار و خلیق و مہرباں، مہماں نواز
عشقِ ربّانی کا دل میں رکھتے تھے وہ سوز ساز
کامیابی چومتی تھی ان کے خود بڑھ کے قدم
تادمِ آخر محافظ تھا خدائے بے نیاز
تھے مخالف آندھیوں کے سامنے سینۂ سپر
خدمتِ اسلام وہ کرتے رہے شام و سحر
تھی فضیلت عالموں کے درمیاں حاصل انہیں
معرفت کا نور تھا ان کی جبیں پر جلوہ گر
جلوۂ علم و عمل سے بزم چمکاتے رہے
خوشبوئے خلقِ حسن سے باغ مہکاتے رہے
نغمۂ توحید وہ گاتے رہے ہیں جھوم جھوم
عظمتِ اسلاف کی تاریخ دہراتے رہے
ہے ولی کی یہ دعا، ہوں سرخرو روزِ شمار
گلشنِ فردوس میں پائیں جگہ وہ باوقار
حضرتِ سالم کی یا رب! نیکیاں مقبول ہوں
قبر پر سایہ فگن ہو رحمتِ پروردگار

پیش کش: مولوی محمد اسعد قاسمی پرتاپ گڑھی، مولوی توصیف عالم غازیپوری

نالۂ فرقت

بموقع رحلت خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب رحمۃ اللہ علیہ

از: مولانا ولی صاحب

جانب گلزارِ جنت حضرتِ سالم گئے
سوئے سبزہ زارِ رحمت حضرتِ سالم گئے
ہو گیا جس وقت پورا جن کا دورانِ حیات
آ گیا اللہ کی جانب سے پیغامِ وفات
کہہ پڑے لبیک آیا جس گھڑی حکم قضا
چھوڑ کر اہلِ جہاں کو چل بسے سوئے خدا
ہو گئی خارج بدن سے جب کہ روحِ مطمئن
آ گئی پسماندگوں کے واسطے منزل کٹھن
بندۂ مؤمن تھے سچے خوبیوں سے متّصف
ان کی شخصیت کے تھے اپنے پرائے معترف
خادمِ دین مبیں تھے باغبانِ گلستاں
تھے علم بردارِ سنت اور حق کے ترجماں
وہ سخی تھے، وہ غنی تھے اور تھے مہماں نواز
پیش کرتے تھے خدا کے سامنے عجز و نیاز
خوب تھا ذوقِ عبادت، تھی حفاظت میں زباں
وسعتِ قلبی میں ان کے تھا سمایا اک جہاں
وہ تواضع، خاکساری، سادگی میں بھی تھے طاق
اک اکابر کا نمونہ وہ رہے بالاتفاق
چھوٹوں پہ شفقت، بڑوں کا کر رہے تھے احترام

کرتے تھے سنن و نوافل کا بڑا ہی اہتمام
راس ان کو آگئی تھی خدمتِ خلقِ خدا
عالمِ اسلام کے مانے گئے تھے مقتدا
تھے صلہ رحمی کے قائل اور ہنس مکھ، خوش مزاج
غیرت و اُنس و مودّت کا عجب تھا امتزاج
وہ امانت میں تھے کامل، تھے دیانت میں عجیب
پیکرِ علم و عمل زہد و قناعت میں عجیب
امّر بالمعروف کرتے، نہی منکر بھی تھا کام
عالمِ اسلام میں ان کا رہا ہے فیض عام
تھے وسیع الظّرف، عالی حوصلہ، دانا، فہیم
حاملِ خلقِ حسن تھے، صاحب قلب سلیم
مختصر کہ، خوبیاں ان میں رہی ہیں بے شمار
چھوڑ کر دنیا گئے وہ جانب پروردگار
زندگی کا دور ان کا آخری جب آ گیا
تو نحافت کا اثر سارے بدن پر چھا گیا
گھیر رکھا تھا کئی امراض نے ان کو مدام
اور آخر ہو گیا اِک روز ہی قصہ تمام
وقت تھا موعود ان کا آیا پیغام اجل
ٹل نہ سکتا تھا کسی سے موت کا حکم اٹل
مدتوں جاری رہا ہے بہتریں ان کا علاج
ان کی بیماری مگر ثابت ہوئی تھی لا علاج
فکر میں ڈوبا ہوا تھا ان کا سارا خانداں
لگ رہا تھا کہ خزاں پا جائے گا اب گلستاں
چودہ انتالیس ہجری، دن وہ شنبہ کا رہا

وہ رجب چھبیس تھی جس روز کوہِ غم گرا
دو ہزار اٹھارہ عیسوی سن رہا وہ الحذر
چودہ تھی اپریل کی وقت تھا وہ دوپہر
یہ خبر گونجی کہ سالم آج رخصت ہوگئے
عالمانِ عہد کے سرتاج رخصت ہوگئے
اس خبر سے ہر طرف گونجی صدائے اضطرار
دل پھٹے، اور ہو گئیں آنکھیں ہزاروں اشکبار
مظہر رنج والم سارے ہوئے پسماندگاں
اور بحرِ غم میں ڈوبے سارے ہی پیر و جواں
گلستاں سونا ہوا ہے حضرتِ سفیان کا
ہو گیا ہے آہ کہ غمِ بیکراں عدنان کا
یہ اسیرِ رنج و کلفت عاصم و اعظم رہے
جو کہ سالم کے لئے کرتے دعا پیہم رہے
ہیں شکیب محترم کی آج آنکھیں اشکبار
حضرتِ سالم کو کرتے یاد ہیں جو بار بار
اب صہیب احمد خضر کی ہو گئی ہے سونی شام
غم زدہ آتے نظر ہیں آج فاروق و ہشام
شاہد و اسعد وہاں پر تادم آخر رہے
خوب اسماعیل ہر لمحہ وہاں حاضر رہے
یاسر و زکریّا کا دل شدّتِ غم سے پھٹا
یہ اویس احمد اسامہ کا گلستاں ہے لٹا
جب بجے تھے ڈھائی دن کے نکلی روحِ مستعار
اس خبر وحشت اثر سے ہو گئے سب اشکبار
دوڑے بھاگے لوگ پہنچے تھے مکانِ خاص پر

غمِ کی چھریاں چل گئیں سب کے رگِ احساس پر
زائرینِ غمزدہ کی تھی لگی لمبی قطار
چار جانب تھا بپا ہنگامہ چیخ و پکار
بج رہے تھے جب گھڑی میں سنئے، دن کے ساڑھے چار
غسل تب دینے لگے تھے چند اہلِ اعتبار
لائے پھر نعشِ مبارک تھے زیارت کے لئے
اور سارے لوگ آئے تھے زیارت کے لئے
مولسری میں لائے پھر تاکہ رہے دیدارِ عام
لگ رہا تھا ہے کسی سلطان کا دربار عام
دس بجے شب میں ہوئی ان کے جنازے کی نماز
حضرتِ مرحوم کو حاصل رہا ہے امتیاز
حضرت سفیان تھے ان کے جنازے کے امام
غمگساروں کا رہا ہے ان کے پیچھے ازدحام
لے چلے مرحوم کو سوئے مزارِ قاسمی
آخری مسکن بنا کوئے مزارِ قاسمی
جب بجے تھے گیارہ شب کے ہو گئی آخر دعا
حاضریں کے ہونٹوں پر پھر ہو گئی ظاہر دعا
سب دعائیں کر رہے تھے خوب ہو کر اشکبار
کلفت وغم کی لکیریں تھیں رگوں پر آشکار
تھی دعا،آرام سے محظوظ یہ سالم رہیں
اور عذابِ قبر سے محفوظ یہ سالم رہیں
نامۂ اعمال میں ان کے رہیں سب نیکیاں
ان کی تربت میں رہیں فردوس کی رعنائیاں
پائیں وہ روزِ قیامت سایۂ عرشِ عظیم

اور فرمائے ضیافت مالکِ عرشِ عظیم
قبر میں راحت ملے، ہو خلد میں اعلیٰ مقام
حشر کے میدان میں ان کو ملے کوثر کا جام
کر خطا سے درگذر یا رب! انہیں کر دے معاف
یا الٰہی ! کر گناہوں سے انہیں تو پاک و صاف
اعلیٰ عِلیّین میں کر دے جگہ ان کو نصیب
اور تو روزِ قیامت دے انہیں قربِ حبیب
صبر کی توفیق دے پسماندگوں کو اے خدا
سایہ افگن قبر پر تیری رہے رحمت سدا
ہے ولی کی یہ دعا فردوس کی آئے بہار
پیشِ رب ہوں سرخ رو، ہوں ساکن دارِ قرار

حضرت اقدس مولانا محمد سالم صاحب قاسمی نانوتوی رحمہ اللہ

از: مولانا ریاض احمد انصاری رشادی

نانوتوی علوم کے عالم چلے گئے
دارالعلوم چھوڑ کے سالم چلے گئے

دارالعلوم! اب تری خدمت کرے گا کون
ہر شخص کہہ رہا ہے کہ خادم چلے گئے

اخلاص تھا، اخلاق تھے، احسان جس سے تھا
ہر جذبہ جس سے تھا قائم چلے گئے

بعدِ وصال، چہرۂ انوار کا منظر
ایسے لگے کہ آپ ہیں نائم، چلے گئے

اشرف علی سے، قاریِ طیب سے جا ملے
نانوتوی علوم کے قاسم چلے گئے

انصاری، بات اتنی تسلی کی سن لے اب
دنیائے دوں سے جنت دائم چلے گئے

قطعۂ تاریخ وفات

حضرت مولانا محمد سالم قاسمیؒ

از: ڈاکٹر رئیس احمد نعمانی

شیخ کبیر محمد سالم — صاحبِ علم وفکر و حکمت
مومنِ کامل، مسلم عاقل — آئنہ دارِ دین و شریعت
محکم مذہب، صالح مشرب — حامیِ سنت، ماحیِ بدعت
پاک شمائل دشمنِ باطل — راہ نمای راہ حقیقت
ماہرِ فقہ و حدیث و قرآن — راہی جادۂ سنت و سیرت
پیرو اسوہ، سرورِ عالمؐ — نور چراغِ دیدۂ امت
درس دہِ احادیث نبوی — شارحِ تعلیماتِ رسالت
دوش، بہ أمرِ خالقِ اکبر — کرد بسوی جنت رحلت
برنمود سال وفا ئش — کرد رئیسِ زار چو رمّت
باسروپای شاد برآمد — حاصلِ فکرش: ''رفت بہ جنت''

۴+۳۰۰=۳۰۴

۱۱۳۵
۳۰۴
۱۴۳۹ھ
(۲۰۱۸ء)

تواریخ وفات حضرت مولانا محمد سالم قاسمی رحمۃ اللہ علیہ

مہتمم دارالعلوم دیوبند ہندوستان

از۔ ڈاکٹر خلیل احمد تھانوی

ادارہ اشرف التحقیق جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ لاہور

(۱) مولانا محمد سالم قاسمی ولد جناب مولینا محمد طبیب وفات پا گئے

۵۶۲ + ۳۴۶ + ۵۳۰ = ۱۴۳۸ھ

(۲) صاحب بیان مولانا محمد سالم قاسمی فردوس بریں رفت

۱۶۴ + ۵۶۲ + ۱۲۹۲ = ۲۰۱۸ء

(۳) پیر دانا علامہ مولانا محمد سالم قاسمی مہتمم دارالعلوم دیوبند ہند

۹۷۶ + ۱۰۴۲ = ۲۰۱۸ء

(۴) ہادی انجمن مولانا محمد سالم قاسمی فردوس بریں رفت

۷۲۶ + ۱۲۹۲ = ۲۰۱۸ء

(۵) لحد فرزند شیخ الاسلام مولانا محمد سالم قاسمی

۱۴۵۶ + ۵۶۲ = ۲۰۱۸ء

(۶) جناب مولانا محمد سالم بہشتی شدی

۵۶ + ۳۵۱ + ۱۰۳۱ = ۱۴۳۸ھ

(۷) وقد قال اللّٰہ جل کلامہ فھو فی عیشۃ راضیۃ

۴۳۶ + ۱۵۸۲ = ۲۰۱۸ء

(۸) لقد قال اللہ جل قولہ حسنت مستقرا ومقاما

۵۵۱ + ۱۵۰۷ = ۲۰۱۸ء

(۹) جناب مولینا محمد سالم قاسمی یغفر اللّٰہ لہ

۵۶ + ۵۷۱ + ۱۳۹۱ = ۲۰۱۸ء

(۱۰) قلب محزون خلیل احمد تھانوی

۲۴۳ + ۱۱۹۵ = ۱۴۳۸ھ

خطیب الاسلام حضرت مولانا محمد سالم قاسمی صاحب دامت برکاتہم کا ملت اسلامیہ کے نام ایک ضروری پیغام

آج ملت اسلامیہ پریشان حال ہے لیکن اسلام کی درج ذیل فطری تعلیمات اور ہدایات پر عمل کے ذریعہ ہی ان پریشانیوں سے نجات مل سکتی ہے اس لئے بطور پیغام یہ ہدایات اسلامیہ پیش خدمت ہیں۔

(۱) ارشاد نبوی ہے ’قرۃ عینی فی الصلوٰۃ‘‘ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز ہے، رسول اللہ ﷺ نے نہ صرف یہ کہ اپنے لئے بلکہ ساری امت کے لئے نماز کو راحتِ دل وجان بتایا، اس لئے خاص طور سے مسلمانوں پر نماز کی پابندی ضروری ہے، یہی مومن کی شناخت بھی ہے، اور نماز بہت سی برائیوں سے روکتی بھی ہے، نماز پنجگانہ کے علاوہ حتی الامکان صلوٰۃ الحاجۃ بھی ادا کرنی چاہئے۔

(۲) ارشاد نبوی ہے ’اعمالکم عمالکم‘ یعنی اپنی مصیبتوں اور پریشانیوں کا سبب دوسروں کو قرار دینے سے پہلے اپنے اعمال پر بھی نگاہ ڈالو اور اپنے ساتھ حاکموں کے طرز عمل کو اپنے اعمال کے آئینے میں دیکھو، ان کی نرم دلی تمہارے نیک اعمال کا ثمرہ ہوتی ہے، اور ان کی سختی تمہارے برے اعمال کے نتیجے کے طور پر سامنے آتی ہے کیونکہ انسانی دلوں کو نرمی یا سختی کی جانب مائل کرنا صرف اللہ رب العزت ہی کے قبضے میں ہے، اس لئے ہمارا سب سے پہلا اور مؤمنانہ فریضہ یہ ہے کہ ہم خوف خدا کے ساتھ اپنے اعمال کا جائزہ لینے کی عادت ڈالیں، اور انہیں درست کرنے کی زیادہ کوشش کریں۔

(۳) ’کفی بالمرء کذبا ان یحدث بکل ماسمع بالمرء‘ فتنوں کا سد باب کرنے کے لئے یہ شرعی ہدایت بھی غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے، کہ ’آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ ہر اس بات کو جو کان میں پڑے بلا تحقیق دوسروں کے سامنے نقل کردے‘ اس لئے کان میں پڑی کسی بات کو بلا تحقیق ہرگز زبان پر نہ لایا جائے۔ کیونکہ یہ افواہ ہے، اور افواہیں ہی بسا اوقات بڑے بڑے حادثوں کا سبب بن جاتی ہیں۔

(۴) اپنے جان و مال، عزت وآبرو اور دین وایمان کی حفاظت اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ہی اللہ تعالیٰ سے مانگی جائے کیونکہ اسی میں خدائی مدد شامل حال ہوتی ہے، بخلاف من گھڑت اور خودساختہ طریقوں کے ان میں نہ مدد خداوندی شامل ہوتی ہے اور نہ وہ اللہ کے یہاں مقبول ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کے ذریعہ حفاظت بننے کا کوئی سوال نہیں ہوتا۔

(۵) یہ تجرباتی حقیقت کسی دلیل کی محتاج نہیں کہ پیش آمدہ مشکل اور پریشانی کا جذبات کی رو میں حل کیا نکلتا مزید تکلیف دہ مسئلے ضرور پیدا ہوجاتے ہیں، اس لئے جذبات کی رو کے بجائے غیرت قومی وحمیت دینی کے ساتھ شعور کی روشنی میں مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی جانی ضروری ہے۔

(۶) ایک حل طلب مسئلے کے ساتھ دوسرے غیر متعلق حل طلب مسئلے کو جوڑ دینا تجربۃً دونوں مسئلوں کو حل نہیں ہونے دیتا ہے بلکہ اور زیادہ پُر پیچ بنادیتا ہے۔ اس لئے اس غلطی سے مکمل پرہیز کرنا ضروری ہے۔

(۷) ہر زمانے میں اس شرعی رہنما اصول کو پیش نظر رکھنے کو مومنانہ ذمہ داری سمجھنا چاہئے کہ کسی سے دوستی یا دشمنی میں حد سے آگے نہ بڑھو بلکہ اعتدال پر رہو کیونکہ آج کا دشمن کل کا دوست بھی ہوسکتا ہے اور آج کا دوست کل کا دشمن بھی ہوسکتا ہے۔

(۸) وقت اور حالات امید کے خلاف ہوجانے کی صورت میں ہمت اور حوصلہ کو اللہ کے بھروسے برقرار رکھو، اسی ہمت وحوصلے سے وہ صحیح راہ سامنے آسکتی ہے کہ جو وقت وحالات کو صحیح رخ دے کر امیدوں کو پورا کرسکتی ہے۔

﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ (سورة آل عمران: ۱۳۹)

(۹) یادرکھئے کہ بلا لحاظ مذہب وملت، ہر مظلوم اور مصیبت زدہ انسان کو ظلم اور مصیبت سے نجات دلانے کے لئے ضروری تیاری کرنا، اور تیار رہنا انسانی ضرورت بھی ہے اور شرعی ہدایت بھی۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''تمام انسان اللہ کا کنبہ ہیں پس اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ انسان وہی ہے جو اس کنبے کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔

(۱۰) پریشانی کے وقت ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ کا ورد کریں اور اگر یہ یاد نہ ہو تو 'یا سلامُ' زیادہ سے زیادہ پڑھتے رہیں، عام مسلمانوں کے لئے مندرجہ ذیل

دعاؤں کا ورد بھی بہتر ہے

(۱) ﴿رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ﴾ (سورة يونس: ۸۵)

(۲) ﴿رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاغْفِرْ لَنَا رَبَّنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ﴾ (سورة الممتحنة: ۵)

اور حفاظ قرآن عام طور پر سورۂ یٰسین، سورۂ نوح اور سورۂ فتح کا ورد کرتے رہیں۔

محمد سالم قاسمی، صدر مہتمم، دارالعلوم (وقف) دیوبند

۱۲/ جولائی ۲۰۱۶ء

آخری التماس

حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ کی حیات مبارکہ سے متعلق جو باتیں اللہ نے لکھوائیں وہ لکھ دی گئیں، لیکن حضرت کی حیات مبارکہ کے ہر گوشے پر لکھنے کے بعد یہی احساس دامن گیر رہا کہ

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہم چناں باقی

اس عظیم الشان اور موسوعی شخصیت کے نہ جانے کتنے پہلو ایسے رہ گئے ہیں جن کا ہم جیسے کم علموں کو احساس نہیں ہوا، یا پھر جن پہلوؤں پر حسب مقدور لکھا گیا ہے ان کا بھی نہ جانے کتنا حصہ ہمیں معلوم نہیں، البتہ راقم کے لئے یہ بات انتہائی امید افزاء ہے کہ سوانح لکھنے کی اجازت مجھے خود حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ نے دی تھی۔ اسی بات کے سہارے انشاء اللہ پر امید ہوں کہ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ مقبولیت سے سرفراز فرمائیں گے اور اگر اس میں غلطیاں رہ گئی ہوں تو اہل علم سے گذارش ہے کہ وہ ان کو معاف فرما کر راقم کی لاعلمی پر محمول فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اللہ اس کتاب کو حضرت خطیب الاسلام نور اللہ مرقدہ کے درجات کی بلندی کا ذریعہ بنائے، اور راقم کے لئے بھی ہر طرح کی کامیابی کا ذریعہ بنائے۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمدا و آلهٖ وصحبه وازواجه و اهل بیته
وعلیٰ من تبعهم باحسان الیٰ یوم الدین

مصادر ومراجع

نام کتاب	مقام اشاعت	مؤلفین
قرآن کریم		
بخاری شریف	فیصل پبلیکیشنز دیوبند	
مسلم شریف	فیصل پبلیکیشنز دیوبند	
ابوداؤد	فیصل پبلیکیشنز دیوبند	
ترمذیم	فیصل پبلیکیشنز دیوبند	
نسائی	فیصل پبلیکیشنز دیوبند	
طبرانی	مکتبہ تھانوی دیوبند	
ابن ماجہ	فیصل پبلیکیشنز دیوبند	
شعب الایمان، الامام البیہقی		
دیوان حضرت علی رضی اللہ عنہ	دارالمعارف دیوبند	
مصنف ابن ابی شیبة		
مستدرک حاکم مکتبہ الرسالہ، مصر		
بیاض یعقوبی	خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون	امیر احمد عشرتی
تذکرہ مولانا محمد احسن نانوتوی	کراچی، پاکستان	محمد ایوب قادری
نسب نامہ صدیقیان نانوتہ	(غیر مطبوعہ، قلمی نسخہ)	مفتی محمود نانوتوی
شجرہ خاندان صدیقی نانوتہ	جمعیۃ الامام محمد قاسم النانوتوی،	محمد اسامہ صدیقی نانوتوی
حیات طیب جلد اول، دوم	حجۃ الاسلام اکیڈمی، دیوبند	مولانا شکیب قاسمی ومولانا غلام نبی کشمیری
نقد الوکیل	لاھور	مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ
سوانح الامام الکبیر	لاہور، پاکستان	عبد القیوم حقانی
سوانح قاسمی	مکتبہ دارالعلوم دیوبند	مولانا مناظر احسن گیلانی
قصص الاکابر		حضرت تھانوی

شرح وقایہ	زکریا بک ڈپو، دیوبند	
سوانح حضرت حافظ محمد ضامن شہید	جمعیۃ الامام محمد قاسم النانوتوی	محمد اسامہ صدیقی نانوتوی
جذبات الم	ادارہ تالیفات اشرفیہ، ملتان	مولانا قاری محمد طیب
دارالعلوم دیوبند کی جامع ومختصر تاریخ	مکتبہ دارالعلوم دیوبند	
کلیات اقبال	مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی	
بانگ درا		
بیس مردان حق	مکتبہ رشیدیہ لاہور	عبدالرشید ارشد
پرانے چراغ	مجلس نشریات اسلام، ندوۃ العلماء لکھنؤ	مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ
نقوش رفتگاں	ادارۃ المعارف، کراچی،	مفتی تقی عثمانی
تذکرے	اریب پبلیکیشنز، پٹودی ہاؤس، دریا گنج	مفتی تقی عثمانی
دیوان الامام الشافعی	دارالمعارف دیوبند	
مشکوۃ شریف	زکریا بک ڈپو دیوبند	
کلیات اکبر	فرید بک ڈپو پرائیویٹ لمیٹیڈ دہلی	
تفسیر ابن کثیر	دارالعلم للملایین، لبنان	ابوالفداء عماد الدین ابن کثیر
تعلیم وتدریس کی اسلامی ذمہ داریاں	مطبوعہ عبدالسلام منزل، نانوتہ	محمد اویس صدیقی نانوتوی
دیوان حافظ فارسی		
چراغ رہگذر	ہریانہ وقف بورڈ	قاری اسحاق حافظؔ سہارنپوری
اقتراف الکبائر		عادل بن مبارک
حسن خاتمہ، سوء خاتمہ	جمعیۃ الامام محمد قاسم النانوتوی	محمد اسامہ صدیقی نانوتوی
پس مرگ زندہ	ادارہ علم وادب، افریقی منزل قدیم، دیوبند	مولانا نور عالم خلیل الامینی
البصائر والدخائر	مکتبۃ الرسالۃ، مصر	
استاذ الکل حضرت مولانا مملوک العلی	حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، کاندھلہ	مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی
سوانح حضرت مولانا عبدالقادر رائپوری	مجلس نشریات اسلام، ندوۃ العلماء لکھنؤ	مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی
تفہیمات الٰہیہ		حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی
نقوش سیرت نمبر	مطبوعہ دہلی	

سیرت کی جامعیت کے چند بنیادی اصول		مضمون حضرت حکیم الاسلام
دبستان معرفت کے ایک گوھر	رائے پوری ٹرسٹ، رائپور	از سلیم احمد ابوکلم اللہ ناظور قاسمی
معارف القرآن	مطبوعہ دیوبند	از مفتی شفیع صاحبؒ
مجالس حکیم الاسلام	ادارہ تصنیفات اولیاء دہلی	مولانا حبیب اللہ قاسمی
گلستان	مطبوعہ دیوبند	شیخ سعدی
شجرہ طیبہ	مدرسہ سراج العلوم، ہلالی سرائے سنبھل	خطیب الاسلام
سوانح مسعودہ بیگم رحمۃ اللہ علیہ	مکتبہ دعوت اسلام، نانوتہ	محمد اسامہ صدیقی نانوتوی
مجالس خطیب الاسلام	دارالاشاعت، شاہین نگر، حیدرآباد	
الجامع لاخلاق الراوی وآداب السامع	مطبوعہ دارالعلم للملایین، لبنان	خطیب البغدادی
دیوان المتنبی	مکتبۃ الرسالۃ، مصر	
المجموع شرح المھذب الامام النووي		
المدرس۔ ومہارات التوجیہ		محمد بن عبداللہ الدویش
احیاء علوم الدین	مکتبہ تھانوی، دیوبند	امام غزالیؒ
قصیدہ بردہ	علامہ بوصیری	
تذکرہ السامع والمتکلم لابن جماعۃ	دارالعلم للملایین، لبنان	
جامع بیان العلم وفضلہ		ابن عبدوس
اخلاق أھل القرآن		الآجري
کریما۔ مطبوعہ دیوبند		شیخ سعدی
خطبات حکیم الاسلام		
فرشتہ صفات	مکتبہ صوت القرآن دیوبند	قاری ابوالحسن صاحب
فضلائے دیوبند کی فقہی خدمات		
شاہنامہ اسلام	فرید بک ڈپو، دہلی	حفیظ جالندھری
تنقیحات حکیم الاسلام	مطبوعہ فرید بک ڈپو، دہلی	
علماء دیوبند کا دینی رخ اور مسلکی مزاج	مکتبہ دارالعلوم دیوبند	از حکیم الاسلام
تاریخ دارالعلوم دیوبند	مطبوعہ مکتبہ دارالعلوم دیوبند	سید محبوب رضوی

کتاب	مطبع / ناشر	مصنف
مسند احمد مطبوعہ	مکتبۃ الرسالۃ ،مصر	
بیاض حکیم الاسلام	(غیر مطبوعہ)	
بیاض خطیب الاسلام	(غیر مطبوعہ)	
حدیث اور فہم حدیث	مکتبہ عثمانیہ، دیوبند	مولانا عبداللہ معروفی
تاجدار ارض حرم	ادارہ تاج المعارف دیوبند	حضرت خطیب الاسلام
سفرنامہ برما	مطبوعہ حجۃ الاسلام اکیڈمی	حضرت خطیب الاسلام
حقیقت معراج	ادارہ نشر واشاعت دارالعلوم دیوبند	حضرت خطیب الاسلام
ایک عظیم تاریخی خدمت	ادارہ تاج المعارف دیوبند	حضرت خطیب الاسلام
مقالات خطیب الاسلام	مطبوعہ تاج المعارف دیوبند	مولانا شاہد صاحب
مردانِ غازی	ادارہ مطبوعات انجمن شمع ادب جالندھر	حضرت خطیب الاسلام
مبادی تربیۃ الأطفال الأساسیۃ (عربی)	طبع ونشر دارالاہتمام دارالعلوم دیوبند	حضرت خطیب الاسلام
القاموس الجدید عربی اردو	کتب خانہ حسینیہ دیوبند	مولانا وحیدالزماں صاحب کیرانوی
القاموس الوحید عربی اردو	کتب خانہ حسینیہ دیوبند	مولانا وحیدالزماں صاحب کیرانوی
القاموس الاصطلاحی اردو عربی،	کتب خانہ حسینیہ دیوبند	مولانا وحیدالزماں صاحب کیرانوی
المعجم الوسیط	مطبوعہ مکتبۃ الرسالۃ ،مصر	
ماہنامہ ندائے دارالعلوم وقف دیوبند 'خاص نمبر'	شعبہ نشر واشاعت دارالعلوم وقف دیوبند	
ماہنامہ دارالعلوم دیوبند		
پچاس مثالی شخصیات	مکتبہ فیض القرآن دیوبند	
نگارشات اکابر	حجۃ الاسلام اکیڈمی	
حیاۃ الصحابہ	المکتبۃ المدنیۃ دیوبند	
ریاض الصالحین	مکتبہ فیصل انٹرنیشنل، دہلی	
قرآن کریم کا معجزانہ پیغام	حکیم الاسلام بک ڈپو، دیوبند	
السیرۃ النبویۃ ابن ہشام	دارالمعرفۃ، بیروت، لبنان	
لطائف علمیہ	مکتبہ فیض القرآن دیوبند	
الامام محمد قاسم النانوتوی	اکادمیۃ الامام محمد قاسم النانوتوی، نانوتہ	محمد اویس صدیقی

مؤسسة جامعة الاسلامية دارالعلوم دیوبند وجهوده فی اعلاء کلمة الله
گلدستۂ احادیث — فیصل انٹرنیشنل دہلی
تفسیر مظہری — زکریا بک ڈپو دیوبند
جزیرۃ العرب — مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ
دارالعلوم اور دیوبند کی تاریخی شخصیات — مکتبہ تفسیر القرآن، دیوبند
ذکر رفتگان — مرکز نشر وتحقیق، لال باغ، مرادآباد
امداد السلوک 'اردو' — دارالکتاب دیوبند — مولانا رشید احمد گنگوہی
صحبتے با اولیاء — جامعہ اسلامیہ مظفرپور، اعظم گڑھ — ملفوظ حضرت شیخ الحدیثؒ
مشاہیر علماء دارالعلوم دیوبند — دفتر اجلاس صد سالہ دارالعلوم دیوبند — مفتی ظفیر الدین صاحبؒ

حجۃ الاسلام اکیڈمی
دارالعلوم وقف دیوبند

اسلام نے اپنی تاریخ میں ہر آن اور ہر لمحہ یہ ثبوت پیش کیا ہے کہ اس کا چمن ہر موسم میں نئے نئے پھول کھلا سکتا ہے۔ عقل وادراک کے کارواں نے سے نقل ووحی کی روشنی میں سفر شروع کیا ہے، اس کے سامنے علم وحکمت، فکر وبصیرت اور فضل وکمال کی ایک وسیع الآفاق کائنات بے نقاب ہوتی چلی گئی۔ عقل ونقل کے اس حیرت زدہ ارتباط، اور روایت ودرایت کے اس محیر العقول اتفاق نے ابتدائے اسلام میں رجالِ دین کا ایک کہکشانی افق دریافت کیا، جس کو کرۂ ارضی پر ''اصحابِ رسول'' (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام سے جانا گیا، اور اس پاکیزہ گروہ انسانی کے پایۂ استناد کو الم نشرح کرنے کے لیے ربِّ کائنات نے ''رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ'' کی شہادتِ افتخار اور سندِ اعزاز سے سرفراز فرمایا۔

اسلام کے اس عہدِ زریں کے بعد پھر ہر دور میں سیدنا الامام الاعظم ابوحنیفہؒ، سیدنا الامام مالک بن انسؒ، سیدنا الاما الشافعیؒ اور امام غزالیؒ جیسی شخصیات وجود میں آئیں۔ تیرہویں صدی کے موسم اور دینی احوال کے مناسب حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتوی علیہ الرحمہ کو وجود بخشا۔ حجۃ الاسلام علیہ الرحمہ اس بزم میں گو آخر میں آئے؛ لیکن پیچھے نہیں بیٹھے۔ انہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں اور حیرت انگیز علم وحکمت کی بلندیوں سے ہر دور کے اساطین علم اور رجالِ معرفت کی تصویر پیش کی۔

دارالعلوم دیوبند کی تاسیس کے انقلابی کارنامے اور برِّصغیر میں دین کی وقیع اور رفیع خدمات کے حوالے سے وہ کون شخص ہے، جو ان کے بارِ احسان سے زیربار، اور ان کے دینی وتعلیمی کارناموں کا منت کش نہیں ہے۔ ضرورت تھی کہ حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتویؒ کے علوم ومعارف اور افکار کو سہل زبان میں پیش کیا جائے، ان کی شخصیت اور انقلابی کارناموں سے دنیا کو متعارف کرایا جائے۔ یہ ایک ایسا اہم اور گراں قدر کام تھا کہ جس کی انجام دہی حلقۂ دارالعلوم دیوبند، قاسمی برادری اور فکرِ دیوبند کے ہر علمبردار کے کاندھوں پر فرض اور قرض کے درجے سے کم نہ تھی۔

حجۃ الاسلام اکیڈمی کا قیام بھی اسی سلسلہ کی ایک مفید کڑی ہے، حجۃ الاسلام اکیڈمی، دارالعلوم وقف دیوبند کو اس قلیل مدت کے اندر اربابِ علم ودانش کے حلقوں میں جو مقام حاصل ہوا ہے وہ خالص نصرتِ الٰہی ہی ہے، خدا تعالیٰ کے فضلِ عمیم اور احسانِ عظیم کا نتیجہ ہے۔

احیاء تراث السلف
مجمع حجۃ الإسلام
للبحث والتحقیق

Ḥujjat al-Islām Academy
Al-jamia al-Islamia Darululoom Waqf, Deoband
Eidgah Road, P.O. Deoband-247554, Distt: Saharanpur U.P. India
Tel : + 91-1336-222352, Mob: + 91-9897076726
Website: www.dud.edu.in
Email: hujjatulislamacademy@dud.edu.in, hujjatulislamacademy2013@gmail.com

www.dud.edu.in ₹ 1000
ISBN 9789384775094

ḤUJJAT AL-ISLĀM ACADEMY